دکھ دریا سکھ کا ساگر
آسیہ مرزا

اس نے کھڑکی کے ٹھنڈے فریم پر کہنی ٹکا کر باہر جھانکا' ایک مہیب تاریکی فضا پر بھوت کی طرح مسلط تھی۔ اس نے گھبرا کر سر اندر کر لیا اور اپنے اطراف نگاہیں دوڑائیں۔ پورے ماحول پر ایک مکمل سکوت سا طاری تھا۔ تھرڈ کلاس ڈبے کی کھڑکھڑاہٹ' سخت بے آرامی اور سہولتوں کے فقدان نے بھی کسی کی نیند کو شکست نہ دی تھی' تھکے ہارے لوگ ایسے سو رہے تھے جیسے کوئی بہت آرام دہ پر تعیش کمرے کے گداز بستر پر محو خواب ہوں اور ریل کی چھک چھک اے سی سے نکلنے والی فرحت انگیز ہوائیں ہوں۔

یقیناً اطمینان اور سکون تو دل کی تہہ میں ہوتا ہے۔ فرسٹ کلاس کمروں میں بھی دکھ اور خوف میں گھرے پریشان حال دل ایسی نیند نہیں پا سکتے۔ آپ سکون نہیں خرید سکتے اور بے خوف' شاد اور مطمئن دل فٹ پاتھ پر اور شور و غل میں بھی آرام سے لمبی تان کر سو لیتے ہیں۔

خوشی اور غم کا احساس تو دل کے موسموں سے جنم لیتا ہے۔

اس نے تھرڈ کلاس ڈبے کی سخت بے آرام سیٹ پر سر ٹکا دیا۔ اس بھیگی بھیگی سرد ہوا اور رات کی مہیب تاریکی میں وہ اپنے دل کے ساتھ تنہا محو سفر تھی' نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس لیے کہ اس کی انگار آنکھیں مستقبل کی تاریکی میں بہت کچھ تلاش کرنا چاہ رہی تھیں۔

اپنا حق۔
اپنا تحفظ۔
پروقار زندگی۔ اور ایسی زندگی جہاں وہ آسودہ سانسیں بھر سکے' اپنی مرضی سے جی سکے' بے خوف سانس لے سکے۔
دراصل ہماری فطری انسانی امید' مزاحمت اور نبرد آزمائی کے لیے ہمیں آگے اور آگے بڑھائے لے جاتی ہے اور وہ بھی یکدم مزاحمت کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ " لاکھ تلخ سہی مگر میں اس زندگی سے شکست نہیں کھانا چاہتی بالآخر شکست خوردہ انسان کو بھی جینا ہی پڑتا ہے۔ سانس کی ڈوری کے ساتھ جسم کو باندھے رکھنا پڑتا ہے تو پھر زندہ رہنے والوں کی طرح کیوں نہ جیا جائے۔"
وہ اپنی اس طرح کی سوچوں سے اپنے اندر کے خوف کو کم کرنا چاہ رہی تھی اپنے حوصلوں کو مجتمع کر رہی تھی مگر جانے کیوں۔ خوف سے زیادہ ایک ناآسودگی تھی جو رگ وپے کو جکڑے جا رہی تھی۔
ریل کی سیٹی بج رہی تھی۔ کسی نامانوس اسٹیشن پر ریل رک چکی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر بے مقصد جھانکا۔
"اے ہے بیٹی! اب کون سا اسٹیشن آیا ہے؟" برابر کی سیٹ والی خاتون ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھیں۔
"پتا نہیں!" اس نے بے دلی مگر نرمی سے جواب دیا۔
"لاہور کب آئے گا؟" وہ خاتون معصوم بچے کی طرح پوچھنے لگیں۔
"آجائے گا اماں! اس بے چاری کو کیا پتا۔" لڑکی نے چادر سے سر نکال کر اپنی اماں کو گھر کا۔
"ابھی دیر ہے۔ آپ سو جائیں۔" اس نے اسی نرمی کے ساتھ اس خاتون سے کہا جو بیٹی کی ڈپٹ پر منہ بنا کر رہ گئی تھیں۔
"لاہور میں بھائی کا گھر ہے۔ یہ ریشماں ہے میری بیٹی۔ ہم لوگ بہت عرصے بعد لاہور جا رہے ہیں۔ کوئی چار سال بعد۔ بھائی نے ہی نہ پوچھا اب تک' ہم بھلا کیا منہ اٹھائے چلے جاتے۔ اب۔ اب اتنے مان سے بلایا ہے تو......"
"اماں' اماں! وہی رٹی رٹائی کہانی نہ سنانے بیٹھ جانا' وہ بھی آدھی رات کو۔" وہ لڑکی جس کا نام ریشماں تھا۔ چادر سے نکل کر پھر بلبلائی تو اماں نے جھٹ چادر میں چہرہ چھپا لیا۔
اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی مگر ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ بے چین اماں پھ

چادر سے چہرہ نکال کر بولیں۔
"تم نے بتایا نہیں بیٹی لاہور میں تمہارا کون رہتا ہے؟"
اور وہ چونک گئی۔
"سسرال ہے یا ماں کا گھر یا پھر کوئی رشتے دار؟"
اس کے اعصاب جھنجھنا اٹھے۔ اس لیے کہ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا اور نہ وہ کوئی جواب سوچ کر نکلی تھی۔ ماں۔ باپ یہ سارے رشتے تو برسوں پہلے ساتھ چھوڑ گئے تھے۔
"کسی کے یہاں ٹھہرنے جا رہی ہو؟" اس کی خاموشی شاید طویل ہو گئی تھی اور اس خاتون کے لیے صبر آزما بھی۔
"جی۔ رشتے دار ہیں وہاں۔" یہ اس کا پہلا جھوٹ تھا جو اسے اندر سے زخمی کر گیا۔ اس خاتون نے انجانے میں اس کے درد کو بری طرح جھنجوڑا تھا۔ پتا نہیں لوگوں میں خاص کر عورتوں میں اتنا تجسس کیوں ہوتا ہے دوسروں کے بارے میں جاننے کا۔ اس نے خاتون کی سمت دیکھا جو بیٹی کے جاگنے پر دوبارہ چادر میں مکمل طور پر غائب ہو چکی تھیں۔ اس نے سیٹ کی سخت اور غیر آرام دہ پشت پر ٹیک لگا دی۔
رشتے دار تو اس کے لیے عفریت تھے۔ جس عفریت سے وہ فرار ہوئی تھی۔
ایک خوفناک خواب تھا جسے وہ بھول جانا چاہتی تھی۔
چچی۔
احمر۔
فرزانہ' شہانہ۔
اور وہ گھر جہاں گھٹن اور حبس سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا اسے یقین تھا کہ اگر وہ مزید وہاں رہی تو زندہ درگور ہو جائے گی مگر زندہ درگور تو وہ پہلے ہی ہو چکی تھی۔ مر تو وہ اسی روز گئی تھی جب اسے ناکردہ غلطی کی سزا سنائی جا چکی تھی۔ چچا اور احمر نے بھی اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جس میں اجنبیت تھی' بے رحمی تھی کہ وہ اندر سے ادھڑ کر رہ گئی۔ تنکا تنکا خود کو جوڑنے کا عمل بکھر کر رہ گیا۔
آہ۔ اسے تو اس قید خانے سے بہت پہلے نکل جانا چاہیے تھا مگر اس نے بہت دیر کر دی۔
بہت اتنا مجروح کرنے کے بعد۔
بہت ہزیمت اٹھانے کے بعد۔

ایک ایسی تہمت سر لینے کے بعد جس نے اس کی زندگی کی ساری امنگیں چھین لی تھیں۔
احتجاج کی ساری توانائیاں کھینچ لی تھیں۔

اس وقت ساری گواہیاں اس کے خلاف تھیں۔ حالات نے اسے کس قدر بے بس اور لاچار کر دیا تھا۔ سب کی باتیں سن سن کر تو اسے بھی اپنی ذات سے نفرت ہونے لگی تھی۔ ایک کراہیت کا احساس جاگنے لگا تھا۔

اور ایسے میں جب زندگی بہت تنگ ہو جائے۔ نفرت اور حقارت کے بگولے تن من جھلسانے لگیں تو شاید ہر لڑکی کے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔

خود کو ختم کر دینے کا یا پھر فرار کا راستہ۔

زندہ رہنے کے لیے مسلسل نبرد آزمائی کا جذبہ پھر فرار کا راستہ۔

اور اس نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ اس لیے کہ وہ بزدل تھی کم ہمت تھی اور زندہ رہنے کی لاشعوری طور پر خواہش مند بھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اب آگے اس کے لیے کیا ہے۔

زہریلی کھائیاں یا روشن شاہرائیں۔

وہ نہیں جانتی تھی اور نہ جاننا چاہتی تھی۔ چونکہ وقت سے پہلے جاننے کے عمل سے گزرنا کبھی کبھی بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ ایک اچھی اور قدرے بہتر زندگی کی خواہش میں نبرد آزما ہوئی ہے۔

صبح کی سفیدی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ زندگی میں پھر ہلچل پیدا ہو گئی تھی۔ آوازوں کا شور اس کو ساری توجہ اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔

"چوڑیاں' چوڑیاں لے لو۔"

"اے ہے میاں کیا چوڑیاں سمیت آنکھوں میں گھسے جا رہے ہو۔" رات والی خاتون بیٹی کے ساتھ ناشتے میں مصروف تھیں کہ چوڑی والے کا یوں سر پر آ جانا انہیں ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

"باجی جی' چوڑیاں نہیں لینی کیا؟" اس نے رنگ برنگے دو سیٹ لڑکی کے سامنے لہرائے۔

"اماں! مجھے چوڑیاں دلا دو۔ دیکھو کتنی پیاری پیاری ہیں۔" وہ اپنی اماں کے سر ہونے لگی۔

"اے ہے پرے تو ہٹو اور ہٹاؤ اپنا یہ ٹوکرا۔ لے کے بیٹی کو لالچ دلا دیا۔" انہوں نے جھنجلا کر اس کے ٹوکرے کو دیکھا جو اس کے بازو سے لٹکتا اماں کے سر سے ٹکرا گیا تھا جس پہ وہ سخت برہم ہو رہی تھیں اوپر سے بیٹی کی ضد۔

"اماں مجھے بھی لینی ہیں چوڑیاں۔"

"تو منع کون کر رہا ہے تجھے لے مر۔ ادھر آ بھائی دے دے اسے چوڑیوں کا سیٹ۔ پرنہیں

اپنا ٹوکرا ادھر لا ہم اپنی پسند کی لیں گے۔"

"لے لو باجی..... جو بھی لے لو۔ تم بھی آپا لے لو۔" اس نے ماں بیٹی کے نوک جھوک سے محظوظ ہوتے ہوئے زنیرہ علی خان کے آگے چوڑیوں کے دمکتے سیٹ چھنکائے تو وہ چونکی۔

"آں.... ہاں نہیں مجھے نہیں لینا۔" اس نے جلدی سے سر نفی میں ہلا دیا اور چہرہ کھڑکی کی طرف کی سمت کر لیا تاکہ چوڑیوں والا اصرار نہ کرے۔

ایک مدت ہوئی اس نے اپنی کلائیوں کو سونا ہی دیکھا تھا۔ کھنکتی رنگین چوڑیاں اس کے لیے کسی کشش کا باعث نہ تھیں ہاں کبھی ایک زمانے میں رہی ہوں گی۔ اسے یاد تھا ایک بار احمر ہی چاند رات کو اس کے لیے خوب صورت چوڑیاں لایا تھا اور کہا تھا۔

"زینی! یہ تمہاری کلائیوں میں بہت جچیں گی۔ ذرا پہن کے تو دکھانا۔" اس نے سرخ اور سبز رنگ کی خوش نما چوڑیوں کو اس کی مسہری پر بکھیر دیں۔

"پہنو نا' انہیں۔" وہ اصرار کرنے لگا۔

"چچی سے پوچھ لیا ہے؟" وہ بجائے چوڑیوں کہ احمر کو دیکھنے لگی۔

"ہشت بد تمیز... مجھے چڑا رہی ہو' دیکھو زینی۔ میں امی سے ڈرتا ورتا نہیں ہوں بس ذرا احترام کر جاتا ہوں۔" اس نے اپنی بزدلی پر پردہ ڈالنا چاہا تھا۔ "احترام اور بزدلی میں بہت فرق ہوتا ہے احمر ہاشم۔" اس نے فقط سوچنے پر اکتفا کیا تھا۔ اس نے احمر کی آنکھوں میں تمنا کے شعلے لپکتے دیکھے تھے۔ بڑے چاؤ سے وہ اس کے لیے لایا تھا چچی سے چھپ کے ہی سہی۔ دہری محنت کی تھی اس نے ساری پہن لیں۔

"اچھی لگ رہی ہیں نا؟" اس کے معصوم دل نے بھی اپنی تعریف سننے کی آرزو کر ڈالی۔

"بہت اچھی... ایسا لگ رہا جیسے چاندنی پر دھنک رنگ لہرا گئے ہیں۔" وہ اس کی شفاف کلائی کو تھام کر جذبات سے مغلوب آواز میں بولا تو اس نے گھبرا کر جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"تمہارے ہاتھوں میں تو بڑی جچیں گی تم کیوں نہیں لے رہی ہو۔" اس خاتون کے ٹھوکے پر

مجھے پسند نہیں ہیں چوڑیاں۔" اس کے لہجے میں عجیب طرح کی سختی عود آئی۔

ماضی کی یادیں بڑے بے اختیارانہ ذہن پر چھپی تھیں کہ اس کا لہجہ غیر محسوس طور پر تلخ ... نجانے کہاں کہاں اور کن کن مراحل پر یہ یادیں اس کا پیچھا کرتی رہیں گی وہ جب اس گھر سے آئی تھی تو اس ماضی سے بھی کٹ جانا چاہتی تھی۔

ونہہ' رکھا ہی کیا ہے تلخ اور بے مہر ساعتوں میں۔

"اماں! یہ تو بہت سستی دے رہا ہے۔ میں نیلو اور فرحت کے لیے بھی لے لوں؟"

"اے ہے نوج۔ اتنا خرچا۔ سستی ہی دے رہا ہے ناں۔ مفت تو نہیں بانٹ رہا تمہیں لینا ہے تو فرحت کے لیے لے لو۔"

"اماں! تم ہمیشہ نیلو بھابی کی قسمت پر ڈنڈی مار دیتی ہو۔" وہ لڑکی برا سا منہ بنا کر چوڑیوں کے ٹوکرے سے کسی فرحت نامی لڑکی کے لیے چوڑیاں منتخب کرنے لگی اور وہ خاتون ہاتھ والا پنکھا جھلتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

"مارے گرمی کے دم نکلا جا رہا ہے کب یہ موئی ریل چلے اور یہ چوڑی والا یہاں سے ٹلے۔ بس بھی کر اب کم بخت میرے پاس قارون کا خزانہ نہیں ہے جو لٹائے جا رہی ہے۔ اے ہے میں کہہ رہی ہوں ناں اب بس کر۔"

"اماں! میں نے نیلو بھابی کے لیے بھی ایک سیٹ پیک کروا لیا ہے۔" وہ لڑکی نہایت اطمینان سے اماں کی ڈانٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولی اور چوڑی والے کو پیسے دے کر خریدی ہوئی چوڑیوں کے سیٹ اپنے تھیلے میں ڈالنے لگی۔

"دیکھیں کس قدر سستی ہیں جو سیٹ ہم کراچی میں دس بارہ روپے کا لیتے ہیں۔ اس نے پانچ روپے کا مجھے دے دیا ہے۔" وہ از حد مسرور ہو رہی تھی اور جواباً اس بڑی بی نے ہاتھ میں پکڑا پنکھا اس کے شانے پر جڑ دیا۔

"پانچ روپے کما کر تو دکھا مجھے یہ 'پانچ روپے نہ ہوئے چونی ہو گئی۔" وہ کچھ اور غصے میں پنکھے کو تیز تیز جھلنے لگیں اور تب ریل نے رینگتے ہوئے وسل دی تو اس نے بھی اپنی ساری توجہ کھڑکی کی طرف متوجہ کر لی۔

لمحے رینگتے رینگتے گزرتے رہے اور خدا خدا کر کے لاہور اسٹیشن آیا تو اس کے اندر نئی توانائی جاگی۔ ایک طویل بور اور صبر آزما سفر طے ہو جانے پر اس نے شکر ادا کیا اور اپنا سامان جو چرمی بیگ کی صورت میں تھا سنبھالا اور نیچے اتر آئی۔

اسٹیشن پر ایک افراتفری مچی ہوئی تھی۔ اپنے اپنے رشتے داروں کے منتظر لوگ ریل رکتے ہی اس کی جانب لپکے اور اپنے اپنے لوگوں کو ڈھونڈ کر ان سے دھڑا دھڑ لپٹ رہے تھے۔

ایک وہ تھی اپنی جگہ خاموش اور تنہا۔ نہ اسے کوئی لینے آیا تھا اور نہ چلتے وقت کسی سے گلے لگ کر وہ جدا ہوئی تھی۔ اس نے اپنے اطراف نگاہیں دوڑائیں۔ وہ جانتی تھی کہ اس شہر میں کوئی آشنا چہرہ نہیں ملے گا اور نہ وہ دل سے کسی 'آشنا' کسی مانوس چہرے کی خواہاں تھی۔

وہ ایک خالی بینچ پر بیٹھ گئی۔ اب اسے اپنے لیے کسی راستے کا تعین کرنا تھا خود کو انجانے راستے اور نا آشنا منزل کی طرف بڑھنے کے لیے تیار کرنا تھا۔ معاً کسی احساس کے تحت وہ کھڑی ہو گئی۔ اس مصروف گزر گاہ میں یوں ایک لڑکی کا تنہا بیٹھنا کچھ معیوب سا محسوس ہو رہا تھا۔ ویسے بھی تنہا لڑکی اجنبی جگہ اور اجنبی لوگ۔ ہزار نگاہیں تھیں۔

چالاک۔

بے ضرر۔

عیار۔

مشکوک۔

اسے ایک دم محسوس ہونے لگا جیسے اس کی پیشانی پر پھوٹتا پسینہ اب لکیروں کی صورت میں بہنے لگا ہے اور ان لہروں میں اس کی ساری ہمت، ساری بہادری بھی بہنے لگی ہے۔

اس نے بے ارادہ قدم آگے بڑھا دیے مگر دوسرے ہی قدم پر اپنے شانے پر ایک نرم ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی نہ صرف اس کے قدم رک گئے بلکہ اسے سینے میں اپنی سانس تک بند ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ ایک خوف کے عالم میں وہ پلٹی۔ گلابی پرنٹڈ سوٹ پر بلیک اسکارف پہنے وہ لڑکی اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔

"آپ کے رشتے دار شاید آپ کو لینے نہیں آئے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

اس نے بس خالی نظروں سے اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔

"ہاں۔ شاید نہیں۔" اس کے اندر کی بزدل لڑکی کا دل سہم کر یوں دھڑ دھڑ کرنے لگا جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑے جانے والے نو آموز چور کا دل۔

"مجھے شہلا نواز کہتے ہیں۔ میں اپنے باس کی خالہ کو ریسیو کرنے آئی تھی مگر وہ محترمہ شاید اس ٹرین میں نہیں آئیں۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بے تکلفی کے ساتھ یہاں موجود ہونے کی وجہ بھی بتائی اور اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا بھلا اس کے پاس اس کی بات کا کیا جواب تھا۔ وہ اس بے تکلف لڑکی کو بالکل نہیں جانتی تھی۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"زنیرہ۔"

"اچھا نام ہے۔" وہ مسکرائی۔ اس کی آنکھوں کی چمک گہری ہو گئی تھی وہ مسلسل اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی پھر اچانک اس نے زنیرہ علی خان کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔

"لگتا ہے اس شہر میں بالکل نووارد ہو۔ جس طرح کوئی پرندہ اڑتے اڑتے بھٹک گیا ہو اور

گہری شام میں اب اسے کچھ بھی سجھائی نہ دے رہا ہو کہ کس راستے کی سمت پرواز کرلے۔"
شہلا نواز کو صرف چہرہ شناسی میں ہی کمال حاصل نہیں تھا وہ دلوں میں جھانکنے کا فن بھی جانتی تھی اور پھر اس کے چہرے پر پھیلتے خفت کے رنگ اور خود میں سمٹ جانے کے لمحہ بھر کے عمل نے شہلا نواز کے شک کو یقین میں بدل دیا۔

"میں جان گئی ہوں تمہارا یہاں کوئی نہیں ہے۔" وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی مگر اس کے لہجے میں خلوص کی فراوانی تھی اور آنکھوں میں اپنائیت۔ وہ اسے بازو سے تھام کر چلنے لگی اور وہ بھی کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"میں تمہاری طرف اس لیے بڑھی کہ تمہارے چہرے پر بلا کی معصومیت اور حماقت برس رہی ہے جو کسی بھی شاطر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔"

زنیرہ نے حیرت کے ساتھ سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہاں تو ایسے ایسے۔ بھیڑیے منہ کھولے کھڑے ہیں' بظاہر چہرے پر مہذب ماسک چڑھائے مگر آنکھوں میں بھوک کی چمک لیے اور تم جیسی لڑکی تو بڑا تر نوالہ ثابت ہو سکتی ہے۔ بتاؤ کچھ سوچ کر نکلی ہو یا یونہی منہ اٹھائے چل نکلی ہو۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔" وہ ہنسنے لگی اور زنیرہ علی کے چہرے کی سرخی بتدریج بڑھتی چلی گئی۔

"نہیں' میں نے کچھ نہیں سوچا۔" اس نے اپنی حماقت کا کھلا اعتراف کر ڈالا۔ حقیقتاً شہلا نواز جیسی لڑکی کو دیکھ کر اس کو ڈھارس سی ملی تھی۔ وہ اپنا بکھرا اعتماد سنبھالنے لگی۔ خود کو کسی حد تک سنبھال چکی تھی۔

"سبحان اللہ۔ ارے خدا کی بندی تو دو دن اور گھر میں رہ کر سوچ لیتیں۔" وہ استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔

"گھر.... کون سا گھر؟" اس کے اندر جیسے کسی نے پوری طاقت سے پتھر مار کر وہ کانچ توڑا جسے دل کہتے ہیں۔

اگر گھر جیسی چھاؤں اس کے پاس ہوتی تو وہ یہاں دھوپ میں جھلسنے کے لیے کیونکر آتی۔ وہ ایک حبس زدہ مکان سے نکلی تھی...... کھلی فضا کی خواہش میں۔

"دھوکا کھانا ہم لڑکیوں کے نصیب میں ہوتا ہے۔ وفا کی پتلی بے وفائی کی بھینٹ سب سے زیادہ چڑھتی ہیں۔ خیر چلو آؤ باقی باتیں گھر پر ہوں گی۔" وہ سڑک کی طرف آ گئیں۔

"گھر.... کک کس کا گھر۔" اس نے چونک کر اس اجنبی لڑکی کی طرف دیکھا۔ ہاں وہ اس کے لیے اجنبی ہی تو تھی محض چند رسمی جملوں کا تبادلہ ہی تو ہوا تھا ان دونوں کے درمیان۔

"بھئی میرے گھر۔ ظاہر ہے اب تمہیں یوں بے یار و مددگار تو میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی ناں۔" وہ اپنائیت سے بولی یوں جیسے وہ دونوں برسوں سے ایک دوسرے سے آشنا ہوں۔

وہ چپ چاپ سی رہ گئی یوں بھی اس کے پاس اس اجنبی دوست کے ساتھ نہ جانے کا کوئی جواز بھی نہ تھا۔ وہ اسے لیے سڑک پر آ گئی اور لفٹ لینے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"میں زیادہ تر گاڑیوں میں ہی سفر کرتی ہوں۔ بس میں لٹکنا میری شان کے خلاف ہے اور رکشا میں افورڈ نہیں کر سکتی۔" وہ کچھ اس انداز سے اسے بتا رہی تھی کہ اسے ہنسی آ گئی۔

"اب دیکھو نا یہ جو ہمارے ملک کے معمار ہیں جو بڑی بڑی سی گاڑیاں لیے پھرتے ہیں۔ کبھی ہنڈا اکورڈ کبھی شیراڈ کبھی سوزوکی آلٹو میں دندناتے پھرتے ہیں ان پر ہمارا حق بھی اتنا ہی تو ہے جتنا ان کے اندر بیٹھے ہوؤں کا۔" شہلا نواز کے جملوں پر اب زنیرہ کو ہنسی سے زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔ "یہ شہلا نواز کس ٹائپ کی لڑکی ہے؟" اس نے سوچنا چاہا مگر اس اثنا میں وہ اپنا کام کر چکی تھی اور اب ایک بے حد اپ ٹو ڈیٹ بندے سے محو گفتگو تھی جو گلاسز ماتھے پر چڑھائے باچھوں کو کانوں تک چیرے ہوئے تھا۔

"لیڈیز' میرے لیے یہ باعثِ رحمت ہو گا۔" اس نے خوشدلی کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے فراخدلی سے گاڑی کے دروازے کھول دیے اور شاید دل کے بھی اور شہلا نواز جیسی لڑکی کو بس اجازت کی دیر تھی وہ نرم نرم آرام دہ سیٹ پر جا سمائی اور ساتھ اسے بھی گھسیٹ لیا۔

"بائے دی وے مس یہ آپ کا لفٹ لینے والا تجربہ کتنے سال پرانا ہے؟" وہ ویو مرر سیٹ کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"پانچ سال یا اس سے بھی زیادہ۔ بائے دی وے آپ کا لفٹ دینے والا تجربہ کتنے سال پرانا ہے؟" وہ کہاں کم تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کا بھرپور مردانہ قہقہہ گونج اٹھا۔

"مجھے تو اس میدان کا اناڑی ہی کہہ لیں تو بہتر ہے۔"

"خوب۔ آپ کہتے ہیں تو مان لیتی ہوں ورنہ آپ کے چہرے سے تو ہرگز نہیں لگتا کہ آپ اتنے اناڑی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" اس نے نہ سمجھتے ہوئے پلٹ کر اسے ایک نظر دیکھا اور جواباً شہلا کھلکھلا ...

"میں حقیقتاً آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" وہ ضرورت سے زیادہ معصوم بننے کی کوشش کر رہا ... شہلا بولی۔

"مطلب یہ کہ چہرے سے اتنے بے حس تو نہیں لگتے کہ کوئی لڑکی لفٹ مانگے اور آپ بے

نیازی سے گزر جائیں۔"

لڑکا ہنس دیا۔ شہلا نواز شاید لوگوں کو لاجواب کرنے کا فن جانتی تھی۔

مگر زنیرہ عجیب سے احساسات میں گرفتار ہو رہی تھی۔ اسے جہاں شہلا جیسی تیز و طرار پُراعتماد لڑکی سے ڈھارس ملی تھی وہیں ایک نادیدہ سا خوف بھی دل میں جنم لے رہا تھا۔ کیا وہ معاملے میں بھی اتنی پُرخلوص ثابت ہوگی جتنی نظر آ رہی ہے یا اس پر اندھا اعتماد کر کے اس اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔

اس نے سن رکھا تھا کہ عورت، عورت کے ہاتھوں ہی لٹتی ہے اور پھر اسے عورت کے لٹنے کا ذلیل و خوار ہونے کا خاصا تلخ تجربہ بھی تھا۔

چچی بھی ایک عورت تھی۔

فرزانہ آپی بھی اور شبانہ بھی۔

اور حقیقتاً اسے اس مکان میں جو بھی دکھ ملا تھا انہی عورتوں سے ملا تھا ورنہ چچا صبح کے شام کو لوٹتے تھے۔

اور احمر!

اس سے آگے اس کی سوچوں کی طنابیں کھنچنے لگتی تھیں اس نے نفرت سے ہونٹ بھ سر جھٹک دیا۔

گاڑی رک چکی تھی اور وہ لڑکا شہلا سے مخاطب تھا۔

"مس شہلا کسی آسان ایریا میں آپ کو رہنا چاہیے تھا۔ کم از کم بندہ راستہ تو یاد رکھ۔ اف، مجھے تو بالکل بھول بھلیوں والا کھیل یاد آ گیا جو ہم بچپن میں کھیلا کرتے تھے۔"

"بس اسے اپنی میموری کا امتحان سمجھ لیں۔" وہ نیچے اتر آئی۔

اس سارے راستے میں شہلا اور وہ خاصے بے تکلف ہو چکے تھے۔

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ سر ہلا کر اپنے گلاسز دوبارہ آنکھوں پر جمانے لگا اور پھر زن سے دونوں کے قریب سے اڑا لے گیا۔

"خاصا تیز لڑکا تھا۔" شہلا اس کے جانے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ویسے ہے کہ اس غریب کو یہ علاقہ یاد رہے۔ اب دیکھو نا مجھے تو ہزاروں لوگوں سے لفٹ لینی پڑتی اب سیدھے آسان راستوں سے ہی سب کو لاؤں تو بعد میں کس کس سے نمٹوں گی ایک بیمار والی بات ہو جائے گی۔" وہ ایک بڑے قہقہے کے ساتھ کسی فخریہ انداز میں بولی۔

اور وہ جو سارے راستے شہلا کی بے باک طبیعت اور ذہانت سے سہم سی گئی تھی اب

پہنچ کر بری طرح تذبذب میں پڑ گئی تھی۔ یہاں آنے کے بعد اس کا ذہن بالکل نئے انداز سے سوچ رہا تھا بلکہ ڈر رہا تھا کہ اس نے یہاں آ کر ایک بہت بڑی غلطی کر ڈالی ہے پہلے ہی پچھتاوے کم نہ تھے اس کے پاس اب کسی نئے پچھتاوے کو افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

"بے اعتبار ہو رہی ہو۔" اس نے براہ راست اس کی سوچوں میں کھوئی آنکھوں میں جھانکا تو وہ دم بخود رہ گئی۔ یہ شہلا آخر چیز کیا ہے؟ اسے واقعی اس سے ڈر لگنے لگا۔

"کم آن زنیرہ تمہیں بہرحال یہاں آ کر کسی ایک پر تو اعتبار کرنا ہی تھا تو پھر مجھ پر ہی کیوں نہیں۔" اس کا لہجہ تسلی آمیز تھا۔ "ڈرنا تو تمہیں اس وقت چاہیے تھا جب تم...... خیر چلو آؤ۔"

وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لیے چلنے لگی خاصی تنگ گلی تھی.... چھوٹے چھوٹے کوارٹرز نما گھر ایک قطار میں دونوں اطراف بنے ہوئے تھے۔ گلی میں کھیلتے بے نیاز بچے، ابلتے گٹر اور جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ وہ شہلا نواز کی ہمراہی میں ایک قدرے بہتر دو منزلہ عمارت کے سامنے رک گئی۔

"اس عجوبے کی لینڈ لارڈ بے حد خرانٹ بڑھیا ہے۔" شہلا بڑے سے گیٹ کا کنڈا بجاتے ہوئے بولی۔ چند لمحے بعد ایک زوردار آواز کے ساتھ گیٹ کھل گیا اور کوئی پچاس پچپن کے لگ بھگ کی عورت کا سراپا نمودار ہوا سخت بگڑے ہوئے تیور کے ساتھ۔ پہلے اسے دیکھ کر ذرا سا چونکیں پھر شہلا پر غصہ اتارنے لگیں۔

"اتنی گرمیوں میں بھی تمہیں چین نہیں ہے۔ گھر میں ٹک کر نہیں بیٹھ سکتی ہو نہ باہر کہیں۔"

"اپنے گھر میں بندہ مرضی سے آیا جایا کرتا ہے۔ کوئی دھونس ہے کیا؟" وہ جواباً اس سے زیادہ کڑے لہجے میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلی آئی۔

"دروازہ مجھے ہی کھولنا اور بند پڑتا ہے نا۔"

"تو رکھ دیں نا کوئی چوکیدار۔ میں نے کب کہا ہے کہ گیٹ آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے ہی کھولیں اور بند کریں۔"

"اچھا یہ کون لڑکی ہے تمہارے ساتھ؟" وہ شاید شہلا کی اس بحث پر اتر آنے والی عادت سے نالاں تھیں، موضوع بدل کر نگاہیں اس کے سراپا پر گاڑ دیں۔

شمشاد بیگم کے لیے تو یہ قطعی اجنبی تھی۔

"اغوا کر کے لائی ہوں۔" وہ ہنوز ترخ کر کہتے ہوئے اپنے پورشن کی سمت جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"بڑی کمینی عورت ہے یہ۔"

"کون؟" اس نے حیرت سے شہلا کو دیکھا۔

"ارے وہی شمشاد بیگم لینڈ لارڈ اس کبوتر خانے کی اور کون۔" اس کے کبوتر خانے کہنے پر وہ بے اختیار آئی ہنسی کو نہ روک سکی۔

"میری تو ازلی دشمن ہے جیسے۔"

"حیرت ہے پھر بھی تم اس کی کرائے دار ہو۔" وہ اس بات پر خاصی متحیر ہوئی۔

"کرایہ جو ٹھونستی ہوں اور اتنی آسانی سے اس پنجرے میں اب کون آئے گا اور اوپر سے اس محترمہ کی چخ چخ پخ پخ۔ اوپر تین کمرے پہلے ہی خالی ہو چکے ہیں۔ سب کی برداشت میری جتنی تو نہیں ہو سکتی نا۔"

وہ اسے لیے اپنے پورشن میں آگئی۔ یہ ایک درمیانے سائز کا کمرہ تھا اس سے ملحق چھوٹا سا اٹیچڈ باتھ روم اور ایک طرف چھوٹا سا باورچی خانہ تھا اور سامنے کی طرف ہوا دار برآمدہ جس میں بہ مشکل دو انسان کھڑے رہ سکیں۔

"تو یہ ہے جناب میرا وائٹ پیلس جسے تم بے ترتیب پیلس بھی کہہ سکتی ہو۔" اس نے زنیرہ کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"اچھا ہے، سر چھپانے کی جگہ تو ہے اور پھر سکون سب سے نایاب چیز ہے جسے حاصل ہو جائے تو کائنات کی دوسری ساری آسائشیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔" اس کے سینے سے ایک گہری سانس آزاد ہوئی پھر جیسے کسی خیال کے تحت چونکی۔

"تم۔ یہاں تنہا رہتی ہو، میرا مطلب ہے تمہاری فیملی یا؟"

اس کے سوال پر شہلا نواز منہ پھاڑ کر ہنسنے لگی۔

"ارے بھئی اس چھوٹے سے کمرے میں دس انسان تو رہنے سے رہے اور پھر تم کہتی ہو کہ سکون حاصل کرنے کے بعد ہر شے بے حقیقت ہے پھر۔"

"مگر رشتے ناتے۔ انسان تو...؟" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر کچھ سوچ کر لب بھینچ لیے۔ جب شہلا نواز اپنی کتاب زندگی کو کھولنا ہی نہیں چاہتی تو وہ کیوں کرید کرتی۔

"تم تھک گئی ہو۔ اس لیے پہلے آرام کر لو اور ہاں یہ بوجھ تو اتار دو اپنے شانے سے میں فٹافٹ مزے دار قسم کی چائے بنا کر لاتی ہوں پھر باتیں بھی ہوں گی۔" وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی اور زنیرہ علی خان نے اپنے شانے پر رکھا سیاہ چرمی بیگ کسی بھاری بوجھ کے مانند اتارا اور ہوا میں تیرتے بادلوں کی طرح خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔

○☆○

"دل کا نگر اب بسے نہ بسے
کر لیا فیصلہ مسکرائیں گے
غم ہیں ہزار الجھنیں بے شمار
ہر کوئی غمگسار اب نہیں چاہیے
ہاں نہیں چاہیے
نہیں چاہیے
ہاں ہاں نہیں چاہیے
ارے ہاں..... ہاں.... نہیں چاہیے، بھئی نہیں چاہیے۔"

"اے ہے لڑکے! باؤلے ہو گئے ہو کیا؟" تائی ماں کی آواز پر غالب نے دونوں کانوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے۔

"کچھ مجھ سے کہا امی حضور آپ نے؟"

"ہاں تم ہی سے کہا ہے تمہارے سوا یہاں اندر کون راگ الاپ رہا ہے کان سڑتے ہیں ہمارے تو۔" نیلو فر عرف نیلی نے سوئی میں دھاگا پروتے ہوئے تائی ماں کے حصے کا جواب دیا۔

"گنگناتے وقت اپنے اطراف بھی دیکھ لیا کرو کہ یہاں سب تمہاری مداح سرائی میں نہیں بیٹھے ہیں۔" سارہ آپی جو تائی ماں کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھی تھیں، نے سخت بے زاری کا اظہار کیا گویا یہاں سارے ہی اس کی گنگناہٹ سے نالاں تھے۔

"حد ہو گئی۔ ہے بدذوقی کی بھی۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ماشاءاللہ باذوقی تو آپ پر ختم ہوئی ہے۔" نیلی ہنسی۔

"بالکل، اس میں کیا شک ہے۔ اب دیکھو کس قدر سر میں گنگنا رہا تھا کہ "دل کا نگر اب بسے نہ بسے کر لیا فیصلہ کہ۔""

"بس بس۔ اول تو تم گنگنا نہیں رہے تھے بلکہ چھٹپٹا رہے تھے اور دوم یہ کہ نہایت بے کار گیت اور انتہائی بے سرے انداز میں۔ میرا خیال ہے گانے والے نے اس قدر برے انداز میں تو نہیں گایا ہو گا۔" وہ تمسخرانہ انداز میں چڑاتے ہوئے ہنس رہی تھی اور ایسے میں غالب کا جلنا سڑنا ضروری تھا۔

"تم کیا جانو گھمبیر آواز کا جادو کیا ہوتا ہے۔ بندر کیا جانے ادرک کا مزہ۔"

"آہاہ۔ گھمبیر آواز..... وہ بھی ہاہا۔ نیا انکشاف کیا ہے اسد اللہ خان غالب نے آج۔ اس

آواز پر تو...“

”دیکھو..... دیکھو ایک لفظ بھی اب کہا نا میری آواز کے بارے میں تو۔“ وہ مارے طیش کے اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا اور نیلی واقعی سہم گئی۔

”آئے ہائے خدا کا خوف کرو..... نہ شرم نہ لحاظ۔“ تائی ماں اس اچانک افتاد پر بگڑ کر دونوں کو گھورنے لگیں۔ ”نیلی تم تو لڑکی ذات ہو‘ زبان کو قابو میں رکھ لیا کرو۔“

”کیوں کیا مرد کو زبان چلانے کی بھی آزادی ہوتی ہے۔“ نیلی نے کاڑھا ہوا رومال تخت پر ہی پٹخ دیا۔ غالب کا کالر جھاڑنا اسے سخت زہر لگ رہا تھا بلکہ وہ پورا ہی... جواب پھیل کر تائی ماں کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

”نیلی کی زبان واقعی بہت بڑی ہو گئی ہے اماں حضور۔ اب کسی جلاد سے رابطہ قائم کر کے صفایا ہونا چاہیے۔“

”پرے ہٹ۔ تم بھی لحاظ کر لیا کرو چھوٹی ہے تم سے۔“ تائی ماں نے ہنوز ترشی سے اسے پرے دھکیلا اور اس کے ہاتھ سے چھالیا جھپٹ لی جو وہ پاندان میں سے چرا چکا تھا۔

”ارے حد ہوئی ڈھٹائی کی بھی۔ اونہہ ایسے استادوں کی کوئی خاک عزت کرے گا جو اپنی عزت کروانا ہی نہ جانے۔“

سدرہ بھابی‘ مانی کو تھامے اپنے مخصوص انداز میں شور مچاتی بڑے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”کیا ہوا بھابی صاحبہ؟“ غالب اٹھ بیٹھا سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

”بس اماں مجھے نہیں رکھنا اس استاد کے بچے کو‘ جو استاد کے نام پر دھبا ہو۔ حد ہو گئی ظلم کی بھی۔“

”ارے سدرہ کچھ بتاؤ گی بھی کہ کیا ہوا ہے کہ یا یونہی شور مچاتی رہو گی اور یہ مانی کیوں رو رہا ہے؟“ تائی ماں سدرہ بھابی کے اس انداز پر نالاں نظر آنے لگیں۔

”یہ دیکھیے امی۔ منہ کیسا سوج رہا ہے اس کا۔ یہ استاد کے بچے نے حشر کیا ہے اس کا۔“ انہوں نے گھسیٹ کر مانی کو تائی ماں کی گود میں ڈالا اور چہرہ اوپر کر کے دکھایا جو سرخ انگارا ہو رہا تھا۔

”اچھا تو ماسٹر نے پٹائی کر دی ہے۔“ غالب اصل وجہ معلوم ہونے پر ہنسنے لگا۔

”اے ہے دیکھو تو کیسا بچے کا منہ لال انگارا ہو رہا ہے۔ نیلی ذرا آیوڈیکس تو مجھے دو۔“ تائی ماں کی شفیق گود میں مانی اور زیادہ چھکوں پھکوں رونے لگا۔

”ہوا کیا تھا بھابی؟“ ساریہ بھی مانی کے اس زار و قطار رونے پر پریشان ہو گئی۔

”بس‘ ہونا کیا تھا جب دیکھو وہ ماسٹر ذرا ذرا سی بات پر مانی کو دھن کر رکھ دیتا ہے۔ آج میں نے اس کی خبر لی اور آئندہ ہاتھ اٹھانے سے خبردار کیا۔ بھئی‘ بچہ ہے پیار سے بھی سمجھایا جا سکتا ہے۔ بس میرا کہنا تھا کہ جل کر راکھ ہو گیا‘ سمجھا ہو گا کہ مانی نے شکایت لگا دی اس کی۔ سو جاتے وقت ایک بھرپور مکا اس کے منہ پر مار کر گیا اور ایک عدد چٹکی بھی بازو پر لی تھی کہ آئندہ مار کی شکایت نہ کرے۔“

بھابی کا انداز ہی کچھ ایسا تھا یا پھر اصل واقعہ‘ غالب اور نیلی کی ہنسی جو شروع ہوئی تو جیسے ختم نہ ہوئی البتہ ساریہ آپی اور تائی ماں سنجیدہ تھیں۔

”یہ کیا ہنسنے کی بات ہے جو دونوں بہن بھائی ٹھٹھے لگا رہے ہو سدرہ ایسے ماسٹر کو رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی ثاقب کو‘ لے کے بچے پر تشدد شروع کر دیا جیسے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے۔“

”ہاں امی۔ میں آج ہی ثاقب سے کہہ کر اس ماسٹر کی چھٹی کرتی ہوں۔“

”غالب تم مجھے اچھا ٹیوٹر ڈھونڈ دو نا مانی کے لیے۔“ ساریہ آپی نے غالب سے کہا۔

”نہیں‘ سوری‘ اب مجھے ان کم بخت مردوں سے نہیں پڑھوانا۔ میں اب کوئی اچھی سی لڑکی رکھوں گی جو مانی کو پیار سے پڑھائے گی۔“ بھابی کھڑی ہو گئیں۔

”واہ..... واہ..... کیا بات کی ہے..... سیدھی میرے دل کی بات کہہ دی۔“ غالب چہک کر بولا۔ ”میں بھی اسی ”اچھی لڑکی“ سے پڑھ لیا کروں گا کیوں نیلی؟“ اس نے نیلی کی طرف دیکھا تو وہ ناک بھوں چڑھا کر اپنے رومال پر جھک گئی۔

”سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں میرا میتھس بہت کمزور ہے۔“ اس نے جاتی ہوئی بھابی کو روکا۔

”زیادہ بے شرم نہ بنو۔“ انہوں نے ہنسی دبا کر مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

”ارے مجھے اپنے مستقبل کی فکر ہے اور آپ مذاق سمجھ رہی ہیں۔“

”غالب میاں‘ تمہارے لیے تو کسی جابر ٹیوٹر کی خدمات ہی حاصل کرنا پڑیں گی تبھی تم اول آ سکو گے ورنہ تو۔“

”ورنہ..... ورنہ کیا؟“

”ورنہ یہ۔“ ساریہ آپی کا نازک ہاتھ ٹھائیں سے اس کی مضبوط پیٹھ پر لگا جس پر وہ تلملا کر پلٹ گیا تھا۔

بھابی تو ہنستے ہوئے جھپاک سے کمرے سے نکل گئی تھیں یہ بھی شکر تھا کہ تائی ماں بھی مانی کو

بہلانے کے لیے جاچکی تھی وگرنہ ہاتھاپائی انہیں برافروختہ کردیتی۔

"آپی! آپ نے میری دلی خواہش پوری کردی ہے۔" نیلی ان کے کامیاب نشانے پر مسرت سے مغلوب ہوئی جارہی تھی۔

"پھر سے ذرا گنگناتا غالب۔ کرلیا فیصلہ مسکرائیں گے۔"

"تم اپنے آپے میں رہو تو بہتر ہے۔" اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور کمرے سے نکلتے ہوئے بولا۔ "اور ہاں ساریہ سے کہہ دینا اس گھونسے کا قرض بمع سود وصول کروں گا۔"

"یہ ساریہ کہاں گئی؟" تائی ماں کمرے میں آکر بولیں۔

"کچھ نہیں امی انہیں اپنا کوئی کام یاد آگیا ہے۔" ابھی نیلی کے منہ سے الفاظ نکلے ہی تھے کہ ساریہ آپی کی دلخراش چیخیں سنائی دیں۔

"ہائے امی میں مرگئی۔"

نیلی جلدی سے اچھل کر بیڈ سے اتری۔ منجھلی چچی بھی دہل گئیں۔

"خدا خیر کرے کیا ہوا بچی کو؟"

"ایک تو اس گھر میں سب کو چیخنے کا مرض لاحق ہے۔ ابھی تو اچھی بھلی نکلی تھی کمرے سے۔" تائی ماں بھی تیزی سے باہر نکلیں۔

"کیا ہوا ساریہ؟"

"کیا ہو گیا بھئی؟" سب ہی یہاں وہاں سے نکل کر ساریہ آپی کے گرد جمع ہو گئے۔ نیلی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ ابل آنے والے قہقہہ کو روکا تھا۔

ساریہ آپی اپنی نئی قمیص ہاتھ میں تھامے رو رہی تھیں جو آگے سے استری سے غالب نے جلا دی تھی اور واپس اسی قرینے سے ہینگ کردی تھی کہ گویا اس نے ان کے گھونسے کا انتقام لے لیا تھا۔

"ایک گھونسے کا اتنا بڑا بدلہ۔" وہ اپنی قمیص تھامے بچوں کی طرح بلک رہی تھیں۔

"میں نے کہا تھا ناکہ قرض مع سود واپس کروں گا۔" غالب کی آواز آئی مگر وہ کہاں تھا کسی کو نظر نہ آیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے غالب۔" تائی ماں دہاڑیں مگر وہ تو فرار ہو چکا تھا۔

"نہیں.... ہائے میری قمیص.... ابھی تو پہننا بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ آج ہی تو پہن کر جانا تھا سسرال.... ہائے امی۔"

"بس بس ساریہ اب تم کوئی بچی تو نہیں کہ پورا گھر آسمان پر اٹھالو۔"

"امی! یہ کوئی معمولی بات ہے۔ دیکھیں تو چچی، کتنی خوب صورت اور مہنگی شرٹ تھی۔ اس کا کلر فیصل کو بہت پسند تھا مگر ہائے اللہ میں کیا کروں۔"

"تم دل نہ جلاؤ۔ دوسری لے لینا۔" چچی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔

"پیسے بھی غالب سے ہی نکلوانا۔" بھابی نے آہستگی سے کہا۔

سب کو اس سے ہمدردی تھی۔ نیلی کو تو اس قمیص کا غم سا لگ گیا۔ کتنی خاک چھاننے کے بعد ساریہ آپی کو یہ سوٹ پیس پسند آیا تھا اور اس پر مزید یہ کہ درزی نے اسے سیا بھی بہترین تھا۔ ہائے بدقسمتی، ساریہ آپی کو پہننا بھی نصیب نہ ہوا، غالب خدا تجھے سمجھے۔" اس نے دل ہی دل میں اسے ڈھیروں صلواتیں سناڈالیں۔

رابعہ ان کے لیے گلوکوز بنا کر لائی تھی۔ منجھلی چچی اور سدرہ بھابی انہیں دلاسے دے رہی تھیں۔

"میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ غالب کے بچے کو شوٹ کردوں۔" رابعہ آہستگی سے بولی مبادا غالب کہیں آس پاس موجود نہ ہو البتہ تیمور ضرور موجود تھا۔

"ریوالور کا انتظام میں کیے دیتا ہوں۔" جواباً رابعہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"بس بھی کرو ساریہ، مٹی ڈالو اس سوٹ پر مجھ سے پیسے لے کر دوسرا خرید لینا۔" تائی ماں اپنے کمرے کی سمت لوٹ گئیں۔

"ہاں ساریہ بیٹی، تم اتنا خون مت جلاؤ۔ آج نیلی یا رابی کا کوئی نیا سوٹ پہن جاؤ میں مارکیٹ جاؤں گی تو اس سے زیادہ پیارا کپڑا لے آؤں گی۔" منجھلی چچی نے انہیں دلاسا دیا۔ ان کے نزدیک سے آہستہ آہستہ مجمع چھٹتا گیا۔ بس نیلی رہ گئی جو رازداری سے ان کی سمت جھکتے ہوئے بولی۔

"آپ بھی اس سے کوئی تگڑا سا انتقام لے لیں۔" اور جواباً ساریہ آپی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑے بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

رات کو ڈنر کے بعد ساریہ آپی تو فیصل بھائی کے ہمراہ اپنے سسرال سدھاریں ان کے جانے کے بعد سب نے شام کے واقعے کو بھلا دیا تھا۔ غالب نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے آزادی کے ساتھ گھر میں چہل قدمی شروع کردی۔

دوسرے دن بالکل اچانک صباحت پھپو آگئیں، مصدق کے ہمراہ۔

"بڑے دنوں بعد صورت دکھائی ہے تم نے صباحت۔" تائی ماں انہیں دیکھ کر کھل اٹھیں۔

منجھلی اور چھوٹی چچی بھی اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر اکلوتی نند کے پاس آبیٹھیں۔

صباحت بیگم تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں اور "شاہ ہاؤس" میں ان کا استقبال ہمیشہ پرتپاک انداز میں ہوتا تھا۔ وہ بھائیوں اور بھاوجوں کے لیے بے حد نیک اور مخلص تھیں اور ان سے بڑھ کر بھاوجیں ہر لمحہ ان کے لیے آنکھیں بچھانے کو تیار رہتیں اور وہ ان سب کی اتنی محبتیں پاکر مسرور ہو جایا کرتیں مگر چاہنے کے باوجود شاہ ہاؤس میں زیادہ نہیں آسکتی تھیں۔

"سائرہ نہیں آئی پھوپو؟"

"نہیں..... اس کے ابا آگئے تھے اب وہ انہیں کھانا وانا دے گی۔" انہوں نے سدرہ بھابی کو جواب دیا اور تائی ماں کی طرف ہو کر بولیں۔ "میرا تو صبح سے آنے کا پروگرام بن گیا تھا سو اٹھ کر چلی آئی بڑے دن ہو گئے تھے آپ لوگوں سے ملے۔"

"اب تو آپ کی شکل بھی مہینوں میں نظر آتی ہے۔" چھوٹی چچی نے محبت بھرا شکوہ کیا۔

"مظہر بھائی سے کہہ دیا کریں نا کہ وہ صبح آپ کو آفس جاتے وقت شاہ ہاؤس چھوڑ جایا کریں واپسی پر کوئی بھی لڑکا آپ کو چھوڑ آئے گا۔" ان کی بات اور مخلص مشوروں پر صباحت پھپو کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا انہوں نے یونہی تائی ماں کی طرف دیکھا جو بغور انہیں ہی تک رہی تھیں۔ وہ خفیف سی ہو کر ہنس دیں۔

"چھوڑیں بھابی۔" روز کہاں نکلنا ہو سکتا ہے مجھ سے۔ مصدق کا اسکول..... سائرہ کا کالج اور اب میری ساس بھی تو بستر پر ہو کر رہ گئی ہیں۔"

"سچ کہوں صباحت، تم نے تو کبھی اف تک نہیں کی تم پوری جنتی ہو۔" تائی ماں ان کے دکھ سے واقف تھیں۔

"ارے کہاں بڑی بھابی۔ اپنی کسی نیکی کا اجر دنیا ہی میں مل جائے تو بہتر ہے۔ آخرت کی کس کو خبر ہے اور کونسی نیکیاں ڈھیر ساری ہو رہی ہیں مجھ سے۔" ان کا لہجہ مایوسیوں میں ڈوب کر ابھرا تھا مگر دوسرے پل سنبھل کر بولیں۔

"بچیاں نظر نہیں آ رہیں۔ نیلی، رابی سب کہاں ہیں اور غالب بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ عجیب سا سناٹا ہو رہا ہے۔"

"رابی اور فارحہ ذرا عمیر کے ساتھ مارکیٹ تک گئی ہیں اور نیلی تو گھر پر ہی ہے.... نیلی! سدرہ! ذرا دیکھنا، نیلی کدھر ہے؟" سدرہ اٹھنے لگی کہ نیلی بھاگ کر آگئی۔

"کہیں نہیں پھپو؟" وہ ان کے قریب آبیٹھی۔ "جناب میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا اس لیے فٹا فٹ کباب بنانے بیٹھ گئی تھی۔ بس ابھی چائے کے ساتھ لے کر آتی ہوں تازہ تازہ گرما گرم۔" وہ اٹھ کر واپس چلی گئی۔

"لڑکے تو سب شام کو ہی واپس آجاتے ہیں یہیں کمروں میں ہوں گے اور شاہ دل کا تو پتا ہی ہے آپ کو۔ وہ گھر میں ہو گا بھی تو اسٹڈی میں بند ہو گا یا اپنے بیڈ روم میں۔ جانے کیا الم غلم تصویریں بناتا رہتا ہے۔" منجھلی چچی کی بات پر تائی ماں ہنس دیں۔

"آئے رہنے دو۔ تمہیں تو اس سے شکوہ ہی رہتا ہے۔ بس مزاج اس کا ذرا مختلف ہے دوسرے لڑکوں سے۔ بالکل اپنے دادا پر گیا ہے ایسا ہی متین اور سنجیدہ سا۔"

"سچ کہتی ہیں بھابی۔ شکل پر بھی بالکل ابا پر گیا ہے اور مزاج میں بھی۔ کتنے دن ہو گئے مجھے بھی اس کو دیکھے ہوئے۔ خیر سے انجینئر ہو کر مصروف ہو گیا ہو گا بچہ۔"

"آخاہ پھپو جان آئی ہیں، تبھی روشنی ہی روشنی ہو گئی ہے گھر میں۔" غالب انہیں دیکھ کر چہکا۔

"میں ابھی تمہارا ہی پوچھ رہی تھی۔ کہاں غائب تھے؟" صباحت اس کی آواز پر پلٹیں۔

"ہم آپ کے سوتیلے ہیں جو ہمارے بارے میں نہیں پوچھا۔" ثاقب بھائی مانی کو گود میں اٹھائے اندر آکر شگفتہ انداز میں گویا ہوئے۔ "آداب۔" نزدیک آکر سر ہلکے سے خم کیا۔

"ہائے میں صدقے۔ تم کیوں سوتیلے ہونے لگے۔ خیر سے تم تو میرے پہلے بھتیجے ہو۔ اس گھر کے سب سے بڑے بیٹے۔ میری آنکھوں کا نور۔" انہوں نے اس کی کئی بلائیں لے ڈالیں۔ ثاقب ہنس دیا۔ نیلی چائے اور لوازمات سے سجی ٹرے لیے اندر چلی آئی۔ "لیجئے پھپو نوش فرمائیے۔"

"اچھا تو اکیلے اکیلے ہڑپ کیا جا رہا ہے۔ آداب پھپو۔ دیکھا آپ نے کس قدر چھپے رستم ہیں لوگ مجھے بلایا تک نہیں۔" عادل نے پہلا جھپٹا کباب پر مارا جو خطا ہو گیا۔ غالب نے ٹرے دور کھسکا دی تھی۔

"بھائی میرے، ابھی تو اسے کسی نے چھوا تک نہیں ہے اور تم پہلے ہی ٹوٹ پڑے۔"

"چلو تو ابتدا تم کرلو پھر میری باری سہی۔" وہ کہاں کم تھا غالب کا ہی کزن تھا۔

رابی اور فارحہ بھی عمیر کے ساتھ مارکیٹ سے واپس آگئی تھیں اور صباحت کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں مگر سائرہ کو نہ دیکھ کر کچھ افسردہ بھی۔

ڈھلتی شام میں تقریباً سبھی بڑے کمرے میں جمع تھے۔ تینوں بھائیوں نے بھی صباحت کی... فرداً فرداً خیریت دریافت کی تھی۔ حقیقتاً صباحت شاہ ہاؤس آکر ان سب کی محبتوں میں اپنا سارا دکھ بھول جاتی تھیں۔

مظہر قریشی کی ناانصافیاں۔

ساس کی کڑوی کسیلی باتیں‘ ان کے طعنے۔

ان کا زور جبیں۔

سائرہ کے چھپے ہوئے آنسو۔

وہ شاہ ہاؤس کے مکینوں کی محبتوں اور چاہتوں کی بارش میں یہ سارے زخم دھو جاتیں اور پھر تروتازہ ہو کر واپس ہولتیں۔

"سائرہ آجاتی تو مزہ آتا۔" نیلی کو رہ رہ کر سائرہ کے نہ آنے کا قلق تھا۔ "ہاں وہ آجاتی تو میری طرح اپنا غم ہلکا کر لیتی مگر اس کا باپ اس کی دادی یہ کب چاہیں گے کہ وہ کسی ایک لمحے کو بھی خود کو آزاد مطلق محسوس کرے۔" انہوں نے کڑھ کر سوچا مگر بظاہر خوشدلی سے بولیں۔

"تم سب ہی آجایا کرو نا اس کے پاس۔ غالب تم ہی کبھی ان سب کو لے کر آجاؤ میرے گھر۔ سائرہ تم سب کو یاد بھی بہت کرتی ہے۔" انہیں اپنی بیٹی کی اسیری کا احساس تھا اپنے تئیں وہ سائرہ کو ہر سکھ دینا چاہتی تھیں مگر قسمت کے آگے ایک نہ چلتی تھی۔ میکہ تو بیٹیوں کے لیے ایک کھلی فضا کی طرح ہوتا ہے۔ شادی کے بعد جانے کس کو کیسا سسرال ملے۔ کون جانتا ہے‘ خوشی ملے یا دکھ اور اس کی بیٹی تو میکے میں ہی اسیری کی زندگی گزار رہی تھی۔

وہ اپنے خیالات سے چونک گئیں۔ شاہ دل اندر آیا تھا۔

"السلام علیکم پھوپی جان۔"

"جیتے رہو‘ جیتے رہو۔ میں تو ترس جاتی ہوں تم سب کی صورت دیکھنے کو۔"

سفید شلوار سوٹ پر سادہ واسکٹ پہنے‘ وہ بے حد تروتازہ لگ رہا تھا۔ پیروں میں پشاوری چپل تھے اور ہاتھ میں گاڑی کی چابی لیے وہ کہیں جانے کے لیے نکلا ہی تھا کہ پھپو کے آنے کی خبر سن کر اسی طرف آگیا۔ پھپو نے اس کی جھکی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ لیا۔

"تم تو چودھویں کا چاند ہو کر رہ گئے ہو بیٹے۔"

"نہ..... نہ چودھویں نہیں پھپو عید کا چاند کہیے چودھویں کا چاند تو پھر بھی ہر مہینے نظر آجاتا ہے۔" غالب شرارت سے باز نہ رہا۔

"۲۹ روزے پر نظر آنے والا عید کا چاند جو جھلک دکھا کر ہی غائب ہو جاتا ہے۔" تیمور بھی کہاں پیچھے رہتا۔

شاہ دل خاصا حیران ہوا تھا۔ وہ ان سب کے درمیان ہی میں تو اٹھتا بیٹھتا تھا پھر کیوں یہ لوگ اس قدر شکوہ کناں تھے۔

"ادھر بیٹھو میرے پاس۔" پھپو نے اسے اپنے قریب بٹھالیا۔ "کبھی کبھی میری طرف بھی آ

جایا کرو بیٹا‘ میں تو تمہاری صورت بھی بھولتی جا رہی ہوں۔"

"بس رہنے دیں آپا اس سے کہنا فضول ہے‘ اس کے پاس تو اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ ماں کے پاس دو گھڑی بیٹھے۔" منجھلی چچی کی زبان پر وہی رٹا رٹایا شکوہ مچل گیا۔ اس کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"امی یہ کیسی اجنبیت برت رہی ہیں آپ‘ بھئی میں آپ لوگوں کے درمیان ہی تو موجود رہتا ہوں بلکہ ڈنر تو میں آپ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر کرتا ہوں۔"

"دیکھا آپ نے کس قدر چالاک ہے۔" انہوں نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا تاہم لہجے میں اپنائیت تھی اور شکایت میں گہری مٹھاس۔

"کچھ غلط کہا۔" جواباً اس نے لب بھینچ کر اسے گھورا۔

"بالکل ٹھیک کہا غالب نے۔ ایک ہم ہیں جتنا لوگوں کے درمیان اٹھتے بیٹھتے ہیں اتنے ہی خوار ہیں۔" عادل نے ایک سرد آہ بھری۔

"بس یہی فرق تو ہے تم میں اور شاہ دل میں۔" نیلی اترائی۔

"تم تو چپ ہی رہو تھالی کا بیگن۔" غالب نے میز سے گلاس اٹھا کر اسے ڈرایا۔

"جہ..... جہ جلنے والے جلا کریں۔" وہ گنگنائی۔ "شاہ دل بھائی یہ لیجیے نا کباب۔" اس نے بے حد لاڈ سے غالب کے آگے سے کبابوں کی ٹرے اٹھا کر اس کے آگے کر دی۔

"نہیں گڑیا‘ دل نہیں چاہ رہا‘ بس تم اچھی سی چائے بنا دو۔"

"کچھ لو ایک ہی سہی بچی کا دل رہ جائے گا۔" صباحت اس کی طرف متوجہ تھیں لاڈ سے بولیں۔

"ارے صباحت جان آپ کو نہیں پتا‘ یہ اپنے اسمارٹنس کے چارٹ سے ہٹ کر کچھ نہیں کھاتے‘ ان کے کھانے کے ٹائمنگ ہیں۔" سونے کے ٹائمنگ ہیں‘ بولنے کے ٹائمنگ ہیں۔

"تم بڑے سڑنے لگے ہو اس کی اسمارٹنس سے۔" ثاقب بھائی نے غالب کو چھیڑا۔

"خدا نظر بد سے بچائے ان کی اسمارٹنس سے میں کیوں جلنے لگا۔" اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ شاہ دل چائے کا کپ لبوں سے لگا کر اپنی کرسی چھوڑ کر تائی ماں کے تخت پر آبیٹھا۔

"آپ کے پیروں کا کیا حال ہے؟"

"بس بیٹا‘ اللہ کا شکر ہے۔ تم کہیں جا رہے ہو کیا؟"

"جی‘ بس مارکیٹ تک جانا تھا کچھ ڈرائنگ کی چیزیں لینی تھیں۔ پھپو تو پھر اجازت ہے۔" اس نے کپ واپس میز پر رکھ دیا اور کھڑا ہو گیا۔

"ضرور.... کیوں نہیں' پر بیٹا اپنی اماں کی بھی شکایت دور کر دیا کرو' کبھی اس حبس زدہ کمرے سے باہر نکل آیا کرو۔" ان کی بات پر اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"ارے پھپھو جان' آپ نے ان کا اسپیشل کمرا دیکھا ہی کہاں ہے حبس زدہ کہاں سے ہو گا وہ۔ فل اے سی' چمک دار لان میں کھلنے والی بڑی بڑی کھڑکیاں' دو دو پنکھے' اب بھلا اتنی عیاشیاں چھوڑ کر اس کمرے سے کہاں نکلنے کو دل کرے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شاہ دل کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی جواباً وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

" اے غالب بچے' تم اپنی زبان ایک لمحے کو بند نہیں رکھ سکتے۔" تائی ماں اس کے فقرے چست کرنے والی عادت سے سخت نالاں تھیں اور پھر اتنی سنجیدہ گفتگو میں مزاح کا رنگ بھر دینا انہیں ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"تائی ماں! اگر یہ چپ رہ گیا تو سمجھو قیامت آ جائے گی یا پھر اس کے پیٹ میں درد شروع ہو جائے گا۔" رابی نے بولنا ضروری سمجھا تھا اور ستم یہ کہ عین غالب کے قریب ہی زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھ کر۔ جواباً پوری طاقت سے اس کی لمبی چوٹی غالب کے ہاتھ میں آ گئی۔

"تم بھی چپ رہ سکتی ہو کالی بلی۔" اس نے اس کی گندمی رنگ پر اسے چڑایا تو وہ تڑپ کر پلٹی۔

"کیا.... کیا بکا تم نے.... یہ کالی بلی کسے کہا تم نے؟"

"تمہیں اور کسے کہوں گا کالی بلی۔"

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو' گلفام ہو کیا۔" وہ باقاعدہ اس پر جھپٹی۔

"اے ہے کیا باؤلے ہو گئے ہو تم دونوں جو بچوں کی طرح گتھم گتھا ہو رہے ہو۔" تائی ماں نے برہمی سے دونوں کو ڈپٹا۔

"اسے سمجھالیں تائی ماں۔ کالی بلی کہا ہے اس نے مجھے۔" وہ اس کا بازو نوچ کر بھی پرسکون نہ ہوئی تھی۔

"یہ لڑکا تو ہے ہی بدتمیز تم کیوں لگتی ہو اس کے منہ ادھر بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے غالب کو گھورتے ہوئے اسے چمکارا تو وہ اٹھ کر شاہ دل کی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"دیکھا آپ نے' کیسی اولاد ہے' بچوں کو بھی مات کر رہے ہیں۔" تائی ماں اب صباحت سے کہہ رہی تھیں۔ صباحت ہنس دیں۔

"یہی تو زندگی ہے۔ بھابی رونق سی رہتی ہے۔"

"بس رہنے دیں آپا۔ اب یہ بچے نہیں رہے ہیں۔" منجھلی چچی بے زاری سے بولیں۔

"نہ بھابی ایسا نہ کہیں' انہی کے دم سے تو "شاہ ہاؤس" کی رونقیں آباد ہیں' مجھے دیکھو ترس جاتی ہوں ایسی رونقوں کے لیے میرے گھر تو قبرستان کا سا سناٹا رہتا ہے۔" صباحت کی آواز گھمبیر اداسی میں ڈھل گئی اور سارا ماحول بھی۔ تائی ماں کا ہاتھ ان کے شانے پر ٹک گیا۔

"ٹھیک کہتی ہو صباحت۔ یہ آوازوں کا شور ہی تو زندگی کا احساس دلاتا ہے۔ ان رونقوں نے تو ہمیں زندہ رکھا ہوا ہے۔" "خدا یہ رونقیں آباد رکھے اور آپ کو لمبی حیات دے آپ کا سایا ان بچوں پر سلامت رکھے۔" صباحت افسردگی کے سحر سے نکلتے ہوئے بولی پھر ہلکے سے ہنس دیں۔

"میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی۔ یہ شاہ دل کدھر چلا گیا۔"

"وہ تو چلا گیا ہے۔" نیلی نے آہستگی سے کہا اس کے دل پر صباحت کا غم ہلکورے لے رہا تھا۔ کتنی زندہ دل تھیں' آدھی زندگی قبرستان جیسے ماحول میں گزارنے کے باوجود لبوں پر حرف شکایت نہ لاتی تھیں۔ شاہ ہاؤس کے مکینوں کے سامنے ویسی ہی ہنس مکھ بن جاتی تھیں جیسے بقول تائی ماں کے کنوارے پنے میں تھیں۔

○☆○

اس کی نگاہیں اس تنگ گلی میں بے فکری سے آتے جاتے لوگوں پر مرکوز تھیں' چھوٹے چھوٹے کوارٹروں سے نکلتے مرد اور عورتیں کتنے مطمئن تھے' ان کی آنکھوں میں زندگی لہک رہی تھی۔

جدوجہد کا احساس زندہ تھا۔

گندے نالے میں ناچتے بچے زندگی کی تلخیوں سے بے پرواہ تھے اس لیے کہ انہیں بے پروا رکھا گیا تھا۔ ایک وہ تھی جو کسی قدر بے مزہ' اذیت ناک اور دکھی زندگی گزارتی آئی تھی۔

چھم چھم چھم۔

امبریلا لے کر نکلے ہم۔

مائی پیراز پھسلنگ گر پڑے ہم۔

اوپر بستہ نیچے ہم۔

زور زور سے تالیاں پیٹتے بچوں کا کھیل عجیب تھا۔ اس نے برآمدے کی ریلنگ پر دونوں ہتھیلیاں ٹکا دیں اور اپنے بے فیض نگاہوں سے بچوں کے اس ہجوم کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ماضی کے کئی پل لرزنے لگے۔

کتنا دل چاہتا تھا اس کا بھی کہ بارش کے بعد گدلے پانی میں دونوں پیر ڈال کر خوب اچھل کود کرتی' کاغذ کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر انہیں مختلف سفر پر روانہ کرتی۔ فرزانہ' احمر' نجو اور روبی

کے ساتھ چلچلاتی دھوپ میں ننگے سر عبدالکریم چاچو کے گھر کے سامنے رکھے مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ کر گھروندے بناتی۔ سارے بچے ہی تو اس ڈھیر پر ڈیرا ڈالے بیٹھے رہتے تھے۔

فرزانہ اور نجو کی محنت سے بنائے گھروندے پر احمر اکثر پانی بھری بالٹی انڈیل دیتا اور وہ دونوں اس کو پکڑنے اور مارنے کو دوڑتیں اور وہ جالی کے دروازے سے لگی ان دونوں کے رونے پر کبھی ہنستی کبھی اپنی بے بسی پر اداس ہو جایا کرتی۔

اس کا ننھا ذہن یہی سوچتا۔

وہ ان بچوں کی طرح آزاد اور بے فکر کیوں نہیں تھی۔

اس کے اختیارات محدود کیوں کر دیے گئے تھے۔

وہ بھی تو فرزانہ اور شہانہ کی طرح ایک ننھی بچی تھی' ہنسنے اور کھیلنے کی ایک فطری خواہش اس کے اندر بھی مچلتی تھی۔

مگر اس کی فطرت کو کیوں مسخ کر دیا گیا تھا۔

اس کی ہتھیلی میں پھول اور تتلی کے بجائے انگارے کیوں رکھ دیے گئے تھے۔

اتنے بہت سارے ''کیوں'' کا اس کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

کہ وہ بے سائبان تھی۔

وہ والدین جیسی نعمت سے محروم تھی۔

کاش! وہ بھی ان کے ساتھ اسی ٹرین میں سفر کر رہی ہوتی اور ان کے ساتھ اس حادثے کی شریک ہو گئی ہوتی یا پھر بچپن میں کسی موذی مرض میں ہلاک ہو گئی ہوتی مگر اس کی دعائیں کبھی قبول نہ ہوئی تھیں۔

وہ زندہ رہی۔

اور اب بھی زندہ تھی۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

اس کا تو خیال تھا کہ زندگی' بہت طاقتور ہے۔ کسی منہ زور سمندر کی طرح' اس میں ایک قطرے کی کیا وقعت مگر وہ حیران تھی کہ وہ خود بھی ایک قطرہ ہو کر سمندر کے سینے پر سانس لے رہی تھی مگر صرف سانس لینا تو زندہ رہنا نہیں ہوتا۔

''زنیرہ علی خان! جتنا سوچو گی اتنا ہی الجھو گی۔'' شہلا نواز اس کے سامنے آ گئی تو اس کے خیالات کا تسلسل ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا اس نے اپنی وحشی ہرنی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہم اپنے ماضی سے کٹ کے نہیں سکتے مگر ماضی کو خود پر مسلط بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ

تلخ ماضی' حال میں بھی کڑواہٹ گھول دیتا ہے۔'' اس نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ماضی کی کڑواہٹ پینے کے بجائے میری طرح چائے کی کڑواہٹ حلق سے اتارو۔'' وہ ہنسنے لگی مگر زنیرہ نجانے کیوں مسکرا نہ سکی۔

''کیا پچھتا رہی ہو؟'' شہلا نواز نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''نہیں.... ہرگز نہیں۔'' اس کا سر بڑی تیزی سے نفی میں ہلا تھا۔

''ان اذیت ناک لمحوں میں تھا ہی کیا جنہیں چھوڑ آنے پر پچھتاؤں گی بلکہ دکھ ہے اس بات کا کہ میں نے یہ قدم اٹھانے میں دیر کیوں کر دی۔'' اس نے چائے کا گرم گرم گھونٹ حلق میں اتارا۔

''گڈ... تو پھر آگے کا سوچو اور میری طرح کھل کر ہنسو۔'' شہلا نواز کا لہجہ حوصلہ دیتا ہوا تھا۔ ''جانم اندر کی گھٹن کم کرنے کے لیے ہنسنا سود مند ہے۔ کہو تو میں گدگدی کروں۔'' وہ شرارت سے اس کی سمت ہاتھ بڑھانے لگی تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی اور بے ساختہ ہنس دی اور پھر ہنستی چلی گئی۔

اپنے اندر کی گھٹن کم کرنے کے لیے۔

اذیت کے اس جمود کو توڑنے کے لیے۔

جب اس کی ہنسی تھمی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں مگر آنسوؤں میں اب کوئی تکلیف دہ رنگ نہیں تھا۔

ماضی کا کرب نہیں تھا۔

بلکہ ان ننھے ننھے ستاروں میں ایک نیا عزم ہلکورے لے رہا تھا۔

✪✫✪

صبح بڑی افراتفری میں شہلا نواز تیار ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اسے بھی ہدایتیں دیے جا رہی تھی۔

''دیکھو' لنچ کے لیے کچھ نہ کچھ بنا لینا' مجھے دیر ہو جائے تو کھا بھی لینا میرا انتظار مت کرنا۔'' اس نے سینڈل میں پیر گھسیڑے' بیٹھے بیٹھے بیڈ پر سے دوپٹہ کھینچا۔

''اور ہاں دروازے کو اچھی طرح بند کر کے رکھنا' اس پڑوس سے منہ نہ لگنا اور خاص کر شمشاد بیگم کو تمہاری بڑی کھوج ہے اسے تو بالکل لفٹ نہ دینا۔''

اس نے بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔ وہ باورچی خانے کے دروازے پر کھڑی اسے تیار ہوتے دیکھ رہی تھی اور اس کی ہدایتیں گرہ میں باندھتی جا رہی تھی۔

"سنو شہلا' اخبار ضرور لانا۔" وہ اس سارے عرصے میں پہلی بار گویا ہوئی اور وہی جملہ دہر
جو کوئی دس بار پہلے بھی دہرا چکی تھی' شہلا ہنس دی۔

"ضرور..... مجھے یاد ہے صبح اور شام کے سارے اخبار لے کر آؤں گی۔ ویسے نوکری کی تو فکر نہ کرو' میں آج اپنی سی کوشش بھی کر دیکھوں گی' اتنی پیاری پیاری صورت تو ہے تمہار جاب' کیوں نہیں ملے گی۔" وہ پوٹ سے سے ڈبل روٹی کے سلائس نکالنے لگی جبکہ اسے ہن آ گئی..... شہلا جلدی میں شاید بے تکا جملہ بول گئی تھی۔

"صورت سے کیا ہوتا ہے' جاب کے لیے کوالیفکیشن کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ارے تم فکر مت کرو۔" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر دو تین ہاتھ جیم کے سلائ پر مار کر سلائس کو اوپر تلے رکھ کر کاغذ میں لپیٹ کر اور بیگ میں گھسیڑ کر اس کی سمت مڑی۔

"او کے..... تم تنہائی سے گھبراؤ گی تو نہیں ناں؟"

"تنہائی سے کیا گھبرانا' میں تو یوں بھی اس عیش کی عادی ہی ہوں۔"

اس کے لفظ "عیش" پر شہلا ہنس دی۔

"چلو پھر تم تنہائی کے عیش اٹھاؤ' میں چلی۔" وہ ہاتھ ہلاتی دروازے سے نکلی۔ "دروازہ اچ طرح بند رکھنا۔" وہ پھر پلٹ کر تاکید کر گئی اس نے مسکرا کر دروازہ بند کیا اور بھاگ کر بالکنی آئی۔

شہلا بڑے گیٹ پر شمشاد بیگم سے الجھ رہی تھی۔ اسے آوازیں تو نہ سنائی دے رہی تھ مگر شہلا کے چہرے کے تاثرات اور شمشاد بیگم کا تنا ہوا چہرہ ان کے درمیان ہونے والی ناگو گفتگو کی نشاندہی کر رہا تھا۔

نجانے کیوں شمشاد بیگم کو شہلا جیسی پیاری لڑکی سے پرخاش تھی۔

شہلا گیٹ سے نکل کر تیز تیز قدموں سے گلی میں جا رہی تھی اور شمشاد بیگم منہ بناتی درد بند کر کے پودوں کو پانی دینے لگی تھیں۔ شاید اپنے کرایہ داروں سے الجھنا شمشاد بیگم کی عاد تھی۔

وہ سر جھٹک کر بالکنی سے ہٹ گئی۔

اس نے سب سے پہلے کمرے کی بے ترتیبی کو درست کرنے کا ارادہ کیا اور ہر چیز کو تر دینے لگی۔ بکھرے میگزین سمیٹ کر کنارے لگی چھوٹی تپائی پر رکھے' بیڈ کی چادر کی سلوٹیں ٹھ کیں' فرش پر بکھرے تکیوں کو ان کی جگہ پر رکھا جب شہلا کی چوپٹ الماری پر نظر پڑی تو وہ م دی۔

"کس قدر بے پروا لڑکی ہے یہ بھی!" اس نے الماری سے باہر آئی چیزوں کو اٹھا کر اندر ڈالا اور الماری کو بند کر کے لٹکتی چابی سے لاک کر دیا۔

پھر ایک ہی کمرا تھا صفائی ستھرائی سے وہ جلد ہی فارغ ہو گئی اور باورچی خانے میں آ کر چائے کے لیے پانی رکھ دیا۔ ناشتے کی اسے طلب ہی نہ ہو رہی تھی۔ اسے تو ویسے بھی ناشتے کی عادت نہ تھی۔ چچا جان کے گھر میں بھی زیادہ تر چائے پر ہی اکتفا کرتی تھی۔ بہت ہوا تو ایک آدھ سلائس چائے کے ساتھ کھا لیا اور کبھی اس بھرے پرے گھر میں کسی نے بھی اسے ناشتا نہ کرنے پر ٹوکا ہی نہ تھا۔ شہانہ یا فرزانہ میں سے کبھی کوئی پراٹھے میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیتیں تو چچی انہیں ڈانٹنے لگتیں۔ انہیں صحت کی طرف سے بے پروا سمجھتیں۔ وہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو کبھی محسوس تو نہ کرتی تھی پھر یہ آج کیوں؟ اس کا ذہن پھر اس طرف چلا گیا وہ سر جھٹک کر کھولتے پانی مین پتی اور شکر ڈال کر اس پر ڈھکن جما کر چائے کا کپ دھونے لگی اور ساتھ ساتھ شہلا نواز کے بارے میں سوچنے لگی۔

وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ اور تنہا کیوں ہے؟

کیا وہ بھی میری طرح بے سائبان ہے؟ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ستائی ہوئی' مگر نہیں۔ شہلا جیسی لڑکی ظلم سہنے والی تو نہیں ہے' وہ تو بہت نڈر اور بے خوف ہے یا پھر حالات نے اسے بے خوف بنا دیا ہے۔

ظلم کی بھٹی میں تپ تپ کر وہ کندن بن گئی ہے۔

یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ......"

"کھٹ کھٹ۔" دروازے پر دستک کی آواز نے اسے بری طرح سہما دیا۔ کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک چھناکے سے زمین پر گر کر کانچ کے ٹکڑوں میں بدل گیا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ذہن کی رو میں بہتی ماضی کی خوفناک آواز اس کے حال پر چھا گئی۔

"ارے نصیبوں جلی پھر مگ توڑ دیا۔ ارے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے مردارنی' کب مرے گی تو؟" چچی کی آواز اسے اپنے بہت قریب سے سنائی دی تھی۔

وہ لمحہ بھر کے لیے چکرا گئی اور اس سے پہلے کہ چچی کا وزنی ہاتھ اس کے چہرے پر آ رکتا۔ اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔ وہ باورچی خانے میں تنہا تھی۔ نہ چچی تھیں نہ ان کا بھوت۔ وہ چند ثانئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے اطراف دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس سینے کی تہ سے کھینچ کر باہر نکالی۔

"میرے خدا۔" تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔ اس نے جلدی جلدی بکھرے کانچ

سمیٹے۔ دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ اس نے.... چولہا ہلکا کیا اور دروازے کی طرف بڑھ کر چٹخنی گرا دی۔ سامنے ہی شمشاد بیگم اپنے بھاری بھرکم سراپا کے ہمراہ کھڑی نظر آئیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

"شش.... شہلا تو نہیں ہے؟" وہ شمشاد بیگم کو دیکھ کر پریشان نظر آنے لگی۔ شہلا نے تو خاص تاکید کی تھی اسے شمشاد بیگم سے دور رہنے کی۔ ان کے سائے سے بچنے کی۔

"ہاں مجھے خبر ہے.... دراصل میں تو سب کرائے داروں کی خیر خیریت پوچھتی رہتی ہوں' سوچا یہاں کی بھی خیریت لے لوں۔" انہوں نے گھر کے اندر آتے ہوئے کہا حالانکہ اس نے اندر آنے کے لیے نہیں کہا تھا لیکن شمشاد بیگم ان تکلفات کی پروا ہی کب کرتی تھیں۔

"کوئی مسئلہ.... کوئی پریشانی؟" ان کی گول گول چمکدار آنکھیں چاروں طرف کا جائزہ لے کر اس کے چہرے پر رک گئیں۔

"نن.... نہیں۔ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے پھر بھی آپ شہلا سے پوچھ لیجیے گا۔" اسے شمشاد بیگم کا جائزہ لیتی نگاہوں سے خوف آنے لگا اور پھر شہلا کی ڈھیروں ڈھیر ساری تاکیدیں الگ ذہن میں آ کر بوکھلائے دے رہی تھیں۔

"ارے...." وہ باورچی خانے کی طرف بھاگی۔ چائے کی خوشبو چھوٹے سے باورچی خانے میں خوب پھیل گئی تھی اس نے جلدی' سے چولہا بند کیا۔

"کیا ہوا' کوئی چیز جل گئی کیا؟" وہ باورچی خانے کے دروازے پر جم گئیں اور باقاعدہ جائزہ لینے لگیں۔ یہ ان کی شاید کوئی خاص عادت تھی۔

"نہیں.... بس ذرا چائے کا دھیان نہیں رہا تھا۔" اس نے صاف ستھرا مگ نکالا۔

"لگتا ہے تم نے سنوارا ہے اسے۔ پہلے بڑا کاٹھ کباڑ لگتا تھا پورا گھر ہی.... یہ شہلا جیسی لڑکیاں اتنی سلیقہ مند ہو ہی نہیں سکتیں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"وہ تو بس کٹی پتنگ کی طرح کندھے پر بیگ لٹکائے پھرتی ہے۔"

وہ حیرت سے شمشاد بیگم کو دیکھنے لگی۔ کس قدر کڑواہٹ تھی ان کے لہجے میں شہلا کے لیے۔ عجیب بات تھی پھر بھی دونوں میں گاڑھی چھن رہی تھی۔

اس نے چائے سلیقے سے مگ میں بھر کر شمشاد بیگم کو پیش کر دی۔ حالانکہ ایک ہی کپ تھا اور اسے شدید طلب تھی چائے کی مگر مروت' اخلاق کے ہاتھوں اس نے یہ قربانی دے ڈالی اور شمشاد بیگم بے تکلفی سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگیں۔

"ایک بات پوچھوں؟" وہ اب کرسی پر ٹک گئی تھیں۔

"جی ضرور۔" وہ باورچی خانے کا دروازہ بند کر کے سر ہلا کر بولی حالانکہ اندر سے ان کے سوالات سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

"تم شہلا کے ہتھے کیسے لگیں؟"

بڑا عجیب سا جملہ تھا۔ وہ حیران ہوئی۔

"میرا مطلب ہے کیا لگتی ہے وہ تمہاری' کوئی رشتے' رشتہ داری تو نہیں لگتی۔ اس کا تو پورا خاندان ہی بے غیرت ہے۔" انہوں نے آخری جملہ حقارت سے پھینکا۔

"آپ جانتی ہیں کیا شہلا کے خاندان کو؟" وہ بھی عورت تھی اور اس کی فطری رگِ تجسس بھڑک اٹھی۔

"نہ۔ نہیں.... جانتی تو نہیں ہوں۔" وہ کھسیا گئیں۔ "پر اس جیسا ہی ہو گا نا۔ ارے بھئی دیگ کا ایک دانہ ہی بتا دیتا ہے پوری دیگ کی کہانی۔ ہاں تو تم نے بتایا نہیں۔ کیا تعلق ہے تمہارا۔ اس کٹی پتنگ سے؟"

وہ کیسے برے الفاظ استعمال کر رہی تھیں شہلا نواز کے لیے۔ اسے الجھن ہونے لگی۔ نجانے یہ عورتیں نفرت اور حسد میں اتنا آگے کیوں بڑھ جاتی ہیں کہ اپنے وقار کو بھی پس پشت ڈال دیتی ہیں۔ بولنے والے کا لہجہ' انداز ہی اس کے اپنے کردار کا آئینہ ہوتا ہے۔

"تم میں اور اس میں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آ رہا ہے مجھے۔ کیا تعلق ہو سکتا ہے تمہارا اس سے؟" ان کی سوئی بس ایک ہی جگہ اٹک گئی تھی۔

"دوستی ہے میری شہلا سے اور کراچی سے آئی ہوں۔" اسے بس یہی مناسب جملہ لگا تھا۔

"ایں.... مگر کراچی میں اس کی تم سے کیسے دوستی ہو گئی۔ وہ ایک عرصے سے یہیں پڑی ہوئی ہے نگوڑماری۔" انہیں تسلی نہ ہو رہی تھی اور زنیرہ علی خان پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ شہلا ہوتی تو اس وقت باقاعدہ شمشاد بیگم سے جنگ و جدل کر رہی ہوتی۔ اف کیسی تاڑنے والی نگاہیں تھیں۔ کسی تیز دھار تلوار کی طرح سیدھی اس کے آر پار ہو رہی تھیں مگر اس نے بروقت خود کو سنبھالا۔ وہ ان تلواروں سے اپنے نقابوں کو قطعی پھاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے احساس ہو گیا کہ اسے یہاں رہ کر بہت سہج سہج کر قدم رکھنا پڑے گا اور محتاط تو وہ ہمیشہ سے ہی تھی۔

کچھ زندگی ایسے ڈراونے روپ میں اس کے سامنے آئی تھی کہ احتیاط کا دامن تو اس نے کبھی چھوڑا ہی نہ تھا جو اس کے ساتھ بیتا تھا وہ سب تقدیر کا کھیل تھا۔ پتا نہیں لوگوں کو دوسروں کے معاملات سے اتنی دلچسپی کیوں ہوتی ہے۔ اس نے شمشاد بیگم کو دیکھ کر کڑھ کر سوچا۔

"میرے خیال سے پانی آنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔ میں ٹنکی بھر لوں۔" اس کی ناقص عقل کو بروقت اچھا بہانہ مل گیا وہ اٹھ گئی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ یہ وقت پانی آنے کا ہی تھا۔ اس نے رول کیا پائپ کھولا اس کا ایک سرا باتھ روم کے نلکے میں لگا دیا اور دوسرا لوہے کی چھوٹی ٹنکی کے اندر ڈال کر نل کھول دیا۔

"آئے لو۔ میں بھی کس قدر بے وقوف ہوں۔ تمہارا نام تک پوچھا نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر اس کے سر پر پھر مسلط ہو گئیں اور جھنجلاہٹ' بے بسی سے اس جیسی ٹھنڈے مزاج کی لڑکی کے خون کی گردش بھی تیز ہو گئی۔

"زنیرہ" اس نے بغیر پلٹے مختصراً جواب دیا۔

"بڑا خوب صورت نام ہے۔" انہوں نے سراہا۔

اور اس کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس خوبصورت نام نے کم از کم اس کی زندگی میں کوئی خوب صورتی پیدا نہیں کی ہے۔

"میں اپنی پوتی کا نام یہی رکھوں گی۔"

"ارے" آپ کی بہو بھی ہے۔" وہ خوشگوار حیرت لیے پلٹی۔

"نہیں ابھی تو نہیں ہے' پر بہو لانے میں کتنی دیر لگتی ہے۔" وہ خاصی پر امید تھیں اور سر سے پیر تک اس کا معائنہ کرنے لگیں۔ ہلکے سبز اور سیاہ پرنٹڈ سوٹ میں آستین کہنیوں تک فولڈ کیے' سفید مخروطی انگلیاں پائپ کا سرا تھامے ہوئے تھیں اور دوسرا نرم ہاتھ بالٹی پر دھرا تھا۔ چہرے پر بلا کی نرمی اور ملائمت تھی مگر خود اعتمادی کی کمی محسوس کی جا سکتی تھی' جو لہجے سے بھی واضح تھی۔

شمشاد بیگم خواہ مخواہ شہلا سے اس کا مقابلہ کیے جا رہی تھیں مگر ایک قدر بھی انہیں مشترک نہ لگی۔ کہاں شہلا جیسی منہ پھٹ تیز طرار اور بلا کی خود اعتماد لڑکی اور کہاں زنیرا علی خان جیسی نرم میدے سے گوندھی ہوئی لڑکی۔

"کتنے بچے ہیں آپ کے؟" اس نے ان کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر پوچھ ڈالا تو وہ چونک گئیں۔

"بیٹا تو خیر سے ایک ہے' بڑا لائق ہے' کمال نام ہے اس کا اور ایک بیٹی ہے جو شادی کے بعد شوہر کے ساتھ جدہ جا بسی ہے۔ تم کبھی نیچے آنا' میرے پاس۔" ان کے لہجے میں اس دعوت کے ہمراہ جیسے التجا سی بھی تھی۔

"جی اچھا۔" وہ تو اس وقت ان سے فرار چاہ رہی تھی۔

ٹنکی بھی مختصر سی تھی۔ بھر ہی گئی۔ اس نے پائپ نکال کر بالٹی میں ڈال دیا اور بے دلی سے شمشاد بیگم کی نہ ختم ہونے والی گفتگو سنتی رہی۔

"سنو لڑکی۔"

اس نے سعادت مندی سے گردن پھر ان کی طرف موڑ دی۔ وہ کھسک کر کچھ اور قریب آ گئیں۔

"شہلا سے ذرا سنبھل کر رہنا' وہ جیسی دکھائی دیتی ہے ویسی ہے نہیں اور پھر تم تو شکل سے لگتی بھی سیدھی سادی سی ہو۔ کب تک رہنے آئی ہو؟" انہوں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ اب تو زندگی بھر یہیں رہنا ہے اس نے دل میں کہا۔

"کچھ سوچا نہیں ہے جانے کا۔" اس نے نظریں جھکا کر آہستگی سے بتایا اور نلکا بند کر کے پائپ لپیٹ کر ٹنکی کے اوپر رکھ دیا۔

"ہوں۔" وہ کسی گہری سوچ میں پھر گم ہو گئیں اور چند لمحوں کے بعد اسے گھورنے کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے بولیں۔ "میری مانو تو جلد ہی جانے کا سوچ لو۔ اس سے پہلے کے شہلا کا جال تمہارے ارد گرد تنگ ہو جائے نکل بھاگو۔"

اس نے خوف اور استعجاب کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ شمشاد بیگم کو دیکھا۔ یہ کیسی باتیں کر رہی تھیں وہ۔ یہ نفرت کی کون سی قسم تھی' اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"کچھ غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ میری بات پلو سے باندھ لو' یہ بڑی طوطا چشم لڑکی ہے' اس کی عنایتوں پر خوش نہ ہو جانا۔" اس نے نہ سر ہلایا اور نہ زبان ہلائی' ہکا بکا کھڑی تھی اپنی جگہ۔

"اے میں تو ہمدردی کے تحت کہہ رہی ہوں اور نجانے کیوں تمہیں شہلا جیسی لڑکی کے پاس دیکھ کر وسوسے اٹھ رہے ہیں مجھے۔ اچھا اب میں چلوں گی۔" وہ دروازے کی طرف بڑھیں مگر سوچ کر پلٹ آئیں۔ "دیکھو اس چڑیل کو نہ بتانا کہ میں یہاں آئی تھی۔ ٹھیک ہے نا؟" وہ دوستانہ انداز میں مسکرائیں مگر وہ چاہتے ہوئے بھی جواباً نہ مسکرا سکی۔

شمشاد بیگم نے اس کا دماغ بری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا اور دل الگ خراب ہو رہا تھا بھلا وہ کیونکر ان باتوں پر یقین کر لیتی۔ شہلا نواز تو اس کے لیے ایک مہربان اور گھنا سائبان تھی۔ اگر وہ اس کا ہاتھ نہ تھامتی تو ممکن تھا وہ اس بھیڑ میں کہیں کھو جاتی' اپنے آپ کو گم کر دیتی۔ اس اندھی اور منہ زور لہروں پر چکراتی رہتی۔

شہلا جیسی لڑکیاں تو ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر سہارا ہوتی ہیں۔

مگر نجانے کیوں شمشاد بیگم کو اس سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ اور جواب میں وہ یہی سوچ

سکتی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ عورت ہونے کے ناتے اس کی صلاحیتوں سے حسد ہو یا اس کے بے
پناہ اعتماد سے نالاں ہوں یا پھر اس کی منہ پر ہر بات بے دھڑک کر دینے والی عادت سے متنفر ہو۔
اس کے علاوہ وہ کوئی اور نتیجہ اخذ نہ کر سکی کہ ذہن مزید الجھتا اس نے سر جھٹک دیا اور کاموں میں
خود کو مصروف کر لیا۔

شام کو شہلا اخباروں کا پلندہ اٹھائے آ گئی۔

"لو بھئی اب کاغذوں میں سر کھپانا تمہارا کام ہے۔" اس نے یہ سارا بوجھ اسے تھما دیا اور
خود پلنگ پر ڈھیر ہو گئی اور زنیرہ علی خان کا چہرہ اخباروں کے اس ڈھیر کو دیکھ کر چمک اٹھا تھا۔

"بھئی ایک کپ چائے کا مل جائے گا۔" وہ اٹھ کر باتھ روم میں جا کر منہ دھونے لگی

"اے لڑکی! میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

"آں۔ کیا؟" اس نے جلدی سے اخبار رکھ دیا۔

"تم تو اخبار دیکھ کر یوں خوش ہو گئی ہو جیسے ان میں تمہاری جاب پکی ہے مائی ڈیئر۔ ابھی
جوتے گھسنے ہیں، جگہ جگہ کی خاک چھاننی ہو گی پھر کہیں جا کر ناپسندیدہ جاب ملے گی۔" وہ رگڑ رگڑ
کر منہ پر جھاگ بنا رہی تھی اور ساتھ ساتھ چندھی آنکھوں سے اسے بھی دیکھ رہی تھی۔

"کیوں..... کیا غلط کہا؟" وہ اسے گم صم دیکھ کر بولی۔ "بھئی تم نے خود ہی مشکل راستوں کا
انتخاب کیا ہے اس میں یہ سب تو ہو گا۔" وہ ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کر تولیہ یہاں وہاں
ڈھونڈنے لگی۔ تب اس نے اٹھ کر بالکنی سے تولیہ اٹھا کر اسے دے دیا۔

"تھینک یو..... بس اب تم اخبار کو ایک طرف رکھو اور مجھے فٹافٹ بمباسٹک قسم کی چائے
پلا دو۔" وہ کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔

"پتی نہیں ہے۔"

"اوہ، تھوڑی سی بھی نہیں ہے۔" شہلا کا منہ لٹک گیا۔ "مائی فٹ! مجھے خبر ہوتی تو لے آتی
صبح تو ڈبے میں تھی۔ ہاں شاید تم نے ناشتے کے وقت پی ہو گی۔ چلو خیر کوئی بات نہیں۔"

"نہیں، میں نے نہیں پی۔ وہ تو شمشاد بیگم ..." بڑی روانی سے اس کے منہ سے جملہ پھسلا
مگر بریک لگنے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ شمشاد بیگم کے نام پر شہلا کی ساری حسیات بیدار ہو گئی
تھیں۔

"کیا؟" وہ کرسی پر سیدھے ہو کر آگے کو جھکی۔ "شمشاد بیگم اور یہاں، کیوں آئی تھیں؟"

زنیرہ دھک سے رہ گئی اب شہلا سے کچھ چھپانا عبث ہی تھا۔

"یونہی آئی تھیں کہ کوئی پرابلم ہو تو....." اس نے شمشاد بیگم کی بے کار، بے مقصد گفتگو

ہضم کر لی۔

"خوب، پرابلم، تم۔ نے کہا نہیں کہ وہ خود ایک پرابلم ہے اور کیا باتیں کیں اس نے؟"

"یونہی بے کار سی۔"

"اور ان بے کار باتوں کو سننے کے بعد تم نے انہیں چائے پیش کر دی۔" وہ کرسی کے ہتھے پر
ہاتھ مار کر ہنسنے لگی۔ "خوب..... ہاہا۔ شمشاد بیگم کی مہمانی کی گئی یہاں شہلا نواز کے گھر میں.....
واہ..... خوب، کہاں شمشاد بیگم کٹنی، بی جمالو اور کہاں شہلا نواز کے گھر کی چائے....."

"پلیز شہلا، آئی ایم ساری میں دراصل....." مارے خجالت کے اس کا چہرہ لال ہو گیا اور
آنکھوں میں نمی اتر آئی، شہلا کی باتیں اسے شمشاد بیگم کا نہیں اپنا تمسخر اڑاتی محسوس ہو رہی
تھیں۔

"واہ بھئی واہ۔" وہ مسلسل ہنس رہی تھی جیسے ہنسی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ "خوب، اس نے تو کبھی
تصور بھی نہیں کیا ہو گا کہ شہلا کے گھر اس کی یوں آؤ بھگت ہو گی۔ واہ ری قسمت، کیسے کیسے
لوگوں پر مہربان ہو جاتی ہے۔ کیسی کیسی شکلوں کو کیا کیا رتبہ مل جاتا ہے۔" وہ کرسی سے کھڑی ہو
گئی اور جب نظر زنیرہ کے خفت سے لال چہرے پر پڑی تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

"ارے گھامڑ..... تم کیوں پزل ہو رہی ہو۔ تم سے تو ہو گئی حماقت، چلو خاک ڈالو، سمجھو میری
چیزوں کی زکوٰۃ نکل گئی۔" وہ زور زور سے اس کا سر تھپتھپانے لگی۔

"شہلا! میں نے اپنے لیے بنائی تھی مگر وہ۔" اس نے دوپٹے کے کنارے سے ناک رگڑی۔

"ہاں..... وہ چائے کی خوشبو میں بندھی آ پہنچی اور تم ٹھہریں معصوم، امن کی فاختہ ٹاپ کی چیز
اور مہمان نواز..... خیر..... دفع کرو۔ ویسے یہ شمشو ٹائپ کی چیزوں سے بچ کر رہا کرو ڈیئر یہ بچھو،
جہاں موقع ملا کاٹ لیا۔ اچھا یہ بتاؤ اس غیبتی نے میرے بارے میں گل افشانی کی ہو گی؟"

شہلا کے جملوں پر اسے ہنسی آ گئی۔ "نہیں..... بس ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔" وہ
شمشاد بیگم کی ساری گفتگو صاف چھپا گئی، وہ کسی طرح بھی شہلا کا دل دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

"ارے یہ تو آہستہ آہستہ کھلیں گی۔" وہ الماری کی طرف بڑھ گئی اور اپنا بلو پرنٹڈ سوٹ نکال
کر بولی۔ "بس آئندہ احتیاط رکھنا۔ اسے اندر قدم نہ رکھنے دینا، چاہے جھڑک کر یا کسی اور طرح
سے۔"

"ایک بات پوچھوں شہلا؟"

وہ پلٹی اور باتھ روم کا دروازہ تھام کر ہنسی۔ "شکر ہے کہ تم نے بھی کچھ پوچھنے کی زحمت گوارا
کی۔"

"یہ شمشاد بیگم کے اور بھی تو کرائے دار ہیں مگر وہ صرف تم سے' میرا مطلب ہے تمہارے لیے ان کا رویہ اتنا برا کیوں ہے؟"

"ہاں سوچنے کی بات ہے..... اینی وے' کچھ تو ہوگا ایسا مجھ میں ان کو حسد آتا ہے۔"

"صرف حسد..... یہ کیسے کہہ سکتی ہو تو؟" اس کی تسلی نہ ہوئی۔

"پھر تم پوچھنے پر آئی ہو تو مس سوالیہ بن گئی ہو۔" جواباً شہلا ہنستے ہوئے باتھ روم سے غائب ہو گئی اور وہ بند دروازے کو چند ثانئے تکتی رہی۔

○☆○

کیسے انہیں تلاش کیا جائے عمر بھر
وہ لوگ جو ہواؤں میں آثار بو گئے

اس کی نگاہیں ایزل پر رکھی اپنی ادھوری پینٹنگ پر جمی تھیں۔

کچھ بھی تو واضح نہیں تھا' الجھی الجھی سی چند لکیریں' جن کو مانوس نقوش دینے میں مصروفِ پیکار تھا۔

مگر بے سود۔

اس کی ساری صلاحیتیں جیسے یہاں آ کر بکھر سی گئی تھیں۔

سوچوں پر جمود سا طاری ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک سال' کم تو نہیں ہوتا' تصور کو تصویر میں ڈھالنے کے لیے۔

مگر۔ وہ بری طرح ناکام ہو رہا تھا۔

اس نے سگریٹ کو لبوں سے ہٹا کر سارا دھواں آنکھوں کے سامنے پھیلا دیا اور آگے بڑھ کر ایزل پر کور ڈال دیا۔

"شاید! میں خوفزدہ ہوں۔

اپنے جرم کو بے نقاب کرنے سے۔

اپنا احتساب کرنے سے۔

دوسروں کا احتساب کرنا جتنا آسان ہے اپنی ذات کا ایمان داری سے احتساب کرنا اتنا ہی کٹھن ترین۔" اور وہ کوئی فرشتہ نہیں تھا عام سا آدمی تھا کمزور ایمان اور آئینہ دیکھنے سے خوف زدہ۔

اس کی رگ میں پھر وہی چبھن ہونے لگی۔ آنکھوں میں ایک تکلیف دہ رنگ سمٹ آیا۔

اس نے کب سوچا تھا کہ اس کی ایک غلطی' اس کی زندگی کو اس قدر بدمزہ اور بدرنگ کر دے گی۔

یک نا آسودگی کا جال اس کے گرد یوں بن جائے گا اور وہ ہمیشہ کے لیے اس میں قید ہو کر رہ جائے

ایک یخ بستہ اداسی اس کے دل و جاں پر یوں محیط ہو جائے گی کہ اس کی زندگی سارا جوش' ری امنگیں جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گی۔ ماضی کی بدصورتیاں حال تک میں کڑواہٹ گھول کر ھ دیں گی اور وہ زندگی کی حقیقی مسرتوں سے کبھی لطف اندوز نہ ہو سکے گا۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ وں کا سلسلہ اس کے جذبوں کو پژمردہ اور ولولوں کو سرد کرنے لگتا تھا۔

لونگ روم میں وہ سب ایک ہنگامہ مچائے ہوئے تھے۔ سب کی ملی جلی آوازیں اس کی نتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ کیوں اس بے فکرے اور پر رونق ہجوم سے کٹ چکا تھا اس کی ح کیوں بے چین ہے۔ وہ کیوں اس متحرک زندگی کا بے حس اور بے کار جزو بن کر رہ گیا ہے؟ دکھ کا ایک کڑوا احساس اس کی رگ رگ کو چھو گیا۔

ہم اپنی طرز کے جوگی ہیں اس زمانے میں
خود اپنے دل میں پڑے ہیں بنا کے ویرانے

اس نے لابی میں کھلنے والی کھڑکی کا پٹ کھول دیا اور نیا سگریٹ سلگا کر ان آوازوں میں اپنا ان لگا دیا۔ ان چہروں سے اپنی کھولتی سوچیں کم کرنے لگا۔ نجانے وہ سب کس بات پر اس قدر ش دکھائی دے رہے تھے' سدرہ بھابی بھی ان کے درمیان تھیں اور سب کی کھی کھی جاری ۔ اس کا فطری تجسس ابھرنے لگا اسے دلچسپی سی محسوس ہونے لگی۔

اس وقت غالب ترو تازہ نکھرا نکھرا لابی میں داخل ہوا۔ سفید شلوار سوٹ' پیروں میں ری چپل اور بالوں کو سہلاتا سدرہ بھابی کے پاس جا رکا۔

"آپ نے مجھے بلوایا تھا بھابی؟"

"ہاں۔ ایک کام ہے کرو گے؟"

"ہاں۔ اگر معقول ہوا تو۔"

"تم کہیں جا رہے ہو۔" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

"ہوں' مگر آپ کہئے۔ مجھ ناچیز سے کیا کام پڑ گیا؟" اس نے دیوار میں بنے شوکیس کے ے گول آئینے میں خود کو دیکھا اور بالوں کو آگے سے سیٹ کرنے لگا۔

"دراصل مانی کی ٹیچر کو ڈراپ کرنا ہے۔ میں نے کہا اگر تم انہیں بس اسٹینڈ تک ہی چھوڑ آؤ

"مانی کی ٹیچر؟" اس کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔ وہ ایڑیوں کے بل پورا بھابی کی سمت

گھوم گیا۔

"ہاں..... کیوں تم نے نہیں دیکھی؟" نیلی نے کمال انجان بنتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... کب رکھ لی اور ہم سے چھپا کے بھی رکھا ہوا ہے۔"

"ارے دیکھو گے تو غش کھا جاؤ گے۔" عادل نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"خیر اب اتنی حسین بھی نہیں ہے۔" رابعہ نے منہ بنایا۔

"ارے تم لڑکیوں کو تو حسد میں کچھ نظر ہی نہیں آتا' اتنی بڑی بڑی آنکھیں ہیں' وہ بھی شربتی اور بال اف! مجھے تو گھٹاؤں کا خیال آگیا بلکہ ناگن کا اور قد تو جیسے۔ جیسے....."

"جیسے کیا بھائی؟"

"جب مثل نہیں سوجھ رہی تو چپ رہو۔" نیلی نے عادل کو ٹوک دیا۔

اسے بہت ہنسی آرہی تھی۔ سارے تیر نشانے پر لگ رہے تھے۔ غالب کا تجسس خوب رہا تھا بلکہ چھلک چھلک رہا تھا۔ وہ مانی کی ٹیچر کو دیکھنے کو بے تاب ہو گیا تھا۔

"کہاں ہیں محترمہ؟ مجھے بھی ان سے ٹیوشن لینی ہے۔"

"وہ اتنے بڑے بچوں کو نہیں پڑھاتی۔" نیلی جلدی سے بولی "بیچارے عادل نے بھی کو کی تھی مگر منہ کی کھائی۔"

"عادل اور مجھ میں بہت فرق ہے' سمجھیں تم۔" اس نے کالر جھاڑے۔

"جی نہیں میں نے ان سے کوئی ٹیوشن لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔" عادل کو نیلی جھوٹ قطعی نہ بھایا تھا۔

"ارے غالب۔ کہاں چلے تم؟" بھابی نے اسے پکارا۔

"بھئی معلوم کرنے کہ وہ مجھے ٹیوشن دیں گی یا نہیں۔"

"دہشت بدتمیز..... بھلا تم کون سا پڑھتے ہو۔"

"ذرا میتھس کمزور ہے میرا اور پاپا سے اکثر آفس میں ڈانٹ پڑتی ہے کہ میں دو اور دو جاتا ہوں۔"

حالانکہ دو اور دو بائیس ہوتے ہیں۔" عادل نے کہا تو وہ اسے آنکھ مار کر ہنسنے لگا۔

"یہ تو تم ہی کرنا اور چچا جان سے اچھی خاصی مار کھانا۔"

"چھوڑو تم لوگ اپنی بکواس' غالب ڈراپ کرو گے انہیں۔ بس اسٹاپ تک ہی۔"

"ارے بس اسٹاپ تک کیوں' ان کے گھر تک کیوں نہیں؟" وہ جلدی سے بولا۔

"اچھا' یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مانی' مانی بیٹے۔" بھابی نے دروازے سے نکل کر ما

تو وہ بھاگتا ہوا آیا۔ "جاؤ اپنی مس سے کہو کہ انہیں غالب انکل چھوڑ آئیں گے۔"

"آپ نے اس حسینہ کا نام نہیں بتایا۔" غالب دروازے سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کس حسینہ کا؟" بھابی نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا تو سب کو اپنی ہنسی دبانی مشکل ہو گئی۔

"ارے لاحول ولا۔ میرا مطلب ہے مانی کی ٹیچر۔"

"ارے نام میں کیا رکھا ہے' تم اسے گل کہہ دو یا خوشبو یا بہار کا نرم جھونکا۔" عادل نے گلدان سے نقلی پھول نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "پھول کو کسی بھی نام سے پکار لو۔ وہ پھول ہی رہے گا۔" اس نے خمار آلودہ لہجے میں کہہ کر پھول غالب کی جیب میں لگا دیا اور غالب کا تو مارے شوق کے برا حال ہو گیا۔

اس نے پھول جیب سے نکال کر انگلیوں میں تھام لیا۔

"کیوں نہ اسے یہ پیش کردوں یہ کہتے ہوئے کہ۔

گلابوں کے گھروندے میں تمہارا ذکر ہوتا ہے
تمہیں بیلے کی کلیوں کی ہنسی آداب کہتی ہے

"اور جو اس نے جواباً سر پر ٹھائیں سے سینڈل بجا دیا پھر؟" نیلی نے اس کی آنکھوں میں بنتے سحر کو توڑ کر رکھ دیا۔

"کبھی تو اچھی بات منہ سے نکال لیا کرو۔ جوتا کیوں ماریں گی۔ اس قدر زبردست پرسنالٹی ہے میری کہ محترمہ دیکھتے ہی....."

"بائی وے وے' وہ محترمہ ان کی نظروں سے اب تک کیسے بچی ہوئی ہے۔"

"ارے میں نے تو اسے بہن بنا لیا ہے۔" عادل نے گویا شرافت کے سارے ریکارڈ توڑنے کی کوشش کی۔

"اللہ رے۔ اسی نے تمہیں بھائی بنا ڈالا ہو گا جھٹ سے۔ مسکینیت ہی اتنی برس رہی ہے۔" اس نے باقاعدہ عادل کی ٹھوڑی پکڑ کر اونچی کی۔ اس دم ایک پختہ آواز نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ متوجہ تو وہ سب پہلے ہی تھے سوائے غالب کے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام' آئیے مسز کہانی۔" سدرہ بھابی ان کی طرف بڑھیں اور وہ جیسے اس انتظار میں تھیں' جھٹ سے اندر آگئیں۔ عادل تو انہیں دیکھ کر فوراً ہی کمرے سے کھسک گیا۔ اسے اپنی ابل ابل کر آنے والی ہنسی دبانی مشکل ہو رہی تھی۔

"مسز ثاقب۔ آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کا دیور مجھے گھر ڈراپ کردے گا۔ پلیز انہیں کہیے

جلدی چلیں۔ پہلے ہی میں لیٹ ہو گئی ہوں۔" انہوں نے رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور سدرہ بھابی کو دیکھا۔ جیسے یہ ان کا حق تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ابھی میں غالب سے یہی کہہ رہی تھی کہ مانی کی ٹیچر کو ڈراپ کر آئے۔"

سدرہ بھابی انتہائی سنجیدہ صورت بنا کر غالب کی صرف گھومیں۔ "غالب یہ مانی کی ٹیچر ہیں جن کا ابھی ہم ذکر رہے تھے۔"

اور غالب نے اس ادھیڑ عمر خاتون کو دیکھا جو سفید گلابی پھولوں والی ساڑھی میں ملبوس اس کے تصورات کے محل کو دھڑا دھڑ گراتیں' تجسس پر ڈھیروں برف گراتیں' بڑی چاپلوس مسکراہٹ کے ساتھ اسے تک رہی تھیں۔

"چلو بیٹے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔"

اور غالب کا دل چاہا وہ ان سب پر تڑاتڑ گولیاں برسا دے اور آخری گولی اپنے سینے میں اتار لے۔ کتنے مزے سے احمق بنا تھا ان سب کے ہاتھوں۔ اس نے گھوم کر نیلی اور رابعہ کو شعلہ برساتی نگاہوں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "بچو! چھوڑوں گا نہیں" اور پھر مسز کرمانی کی طرف بڑھا۔

"چلئے محترمہ۔ آپ کو بس اسٹینڈ تک چھوڑ آؤں۔" اس نے انگارے چباتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

اور پھر جو ہنسی کا طوفان اٹھا تھا' وہ شاہ دل کو بھی ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا۔ یہ اس کے خاندان کی لڑکیاں بھی بے حد شرارتی نٹ کھٹ سی تھیں' کوئی نہ کوئی ہنگامہ مچائے رکھتی تھیں۔

اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا اور کھڑکی بند کر کے ریک سے کار کی چابی اٹھائے کر کمرے سے نکل گیا۔ سدرہ بھابی کھی کھی کرتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بھاگ رہی تھیں جبکہ پیچھے سے نیلی اور رابعہ چیخ رہی تھیں۔

"یاد رکھیے گا بھابی' یہ سراسر آپ کا پلان تھا۔ غالب کے سامنے جواب وہ آپ کو ہونا ہو گا۔ ہمیں تو مفت میں پھنسوا دیا آپ نے۔"

"ارے واہ۔ شامل تو تھیں نا تم بھی۔" وہ پلٹ کر بولیں۔

"منصوبہ تو آپ کا تھا نا۔"

"ارے چھوڑو۔ مجھے تو ثاقب بچالیں گے۔"

"اوئے ہوئے۔ بڑی خوش فہمی ہے۔" رابعہ پیچھے لپکی مگر وہ دروازے کے پیچھے غائب ہو گئیں اور ادھر نیلی اور رابعہ سخت پریشان نظر آ رہی تھیں۔ سدرہ بھابی تو چلو بھابی تھیں اور

غالب احتراماً انہیں معاف کر دیتا اور عادل کا وہ زیادہ سے زیادہ کیا بگاڑ لیتا۔ مسئلہ تو ان دونوں کا تھا۔

نیلی کے چشم تصور میں سایہ آپی کی استری سے جلی قمیص پھرنے لگی۔ "ہائے رابی! کیا ہو گا۔ غالب تو ہمارا حشر خراب کر دے گا۔" اس نے رابعہ کا بازو پکڑ کر خوفناک انداز میں کہا۔

"اب مرو۔ یہ سب پہلے کیوں نہیں سوچا تھا۔ لے کے مجھے بھی گھسیٹ لیا۔" رابعہ جل ہی تو گئی۔

"ارے رابی۔ کیوں نہ پھوپی جان کی طرف چلے جائیں۔" نیلی نے کچھ سوچ کر کہا تو رابعہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ہوں مگر وہ ظالم دیو۔ پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"پھر بھی۔ ابھی تو غصے سے ابلتا ہوا سیدھا آئے گا۔ ہائے رابی چل نکل بھاگیں۔" نیلی نے تیزی سے پورچ کی طرف نکلتے شاہ دل کو دیکھ کر پکارا۔

"شاہ دل بھائی۔"

وہ پلٹا۔ تو دونوں کی حواس باختہ صورتوں کو دیکھ کر بے ساختہ ابھرنے والی مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔ وہ بھی غالب کے مزاج سے واقف تھا۔ وہ اتنی جلدی معافی دینے والوں میں سے نہیں تھا۔

"آ۔ آپ کہیں جا رہے ہیں۔"

"ہوں۔"

"تو پلیز ہمیں ذرا پھوپی جان کی طرف ڈراپ کر دیں۔" رابعہ منمنائی۔

"ہاں ضرور مگر یہ تو سراسر بزدلی ہوئی نا۔" اس نے سگریٹ بجھا کر کوریڈور کے کنارے رکھے گملے میں ڈال دی اور مسکرا کر دونوں کو دیکھا جو بری طرح چونک گئی تھیں۔

"جی۔" انہیں تعجب ہوا کہ اپنے کمرے میں بند رہنے والے شخص کو بھلا اس واقعہ کا علم کیسے ہو گیا۔

"بھئی جب شیر کو جگایا ہے تو اب اس کا مقابلہ بھی کرو۔" وہ پورچ کی طرف بڑھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر نیلی سرپٹ بھاگی۔

"شاہ دل بھائی توبہ کیجئے۔ یہ شیر کو جگانے کا پلان خالص سدرہ بھابی کا تھا' بخدا ہم دونوں تو بالکل بے قصور ہیں۔"

اس نے جھک کر لاک کھولتے ہوئے دونوں کو دیکھا۔

"بس آپ ہمیں پھوپی جان کی طرف ڈراپ کر دیجئے۔ غالب کہیں آ نہ جائے۔" نیلی کو یہی ایک دھڑکا لگا ہوا تھا کہ بس غالب ابھی آیا کہ ابھی اور بم کی طرح دونوں کے قریب بلاسٹ ہو گیا۔ وہ دونوں اس کی سفید شیراڈ میں چڑھ گئیں۔

"عادل کو دیکھا تم نے کتنا مکار ہے' مسز کرمانی کو کمرے میں آتے دیکھ کر ہی رفوچکر ہو گیا۔" رابعہ دانت کچکچا کر آہستگی سے بولی۔

"رابی! مجھے تو ڈر ہے غالب ہمارے کمرے میں گھس کر تباہی نہ مچا دے۔ ہائے ابھی دو نئے جوڑے سلوائے ہیں میں نے اور پہنے بھی نہیں ہیں۔" اسے تو بس یہی غم کھائے جا رہا تھا۔

"پورا ومپائر ہے کمینہ..... ہلاکو نسل کا۔"

دونوں کی جان ہوا ہو رہی تھی اور شاہ دل ان کی باتوں اور چہروں پر ہویدا پریشانی کو دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرائے جا رہا تھا۔ کتنی معصوم ہوتی ہیں یہ صنف نازک بھی۔ کہاں تن کر سینہ سپر ہو کر میدان میں اترتی ہیں اور جہاں ایک دھاڑ سنائی دی وہیں دبک گئیں۔

وہ دونوں کو پھوپی جان کے گھر اتار کر خود سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑانے لگا۔

کتاب زندگی کے نجانے کس باب میں ہوں
کسے خبر کہ مدت سے کس عذاب میں ہوں

اس کے دل کا اضطراب پھیل کر اس کی رگ رگ کو چھونے لگا تھا۔ گھٹن کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ اپنی ایک غلطی کا دکھ' کرب سمیٹے وہ اب سخت آزردہ ہو گیا تھا۔ ایک نا آسودگی کے اس جال میں سخت بے بسی اور بے اختیاری محسوس کر رہا تھا۔ ہزار تاویلوں پر بھی دل نہ تسلی پا رہا تھا۔ بلکہ ہر لمحہ بے کلی اور اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ماضی کی ہر سوچ خنجر کی طرح ذہن میں اترتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اب وہ خود اپنے لیے ایک مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔

"کیا وہ اتنا ہی قصور وار ہے؟"

"کیا اس کا جرم اتنا بڑا ہے؟"

یہ کیسی اذیت ہے میرے خدا' جو کسی طور روح سے نکلتی ہی نہیں ہے اس نے کئی بار اپنے دل میں جھانک کر دیکھا تو خود کو بے قصور محسوس کیا مگر دوسرے ہی لمحے وہ بھیگی آنکھیں سختی سے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں سے ڈال جاتیں' اس کے جرم کا احساس دلا جاتیں اور وہ کرب کے اتھاہ سمندر میں ڈوب کر رہ جاتا۔

اس کی دانست میں ایک ہی حل تھا اس اضطراب سے نکلنے کا۔ اس بے کلی کے خاتمے کا' وہ سوچنا چھوڑ دے ماضی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے اور دل و دماغ پر بے حسی کی برف سجا لے' تاکہ

ی سوچیں منجمد ہو جائیں۔

ہر احساس کو سرد کر لے ماضی کی کوئی یاد دستک نہ دے سکے۔

اس نے تو اپنے پرانے یار' دوستوں سے بھی کنارہ کشی کر لی تھی۔ خود کو باہر کی دنیا سے کسی تک کاٹ لیا تھا مگر بے سود۔ ایکسیلیٹر پر اس کے پیر کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ زوں زوں کرتی یاں اس کے آس پاس ہوا کے جھونکوں کی طرح نکل رہی تھیں..... ہر منظر تیزی سے پیچھے کی ے دوڑ رہا تھا دو ایک بار اسے سیٹی کی آواز بھی سنائی دی مگر نہ اس نے سیٹی پر دھیان دیا نہ سرخ پر مگر بہت آگے جا کر' اسے اچانک بریک لگانی پڑی تھی۔

○☆○

اس نے کوئی سولہواں اخبار اٹھا کر "ضرورت ہے" کے اشتہار پر نگاہیں دوڑائیں تو شہلا کا ر قہقہہ گونج اٹھا۔ اس نے گھبرا کر اخبار سے منہ نکالا۔

"کیا ہوا؟"

"ہونا کیا ہے..... ہنسی آتی ہے آپ کے آشفتہ مزاجی پر۔"

وہ پلنگ سے پیر لٹکا کر سلیپر ڈھونڈنے لگی۔ زنیرہ کے پیروں سے اس کے ربڑ کے سلیپر اس کی ب کھسکا دیے۔

"سوچتی ہوں تم جاب کیسے ڈھونڈو گی جبکہ ابھی تو اخبار میں اشتہار ہی دیکھتے دیکھتے دو دن گزار ہیں۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

اس کا چہرہ اس ہتک پر سرخ ہو گیا۔

"میرے حوصلے تو پسپا مت کرو۔" وہ احتجاجاً ہولے سے منمنائی۔

"حوصلہ ہے ہی کب کہ پسپا ہو گا۔" اس نے جھک کر تپائی سے اخبار اٹھا کر اس کے نشان ئے اشتہارات کو دیکھنے لگی۔

"یہ بتاؤ..... کیسی جاب کی خواہش ہے تمہیں؟" وہ اخبار لپیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

وہ شہلا کے سوال پر تلخی سے ہنس دی۔ خواہش اور آرزو کرنے کی پوزیشن میں ہی کب تھی

"کوئی شوقیہ جاب تو مجھے کرنی نہیں ہے کہ اپنی پسند اور خواہش کے مطابق ملنے والی نوکری کا ر کروں۔ بس ایسی ہو جہاں میری انا مجروح نہ ہو۔ محنت اور کام جتنا بھی ہو مگر عزت کا تحفظ عدم تحفظ کا احساس نہ ہو۔ اس قدر تذلیل اور بے بسی کا دکھ سہا ہے کہ اب ذرا بھی عزت ملنے ساس ہو گا وہیں ٹک جاؤں گی۔"

"ہوں۔" شہلا نے اسے دیکھا پھر بولی۔ "چلو تو باہر نکلو، دنیا بہت بڑی ہے اور اللہ مدد
ہمت نسواں مدد خدا۔" وہ ہنسنے لگی اور زنیرہ علی خان بھی سرہلا کر مسکرا دی اور اخبار سمیٹنے لگی۔

دوسرے دن ہی وہ اپنے سارے حوصلے مجتمع کر کے نکل کھڑی ہوئی سیاہ تارکول کی
سڑکوں پر شور مچاتی گاڑیوں کا کھیل رواں دواں تھا۔ اس نے اس نامانوس اور کچھ مانوس شہر
کھلی فضا میں گہرے سانس لیے۔ ہاں کب تک آخر شہلا نواز اسے پروں میں سمیٹے بیٹھی رہتی
کب وہ اتنی لاڈلی رہی تھی کہ اسے سرد اور گرم سے بچا کر کوئی رکھے۔ چلو زنیرہ علی خان
میری زیست کو آزار اور بھی۔ وہ مسکرا مسکرا کر خود کو نڈر اور باحوصلہ بنانے کی کوشش کر رہی
مگر جب صبح سے شام ہونے کو آئی اور "سوری میڈم" "نو ویکینسی" جیسے خاردار الفاظ اس
سماعتوں کو جھلساتے رہے تو اس کی ہمتیں ٹوٹنے لگیں۔ حوصلوں کی چٹانیں تڑخنے لگیں۔

ایک جگہ تو وہ روہانسی ہو گئی۔

"سر۔ مانا کہ میری کوالیفکیشن آپ کے معیار کے مطابق نہیں ہے مگر آپ مجھے ایک
تو دیں میں اپنی ساری محنتیں صرف کر دوں گی اور۔"

"سوری میڈم۔"

اور اسے اپنی سامنے آرام دہ کرسی میں دھنسا ہوا شخص ایک بڑی چٹان کی طرح محسوس
جسے وہ ڈھیر ساری کوششوں کے باوجود ذرا بھی نہ ہلا سکی تھی۔ اس کے چہرے کی سرد مہری او
گئی اور اس نے اٹھ جانے میں ہی عافیت جانی اور اپنے پیچھے نکلتے ہوئے دروازہ احتجاجاً زور
بند کر گئی۔ اس کی آنکھوں میں دھند کا ہلکا سا غبار چھا گیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ دھاڑیں مار
روئے۔ کسی کھمبے سے سر ٹکرا دے۔

کہیں سے بھی تو امید کی کوئی کرن نہیں چمکی تھی۔

اسے بالکل احساس نہ ہوا تھا کہ وہ اپنی سوچوں میں گھری عین سڑک کے درمیان کھڑی
تھی۔ چونکی جب سفید شیراڈ کے ٹائر اس کے بالکل قریب چرچرائے۔ کاش یہ گاڑی آج مجھ پر
کر آگے بڑھ جائے اس نے بے چارگی سے گاڑی چلانے والے کی طرف دیکھا تو گھبرا گئی
شخص کی آنکھوں میں جانے کیا تھا۔ وہ جلدی سے فٹ پاتھ پر ہو گئی۔ عجیب سی بے خودی ا
طاری تھی اور وہ آنکھیں تو جیسے اس پر چپک گئی تھیں۔ اس کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ نکلا، عج
ہونق شخص ہے اس نے گھبرا کر رخ موڑ لیا اور ڈھلکتی چادر پیشانی پر کھینچ لی۔

شاہ دل کی تحیر آمیز نگاہیں اب بھی اس کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ وہ بھلا کیو
حیران نہ ہوتا یہ چہرہ وہی تھا جسے بھلانے کے لیے اس نے کتنی کوششیں کی تھیں مگر ناکام رہا تھا۔

ہاں بلاشبہ وہی تھی۔

نیلے سوٹ پر سرمئی چادر اوڑھے۔

وہی چہرہ۔

وہی آنکھیں۔

اس کا دل چاہا اتر کر اسے جا پکڑے اور فوراً اپنے ضمیر کے بوجھ کو ہلکا کر دے۔

اپنی روح کی گھٹن کم کر دے۔

کیا نادر موقع تھا۔

اور وہ اپنی سوچ سے زیادہ تیزی سے گاڑی سے اترا تھا مگر وہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے قریب آتی بس میں چڑھ گئی تھی۔

"اوہ.... نو" اس نے عورتوں کے ہجوم میں اسے غائب ہوتے دیکھا اور بے بسی سے لب بھینچ گیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر بے بسی سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارنے لگا پھر زور سے چونکا۔ وہ بس کا پیچھا کر سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی اسٹاپ پر تو وہ اترے گی دوسرے لمحے اسے اپنی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا، اسے پہلے یہ خیال کیوں نہ آیا..... اب تو وہ کتنے لمحات ضائع کر چکا تھا۔ اس مصروف سڑک نے ان لمحات میں بس کو یوں نگل لیا تھا جیسے بنجر اور خشک زمین پر گرنے والا بارش کا چھینٹا ہو۔ اس نے خالی خالی نظروں سے سڑک کو دیکھا اور بے دلی سے اگنیشن میں چابی گھما دی۔

اس واقعہ نے زنیرہ علی خان کو بری طرح سہما کر رکھ دیا تھا۔ وہ مارے بوکھلاہٹ کے غلط روٹ کی بس میں چڑھ گئی تھی۔ اس کا احساس تو اسے بعد میں ہوا اور اس پر عورتوں کی دھکم پیل.... اجنبی راستے.... ان سب نے اسے اچھا خاصا نروس کر دیا تھا۔ اسے لمحہ بھر تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ نگاہیں آشنا تھیں یا اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ پہلی سوچ اس کے ذہن میں یہی اتری تھی کہ کہیں۔

احمر کا کوئی دوست تو نہیں۔

یا چچا جان کا کوئی واقف کار۔

مگر.... اسے اپنی سوچ کی نفی کرنا پڑی کیونکہ وہ تو احمر کے کسی دوست کے سامنے کبھی نہ آئی تھی نہ چچا جان کے کسی مرد واقف کار سے سامنا ہوا تھا۔ صبح بس میں لٹکتے ہوئے بھی اس کا دماغ اس واقعہ نے تانے بانے میں الجھا ہوا تھا۔ اپنے مطلوبہ اسٹاپ پر اتر کر اس نے ایک گہری سانس

ہوا کے سپرد کی۔ واہ زنیرہ علی خان بس اتنے معمولی واقعہ سے اتنا اپ سیٹ کر ڈالا ہے۔ ابھی تو پہلا قدم ہی اٹھایا ہے اور یہ حال۔ نجانے اس متحرک دنیا میں ابھی کیا کیا دیکھنے کو ملے گا۔

اپنی جائے پناہ تک پہنچتے پہنچتے تھکن سے بے حال ہو چکی تھی۔ مایوسیوں نے الگ ادھ موا کر دیا تھا۔ راستے بھر خود کو مشکلوں سے سنبھالے ہوئے تھی مگر اب شہلا کو دیکھ کر دل بے قرار ہو کر آنسوؤں میں ڈھل جانا چاہتا تھا مگر پلکوں کی مضبوط باڑھ بزدلی کے ان آنسوؤں کو روک رہی۔

"کیا نتیجہ رہا؟" شہلا نواز آئینے میں ابھرتے اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ بڑی مہارت سے خود کو سنوار رہی تھی۔ تازہ تازہ کٹے ہوئے بال بڑی نفاست سے شانوں پر دھرے تھے۔

"تم نے بتایا نہیں۔" اس نے کپڑوں کی میچنگ لپ اسٹک کے کیپ کو بند کر کے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"تم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہو اور نقاب میں چھپے چہروں کے تاثرات جان لیتی ہو پھر میرا چہرہ پڑھنا تمہیں کون سا مشکل ہے۔" وہ شانے سے بیگ اتار کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گی۔ شہلا کی ہنسی بے ساختہ جاندار بھی تھی۔

"بس تمہارے منہ سے سننا چاہتی تھی۔"

"اف۔ یہ شہلا بھی کبھی کبھی کتنا جلاتی ہے۔" اس نے دونوں پیر سمیٹ کر گھٹنوں میں سر جھکا لیا۔

"او کم آن زنی۔ ابھی تو ابتدا ہے جان اور ابھی سے شکست کو تسلیم کر لیا۔ ڈیئر اپنے پیروں پر کھڑا ہونا آسان تو نہیں ہوتا۔"

"مگر شہلا۔ کبھی کوئی لمحہ میرا اپنا نہیں ہو گا جس میں میں خوشی سے مسرت کے احساس کے ساتھ کھلکھلا سکوں.... کھل کر ہنس سکوں۔" بے بسی اور بے چارگی اس کی سوچ کو گویا چھید دے رہی تھی۔

"کیا تمہاری پچھلی زندگی۔ اس زندگی سے سہل اور اچھی تھی؟" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ایک لڑکی اسی وقت گھر سے نکلتی ہے شہلا جب اس پر زندگی تنگ ہو جاتی ہے' جب زندہ رہنے کی بجائے موت بہتر نظر آنے لگتی ہے' مگر موت بھی دور ہٹ جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے مجھ جیسی احتیاطوں کے خول میں چھپی رہنے والی لڑکی کسی معمولی دکھ سے گھبرا کر بھاگ سکتی ہے۔"

"ارے نہیں' میرا مطلب تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" وہ آئینے کے سامنے سے اٹھ کر اس کے قریب آئی۔ "مجھے امید ہے کہ اس زندگی میں تمہارے لیے پچھلے جیسے معاملات نہیں ہوں گے اور تم فکر کیوں کرتی ہو گدھی لڑکی۔ میں کچھ اپنی بھی کوشش کروں گی اور پھر اتنی پیاری تو ہو تم۔" وہ اس کے شانے پر تسلی آمیز ہاتھ مار کر مسکراتی رہی اور زنیرہ علی خان اس کے اس بے تکے جملے پر تلخی سے ہنس دی۔ حسن اگر خوشیوں کی ضمانت ہوتا تو وہ اب تک کسی محل میں راج کر رہی ہوتی۔ وہ پلنگ سے نیچے اتر آئی۔ شدید بھوک اور پیاس حاوی ہونے لگی۔ وہ اچانک چونک کر پلٹی۔ بنی سنوری شہلا نواز تو اسے اب نظر آئی تھی۔

"کہیں جا رہی ہو کیا؟" اس کی نگاہ بے ساختہ وال کلاک کی طرف اٹھ گئی۔

"ہوں۔" اس نے سینڈل کی اسٹریپ بند کرتے ہوئے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا اور کریدنا تو خود اس کی بھی عادت نہ تھی۔ اس نے پانی پی کر باورچی خانے کی طرف قدم اٹھا دیے اور کچھ پیٹ بھرنے کا سامان تلاش کرنے لگی۔ تب اسے شاپنگ بیگ میں ڈبل روٹی کے چار سلائس نظر آئے۔ اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا۔

"تم بھی اپنی کوشش جاری رکھا کرو۔ میں بھی کچھ کرتی ہوں۔" بیچاری شہلا نواز بار بار اس کا حوصلہ مجتمع کر رہی تھی۔

"بڑی بڑی اونچی ڈگریوں والے بھی جوتے چٹخاتے ہیں پھر کہیں جا کر نصیب جاگتے ہیں۔ تم تو پہلی ہی ٹھوکر پر منہ کے بل گرنے کو تیار ہو گئی ہو۔" وہ اپنی مزید تیاریاں مکمل کر کے آئینے میں خود کو ناقدانہ نظروں سے دیکھ کر باورچی خانے کے دروازے پر آ رکی۔ وہ زمین پر بیٹھی چائے کے ساتھ سلائس کھا رہی تھی۔

"ارے صبح کے لیے کچھ رکھنا بھئی' یہ آخری سلائس ہی بچے ہیں۔" وہ پرس سے گھر کی چابی نکال کر اس کی طرف اچھال کر بولی۔

"تو واپسی پر لے آنا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"جناب' ہر چیز لانے کے لیے پیسہ چاہیے اور میری اتنی معمولی رقم پر تو ویسے بھی بوجھ بڑھ گیا ہے۔ اچھا یہ چابی سنبھال کر رکھنا اور اندر سے دروازہ بند کر لینا۔ میں لیٹ ہو جاؤں گی۔"

شہلا نواز پلٹ کر چلتی بنی اور زنیرہ علی خان سرخ چہرہ لیے بیٹھی رہ گئی اس نے کھانے سے ں ہاتھ کھینچ لیا تھا جیسے کوئی گناہ کا کام اس سے سرزد ہو رہا تھا اور اب اسے عذاب کا پتا چلا گیا و۔ ہتک کے احساس سے وہ کتنی ہی دیر سن بیٹھی رہی۔

"بھئی دروازہ بند کر لو۔" شہلا کی آواز پر وہ آہستگی سے اٹھی اور بقیہ تین سلائس پوٹ میں

رکھ کر چائے کا کپ اٹھا کر باہر نکل آئی۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم کھانا چھوڑ دو۔ میں نے تو یونہی عام سی بات کہی تھی۔" وہ پلٹ کر بولی اور کھٹ کھٹ سیڑھیاں اتر گئی۔

ہاں میں تمہاری مجبوری سمجھتی ہوں۔ آج کے وقت میں ایک وقت کا کھانا ہی مشکل ہے۔ کجا ایک غیر لڑکی کا مستقل بوجھ۔

وہ بالکنی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ شہلا کے لیے ہمدردی ہی ہمدردی تھی اس کے دل میں۔ اپنا آپ زندگی میں پہلی بار وزنی بوجھ کی طرح اس زمین پر محسوس ہوا۔ اس نے سوچا۔ شہلا نے کچھ غلط نہیں کہا۔ اسے واقعی اب شدومد کے ساتھ جاب تلاش کرنی چاہیے اور شہلا کا بوجھ بٹانا چاہیے۔ آخر کو شہلا نے عمر بھر کے لیے تو اس کی دردسری مول نہیں لی تھی۔ اس نے پناہ دی تھی یہی اس کا احسان تھا۔ اس کے دکھ میں شریک تھی۔ یہی بہت تھا۔

اس کے دل پر ایک نادیدہ سا بوجھ آ گرا۔

ریل گاڑی چھکا چھک۔

گلی میں بچے کھیل رہے تھے اور خوب شور مچا رہے تھے اور زندگی کا دوسرا رخ دکھا رہے تھے کہ۔

زندگی موج ہے۔

رنگ ہے۔

نغمہ، خوشبو ہے۔

روشنی ہے۔

اس نے پوری توجہ سے مٹی سے اٹے میلے کچیلے مگر روشن چہروں والے بچوں کی طرف دیکھا۔ اب بچے کھیل چھوڑ کر ٹھیلے والے کے گرد جمع تھے۔ اس کے ذہن پر پل پل ماضی کی چاپ دستک دینے لگی۔

ایسی ہی ایک ملگجی شام تھی جب احمر اپنے پیسوں سے اس کے لیے بھنے ہوئے چنے لایا تھا۔

"لو چنے کھاؤ گی۔"

اس نے گرل میں منہ ٹکاتی زنیرہ علی کے سامنے گرم گرم خوشبو دیتے ہوئے چنے کا لفافہ کر دیا اور اس کا معصوم ذہن پل بھر چچی کی طرف گیا مگر آس پاس نہ چچی تھی نہ چچی کا بھوت، اس نے جھٹ سے لفافے سے چند چنے اٹھا لیے۔

"ارے یہ سارے تم لے لو۔ یہ میں تمہارے لیے ہی تو لایا ہوں۔" احمر نے پورا لفافہ اسے

تھما دیا۔

"سس... سارے میرے؟" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں بے یقینی سمٹ آئی۔ کبھی ڈھنگ سے روٹی نہ کھانے والی زنیرہ علی کو اتنے سارے خوشبودار چنے اپنے ہونے پر شک ہونے لگا۔

"ہاں ہاں۔ پتا ہے میں نے اماں سے چالاکی سے دو اٹھنیاں لے لی تھیں ایک تمہارے لیے ایک اپنے لیے۔"

اس کی آنکھوں میں غیر محسوس طریقے سے نمی اتر آئی تھی۔ احمر کی ایسی نوازشیں بھی بس ماضی کا حصہ ہی تھیں۔ اس نے ماضی کی لرزتی پرچھائیوں پر سر جھٹکا تو نظریں نیچے باغیچے میں گئی جہاں شمشاد بیگم کھڑی اسے نیچے آنے کو کہہ رہی تھیں۔ ان کے لہجے اور انداز میں بے حد اپنائیت اور اصرار تھا۔ اس نے سوچا کہ چلا جانا چاہیے۔

شمشاد بیگم جیسی بھی تھیں کم از کم اس کے لیے بے ضرر تھیں اور پھر اسے شمشاد بیگم سے کیا لینا تھا۔ اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ شمشاد بیگم کے ساتھ ان کے چھوٹے سے آراستہ پیراستہ ڈرائنگ روم میں تھی۔

○☆○

شمشاد بیگم اسے اپنے روبرو پا کر کھل اٹھی تھیں۔

"یقین مانو... مجھے تمہیں یہاں اپنے گھر دیکھ کر بے حد خوشی ہو رہی ہے۔" انہوں نے ایک جذب سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ ہولے سے مسکرا دی۔ جواب کیا دیتی، ان کی خوشی ان کے چہرے پر جھلک رہی تھی۔ وہ اسے شہلا کی غیر موجودگی میں اس سے پہلے بھی بلا چکی تھیں مگر شہلا کے خوف نے اس کے پیروں میں زنجیر ڈال رکھی تھی آج بادل ناخواستہ وہ سارے خوف نجانے کہاں جا سوئے تھے۔ وہ اس وقت شمشاد بیگم کے ڈرائنگ روم میں تھی۔

ان کا چھوٹا سا ڈرائنگ روم تمام آسائشات سے پر تھا۔ سرخ اور پیلے پھولوں والا نرم قالین، دیواروں سے میچ کرتے سلکی پردے، ایک دیوار پر آدھا دھنسا ہوا اے سی، بڑا سا ریک جس پر خوش نما شوپیس نفاست سے سجے تھے۔ ڈانسنگ ڈول پر اس کی نگاہیں کتنی ہی دیر جمی رہیں۔ صحت مند گلابی فراک والی گڑیا بے حد طمانیت سے رقص کے انداز میں چکر کھا رہی تھی۔ کاش وہ بھی ایک مجسمہ ہی ہوتی اور کسی کے ریک پر سجی ہوتی اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی۔

اسے اپنی اس بے ساختہ امڈ آنے والی سوچ پر ہنسی آگئی۔ اس نے نگاہیں ڈائننگ ڈول سے ہٹائیں تو جھینپ کر رہ گئی۔ شمشاد بیگم بڑے غور اور اپنائیت بھری نظروں سے اسے تک رہی تھیں۔

"پتا نہیں کیوں مجھے اب تک یقین نہیں آیا شہلا سے تمہاری پرانی دوستی ہے۔ کہاں شہلا جیسی بے باک' بدمزاج اور بداخلاق لڑکی اور کہاں تم۔"

"آپ نے گھر کو بڑے خوب صورت انداز سے ڈیکوریٹ کیا ہے۔" اس نے شمشاد بیگم کی بات کاٹ کر ان کے گھر کی تعریف کی۔ وہ شہلا کی جانب سے ان کی توجہ ہٹانا چاہتی تھی۔ کیا کرتی ان کا شک بے جا تو نہیں تھا بھلا وہ کون ہوتی تھی' اس کی کیا اہمیت تھی کہ وہ بار بار شہلا کی اچھائیوں کا یقین دلاتی یا پھر سچ اگل دیتی۔ بہرحال وہ ان کی توجہ شہلا سے ہٹانے میں کامیاب ہوگئی۔ وہ اس کی تعریف سے خوش ہو کر بولیں۔

"ہاں! بس دیکھو' تنہا عورت کا سہارا سامان ہی ہوتا ہے۔ اسی پر توجہ دیتی رہتی ہوں۔ ایک بیٹی تو بیاہ کر شوہر کے ساتھ جدہ جا بسی ہے' ایسا لگتا ہے جیسے دوسری دنیا میں جا بسی ہو' نہ فون' نہ تار' نہ خط۔ چلو خوش ہے اپنی دنیا میں آباد ہے۔ یہی بہت ہے۔ ایک ماں کو اور کیا چاہیے۔"

ان کے لہجے میں بسی اداسی اور تنہائی کی کاٹ کو وہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ہر وقت کرائے داروں سے چخ چخ کرنے والی' شہلا سے بات بات پر الجھنے والی شمشاد بیگم اندر سے کس قدر دکھی اور خالی تھیں۔

چند لمحوں کی اس قربت نے اسے شمشاد بیگم کی ذات کا ایک تاریک خلا دکھا دیا تھا۔

"میرا بیٹا کمال کہتا ہے کہ ہم الگ بڑا گھر لے لیں' اسے کرائے داروں کا یہ جھنجھٹ پسند نہیں ہے مگر میں منع کرتی ہوں' اتنے بڑے گھر میں تو انسانوں کی شکل دیکھنے کو میں ترس جاؤں گی۔ یہاں کم از کم اوپر نیچے انسان تو بستے ہیں' انہی سے الجھ کر اپنا دن گزار لیتی ہوں۔ ارے ہاں تم کمال سے ملیں؟ ایک ہی بیٹا ہے میرا' بڑا خوب صورت اور گھبرو ہے...... میں اسے بلاتی ہوں۔" شمشاد بیگم کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے ڈھیر ساری ممتا گھلی ہوئی تھی۔ وہ صوفے سے اٹھی ہی تھیں کہ اسی دم پردہ اٹھا کر کوئی اندر داخل ہوا۔ تیز پرفیوم کی مہک پورے کمرے میں پھیل گئی۔

"ارے لو' ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی۔" شمشاد بیگم داخل ہونے والے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

بلیک ٹراؤزر اور وہائٹ شرٹ میں ایک خوش شکل اور دراز قامت لڑکا یقیناً ان کا بیٹا کمال ہی ہو سکتا تھا۔

"امی! میں ذرا جا رہا ہوں۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"پہلے ان سے تو مل لو بیٹا۔ یہ میری کرائے دار کی عزیزہ ہیں' ۲۱ نمبر کمرے کی شہلا ہے نا اس کی۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" وہ رسمی انداز میں مسکرا دیا۔ ساتھ ہی بہ نظر غور سے اسے دیکھا بھی تھا تاہم بے حد عجلت میں دکھائی دے رہا تھا۔ بار بار کلائی پر بندھی سنہری واچ کو دیکھ رہا تھا۔

"یقیناً تفصیلی تعارف ہوتا اگر مجھے جلدی نہ ہوتی۔" اس نے اخلاق نبھایا۔

"ارے نہیں' آپ جائیں پلیز۔" اس نے خوش دلی سے کہا تو وہ جیسے منتظر ہی تھا' وہ پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"برا نہ ماننا زنیرہ..... بس یہ لڑکا چھلاوے کی طرح ہی ہے' ابھی آیا ابھی گیا۔"

"بھلا اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے..... اور پھر وہ رک کر کیا کرتے' ویسے بھی مرد گھر میں بیٹھے اچھے نہیں لگتے۔"

اسے بھلا شمشاد بیگم کے بیٹے کے جانے' آنے سے کیا واسطہ؟ اور یوں بھی اسے مردوں سے بات کرنے کا نہ تو سلیقہ تھا اور نہ شوق۔ وہ تو ہمیشہ اپنے خول میں بند رہنے والی لڑکی تھی۔ اسے تو بس چچی کی طرف سے عنایت کیا ہوا اپنا چھوٹا سا بے حال کمرا ہی عزیز تھا۔ جس میں فراغت کا سارا وقت گزار دیا کرتی تھی۔ گھر میں کون آیا؟ کون گیا؟ اسے نہ سروکار تھا نہ حق حاصل تھا جاننے کا۔

"چاہتی ہوں کمال کی شادی کر دوں۔ گھر میں کچھ ہلچل سی رہے گی۔" شمشاد بیگم بیٹے کے جانے کے بعد بولیں' ان کی سوئی کمال کے اوپر ہی اٹکی ہوئی تھی اور پھر ان کے چہرے پر ایک عجیب سی اداسی بکھر گئی "مگر سوچتی ہوں کہ آج کل کی لڑکیاں کہاں ساس کو برداشت کرتی ہیں۔ کہیں کمال کی شادی کے بعد اور بھی تنہا نہ ہو جاؤں۔ بس یہ ایک ہی خوف ہولائے دیتا ہے۔ اب تو گھڑی دو گھڑی بیٹھ بھی جاتا ہے میرے پاس پھر پتا نہیں....." انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

شمشاد بیگم کی باتیں اس کے لیے کسی قسم کی دلچسپی کا باعث نہ تھیں۔ وہ پھر بھی سن رہی تھی' ان کی باتوں پر سر ہلا رہی تھی۔ یہ خشک اور بے کار گفتگو ان کے لیے یقیناً اہم تھی مگر اس کے لیے بے مقصد' بے معنی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ اسے شمشاد بیگم کی تنہائیوں کا احساس ہو گیا تھا۔

یہاں تو سب ہی دکھی ہیں۔

ہر شخص ہی تنہائی کا زہر پی رہا ہے تو پھر سکھی کون ہے؟
مطمئن اور آسودہ کون ہے؟

کسی کو تنہائی کا رونا ہے تو کسی کو اولاد کی زیادتی کی وجہ سے امڈ آنے والی پریشانیوں کا۔

وہ خود بے گھر' بے در ہونے کے عذاب سے دوچار تھی لیکن حیرت یہ تھی کہ شمشاد بیگم ایک خوب صورت گھر رکھتے ہوئے بھی نا آسودہ تھیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ "خدایا! یا تو تیرے بندے شکر کرنا بھول گئے یا پھر واقعی کوئی سکھی نہیں ہے' کوئی آسودہ نہیں ہے۔"

شمشاد بیگم نے اس کے سامنے ڈھیر سارے لوازمات سجا دیئے تھے اور محبت کے ساتھ کھانے پر اصرار کر رہی تھیں۔ وہ سخت شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس نے بس چائے کا کپ تھامے رکھا تھا۔ حالانکہ دوپہر کو ڈھنگ سے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے بھوک چمک اٹھی تھی مگر شمشاد بیگم کے لاکھ اصرار کے باوجود ایک بسکٹ سے زیادہ نہیں کھا سکی۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں اس کھانے کا شمشاد بیگم کوئی معاوضہ نہ وصول کرنے بیٹھ جائیں۔ یوں بھی کسی کا کھا کے آدمی کو اس کی مروت کرنا پڑتی ہے۔ جبکہ شہلا ان سے ملنے تک کو منع کرتی تھی۔

"تم کوئی جاب ڈھونڈ رہی ہو؟" انہوں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا تو وہ چونک سی گئی پھر سر ہلا دیا۔

"ہاں مگر سوچتی ہوں ایف اے پاس کو کیا جاب مل سکتی ہے؟" اس کا لہجہ مایوسیوں کی اتھاہ میں ڈوب کر ابھرا تھا۔

"میری ایک جاننے والی ہیں انہیں اپنے بچے کے لیے ٹیوشن پڑھانے والی چاہیے اگر تم کہو تو بات کروں تمہارے لیے؟" شمشاد بیگم کے لہجے میں خلوص تھا۔

یہ سن کر اس کے دل میں ایک خوشی کی بھرپور لہر اٹھی تھی۔

"کہاں؟ کس جگہ؟" وہ بے تابانہ پوچھ بیٹھی۔

"ہے تو ذرا دور ان کا بنگلا مگر اچھے لوگ ہیں۔ بھرا پورا گھر ہے' میں انہیں ایک عرصے سے جانتی ہوں اور پھر تمہیں تنخواہ بھی معقول دیں گے' اس دوران میں تم اپنے لیے جاب بھی تلاش کرتی رہنا...... ارے تم نے کچھ کھایا نہیں' یہ لو نا۔" انہوں نے اس کے آگے سموسوں کی پلیٹ کر دی مگر وہ تو دل سے امڈنے والی اس خوشی میں مگن تھی۔

"یہ شمشاد بیگم' کیا واقعی اس کی خیر خواہ ہیں؟ پتا نہیں شہلا ان سے کیوں نالاں سی ہے۔ اتنی اچھی تو ہیں۔" اس نے کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ابھی تو ایک بچہ ہے کل کلاں کو دوسرے بچے بھی مل جائیں گے اور اچھی بھلی تنخواہ ہو جائے گی۔" شمشاد بیگم نے اسے تائید طلب نظروں سے دیکھا مگر وہ اب سوچ رہی تھی کہ نجانے شہلا اس بات کو پسند کرے یا نہ کرے۔ اس نے تو بارہا اسے شمشاد بیگم سے دور رہنے کی ہی تاکید کی تھی۔ کجا ان کی آفر کی ہوئی جاب قبول کرنے دے۔

"تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"جی۔" اس نے خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔ خوشی سے بلیوں اچھلتا دل شہلا کے خوف کے بھاری پتھر کے نیچے دب کر رہ گیا تھا۔ وہ کیا جواب دے سکتی تھی۔ شہلا سے بغیر پوچھے اور پھر اس شہر میں اجنبی تھی۔ بلکہ شہر ہی کیا' اس کے لیے تو ساری دنیا ہی اجنبی تھی۔ اس کے سارے فیصلے تو اب شہلا کو کرنے تھے اور پھر بقول شہلا کے "تمہارے چہرے پر پھیلی معصومیت اور حماقت تمہیں با آسانی کسی کا تر نوالہ بنا سکتی ہے۔"

"اف۔" اسے سوچ کر ہی جھرجھری آگئی۔ "کیا خبر اپنے تئیں وہ جسے مضبوط زمین سمجھ کر قدم رکھ رہی تھی' اندر سے دلدل نکلے۔" اس نے شمشاد بیگم کے سراپے کو دیکھا۔ بھلا وہ چہرے کب پڑھ سکتی تھی۔

"نہیں اسے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے شہلا سے ضرور مشورہ کر لینا چاہیے۔"

"پھر کیا سوچا تم نے؟ اور سوچنا کیا ہے ایک بچے کو پڑھانا کون سا مشکل ہے۔"

"میں سوچ کر جواب دوں گی۔" وہ سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔ "اب میں چلوں گی۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"پھر کب آؤ گی؟"

وہ رکی اور دوستانہ انداز میں مسکرائی پھر پلٹ کر تیزی سے پردہ اٹھا کر نکل گئی۔

دیتی ہے جب ذرا سی بھی آہٹ اذیتیں
ایسی خموشیوں میں سنائی نہ دیا کر
پہلے ہی حادثات کے امکان کم نہیں
یوں مجھ کو راستوں میں سجھائی نہ دیا کر

وہ اس مصروف شاہراہ سے نکل آیا تھا مگر سوچوں کی ساری سوئیاں اس ایک جگہ اٹک کر گئی تھیں۔

کیا ہو جاتا جو ایسے نادر موقع کو وہ ہاتھ سے نہ گنواتا' کاش اس کی تقدیر پر چند گھڑیاں ہی مہربان ہو جاتیں اور وہ اپنی روح کا وہ بوجھ ہلکا کر لیتا۔

اس نے اپنے وسیع بیڈ روم کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ٹہلتے ہو
پانچویں سگریٹ جلائی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے سگریٹ کا سارا دھواں اس کے دل کے اندر بھر
رہا ہو۔ سوچوں میں گھٹن کا احساس شدید ہونے لگا' اسے اپنی بے اختیاری اور بے بسی پر غ
آنے لگا۔

"مائی فٹ۔" اس نے اپنی ساری جھنجلاہٹ تپائی پر لات مار کر نکالی اور بچاری تپائی اچھ
کرتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔ اس پر رکھی ایش ٹرے قالین پر گری اور قالین پر ایک سرمئی
پڑ گیا۔

یہ ضروری تو نہیں کہ وہ جس قدر پریشان ہو رہا ہو یا اپنی غلطی پر پشیمان ہو رہا ہو' وہ غل
جرم' اس لڑکی کے لیے اب بھی کسی اذیت کا باعث ہو' یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اطراف کے
باظرف اور باشعور ہوں اور ان کے سہارے وہ اس کے جرم کو بھلا کر دنیا کے ہنگاموں میں
باش زندگی گزار رہی ہو اور وہ یونہی ایک غم کو گلے سے لگائے پریشان حال ہو رہا ہے۔

اس نے خالی خالی نظروں سے اس سرمئی دھبے کو دیکھا جو ایش ٹرے کے گرنے سے
تھا۔

وہ اس وقت خود کو انتہائی احمق شخص محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ خیال اسے پہلے کیوں
آیا؟ یہ نقطہ اس کے ذہن میں پہلے کیوں نہیں اترا؟

ہاں بھلا آج کے اس مصروف اور سنگدل دور میں بھلا کون اپنی غلطیوں پر یوں پشیما
ہے اور کون بھلا اپنے دکھوں کو سینے سے لگائے سسکتا رہتا ہے۔

یقیناً وہ بھی بھلا چکی ہوگی اور اب اسے بھی بھول جانا چاہیے آخر نعیم اور جواد رضا
تو انسان ہیں جس کے لیے یہ سارا قصہ 'قصہ پارینہ' بن کر رہ گیا ہے پھر وہ کیوں جان کو روگ
ہوئے ہے؟

اس نے اپنے دل پر تسلی کے پھاہے رکھے کہ اسے خود ہی اپنے آپ کو تسلی دینا تھی
پتا نہیں وہ اتنا حساس تھا یا پھر اس کا جرم ہی اتنا سنگین تھا کہ ایک سال گزر جانے کے
روح سے یوں چمٹا تھا گویا ابھی کل کا واقعہ ہو۔

اسٹوڈنٹ لائف میں شاید یہ اس کی پہلی اور آخری غلطی تھی جس کا خمیازہ اس کے
میں وہ اب تک بھگت رہا تھا ورنہ اس کا کردار شفاف آئینے کی طرح تھا یونہی وہ
اسٹوڈنٹ نہ تھا اسے تو ٹائٹل بھی ہمیشہ کچھ ایسے ہی اشعار سے بھرے ملا کرتے تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اس کے ذہن کی الجھی ہوئی سطح پر ماضی کے خوش رنگ منظر پھیلنے لگے۔ فیصل کیانی کے وہ
اشعار اسے آج بھی ازبر تھے۔

کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے
میری قسمت میں یارب کیا ہے دیوار پتھر کی

وہ اکثر تھرڈ ائیر کی سمیعہ گل کو دیکھ کر اسے چڑایا کرتا تھا جو بچاری حقیقتاً شاہ دل کے لیے اتنی
دور چل کر اس کے ڈپارٹمنٹ تک آتی تھی۔

"یار شاہ دل! تم اپنی تیغ صفت نظروں کو ذرا مسکراہٹ میں بدل دو نا تو نازنینوں کا ایک ہجوم
اکٹھا ہو جائے گا۔"

"کیا تالیاں پیٹنے کے لیے؟" اس نے چڑایا مگر وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ہرگز نہیں آپ کی مسکراہٹ سے سیراب ہونے۔"

"وہ دیکھو رعنا علی کو' بچاری کب سے تمہیں دل میں جذب کر رہی ہے بقول شاعر کہ

میری آنکھوں میں سمایا اس کا ایسا نورِ حق
شوقِ نظارہ تیرا اے بدرِ کامل اٹھ گیا

اور شیریں کمال کو دیکھا ہے' ہائے کس جذبوں سے گندھی آئی ہے تمہاری طرف مگر تم اس
ظالم ساجن کی طرح بقول کیوں سنے عرض مضطرب مومن۔"

"بس۔ بس۔" اس نے ہاتھ اٹھ کر فیصل کیانی کو مزید شعر افشانی سے روک دیا اور ہاتھ میں
پکڑی موٹی جلد کی کتاب اس کے سر پر دے ماری۔

"تمہیں یہ اتنی ساری خبروں سے باخبر رہنے کو کس حکیم نے مشورہ دیا تھا۔"

اس نے مذاق میں ٹال دیا اور حقیقت تھی اس نے تو کبھی پلٹ کر رک کر دیکھا ہی نہیں تھا
کہ کون کون سی مہ جبین اس کی راہ میں دل ہتھیلی پر سجائے کھڑی ہے۔
کون اس کے لیے جاں سے بھی گزرنے کو تیار بیٹھی ہے۔
کس کے دل پر اس کی مسکراہٹ ستم ڈھا رہی ہے۔
یہ درس گاہ ہے اور اسے ان تمام آلائش سے پاک رہنا چاہیے۔ یہ اس کی صاف اور پاکیزہ
چ تھی۔

"جب خود لڑکیاں ہی راہ میں آنا چاہیں تو؟" یہ نعیم راجا ہمیشہ اس سے بحث کرنے کو تیار ر
تھا۔

"تو تم ہی بچ کر نکل جاؤ۔" جواب ملا۔

"واہ یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ خباثت سے مسکرا دیا۔

"اگر راستے میں کانٹے ہوں تو تم کس طرح گزرو گے، ظاہر ہے سنبھل کر، بچ بچ کر ہی
گے نا۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔

"اوئے ہوئے تو تم صنف نازک کو کانٹا سمجھتے ہو۔" فیصل کیانی نے تڑپ کر چیخ ماری۔

"درس گاہ میں کوئی لڑکی علم جیسے مقدس مقصد کے علاوہ محض نمود و نمائش کے لیے آتی
تو وہ میرے نزدیک کانٹے سے بدتر ہے۔" اس کا لہجہ مضبوط اور بے لچک تھا گویا وہ کسی بھی لڑ
رعایت دینے کو تیار نہیں تھا۔

"یار لگتا ہے شاید تیرے سینے میں دل جیسی کوئی شے نہیں ہے بلکہ لوہے کا کوئی ٹکڑا فٹ
گیا ہے۔"

"پھر تو یقیناً لڑکیوں کے دل مقناطیس ہیں۔" نعیم نے شرارت آمیز ہنسی سے اسے چھیڑا
سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ سوائے ان سب کی عقل پر ماتم کرنے کے کیا کر سکتا تھا۔

"مجھے لگتا ہے تم لوگوں کی تربیت میں کہیں کوئی گڑبڑ رہ گئی ہے۔" اس نے ان کو باری با
دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہ۔۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔ تربیت میں نہیں دل میں۔" جواد نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا تو ان سب کے
قہقہے کیفے ٹیریا میں گونج اٹھے۔

"بہت کمینے ہو۔" وہ جھنجلا کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا اور جواد رضا کے بازو کو پکڑ کرا
کھڑا کیا۔

"اب اٹھ بھی چکو۔ پریڈ نہیں لینا کیا؟"

اس طرح کی بحثیں اس کے غصے کو خوب ہوا دیا کرتی تھیں۔ اس کے گروپ کے یہ سا
لڑکے ایک سے ایک بڑھ کر دل پھینک واقع ہوئے تھے اور یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پر
لائف میں داخل ہو کر وہ سب پرانی پچھلی محبتوں کو بھول بھلا کر والدین کی پسند کی پاک دامن
کردار لڑکی کو ترجیح دیں گے۔

"انہی دنوں یونین کے الیکشن ہو رہے تھے جس میں اس کی ORGANIZATION
اسے آگے کیا جبکہ وہ ذاتی طور پر دلچسپی نہیں رکھتا تھا چونکہ یہ اس کا فائنل ائیر تھا اور وہ اپنی تم

توجہ تعلیم پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا مگر ان سب کے اصرار پر اسے آگے آنا پڑا تھا۔

"بادشاہ ہو۔ تمہاری پرسنالٹی کو کیش کروانے کا وقت آگیا ہے۔" نعیم راجا نے دانت
نکالے۔ "کم از کم نازنینوں کو کنوینس کرنے میں مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

"بالکل۔۔۔۔ بالکل۔۔۔۔" اور ایک زبردست قہقہہ پڑا۔ اس نے متاسفانہ نگاہوں سے ان
سب کو دیکھا۔

"کیا تم لوگ تھوڑی بھی شرافت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔" وہ برا مان کر بولا۔

"یار۔۔۔۔! تم پھر کس مرض کی دوا ہو۔ اس لیے تو تمہیں آگے کیا ہے، شرافت بھی ہے
میرے محبوب میں۔" فیصل کیانی نے تان لگائی اور سب مل کر ڈیسک پیٹنے لگے۔ آتے جاتے
اسٹوڈنٹ اس شرارتی ٹولے کو محظوظ نظروں سے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔

پھر انہی دنوں انجینئرنگ کالج کی فضا میں جیسے زندگی دوڑ گئی تھی۔ ہر چند کہ سنجیدگی سے
پڑھنے والے اسٹوڈنٹس میں بے چینی پیدا ہو گئی تھی مگر زیادہ تر لطف اٹھا رہے تھے۔

جلسے۔

جلوس۔

ہنگامے، فائرنگ کی بوچھاڑ، پھر پولیس کا آنا جانا۔

شاہ دل کو حیرت انگیز طور پر سراہا جا رہا تھا۔ اسے تو گمان تک نہ تھا کہ وہ کس قدر مقبول ہے
اسٹوڈنٹس میں۔

کس قدر اہمیت اختیار کر گئی تھی اس کی ذات۔

اس کے اندر فخر کا احساس ہلکورے لینے لگا۔

اس کی دلچسپیاں از خود بڑھ گئی تھیں اس لیے کہ اسے نوے فیصد اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا
تھا۔

ان ہنگاموں میں اس کے گروپ کے فیصل کیانی کو اغوا کر لیا گیا۔ ہوا کچھ یوں تھا کہ اس دوپہر
اس کے جلسے کے دوران میں مخالف گروپس نے فائرنگ کر کے جلسہ عام کو منتشر کر دیا تھا اور اس
کامیاب جلسے کی حالت پر یوتھ فیڈریشن کے کارکن غصے سے آگ بگولا ہو گئے اور جواب میں
فائرنگ شروع ہو گئی۔ شاہ دل کے لاکھ منع کرنے کے باوجود فیصل کیانی اور نعیم راجا نے جوابی
کارروائی نہ رکوائی اور آخر پولیس کے آجانے پر معاملہ ٹھنڈا ہوا۔

دھڑا دھڑ ایف آئی آر کٹوائی گئیں، حسب روایت تفتیش ہوئی مگر نتیجہ صفر ہی رہا۔

سیاست میں شامل ہونے والے کی حیثیت ہمیشہ مضبوط رہی ہے یہ تو سب جانتے تھے اور

نتیجے کا کسی کو خاطر خواہ انتظار بھی نہ تھا مگر اس شام فیصل کیانی کے اغوا نے ان سب کو پریشان کر دیا۔

شاہ دل کے دل پر عجیب سی وحشت چھانے لگی۔ اسے رہ رہ کر احساس ہونے لگا کہ اس نے سیاست میں شامل ہو کر ہرگز اچھا نہیں کیا اور یہ سیاست کیا تھی' محض غنڈا گردی' ننگا فساد ایک وحشت تھا جس میں ایک سے ایک بے رحم' جابر اور ظالم شخص کا راج تھا۔

"ہم جیسے امن پسند اور مہذب اشخاص کا کام نہیں ہے نعیم۔" اس نے بے حد دکھ اور تاسف کے احساسات کے ساتھ کہا۔

اب تک جتنے واقعات اور حالات انہیں درپیش تھے اس نے جہاں اسے اپنی مقبولیت اور اہمیت کا احساس بخشا تھا وہیں درندوں سے بھی آشنائی ہوئی تھی جو اس کے لیے بے حد اذیت کا باعث تھا۔

"ارے ہم بھی مہذب بندے نہیں ہیں۔" نعیم راجا نے غصے سے جوتا اتار کر دیوار پر دے مارا۔

"ایسے کاموں میں یہ سب کچھ تو ہوتا رہتا ہے۔" جواد رضا اس کے دکھ کو شاید اس کا خوف سمجھ رہا تھا۔

"اب ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا جانتے ہو؟" اس کے لبوں پر تبسم تھا۔ اس نے شاہ دل کو دیکھا جو سر جھکائے فیصل کیانی کے لیے فکر مند تھا۔ وہ اپنی چار بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور یقیناً اپنے ماں باپ کا واحد سہارا' ان کی امیدوں کا مرکز تھا۔

"مجھے اپنی فکر نہیں ہے نعیم مگر فیصل کے باپ کے بڑھاپے کا احساس ستا رہا ہے۔ یہ ظلم ہے والدین پر جو ہمیں پال پوس کر ایک تناور درخت بناتے ہیں کہ بڑھاپے میں جب ان کو چھاؤں کی ضرورت پیش آتی ہے تو خود غرض بن کر اس چھاؤں سے ان کو محروم کر دیتے ہیں۔"

"اوہ کم آن شاہ دل۔ کچھ نہیں ہوگا فیصل کو۔ بس ہم بھی ان کے گروپ میں سے کسی کو اغوا کر لیتے ہیں۔" یہ نعیم کا پلان تھا۔ وہ چپ رہ گیا۔

"سنو' شاہد رضوی' ٹھیک رہے گا نا۔" نعیم نے تائیدی نظروں سے سب کو دیکھا۔

"پر شاہد رضوی ہی کیوں' اس کے بھائی کو کر لو۔ جس کی چند دنوں میں شادی ہو رہی ہے۔"

شاہ دل کو نجانے کیسے یہ خیال آ گیا وہ بس کسی طرح بھی فیصل کی زندگی چاہتا تھا اور ہو سکتا تھا کہ شاہد رضوی اپنے بھائی کے لیے پریشان ہو کر فیصل کیانی کو چھوڑ دے۔

"واہ زبردست آئیڈیا۔" نعیم نے اس کی پیٹھ تھپکی۔ "موقع سے فائدہ اٹھانا اسی کو کہتے

ہیں۔"

"مگر خیال رہے کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ حقیقتاً سخت بددل ہو گیا تھا نجانے کیوں ہر گزرتے دن کے ساتھ سیاست کا رنگ اسے بے کل کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی تاریک اور ہیبت ناک غار کے دہانے پر ڈھیر سارے برقی قمقمے سجا دیے گئے ہوں اور اس ظاہری چکاچوند میں آجانے والا پھر اس کی تاریک خلاؤں میں اترتا چلا جائے۔

پستی۔

پھر انتہائی پستی۔

نجانے رات کا کون سا پہر تھا فون کی تیز گھنٹی سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ دوسری سمت نعیم راجا تھا۔

"اوئے شاہ۔ سو گئے تھے کیا؟" اس کا لہجہ ہشاش بشاش تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے رات دو بجے میں بریک ڈانس کر رہا ہوں گا۔" اور جواباً نعیم کی ہنسی گونج گئی۔

"کیوں تنگ کیا ہے اتنی رات کو؟" اس نے جھنجلا کر پوچھا کتنی مشکل سے تو آنکھ لگی تھی کہ اس نعیم کے بچے نے یہ بھی اڑا دی۔

"ایک زبردست نیوز ہے۔" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"نیوز۔" وہ بیٹھ گیا۔ "کیا شاہد رضوی کے بھائی کو کڈنیپ کر لیا ہے؟" اس نے اندازہ لگایا' اس کے لیے کم از کم یہی نیوز ہو سکتی تھی۔ مگر دوسری سمت وہ جاندار قہقہہ گونجا۔

"بھائی نہیں..... بہن۔"

اور شاہ دل کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔

"وہاٹ؟"

"ارے یار۔ شادی والے گھر میں دولہا کو اغوا کرنا بڑا مشکل بن گیا تھا اور تم جانتے ہو کہ نعیم راجا کبھی شکست نہیں کھاتا' سو بھائی نہ سہی اس کی بہن ہی سہی۔"

"مائی گاڈ..... نعیم تم' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم لوگ اتنی پستی میں اترے ہوئے ہو۔" وہ رنج و غصے سے بھڑک اٹھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ نعیم راجا کو شوٹ کر دے۔ کس مزے سے اپنی غیر اخلاقی فتح کی نوید سنا رہا تھا۔

"اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔" وہ ہنستے ہوئے گنگنایا۔

"نہیں نعیم..... ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" وہ اپنے اندر غصے کے اٹھتے ابال کو بامشکل دبا پا رہا

تھا۔ ''تم جانتے ہو کہ تم نے کیسی اخلاق سوز حرکت کی ہے۔ ایک جرم کیا ہے بلکہ ہم سب
میں شامل ہیں۔''
''ارے یار...... کچھ نہیں ہوتا میں نے اسے بہت عزت سے کمرے میں لاک کیا ہے
ادھر وہ لوگ فیصل کو چھوڑ دیں گے ادھر ہم شاہد کی بہن کو باعزت طور پر...؟''
''باعزت.... تمہارا کیا خیال ہے یہ جو تم نے اسے لاک کیا ہے یہ عزت دی ہے ایک لڑ
رات بھر کے لیے گھر سے غائب رکھنا عزت و توقیر کا باعث ہوتا ہے۔''
''ٹیک اٹ ایزی شاہ۔ اس میں اتنا جذباتی ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ سیاست میں
طرح کے واقعات چلتے رہتے ہیں۔''
''شٹ یور ماؤتھ۔ مجھے دلیلیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس گھٹیا سیاست کو
گندگی سمجھتا ہوں۔ دوسروں کی عزت سے کھیلنا کیسی سیاست ہے۔ پلیز نعیم.... سمجھو' ایک
کی عزت سے مت کھیلو۔'' اس کے لہجے میں برہمی' پریشانی' جھنجلاہٹ' سب کچھ تھا۔
''اوہو۔ میں نے کہا نا کہ ان لوگوں نے فیصل کو چھوڑ دیا تو ہم بھی فوراً....''
''چاہے اس عرصے میں کتنی ہی قیامت گزر جائے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر چیخا اور
سے ماؤتھ پیس کو گھورا۔
کتنی نازک ہوتی ہے عورت کی عزت۔ معمولی بات کو اس صنف کے حق میں معمولی
سمجھا جاتا۔ کہاں وہ اغوا ہی کر لایا تھا۔ اس کی نگاہوں تلے نیلی' فارحہ' رابی کے چہرے گھو
لگے۔ اگر خدانخواستہ اس گھر کی کسی لڑکی کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آ جاتا تو کیا وہ لوگ
کھلے دل و دماغ کے مالک تھے کہ اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کر لیتے؟ وہ جانتا تھا مرد
کی عورت کے معاملے میں حد درجے تنگ ذہن ہوتا ہے۔
''نعیم! تم ابھی اور اسی وقت اسے واپس چھوڑ آؤ۔'' اس نے اپنے ابلتے غصے کو دباتے ہو
تحکم بھرے لہجے میں کہا۔
''کیا؟ دماغ تو درست ہے تمہارا؟'' وہ چیخا۔
''میرا دماغ ابھی درست ہے اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ عورت کی عزت آبگینے سے بھی ن
نازک ہوتی ہے۔ فار گاڈ سیک تمہیں اپنی بہن ماں کا خیال نہ آیا ایسی اوچھی حرکت کر
ہوئے؟''
''مجھے تو تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہے۔'' نعیم راجا کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ ''دولہا کے
کا آئیڈیا تو تم نے ہی پیش کیا تھا نا۔''

''ہاں مگر کسی عورت کا نہیں۔'' نجانے نعیم کیا جتانا چاہ رہا تھا اس کی رگوں میں شرارے سے
بھر گئے۔ ''بس' یہ میرا حکم مان لو اور ابھی اس لڑکی کو اس کے گھر چھوڑ آؤ۔''
مگر دوسری سمت نعیم راجا نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ اس نے غصے سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ
دیا اور بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ اب نیند کہاں آتی تھی۔
نعیم نے ایسی اندوہناک خبر سنا کر اس کی روح تک کو ہلا کر رکھ دیا تھا اسے اپنے گروپ کے
لڑکوں سے اتنی پست حرکت کی امید ہرگز نہ تھی۔ ان کے نزدیک سیاست محض ایک سال کا کھیل
اور دل لگی تھی اور یہ دل لگی کسی کی ساری زندگی کو..... برباد کر کے رکھ دے یہ اسے کب گوارا
تھا۔ اس کے اطراف بھی اس کی ماں بہنیں' کزنز لڑکیاں تھیں جن پر غلط نگاہ ڈالنے والوں کو وہ مار
ڈالنے میں بھی تامل نہ کرتا۔
''کیا صرف اپنی بہن اور ماں ہی عورت ہوتی ہے؟
عزت صرف اپنی ہی عورتوں کی ہوتی ہے؟''
اس نے نعیم کا نمبر ڈائل کیا مگر دوسری طرف سے کوئی ریسیو نہ کر رہا تھا۔ وہ بے چینی سے
کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور نعیم کا گریبان پکڑ کر اسے اتنا مارے
کہ وہ بے دم ہو جائے۔ وہ اس لڑکی کے گھر پر برپا ہونے والی کے بارے میں تصور کر سکتا تھا۔
ایک عورت کو آلہ کار بنانا مردانگی ہے نہ شرافت کی دلیل مگر یہ بات اس کے گروپ والے شاید
نہیں سمجھتے تھے۔ اسے رہ رہ کر اپنا جرم ان سب سے بڑا نظر آ رہا تھا نہ اس نے شاہد رضوی کے
بھائی کے اغوا کا مشورہ دیا ہوتا' نہ آج اسے قیامت سے گزرنا پڑتا۔
رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ اور صبح کی سفیدی کا انتظار تھا۔ وہ جلد از جلد نعیم راجا
کی رہائش گاہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے تو یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ نجانے نعیم اس لڑکی کو آزاد بھی
کرتا ہے یا نہیں نجانے وہ کب فیصل کیانی کو واپس کریں گے۔ کب تک اس لڑکی کو اپنے بھائی کی
اس حرکت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ بہر کیف وہ اپنی ہر کوشش کرنا چاہتا تھا۔
''ارے شاہ دل۔ اتنے سویرے کہاں جا رہے ہو؟''
''جی' کچھ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ ایک فرینڈ کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا ہے۔ مجھے دیر ہو جائے گی'
ناشتے پر میرا انتظار نہ کیجیے گا۔'' اس نے مصلحتاً جھوٹ بولا اور باہر نکل گیا۔
جونہی دبیز تاریکی چھٹی اور ملگجا سویرا پھیلا وہ کپڑے تبدیل کر کے کار کی چابی اٹھا کر باہر لپکا۔
گھر کی عورتیں فجر کی نماز کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ تائی ماں اسے اتنے سویرے پورچ کی طرف
بھاگتا دیکھ کر پکار اٹھیں۔

نعیم کی رہائش گاہ پر اسے جواد رضا اور فیاض بھی مل گئے۔
"ایک بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے شاہ دل۔" فیاض اسے دیکھ کر بوکھلایا ہوا اس کے قریب آیا۔ اس کی شفاف پیشانی پر کئی بل آ گئے۔
"جو گڑبڑ ہو چکی ہے اس کے نقصان کا اندازہ بھی مجھے بخوبی ہے۔" اس کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔
"تمہیں نعیم نے فون کیا تھا؟" جواد نے پوچھا۔
"ہاں۔ کہاں ہے وہ لڑکی؟"
"اس طرف انیکسی میں۔" فیاض نے انیکسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔
"مگر یار شاہ۔ یہ لڑکی شاہد رضوی کی بہن نہیں ہے۔"
اس کے تیزی سے انیکسی کی طرف بڑھتے ہوئے قدم ٹھٹک گئے۔ ایک اور دھماکا ہوا تھا۔ وہ پلٹا۔
"کیا مطلب کون ہے پھر وہ؟"
"اس کی شاید کوئی رشتے دار ہے' شادی میں شرکت کے لیے کراچی سے آئی ہے۔"
فیاض کے اس انکشاف پر اس کی روح تک سلگ اٹھی۔
"تم لوگوں کو ضرورت ہی کیا تھی لڑکی کو اغوا کرنے کی؟" وہ انتہائی غصے کے عالم میں فیاض کو ایک طرف دھکیل کر انیکسی کی طرف بڑھ گیا۔
انیکسی کا سفید دروازہ نیم وا تھا اور اندر سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی اس کے تیزی سے بڑھتے ہوئے قدم دروازے پر جم گئے۔ وہ نعیم راجا کے سامنے بلک رہی تھی۔
"مجھے اب بجائے گھر واپس چھوڑنے کے تھوڑا سا زہر لا دیجئے تاکہ میں اس بے عزتی کی زندگی سے نجات پا لوں۔"
"یقین کریں ہم نے دھوکے میں آپ کو اغوا کر لیا ہے۔" نعیم کی شکستہ آواز ابھری۔
"آپ کی ایک غلط فہمی نے میری زندگی میں ختم نہ ہونے والا کرب بو دیا ہے' ایک ناقابلِ تلافی نقصان دے دیا ہے' جس کا ازالہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ میں جانتی ہوں۔" آنسو اس کی آنکھوں سے روانی سے بہہ رہے تھے۔
اس کا ایک ایک آنسو شاہ دل کے دل پر ضربیں لگا رہا تھا احساسِ ندامت کا بوجھ روح پر بڑھنے لگا۔

"میں آپ کو ابھی چھوڑ آتا ہوں باحفاظت۔" نعیم راجا نے کہا تو وہ پھٹ پڑی۔
"آپ کی مہربانی میرے لیے کسی خوشی کا باعث نہیں بنے گی۔ میں نے کہا نا اب مجھے صرف زہر لا دیجئے' بس یہ مہربانی کر دیجئے میں آپ کا احسان آخری سانس تک نہیں بھولوں گی۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر نعیم راجا کے سامنے کر دیے۔
"پ..... پلیز۔" وہ کھسیا کر رہ گیا۔ احساس جرم نے اس کے چہرے کے رنگ کو بدل کر رکھ دیا تھا۔
"کیا حق پہنچتا ہے آپ لوگوں کو کسی کی زندگی سے کھیلنے کا؟ کسی کی عزت کو برباد کرنے کا؟"
شاہ دل کا دل چاہا کہ وہ اندر جا کر اس کے قدموں پر سر رکھ دے۔ کاش وہ جواد رضا اور نعیم کے اس پلان کو مسترد کر دیتا جبکہ وہ ایسا کرنے کا حق رکھتا تھا۔ اس فیڈریشن کا صدر تھا اور پھر کم از کم شاہد رضوی کے بھائی کے اغوا کا مشورہ ہی نہ دیتا — پچھتاووں کی یہ آگ اس کی روح تک کو جھلسانے لگی۔
"پہلے ہی میری زندگی میں سانس لینا محال ہے اب تو میری انا' وقار اور نسوانیت کو جتنے بھی چرکے لگائیں جائیں کم ہے۔ کون یقین کرے گا میری پارسائی کا؟ جو پہلے ہی معتوب و رسوا ہو اس کی پاکبازی' اس کی پاک دامنی کا کون یقین کرے گا۔ آپ خود ہی بتائیے کہ اگر آپ کی بہن کے ساتھ ایسی سچویشن ہو جاتی تو آپ اس کی پارسائی کا یقین کر لیتے؟" وہ سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کی طرح نعیم راجا کو جھنجوڑ رہی تھی اور نعیم ان حالات سے اس قدر اپ سیٹ ہو چکا تھا کہ اسے کوئی مشورہ ہی نہیں دے پا رہا تھا۔
"جو بے سائبان ہوں۔ ان کے ساتھ یہی کچھ تو ہوتا ہے۔" وہ تھک کر نڈھال سی زمین پر ڈھے گئی۔
سب کچھ مجروح ہو چکا تھا۔
اس کٹھن زدہ ماحول میں اب ایک اور ستم سہنے کے لیے خود کو تیار کرنا اتنا آسان تو نہ تھا۔ وہ دل سے اٹھنے والی لہروں کو سہتے سہتے بری طرح ٹوٹ رہی تھی لمحہ لمحہ اذیت میں گزرنے والے دنوں کا تصور اس کے ذہن میں پل رہا تھا۔ وہ تو بلا تقصیر کے ہی وہ سزا سہتی رہی تھی اور اب تو ان اجنبیوں کی خطا بھی اس کے حساب میں لکھ کر نہ جانے کیا سزا سنائی جائے۔ یوں بھی وہ جہاں تھی ایسا لگتا تھا جیسے اس کے اطراف میں انسان نہیں رہتے۔
خونی درندے رہتے تھے۔
بے رحم۔

سفاک۔

جابر۔

"کیا آپ ہمیں معاف نہیں کریں گی؟ بائی گاڈ یہ سب انجانے میں ہوا ہے۔" نعیم راجا اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس سے کہہ رہا تھا اور شاہ دل کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ دیوار کی طرف منہ کیے سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کا کرب آلودہ چہرہ اس کے دل کو چیرے دے رہا تھا اس نے سوچا کہ ہم میں سے کوئی اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا تھا۔ طوفان گزر چکا تھا اور اب اس کی تباہی فقط ان کے سامنے تھی۔ دکھ اور بے بسی کا احساس اس کی روح کی اتھاہ میں بھرتا جا رہا تھا۔ وہ پلٹا تو جواد رضا اور فیاض کی نگاہیں ملیں سب کے چہرے پر ایک رنگ تھا' اذیت کا رنگ۔

"بولو کون ہے جو اس نقصان کی تلافی کرے گا؟ اس لڑکی کے آنسوؤں کا مداوا کون کرے گا؟ تم' میں' نعیم یا یہ جواد رضا؟ مگر میں جانتا ہوں کوئی بھی نہیں اس لیے کہ ہم سب اس معاشرے میں بے حد مہذب اور عزت دار بنے ہوئے ہیں۔ یہ سب ہمارے کھیل کا ایک حصہ تھا۔ ایک سال کا کھیل جو ہم کھیلنا چاہتے تھے اور کھیل چکے۔"

"پلیز شاہ دل۔" جواد رضا نے منہ پھیر لیا۔ "یہ ہم نے جان کر تو نہیں کیا نا۔ جرم تو وہ ہو جو دانستہ کیا جائے اور۔" وہ بولتے بولتے ٹھہر گیا' وہ نعیم راجا کے ہمراہ دروازے سے نکلی تھی۔ نعیم کی نگاہ شاہ دل پر اٹھی جبکہ جواد رضا اور فیاض آگے بڑھے۔ جواد رضا ندامت سے بولا۔

"ہم سب لوگ آپ سے معافی چاہتے ہیں پلیز۔ یہ سب نادانستگی میں سرزد ہوا ہے۔"

وہ چپ رہی۔ اس کے لیے یہ لہجہ' یہ انداز' کسی بھی طمانیت کا باعث نہ تھے۔ جو ہوا سو ہو چکا تھا وہ مجرم تھے یا نہیں۔ اسے اب سزا ملنی ہی تھی۔

"شاہ دل۔" نعیم نے اچانک اسے پکار لیا جبکہ وہ ان نگاہوں سے بچنے کے لیے تیزی سے پورچ کی طرف بڑھ چکا تھا لمحہ بھر ٹھٹکا اور بے اختیارانہ پلٹ گیا۔ دو بھیگی آنکھوں سے نگاہیں ملیں اور وہ جھجک کر پیچھے ہٹا اور پلٹ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

وہ اس معاشرے کا' اس زمانے کا ایک مٹی کا بنا انسان ہی تھا۔ اس سے فرشتگی کی کیا امید ہو سکتی تھی۔

"اس شخص کے کہنے پر تم لوگوں نے میری زندگی میں تباہیاں بھر دیں۔" اس کے یوں نظر بچا کر بھاگ جانے پر وہ دکھی لہجے میں بولی۔

"یہ ہماری فیڈریشن کا صدر ہے' بائی گاڈ ہم لوگ ان کاموں کے کھلاڑی ہرگز نہیں ہیں۔ ہم

نے کہا نا بس یہ تو غلط فہمی میں ہوا سب کچھ۔"

وہ چادر سے خود کو چھپائے تھکے تھکے قدموں سے نعیم راجا کے ساتھ پورچ کی طرف آئی جہاں سے شاہ دل کی گاڑی پورچ سے نکل کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ کتنا کم ظرف اور عام سا انسان نکلا وہ۔ اس سے تو بہتر نعیم راجا تھا جو کم از کم اپنی غلطی پر اس سے معافی مانگ رہا تھا اور وہ خود کم ظرف نکلا تھا؟

وہ سخت کبیدہ ہو رہا تھا۔ اس واقعہ کی کرب ناک پرچھائیں دل میں سمیٹے شاہ ہاؤس واپس لوٹ آیا۔

اس نے اس گندی اور غلیظ سیاست سے خود کو نکال لیا۔ گروپ کے ہزار احتجاج کے باوجود الگ ہو گیا۔ اس کا دل ان جھمیلوں سے اکتا گیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کے سارے جذبوں کو اس طرح چوس لیا تھا جیسے آکاس بیل ہرے بھرے درختوں کا پتہ پتہ چوس لیتی ہے۔

اگلے دنوں میں اس نے بہت چاہا کہ اس واقعہ کو فراموش کر دے' اس سے نگاہیں چرا لے مگر آج تک وہ نہ خود کو بہلا سکا تھا نہ اس واقعہ کو فراموش کر سکا تھا اس کی روح میں جیسے ایک کانٹا سا چبھ گیا تھا جس کی سوزش انگ انگ میں ہر لمحہ ہوتی رہی۔

اس نے رنگوں کا سہارا لے کر خود کو بہلانے کی کوشش کی۔ زندگی کی رونقوں سے کٹ کر الگ تھلگ کمرے میں مقید رہ کر خود کو سزا دینے کی کوشش کی۔

مگر۔ وہ دکھ وہ اذیت ایک سال کی مسافت طے کرنے کے باوجود ابھی پھیکی نہ پڑی تھی۔

ہمارا آدھا دکھ تو ہماری اپنی خود ساختہ سوچیں ہوتی ہیں جن سے چھٹکارا ہی نہیں پا سکتے یا پانا ہی نہیں چاہتے۔ خوشی مسرت کسی خوش گوار منظر کی طرح اس کے سامنے کے راستوں پر بکھری پڑی تھی وہ کسی خوشی سے فیض یاب نہیں ہو رہا تھا۔ یہ کیسی بے بسی ہے کہ دل کی دیواروں پر جو رنگ پھیل گیا ہے وہ مٹ ہی نہیں رہا تھا۔

○☆○

اس نے لان میں کھلنے والی کھڑکی کھول دی۔ شام کا سرمئی اندھیرا قدم جما رہا تھا مگر ابھی اتنی روشنی باقی تھی کہ سرسراتی ہوا میں درختوں کے پتوں کی حرکت نظر آ رہی تھی۔ ہر شے پر اسے ایک ویرانی کا سا سایا پھیلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اسے گھر والوں کے شکوے شکایات یاد آنے لگیں۔

ممی کی ناراضگی۔

عید کے چاند۔

اور بے حس انسان جسے ملنے والے خطابات۔

وہ سخت متحیر تھا کہ وہ غیر محسوس طور پر اتنا بدل چکا ہے کہ اسے خود بھی اندازہ نہ تھا۔ اس کے معمولات میں آئی تبدیلی سب نے محسوس کی اور وہ بے خبر تھا اس نے نیلی کو کہتے سنا تھا۔

”شاہ دل بھائی اتنے سنجیدہ اور ریزرو تو کبھی نہ تھے۔ ٹھیک ہے وہ اتنے ہنسنے ہنسانے والے تھے مگر اب تو ایک جامد خاموشی طاری ہو گئی ہے ان پر۔“

ثاقب بھائی نے خود اس سے کہا تھا۔

”شاہ! ہمیں تو لگتا ہے کہ تم ہمارے درمیان رہتے ہی نہیں ہو۔“

اس نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کی۔

گویا وہ اس بھاگتی دوڑتی متحرک دنیا کا ایک بے کار اور بے حس پرزہ بن کر رہ گیا تھا۔ ایک غیر متحرک اور بے کار شے، جس کو کسی کے مفاد سے دلچسپی نہ ہو۔ اور وہ خود کسی کے لیے کار آمد نہ ہو۔“

”میرے خدایا!“ اس کی کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ وہ خود سے اتنا بیگانہ ہو کر رہ گیا ہے۔

آفس میں فائلوں اور گھر آکر رنگوں میں خود کو گم کر دیا ہے۔ یہ اس کے آس پاس بسنے والے اس کے اپنے ہیں اس پر حق رکھتے ہیں۔ اس کے اچھے رویوں کے متمنی تھے۔ اتنی ساری محبتوں کے بدلے میں وہ انہیں کیا لوٹا رہا تھا۔

بے گانگی، سرد مہری اس کے ذہن کی طنابیں کسنے لگیں۔ یہ سراسر اس واقعہ کا نہیں اس کی سوچوں کا قصور تھا۔

کس قدر احمق تھا وہ۔

اتنا عرصہ گزر چکا تھا اور وہ ایک غلطی کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ اتنے بہت سے لوگوں کو خفا کر کے، خود کو پریشان کر کے کیا وہ سکون حاصل کر چکا تھا.....؟ ہرگز نہیں۔

وہ اس لمحے خود کو انتہائی احمق اور بے وقوف انسان محسوس کر رہا تھا جو ایک غم میں ہزار غموں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

اور پھر آج وہ اسے نظر آئی تھی۔ اس میں گزرے واقعہ کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ بظاہر تو وہ پرسکون اور مطمئن لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

○☆○

ان دونوں نے یہاں وہاں دیکھا اور پھر سائرہ کو آگے دھکیل دیا۔

”اب اتنے خونخوار بھی نہیں ہیں غالب بھائی۔“ سائرہ کو ہنسی آگئی۔ جس طرح وہ دونوں

غالب سے ڈر رہی تھیں۔ اس کے لیے حیرت کے ساتھ دلچسپی بھی تھی۔

”اس سے بھی زیادہ جابر، ظالم کا بچہ، تم نہیں جانتی ہو اسے۔“ وہ دونوں گرل کے پاس رک گئیں۔

وہ دونوں پھوپی کے گھر سے واپسی پر سائرہ کو بھی گھسیٹ لائیں تھیں اس خوش فہمی میں کہ سائرہ ہی کچھ سفارش کر دے گی ان کی گویا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

”میرے خیال سے تو وہ اب بھول چکے ہوں گے۔“ جاتے جاتے سائرہ نے کچھ ایسی معصومیت سے کہا کہ نیلی کی ایک آہ نکل گئی۔ اتنا معصوم اور غالب۔

وہ کمینہ بھولنے والوں میں سے نہیں ہے۔“ رانی نے باقاعدہ دانت پیسے۔

”جب تک بدلہ نہ لے لے چین سے بیٹھنے والا نہیں، اس کی پیدائش کے وقت جانے چچی نے کیا کھا لیا تھا۔“

اس کی بات پر سائرہ بے اختیار ہنس دی۔ ”اچھا بس بس۔ اب اتنا بھی خونخوار نہ بناؤ، انسان ہی رہنے دو۔“ وہ ہنسی ضبط کر کے اندر چلی گئی تب پہلے مڈبھیڑ غالب سے ہو گئی اور اسے نیلی اور رانی کا خوف بجا لگا۔

”آخاہ.... زہے نصیب، وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت۔“ غالب اسے دیکھ کر خوشگوار حیرانگی میں ڈوب کر بولا۔ ”یقین نہیں آرہا.... کہ یہ تم ہو۔“ وہ واقعی متحیر ہوا تھا یا پوز کر رہا تھا اس کا منہ بن گیا۔

”اب میرا آنا کچھ ایسا ناممکنات میں بھی نہیں ہے۔“

”خیر خیر، ناممکنات میں ہی تھا میں تو انا اللہ ہی پڑھ چکا تھا۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمہاری جادوگرنی وادی نے تمہیں اپنی قید سے آزاد کیسے کر دیا؟“

”لینگویج پلیز، وہ میری بزرگ ہیں۔“ وہ بگڑ کر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے غالب کو گھور کے آگے بڑھی۔

اللہ رے۔ کٹ کٹ کر گرنا، مر مر کر جینا یہ کیسی تابعداری ہے۔

وہ بڑے زور سے ہنسا تھا مگر سائرہ سنی ان سنی کرتی تائی ماں کے کمرے میں چلی آئی۔ اسے دیکھ کر سب حیران بھی ہوئے اور بہت خوش بھی۔ فارحہ تو اس سے لپٹ گئی۔

”ایمان سے سائرہ آپی، ہم تو آپ کو دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔“

”ادھر آؤ میرے پاس۔“ تائی ماں نے اپنے پہلو میں اس کے لیے جگہ بنائی۔

”کس کے ساتھ آئی ہو؟ صباحت خود کیوں نہیں آئی؟“ انہوں نے پوچھا تو وہ سٹپٹا گئی۔

سامنے دیکھا تو غالب دروازے میں نصب تھا۔

"مظفر چھوڑ گیا ہے۔" تائی ماں نے خود سے اندازہ لگایا تو اس نے گڑبڑا کر سر ہلا دیا۔

"گویا انقلاب آگیا ہے۔" وہ اندر آگیا۔ "خدانخواستہ تمہاری دادی تو زندہ ہیں نا؟"

"دیکھیں..... دیکھیں ممانی جان۔" وہ غالب کی بات پر تلملا کر برا مان گئی۔

"غالب بری بات۔ بزرگ تو چھاؤں ہوتے ہیں۔" منجھلی چچی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"نیم کی چھاؤں بلکہ کریلے کی چھاؤں ہے نا۔" وہ پھر بھی باز نہ آیا تو وہ لب بھینچ کر اس کی طرف سے رخ موڑ کر بیٹھ گئی' اسی دم سدرہ بھابی اندر داخل ہوئیں اور اسے دیکھ کر چونکنا فطری عمل تھا کہ رابی اور نیلی اسی کی طرف تو گئی ہوئیں تھیں۔

"کیسی ہیں بھابی؟" وہ ان کے چونکنے پر الرٹ ہو گئی اور جلدی سے ان کے قریب آئی پھر سرگوشی سے بولی۔ "وہ دونوں باہر ہیں۔"

اور بھابی کی ہنسی بکھرتے بکھرتے رہ گئی۔

"شکر ہے تمہارے باپ کو عقل آ تو گئی۔ بھلا اپنوں سے کوئی کٹ کر رہ سکتا ہے اور پھر جدائیوں اور فاصلوں سے رشتے ٹوٹ تو نہیں جاتے' محبتیں مٹ نہیں جاتیں۔" تائی ماں بے حد خوش ہو رہی تھیں۔

"تمہاری دادی نے تو واویلا مچایا ہو گا۔" منجھلی چچی نے پوچھا تو بولی۔

"دادی تو ملتان گئی ہیں چھوٹے چچا کے ہاں۔ ابو کے ساتھ ہی۔" اس نے بے خیالی میں کہہ دیا تو تائی ماں چپ سی ہو گئیں پھر سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"آ۔ چھا۔ اچھا۔ تو صباحت نے پیچھے سے بھیجا ہے۔ ایں مگر کس کے ساتھ آئی ہو تم؟ تم نے تو کہا کہ باپ چھوڑ گیا ہے تمہارا۔" تائی ماں کو اچنبھا ہوا اور ادھر سائرہ بری طرح سٹپٹا گئی اور اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتی باہر زبردست شور اٹھا اور سائرہ دل تھام کر رہ گئی۔ غالب کمرے سے غائب تھا۔ اس نے اور بھابی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر باہر لپکیں۔ نیلی اور رابعہ سائرہ کے انتظار میں تھک کر اندر آئیں تو ان کی مڈبھیڑ غالب سے ہو گئی تھی اور غالب کے ذہن میں شام والا واقعہ جاگ اٹھا تھا۔

"قسم سے غالب تمہیں بے وقوف بنانے کا سہرا بھابی کے سر ہے۔" نیلی چیخ رہی تھی اس لیے کہ اس کی لمبی چوٹی غالب کے شکنجے میں کسی ہوئی تھی۔

"بڑھ چڑھ کر تو تم لوگ ہی بول رہی تھیں۔ کھی کھی کر کے تو تم ہنس رہی تھیں۔" اس نے اس کی چوٹی کو جھٹکا دیا کہ تو بلبلا کر رہ گئی۔

"غالب خدا کے لیے میرے بال چھوڑ دو۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"پلیز غالب بھائی' انہیں چھوڑ دیں یہ دونوں تو بے قصور ہیں۔" سائرہ جلدی سے آگے بڑھی۔

نیلی تو دانت کچکچا کر سائرہ کو بھی کوس رہی تھی۔ کم بخت اتنی دیر سے اندر معاملے کو رفع دفع کرپائی تھی جا کر تائی ماں سے چپک کر بیٹھ گئی۔

"میرے بالوں کے دشمن چھوڑو میرے بال۔" نیلی اسے خوب صلواتیں سنانے کے بعد اس کی گرفت سے اپنے بال چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اللہ رے۔ اتنی چھپکلی جتنی چوٹی سے بھلا میں کیا دشمنی کروں گا۔ کیا میں نے لمبے بال دیکھے نہیں ہیں۔" وہ ہنسا اسے لطف آ رہا تھا نیلی کی رونی صورت دیکھ کر۔

"بہت بد تمیز ہو۔"

رابعہ نے دہائی دی۔

"ارے آج کل تو اس سے بڑے بڑے بال لڑکوں کے ہوتے ہیں۔"

"اچھا ہوتے ہوں گے تم بھی رکھ لینا میری چوٹی تو چھوڑو۔" نیلی کی آخر محنت کام آ گئی یا غالب کو ہی رحم آگیا چوٹی پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور نیلی تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی۔

"تمہیں پتا نہیں مس سائرہ مظفر کہ ان سب نے مل کر میرے جذبوں کی کس قدر توہین کی ہے۔ میرے احساسات کا مذاق اڑایا ہے۔" وہ سائرہ سے مخاطب ہوا "اور یہ بھابی صاحبہ بھی۔" اس نے یہاں وہاں نظریں دوڑائیں مگر بھابی غائب ہو چکی تھیں۔ فارغ بیٹھ بیٹھ کر ان کے دماغ کی چولیں بھی ہل گئی تھیں۔ "پتا نہیں بچارے ثاقب بھائی کس طرح گزارا کر رہے ہیں۔"

"اونہہ ایسے فضول سے تو جذبے ہیں تمہارے' ہر خوب صورت لڑکی پر تو یوں لٹو ہو جاتے ہیں۔ جیسے اب بس یہی آخری ہو۔" رابعہ جل کر بولی۔

"جیسے اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔" نیلی نے ٹکڑا مارا۔

"ہاں اور تمہیں یہی دکھ کھائے جاتا ہے کہ تم پر کیوں لٹو نہ ہوا۔"

"کیا۔ کیا بکا۔ منہ دھو رکھو۔" رابعہ کو پتنگے لگ گئے اور سائرہ کو تو ہنسی ضبط کرنا ہی مشکل ہو رہی تھی۔

"تمہیں تو خاندان کی کوئی لڑکی ہی لفٹ نہیں دیتی' تم چیز کیا ہو۔"

"خیر چیز تو میں بڑی آفت ہوں۔ کیوں سائرہ۔" وہ سائرہ کی سمت قدرے جھکا اور کالر اکڑائے۔

"فلرٹ کہیں کے۔" نیلی بڑبڑائی۔

"ارے بھئی میں کیا کروں یہ لڑکیوں کی قوم مجھے دیکھ کر دل ہتھیلی پر سجا کے سامنے آ جاتی ہے۔ جہاں سے گزرتا ہوں تو وہاں لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔"

"خیر خیر۔ اب لڑکیوں کی قوم اتنی احمق بھی نہیں ہو سکتی۔" رابی نے اپنی صنف کی طرف داری کی۔ اس وقت اسے اتراتا ہوا غالب زہر لگ رہا تھا۔

"دیکھو تو سائرہ۔ دونوں کس قدر جل رہی ہیں مارے حسد کے کالی ہو گئی ہیں۔"

"منہ دھو رکھو۔" نیلی بھنا کر وہاں سے چلتی بنی پہلے ہی سر میں درد ہو رہا تھا۔ چوٹی کھنچنے کی وجہ سے اور اب یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ چوٹی کھلنے پر کتنے بال ٹوٹے ہوں گے۔

"خدا سمجھے غالب تجھے اور ایسی بیوی ملے جو پہلے دن ہی گنجا کر کے رکھ دے۔" کمرے تک پہنچتے پہنچتے اسے خوب کوسنے دئیے تھے۔

تائی ماں نے زبردستی سائرہ کو رات روک لیا تھا۔ انہوں نے صباحت کو فون کر دیا تھا ساتھ ہی تسلیاں بھی دے دی تھیں کہ فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ مظفر اور سائرہ کی دادی دو دن بعد ملتان سے واپس آنے والے تھے۔

"دو دن نہ سہی چلو ایک دن ہی رہ لینے دو اسے۔" تائی ماں نے صباحت پھوپو کے تردد پر وہ چپ سی ہو گئیں۔

سائرہ جیسی صابر لڑکی کا دکھ انہیں آزردہ کیے رہتا تھا۔ ان کی پھول سی بیٹی ماں بیٹے کے گیر مزاج کے درمیان مرجھا کر رہ گئی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کی یہ صابر بچی کبھی اُف تک نہ کرے گی۔ پہاڑ جتنا دکھ بھی اس پر آ گرے تو وہ سہہ لے گی۔ وہ سوچتیں کہ اس گھر میں سائرہ کو تک ایک خوشی بھی نہ ملی تھی۔ پڑھنے کا شوق تھا مگر پرانے خیالات والی ساس نے میٹرک کے اسے پڑھائی سے اٹھوا لیا۔ یہ کہہ کر "پڑھ لکھ کر تم سے کونسی نوکری کروانی ہے تمہیں ہانڈی ہی کرنا ہے۔ جو ہمارے جیسی ان پڑھ بھی کر لیتی ہیں۔"

اور وہ اس جبر پر بھی کوئی احتجاج بلند نہ کر سکی تھی کہ اسے صرف دادی سے نہیں باپ سے بھی ڈر لگتا تھا اور پھر اس نے بھی ساری عمر اپنی ماں کو ان دونوں انسانوں سے ڈرتے ہوئے ان کی تابعداری کرتے ہوئے دیکھا تو پھر بھلا وہ کیسے کوئی انقلاب لا سکتی تھی اور ایسے میں اپنے آپ سے زیادہ اپنی ماں کا وجود قابل رحم لگا کرتا تھا۔

وہ شاہ پیلس آ کر اس آزادی پر اپنے سارے دکھ بھلا بیٹھی تھی۔ شاہ پیلس کے ہر فرد کی والی محبت اس کے سارے زخموں کو جیسے دھو ڈالتی تھی۔

آج بھی اسے شاہ پیلس میں ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا۔

✪✪✪

شاہ پیلس کے بڑے سے لان میں خوب رونق لگی تھی۔ خوب ہلا گلا ہو رہا تھا۔ شام کی چائے کے ساتھ شامی کبابوں اور سموسوں کے مزے بھی لوٹے جا رہے تھے۔

بزرگ ایک طرف بیٹھے اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کبھی کبھار اس اُدھم مچاتے ٹولے کی شرارتوں پر بھی شریک ہو کر ہنس لیتے تھے۔

ثاقب بھائی کا مشورہ تھا کہ بیت بازی کا مقابلہ ہو جائے۔ ان کے مشورے کی سب نے تائید کی تھی غالب نے تو باقاعدہ تالی پیٹ کر ثاقب بھائی کے اس مشورے کو سراہا تھا۔

"ابتدا سائرہ کرے گی کیوں سائرہ؟" انہوں نے جہاں بہت سوں کو خوش کر دیا وہاں سائرہ کو بھی بوکھلا دیا۔

"نہیں..... مجھے کوئی شعر یاد نہیں۔"

"جھوٹ..... اتنی بدذوق تو لگتی نہیں ہو۔" ثاقب بھائی مسکرائے۔

"بکواس کر رہی ہے یہ۔ اسے بہت خوبصورت اشعار یاد ہیں۔ میں نے خود ڈائری دیکھی ہے ہماری۔" نیلی نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ جھینپ کر نہ..... نہ کرنے لگی۔

مجھے کوئی شعر یاد نہیں ہے سچ کہہ رہی ہوں ثاقب بھائی۔"

وہ اتنے سارے شریر انسانوں میں سچ مچ گھبرا رہی تھی۔ خاص کر غالب سے جس کی نگاہوں کا حصار اس کے گرد دائرے کے مانند تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

"بس..... بس..... بہانے بازی نہیں چلے گی۔" عادل نے آنکھیں دکھائیں۔

"چلو کوئی گانا ہی سنا دو۔ ساز میں بجا دیتا ہوں۔" غالب اس کی حالت سے خوب محظوظ ہو رہا تھا۔ اس نے چائے کی خالی ٹرے الٹی کر کے گود میں رکھ لی اور اس پر الٹے سیدھے ہاتھ مارنے لگا۔ تب سدرہ بھابی نے ٹرے کھینچ لی۔

"اس ساز پر تم ہی کوئی راگ الاپ سکتے ہو۔ کوئی باذوق ہرگز نہیں۔"

"جی ہاں یہ بھی میرا ہی کمال ہے۔ لائیے۔ ادھر دیجئے۔" اس نے دوبارہ چھیننے کی کوشش کی اور ناکامیاب رہا۔

"چلو بھئی بور مت کرو سائرہ۔ سنا بھی دو اب کوئی شعر۔" رابی نے سب کا دھیان پھر سائرہ کی طرف کر دیا تو وہ جزبز ہو گئی۔

ان میں سے کوئی بھی ٹلنے والوں میں سے نہیں تھا اور وہ حقیقتاً اس بھرے پرے مجمع میں

بوریت پھیلانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا اور یاد کرنے لگی۔

ظلم سہتے ہوئے انسانوں کے اس مقتل میں
کوئی فردا کے تصور سے کہاں تک بہلے
عمر بھر کی ہے اذیت یہاں زندہ رہنا
ایک دو دن کی اذیت ہو تو کوئی سہ لے

اس کے لہجے میں جیسے اس کا اپنا درد سمٹ آیا۔ یہ اظہار غیر شعوری تھا۔ یونہی زبان پر آ گیا تھا اور لہجے میں اداسی اتر آئی تھی جو سب کے دلوں پر ایک ساتھ اثر انداز ہوئی تھی۔

چند ثانیے سب ہی چپ سے رہ گئے پھر ثاقب بھائی نے تالی بجائی۔

"اچھا شعر ہے مگر ذرا اداس کر دینے والا۔"

"سوری۔" وہ خود بھی ہوش میں آ گئی۔ اسے یکایک شرمندگی کا احساس ہونے لگا۔

اسے ہمدردیاں سمیٹنے کا شوق نہیں تھا۔

وہ تو ہر لمحہ خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

اسے اپنی عزت نفس بہت عزیز تھی۔

سائرہ کے بعد نیلی نے شعر سنایا تھا اس کے بعد غالب کی باری آئی تو سب نے پوری غ سنانے کی فرمائش کی۔ جس میں نیلی اور سدرہ بھابی زیادہ پرجوش تھیں۔ اس لیے کہ وہ غالب اس چھپے ہنر سے واقف تھیں اس کی آواز اور لہجے کا اتار چڑھاؤ بہت خوبصورت تھا۔

مذاق میں وہ جس قدر بھونڈا گا کر سب کو بدمزہ کر سکتا تھا سنجیدگی سے کچھ سنا کر اتنا ہی لط اندوز کر سکتا تھا۔

اس کا ترنم فضا میں بکھر گیا۔ پرسوز آواز کانوں میں گونجنے لگی۔

بات کرنی ہمیں مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

اس کی نگاہیں سائرہ پر اٹھیں اور وہیں جم گئیں۔

لے گیا چھین کے کون آج تیرا صبر و قرار
بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

اس کی نگاہوں میں نہ جانے کیا تھا۔ اتنے خشک موسم میں بھی اس کی پیشانی پر ننھے قطرے ابھر آئے بظاہر وہ مسکراہٹ اور توصیفی نظروں سے اسے دیکھتی اور سنتی رہی۔

اب کہ جو راہ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو نہ تھی
بات کرنی ہمیں مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

غزل ختم ہونے کے بعد سب نے تعریفی انداز میں دل کھول کر تالیاں بجائیں۔

"واہ بھئی واہ غالب میاں خوش کر دیا تم نے ہمیں۔" ثاقب بھائی نے بڑے بزرگوں کی طرح اس کی پیٹھ تھپکی۔

"یہ اتنی نغمگی کہاں سے آ گئی تمہارے لہجے میں۔" بھابی معنی خیز تبسم کے ساتھ رازدارانہ انداز میں بولیں تو اس نے سر خم کرتے ہوئے صرف "نوازش" کہا۔

جب بھابی کی باری آئی تو ثاقب بھائی خاصے پرجوش نظر آنے لگے۔

"کوئی اچھا سا ہونا چاہیے سدرہ اور خالص میرے لیے ہو۔"

"ان کا مطلب ہے ممتا بھرا ہرگز نہیں۔" غالب نے کہا تو سب ہنسنے لگے۔

"بھئی عرصہ ہوا میں نے کوئی ڈھنگ کا شعر نہیں پڑھا۔ بس پرانے ہی چند یاد ہیں۔"

"کہیں اب وہ نہ سنا دیجئے گا۔ چاندنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں۔" بلال نے ٹکڑا لگایا۔ "یا پھر۔"

کون کہتا ہے میرا محبوب گنجا ہے
کیا کبھی چاند کے بھی بال ہوتے ہیں

تیمور بھی بھلا کہاں پیچھے رہنے والا تھا اور محفل زعفران زار بن گئی۔ بھابی کو اچھا موقع مل گیا شعر یاد کرنے کا۔

اسی وقت شاہ دل بھی اس محفل میں شریک ہوا تو سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آئیے۔ آئیے بس آپ ہی کی کمی تھی۔"

"شکریہ۔" اس نے کرسی سنبھال لی۔

"صرف شکریہ سے کام نہیں چلے گا کوئی تازہ کلام ہونا چاہیے۔"

"میں صرف سامع کی حیثیت سے آپ لوگوں کی محفل میں شریک ہوا ہوں۔" اس نے مسکرا کر وضاحت کر دی۔

نیلی نے سوچا۔ شاہ دل بھائی مسکراتے ہوئے کتنے اچھے لگتے ہیں۔ پتا نہیں اتنا کم کیوں مسکراتے ہیں خواہ مخواہ منہ بنائے رکھتے ہیں۔

"یہ زیادتی ہے شاہ۔ اتنا باذوق بندہ محفل میں موجود ہو فقط سامع کی حیثیت سے۔"

"ارے ہم نے تو سنا ہے آپ کو دیوان کے دیوان ازبر ہیں۔" عادل نے یونہی تکا مارا اور

جواباً شاہ دل اس جھوٹ پر اسے گھور کر رہ گیا۔

"ہاں شاہ دل بھائی سنائیے آپ بھی کچھ۔" سائرہ نے بھی اصرار کیا۔

"ارے بھئی میرا تو شعر و شاعری سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"خیر واسطہ تو ہے میاں اسد اللہ غالب آپ کے سگے عم زاد ہوتے ہیں۔" عادل نے غال
کی طرف اشارہ کیا۔ "اس بے چارے کو کیوں بھول جاتے ہو۔"

"یہ تم نے "بیچارے" کس کے لیے استعمال کیا ہے۔" غالب نے اس پر باقاعدہ منہ
لیا۔ "کیا ہاتھ 'پیر' ناک 'کان سے محروم ہوں۔"

"محروم تو نہیں البتہ مرحوم ہو۔ غالب جو ہوئے۔" وہ کہتے ہوئے نیلی کے پیچھے ہو گیا
جواباً غالب نے اس کی ٹانگ کھینچ کر مروڑ دی۔

اس دم ثاقب بھائی نے سب کی توجہ پھر سدرہ بھابی کی طرف کی جو یہاں سے اٹھ کر جا
جانے کے چکر میں تھیں۔

"بھئی مجھے کوئی شعر و ریاد نہیں آرہا۔ ہاں کہو تو گانا سنا دوں۔"

"جی نہیں ابھی ہمیں اس محفل سے برخاست نہیں ہونا۔" تیمور نے انہیں چڑایا۔

"چلو ٹھیک ہے گانا ہی سہی۔" ثاقب بھائی البتہ پھر بھی خوش تھے۔ نجانے وہ اپنی ا
بیوی کے منہ سے کیا سننا چاہتے تھے۔

"کوئی اچھی سی لوری سنا دیں۔" غالب نے انہیں چھیڑا۔

"منے میاں تو اتنے بڑے 'تاروں کو چھولے کھڑے کھڑے۔" فارحہ نے کہہ کر انہیں
دلایا۔

"نہیں نہیں بھئی جنگل میں منگل منّے کے دم سے۔" یہ والا سنائیں مانی بھی خوش ہو جا
گا۔" ایک نے مشورہ دیا۔

"بس.... نہیں سنانا کچھ بھی۔" ثاقب بھائی کا موڈ اچانک بگڑ گیا۔ انہوں نے ٹیبل سے ا
اٹھا کر منہ کے آگے کر لیا۔

"حد ہو گئی ساری محفل کو بے مزہ کر کے رکھ دیا ہے تم لوگوں نے۔" انہوں نے بھی منہ
لیا۔

"چہ.... چہ.... ننھے کے ابا تو خفا ہو گئے بھابی۔ چلئے اب انہیں کچھ سنا ہی دیجیے۔" غالب
شرارتیں عروج پر تھیں۔ سائرہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔

"منے تم ایک کام کرو۔ اپنے ابو جی کو رام کرو۔" تیمور مانی کو اٹھا کر ثاقب بھائی کے

جھومنے لگا تو ان کا موڈ اتنا بگڑ گیا تھا کہ وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ گئے اور اندر چلے گئے۔
اونچے کھلکھلاتے قہقہوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا تھا۔

○☆○

خانہ بدوشی کے دکھ کیا ہیں رنج سکوت کیا ہے
کون ہوا کو بتا سکتا ہے گھر کی حقیقت کیا ہے
جس کا دل ٹوٹے وہ جانے زخم جدائی کیا ہے
جس کا گھر چھوٹے وہ جانے داغ ہجرت کیا ہے

شہلا نے اس کے آگے ہاتھ لہرایا تو اس کے خیالات کا تسلسل ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

"اپنے بارے میں اتنا نہ سوچا کرو۔ بے وقوف لڑکی۔ اپنی ذات کو بالکل نظرانداز کر دو۔
بھی ان سوچوں سے چھٹکارا پا سکو گی۔"

"نہیں نہیں میں کچھ سوچ تو نہیں رہی تھی۔" وہ ریلنگ سے ہٹ گئی۔ "تم کب آئیں۔"

"مجھے دنیا میں آئے خیر سے اٹھائیس سال ہو چکے ہیں۔" شہلا شگفتگی سے ہنسی اور واپس
پلٹ کر صوفے میں دھنس گئی۔

"فلم چل رہی ہے دیکھو گی؟" اس نے ریموٹ کنٹرول سے چھوٹا سا ٹی وی سیٹ آن کر
دیا۔ ہیرو ہیروئن کا کوئی جذباتی سین چل رہا تھا۔ شہلا کو ہنسی آ گئی۔

"اب یہ دیکھو کتنی مستقل مزاجی سے پبلک ایک اسی ہیروئن کو دیکھ رہی ہے۔"

"یہ تو ٹی وی والے زبردستی دکھاتے ہیں۔" اس نے ٹی وی اسکرین پر نگاہیں جما دیں اور شہلا
کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"پھر بھی یار فلم والوں کی مستقل مزاجی کی داد دینی چاہیے۔ ایک ہی سی فلمیں اب تک بنا
رہے ہیں۔ دھڑا دھڑ فلاپ ہو رہی ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے ارے بھئی اچھے خاصے شاپنگ
سینٹر چل رہے ہیں تو پھر سینما گھر رکھنے کے فائدے۔ مگر اسے کہتے ہیں زندہ دلی۔ مایوسی نام کو
نہیں۔"

جانے شہلا کا مقصد درپردہ اسے کیا سمجھانا تھا جو حوصلہ دینا تھا یا یونہی فلم والوں پر تبصرہ تھا۔

"شہلا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے پکارا۔

"ہوں۔"

"ایک بات کہوں۔"

"شکر.... تم بھی کچھ بولیں تو.... کہو کیا ہے؟" اس نے ٹی وی کی آواز آہستہ کر دی مگر نظریں

بدستور اسکرین پر ہی جمی رہیں۔

"کیا میں ٹیچنگ نہیں کرسکتی؟"

شمشاد بیگم کی آفر اس کے لیے اندھیرے میں چراغ کی جھلک تھی۔ بس شہلا کی اجا ضروری تھی۔ دوسرے لفظوں میں اس کی رائے لینا تھی۔

"ٹیچنگ۔" شہلا کے لیے اس کا سوال خاصا غیر متوقع تھا۔ اس نے رخ موڑ کر زی خان کو دیکھا۔ "گریجویٹ سے کم کو کون جاب دیتا ہے ڈیئر' اور ان چھوٹے چھوٹے اسکو تنخواہ کیا دیتے ہیں۔ تین چار سو روپے جیسے اپنے اسکول کے بچوں کا صدقہ نکال کر ہتھیلی پر دیتے ہیں۔"

شہلا کے لہجے میں اس پیشے کے لیے گرم جوشی نہ تھی مگر وہ ابھی پرجوش تھی۔

"میں ٹیوشن کی بات کررہی ہوں۔"

"ارے۔" شہلا نے چونک کر اسے دیکھا اور ٹی وی بند کرکے پوری طرح اس کی متوجہ ہوگئی۔ "اتنی مایوس ہوگئی ہو کیا؟" وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسی۔

"کیا لوگ ہر طرف سے مایوس ہو کر ٹیوشن پڑھاتے ہیں؟" اسے شہلا کی تمسخرانہ مطلب سمجھ میں نہ آیا۔

"ارے نہیں..... میرا مطلب یہ نہیں ہے اور پھر یہاں کون سے بچے ہیں جو تمہارے آئیں گے۔ غریبوں کے بچے تو بے چارے سرکاری اسکولوں میں پڑھتے ہیں وہ بے چارے کہاں افورڈ کرسکیں گے۔"

اس نے شہلا کی بات سن کر بے چینی سے پہلو بدلا۔ شاید اسے اپنی بات کرنے کا سلیقہ ہی نہیں۔ اب تک جو اتنی تمہید باندھ رہی تھی۔

مسئلہ تو سارا شمشاد بیگم کی طرف سے دی گئی آفر کا تھا اور وہ خوف زدہ تھی کہ شمشاد بیگم ذکر پر کہیں شہلا بگڑ نہ جائے۔ شہلا کے لیے شمشاد بیگم کا صرف نام ہی تیل کا کام دیتا۔

"گھر جاکر بھی تو ٹیوشن دی جاسکتی ہے۔"

پھر وہی تمہید۔

اب کے شہلا چونکی اور از سرنو جائزہ لیتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا کہیں سے آفر آگئی ہے؟"

"شہلا دراصل بات یہ ہے کہ....."

"یہ تم کھل کر بات کیوں نہیں کررہی ہو۔ سیدھی سی بات کرو۔ کہاں سے آفر ہوئی۔"

شہلا جھنجلا گئی۔

"وہ شمشاد بیگم نے بتایا ہے کہ ان کے کسی جاننے والے کو اپنے بیٹے کے لیے ٹیوٹر کی ضرورت ہے۔"

"واٹ....." شہلا صوفے سے ایسے اُچھلی جیسے برقی تاروں نے پیروں کو چھولیا ہو۔ شمشاد بیگم نے آفر دی ہے تمہیں؟"

"ہاں۔" اس نے مجرموں کی طرح سر جھکا دیا۔ شہلا بالکل ہی تنک گئی۔

"یہ تم شمشاد بیگم سے اتنا گھلنے ملنے کب سے لگی ہو کہ اب وہ تمہیں مشورے بھی دینے لگیں۔ ٹانگ بھی اڑانے لگیں تمہارے معاملات میں۔"

شہلا کی تیغ صفت نظریں اسے اپنے وجود میں گڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ خود میں سمٹ گئی۔

"مم..... میں کہاں ملتی ہوں ان سے وہ تو بس یونہی۔ اوپر چڑھتے ہوئے سرسری بات چیت ہوئی تھی۔"

اس کے گمان سے کہیں زیادہ شہلا بھڑک اٹھی تھی۔

"میں نے انہیں ابھی ہاں تو نہیں کہا۔" اس کے لہجے میں دبی دبی تھکن اُمڈ آئی تھی۔ کیا ہو جاتا اگر شہلا بے پروائی سے شانے اچکا کر کہہ دیتی کہ دیکھ لو پسند آئے تو کرلو مگر یہاں تو طوفان ہی جیسے آگیا تھا۔ شہلا کے چہرے پر غصے کی سرخی دیکھ کر اس کا دل تھم تھم کر چلنے لگا تھا۔

"ہوں....." وہ زخمی شیرنی کی طرح کمرے میں چکرانے لگی۔ "مجھے تو خبر ہی نہیں تھی کہ میرے پیچھے تم ان سے ہمدردیاں سمیٹتی پھرتی ہو۔ مائی فٹ۔ یہ شمشاد بیگم چیز کیا ہیں کہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی کریں۔"

"سوری شہلا..... میرا مطلب تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں نے تو بس یونہی تذکرہ کردیا ا۔ تم مناسب سمجھتی ہو تو میں ذہن سے ابھی یہ خیال جھٹک دیتی ہوں۔ میرے لیے تمہاری ائے زیادہ مقدم ہے۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔ وہ اپنی اس ہمدرد مہربان کو ہرگز خفا نہیں کرنا ہتی تھی۔ اسے ہر حال میں شہلا کی خوشی عزیز تھی اور پھر وہ اس کے احسانوں تلے دبی ہوئی ی۔ اتنا تو اس کا بھی فرض تھا کہ اس کی ہی چھت تلے رہ کر اس کی رائے کو مقدم جانے۔

"آئی ایم سوری شہلا۔ میں نے ابھی ان کی آفر پر غور بھی نہیں کیا۔" اور پھر اس کی پلکیں ہوگئیں اور چہرے پر خفت کی سرخی پھیل گئی جو شہلا کو نرم کرگئی اس کے چہرے کا تناؤ ڈھیلا ہو

گیا۔
"بالکل گدھی ہو تم مجھے غصہ دلا کے رکھ دیا۔" اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "شمشاد
بیگم کا نام سن کر میں آؤٹ ہو گئی تھی۔ دراصل زینی ڈیئر تم بہت سادہ لوح ہو جو تمہیں ابھی لوگوں
کو پرکھنا نہیں آتا۔"
وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئیں۔
وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے اپنے دل کے ٹوٹنے کی صدائیں سنتی رہی۔ اسے لگ رہا تھا
صبح تک جو دل خوشی سے دھڑک رہا تھا ایک انجانی مسرت سے بھرا بھرا لگ رہا تھا۔ جیسے یکدم خالی
ہو کر رہ گیا ہو۔
شہلا کہہ رہی تھی۔
"تم شمشاد بیگم جیسی عورت کو کبھی نہیں سمجھ سکو گی۔ وہ تمہیں میرے خلاف بھی کر دے
گی۔"
"نہیں شہلا انہوں نے تو آج تک تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا اور پھر میں کون سا
سے روز ملتی ہوں۔"
"اوہ کم آن جانم۔ ایک زبردست خوش خبری ہے تمہارے لیے۔" وہ کھسک کر اس
قریب آ گئی۔ "اب تم نے شکل ایسی اداس بنائی ہے کہ میں مزید تمہیں ستا نہیں سکتی۔ بھئی
جاب ڈھونڈلی ہے میں نے تمہارے لیے۔"
"کیا؟" اس کی ہرنی جیسی آنکھیں بے یقینی سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔
"جی جناب شاندار جاب ہے۔ ملک ظفر عباس کا نام تو سنا ہو گا تم نے؟" اس نے پوچھا
نفی میں سر ہلانے لگی۔
"ارے بابا ایڈورٹائزنگ میں بڑا جانا پہچانا نام ہے۔ بڑا زبردست شخص ہے ایک بار
مسحور ہوئے بغیر نہیں رہو گی۔"
"سچ کہہ رہی ہو شہلا۔ واقعی تم نے جاب ڈھونڈلی ہے میرے لیے۔" وہ ابھی تک بے
تھی۔ شہلا نے اس کا ہاتھ دبایا اور کہنے لگی۔
"ارے بھئی اب اتنا جان لیوا مذاق بھی نہیں کروں گی۔ اتنی ظالم نہیں ہوں میں کہ
بے بسی کا تماشا بناؤں۔ ظفر عباس سے میری جان پہچان ہے۔ میں نے کل ہی اس سے بات
ہے جاب کے لیے تو اتفاق سے اسے بھی پرسنل سیکریٹری کی ضرورت ہے۔ بس جناب میں
جھٹ سے تمہارا چانس پکا کروا دیا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں سرپرائز دوں گی۔ صبح آفس

جاؤں گی اور دھماکا کروں گی مگر تم نے مجھے شمشاد بیگم کا ذکر کر کے بھڑکا ہی دیا۔"
وہ دونوں ہنسنے لگیں۔
جاب کا سن کر خوشی سے اس کی آنکھوں میں دیئے سے جل اٹھے تھے۔
وہ شہلا کے ہاتھ تھام کر بڑے عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔
"کتنی اچھی ہو شہلا تم۔ کتنی پیاری' یہ اتنے احسانات میں کیسے اتار سکوں گی۔" اس کی
آنکھوں میں تشکر کے قطرے چمک رہے تھے۔
صبح اس کے لیے بڑی سہانی تھی۔ ایسی صبح اس سے پہلے اس کے لیے کبھی طلوع نہ ہوئی
تھی۔
سورج کی سنہری کرنوں میں اسے بے حد تازگی اور جاذبیت محسوس ہو رہی تھی۔
انوکھی تازگی اور شگفتگی کا احساس ہو رہا تھا۔
اس نے مسکراہٹوں کی بے پناہ لطافت کے ساتھ بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی شہلا کو دیکھا اور پھر
ناشتا بنانے چھوٹے سے کچن میں چلی گئی۔ وہ کام کرتی جا رہی تھی اور دھیرے دھیرے گنگناتی جا
رہی تھی۔
چائے دم دے کر وہ جلدی جلدی سلائس گرم کرنے لگی۔
"اوئے ناشتا تیار ہو گیا کہ نہیں۔" شہلا کی آواز پر اس کی محویت ٹوٹی اس نے دروازے
سے باہر جھانکا۔
"بالکل۔۔۔ بس جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر تشریف لے آؤ۔" اس کے لہجے میں انوکھی کھنک
تھی۔ شہلا منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آئی تو وہ باقاعدہ ناشتا چن چکی تھی۔ اپنے لیے اس نے صرف
دو سلائس ہی گرم کیے تھے جبکہ شہلا کے لیے آملیٹ بنا رکھا تھا۔ اس کے لاشعور میں یہ احساس
ہمہ وقت چھایا رہتا تھا کہ وہ شہلا کی مختصر تنخواہ پر بوجھ ہے اور اس بوجھ میں وہ مزید اضافہ نہیں کرنا
چاہتی تھی۔
اس کے آملیٹ پر کالی مرچ چھڑکتے ہوئے وہ ہولے ہولے گنگنا رہی تھی۔
"کیا بات ہے بڑی ترنگ میں ہو؟" شہلا نے اس کے اجلے چہرے پر نکھری مسکراہٹ
کو تکتے ہوئے استفسار کیا تو وہ ہنس دی۔ اس کے چہرے پر شفق جیسی جگمگاہٹوں کا اجالا شہلا کو
واضح نظر آ رہا تھا۔
"وجہ تم نہیں جانتیں۔" اس نے لپک کر کہا۔
"واللہ۔۔۔ ابھی یہ عالم ہے جب تنخواہ ملے گی تو مارے خوشی کے فوت ہی نہ ہو جاؤ کہیں

تم۔" شہلا ہنس کر بولی۔

"بات تنخواہ کی نہیں ہے شہلا۔ خوشی تو اس احساس سے چھٹکارہ پا لینے کی ہے جو ہر وقت میرے دل پر چھایا رہتا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کون سا احساس؟" شہلا ایک دم چونک کر بولی۔

"بوجھ..... بوجھ ہوں تم پر۔" اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

"بس..... بس اب جذباتی مکالمے نہ بولنے لگ جانا۔ یہ افسانوں و فسانوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔" شہلا نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ آج پہلا دن ہے۔ جلدی پہنچنا ہو گا تمہیں۔ فرسٹ ایمپریشن از دی لاسٹ ایمپریشن۔" شہلا ناشتا کر کے باتھ روم میں جا گھسی اور وہ جلدی جلدی جھوٹے برتن سمیٹ کر کچن کو ترتیب دے کر کمرے میں آ گئی۔

"واقعی فرسٹ ایمپریشن از دی لاسٹ ایمپریشن۔" اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور کپڑے نکال کر جلدی جلدی پریس کرنے لگی۔

شہلا نہا کر نکلی تو وہ نہ صرف کپڑے پریس کر چکی تھی بلکہ کمرے کی ترتیب بھی درست کر کے اب اپنے بال بنا رہی تھی۔

اسے اپنے لمبے گھنے بال بنانے میں ہمیشہ کوفت ہوتی تھی۔ کہیں جانا ہو یہ بال ہمیشہ تنگ کرتے۔ سب سے زیادہ وقت برباد کرتے۔ منہ دھو کر کپڑے بدلنے میں تو اسے پانچ منٹ بھی نہیں لگتے تھے مگر ساری کسر یہ بال نکال دیتے تھے۔ اتنے لچکدار اور ملائم تھے کہ پھسل پھسل جاتے۔ لٹیں ماتھے پر بکھر جاتیں۔ اس نے کس کر بینڈ لگایا اور چوٹی بنانے لگی۔

"اے گدھی! یہ سوٹ پہنو گی تم؟" شہلا نے اس کا ہینگر کیا سوٹ دیکھا تو چلائی اور پھر سوٹ اٹھا کر اس کے آگے کرتے ہوئے بولی۔

"یہ سوٹ تم شمشاد بیگم سے ملاقات پر ضرور پہن سکتی ہو مگر وہاں نہیں۔"

"تو پھر کیا پہنوں؟" وہ اس کے طنز پر خفیف سی ہو گئی۔

"کوئی بھی ڈھنگ کا ہو جس میں انتہائی اسمارٹ اور خوبصورت لگو اور یہ کیا؟ یہ اتنی کس کر چٹیا بناؤ گی یا اللہ زنیرہ علی خان تمہیں ذرا بھی عقل نہیں ہے۔" اس نے اس کے ہاتھ سے برش جھپٹ کر ٹیبل پر پٹخ دیا اور اس کے بیگ سے اپنی پسند کا سوٹ نکال کر اس کے آگے پھینکا۔

"یہ پہنو اس کے ہمراہ کچھ میچنگ کی جیولری بھی اور بال کھلے چھوڑ دو۔ یہ اتنے لمبے بال دھوپ میں گھنے بادل کا احساس دلاتے ہیں۔"

وہ ہونق بنی رہ گئی۔

"شہلا دیوانی ہو رہی ہو کیا؟ میں ملازمت کے لیے جا رہی ہوں کسی فیشن شو میں تو نہیں۔"

اسے شہلا کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔ چلو فرسٹ ایمپریشن کے لیے اچھا سوٹ تو مناسب تھا مگر یہ میچنگ جیولری یہ کھلے بال اور اب یقیناً وہ اس کے چہرے پر رنگ بھی پھیرے گی۔

اسے یوں ہونقوں کی طرح دیکھنے پر شہلا کو ہنسی آ گئی۔

"ارے گدھی یہ تم جہاں جاب پر جا رہی ہو نا یہ کوئی تھرڈ کلاس ہوزری فیکٹری نہیں ہے.... ایک شاندار لش پش کرتا آفس ہے۔ جس کے گلاس ڈور کو کھولتے بند کرتے ہوئے چکنی زمین پر تم بار بار پھسل سکتی ہو اور ظفر عباس کے کمرے کے گداز قالین پر تمہاری سینڈل کی ہیل آدھی سے زیادہ دھنس جائے گی اور میز کے اس پار دلنشیں چہرے قرار لوٹنے کو بے قرار ہوں گے۔"

آفس کا نقشہ شہلا جس انداز میں کھینچ رہی تھی۔ اسے جھنجلاہٹ کے باوجود ہنسی آ گئی۔

"زنیرہ! تم شکل سے تو ٹھیک ٹھاک لگتی ہو لیکن عقل....." اس نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"نوازش آپ کی....." اس نے منہ بنا کر اس کے ہاتھ سے سوٹ جھپٹ لیا اور استری کا پلگ لگا کر پریس کرنے لگی۔

"بندے کو اپنے بارے میں اتنا بھی بے خبر نہیں ہونا چاہیے۔" شہلا آئینے کے سامنے جا کر گیلے بال سلجھانے لگی۔ "کبھی آئینہ دیکھا تم نے؟"

"کیا مطلب؟" اس نے سلیقے سے استری کیا سوٹ بیڈ پر پھیلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک تو تم ہر بات کا مطلب بہت پوچھتی ہو۔ بھئی آئینے میں اپنا آپ دیکھتی ہو کہ یونہی کھڑے کھڑے چوٹیاں کس لیتی ہو؟"

"دیکھ کر کیا کرنا ہے کوئی خوش فہمی نہیں ہے اپنے بارے میں۔"

اس نے استری کا پلگ نکال کر استری لپیٹ دی اور کپڑے غسل خانے میں کھونٹی پر لٹکا دیے۔

"یعنی حد سے زیادہ ناشکری ہو تم۔" شہلا نے برش رکھ کر چہرے پر فاؤنڈیشن کی تہہ جماتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔ یہ چاند چہرہ' یہ ستارہ آنکھیں۔ خدا کسی ناقدرے کو نہ دے۔" وہ تولیہ الگنی سے کھینچ کر باتھ روم میں گھستے ہوئے تلخی سے ہنس دی۔

"چاند میں سچ مچ نور کہاں چاند تو ایک ویرانہ ہے۔" وہ باتھ روم کا دروازہ بند کر چکی تھی اور

شہلا سوچتی رہ گئی کہ انتہائی نامعقول لڑکی ہے۔ یہ زنیرہ علی خان بھی۔

"لڑکیاں تو ذرا گوری چمڑی مل جانے پر آپے میں نہیں رہتیں اور یہ تو مکمل کسی شاعر کی حسین غزل کی طرح ہے۔ پھر بھی۔"

اور زنیرہ علی خان واش بیسن کے اوپر لگے ہوئے چھوٹے سے آئینے میں اپنے چہرے کو تکتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ جو چیز بندے کو نفع نہ دے کوئی فائدہ نہ پہنچائے اس پر فخر کر کے کیا کرے۔

اس کا یہ خوبصورت پرکشش چہرہ کب کسی موڑ پر خوشیوں کی ضمانت بنا تھا۔

اس کی گوری رنگت نے کب اس کی زیست میں اجالا کیا تھا۔

ان گھنے بالوں نے کب چھاؤں کا احساس دیا تھا۔

وہ تو دھوپ میں کھڑی تھی۔ تپتی ہوئی دھوپ میں اور اندر تک جھلس گئی تھی۔

اور یہ چہرہ جانے کیوں اب تک مسخ نہ ہوا تھا۔

اسے یاد آیا کہ احمر نے ہر موڑ پر اس کے حسن کو سراہا تھا اس کے حسن کے قصیدے گائے تھے۔ اس پر کئی اشعار کہے تھے۔

مگر وہ کب مغرور ہوئی تھی۔ مرد تو ہر عورت کی تعریف کرتا ہی ہے اور اگر حسن پر دو لفظ زیادہ بول دیے تو کون سی وہ اہمیت اختیار کر گئی۔

وہ کوئی بازاری عورت تو نہ تھی کہ سراہے جانے کی خواہش مند رہتی اسے تو چار دیواری کا تحفظ چاہیے تھا۔

بس خلوص اور محبت کی تمنائی تھی۔

مگر ایک آہ بھر کر وہ جلدی جلدی منہ دھونے لگی۔

اور جب وہ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد شہلا نواز کے ہمراہ نیچے اتری تو شمشاد بیگم اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی مگر شہلا انتہائی برق رفتاری کے ساتھ اسے گھسیٹتی باہر نکال لے گئی۔

"بڑھیا کی آنکھوں میں حسد کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔" آگے جا کر دونوں سڑک کے کنارے رک گئے۔

وہ سمجھ گئی کہ اس کا اشارہ شمشاد بیگم کی طرف تھا مگر وہ چپ رہی۔ یہ صرف شہلا اور شمشاد بیگم کا ذاتی کلیش تھا۔

"سنو اب یہ ضرور کھوج لگانے کی کوشش کرے گی کہ تم کہاں جاب کر رہی ہو مگر خبردار جو تم نے ایک اشارہ بھی دیا انہیں۔" شہلا کے لہجے میں تنبیہہ بھی تھی اور سختی بھی۔ وہ سرہلا کے رہ گئی۔ مگر دل میں اس سوال کو مچلتے ہوئے نہ روک سکی کہ اس قدر نفرت، کدورت کے باوجود شہلا

شمشاد بیگم کا یہ فلیٹ چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔ اس کے لیے اتنے بڑے شہر میں کرائے کا کوئی فلیٹ حاصل کرنا قطعاً مشکل نہ تھا مگر۔

اور مگر کے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ شہلا نے رکشہ رکوا لیا تھا اور اب ان دونوں کی منزل مظفر عباس کی ایڈورٹائزنگ کی شاندار عمارت تھی جہاں رکشہ رواں دواں تھا۔

شہلا کی ہمراہی میں وہ جب سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچی تو اس کی پیشانی پر خوف کے ننھے ننھے قطرے چمک اٹھے۔ شہلا نے تو شاید مذاقاً چکنے فرش پر پھسلنے کا جملہ ادا کیا تھا مگر وہ اب حقیقتاً پھسل رہی تھی۔

"شش.... شہلا.... کیا مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر چلی جاؤ گی تم؟" اس نے شہلا کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیا۔

"نہیں تمہاری دم کے ساتھ چپکی رہوں گی۔"

"اُف...." اس کا چہرہ خفت سے لال ہو گیا۔ غصہ تو جیسے شہلا کی ناک پر بیٹھا رہتا تھا۔

گلاس ڈور کھول کر وہ دونوں ظفر عباس کے کمرے میں آئیں تو کچھ دیر تک تو زنیرہ علی خان کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ کمرے کی آرائش و زیبائش نے اسے مبہوت کر دیا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ دولت سے حسن کس طرح جنم لیتا ہے۔

ہر شے قیمتی، نفیس اور ترتیب شدہ۔

ہر رنگ اچھوتا، مہنگا اور دلنشیں۔

اسے یہ حیرت بھی ہوئی کہ شہلا نواز نے اتنی شاندار جاب اپنے لیے کیوں منتخب نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کہ تنخواہ کم ہو۔ وہ یہی وجہ سمجھی تھی اور مزید کوئی سوچ ذہن کی سطح سے ابھرتی وہ سیدھی ہو گئی۔ عقب سے تھری پیس سوٹ میں ملبوس کوئی شخص اندر داخل ہوا قیمتی پرفیوم کی تیز خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اور اس کے دل کی رفتار معمول سے تیز ہو گئی۔

"ہیلو لیڈیز.... ویری سوری ٹو کیپ یو ویٹنگ۔"

آنے والے کا لہجہ بے حد شائستہ اور خوش کن تھا۔

"ارے نہیں۔ ہم بھی بس ابھی پہنچے ہیں۔" شہلا مسکراہٹوں کی بجلیاں گراتے ہوئے بولی اور پھر اس کا تعارف کرایا مجبوراً اسے نگاہیں اٹھا کر سلام کرنا پڑا۔

"گڈ.... اچھا کیا جو تم انہیں آج لے آئیں۔ ہاں تو مس...."

"زنیرہ علی خان۔" وہ جلدی سے بولی۔

"ہاں مس زنیرہ علی خان آپ ریلیکس ہو جائیں اور آرام سے تشریف رکھیے تاکہ آپ سے

کھل کر باتیں ہو سکیں۔" وہ مسکرایا نہایت نرم اور دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ اسے کچھ ہمت ہوئی ہلکی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو بھی چھو لیا تھا۔

"بڑی رسمی پر تکلف سی بات کی ہے تم نے۔" شہلا بے تکلفی سے گویا ہوئی اور کرسی کھینچ کر زنیرہ کے برابر بیٹھ گئی۔

"اگر یہ تکلف بھرا شکریہ ادا نہ کروں گا تو تم یہی کہو...گی کہ یہ ظفر عباس بھی کیسا طوطا چشم ہے ذرا شکریہ کے دو لفظ بھی نہیں بولے۔" اور جواباً شہلا ہنسنے لگی۔

"شہلا نے آپ کی بہت تعریف کی تھی۔" زنیرہ بولی۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے اور شہلا کی مہربانی کہ اس نے میری اتنی مشکل آسان کردی۔" جواباً وہ خفیف سا ہو کر ہنس دیا۔ "ذرہ نوازی ہے شہلا کی ورنہ ہم تعریف کے قابل کہاں۔ ہاں تعریف تو شہلا نے آپ کی بھی بہت کی تھی اور ٹھیک ہی کی تھی۔"

"کیا کرتی مجھے آپ دونوں کو مطمئن کرنا تھا۔" شہلا کا انداز شرارت آمیز تھا اور ظفر عباس کی جاندار ہنسی کمرے میں بکھر گئی۔

"باتیں تو میرے خیال سے ہوتی رہیں گی یہ بتایئے کیا منگوایا جائے ٹھنڈا یا چائے؟" اس نے شہلا اور پھر زنیرہ علی خان کی طرف دیکھا۔

"نو تھینکس.... اس وقت مجھے جلدی جاب پر جانا ہے۔ پہلے ہی ان محترمہ نے میرا اتنا وقت ضائع کردیا ہے۔" وہ اچانک اٹھ گئی اور رسٹ واچ پر نظر ڈالی پھر زنیرہ پر جس پر شہلا کے اٹھ جانے سے گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔

"ظفر صاحب! یہ ذرا خوفزدہ ہرنی ہے اور اسے کچھ اور ہی انداز سے ٹریٹ کیجئے گا۔" شہلا نے مسکرا کر ظفر عباس سے کہا تو اس کا چہرہ ظفر عباس کی مسکراہٹوں کی زد میں آکر سرخ ہو گیا۔

اس نے سوچا اب اسے اپنے تمام تر خوف، وسوسوں اور اندیشوں کو ایک گٹھری میں باندھ کر رکھ دینا ہوگا۔ بھلا یوں بھی کوئی ملازمت کی جاتی ہوگی۔ اب وہ کوئی ماں باپ کی شفقت کے پروں میں سمٹی ہوئی بیٹھی تو نہ تھی اسے گویا اب خود اپنا سائبان بننا تھا۔

اپنے لیے خود چار دیواری بننی تھی۔

اسے بھی شہلا بننا تھا۔

بیگم

مضبوط۔

نڈر۔

باہمت۔

ملک ظفر عباس سے مل کر اس سے باتیں کرنے کے بعد اس کا خوف زائل ہو گیا تھا۔ وہ ایک مہربان، شفیق اور نرم خو شخص تھا۔

اس کے لبوں پر کھیلتی دوستانہ مسکراہٹ نے شہلا کے نہ ہونے کے باوجود اسے تحفظ کے احساس سے دوچار رکھا۔ وہ دل ہی دل میں مطمئن ہو چکی تھی۔

اس کے سر پر وقت کی پابندی کا احساس کچھ زیادہ ہی طاری ہو گیا تھا۔ شہلا کے کہے ہوئے لفظوں کا مان بھی تو رکھنا تھا جو وہ ظفر عباس سے بڑے مان سے کہہ گئی تھی "یہ اپنی زنیرہ بظاہرہ بے وقوف سی لگتی ہے مگر بے حد حساس، پنکچوئل اور مخلص ہے۔ دیکھ لیجئے گا آپ کو بھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

اور ظفر عباس کی توصیفی نگاہوں نے اسے کیسا اونچا کردیا تھا۔ وہ جتنا بھی شہلا کا احسان مند ہوتی کم تھا۔

اس نے جیسے تیسے ناشتا کیا۔ کپڑے بدلے جو رات کو ہی پریس کر کے رکھ دیے گئے تھے۔ بالوں کا جوڑا بنایا اور پرس اٹھا کر غسل خانے کے دروازے پر آئی اور ہلکی سی دستک دے کر بولی۔

"شہلا میں جا رہی ہوں تم جانے کب نکلو۔" اور جواباً شہلا نے اسے خدا حافظ کہا اور وہ سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

وہ کچھ ایسی برق رفتاری سے تیار ہو کر بھاگی تھی کہ راستے میں جو پیر پر نگاہ پڑی تو چکرا کر رہ گئی۔ دوپٹے کے سادے سے چپل اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

حد ہو گئی زنیرہ علی خان اب ذرا دو پانچ منٹ یہاں سے وہاں ہو جاتے تو کون سی قیامت آجانی تھی۔ بھلا ظفر عباس کھا تو نہ جاتے۔ اسے اپنی عقل پر اور اس جلد بازی پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔

وہ بس اسٹینڈ تک تو پہنچ ہی چکی تھی اور ستم یہ کہ اس کی مطلوبہ بس بھی اسٹاپ پر آرکی تھی۔ وہ بے بسی سے خالی خالی بس کو دیکھا پھر پلٹ کر اسی رفتار سے چلتی شمشاد ہاؤس میں واپس گئی۔

شکر تھا مین گیٹ کھلا تھا۔ وگرنہ اس لمحے وہ شمشاد بیگم کا سامنا ہرگز نہ چاہتی تھی...... وہ ماں وہاں دیکھے بغیر بھاگ کر سیڑھیوں تک آئی کہ اس کے اعصاب کو شدید جھٹکا لگا۔ وہ یوں ک کے پیچھے ہٹی جیسے کسی نے اس کے آگے سانپ کی پٹاری کھول دی ہو۔ ہاں مگر سانپ کی نہ ی انوکھی اور ہوش اڑا دینے والی پٹاری ضرور کھلی تھی۔

صرف چند سیڑھیاں اوپر ہی تو اس کے اعصاب کو متاثر کرنے والا منظر بکھرا تھا۔ وہ اس منظر حصہ نہ ہوتے ہوئے بھی ساری کی ساری پسینے میں بھیگ گئی۔ ایک دھیمی دھیمی بے باک ہنسی

کی جلترنگ نے اسے ہوش کی دنیا میں لا کھڑا کیا۔ یہ بھی شکر ہے کہ شہلا کے قریب کھڑے
لڑکے کی نظریں اس پر نہیں پڑی تھیں۔ وہ تو اپنی دھن میں آگے آگئی تھی اب ہوش میں آ
جلدی سے دیوار کی آڑ میں ہو گئی۔ اس میں شہلا کو شرمندہ کرنے کی ہمت نہیں تھی اور نہ
چاہتی تھی۔

"کوئی دیکھ لے گا کمال۔" شہلا کی آواز میں دبا دبا سا خوف تھا۔ ظاہر ہے وہ جس سیڑھیو
کھڑے تھے وہ کئی گھروں کے استعمال میں آتی تھیں۔

"ارے جناب پیار کرنے والے کبھی ڈرتے نہیں۔" مردانہ آواز پھر بے باک ہنسی۔

"آئے بڑے پیار کرنے والے۔ پیار کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔"

"پھر کیسے ہوتے ہیں۔" شریر لہجہ۔

"اچھا ہٹو بھئی کوئی نہیں تو تمہاری ہلا کو امی دیکھ لیں گی تو قیامت برپا کر دیں گی۔"
خوف ہنوز قائم تھا۔

"اچھا پھر شام کو میں بائیک اسی جگہ پر روک کر تمہارا منتظر رہوں گا۔"

"اگر نہ پہنچی تب؟" اٹھلا کے شہلا نے کہا۔

"تو پھر پتا ہے کیا؟"

"آں آں.... زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر۔"

بے ساختہ مسکراہٹوں نے جہاں ان دونوں کو مطمئن کیا تھا وہاں زنیرہ علی خان کے اعص
بھی منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ ابھی تک خود کو یقین ہی دلا رہی تھی کہ یہ اس کے سامنے
شہلا نواز ہی ہے۔

ایک بالکل مختلف روپ میں۔

جس کا تصور بھی اس کے پاس ایسا نہیں تھا۔

وہ شاید ذہنی طور پر شہلا کے اس روپ کو قبول نہیں کر پا رہی تھی کہ اچانک قدموں ک
پا کر گھبرا کر جلدی سے دیوار سے چپک کر رہ گئی۔

اس نے دیکھا کھٹ کھٹ کرتی شہلا اپنی متوالی چال سے گیٹ عبور کر رہی تھی۔ ا
یونہی سر ذرا آگے کر کے دیکھا تو دماغ جیسے گھوم کر رہ گیا۔ شمشاد بیگم کا اکلوتا بیٹا کمال سیٹی
دھن بجاتا ہوا اپنے رہائشی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں نہ جانے کب
یوں پھٹی رہتیں کہ اوپر سے کھسر پھسر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

ایک گہری اور طویل سانس اس کے سینے کی تہہ سے نکل گئی۔ کچھ دیر پہلے والے ا

ساختہ دیکھے جانے والے منظر کو کوئی نام نہ دے سکی مگر اس احساس کو بھی دل سے نہ نکال سکی کہ
یہ محبت نہیں تھی اس کے نزدیک یہ کوئی پاک جذبوں کا اظہار ہرگز نہ تھا۔

عجیب سی لپٹیں اس کے دماغ میں اٹھ رہی تھیں۔ وہ اس احساس میں قید چپل بدل کر آفس
روانہ ہو گئی۔ اس کے ساتھ نہ جانے یہ پرابلم ہمیشہ رہتی تھی کہ ہر واقعہ ہر احساس اس کے
حواسوں پر طاری ہو کر رہ جاتا تھا۔ کیا ہو جاتا اگر شہلا نواز کی ان حرکتوں کو سر سے جھٹک کر
نظرانداز کر دیتی۔ کمال کی بے باکی اور شہلا کی پذیرائی کے اس انداز کو سر جھٹک کر ذہن سے نکال
پھینکتی مگر یہاں یہ مصیبت تھی کہ ذہن کی ایک ایک رگ سے چپک کر رہ گیا تھا۔

اس نے متعدد کاغذوں کے پلندوں کو اٹھا کر یہاں وہاں کرتے ہوئے آخر میں واپس اس جگہ
ج کر خود کو سرزنش کی۔ آفس آئے اسے پورے بیس منٹ ہو چکے تھے مگر کچھ کام سمجھ میں نہیں آ
ہا تھا۔ ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔ حواس ابھی تک قابو سے باہر تھے۔

ٹھیک اس وقت جب وہ خود کو کرسی پر گرائے گہرے گہرے سانس لے کر اپنے آپ کو نارمل
کر رہی تھی ظفر عباس اپنے مخصوص خوشبو کے ہمراہ اندر داخل ہوئے۔ اسے اس پوزیشن میں
یکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹکے مگر اس کے چونکنے اور کھڑے ہونے پر بے ساختہ مسکرا دیئے اور ہاتھ کے
ثارے سے اسے دوبارہ بیٹھنے کو کہا۔ تو وہ جیسے منتظر ہی تھی۔ جھٹ سے دوبارہ کرسی پر گر سی گئی مگر
گزشتہ پوزیشن سے قدرے مختلف۔

"میں دیکھ رہا ہوں تم مستقل اپ سیٹ ہو۔"

اس کا دل دھڑک اٹھا۔ گویا وہ مستقلاً مجھے نوٹ کر رہے تھے۔ اس نے کن اکھیوں سے بڑے
ے شیشوں والی اسی کھڑکی کو دیکھا جو ظفر عباس اور اس کے کمرے کے درمیان تھی۔ اس نے
ے خجالت کے سرخ ہو کر چہرہ جھکا لیا۔

"مے آئی ہیلپ یو؟"

"نہیں سر... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے خود کو جلدی سے سنبھالا۔

"تو پھر؟" ظفر عباس نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"سر نہیں، بھئی صرف ظفر عباس کہو مجھے۔ یہ لفظ سر سے مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے۔" وہ میز
چکنی سطح پر ہاتھ دھر کر ذرا آگے کو جھکا۔ "یہ آپ واپ' سرور کے لفظ فاصلوں کو بڑھا دیتے
اور میں بے تکلف سا بندہ ہوں' اتنے بھاری خطابوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہاں بتاؤ کہ
بس کیا پرابلم ہے۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ تم اپ سیٹ ہو ویسے اگر نہ بتانا چاہو تو تمہاری
ی۔"

اس کے لہجے میں دوستانہ رنگ تھا وہ مسکرا دی۔

"بس میرے ساتھ یہ پرابلم ہے ظفر صاحب کہ میں اپنے حواس بہت جلد کھو دیتی ہو
آج چپل بدلنا بھول گئی تھی۔ اس وجہ سے دس منٹ لیٹ ہو گئی ہوں اس لیے خود کو پریشا
کر رہی ہوں۔" اس کی ناقص عقل کو بروقت بہانہ سوجھ گیا اور ظفر عباس کا قہقہہ بے ساخ

"تمہارے پیر سادے چپل میں بھی یقیناً اتنے ہی کیوٹ لگ رہے ہوں گے یہ تکلف
نے بے کار ہی کیا ہے۔" ان کی نگاہیں اس کے بے داغ شفاف پیروں پر تھیں اور اس نے
غیر ارادی طور پر پیروں کو کھینچ کر اندر کر لیا۔ پیشانی یوں جل اٹھی جیسے کسی نے اسے جلتے
میں دھکیل دیا ہو۔

وہ اس بے باک تعریف پر کٹ کے رہ گئی۔

"اچھا بتاؤ اس جاب سے مطمئن ہو؟"

موضوع بدل جانے پر اس نے شکر ادا کیا۔

"مطمئن تو انسان کبھی نہیں ہوتا ظفر صاحب۔" وہ دھیرے سے بولی اور ہنس دی۔ ا
آنکھوں کی تمام تر خوبصورتیاں جیسے اجاگر ہو گئیں۔

نرم لبوں پر پھیکی سی ہنسی بڑی مدھر تھی اور طمانیت آمیز۔

"اس ایک جاب کے لیے کوئی تین سو کے لگ بھگ لڑکیوں نے اپلائی کیا تھا اور ان می
شاید تمہاری قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔" ظفر عباس اسے تکتے ہوئے بڑے عام سے لہ
کہہ گیا مگر اسے لگا جیسے اسے جتایا گیا ہو اس کے احساسات پر ہلکی سی ضرب پڑی مگر وہ بظاہ
دلی سے مسکرا رہی تھی۔

اس کے لیے یہ کونسا انوکھا احساس تھا۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی احسانوں تلے دبی رہی تھی۔

پہلے چچی اور چچا جان۔

پھر شہلا نواز۔

اور اب ملک ظفر عباس۔

"آئی ایم تھینک فل ٹو یو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی اور ظفر عباس کے چلے جانے ک
سوچ رہی تھی کہ یہ جاب اس کی مجبوری ضرور بن گئی ہے مگر اس کے لیے کسی طرح پر کش
نہیں تھی سوائے اچھی سیلری کے۔

ہر لمحہ میک اپ زدہ اور بناوٹی مسکراہٹوں سے رنگے چہرے۔

نیم عریاں جسم اور اس پر غمزہ عشوہ گری۔

مردوں کے بلند و بانگ قہقہے اور ہوس زدہ نگاہیں۔

مگر مجبوریوں کے دریا اتنے گہرے نہ ہوتے تو وہ کبھی بھی اس آلودگی میں سانس نہ لے سکتی۔

کبھی کبھی تو ان بلند و بانگ قہقہوں میں اس کا دم گھٹنے لگتا۔

ہوس زدہ نگاہیں بے سائبانی کا احساس دلا جاتیں۔ ایک درد دل میں ہلکورے لینے لگتا۔ یہ
اور بات کہ ظفر عباس کی پرسنل سیکریٹری ہونے کی وجہ سے اس کا احترام قائم تھا۔

نگاہوں پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا مگر براہ راست کسی نے اس پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا تھا
اور وہی اس کے لیے بہت تھا۔

اور پھر خود ملک ظفر عباس اس کا انداز لب و لہجہ اور طور طریقے بے حد دوستانہ ہوتے تھے۔
سے ڈھارس تھی تو اس ذات سے تھی اور پھر اس کا کام زیادہ تر ظفر عباس سے ہی پڑتا تھا اس
لیے وہ خود کو اپنے کمرے میں مقید رکھتی تھی۔

کبھی کبھی تو وہ سوچتی کہ جیسے ظفر عباس نے اسے یہ جاب محض شہلا نواز کی سفارش پر دے
رکھی ہے۔ ملک ظفر عباس کے چند معمولی کام ہی ہوتے تھے جسے وہ نمٹا کر زیادہ تر فارغ ہی رہتی
تھی اور بس آتے جاتے رنگین چہروں کا دیدار کرتی رہتی یا پھر شیشوں کے پار ملک ظفر عباس کے
کمرے میں موجود ان عورتوں کو تکتی رہتی جو ملک ظفر عباس کی ایک نگاہ کے لیے اپنے سب کچھ
اروینے کو تیار نظر آتی تھیں۔

محض ایک اشتہاری فلم میں آنے کے لیے خود کو کس کس طرح وہ پیش کرتی رہتی تھیں۔

ایک کمرے سے دوسرے کمرے۔

دوسرے سے تیسرے۔

اور وہ ان بند کمروں کی بند کہانیاں دیکھ نہ پاتی تھی مگر محسوس ضرور کرتی تھی۔

اکثر لڑکیاں اس کے قریب بیٹھ کر اس سے سفارش کرنے کو کہتیں۔

"دیکھیں نا میرے بال کس قدر خوبصورت ہیں۔ شیمپو کے اشتہار میں تو آ ہی سکتی ہوں نا یا
رکسی ہیر ٹانک کے۔"

"پلیز آپ سفارش کر دیں نا ان سے۔ آپ خود دیکھیں کیسی کیسی ماڈلز کو وہ لے آئے ہیں نہ
کل نہ روپ۔ اور مجھے دیکھئے کیا کمی ہے مجھ میں؟"

اور وہ ان چہروں کو دیکھتی رہ جاتی۔

ان التجاؤں پر دل ہی دل میں ہنسنے لگتی۔ بھلا جو خود سفارش پر آئی ہو وہ دوسروں کی کیا سفارش
سکتی ہے۔ ہاں مگر کسی لمحے خود پر بڑا رشک آنے لگتا ایک فخر سا سمٹ آتا کہ کوئی اس کے سامنے

بھی التجا کر سکتا ہے۔ گڑگڑا سکتا ہے۔

مگر یہ لمحوں کی خوشی دوسرے لمحے دکھ میں بدل جاتی یہ جوان حسین بے داغ لڑکیا
ارزاں کیوں ہونے لگی ہیں۔ وہ انہیں کیسے سمجھاتی کہ یہ دنیا جو بظاہر انہیں پرکشش او
نظر آتی ہے اس دلدل کی طرح ہے جس کے اوپر کی سطح پر ہلکا سبزہ آیا ہوا اور اسے بہار سمجھ
میں قدم رکھنے والوں کے قدم پھر دھنستے چلے جاتے ہیں۔

ظلمتوں کی ہولناک تاریکیوں میں۔

اس نے یہاں ایسے چہرے بھی دیکھے تھے جو کبھی ستاروں کی مانند چمکے ہوں گے اور
خواہشوں کے سیلاب میں بہتی چلی آئی تھیں۔ یہاں تک مگر اب! ان چہروں پر ان خواہش
دھواں اٹھتا ہوا نظر آتا تھا۔ اس چیختی چنگھاڑتی دنیا میں سسکیاں لیتی نظر آئی تھیں۔ تھی دا
جانے کا افسردہ رنگ تو آنکھوں سے جھلکتا نظر آتا تھا۔

○☆○

مہینے کی آخری شام اس کے لیے بڑی مسرت انگیز تھی' اس کے ہاتھ میں پہلی تنخوا
اسے آج ہی ملی تھی۔ طبیعت میں خوشگواری سمٹتی جا رہی تھی۔

اسے زندگی میں کبھی ان کاغذوں سے پیار نہ رہا تھا مگر جانے کیوں آج تو اس کی خوشبو
اترتی جا رہی تھی وہ جلد از جلد شہلا کے پاس پہنچ کر یہ ساری رقم اس کی ہتھیلی پر رکھ دینا چا
اور اس بوجھ سے آزاد ہونا چاہتی تھی جو ہولے ہولے اس کی روح کو چیرتا آ رہا تھا۔

اس نے لفافہ ہینڈ بیگ میں ڈالا۔ فائلیں ایک طرف ترتیب سے رکھیں اور لباس کی
درست کر کے بیگ کو شانے پر ڈالا اور یونہی سرسری نظروں سے سامنے لگے قد آدم آ
ابھرے اپنے عکس کو دیکھا۔ لمحہ بھر کو چونکی اور مسکرا دی۔

آج تو اپنا چہرہ بھی بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ اپنے لبوں پر کھلتی مسکراہٹ خود کو بھی بھلی لگ
تھی۔

وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو ملک ظفر عباس سے سامنا ہو گیا۔

''پہلی تنخواہ' ٹریٹ ملنی چاہیے ہمیں بھی۔'' اس کا انداز شگفتہ تھا وہ چونکی پھر مسکرا د
''کیوں نہیں سر۔ میں کل کوئی اچھی سی ڈش بنا کر لے آؤں گی۔'' اس نے سادگی سے
لی۔

''کچھ لانے والے کی قطعی ضرورت نہیں ہے ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ کسی اچ
ہوٹل میں چلو مزے دار قسم کی کافی پیتے ہیں۔'' وہ اپنے تئیں اسے آسان ساحل بتا رہا

اپنائیت سے حکم ہی دے رہا تھا' وہ بھونچکا سی رہ گئی۔

کسی غیر مرد کے ساتھ وہ ہوٹل جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی چاہے وہ ملک ظفر عباس
ہو یا کوئی اور وہ ایسی آزادیاں افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

''بھئی کیا سوچنے لگی ہو؟ پے منٹ میں کر دوں گا۔'' اس نے شہادت کی انگلی میں دبی کی چین
اس کے سامنے لہرائی۔

''نن..... نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ وہ دراصل۔'' اسے فوری طور پر کوئی بہانہ نہ
سوجھا مگر جب اس نے اس کی طرف قدم بڑھایا تو وہ گھبرا گئی۔

''کم آن' موقع بھی ہے اور دستور بھی۔'' اس کی نازک کلائی ظفر عباس کے ہاتھ میں آئی تو
اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس نے اس طرح اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے
یوں کھینچا جیسے وہ کرنٹ کو چھو گیا ہو۔

''آئی ایم سوری ظفر صاحب۔ اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں۔ شہلا کی طبیعت صبح ہی
سے کچھ ٹھیک نہیں ہے اور میں جلد گھر جانا چاہتی ہوں۔'' اسے بروقت اچھا بہانہ سوجھ گیا۔ اس
کے بعد وہ رکی نہیں اور خدا حافظ کہتی سیڑھیاں پھلانگ گئی یہ دیکھے بغیر کہ ظفر عباس کے چہرے کا
رنگ بدل گیا تھا اور سارے نقوش تن گئے تھے۔

○☆○

غالب ہمیں نہ چھیڑیے کہ جوش اشک سے
بیٹھے ہوئے تہیہ طوفاں کیے ہوئے

تیمور نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے جان کر پھر یہی شعر دہرایا تو وہ تلملا اٹھا۔

''تم بدتمیزی سے باز نہیں آؤ گے۔'' اس کا لہجہ انتہائی گرفتہ تھا تیمور ہی نہیں دور صوفے پر
بیٹھا شاہ دل بھی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''ایمان سے منہ تو یوں بنا ہوا ہے جیسے بس یہ آنکھیں ابھی برسیں کہ ابھی۔'' دوسرے لمحے
تیمور نے اس کے غصے کو نظر انداز کر کے اسے چھیڑا۔

''مت تنگ کرو یار مجھے۔'' اسے اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہو گیا تھا۔ اب آہستگی سے اس
نے تیمور کو ڈانٹا۔

''تو پھر یہ اداس الو جیسی شکل کیوں بنا رکھی ہے گھنٹہ بھر سے۔'' نیلی کو اس کا یہ انداز ذرا نہ
بھا رہا تھا۔ وہ لاؤنج میں شاہ دل کو چائے دینے آئی تھی اب تیمور کے ہمراہ غالب کو چھیڑنے میں
شریک ہو گئی۔

"ذرا بھی اچھے نہیں لگ رہے ہو' منہ لٹک کر گھٹنوں تک آگیا تھا اور بال تو۔"
"کمر تک۔" تیمور نے اس کا بقیہ جملہ پورا کیا اور دونوں ہنسنے لگے۔
"تیمور! تم لوگ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ آخر کون سی زبان سمجھتے ہو تم لوگ۔ سخت جھنجھلا رہا تھا۔ اس وقت تیمور اور نیلی' کھی کھی کرتے ہوئے سخت زہر لگ رہے تھے۔
"بہت سی زبانیں سمجھتا ہوں مثلاً طوطا' مینا' گدھے' گھوڑے' بلے سب کی۔" تیمو باقاعدہ انگلیوں پر گن کر بتایا تو وہ گھور کر رہ گیا اور صوفے سے اٹھنے لگا کہ شاہ دل اس کے قر بیٹھا۔
"دیکھیں شاہ دل بھائی۔ جب سے سائرہ کو چھوڑ کر آیا ہے کیسی اداس' اجاڑ مجنوں صورت بنائے بیٹھا ہے۔" نیلی نے جھٹ سے شاہ دل کو دیکھ کر اس کی شکایت کی۔
"کہو تو اسے پھر سے لے آئیں؟"
"تیمور۔" شاہ دل نے تیکھی نظریں اس پر ڈالیں۔ "مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔"
"سوری۔" تیمور کو واقعی معاملے کی سنگینی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے غالب کو دیکھا کے چہرے پر سنجیدگی ہی نہیں پریشانی بھی جھلک رہی تھی۔ ہر لمحہ قہقہے بکھیرنے والا غالب وقت سنجیدگی کے سارے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔
"سائرہ کے گھر والوں سے زیادہ معاملات خراب تو نہیں کر آئے۔" شاہ دل نے اس شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے پوچھا تو غالب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر لب بھینچ کر م لیا اور شاہ دل کو اپنا خدشہ یقین میں بدلتا ہوا محسوس ہوا۔
"یہی ڈر تھا مجھے اور اسی لیے میں تنہا تمہیں سائرہ کو چھوڑنے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔"
اس نے ایک گہری سانس لی اس کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں پڑ گئیں۔
"میں نے قطعی کوئی جھگڑا نہیں کیا ان سے۔" غالب کی آواز تیز تھی "یقین کرو شاہ نے جب سائرہ کے ہمراہ اس کے گھر کے اندر قدم رکھا تو مظفر انکل پہلے ہی پھوپو سے الجھ رہے اور ان کی والدہ ماجدہ بھی کہ انہوں نے سائرہ کو ہمارے یہاں کیوں بھیج دیا۔ ذرا سوچو سائرہ کی ہیں اپنی مرضی اور خوشی سے انہوں نے سائرہ کو اپنوں میں ہی بھیجا تھا پھر اس میں چھپ کر والی کون سی بات تھی؟"
تیمور اور نیلی دم سادھے رہ گئے۔ انہیں غالب کے اس موڈ کے بیک گراؤنڈ کا اب اندازہ مگر اس سے زیادہ فکر انہیں اس بات کی پڑ گئی کہ سائرہ اور پھوپو پر آفت آچکی ہوگی۔
"کیا ضرورت تھی شاہ۔ دادی جان کو ایسے کٹر اور بے رحم خاندان میں سائرہ پھوپی جان

بیاہنے کی؟"
"یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں ہم اور تم کیا کر سکتے ہیں۔" تائی اماں غالب کی اونچی آواز پر کمرے سے نکل کر دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں اس کے اس جملے پر دل گرفتگی سے کہتی اس کے نزدیک چلی آئیں۔ ان کے چہرے سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔
"مجھ سے بھی غلطی ہو گئی شاہ دل۔ جس دن صباحت نے فون کیا تھا اس روز مجھے سائرہ کو واپس بھیج دینا چاہیے تھا بلاوجہ اس غریب پر ظلم ہوا۔"
"مگر امی یہ کہاں کا انصاف ہے ہم اس کے سگے ہیں۔ خون کا رشتہ ہے ہمارا جو کٹ نہیں سکتا۔"
"غالب! تم نے صباحت کے لیے زیادہ مشکلیں پیدا تو نہیں کر دیں بیٹا؟" تائی ماں کا دم اٹکنے لگا۔ وہ غالب کے مزاج سے واقف تھیں۔ غلط بات پر وہ غصے سے اسی طرح بے قابو ہو جاتا تھا۔
"حد ہو گئی امی۔ میں اس کا کزن ہوں' اس کی دادی صاحبہ کی فضول سے الزامات مجھ پر لگائے جا رہی تھیں جیسے میں سائرہ کا کزن نہیں بلکہ کوئی لفنگا' آوارہ عاشق ہوں۔" وہ غصے سے بل کھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ آتشی ہو رہا تھا۔
سارے ہی لوگ لاؤنج میں جمع ہو گئے تھے اور ہر چہرے پر فکر مندی جھلک رہی تھی۔
"اس کی دادی نے میرے سامنے سائرہ کو دو تھپڑ مارے تب میں نے....."
"تب تم سے برداشت نہ ہو سکا یہی؟" تائی اماں بھڑک اٹھیں۔
"ہاں' ہاں میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر سائرہ کو ایک طرف ہٹا دیا تھا۔
غالب کے جملے پر سب کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری مگر دوسرے ہی لمحے معاملے کی سنگینی کے احساس سے اس مسکراہٹ نے دم توڑ دیا۔
"جذباتی تو تم ہمیشہ سے اول نمبر کے ہو۔" تائی اماں نے اسے خفگی سے دیکھا۔
"تو آپ کا کیا خیال ہے میں اس کو دادی کے ہاتھوں سے پٹتے دیکھتا رہتا۔" اس نے جھنجھلاتی نظروں سے سب کو دیکھا اور پھر غصے سے تپائی پر لات مار کر کمرے سے نکل گیا۔
"اس لڑکے کی ہمدردی نے تو الٹا سائرہ اور صباحت کے لیے مصیبت پیدا کر دی ہوں گی۔" تائی اماں کو اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔ "شاہ دل! مجھے ابھی لے چلو صباحت کے یہاں۔ جانے وہاں کیا حالات ہوں۔ اس لڑکے کا کچھ بھروسہ نہیں' مظفر سے بھی نہ الجھ پڑا ہو۔"
"نہیں تائی اماں! یہ کوئی نئی کہانی نہیں' آپ کے جانے سے نئے سرے سے مسئلے اٹھ کھڑے ہوں گے۔" شاہ دل نے انہیں روک دیا۔

"مگر بیٹا۔" منجھلی چچی بھی پریشان تھیں۔

"جتنا آپ لوگوں کو غالب نے بتایا ہے بس اتنا ہی ہوا ہے اس سے زیادہ غالب کوئی بدتمیز نہیں کر سکتا' کیا آپ لوگ سب اسے جانتے نہیں ہیں۔" وہ تائی ماں کے قریب دو قدم چل کر آ اور ان کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے آہستگی سے تسلی دینے والے انداز میں ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"آپ فون کر لیں انہیں اور اگر آپ کی معذرت صباحت پھوپو کی مشکلات آسان کر سکے معذرت بھی کر لیجئے گا۔"

اور یہ پریشان پریشان سی تائی ماں نے سر اثبات میں ہلا دیا اور فون کی طرف بڑھیں جبکہ شاہ دل کچھ سوچ کر باہر آیا جہاں غالب اپنے غصے کو ختم کرنے کے لیے غٹاغٹ پانی پی رہا تھا۔ شاہ دل کو دیکھ کر لمحہ بھر کا پھر گلاس خالی کر کے کولر کے قریب پٹختے ہوئے بولا۔

"میری یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سائرہ اتنی پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اس ظلم کو کیسے برداشت کر رہی ہے۔ ایسی جہالت میں اس کا دم نہیں گھٹتا۔"

"تو پھر کیا کرے؟" شاہ دل طنز سے ہنسا۔

"حق حاصل کرے' اپنا اور تائی ماں کا' نہ کہ پھوپو کی کہانی نئے سرے سے دوہرائے۔" اس کا لہجہ ہنوز ترش تھا۔ "شاہ دل۔" اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو شاہ دل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا اور بولا۔

"بعض غلطیاں ہمیشہ کے لیے سلگتا نشان چھوڑ جاتی ہیں دل پر۔ تمہیں ہر طرح کے جذبا رویے سے پرہیز کرنا چاہیے تھا۔"

"مگر شاہ۔"

"ٹیک اٹ ایزی۔" اس کے تراشیدہ لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "میں تمہیں غلط نہیں کہہ رہا۔ تم اپنی جگہ ٹھیک ہو مگر ایک آنکھوں کے اندھے کو تم لاٹھی...... اسے آنکھوں کا نعم البدل سمجھ کر دے سکتے ہو مگر وہی لاٹھی عقل کے اندھوں کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"تو اس کا مطلب ہے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے یہ تماشا دیکھتے رہیں۔"

"فی الحال ہمارے پاس اس کا کوئی حل بھی تو نہیں ہے۔"

"مگر میرے پاس اس کا حل ہے۔" غالب کی آنکھوں میں چمک لہرا گئی۔

"کیا؟" شاہ دل نے اپنی خوبصورت براؤن آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"سائرہ کو ہمت دینا۔ اسے اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کی طاقت دینا اور اس کی بزدلی

یہ خول کاٹ دینا۔" اس کا لہجہ پرجوش تھا اور اندر آتی نیلی بے ساختہ ہنستی چلی گئی غالب پلٹا۔

"اسے بہادر بنا کر کیا کرو گے تم؟" اس نے بمشکل ہنسی روکی۔

"نیلی! میں سنجیدہ ہوں۔" اس نے اسے غصہ سے گھورا مگر نیلی کے معنی خیز تبسم نے اس کا غصہ دبا دیا۔

"میرا کیا مقصد ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ اسے اس کا حق مل جائے' پھوپی جان کو ان کا وہ مقام مل جائے جو ان کا جائز حق ہے.... کیوں شاہ دل۔ کچھ غلط کہہ رہا ہوں میں۔ کیا میری سوچ غلط ہے؟"

"بہت اچھی سوچ ہے اور اس سوچ کے کئی پہلو نظر آ رہے ہیں مجھے۔" نیلی شرارت سے باز نہ آئی۔ دراصل وہ اس افسردہ اور تنے ہوئے ماحول کو خوشگوار کرنا چاہتی تھی۔

"فضول ہی بکنا تم۔ جا کے اوٹ پٹانگ نتیجے اخذ کرتی رہو۔" غالب کھسیا کر صوفے پر دھنس گیا۔

"ایمان سے شاہ دل میرا دل چاہتا ہے کہ اس کی دادی کو کسی ڈاکو کے حوالے کر دوں اور یہ کہہ دوں کہ بھائی تاوان نہیں بھر سکتے' اس لیے آپ جو چاہیں اس کے ساتھ سلوک کریں آپ کی مرضی۔" غالب نے کچھ اس چڑے ہوئے انداز سے کہا کہ باوجود سنجیدگی کے شاہ دل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"اب بخش بھی دو سائرہ کی دادی کو۔" اس نے ذرا سا جھک کر کہا۔

"میں تو کہتی ہوں ایسا نہ ہو غالب کہ کہیں تمہیں ایک دن سائرہ کی دادی کی ہی ضرورت پڑ جائے۔" بھابی جانے کہاں سے وارد ہو کر بولیں۔

"ایں.... مجھے کیوں ضرورت پیش آنے لگی ان کی؟" غالب تڑپ کر رہ گیا۔

"ہو سکتی ہے.... ذرا مستقبل کی روشنی میں عقل کی نظریں دوڑاؤ۔" بھابی کی ہنسی معنی خیز تھی۔

غالب کے چہرے پر سخت بے زاری کا عالم تھا۔ اسے بھابی کا جملہ ذرا بھی نہ بھایا خدانخواستہ اسے کیوں سائرہ کی دادی کی ضرورت پڑے گی۔ حد ہو گئی۔

"بھئی آخر سائرہ کے معاملے میں انہی کا انکار یا اقرار اہمیت رکھے گا۔ کیوں نیلی؟" بھابی نے کہا اور پھر نیلی کے ساتھ ہنسنے لگیں۔

"بھابی.... بھابی آپ۔" غالب نے جھنجلاہٹ کے مارے صوفے کے کشن اٹھا کر بھابی پر کھینچ مارا مگر وہ ایک طرف مڑ گئیں اور کشن دروازے میں سے داخل ہوتے ہوئے ثاقب بھائی

کے منہ پر لگا۔

"واہ میاں واہ۔ بڑے منچلے ہو رہے ہو' اور ابھی جو اندر سب کو پریشان کر کے نکلے ہو او
اب یہ تماشہ ہو رہا ہے۔"

"آپ کی زوجہ محترمہ کی عقل کہیں پرواز کر چکی ہے' پہلے ان کی خبر لیجیے۔"

"جی نہیں' اس وقت تو میں نے بڑی عقل مندی کی بات کی ہے' کیوں شاہ دل؟" سدرہ بھا
نے جھٹ سے شاہ دل کو بھی اپنا ہامی بنانا چاہا جو ان سب کی نوک جھونک سے خاصا محظوظ ہو
تھا۔

"ہیں..... ہیں..... ہیں۔ یہ انقلاب کب آیا کہ تم بھی عقل کی باتیں کرنے لگی ہو۔" ثاقب
بھائی نے یوں مصنوعی حیرانگی کا اظہار کیا کہ سدرہ بھابی کا منہ بن گیا جبکہ نیلی اور غالب منہ پھاڑ کر
ہنسنے لگے۔

"بس رہنے دیں۔ آپ کو کیا پتا' میری ذہانت کے تو میرے میکے میں ڈنکے بجتے تھے۔"

"اللہ رے۔" غالب دل پر ہاتھ رکھ کر جھومنے لگا۔

"بس یہی ہم سے غلطی ہو گئی کہ ہم اسی افواہ پر دوڑے چلے آئے تھے آپ کے در پر۔"
ثاقب بھائی کب ہار ماننے والوں میں تھے..... سدرہ بھابی جل کر رہ گئیں۔

"آپ کو تو بس موقع چاہیے۔"

اس دم تائی ماں اور چچی لاؤنج سے باہر نکلیں اور کامن روم میں آئیں ان کا انداز خاصا
جارحانہ تھا۔

"غالب۔ تم نے سائرہ کی دادی کا صرف ہاتھ ہی روکا تھا یا انہیں گالیاں بھی دی تھیں؟" تائی
ماں نے تیوری چڑھا کر غالب کو دیکھا جو سدرہ بھابی اور ثاقب بھائی کی اس نوک جھونک سے
لطف اندوز ہو رہا تھا' تائی ماں کی بات پر اچھل کر رہ گیا۔

"تم اس حد تک بدتمیز کب سے ہو گئے کہ بزرگوں کا لحاظ بھی چھوڑ بیٹھے ہو۔"

"امی جان! آپ کو میں اس حد تک بد لحاظ نظر آتا ہوں۔" غالب کو سائرہ کی دادی کے اس
جھوٹ پر سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔ "کیوں فون کیا تھا انہیں آپ نے....." اس کی ساری شوخی دم
توڑ گئی۔

"لو فون تو مجھے کرنا ہی تھا جانے کیا حالات ہوں' وہاں کے' تم نے جو مصیبت کھڑی کرنی تھی
کر دی۔" تائی ماں صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا۔ تائی ماں۔ کیا حالات کچھ زیادہ بگڑ گئے ہیں؟" شاہ دل نے پوچھا۔

"ارے صباحت کو تو جو سنانا تھا وہ سنا چکیں مگر مجھے پندرہ منٹ تک ادب اور لحاظ پر لیکچر دیتی
رہیں اور اولاد کی تربیت کے طور طریقے سمجھاتی رہیں ان کا خیال ہے کہ میں نے اولاد کو شرم و حیا
اور ادب سے کوسوں دور کر رکھا ہے۔ بزرگوں سے بات کرنے کے طور طریقے نہیں سکھائے ہیں
یونہی شتر بے مہار چھوڑ رکھا ہے۔" تائی ماں غالب کی طرف دیکھ کر غصے سے بتا رہی تھیں جو سائرہ
کی دادی نے ان پر الزامات رکھے تھے۔

"تو غضب خدا کا اپنا ظلم اور جبر تو نظر ہی نہیں آتا اس عورت کو' سو گز لمبی زبان ہر وقت
چلاتی رہتی ہے اور ادھر ہم تہذیب سے بے بہرہ ہیں۔" منجھلی چچی بھی سخت چڑی ہوئی تھیں سائرہ
کی دادی سے۔ ان کی بڑی جٹھانی کو وہ اتنا کچھ سنا گئیں۔ یہ تو انہی کا ضبط تھا جو کمال حوصلے سے
سب کچھ سن لیا محض نند کی خاطر۔

"خبردار غالب جو تم کبھی صباحت کی طرف گئے تو' تمہاری انہی حرکتوں سے مجھے اتنا کچھ
برداشت کرنا پڑا ہے آج' اور صباحت اور سائرہ کو الگ۔"

"میں نے صرف ان کا ہاتھ روکا تھا' اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کیا۔" غالب آگ بگولہ سا
کھڑا ہو گیا۔ "میں بے بس بن کر اسے مار کھاتا دیکھتا رہوں۔"

"نہ تو جیسے تمہارے جانے کے بعد تو وہ سائرہ کو گود میں لے کر گھنٹہ بھر ٹہلتی رہتی۔ ارے تم
کیا خدائی فوجدار ہو جو اسے اس عورت سے بچاتے رہو گے' اتنا ہی احساس ہے تو کہہ دو میں
سائرہ کو بہو بنا کر لے آؤں۔"

نجانے یہ تائی ماں نے غصے سے کہا تھا کہ واقعی ان کی دلی خواہش تھی۔ ایک دم کمرے میں
سکوت چھا گیا۔

غالب کو اپنے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی محسوس ہوئیں۔

اس جملے نے اس کے جذبوں میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔

"یہ باتیں تو آپ کے سوچنے کی ہیں۔" وہ بولا تو اس کی آواز بے حد دھیمی تھی جیسے کوئی مجرم
جرم کا اقرار کر رہا ہو۔ تاہم اس کے بعد وہ رکا نہیں اور بڑے بڑے قدموں سے کمرے سے نکل
گیا مگر اپنے اس اقرار کا دھماکا خیز تاثیر اپنے پیچھے ہی چھوڑ گیا۔

تائی ماں نے سامنے کھڑے ثاقب کو حیران نظروں سے دیکھا تو وہ مسکرا دیے۔

"اب اس سے زیادہ واضح اقرار کیا ہو سکتا ہے امی حضور۔" ان کے لہجے میں شرارت تھی
پھر تو اس کمرے میں بھونچال آ گیا۔

شاہ دل اب تک حیران سا اس ہلتے پردے کو دیکھ رہا تھا جہاں سے غالب باہر نکلا تھا۔

یہ لڑکا جو بظاہر اتنا شرارتی' لاپرواہ' اور سب کو تنگ کر کے لطف لینے والا لگتا تھا اس قدر حساس' ان نازک جذبوں کو محسوس کرنے والا بھی ہو سکتا تھا۔ زندگی کی ان گہرائیوں میں بھی اتر سکتا تھا۔

اس گھر میں اتنے لڑکے تھے پر کسی کا دھیان ہی نہیں گیا کہ سائرہ کو اس طرح بھی خوشیاں دی جا سکتی ہیں۔

اس کے لب بے ساختہ خوب صورت انداز میں مسکرانے لگے۔

محبت کا انوکھا' خوب صورت' رنگ وہ غالب کے چہرے پر دیکھ چکا تھا۔ اسے بے انتہا مسرت ہوئی اور دل کی گہرائی سے یہ دعا نکلی کہ جس طرح غالب سوچ رہا ہے اسی طرح ہو جائے۔

پھر اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا کمرے میں ہر شخص بول رہا تھا۔

"لو یوں بیٹھے بٹھائے معاملہ طے ہو گیا' اور ہم تو بلاوجہ ہی اشارتاً کنایتاً مشورے نوازتے رہے۔" سدرہ بھابی کہہ رہی تھیں۔

"کتنا اچھا ہو جائے امی جو اس طرح ہو جائے۔" نیلی خاصی پرجوش ہو رہی تھی۔

"اے ہے باؤلوں۔ تم لوگ تو یوں خوش ہو رہے ہو جیسے ابھی رشتہ طے ہو گیا ہے۔ نجانے مظفر اس معاملے میں خود اپنی عقل سے کام لیتا ہے یا اپنی ماں کے ہی حکم کی بجا آوری کرے گا۔"

"ہاں.... یہ تو ہے۔" منجھلی چچی کا چہرہ بھی بجھ گیا باقی سب پر بھی اوس چھانے لگی۔ اس طرف تو کسی کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ ایک صرف غالب کی رضامندی کا کیا تھا اصل مسئلہ تو سائرہ کے باپ اور دادی کا تھا۔

○☆○

اپنے کمرے میں آ کر غالب ہی دیر تک اپنے دل سے اٹھنے والے اس احساس کے بارے میں سوچتا رہا اور حیران ہوتا رہا کہ وہ ابھی اتنے سارے لوگوں کے درمیان جو کہہ آیا تھا وہ بالکل غیر اختیاری تھا یا واقعی کوئی اس کا شعوری عمل تھا؟

وہ جس جذبے کا کھلا اظہار کر آیا تھا وہ محض سائرہ سے ہمدردی تھی یا اس کا وقتی جذبہ؟

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا مگر دل کی طرف سے نفی کا ہی جواب ملا اور نفی بھی اتنی شدید کہ وہ حیران رہ گیا۔

اس نے تو اپنی اس قدر ہنگامی زندگی میں لفظ "محبت" کے بارے میں کبھی سوچنے کا تردد ہی کیا تھا یہ محبت کیا چیز ہے؟ کیسے ہوتی ہے اور کیوں ہوتی ہے۔

مگر پھر اچانک ہی اس پر بہت سی باتوں کا ادراک ہوتا چلا گیا۔ مثلاً یہ کہ محبت محض لفظ نہیں

ایک جذبہ ہے جو کسی نرم و نازک پودے کی طرح دل کی زمین سے پھوٹتا ہے اور اگر اس کی بے غرض چاہت کی مٹی اور خلوص و وفا کے پانی سے آبیاری کی جائے تو یہ ایک تناور درخت بن جاتی ہے' جس کی چھاؤں بڑی ٹھنڈی' مسحور کن اور سکون بخش ہوتی ہے۔

اس نے سگریٹ جلا کر لبوں سے لگا لی۔

بے اختیار نگاہیں آئینے میں ٹھہریں اور جیسے سارے عکس ایک ہی صورت میں ڈھلتے چلے گئے جو یکلخت دل کے خالی مکان میں آ بسی تھی بغیر اجازت کے بغیر کوئی دستک دیے۔

جہاں میں ہوتے ہیں ایسے بھی کچھ ہنر والے
جو اک نگاہ میں امجد غلام کرتے ہیں

اس نے اس خوب صورت عکس کو مخاطب کیا اور پھر اپنی دیوانگی پر ہنس دیا۔

اس نے سگریٹ کا دھواں فضا کے سپرد کر دیا اور ایزی چیئر پر بیٹھ کر آنکھیں موند لیں۔

○☆○

اپنی تنخواہ کا لفافہ شہلا نواز کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے اس کا انگ انگ کسی انجانی انوکھی خوشی سے تھرک رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں جگنو سے چمک رہے تھے اور لبوں پر تازہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اس کے چہرے پر خوشی یوں جھلک رہی تھی جیسے کسی بڑے فاتح جرنیل کے چہرے پر فتح کے بعد ہوتی ہو گی۔

جیسے کسی محنت کش پرندے کو بڑی منتوں سے دانہ ملا ہو۔

"شہلا! شاید تمہاری نظر میں بہت معمولی سی بات ہو گی کہ مجھے تنخواہ ملی ہے اور شاید تم میرے اتنے جذباتی ہونے پر دل میں ہنس بھی رہی ہو گی مگر مجھے اتنے ماہ و سال کے بعد کوئی بہت بڑی خوشی ملی ہے اور یہ بھی تمہاری عنایت سے ورنہ میں اس قابل کہاں تھی' میں یہ احسان کبھی بھول نہیں سکوں گی کہ ظفر عباس نے صرف اور صرف تمہاری سفارش پر مجھے جاب دی ورنہ اتنے بڑے ہجوم میں' میں تو کبھی اس جاب تک بھی نہ پہنچ سکتی۔"

اس کا لہجہ خوشی اور اظہار تشکر سے نم نم تھا۔ شہلا نے اس ستائش کو فخریہ انداز میں قبول کیا۔

"ہوں.... اس کا مطلب ہے تمہیں زندگی میں پہلی خوشی ملی میرے توسط سے۔" وہ مسکرائی اور اس کا دیا ہوا لفافہ اپنے سنہری پرس میں ڈال دیا۔

"اب اس خوشی میں ایک مزے دار قسم کی کافی پلواؤ۔" وہ بیڈ پر پاؤں پسار کر بیٹھنے لگی مگر کسی

خیال کے تحت دوبارہ اٹھ گئی اور چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔ "ایسا کرتے ہیں کہ ہم دونوں کسی اچھے سے ہوٹل میں جاکرڈنر کر آتے ہیں کیا خیال ہے؟"

"خیال برا نہیں۔" اس نے سرہلادیا۔ "میرے خیال سے اب ٹائم بھی کافی کا نہیں ڈنر کا ہی ہونے والا ہے۔"

شہلا نے کمرے کی لائٹ جلائی تو اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ بے اختیار اسے ظفر عباس کا خیال آگیا اور بے ساختہ مسکراہٹ لبوں پر پھیل گئی۔ اب شہلا نواز کوئی ظفر عباس تو نہ تھی کہ وہ اس کے ہمراہ ہوٹل میں ڈنر نہ کرتی۔

اس رات وہ دونوں ہوٹل کے ایک پرسکون گوشے میں بیٹھی ڈنر کر رہی تھیں۔

"پتا ہے زینی۔ آج میں تم سے بھی زیادہ خوش ہوں۔" شہلا کی نگاہوں میں خوشی کا انوکھا رنگ جھلک رہا تھا۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا اور کچھ لمحے اس کا اٹھا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا۔ شہلا کی سیاہ آنکھوں میں عجیب مستی سی ہلکورے لے رہی تھی۔ اس کے لبوں پر بڑی دھیمی طمانیت انگیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے شاید اپنی خوشی میں تمہیں بغور دیکھا ہی نہیں۔"

اور جواباً شہلا کے بلند قہقہے سے چونک کر لوگ انہی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"لگتا ہے بہت بڑی خوشی ملی ہے؟" وہ اس کے قہقہے سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاؤ' بیوٹی فل از دی نائٹ۔" وہ گہری سانس لے کر ہنسی پھر قدرے اس کی سمت جھکتے ہوئے بولی۔ "کیا تمہیں بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے؟ کیا آج کی رات تمہیں بھی اتنی ہی حسین لگ رہی ہے؟"

"رات حسین سہانی لگ رہی ہو یا نہ لگ رہی ہو مگر اس وقت تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو تمہارا چہرہ' تمہاری آنکھیں' سب کچھ پالینے کی خوشی سے چمک رہا ہے۔ آئینہ دیکھو گی۔" اس نے شہلا کے پرس سے ہی آئینہ نکال کر اس کے آگے کر دیا تو شہلا لمحہ بھر کے لیے جھینپ گئی اس کے رخساروں پر سرخی ابھر آئی پھر ہنسنے لگی اور کھانے سے ہاتھ روک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا دی۔

"زینی! خوشی کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی۔ شاید جس طرح غم بے حساب ہوتا ہے' اسی طرح خوشی کی بھی ایک لامحدود دنیا ہے' بہت بہت زیادہ خوشی جس کی کوئی حد نہیں جو انگ انگ میں بے

چینی بھر دے۔ زینی ڈارلنگ۔ مجھے بھی ایک ایسی ہی خوشی ملی ہے جس کی کوئی حد نہیں' بالکل ایک سمندر کی طرح جس کی کوئی اتھاہ نہیں' زینی ڈیئر' خوشی کے سمندر میں ڈوبنے والا ابھرنے کی خواہش کر سکتا ہے۔ بولو۔ نہیں نا۔ ہاں کبھی نہیں۔"

"شہلا۔" اس نے شہلا نواز کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو وہ چونکی۔ "بالکل پاگل ہو رہی ہو تم تو۔" وہ حقیقتاً اس کی دیوانگی پر حیران ہی نہیں پریشان بھی نظر آ رہی تھی۔

"ہم خوش ہوئے اتنے کہ پریشان نظر آئے۔" وہ گنگنانے لگی۔ "یہ دیکھو زینی۔" اس نے پنا ہاتھ پھیلا کر اس کے سامنے کر دیا اور زنیرہ علی خان نے دیکھا اس کی تیسری انگلی میں ایک وبصورت انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

"یہ درمیان میں جو نگ ہے' وہ ڈائمنڈ ہے اور بقیہ پانچ نقلی تو نہیں مگر ذرا کم قیمت کے ں۔" وہ اسے بتانے لگی اور زنیرہ نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے عجیب سے احساسات کے ساتھ بکھا۔ اس کی اس قدر خوشی کا راز کیا محض یہ قیمتی پتھر تھے اور جیسے اس کی آنکھوں میں مچلتے سوال وشہلا نے پڑھ لیا۔

"زینی ڈیئر! یہ محض قیمتی انگوٹھی ہی نہیں ہے کسی کا پیار' کسی کا اعتماد ہے۔ ایک رشتے کا کھا احساس ہے ارے بابا یہ میری منگنی کی انگوٹھی ہے۔"

"کیا..... تمہاری منگنی؟" مارے حیرت اور خوشی کے اس کی چیخ نکل گئی۔ "کب.... کیسے؟" لاتعداد سوالات ایک ساتھ مچل اٹھے۔

"آج شام' جو میری زندگی کی انوکھی اور مسرت انگیز شام تھی۔ ایسی شام زینی جس نے برے سارے بے ثمر ویران لمحوں کو رنگین کر دیا ہے۔" شہلا کا چہرہ ہی نہیں لہجہ بھی اندرونی شی سے لبریز تھا اور زنیرہ علی خان کو لگا جیسے جھیلوں میں ننھے ننھے دمکتے ستارے اتر آئے ہوں۔

"تم پوچھو گی نہیں کہ وہ ذات شریف کون ہے؟" وہ ایک ادا سے بولی تو وہ جو اس انکشاف پر نگ بیٹھی تھی بے ساختہ پوچھنے لگی۔

"ہاں..... کون ہے وہ؟"

"کمال احمد۔ شمشاد بیگم کا اکلوتا لاڈلا سپوت کمال۔" اس نے یہ کہہ کر ایک ادا سے بال لے اور کرسی کی بیک پر سر لگا کر نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہاٹ....." وہ یوں اچھلی جیسے اس کے بے حد قریب بم بلاسٹ ہوا ہو اور اس میں سے رے گہرے دھوئیں اٹھنے لگے ہوں اور پھر کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔ اس کا دماغ لمحہ بھر کے ن ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے شہلا کی خوشی پر' مسرور دل جیسے یکدم سناٹے کی اتھاہ میں اترتا

چلا گیا۔ اسے ایک بڑا دھچکا لگا تھا۔

شمشاد بیگم کا بیٹا۔ اس کی نگاہوں تلے آیا اور پھر شمشاد بیگم کی کہی باتیں۔ "میں چاہتی ہوں کمال کی شادی کردوں تاکہ میں گھر میں ہلچل سی رہے مگر ڈرتی ہوں کہ آنے والی جانے کیسی ہو۔ کہیں کمال کی شادی کے بعد میں اور تنہا نہ ہو جاؤں۔"

یہ باتیں اس وقت اس کے لیے قطعی غیر دلچسپ تھیں مگر اب اچانک ہی اسے ان میں جھلکتی محرومی کا احساس ہونے لگا۔

"دیکھو زینی۔ اب محبت باقاعدہ پلاننگ سے تو نہیں کی جاتی نا۔ یہ تو بس حادثے کی طرح اچانک ہماری زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔" وہ اس کی چپ اور چہرے کے تاثرات سے کوئی اخذ نہ کرسکی تو دھیرے سے تاویل پیش کرنے لگی۔

"تم نے سنا ہوگا کہ انسان کو جس چیز سے دور رکھا جائے اس کی طرف زیادہ بڑھتا ہے۔ شاید شمشاد بیگم بھی اپنے تئیں کمال کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی تھیں اب انہیں کیا خبر کہ..." ہنسنے لگی۔ "شمشاد بیگم.... پتا ہے زینی یہ بڑی خود غرض عورت ہے جو محض اپنی تنہائی کے لیے کمال کی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"شہلا" زینی نے اچانک اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "ضروری تو نہیں ہے جو تم سمجھو وہی سچ ہو۔ وہ ماں ہیں اور ظاہر ہے بہرحال اپنے بیٹے کو جوان کر کے اس کی آسودگیوں اور خوشیوں کے راستے ڈھونڈتی ہیں۔ کوئی ماں خود غرض نہیں ہوتی۔"

شہلا نے بڑی حیرت کے ساتھ اسے دیکھا پھر مسکرانے لگی۔

"ارے تم نہیں جانتیں اس گھنی عورت کو۔"

"یہ شمشاد بیگم کا پرسنل معاملہ ہے۔" وہ جیسے گھبرائی شہلا کے ان خنجر جیسے جملوں سے۔ سچ تھا کہ وہ دل سے شہلا کی اس خوشی میں اپنا دل شریک نہ پا رہی تھی اور وہ ایسا چاہتی بھی تھی کہ شہلا کی خوشی اس کی خوشی تھی مگر جانے کیوں۔ اس کا دل عجیب سی اداسی میں ڈھلنے لگا۔

"ارے جانم۔ اب یہ میرا بھی تو پرسنل افیئر بن گیا ہے نا۔" وہ آنکھ دبا کر خباثت سے... وہ باوجود کوشش کے اپنے لبوں کو جنبش نہ دے سکی۔

"کمال کہہ رہا تھا بہت جلد وہ ایک فلیٹ لے رہا ہے پھر ہم شادی کرلیں گے۔"

"فلیٹ.... کیا مطلب؟" اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور کافی کا کپ لبوں سے لگاتے چونکی۔ "کیا شمشاد بیگم راضی.... میرا مطلب ہے۔"

"ایک تو تم انتہائی بے وقوف لڑکی ہو۔ اب بھلا میں شمشاد بیگم کے اس کبوتر خانے میں

رہوں گی۔ وہ بھی شمشاد بیگم کے ہمراہ.... کمال احمد کی ماں ہونے کا اسے میں اتنا بڑا اعزاز تو اب نہیں بخش سکتی۔ بھئی دیکھو نا زنیرہ۔ کمبائنڈ سسٹم اب کہاں چل رہا ہے اور پھر شمشاد بیگم کو فرق کیا پڑے گا وہ تو اپنے اتنے کرائے داروں سے لڑلڑ کر اپنا وقت اچھا گزار لیتی ہیں۔"

زنیرہ علی خان کا دل چاہا وہ چیخ کر شہلا کو مزید کچھ بولنے سے روک دے۔

یہ شہلا کا کون سا روپ تھا؟ اپنے آپ خود غرضی پر اتر آئی تھی اور شمشاد بیگم کو خود غرض کہہ رہی تھی۔

اس کا دل یکدم ہی جیسے ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔ اس نے کافی سے بھرا مگ پرچ پر رکھ دیا اور نیپکن سے ہاتھ پونچھنے لگی۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔"

"ایں۔ اتنی جلدی۔ میرا مطلب ہے یہ جو بھی اتنا سارا کچھ بچا پڑا ہے۔ اسے تو پورا کرو۔"

"بس جی بھر گیا۔" وہ آہستگی سے بولی مگر شہلا نہایت اطمینان سے مٹر پلاؤ پر ہاتھ صاف کرتی رہی۔

"جی کو مارو گولی۔ پیٹ بھرو میری جان۔ یہ مفت کا ہمیں نہیں ملا۔ اتنا لمبا سا بل آئے گا جو تمہی بھرنا پڑے گا۔"

"تم آج خوش ہو اس لیے بھوک زیادہ لگ رہی ہے تمہیں۔" وہ اسے بڑے بڑے نوالے منہ سے اتارتے ہوئے دیکھنے لگی۔

اگر کوئی اس وقت شہلا کو دیکھ لے تو کس قدر حیران رہ جائے۔ اونچی ہیل ہولے ہولے قدم اٹھاتی، بہت اچھا بولنے والی، خود کو مہذب ظاہر کرنے والی شہلا نواز کی وہ ساری تہذیب، سارا رکھ رکھاؤ نجانے کہاں غائب تھا۔

"تم خوش نہیں ہو کیا۔ آج تو تم بھی صاحب جائیداد ہو گئی ہو۔"

اور جواباً وہ اپنے خالی پرس کو دیکھ کر رہ گئی جو اپنی کم مائیگی اور ویرانی پر نوحہ کناں تھا۔

"ایک ماہ میں کون صاحب جائیداد ہو جاتا ہے۔" اسے اٹھتے دیکھ کر خود بھی اٹھ گئی۔

"ہو جاؤ گی میری جان۔ اگر اسی طرح محنت سے کام کرتی رہیں تو اور سناؤ ظفر عباس کیسا جا رہا ہے تمہارے ساتھ؟"

وہ اپنے پرس سے اس کا دیا ہوا لفافہ نکال کر اس میں سے پیسے نکال کر پے منٹ کرنے لگی۔

"ابھی تک تو میرے کام سے خوش ہیں۔" وہ اپنی فطری سادگی سے بولی تو شہلا معنی خیز انداز میں سر ہلا کر ہنسنے لگی۔

"خوش ہی رکھنا نہیں۔ یہ مرد جب خوش ہو جاتے ہیں تو بڑا فائدہ ہو جاتا ہے ہم لوگوں
اور اس کے جملے کا پس منظر نہ سمجھتے ہوئے صرف سر ہلا کر رہ گئی اور اس کے ہمراہ با
گئی۔

○☆○

اس نے آتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ ملک ظفر عباس کا رویہ اس سے اکھڑا اکھڑا سا ہے
اس کی وجہ کیا ہو سکتی تھی ماسوائے اس کے کہ وہ کل اس کی پیش کش کو مسترد کر چکی تھی۔
اسے اب احساس ہونے لگا کہ یہ جاب اس کے لیے صرف غیر دلچسپ ہی نہیں مشکل
ہے اور اسے مشکل بنانے میں اس کا اپنا ہی ہاتھ ہے۔

"تو کیا۔ کل ظفر عباس کے ہمراہ نہ جانے کا فیصلہ اس کا غلط تھا۔" اس نے دل سے پ…
"نہیں ہرگز نہیں۔" دل نے بھی عقل کی حمایت کر دی۔ وگرنہ اس کا ضمیر کبھی مطمئن…
اس کا خیال تھا کہ ضمیر کو مطمئن رکھنے والا ہر فیصلہ صحیح ہوتا ہے۔

وہ کل ظفر عباس کے ساتھ نہ جا کر بالکل مطمئن تھی۔

مگر یہ ظفر عباس کا رویہ؟

"مس زنیرہ علی خان ٹائم کی پابندی مجھے پسند ہے۔ مجھے ان اصولوں سے روگردانی…
والے سخت ناپسند ہیں۔"

اور اس نے سر جھکا کر اپنے کمرے کا راستہ ناپا اور یونہی وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ صرف…
منٹ کا فرق' کوئی زیادہ لیٹ تو نہ تھی وہ۔ اسے تو وہ دس منٹ لیٹ ہو جانے والا دن بھی یاد…
دن ظفر عباس اس کے ایکسکیوز کرنے پر قہقہہ بکھیر رہا تھا۔

اس نے مارے کوفت کے پرس دراز میں پٹخ دیا "اونہہ یہ مرد لوگ اپنی غرض سے…
نہیں پاتے۔" اس نے بے دلی سے سوچا۔

صبح سے کوئی تیسری دفعہ ان کی پھٹکار کھا کر اسے اپنے کل کے ناں کہنے پر غصہ آنے…
ظفر عباس پر بھی۔

اس نے ٹائپ کے لیے پیپر نکالتے ہوئے ذرا سا رخ موڑ کر دیکھا تو شیشوں کے اس پا…
سرخ پردے اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ توہین کے احساس سے اس کی پیشانی جل اٹھی۔…
مجھے کون سا ظفر عباس کو دیکھے بغیر کام نہیں ہو گا۔ در حقیقت اندر سے اس قدر ڈری…
واہموں کا شکار لڑکی تھی کہ ہمہ وقت اسے اس جاب سے نکالے جانے کا خوف لگا رہا اور…
احسان کرنے والوں کی ناراضگی کا دھڑکا تو کبھی اپنی قسمت کی سیاہی کا خوف۔

وہ سارا کام نمٹا رہی تھی کہ اچانک دو چمکتے بوٹوں پر نگاہ جم گئیں اور وہ جلدی سے الرٹ ہو
ئی اور کسی روبوٹ کی طرح احتراماً کھڑی ہو گئی۔

"سر! ابھی ٹائپ ہو جاتا ہے۔" اس نے ٹائپ رائٹر پر پھنسے کاغذ کو بے مقصد ہولے سے
…ہوا۔

"میں لیٹر لینے نہیں آیا یہ کام میں پیون سے کرواتا ہوں۔"

اس نے بے اختیار سر اٹھایا تو لہجہ ہی نہیں چہرے کے زاویے بھی بدلے ہوئے تھے لبوں پر
…دوستانہ مسکراہٹ تھی جو اس کے لیے اطمینان کا باعث ہوا کرتی تھی۔

وہ اسے حیرانگی کے عالم میں چھوڑ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"اگر ہماری خوشدلانہ پیش کش کو کوئی مسترد کر دے تو غصہ آنا فطری عمل ہے ناں۔ بھئی
…رے خلوص کا جواب' مجھے پسند نہیں آیا تھا۔" وہ اس کے کل کے انکار کی طرف اشارہ کر رہا
…ا۔

"بیٹھو' در حقیقت میں بہت زیادہ اچھی لڑکیوں سے زیادہ دیر خفا نہیں رہ سکتا۔" وہ قدرے
…ں کی سمت جھکا "یہ میری کمزوری ہے۔"

"جج۔ جی۔" وہ ہونقوں کی طرح سر ہلا کر رہ گئی۔ خاک بھی تو پلے نہ پڑا تھا پھر وہ اچانک
…ئی۔ اپنا گزشتہ رویہ یاد آ گیا۔

"سوری تو مجھے آپ سے کرنا چاہیے تھا۔" اسے اس وقت اپنی جاب کی سب سے
وہ فکر تھی اور پھر شہلا نے کتنی بار تاکید کی تھی کہ ظفر عباس کو ناخوش نہ کرے اور وہ ایکسکیوز
کے اپنے تئیں سمجھ رہی تھی کہ اس نے ملک ظفر عباس کو خوش کر دیا ہے۔

یہ اس کا اپنا خیال تھا جبکہ ملک ظفر عباس کہہ رہا تھا۔

"اونو' سوری ووری کی کوئی ضرورت نہیں۔ کون سا یہ بڑا جرم تھا اور پھر کل تمہیں جلدی
مگر آج کا دن آج کی رات تو ہماری ہے۔ کیا خیال ہے؟" اس کے لہجے میں سارے جہاں کی
نیت اور ایک نئی دعوت تھی اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"شام میرا اس کمرے میں ویٹ کرنا۔ اوکے۔" وہ کرسی کے ہتھوں پر ہتھیلیوں سے وزن
ہوا کھڑا ہو گیا۔ تیز پرفیوم کی مہک ہوا کے یکسر جھونکے سے پورے کمرے میں پھیل گئی۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنی حسین ہو۔" وہ سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگا کر دھیرے
مسکرایا اور پھر میز کی طرف ہتھیلیاں ٹکا کر اس کی سمت جھکا تو وہ میکانکی انداز میں پیچھے ہٹی۔

"ہیرا اپنی قدر و منزلت سے ناآشنا ہوتا ہے مگر جوہری جانتا ہے کہ وہ کتنا قیمتی ہے۔ چاند

اپنے رعبِ حُسن سے بے خبر ہوتا ہے اور جانتی ہو حُسن جب اپنے حُسن سے بے خبر ہو تو
زیادہ حسین ہوتا ہے۔"

وہ سیدھا ہو گیا اور سگریٹ کا دھواں فضا کے سپرد کر کے اسے دیکھا۔ وہ اس کی
گہرائی پر سن ہو کر رہ گئی تھی۔ اتنی نادان بھی نہیں تھی کہ ظفر عباس کی باتوں میں چھپے
پیغام کو نہ سمجھ سکے۔

ظفر عباس پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں
لیا ہو اور جب چھوڑا تو خون پوری طاقت سے رگوں میں دوڑنے لگا۔ اس نے خوف
وحشت سے بھری نظریں دروازے پر ڈالیں مگر اب وہاں خوبصورت دبیز پردہ جھول رہا تھا۔

○☆○

"سچ بات تو یہ ہے اچھی بھابی کہ سارا مسئلہ آپ کے مانی صاحب کا ہے اس قدر کو
ہے کہ کوئی بھی ٹیچر ایک ماہ سے زیادہ سر کھپا ہی نہیں سکتا۔" تیمور نے ان کے ہاتھ سے
کر ایک طرف ڈال دیا اور بھابی تو اس کی بات پر گویا بھبک ہی اٹھی تھیں۔ ان کے ذہین
کو کوڑھ مغز کہا گیا تھا۔

"ہائے۔ میرا بچہ کوڑھ مغز کیوں ہونے لگا۔ ذرا محنت تو کرو تم اس پر' پوزیشن نہ
میرا بدل دینا۔"

"جی ہاں اور اگر محنت نہ کریں تو فیل بھی ہو جاتا ہے۔" تیمور نے انہی کے اندا
اتاری۔ غالب کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی اور بھابی کا منہ بن گیا۔

انہوں نے مانی کے ٹیوٹر کے لیے پھر سے جدوجہد شروع کر دی تھی۔ وہ چاہتی تھیں
طرح کوئی عورت ٹیوٹر مل جائے جو نہ صرف ذہین ہو بلکہ اخلاق کی بھی اچھی ہو۔ نیلی اد
اپنی کتنی فرینڈز کا تعارف کروایا تھا ان سے جو مانی کی اچھی ٹیچر ثابت ہو سکتی تھیں مگر وہ
مطمئن ہی نہ ہو رہی تھیں۔

"بس مجھے اب اخبار میں اشتہار دینا ہے۔" انہوں نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔ "
تم آج ہی اخبار میں اشتہار دے آؤ۔" تیمور سے مایوس ہو کر غالب سے مخاطب ہوئیں۔

"اچھا یہ بھی کر دیکھتے ہیں۔" وہ خلافِ عادت مان گیا اور سدرہ بھابی کھل اٹھیں۔

"یہ بتایئے کس ٹائپ کی ٹیچر چاہیے اتنوں کو تو آپ ریجیکٹ کر چکی ہیں۔"

"وہ کوئی قابل ہی نہیں تھیں' یونہی تھیں ساری۔ مجھے پڑھی لکھی' سمجھدار' لڑکی
جو مانی کو سمجھ سکے اور اسے محبت اور پیار دے سکے۔"

"یہ آپ کو ٹیچر چاہیے یا مانی کے لیے ماں۔" تیمور کی ہنسی کی آواز بلند تھی۔ وہ کھول کر رہ
گئیں۔

"فضول بکواس کیے جانا۔ ذرا عقل نام کو نہیں ہے' اب ٹیچر محبت سے نہ پڑھائے گی تو بچہ
س سے مانوس کیسے ہو گا۔ مجھے یہ روایتی استانیاں ذرا نہیں بھاتیں جو بات بے بات پر دانت پر
انت جما کر بچوں کو دھن کر رکھ دیں۔ جیسے مفت میں پڑھانے بٹھا دیا ہو ہم نے۔"

غالب نے قلم اور کاغذ سنبھال لیا۔ "فرمایئے کیا لکھوں۔"

"لو... مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو مجھے کیا پتا اشتہار کس طرح دیا جاتا ہے۔" بھابی جلدی سے
لیں۔ "تم بتاؤ نا تیمور۔" وہ تیمور کو مدد کے لیے پکارنے لگیں۔

"نہ...... مشکل ہی ہے۔ آپ نے جو اتنی خصوصیات بتائی ہیں وہ ایک لڑکی میں تو ملنا مشکل
ہے ہاں البتہ کوئی میل ٹیچر ان خوبیوں پر پورا اتر سکتا ہے۔" غالب نے گویا انہیں چڑایا۔

"کیا... کیا... بس جی رہنے دو۔ دیکھا نہیں تھا وہ بڑی بڑی مونچھوں والا ماسٹر کس بری طرح
انی کو مکے مار گیا تھا اور میرا بیٹا کتنے ہی دن ڈرتا رہا تھا اس کی ڈراونی مونچھوں کو یاد کر کے رات کو
یند سے اٹھ جاتا تھا۔"

"یہ تو سراسر مانی کا اپنا قصور ہوا' نہ کہ ماسٹر کی مونچھوں کا۔ اسے کیا ضرورت تھی کہ اس کی
ونچھیں خواب میں دیکھے۔"

"غالب کے بچے۔ اب مار کھاؤ گے تم دونوں میرے ہاتھ سے۔" بھابی زچ ہو کر رہ گئیں۔
ایک کام نہیں ہوتا تم لوگوں سے۔ کتنا خون جلاتے ہو میرا۔"

"اللہ رے"۔" ثاقب بھائی جھومتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ سدرہ بھابی کا آخری جملہ
ن جو لیا تھا۔ "اچھا ہے تھوڑا خون جل کر ختم ہو جائے ہائی بلڈ پریشر کا خطرہ نہیں رہے گا۔"

"ہائی بلڈ پریشر تو میرا یہ دونوں کر رہے ہیں۔" بھابی غصے سے اٹھ گئیں۔

"کیوں ہر وقت میرے بھائیوں کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔"

"جی ہاں بڑے سیدھے سادے معصوم بھائی ہیں آپ کے یہ دونوں بھائی۔"

"ارے ارے آپ تو ناراض ہو گئیں بھابی۔" غالب نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے انہیں
کنا چاہا۔ "لایئے لایئے میں لکھ دیتا ہوں۔"

"جی نہیں شکریہ۔ میں شاہ دل سے لکھوا لیتی ہوں اس پورے گھر میں ایک وہی لائق انسان
ہے۔" وہ سخت غصے کے عالم میں باہر کی جانب لپکیں۔

"یعنی ثاقب بھائی آپ بھی "لائقوں" کی فہرست سے نکال دیے گئے ہیں۔" تیمور نے

نہایت افسوس ظاہر کیا اور جواباً بھابی صوفے کا کشن اس پر پھینک کر کمرے سے نکل چکی تھی

○☆○

ہیں بظاہر مطمئن یوں تو سب اپنی جگہ
ہاں مگر ایک نام پر ہے بے کلی اپنی جگہ
لاکھ یہ چاہا کہ اس کو بھول جاؤں پر عقیل
حوصلے اپنی جگہ ہیں' بے بسی اپنی جگہ

یہ بات تو طے ہے کہ شاہ دل کہ تمہارے خیالوں' سوچوں اور احساسات کی سوئی ایک پہلے جہاں رکی تھی اب تک وہیں اٹکی ہوئی ہے۔

وہ سانحہ۔

وہ احساسِ جرم۔

تمہاری زندگی کے گرد دائرے کی طرح لپٹا ہوا ہے جس سے تم باہر نکل ہی نہیں سکے تک' یا دانستہ نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

اس نے اسٹڈی روم کے لان میں کھلنے والے دریچے کا پٹ کھول دیا اور ایک گہری آزاد فضا کے سپرد کی۔

اس نے کب سوچا تھا کہ ایک چھوٹی سے غلطی عمر بھر کا پچھتاوا بن جائے گی۔

ایک اذیت ناک احساس بن کر روح میں سمٹ آئے گی۔

مگر کیا اب وہ شخص سزاوار ہو سکتا ہے۔ جس کی پشیمانی اس کے جرم سے زیادہ بڑھ گئی۔

شاید یہی اس کی سزا تھی۔

پشیمانی کے احساس کا اذیت ناک بوجھ۔

یہ سوچ محض اس کی تسلی و تشفی ضرور بن سکتی تھی مگر پھر بھی کسی طرح وہ خود کو بری تصور نہیں کر سکتا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے۔ جسم کے قاتل کو سزا سنا دی جاتی ہے مگر روح قاتل کو کوئی جانتا تک نہیں۔ پھول توڑنے والا چور کہلاتا ہے اور بڑی بڑی سرسبز شاخ تراشنے کے نام پر کاٹ دینے والا "مالی" کہلاتا ہے مگر کچھ مالی ایسے ہوتے ہیں جو شاخیں ہوئے دکھی ہو جاتے ہیں۔

کچھ روح کے قاتل۔ عمر بھر اپنے ضمیر کے آگے سر جھکائے اذیت ناک احساس کے کٹہرے رہتے ہیں۔

اور شاید۔ وہ بھی انہی میں سے تھا۔ اپنی ہی عدالت میں۔ اپنے جرم پر پشیمان۔

اس نے ایزل پر لگی تصویر کو دیکھا۔ کچھ بھی تو واضح نہ تھا۔ محض چند رنگوں کی بے ترتیب لکیریں۔ اس کے ذہن کی طرح۔

الجھی الجھی سی اس کے سوچوں کی مانند۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر پوسٹر پیپر کھینچ لیا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے دیوار کی طرف پھینک دیا۔

میں چاہوں بھی تو اس احساس سے نہیں نکل پاؤں گا۔

اس نے جیسے بے آواز خود کو یقین دلایا۔

اس کا دل بے بسی کے احساس سے بھر گیا۔ اس نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ اس کے ماضی کے ان تلخ لمحوں نے اس کے دل کے سارے جذبوں کو ایسے چوس لیا ہے جیسے آکاس بیل ہرے بھرے درختوں کا پتا پتا چوس لیتی ہے۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے بے دلی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"شاہ دل اسپیکنگ!"

"اوئے شاہے! کہاں غائب تھے اتنی دیر سے ریسیور پکڑے لمبی لمبی گھنٹیاں سنے جا رہا ہوں۔" دوسری طرف نعیم کی چہکار سنائی دی۔

"یہیں تھا۔" وہ فون اٹھائے صوفے پر آ بیٹھا۔

"آ۔ چھا تو پھر مینٹلی موجود نہیں تھے۔ اوئے سدھر جاؤ۔ کیوں قنوطی بن کر رہ گئے ہو۔ بھائی میرے کاروباری دھندوں میں تو ہم بھی پھنس گئے ہیں مگر تمہاری طرح اوجھل ہو کر نہیں رہ گئے۔ کاروباری دھندے اپنی جگہ اور یاروں کی محفل اپنی جگہ۔"

نعیم کی اس طویل پھٹکار پر اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"اور تمہارا ان رنگوں سے سر کھپانا میری تو سمجھ سے بالا تر ہے۔ کہاں انجینئرنگ پڑھی اور بزنس کر لیا اور اب لے کر برش پکڑ لیا۔ فائل میں سر کھپانے اور قلم سے گٹ پٹ کرنے کے بعد یہ برش تمہاری انگلیوں میں جچتا نہیں ہے۔"

"کیا صرف یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے؟" اس نے اکتا کر کہا۔

"چہ خوب کہو تو فون پٹخ دوں۔" جواباً نعیم کچھ ایسے جلے کٹے انداز میں بولا کہ وہ اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی ہنسی کو نہ روک سکا۔

"نہیں اب یہ بھی نہیں کہا میں نے' صرف "یاد" کرنے کا ریزن پوچھا ہے چلو تم ناراض ہوتے ہو تو نہیں پوچھتا۔" اس کے لہجے کا فطری رنگ ابھرنے لگا۔

"بس بس زیادہ انکساری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بتاؤ ایسا کون سا بزنس شروع کیا ہے جس کے لیے سب سے کٹنا کٹانا ضروری ہے۔"

"یہ تم سب مجھ سے اتنے شکوے کیوں کرنے لگے ہو؟ میں تو خود میں کوئی تبدیلی نہیں پاتا۔"

"واللہ، کون نہ مرجائے اس سادگی پر۔" نعیم کے لہجے میں استہزائیہ ہنسی کی جھنکار تھی وہ کر رہ گیا۔

"دوستوں سے ہم کو وابستہ تھیں امیدیں بہت
اعتبار اپنا بھی اٹھ جائے گا یہ سوچا نہ تھا"

اس کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی جواباً نعیم کا بھاری بھرکم قہقہہ گونج کر رہ گیا۔

"اوئے اوئے۔ اس کا مطلب ہے ابھی وہ رنگ باقی ہیں۔ صد شکر۔ ادھر میں تو مکمل مایو ہو رہا تھا۔ ویسے شعر اچھا ہے مگر ابھی اس کا موقع نہیں آیا۔ یار تم اعتبار کی بات کرتے ہو تو تمہیں اپنا اختیار تک سونپنے کو تیار ہیں مگر تم ہی۔"

"یہ کہ میں تم لوگوں کو بھول بیٹھا ہوں۔" اس نے اس کا جملہ مکمل کردیا۔

"اچھا... یہ موضوع ختم کرو، بتاؤ چند دنوں کے لیے مصروفیت کو پس پشت ڈال سکتے ہو۔"

"کیوں کیا سہرے کے پھول کھل رہے ہیں۔"

"آہ۔ ظالم بے خبری میں تیر چلا دیا۔" نعیم کی آہ خاصی پرسوز تھی۔ وہ تصور کرسکتا تھا کہ دل پر ہاتھ رکھے یہاں وہاں ڈول رہا ہوگا۔

"کچھ ایسا ہو کہ جس سے منزل مقصود کو پہنچوں
طریق پارسائی ہو کہ ہوئے راہ رندانہ"

"اوہو۔ خاصی سیریس حالت ہے۔" اس کے شعر پر شاہ دل اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ "آپ کی والدہ محترمہ ہی منزل مقصود پر پہنچا سکتی ہیں۔"

"انہیں ابھی میری پرسوز تنہائی کی بالکل پروا نہیں ہے۔ انہیں اپنی بھانجی کی زیادہ فکر ہے۔ ایجوکیشن مکمل کررہی ہے پتا نہیں کتنی بار فیل ہو ہو کر پورا کرے گی گریجویشن۔ خیر دفع کرو۔ آ نہیں تو کل اس گھر میں چاند سی بھابی آہی جائے گی۔ میرا مطلب ہے تمہاری بھابی۔"

"تم بالکل بھی نہیں سدھرے۔ ویسے کے ویسے ہی رہے ہو۔" اس نے اپنی ہنسی کو بمشکل روکا۔

"چالیس سال تک بندے کے سدھرنے کے چانسز ہوتے ہیں اور ابھی چالیس کا ہونے م بہت سے سال پڑے ہیں سدھر ہی جائیں گے اور ویسے بھی ڈیئر ایک لمحہ ہی بہت ہوتا ہے تبد

کے لیے کہ نجانے کب کس لمحے میں گرفتار ہو کر انسان کی ساری زندگی بدل کر رہ جائے۔"

وہ اس پر لطیف سا طنز کررہا تھا مگر وہ مسکرا بھی نہ سکا۔ نعیم کی یہ بات اس کے دل کو جا لگی۔

ہاں بس ایک لمحہ۔

ایک لمحہ ہی کسی کی شکست ہو جاتا ہے اور کسی کو فتح۔

کبھی ایک لمحے کا غلط فیصلہ عمر بھر کی اذیت سے دوچار کرجاتا ہے کہ برسوں کی ریاضت اکارت ہو کر رہ جاتی ہے۔

"ہم یار دوستوں نے شمالی علاقہ جات جانے کا پروگرام بنایا ہے اور جناب کو بھی اپنی تمام تر مصروفیات کو پس پشت ڈال کر ہمارے ہمراہ اس ٹور پر چلنا ہوگا۔" نعیم کی آواز سے اسے پھر حال میں کھینچ لائی۔ "ابھی آزاد زندگی ہے گھوم پھرلیں، ہواؤں سے دل کی کہانی کہہ لیں پھر کہاں ایسے شب و روز مقدر بنیں گے۔"

"خوب۔ ابھی آہیں بھری جارہی تھیں اور ابھی آزادی کے گن گائے جارہے ہیں۔"

وہ ٹور پر جانے کی بات اپنے تئیں گول کرگیا مگر وہ نعیم ہی کیا جو پیچھا چھوڑ دیتا۔

"یہ بتاؤ چل رہے ہو؟"

"کیا ضروری ہے؟"

"جی نہیں۔ نہ کھانا پینا نہ پہننا اوڑھنا کچھ بھی ضروری نہیں ہے۔ یہ نئے ماڈلز کی کاریں، یہ جدید تراش کے لباس، نہ بھئی کچھ بھی تو ضرورت نہ تھی یہ تو یونہی زندہ رہنے کے لیے رکھ چھوڑے ہیں۔"

اور اس کا جاندار قہقہہ نعیم کو اور بھی جلا کر راکھ کرگیا۔

"تم واقعی پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہو۔" وہ عاجز آگیا۔

"خوب یعنی کہ۔

بہکانے والے آپ کے سب یار بن گئے
سمجھانے والے مفت گنہگار بن گئے

کچھ خدا کا خوف کرو شاہ دل، میں تو تمہیں زندگی کی رونقوں کی طرف کھینچ رہا ہوں اور تم مجھے ہی کوس رہے ہو۔"

"اچھا بس۔ زیادہ بکواس مت کرو۔"

"ویسے یاد کرو شاہ وہ سہانے دن جب ہم اسٹوڈنٹ لائف میں ہر سال ٹور پر جاتے تھے۔ خوب سیر سپاٹے ہوتے تھے۔ چترال، کاغان، اسلام آباد، سوات۔ آہ کیا سہانے دن تھے۔"

"ہاں۔ یاد ہے مجھے ماضی کا ایک ایک دن۔" اس کے لہجے میں عجیب سی کسک در آئی۔ نعیم نے انجانے میں اس کے ذہن کی پھر وہی دکھتی رگ چھیڑ دی تھی۔ "تمہارے فون سے پہلے میں ماضی ہی میں گم تھا مگر نعیم' سب دن سہانے ہی تو نہیں تھے۔ ہمارے ماضی میں صرف خوشیوں' مسکراہٹوں کا خزانہ ہی تو نہیں بکھرا۔" اس کے لہجے میں جیسے ماضی کی کڑواہٹ گھل آئی۔ "یاد ہے نعیم تمہیں وہ لڑکی؟" اس نے بے اختیار پوچھ لیا۔ کسی ارادے کے بغیر اور لمحہ بھر کے لیے خود بھی خفیف سا ہو گیا۔

"لڑکی۔" نعیم کی آواز حیرت کے سمندر میں ہچکولے کھاتی ہوئی ابھری۔

"ہاں' لڑکی۔ جسے میں چاہتے ہوئے بھی نہیں بھلا سکا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اب تک اس جرم کے احساس سے نہیں نکل سکا۔"

"اوہ ہاں۔ اچھا اچھا۔ تم اس لڑکی کی تو بات نہیں کر رہے جسے میں نے تمہارے پروگرام کے تحت اغوا کیا تھا؟"

"کیا۔ کیا کہا۔" وہ لمحہ بھر بھونچکا رہ گیا۔ نعیم نے کمالِ اطمینان سے سارا جرم اس کے کھاتے میں ڈال دیا تھا۔

"بھئی میرا مطلب ہے ضیاء کے بجائے اس کی جس کزن کو اغوا کر لیا تھا اس کی بات کر رہے ہو نا؟"

نعیم کھسیا کر ہنس دیا پھر بولا۔

"اوہ یار۔ ایسی باتیں یاد رکھنے کی نہیں ہوتیں۔" نعیم کے لہجے میں ذرا بھی ملال کا رنگ نہ تھا بلکہ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "ضیاء سے میری کوئی ہفتہ بھر پہلے ہی ملاقات ہوئی تھی کم بخت خاصی خوش اخلاقی سے ملا اور کوئی گھنٹا بھر ہم باتیں کرتے رہے تھے۔ میں نے یونہی باتوں میں اس کے اغوا کا تذکرہ بھی کیا تو اس نے بتایا کہ وہ لڑکی اس کی کزن وزن نہیں تھی بلکہ قریبی رشتے دار کی یتیم بھتیجی تھی جو کراچی سے انہی لوگوں کے ساتھ شادی اٹینڈ کرنے آئی تھی۔ یہ بھی اچھا ہوا یار شاہ دل کہ وہ یتیم یسیر تھی ورنہ تو ہم پر مقدمہ تو ضرور ہوتا کچھ نہیں تو رسوا ہی ہو جاتے۔"

نعیم کی باتیں اس کے اعصاب کو بری طرح متاثر کر گئیں مگر نعیم اپنی اسی بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ادھر میرے باپ کے ہاتھوں چمڑی ادھڑ جاتی اور تمہارا ابھی تو بھرا خاندان ہے ناک ہی کٹ جاتی۔ چلو اللہ نے بچا لیا۔ ویسے ضیاء کی باتوں سے لگ رہا تھا اس لڑکی کے ساتھ اچھا خاصا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا مگر یار اس میں قصور ہمارا نہیں ہے ناں' چلو معمولی غلطی سمجھ لیں اور پھر ہم دو تو

نہیں چاہتے تھے نا جو لوگ سمجھ رہے ہیں یہ ہمارے لوگوں کے دماغ بھی بہت چھوٹے ہیں۔ بلاوجہ ہی رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہیں۔"

اس کا دل چاہا وہ نعیم کا گلا دبا دے۔ یہ غلطی نہیں ہے نعیم' جرم ہے جرم ہے جو ہم لوگوں سے سرزد ہو چکا ہے۔ ہم روح کے قاتل ہیں۔ اس نے کرب سے لبوں کو باہم پوری شدت سے بھینچ لیا۔ اس سے ایک لفظ نہ بولا جا رہا تھا۔

"شاید اس لڑکی کا نام زنیرہ تھا۔ خیر دفع کرو۔ مجھے تو اس کی شکل بھی یاد نہیں ہے۔ شاید کہیں ملاقات ہو تو پہچان لوں مگر ملاقات کیوں ہونے لگی' اس بے چاری کے لیے ہم سے ایک ملاقات ہی مہنگی پڑی تھی۔" وہ کہہ کر بھونڈے انداز میں ہنسنے لگا۔ "چلو پھر میں فیصل' جواد' وغیرہ سے بات کرتا ہوں اور جانے کا ٹائم اور دن سیٹ کرتا ہوں پھر تمہیں مطلع کرتا ہوں مگر یاد رکھنا انکار و نکار نہیں سنوں گا۔"

اور نعیم سے پہلے اس نے ریسیور رکھ دیا۔

نعیم کی بے حسی نے اس کے ذہن کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ یہ ساری باتیں سن کر اسے لگ رہا تھا کہ وہ سب پستی کی عمیق گہرائیوں میں اتر چکے ہیں جہاں ظلمتوں کی دل آزار تاریکی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کے اعصاب بری طرح شل ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

کاش...... کاش یہ زندگی ایک جست میں پیچھے کی سمت دوڑ سکتی تو وہ اپنی ندامتوں کا ازالہ کر لیتا۔ اس اضمحلال سے چھٹکارا پا لیتا جو آکٹوپس کی طرح اس کی زندگی سے چمٹ کر رہ گیا تھا۔

زنیرہ۔ یہ نام اس کے دل کی دیوار پر کئی بار ٹکرایا اور کربناک اداسی میں اضافہ کر گیا۔

اسے گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا' وہ باہر نکل آیا۔

بہار کے دنوں کا خمار ہر شے پر نکھر کر آیا تھا۔ پورا لان سرسبز ہو رہا تھا۔ مگر اسے کسی شے میں بھی تازگی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ نکھرے نکھرے سرخ گلاب بھی اسے افسردہ محسوس ہو رہے تھے۔ گیندے کے الوادعی پھول بھی جیسے اس کے دکھوں پر پتی پتی بکھر کر' گھاس پر زرد فرش بچھا رہے تھے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ بظاہر خوش باش نظر آنے والا شاہ دل حسن شاہ اندر سے اس قدر نڈھال ہے۔ ہاں بات تو ساری سوچ کی ہے۔ محسوس کرنے کی ہے۔

نعیم اس حادثے کو فراموش کیے ہوئے تھا۔ اس کی تو سوچوں میں بھی اس لڑکی کا تصور معدوم ہو چکا تھا۔

جواد رضا اس بات کو ہنسی کھیل سمجھ کر بھول بیٹھا تھا۔

ایک وہ تھا احساسِ جرم کے کرب سے نکل ہی نہ پایا تھا۔

جو خود اپنی عزت کو کانچ کی طرح سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں وہی بے عزتی اور رسوائی کے کرب کو محسوس کر سکتے ہیں۔

اسے نعیم کی بے حسی اور سنگ دلی پر رہ رہ کر دکھ ہو رہا تھا۔

اس نے بہت کوشش کی تھی کہ خیالات کا رخ بدل دے۔ سبز گھاس پر ٹہل ٹہل کر خود کو بہلانے کی کوشش کی کہ وہ بھی نعیم یا جواد رضا جیسا کیوں نہیں بن جاتا۔ ہر احساس سے عاری۔ زندگی کو صرف انجوائے کرنے والا۔

صبح کے ہنگاموں میں خود کو گم کر دینے والا۔

غنچوں کی چٹک اور خنک ہواؤں کو محسوس کرنے والا۔

خوش الحان پرندوں کی نغمہ سرائی میں مست ہو جانے والا۔

مگر...... وہ ایسا نہیں بن سکتا تھا‘ خاموشیاں‘ تنہائیاں اور وہی چہرہ۔ وہ چہرہ جو اپنی پاکیزگی کے احساس کے ساتھ اس کی روح میں نقش تھا وہ غم زدہ آنسوؤں سے لبریز نگاہیں۔

وہ کرب آلودہ چہرہ۔ وہ تھکا تھکا نڈھال وجود اور پھر دور بہت دور ہوتی سسکیاں اور اس کے بعد ہر طرف سناٹا۔

گہری اداسی۔

اور دل پر ٹپکنے والا احساس باقی رہ گیا۔

وہ بوگن ویلا کی باڑھ کے نیچے بنے سنگ مرمر کی بینچ پر بیٹھ گیا اور سر بینچ پر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

”ارے شاہ دل‘ تم یہاں ہو لو میں تو تمہارے اسٹڈی روم تک جھانک آئی۔“ سدرہ بھابی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”مجھے...... کیوں خیریت؟“ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

”کیا بات ہے۔ تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟“ بھابی قریب آئیں تو اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر تشویش سے بولیں۔ ”تم آج آفس سے جلدی آگئے تھے مگر لنچ ہمارے ساتھ نہیں کیا۔ ہمیں تو خبر بھی نہ تھی تمہارے گھر آجانے کی۔“

”یعنی میری موجودگی سے آپ سب لوگ لاعلم رہے تو یہ قصور تو آپ لوگوں کا ہوا نا۔“ وہ بے مقصد مسکرا کر خود کو فریش ظاہر کرنا چاہ رہا تھا۔ ”رہا لنچ‘ تو میں ہوٹل میں کر لیا تھا دوستوں کے ساتھ۔“ اس نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ کسی طرح بھی خود کو متفکر و پریشان ظاہر

نہیں کرنا چاہتا تھا اور پھر اس گھر میں اس نے اپنی عزت اپنا وقار سنبھال سنبھال کر رکھا تھا۔ وہ کیسے ایک چھناکے سے زمین بوس کر دیتا۔ اپنی نظروں میں تو وہ اس روز سے گر چکا تھا مگر ان سب اپنوں‘ پیاروں کی نظروں میں گرنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

”یہ بتائیے۔ آپ مجھے کیوں ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔“

”بس ایک کام پڑ گیا ہے تم سے اور تم ہی کر سکتے ہو۔ غالب اور تیمور نے تو موڈ غارت کر کے رکھ دیا۔ اللہ غالب جیسا دیور تو کسی کو نہ دے۔ بندے کو زچ کر کے رکھ دیتا ہے۔“

”سبحان اللہ کیا کہنے۔ دھوتی رہیے میرے گناہ۔ خدا ایسی بھابی بھی کسی کو نہ دے جو معصوم اور بے ضرر دیور کی برائیاں کرتی پھرے پیٹھ پیچھے۔“ غالب کہاں سے بوتل کے جن کی طرح نمودار ہو گیا۔ بھابی اچھل کر رہ گئیں۔

”لو میں کیوں پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے لگی تمہاری۔ کیا شاہ دل نہیں جانتا تمہیں۔ کیوں شاہ دل؟“

”جی بالکل۔“ اس نے سر اثبات میں ہلا کر بھابی کو خوش کر دیا۔

”ارے رہنے دو۔“ غالب منہ بنا کر قریب آگیا۔

”اب تم میری جان بخش دو۔ ایک کام تو تم سے ہوتا نہیں ہے میرا۔ لو‘ شاہ دل ایک ٹیچر کے لیے اشتہار لکھ دو۔“ انہوں نے قلم اور کاپی اس کو تھما دی۔

”ہیں...... مگر مجھے تو اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے میرا مطلب ہے کہ......“ وہ اچھا خاصا پریشان نظر آنے لگا۔

”اس میں اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے ڈیئر عم زاد۔ تمہیں کوئی ٹیچر گلی گلی محلہ محلہ ڈھونڈنے کو تو نہیں کہا جا رہا ہے۔“ غالب اس کے چہرے پر پریشانی ہویدا دیکھ کر خاصا محظوظ ہوا۔

”ہاں‘ اس کام کے لیے تو تم ہی بہترین ہو۔“ اس نے بھی ادھار نہیں رکھا۔

”مگر لکھنا کیا ہے؟“

”لو۔ اب یہ بھی میں ہی بتاؤں۔“

”لکھ دو کہ کوڑھ مغزوں کے لیے ذرا کم کوڑھ مغز ٹیوٹر کی ضرورت ہے۔“

”غالب...... غالب! تم...... پیچھا نہیں چھوڑو گے۔“ بھابی سخت عاجز آگئیں مگر وہ ذرا بھی ٹس سے مس ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

”ویسے شاہ دل۔ یہ ہماری بھابی صاحبہ کے دماغ کے کچھ اسکرو ڈھیلے ہیں۔ اب انہیں ایسی ٹیچر چاہیے جس میں ساتوں آسمان اور زمین کی ساری خوبیاں موجود ہوں بلکہ آٹھ سیاروں کی

بھی۔ اب تم ہی بتاؤ۔ کبھی عورتوں میں بھی اتنی ساری خوبیاں ایک ساتھ ہو سکتی ہیں؟" وہ کمال اطمینان سے بھابی کا اطمینان پارہ پارہ کر رہا تھا۔ ان کا دل چاہا کہ وہ قریب رکھا گملا اٹھا کر اس کے دے ہی ماریں۔

"تم اس کی باتوں پر دھیان مت دو۔ اسے تو فضول بکنے کی عادت ہے۔ تم لکھ دو کہ ایک ذہین ٹیوٹر کی ضرورت ہے۔"

"جو بچے کے ساتھ بچے کے باپ کو بھی پٹی پڑھا سکے۔" بقیہ جملہ پھر غالب نے ہی پورا کیا تھا اور حفظِ ماتقدم دور جا کھڑا ہوا اس لیے کہ بھابی نے اب کے چھوٹا گملا ہاتھوں میں اٹھا ہی لیا تھا۔

شاہ دل کو بھابی کی حالت پر رحم آ ہی گیا تھا۔ اس نے مختصر لفظوں میں ان کی خواہش کے مطابق اشتہار لکھ کر انہیں دے دیا بھابی نے جھٹ سے گملا رکھ کر کاپی تھام لی۔ تب غالب بھی کھسک کر قریب آ گیا۔

"دفع ہو تم یہاں سے۔" انہوں نے گھور کر اسے دیکھا اور کاپی بند کر دی اور اس سے پہلے کہ غالب ان کے ہاتھ سے کاپی اچکنے کی کوشش کرتا پورچ میں گاڑی رکی اور تائی ماں، نیلی کی ہمراہ دھم دھم کرتیں لان میں داخل ہوئیں۔

سفید چادر سے سرخ انگارا چہرہ جھانک رہا تھا، سخت طیش کے عالم میں تھیں۔ بھابی بھاگ کر ان کے قریب پہنچیں۔

"یہ آپ دونوں اچانک کہاں چلی گئی تھیں؟"

"جہنم میں۔" تائی ماں کی آواز میں جہاں بھر کی جھنجلاہٹ تھی۔ شاہ دل اور غالب بھی ان کے قریب آ چکے تھے۔

"اکیلے اکیلے چلی گئیں انہیں بھی ساتھ لے جاتیں۔" غالب نے بھابی کی طرف اشارہ کیا تو بھابی اسے گھور کر رہ گئیں۔

"ارے صباحت کے ہاں گئی تھی۔ سائرہ کے رشتے کے لیے۔"

"کیا؟" جہاں بھابی کو حیرت کا جھٹکا لگا وہاں غالب اور شاہ دل بھی بھونچکا رہ گئے۔

اسی اثنا میں نیلی اور عدیل بھی قریب آ چکے تھے۔ نیلی نے اداس نگاہوں سے سب کو دیکھا اور پھر سسکیاں دباتی اندر بھاگ گئی۔

"ارے سمجھتی کیا ہے صباحت کی ساس۔ جیسے ہمارے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی ہے؟ ارے ایک چھوڑ ہزار مل جائیں گی اور یہ تو سائرہ کی محبت میں چلی گئی تھی میں۔ اے میں کہتی ہوں صباحت اتنی کم ہمت، بزدل نہ ہوتی تو آج مجھے اس کی چوکھٹ سے خالی ہاتھ کیوں لوٹنا پڑتا مگر

میرا نام بھی جہاں آرا ہے، مظفر میاں اور اس کی زبان دراز ماں کو اقرار کرتے نہ بنا تو میرا نام بدل دینا تم لوگ۔" تائی ماں دھواں دھار گرجتی برستی اندر چلی گئیں ان کے پیچھے بھابی لپکیں۔

شاہ دل کا ہاتھ آہستگی سے غالب کے شانے پر ٹک گیا۔

"تائی ماں کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" اس کا لہجہ متفکرانہ تھا اور جواباً غالب نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کر دی اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

ایسے حالات کبھی پیدا ہو جائیں گے اس کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ در حقیقت ظفر عباس کی یہ دوستانہ مسکراہٹ اسے بڑی مہنگی پڑی تھی وہ تو اس کے چہرے کے بگڑے زاویوں کو دوبارہ درست حالت میں دیکھ کر اور خوشگوار مسکراہٹ کو دیکھ کر کس قدر ہلکی پھلکی ہو گئی تھی کہ ظفر عباس کی نئی پیش کش نے اس کے اوسان خطا کر دیے بلکہ ساری خوش فہمی بھی دھری کی دھری رہ گئی۔

اسے لگا جیسے کوئی طوفان اٹھا ہو اور سب کچھ بہا کر لے گیا ہو۔

اس کی خوشیاں۔

وہ ساری خوش فہمیاں۔

وہ ساری توانائیاں جو زندگی کا نیا رس گھول رہی تھیں۔

وہ سارے جذبے جو زندگی کی طرف اسے لا رہے تھے۔

کوئی یوں بھی مرتا ہے زنیرہ علی خان کہ جنازہ بھی نہیں اٹھتا اور آہ بکا بھی نہیں ہوتی۔

"مائی فٹ۔" اس نے پیپرویٹ کو اٹھا کر دوبارہ اسی جگہ پٹخ دیا۔ اس سے تو بہتر تھا ظفر عباس کا موڈ بدستور خراب ہی رہتا۔ اس نے بے بسی اور بے چارگی کے ساتھ ان بند شیشوں کو دیکھا جس پر پردہ ہنوز لٹک رہا تھا۔

لگتا ہے ایسا ہی ایک دبیز پردہ ظفر عباس کی عقل پر بھی پڑ گیا ہے۔

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ بات ظفر عباس کو اپنے آفس کے کام سے خوش کرنے کی ہوتی تو وہ پوری محنت صرف کر دیتی۔ چھٹی کے بعد بھی کام کرتی رہتی۔ ساری صلاحیتوں کو بروئے کار لے آتی مگر بظاہر مہذب، باوقار نظر آنے ظفر عباس کی خوشیاں حاصل کرنے کی اپروچ بہت پست اور گھٹیا تھی۔

تیز پرفیوم کی مہک کچھ دیر تک تو بدن کی بدبو چھپا سکتی تھی مگر زیادہ دیر نہیں اور ظفر عباس کی شائستگی کی مہک بھی ہولے ہولے مدھم ہو رہی تھی اور ان کے وجود کی بساند آہستہ آہستہ اٹھ

رہی تھی۔
اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسے قصوروار ٹھہرائے۔
ملک ظفر عباس کو یا اپنی تقدیر کو۔
یا اپنی اس فطرت کو جو ظفر عباس کے لیے ایسی خوشیوں کی محفل نہیں سجا سکتی تھی۔
ایسی رنگیلی خواہش کا دم نہیں بھر سکتی تھی۔
اس نے تو کبھی احمر کے ہم راہ بھی کہیں کا رخ نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ شام کی چائے بھی تنہا
کے ساتھ آنگن میں نہیں پی تھی۔
وہ سر پکڑ کر دوبارہ کرسی پر ڈھے گئی۔
یہ کہاں پھنسوا دیا شہلا تم نے۔ اس نے زور سے آنکھیں موند لیں۔ میرے مقدر میں
خوشی ہے ہی نہیں۔ کبھی ملی بھی ہے تو اتنے قلیل عرصے کے لیے جیسے بند آنکھوں کے آ
رو پہلا سپنا اور آنکھیں کھلتے ہی ہر سو نا آسودگی۔ دھنک رنگ جانے کس کنارے رہ جاتے
سوری شہلا۔ میں ظفر عباس کو اس طرح خوش نہیں رکھ سکتی۔ اس نے پوری طاقت
ٹائپ رائٹر پر انگلیاں مارنی شروع کر دیں۔ اس کا دل ایک دکھ کی گہری اتھاہ میں ڈوبتا چلا جا
وہ اب آنے والے لمحوں کا نہیں سوچ رہی تھی بلکہ فکر تو اسے صرف اور صرف ا
سے ہاتھ دھونے کی تھی۔ اب پھر وہی لمبی سڑکیں ہوں گی اور اس کے خاک چھانتے قدم۔
پھر وہی نا آسودگی کا جال۔
اور شہلا نواز پر بوجھ ہونے کا دل آزار احساس۔
ظاہر ہے۔ اب اسے کسی خوش فہمی کا شکار تو ہونا نہیں چاہیے تھا۔ بھلا ملک ظفر
ایک ادنیٰ سی ملازمہ کی مطلق العنانی کیونکر برداشت کر لے گا۔ ایک چھوڑ ہزار مل جا
اسے۔ اس جیسی بلکہ اس سے بھی اچھی۔
وہ سخت کبیدہ ہو رہی تھی۔ اس کی سوچ کی لہروں میں دکھ گردش کرنے لگا۔
"ہیلو نائس لیڈی!" جدید فیشن کی تراش خراش کے لباس میں ملبوس ایک لڑکا
سامنے آ کھڑا ہوا اور ڈھیر سارے کاغذوں کا پلندہ اس کی میز پر دھپ سے رکھ دیا۔
"ظفر صاحب کا حکم ہے انہیں آج کی تاریخ میں ہی ٹائپ کیا جائے۔ ہاں مگر نہایت
کے ساتھ۔ بہت اہم کاغذات ہیں۔" اس کے لبوں پر بڑی گہری مسکراہٹ کھیل رہی تھی
نے سر اٹھا کر سرسری نظر اس ماڈل پر ڈالی اور دوبارہ سر جھکا کر کاغذات کو دیکھنے لگی جو بہ

کے بہت اہم تھے مگر اتنے سارے اور آج ہی کرنے تھے۔
"کیا یہ سارے آج ہی ضروری ہیں میرا مطلب ہے کہ۔" اس نے سر اٹھا کر اس سے پوچھا
جو اسے ہی بغور تک رہا تھا۔ اس کی بات پر مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کرنے لگا۔
"آف کورس۔"
"آ۔ اچھا" بے بسی سے لب دبا کر کاغذات کو ایک فائل میں ترتیب وار لگانے لگی۔
"کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟" میز پر ہتھیلیاں ٹکا کر نہایت شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔
"نہیں شکریہ۔" اس نے بھی جواباً اسی شائستگی سے انکار کر دیا۔
"ویسے یہ زیادتی ہے اتنے خوبصورت موسم میں ظفر صاحب کو اتنا کام آپ کو نہیں دینا
چاہیے تھا۔"
"جی۔ جی؟" وہ قطعی نہ سمجھ سکی تھی۔
"اب دیکھیں نا۔ آج موسم کتنا زبردست ہو رہا ہے اور شام تک اس بند کمرے میں بیٹھے
رہنا زیادتی ہی ہے نا۔"
اس کی بات پر بے ساختہ اس کی نگاہیں اس کھلے دریچے سے ٹکرائیں جہاں سے ٹھنڈی
ہواؤں کے معطر جھونکے آ رہے تھے مگر دوسرے لمحے اس نے سر جھٹک دیا۔ اس کے لیے
سارے موسم ہی اب ایک جیسے ہو کر رہ گئے تھے۔
اجاڑ۔
خزاں رسیدہ۔
جس میں صرف پتے گرتے ہیں۔
زرد، خشک اور بیمار پتے۔
جس میں ہری بھری سبز شاخیں ٹنڈ منڈ ہو کر بڑی ہو جاتی ہیں۔
جیسے کبھی ان پر بہار نے اپنا آنچل لہرایا ہی نہ ہو۔
"مس زنیرہ علی خان۔ آپ کا دل نہیں چاہتا کہ ایسے موسم کو کسی خوب صورت پارک میں
انجوائے کیا جائے۔"
وہ چپ رہی۔
"میرا تو بڑا دل چاہتا ہے کہ کسی خوبصورت ساتھی کے ہمراہ دور تک واک کرتے جائیں اور
ساتھ ساتھ خوب صورت باتیں ہوں، آئس کریم کا کپ ہو پھر کسی شاندار سے کیفے میں بیٹھ کر
بھاپ اڑاتی کافی اور اسنیک کے مزے لوٹے جائیں۔" وہ اس کی میز کے قریب جھکا۔ "کیا ایسی

کوئی خواہش آپ کے اندر کروٹ نہیں لے رہی ہے۔"

"جی نہیں۔" باوجود کوشش کے وہ لہجے کی تلخی نہ چھپا سکی مگر وہ بھی ڈھیٹ قسم کا تھا۔

"لیکن میرے دل میں تو لے رہی ہیں۔ کیا آپ کی آج کی شام میرے نام نہیں ہو سکتی" بہکے بہکے لہجے میں وہ اسے سالم نگل رہا تھا اور زنیرہ علی خان کو لگا جیسے کسی نے اسے یکدم سارے شعلوں میں دھکیل دیا ہو۔

اس کے اندر غصے کی ایک تیز لہر اٹھی۔

مگر وہاں تو ایک شوق کا عالم تھا۔

نہ شرم، نہ جھجک، نہ احترام۔

وہ کھول کر رہ گئی۔

"مسٹر۔ آپ شاید غلط جگہ ٹرائی کر رہے ہیں۔" اس کا لہجہ زہر آلود تھا۔

"اوہ!" وہ سیدھا ہو گیا اور قدرے کھسیا کر ہنسنے لگا۔ "میں نے تو ایک دوستانہ پیش کش کی تھی، ایزیو وش۔" اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ واقعی اس نے غلط ٹرائی کی ہے۔

زنیرہ علی خان کا دل چاہا کہ اسے کس کس کر اتنے طمانچے مارے کہ شکل بدل جائے بلکہ عباس کے حصے کا غصہ بھی اس پر نکال ڈالے۔ وہ کوئی کال گرل تھی کہ جس کا دل چاہے اسے یا چائے کی آفر کرتا پھرے۔

"تم مرد سمجھتے ہو کہ عورت کے قدم باہر صرف تم مردوں کو تفریح دینے کے لیے ہی ہیں۔ آئی سے گیٹ آؤٹ اور آئندہ سوچ سمجھ کر اس کمرے میں قدم رکھنا۔" وہ پوری قوت دہاڑی تو وہ تیزی سے باہر نکل بھاگا۔

"مائی گاڈ" وہ کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر غصے سے مٹھیاں بھینچنے لگی۔ اسے اپنا دماغ کھولتا آتش فشاں محسوس ہونے لگا کہ جیسے ابھی پھٹ جائے گا۔ کس قدر بے بس اور لاچار کر کے دیا حالات نے اسے۔ اپنی بے بسی اور بے اختیاری پر اسے رہ رہ کر رونا آ رہا تھا پھر اچانک وہ خود کو سمیٹنے لگی۔

اس بھری دھوپ میں نکلی ہی ہوں تو خود، اپنا سائبان بننا ہو گا۔ اپنے ہی آنسوؤں میں بہہ تو وقت اس کے اس تند سیلاب میں خود کو کیسے بچا پاؤں گی۔

ساحل پر پہنچنے کے لیے تند موجوں کا مقابلہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔

اس نے اپنی سوچوں میں زندگی کا نیا رس بھرنا چاہا اور پھر اچانک ٹائپ کرنے والے کاغذ

پر نگاہ پڑی تو جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی۔

وہ جس ادارے میں کام کرتی تھی، وہاں ایسے نمونوں سے ٹکراؤ ناگزیر ہی تھا۔ ہر آنے والی نگاہ میں نجانے کب کی پیاس بسی ہوتی۔ لبوں پر مکروہ اور ہوس زدہ مسکراہٹ مگر اسے کبھی ان آنے جانے والوں سے غرض نہ تھی۔ اسے غرض تھی تو صرف اپنی نوکری سے اور ہر ماہ ملنے والی تنخواہ سے۔

اس کی انگلیاں تیزی سے ٹائپ رائٹر پر چل رہی تھیں۔

بشیر گرم گرم چائے اس کی میز پر رکھ گیا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

بھاپ اڑاتی چائے کا مزہ تو یہاں بھی لوٹا جا سکتا ہے۔ اس نے شدید طلب محسوس کرتے ہوئے چائے کا مگ لبوں سے لگا لیا۔

"ہائے زین۔ لگتا ہے رات بھر کا کام مل گیا ہے تمہیں۔" نیلوفر اٹھلاتی ہوئی اس کی میز تک آئی تو زنیرہ علی نے چونک کر وال کلاک کو دیکھا اور حیران رہ گئی۔ کس تیزی سے وقت گزرا تھا۔ اسے احساس ہی نہ ہوا تھا۔

"کیا ٹائپ کیے جا رہی ہو مسلسل۔" وہ اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور ٹائپ رائٹر میں پھنسے کاغذ پر نظر ڈالی پھر "اوں" کر کے منہ بنانے لگی۔

"چھوڑو کوئی خاص تو نہیں لگتے کل کر لینا۔"

"نہیں، آج ہی کرنے ہیں، ضروری ہیں۔" وہ پھر کام میں لگ گئی اور نیلوفر پرس سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر چہرہ دیکھنے لگی پھر مطمئن ہو کر آئینے کو پرس میں ڈال کر بولی۔

"یہ ملک صاحب تم پر مہربان رہتے رہتے اچانک نامہربان کیسے ہو گئے؟"

وہ غیر محسوس طریقے سے چونک گئی مگر زیادہ دیر نہیں۔ بے پروائی سے شانے اچکا دیے۔

"اس میں مہربان، نامہربان کی کیا بات ہے ظاہر ہے جس دن کام زیادہ ہو مجھے ہی کرنا ہو گا اور نہ ہو تو فراغت مل جاتی ہے۔" اس نے رسانیت سے کہتے ہوئے بات ختم کر دی۔

"سچ کہوں زنیرہ ڈیئر۔ یہ ظفر صاحب ہیں نا۔ تمہیں اپنے کسی تازہ ایڈ میں ماڈل کے طور پر لینے کے چکر میں ہیں شاید۔ مگر۔" وہ بولتے بولتے رک گئی اور مسکرانے لگی۔

"مگر۔" اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"مگر یہ کہ تم میں ماڈلوں والی بات بھی تو نہیں ہے نا۔ صرف خوب صورتی تو کام نہیں آتی۔" وہ معنی خیز تبسم لٹانے لگی۔ "عابد کہتا ہے زنیرہ علی خان تو پتھر ہے پتھر۔"

وہ اس آفس میں کام کرنے والے لڑکے عابد کا حوالہ دیتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہی کہتا

ہے۔"

"اب تم خود سوچو۔ ایسے ادارے میں ایسا روڈ روبہ ترقی کے چانسز ختم کر دیتا ہے ڈیئر آگے ہی آگے ستاروں کو چھونے کی خواہش میں کیا بن جاتا ہے اور تم مٹی کا مادھو بنی بیٹھی حالانکہ تم پر ظفر صاحب کی نظرِ کرم بھی ٹھیک ٹھاک ہے میری مانو تو۔"

"نیلو فر ریحان!" میں نے ستاروں کو چھونے والی خواہش نہیں پال رکھی۔ میں اپنے مٹی پر ہی مضبوط رکھنا چاہتی ہوں کہ اس میں تحفظ ہے' عافیت ہے۔"

اس کا لہجہ قطعی تھا۔ نیلو فر چپ سی ہو گئی۔

"میرے خیال سے مجھے چلنا چاہیے۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کچھ نہ بولی۔

"ویسے عابد ٹھیک ہی کہتا ہے۔ سچ زنیرہ علی خان اگر میں تمہاری جتنی حسین ہوتی اور اس بے ہوتی تو یقیناً کوئی لمبا ہاتھ مار ہی لیتی۔ او۔ کے بائے۔" وہ پرس جھلاتی ہوئی چلی گئی۔ اونہہ۔ کہا تم نے نیلو فر۔ یہاں بیچ چوراہے پر خود کو بیچنا کون سا مشکل ہے۔ اصل مشقت تو عزت اور عزت سنبھالنے میں ہے۔ ایک بلوریں گلدان بڑی محنت سے تیار ہوتا ہے مگر اسے تو کوئی سکتا ہے بے حد آسانی سے۔

وہ تاسف سے سوچ کر رہ گئی اور پھر اپنے کام میں لگ گئی اور چونکی اس وقت جب ظفر کی مانوس چاپ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

○☆○

ملک ظفر عباس اس کے بالکل سامنے کی میز کے قریب رک گیا تھا اور وہ سر اٹھا ساتھ ہی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"بس یہ دو لیٹر رہتے ہیں سر۔" اس نے جلدی سے نیا کاغذ ٹائپ رائٹر میں پھنسایا۔

"یہ سب آج ہی ضروری نہیں تھے کل کی تاریخ میں بھی ہو سکتے ہیں۔" ظفر عباس مسکرا اٹھے۔

"جی۔" اس نے حیرت سے سر اٹھایا یہی تو حکم ملا تھا کہ یہ سارے آج کی ہی تاریخ میں کرنے تھے۔

"ٹائم دیکھو ذرا۔" انہوں نے اس کی توجہ وال کلاک کی طرف مبذول کرائی تو وہ چونک گئی اور پھر بے ساختہ کھڑکی کے پار دیکھا۔ پوری راہداری بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔

"مائی گاڈ۔ اتنا وقت ہو گیا۔" وہ جلدی جلدی کاغذات سمیٹنے لگی۔ ہر چیز بکھری ہوئی کے منتشر ذہن کی طرح۔

اونہہ! جب اتنے ضروری نہیں تھے تو کہلوا دیا ہوتا اسے ظفر عباس کی عقل پر غصہ آ گیا۔ دل الگ ہول رہا تھا راہداری کے ویرانے سے۔

"وقت گزرنے کا احساس دلانے کا یہ مطلب نہیں کہ تم پریشان ہو جاؤ بھئی! میں تو اپنے کمرے میں منتظر ہی رہا کہ تم خود آؤ گی اور مجھے یاد دلاؤ گی کہ ہمیں...." وہ مسکرانے لگا "چلیں پیاسے کو ہی کنویں کے پاس آنا پڑتا ہے۔" وہ ایک لمبی سانس بھر کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اس کے تیزی سے حرکت کرتے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ اس نے اپنے دل کو یک بیک خوف کی دلدلی زمین میں دھنستا ہوا محسوس کیا مگر بظاہر خود کو سنبھالتے ہوئے' سر اٹھا کر اس پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس نے لمحہ بھر میں اپنے آپ کو آنے والے لمحات کے لیے تیار کر لیا۔

جب فیصلہ کر ہی چکی تھی اور ذہنی طور پر اس نوکری کو خیرباد کہنے کے لیے تیار ہو چکی تھی تو پھر یقیناً اسے دیر نہیں کرنی چاہیے۔

"ظفر صاحب!" اس کی آواز دھیمی مگر قدرے مضبوط تھی۔ "میں یہ سب کچھ افورڈ نہیں کر سکتی۔"

اس نے بالآخر ایک مرحلہ سر کر ہی لیا اور وہ شخص یوں کرسی سے کھڑا ہوا جیسے کرسی میں لگے اسپرنگ نے اس کا بوجھ برداشت نہ کر کے اوپر اچھال دیا ہو۔

"میں سمجھا نہیں۔" وہ اب قدرے سنبھل کر بولا۔ حالانکہ ظفر عباس جیسا شاطر شخص اتنا ناسمجھ ہرگز نہیں تھا کہ لہجوں کا رنگ نہ پہچان سکے۔

"پے منٹ میں کروں گا۔ تم اس لیے ڈر گئی ہو۔" وہ مسکرا دیا اور زنیرہ علی خان کی پیشانی ننھے ننھے قطروں سے چمک اٹھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسے ظفر عباس جیسے شخص کو بھی سمجھانے کے لیے اتنی وضاحتیں کرنا پڑیں گی۔

یہاں آنے والی عورتوں کے ایک ایک اشاروں کو سمجھنے والا ظفر عباس اس کا واضح انکار نہ سمجھ سکا تھا یا۔ بہرحال اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میری طرف سے معذرت قبول کریں۔ مجھے ہوٹلنگ کا قطعی شوق نہیں ہے۔ نہ اس طرح کی کوئی خواہش میں کسی کی پوری کر سکتی ہوں۔"

اس کا اعتماد آہستہ آہستہ بحال ہو رہا تھا مگر ظفر عباس کا چہرہ پل بھر میں رنگ بدل گیا تھا۔

"وجہ پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں؟" وہ اس کی میز کی سطح پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکا۔ بھینچے لب اور تنے تنے چہرے کے ساتھ۔ زنیرہ علی خان کی روح تک میں کپکپاہٹ دوڑ گئی۔ ظفر عباس کے لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ یکسر غائب ہو چکی تھی۔

"شاید نیلوفر یا شہلا نواز جیسی بولڈ نہیں ہوں۔" اس نے سانس خارج کیا اور اپنا پرس میں بھرنے لگی۔

"خوب۔ تو کیا خود کو بہت پاکباز تصور کرتی ہو۔" اس کی ہنسی بے استہزائیہ اند دم بخود رہ گئی۔

ایسا لہجہ ظفر عباس نے کبھی اپنایا نہیں تھا۔

"نہیں میں اس کا دعویٰ تو نہیں کرتی۔" اس نے پرس اٹھا کر کندھے پر لٹکا لیا۔ بہر اسے یہ نوکری چھوڑنی تھی یا نوکری اس کو چھوڑنے والی تھی تو وہ اپنی پوزیشن کیوں نہ لے۔

"سوری ظفر صاحب! میں اپنی نظروں میں گر کر بے موت مرنا نہیں چاہتی میں اپنے کو اپنے نفس کی خواہشوں پر نہیں چلا سکتی کہ ایک بار اگر نفس کے غلام بن گئے تو پھر آ منزل نہیں سوائے پستی کے، دل دوز تاریکی نا ختم ہونے والے ہولناک سناٹے کے۔" ا ساری چابیاں ظفر عباس کے سامنے رکھ دیں۔

یقیناً کوئی شخص اتنا باظرف نہیں ہو سکتا کہ اپنی ادنیٰ سی ملازمہ کی گستاخیاں برداشت ک آئی ایم ویری سوری میرا ضمیر یہ سب کچھ گوارا نہیں کر سکتا۔" اس نے جیسے ایک الوا ظفر عباس پر ڈالی تھی اور دروازے کی طرف قدم اٹھا دیئے مگر اس کا بازو ظفر عباس کے ہا آہنی شکنجے میں آ گیا۔

"خوب بہت خوب! زنیرہ علی خان۔ گھر سے ماں باپ کی عزت کو روند کر آشنا کے بھاگنے والی لڑکی کا ضمیر اس وقت کہاں جا سویا تھا۔ کسی نامحرم کے ساتھ قدم سے قدم ملا وقت خود اپنی نظروں میں گرنے کا خیال کیوں نہ آیا۔"

اور اسے لگا جیسے کسی نے اسے بہت اونچائی سے یکدم سخت اور پتھریلی زمین پر لا تڑپ کر رہ گئی۔

"آ...... آپ۔" اس کے ہونٹ یکبارگی کانپ کر کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ ایک کے عالم میں ظفر عباس کو دیکھتی رہ گئی۔ اسے اپنی سماعتوں پر اعتبار نہ آ رہا تھا پھر اس شخص اس کے سامنے کھڑا کبھی اس کے لیے ایک مہربان سایہ دار درخت کی مانند بظاہر بااخ مہذب نظر آتا تھا۔

"ایک آوارہ اور بدچلن گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کا پارسائی کا دعویٰ کرنا تو کیا خود اپنی میں کبھی وہ مقام بھی نہیں دے سکتی۔ زنیرہ علی خان تم کوئی پہلی لڑکی نہیں ہو جس نے اپنے

"شٹ یور ماؤتھ۔" اس کا خون رگوں میں ابلنے لگا۔ وہ شدت کرب سے چیخ اٹھی۔ ظفر عباس کے لفظوں کی کاٹ اس قدر شدید تھی کہ وہ زخمی شیرنی کی طرح تڑپ اٹھی۔

"میں اپنی ذات کے بارے میں ایسے گھٹیا اور رکیک جملے برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر شہلا نے میرے ماضی کے کچھ اوراق تمہارے سامنے کھول دیئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم جیسا شخص اس پر اپنی رائے کی سیاہی بکھیرنے کی کوشش کرے۔"

اس نے پوری طاقت آزما کر اپنا بازو اس کے شکنجے سے آزاد کرانے کی کوشش کی مگر گرفت بے حد مضبوط تھی۔ ظفر عباس اس لمحے کسی بھیڑیے کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا مگر وہ کسی بھی لمحے خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"چھوڑو مجھے..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارے اس بظاہر شریفانہ سراپا کے اندر ایک شیطان چھپا بیٹھا ہوا ہے۔" اس نے انتہائی نفرت سے ظفر عباس کو دیکھا مگر دوسرے ہی لمحے اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ اسے اپنا سارا وجود زلزلے کی لپیٹ میں آیا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ظفر عباس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی اور لبوں پر ایک ہوس زدہ مسکراہٹ۔

"تم اپنے تئیں مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کرتی رہیں۔ یہ پارسائی کا ڈھونگ چار دیواری میں ہی بچ سکتا ہے اور پھر ان اداروں میں آنے والی تم جیسی پارسا بھی پاک دامن نہیں رہ سکتیں۔ ظفر عباس بلاغرض کسی پر مہربان نہیں ہوتا اور تم جیسی دو ٹکے کی لڑکیاں تو میرے لیے سگریٹ کے ان ٹوٹوں کے مانند ہیں جس کا بس ایک کش لگا کر پیروں تلے روند دیا جاتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اسے جھٹکے کے ساتھ دیوار پر دے مارا۔

زنیرہ علی خان کے وجود پر ایسا سناٹا چھا گیا تھا مگر یہ کیفیت بس لمحہ بھر قائم رہی دوسرے ہی لمحے اس کی نبرد آزمائی اور مزاحمت کی فطری طاقت عود کر آئی اور وہ اتنی آسانی سے خود کو ظفر عباس جیسے بھیڑیے کا نوالہ نہیں بنا سکتی تھی۔ وہ اس کے لیے سگریٹ کا ٹوٹا ہرگز نہیں بن سکتی تھی۔ اس نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو اپنی جانب ناپاک ارادوں سے آتا دیکھ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ ٹیبل سے پیپر ویٹ اٹھا لیا اور لمحہ بھر کی تاخیر بغیر ظفر عباس کے سر کا نشانہ لے کر دے مارا اور پھر ردعمل کے طور پر اس کی مکروہ چیخ سنتے ہی دروازے کی طرف بھاگی۔

"کھٹ کھٹ کھٹ۔" خاموش راہداری میں اس کے سینڈل کی آواز خود اس کے اپنے حواسوں پر ہتھوڑے کے مانند لگ رہی تھی۔

"فیاض، کرم داد، پکڑو اس لڑکی کو۔ بھاگنے نہ پائے۔" ظفر عباس کی آواز کی گونج راہداری میں اس کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل گئی اس کے ساتھ ہی اس کے قدموں میں تیزی

آ گئی۔ اس نے بھاری قدموں کو اپنے پیچھے بھاگتے محسوس کیا تھا مگر وہ جیتی ہوئی بازی ہارنا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ زندگی میں پہلی بار وہ اتنی اسپیڈ کام کر رہی تھی۔

پر رونق سڑک پر آ کر اس کے قدموں کی رفتار ڈھیلی پڑی اور وہ ایک درخت کے تنے لگ کر اپنی بے حال دھڑکنوں کو معمول پر لانے لگی مگر ابھی وہ خود کو محفوظ نہیں سمجھ سکتی کسی بھی لمحے ظفر عباس کی سفید گاڑی اس کے لیے خطرہ بن سکتی تھی اور وہ اس کا کوئی ر لینے کو تیار نہیں تھی۔

اس نے قریب سے گزرے خالی رکشہ کو ہاتھ دے کر روکا اور بے ترتیب سانسوں بکھرے حواسوں سمیت دھپ سے جا بیٹھی۔ ایڈریس بتا کر وہ رکشہ والے کی توجہ اپنی ط سے ہٹائی اور ڈھلکتے دوپٹے کو کھینچ کر سر پر ڈال دیا یوں کہ آدھا چہرہ بھی چھپ گیا۔

رکشہ اس کی گلی کے کنارے پر رک گیا۔ کچرے اور گندے پانی کے باعث رکشہ نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے پرس سے دس دس کے دو نوٹ نکال کر رکشہ والے کو تھما دیے او پیسے واپس لیے بغیر نیچے اتر کر گلی میں بھاگ لی۔

اس کے حواس اب تک معطل تھے۔

شمشاد بیگم کی خستہ حال عمارت کے بوسیدہ گیٹ کے سامنے رک کر اس نے ایک سانس کھینچی۔

کتنے ہی لوگوں کی نگاہ میں یہ گھر نہ تھا محض مرغی خانہ، کبوتر خانہ جیسا ہی تھا مگر اسے یہ بو عمارت ایک سایہ دار شجر کی مانند محسوس ہو رہی تھی جس کے شاخوں سے ایک شاخ اس لیے اس جھلستی دھوپ میں سایہ بنی ہوئی تھی۔

وہ لان کے کنارے کیاری کے پاس بیٹھی شمشاد بیگم سے نظریں بچا کر سیڑھیاں پھلا گئی۔ کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرتے ہی اس کی وحشت زدہ آنکھوں سے آنسو روانی بہہ نکلے۔ سارے راستے خود کو مضبوطی سے سنبھالے ہوئے تھی، یہاں پہنچ کر ریت کی دیوا طرح بیٹھتی چلی گئی۔ سسکیاں حلق سے ابل پڑیں اور وہ پرس ایک طرف پھینک کر صوف کر زار زار رونے لگی۔

وہ سارے آنسو بہانے لگی جو اس کی رگوں میں انگارے بن گئے تھے رواں رواں ابھی کانپ رہا تھا۔

ملک ظفر عباس کے اس گھناؤنے اقدام کی وحشت نے سوچنے سمجھنے کی ساری صلا

مفقود کر دی تھیں۔ بس ایک اذیت تھی جو لہو کے ساتھ ساتھ رگوں میں دوڑ رہی تھی۔ اپنی اس بے بسی پر بھر بھر کر رونا آ رہا تھا۔

مر جانے کو دل چاہ رہا تھا۔

اگر وہ الزام دے تو کسے؟ ظفر عباس کو جس نے اس کی برسوں سے سنبھالی عزت کے پرخچے اڑانے کی کوشش کی تھی۔

یا شہلا نواز کو، جس نے اس کی ماضی کو ایک غلط رنگ میں ظفر عباس کے سامنے پیش کیا تھا۔

یا ان لڑکوں کو جنہوں نے اس کی زندگی کے ساتھ ایسا ہیبت ناک مذاق کیا تھا کہ اسے بے گھری کا یہ عذاب جھیلنا پڑا۔

یا پھر۔

اپنی تقدیر کو قصوروار ٹھہرائے۔ جس کی سیاہی اس قدر گہری تھی کہ کہیں سے روشنی کی کوئی کرن ابھر کر نہیں آ رہی تھی۔

"میرے خدا!"

بے بسی کے یہ آنسو اس کا دکھ اور بھی بڑھا رہے تھے۔

وہ آہستگی سے اٹھی اور دیوار کا سہارا لے کر واش بیسن کے پاس آئی اور ٹھنڈے پانی کے تھپیڑے جلتے چہرے پر کتنی دیر تک ڈالتی رہی مگر اندر کی آگ تو جیسے اور بھی بھڑک رہی تھی۔

اس نے واش بیسن کے اوپر لگے آئینے میں اپنے تپتے لال چہرے کو دیکھا تو خود بخود ایک مجروح مسکراہٹ لبوں پر بکھر کر ٹوٹ گئی۔

کوئی ایسا حادثہ کیوں نہیں ہو جاتا جو اس زندگی کا بوجھ اس کے شانوں سے اتار دے۔

خدایا! کہاں ختم ہوں گی یہ دکھ کی بوجھل سانسیں؟

کب کٹے گی یہ تیرگی کی چادر؟

نہیں شہلا نواز، میں اس گردش میں ہوں ہی نہیں، جس کا پہیہ کبھی اچھے وقتوں پر بھی ٹھہرتا ہے میں تو ہنوز اسی جگہ ہوں جہاں سے چلی تھی۔ دکھ اور غم کا ایک طوق اٹھائے۔ فریب لگتی ہیں مجھے تو اب آنے والے دنوں کی اچھی باتیں۔

اسے اپنے حوصلوں کی ساری چٹانیں تڑختی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ساری ہمتیں جو شہلا کے تسلی آمیز جملوں سے قطرہ قطرہ دیوار بنی تھیں پھر ریت کی طرح بکھر گئی تھیں۔

"یہ اتنا پانی کس خوشی میں بہایا جا رہا ہے۔ بند کرو یہ نل پتا تو ہے تمہیں اس کبوتر خانے میں

قطرے قطرے کا حساب ہوتا ہے۔"

شہلا کی آواز پر وہ چونک اٹھی۔

یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ شہلا نواز کو وہ پانی نظر نہ آیا جو اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ ا
پانی کی دھار آہستہ کردی اور چہرے پر ایک بار پھر پانی بہا کر تولیا اٹھا کر چہرے کو ڈھانپ لیا۔

"اللہ تیرا شکر۔ میں تو سمجھ رہی تھی یہیں کھڑے کھڑے نہانے کا ارادہ بھی ہے۔
ابھی آئی ہو۔"

"ہاں۔" اس نے بغیر پلٹے جواب دیا اور تولیا کھونٹی پر لگا کر باورچی خانے میں جا گھسی
مقصد چیزوں کو ادھر ادھر کرتی رہی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پتیلی میں پانی بھر کر چائے بنانے
پھر کچھ سوچ کر شہلا سے پوچھ ڈالا۔

"تم پیو گی چائے؟"

"نہ بابا۔ اب پیٹ میں بالکل گنجائش نہیں ہے اور پھر چاکلیٹ آئس کریم کھانے
ایسی گرم چیز ہضم نہیں ہو گی۔" وہ باتھ روم میں بند ہو گئی اور اس کی بات پر وہ ہمیشہ کی طر
بھی نہ سکی اور چائے بنا کر اپنا کپ اٹھا کر برآمدے میں آ کھڑی ہوئی۔

زندگی اپنے معمول پر رواں دواں تھی۔ ہر غم فکر سے آزاد بچے۔ آج بھی گلی می
کھیل رہے تھے۔

ہر شے وہی تھی۔

ہر رنگ وہی تھا۔

کچھ نہ بدلا تھا اور بدلتا بھی کیوں ایک اسی کا تو دل ٹوٹا تھا۔ صرف اس کے حوصلے
ہوئے تھے یہ در و دیوار کیوں گریہ زاری کرتے کہ یہ غدر تو صرف اس کے سینے کی چار دیوا
مچا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ شہلا نواز جیسی بننا اس کے لیے ناممکن تھا اور اس کے لیے جا
کیسے کیسے خار زار ہوں گے۔ وہ یہ کانٹوں بھرا صحرا عبور بھی کر سکے گی یا الجھ کر رہ جا
چاروں طرف دھوپ ہی دھوپ ہے اور وہ ننگے سر کھڑی تھی۔

اور مجھ جیسی آہٹ پر خوف سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانے والی لڑ
کٹھن راہوں پر بغیر سہارے آگے کیونکر چل سکے گی؟

اسے اب خود پر بھر بھر کر رحم آ رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی ساری توانائیاں اس حادثے نے چوس کر رکھ دی ہوں۔

بھیگی بھیگی پلکوں والی
جتنی آنکھیں ہیں میری ہیں
دکھ کی فصلیں کاٹنے والی
جتنے ہاتھ ہیں میرے ہیں
شاخ سے ٹوٹی ہوئی کچی کلیاں
آگ میں جھلسے کومل مکھڑے
الجھی الجھی لٹ بھی میری
دھجی دھجی آنچل بھی
کالی رات کی چادر اوڑھے
اجلے دن کا رستہ دیکھ رہی ہوں!

"اوئے قنوطی فضول لڑکی! کہاں گم ہو؟" شہلا کی آواز اسے بہت دور سے کھینچ لائی ایک
گہری اور مضمحل سانس کھینچ کر وہ پلٹی۔

کتنا بڑا غدر مچ گیا تھا اس کے سینے کی چار دیواری میں جس سے شہلا بے خبر تھی۔ اسے خود
حیرت ہو رہی تھی کہ ضبط کا اتنا مادہ اس میں کیسے آ گیا تھا۔ اتنے بہت سے آنسو اس نے کیسے اپنے
من کے اندر چھپا لیے تھے۔

"لگتا ہے تم بھی شیکسپیئر کے کردار ہملٹ کی طرح دن رات یہی سوچتی رہتی ہو کہ۔" زندگی
اچھی ہے یا خودکشی؟ خودکشی اچھی ہے یا زندگی۔"

"نہیں تو۔ میں تو یونہی گلی میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔" وہ کھسیا کر ہنس دی اور برآمدے
سے نکل کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

گہرے گہرے میک اپ اور پرمنگ کیے بالوں کے لچھوں میں شہلا کا چہرہ پرکشش لگ رہا تھا۔
کپڑے البتہ اس نے بدل کر بدرنگ کاٹن کا سوٹ پہن لیا تھا مگر چہرے کی بشاشت اور لبوں کی
مسکراہٹ میں نیاپن تھا۔

"اوئے ڈھیٹ لڑکی۔ کچھ آس پاس کی بھی خبر رکھا کرو۔"

"کیا مطلب؟" وہ قطعی طور پر نہ سمجھ پائی۔ اپنی سیاہ سحر طراز آنکھوں پر سایہ دیتی پلکوں کو
جھپکا کر شہلا کو دیکھا جو بڑی ادا سے بیڈ پر ترچھی لیٹی مسکرا رہی تھی پھر اٹھ کر تکیہ گود میں دبا کر بیٹھ
گئی۔

"میرے بارے میں۔ بھئی میں ہی ہوں نا تمہارے آس پاس۔" وہ یہ کہہ کر کھل کر ہنسنے

لگی۔

"اچھا تو اپنی بات کر رہی ہو۔" وہ جھینپ کر رہ گئی۔ یہ شہلا بھی بس اپنی طرح کی ایک تھی۔

"ہائے ظالم! اپنی ہی طرف تو تمہیں متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ تمہیں تو میرے آنے جانے ہی نہیں ہے۔" شہلا کا انداز شکایتی ہرگز نہیں تھا۔ "خیر یہ پوچھو کہ میں آج کہاں گئی تھی؟ کے ساتھ آئس کریم کھائی؟ پھر برگر پھر پان اور ارے بھئی میرا منہ کیا تک رہی ہو پوچھو نا۔" ہنسنے لگی اور زنیرہ علی خان اس کی روح روح کی تھرکتی مسرت کو محسوس کرتے ہوئے لمحہ بھر لیے نا آسودگی کے جال میں قید ہو گئی۔

"اب یہ بھی تم خود ہی بتا دو کہ تم نے یہ حسین لمحات کس کے ساتھ گزارے ہیں۔" کے لہجے میں شہلا کے لیے خلوص کی فراوانی تھی۔

"کمال کے ساتھ۔ مائی ڈیئر زنی آج سارا دن میں نے کمال کی سنگت میں گزارا ہے کمال بھی بس کمال کی چیز ہے" وہ یہ کہہ کر تکیہ سر کے نیچے رکھ کر نیم دراز ہو گئی اور پھر مخمورا میں مسکرانے لگی۔

"وہ۔" "محبت آگ کی صورت۔

بجھے سینے میں جلتی ہے تو دل بیدار ہوتے ہیں
محبت کی تپش میں کچھ عجب اسرار ہوتے ہیں
کہ جتنا یہ بھڑکتی ہے 'عروس جاں مہکتی ہے
دلوں کے ساحلوں پر جمع ہوتی اور بکھرتی ہے
محبت 'جھاگ کی صورت
محبت 'آگ کی صورت

شہلا نواز کے انداز میں خمار ہی خمار تھا۔ وہ بن پیے بدمست تھی اور زنیرہ علی خان سوچ رہی تھی کہ کیا یہ محبت ہے؟ جسے پاکیزہ الوہی جذبہ کہا گیا تھا جو دشت کو فردوس بنا دیتی ہے۔ جو روح کو مہکا دیتی ہے۔

تو وہ فاروق رضا کے لیے شہلا نواز کی لمبی لمبی آہیں بھرنا کیا تھا اور۔

مگر وہ دوسرے لمحے اس نے سر جھٹک دیا۔

یہ شہلا کا پرسنل افیئر تھا اور کم از کم اپنی ذات 'اپنے رویوں میں بندہ آزاد ہوتا ہے اس نے اپنے ذہن کو سرزنش بھی کی کہ شہلا کے لیے وہ کیوں اتنا غلط سوچ گئی۔

"کمال نے میرے نہ نہ کرنے کے باوجود ڈھیر ساری شاپنگ بھی کروائی ہے۔ ٹھہرو تمہیں دکھاتی ہوں۔ ریڈی میڈ سوٹ ہے، بہت پیارا ہے۔" وہ بیڈ سے اتر گئی اور اپنے بڑے شولڈر بیگ سے سوٹ نکال کر اس کے آگے پھینکا اور اس نے بادل نخواستہ اٹھا کر دیکھا تیز سرخ رنگ پر سنہرا کام بڑی خوبصورتی اور نفاست سے کیا گیا تھا۔ ایسا ہی دوپٹے کے دونوں کناروں پر تھا۔ سوٹ خاصا مہنگا معلوم ہوا۔ اس کی نگاہوں میں ستائشی رنگ پل بھر کو لہرایا پھر معدوم ہو گیا۔ جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی خوشی کا اظہار نہ کر سکی۔ بس اتنا کہہ سکی۔

"اچھا ہے۔ مہنگا بھی لگتا ہے۔"

"محبوب کی طرف دیا گیا تحفہ مہنگا ہی ہونا چاہیے۔ کیا خیال ہے؟" وہ ایک آنکھ دبا کر زور سے ہنسی پھر قمیص اپنے جسم سے لگا کر آئینے میں دیکھنے لگی۔

"میں نے آج کمال سے شادی کی بات بھی کی۔ تم تو جانتی ہو نا زینی ڈیئر کہ مردوں کے دل میں کئی چور خانے ہوتے ہیں 'عورت ہر خانے میں نہیں جھانک سکتی اور پھر ان خانوں میں سے کوئی چور خانے کا دروازہ کسی اور کے لیے کھل جائے' ہم ان کا پکا بندوبست کر لیں یعنی نکیل.... سمجھتی ہو نا نکیل کا مطلب؟" وہ ٹھٹھے لگا رہی تھی مگر وہ باوجود کوشش کے مسکرا بھی نہ سکی۔

اسے شہلا کی ایسی ہنسی اور ایسی باتوں سے وحشت ہوتی تھی۔ جانے کیوں ان لمحات میں وہ اسے ایک بہت لوز کریکٹر کی لڑکی محسوس ہوتی تھی۔

"پھر کیا کہا کمال نے؟" وہ اس کا سوٹ واپس تہہ کرنے لگی۔ اسے خالی بیٹھنا سخت کوفت میں مبتلا کرتا تھا 'کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی عادت سی ہو گئی تھی۔

"ارے اسے تو مجھ سے زیادہ جلدی ہے مگر ابھی حالات ذرا بہتر ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ وہ بھی کچھ جمع کر لے اور میں بھی کچھ۔ ارے ہاں زینی 'اس نے مجھے بہت خوبصورت اشعار بھی سنائے تھے۔" وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئی شاید یاد کر رہی تھی پھر چٹکی بجا کر ہنسی 'دراصل مجھے شعر بڑی مشکل سے یاد ہوتے ہیں۔ پتا نہیں کچھ اس طرح کا شعر سنایا تھا کہ وہ بے ربط انداز میں سنا کر زور سے ہنسی "دیکھو ذرا مجھ جیسی کوڑھ مغز کو بھی یاد رہ گیا حالانکہ مجھے شعر بڑی مشکل چیز لگتے ہیں۔

حساب عمر کا بس اتنا ہی گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کر دیکھا تو سب خسارہ ہے"

وہ ابھی تک مسرور سی 'بہکی ہوئی سی تھی مگر زنیرہ علی خان کی نظریں اس کے رخسار پر تھیں ر سارے بدن میں جیسے بھربھراہٹ سی اتر گئی تھی۔

جسم کتنی بڑی حقیقت ہو!

دل کی تسکین مگر ہوس میں نہیں
یہ شہلا نواز۔ محبت کے نام پر ان راستوں پر چل رہی تھی جو گناہ کے منزل سے پھو
تھے۔

اس کی رگوں میں خون رک رک کر گروش کر رہا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات
شہلا چونک گئی پھر رخسار پر ہاتھ رکھ کر کھسیانی سی ہنسی ہنس دی۔

"کیا کریں زینی' جو بندہ ہم پر اتنا مرتا ہو اسے اتنی آزادی تو دے دینی چاہیے ناں اور
قصور میرا بھی ہے' مجھے اتنی تیز لپ اسٹک نہیں لگانی چاہیے تھی۔" وہ دوسرے پل بے خ
نظر آرہی تھی بلکہ پر اعتمادی کے ساتھ بیڈ کی چادر کے کونے سے رخسار رگڑ رہی تھی۔

"محبت میں یہ سب جائز ہے زنیرہ علی خان۔ تم تو نری بوبو کی بوبو رہی ہو۔" وہ بیڈ سے ا
الماری کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے خیال میں ان لذتوں سے محروم زنیرہ علی خان انتہائی بدنصیب لڑکی تھی۔

میلے جسم پر خوب صورت کپڑا ڈال دینے سے جسم کی بدبو ختم نہیں ہو جاتی' ہوس کو تم
کا نام دو یا عشق کا۔ وہ گناہ کے ڈھیر پر پرورش پانے والی بدبو ہی رہے گی مگر شہلا نواز یہ تمہیں
سونگھائی نہ دے یہ اور بات ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے پکے فرش پر پاؤں کے انگوٹھے
نوک سے نظر نہ آنے والی آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی۔

"ارے۔ وہ تمہارے ظفر عباس کیسے جا رہے ہیں؟" شہلا کی آواز ابھری وہ الماری کا
کھولے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی اور وہ جیسے سن سی بیٹھی رہ گئی۔

بے خبری میں شہلا نے تیر گھونپ دیا تھا کہ وہ اپنی تڑپ بھی نہیں دکھا سکتی تھی۔

"بات کچھ سلام دعا سے 'یس سر' 'تھینک یو سر' سے آگے بڑھی کہ نہیں؟"

"شہلا۔" وہ یکدم پلٹی' ہو سکتا ہے پھٹ پڑتی اس سے پہلے کسی احساس نے اس عمل
روک دیا اور وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر غسل خانے میں جا گھسی۔

اس چھوٹے سے گھر میں اس سے بہتر عافیت کی جگہ اور کوئی نظر نہ آئی۔

شہلا حیرانگی سے بند دروازے کو گھورتی رہی پھر سر جھٹک کر الماری میں مصروف ہو گئی۔

○☆○

غالب کا بس نہیں چل رہا تھا وہ پوری دنیا کو تہس نہس کر دے' کائنات کی ہر شے کو تو
رکھ دے۔ تذلیل کا احساس اس کو جھلسائے دے رہا تھا۔ ٹھکرائے جانے کا احساس اس کی

آبلے کی طرح پڑا تھا۔

"کیوں گئیں آخر آپ اس گھر میں میرے رشتے کے لیے' اپنی اور میری بے عزتی کے
لیے؟" اس کا چہرہ انگارہ ہو رہا تھا۔ وہ ذلت کے احساس سے سلگ رہا تھا۔

تائی ماں نے افسردگی سے اسے دیکھا پھر دھیرے سے بولیں۔

"مجھے کیا خبر تھی کہ یہ سب کچھ ہو گا۔ صباحت کی ساس اتنا ہنگامہ مچائے گی اس بری طرح
آئے گی اور پھر میں تو تمہاری رضا جان کر گئی تھی۔ کیوں سدرہ' کیا یہ اس کی خواہش نہیں
تھی؟" انہوں نے ملول سی بیٹھی بہو کو مخاطب کیا تو وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

"میرے اقرار کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ آپ کچھ سوچے سمجھے بغیر ہی وہاں چل دیتیں۔
صباحت پھوپو سے فون پر بات کرنی چاہیے تھی یا پھر چچا جان خود مظفر انکل سے بات کرتے۔ سائرہ
کی دادی کون ہوتی ہیں سائرہ کی زندگی کا فیصلہ کرنے والی۔ انہوں نے اپنی بہو کی زندگی تو اجیرن کر
دی ہے اب سائرہ پر ان کا کوئی حق نہیں بنتا۔" وہ سخت مشتعل اور جذباتی ہو رہا تھا۔

"اونہہ! صباحت سے بات کرنے کا کیا فائدہ اور نہ مظفر بھائی خود فیصلہ کریں گے۔ وہ بھی اپنی
ماں کی بات کو' ان کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔ ہماری یا تمہاری نہیں مانیں گے۔ اتنا ہی وہ عقل
مند ہوتا تو آج صباحت اتنے دکھ کیوں جھیل رہی ہوتی اپنے ہی گھر میں قیدی کی طرح زندگی کیوں
بسر کر رہی ہوتی؟"

تائی ماں نے انتہائی خفگی کے عالم میں پاندان کا ڈھکن کھولا۔ "ارے مجھے عشرت بیگم کی
ان کی پروا نہیں ہے۔ سائرہ کے لیے میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں۔"

"مگر میں یہ انسلٹ گوارا نہیں کر سکتا۔" وہ تپائی پر لات مار کر غصے سے بھناتا ہوا کمرے سے
نکل گیا۔

"دیکھا فائزہ تم نے؟ یہ ہیں آج کی نسل جن میں تحمل نام کو نہیں ہے اور چلے اپنی خواہشوں
کی تکمیل کو۔ ذرا ذرا سی باتوں کو تو عزت اور غیرت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں' کیا ہم پرانی نسل عزت دار
نہیں تھے' غیرت نہیں تھی ہم لوگوں میں۔ اس طرح بھی کچھ حاصل ہوتا ہے' کچھ برداشت کریں
تو حوصلہ ملے گا نا! ارے پکے پھل کو توڑنے کے لیے بھی درخت پر چڑھنا پڑتا ہے یہاں بیج تو بویا
نہیں اور فصل تیار چاہیے۔" تائی ماں غالب کی اس انداز پر سخت برہم نظر آرہی تھیں۔

"فرہاد نے بھی شیریں کے لیے دودھ کی نہر کھود لی تھی۔" سدرہ بھابی ہنسیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھابی پر عشرت بیگم نے بھی حد کر دی ہے' چلو بہو تک تو ٹھیک تھا مگر اب پوتی
کے ساتھ یہ ناانصافیاں۔ خدا کا خوف نہیں ہے انہیں تو ذرا بھی۔" چھوٹی چچی نے کٹی ہوئی

چھالیہ پھران کی طرف بڑھادی۔
"بس فائزہ۔ چوہے کے ہاتھ ہلدی لگی وہ بھی پنساری بن بیٹھا۔ یہ مظفر میاں
اوقات سے زیادہ ہی انہیں اختیارات دے دیے ہیں۔" وہ بے دلی سے چھالیہ منہ میں
تخت سے اتر گئیں۔

○☆○

غالب تائی ماں کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آیا تھا اور اب تک غصے
تھا سائرہ مظفر' اس کی زندگی میں بہار کے جھونکے کی مانند آئی تھی اور تازہ خوشبو کی طرح
روح میں رچ بس گئی تھی' اس کے تصورات پر حاوی ہو گئی تھی یہ دل و دماغ میں برپا ہو
انقلاب اس کے لیے بڑا سحر انگیز خوش آیند تھا۔ انسیت کی یہ دھیرے دھیرے منزلیں
ہوئے وہ بڑا مسرور تھا۔
ہر شے میں انوکھا پن۔
نئی زندگی کا احساس ہونے لگا تھا۔
مگر یکایک کسی زوردار پتھر نے اس طلسم کے دریا میں ہلچل مچادی تھی۔
ٹھکرائے جانے کا احساس اس پر بری طرح حاوی ہو گیا تھا اسے رہ رہ کر اسی بات پر
تھا۔ کیونکر اس کا دل اس احمق' بزدل اور کم ہمت لڑکی کے قبضے میں چلا گیا جو اپنے گرد
اونچی اونچی دیواروں میں سہمی ہوئی محبت کے لمس کو محسوس کرنے کے باوجود پانے کی
خواہش نہ کر سکے گی۔ بالفرض اگر ایسی خواہشوں نے جنم بھی لیا تو وہ اس کا بے دردی
گھونٹ دے گی۔
ہاں وہ ہو بہو صباحت پھوپو کی تصویر تھی۔
بزدل۔
کم ہمت۔
بے وقوف۔
اس نے مارے غصے کے دیوار پر کئی مکے برسا دیے "اپنے ساتھ مجھے بھی برباد
سائرہ مظفر تم۔ تمہاری یہ بزدلی یہ کم ہمتی میری راہ کی دیوار بن جائے گی۔"
اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی' تذلیل کے تپتے احسا
اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفلوج کر دی تھیں۔ وہ کمرے سے باہر نکلا اور
روم میں آیا جو خالی پڑا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا سب اپنے اپنے کمروں میں بند تھے۔ وہ فون

درد ہلکا کیا اور صباحت پھوپو کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اسے یقین تھا اس وقت سائرہ کی ہلا کو
"واب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہوں گی اور فون سائرہ ریسیو کرے گی۔
پنی تذلیل اور تائی ماں کی ہتک کا ذمے دار وہ سائرہ کو ہی ٹھہرا رہا تھا۔ بڑے کڑے تیور سے
بلا کر منتظر رہا اس کا یقین درست نکلا' سائرہ کی دھیمی آواز ابھری' جس میں ایک نادیدہ سا
خماری تھا غالب کی آواز سن کر مزید بڑھ گیا۔
"آ۔ آپ۔ خیریت تو ہے؟"
"وہ ظالم' ستمگر' ہلا کو کی پوتی سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟" اس کا لہجہ بڑا زہریلا تھا۔
"جی۔ ی۔" وہ سمجھ نہ سکی یا پھر اس حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔
"تمہاری وہ مختارِ کل دادی کا پوچھ رہا ہوں۔" وہ پہلے اطمینان کر لینا چاہتا تھا ورنہ دل تو اس
آواز سنتے ہی تڑا تڑ جملوں کی کی گولیاں برسانے کو چاہ رہا تھا۔
"ہاں۔ کوئی کام ہے تو میں امی کو بلاتی ہوں۔" وہ اس کے لہجے اور دادی کو نوازے گئے ان
خطابات پر بُرا مان گئی تھی۔
"مجھے بات تم سے کرنی ہے پھوپو سے نہیں۔ تمہیں ذرہ بھر ملال نہیں ہے میری امی کی بے
عزتی ہونے پر۔" وہ گویا پھٹ ہی پڑا۔ "وہ ایک قابل اور شریف خاندان کے لڑکے کا رشتہ لے کر
گئی تھیں کسی لفنگے' لٹیرے' ڈاکو کا نہیں' جس کے جواب میں تمہاری دادی صاحبہ نے انہیں اس
قدر ذلیل کیا اور تم دلچسپی سے یہ تماشا دیکھتی رہیں۔ وہ غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا حالانکہ عقل سے
سوچتا تو وہ کبھی سائرہ پر کم از کم یہ الزام عائد نہ کر سکتا تھا کہ وہ تائی ماں کا تماشا دلچسپی سے دیکھ رہی
تھی مگر اس وقت اس پر غصہ کا بھوت سوار تھا جو اس کی عقل کی لگامیں تھامے اسے سرپٹ دوڑا
رہا تھا۔
"محض خاموش تماشائی بن رہیں تم۔"
"غالب..... آپ۔" وہ ششدر رہ گئی غالب کے اس طرزِ کلام پر وہ اس طرح کے حملے کے
لیے قطعی تیار نہ تھی' وہ بھی غالب کی طرف سے۔
"تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں کس قدر ٹینشن میں ہوں۔ تم اتنی بزدل اور احمق ہو گی۔
میرے اندازے سے کہیں زیادہ۔ میں تو۔"
"میری قطعی سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس بات کی ٹینشن ہے آپ کو؟" وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی
اور غالب کو تو گویا پتنگے لگ گئے۔
"چہ خوب" اس نے لب چبا ڈالے' ضبط کے معاملے میں تو وہ ہمیشہ سے صفر رہا تھا اور

جذباتی اول نمبر کا تھا مگر اس کی یہ ساری صفات سائرہ کے لیے کم از کم پیروں کے نیچے تک
ہونے والے دھماکے کی طرح تھیں۔ اس نے غالب کو صرف ہنستے اور ہنساتے دیکھا' وہ
کب گمان تھا کہ وہ کبھی اچانک اس کے عتاب کا نشانہ بن جائے گی۔
"تمہیں امی کی بے عزتی کا ذرا بھی ملال نہیں ہوا۔ تم اپنی دادی کو روک سکتی تھیں
گدھا' احمق تھا جو امی پر اپنی خواہش کا اظہار کر بیٹھا۔ تمہیں پانے کی تمنا کر بیٹھا اور..... ا
یہ یک طرفہ محبت ہوتی ہی ظالم ہے۔" اس کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ سائرہ مظفر کے لیے یہ یقیناً
تھا۔ اب تک وہ فقط تائی ماں کی اپنی خواہش ہی سمجھ رہی تھی۔ غالب کا یہ بے ا
انداز اسے متحیر کر گیا۔ تاہم دوسرے پل وہ سنبھل کر انجان بنتے ہوئے بولی۔
"آپ کیا چاہتے تھے' مجھے اس لمحے کیا کرنا چاہیے تھا؟" اس کا لہجہ دھیما تھا مگر
اجنبیت اور قدرے ناراضگی تھی۔
"تم کر بھی کیا سکتی ہو سوائے اپنی دادی کی جی حضوری کے۔" اس نے اپنے اسی کھ
میں کہا تو وہ سن سی رہ گئی۔
احتجاج کی پر زور لہریں دل سے اٹھیں اور پھر وہیں کہیں دفن ہو کر رہ گئیں
سارے تیر آج ہی برسا کر جانے کب کی بھڑاس نکالنے پر تلا ہوا تھا اس سے بے خبر کہ
کا نازک دل دکھ اور کرب کے دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔
"ساری زندگی پھوپو جان نے انکل کے سامنے سر نہ اٹھایا۔ ان کے جبر و ستم پر احتجاج
سکیں اپنی ساس صاحبہ کو مختار کل مانتے ہوئے ان کے سامنے گھٹنے ٹیکے رکھے اور اب تم
گدی سنبھالنے کے لیے تیار ہو چکی ہو۔ ظلم کرنے والوں کو ظلم سہنے والے مل ہی جاتے ہیں
شکر خورے کو شکر مل ہی جاتی ہے۔" اس کی تمسخر آمیز ہنسی اس کے دل کی دیواروں کو لہولہا
مگر مزید سہنا بھی اسے دوبھر لگ رہا تھا۔ کون ہوتا تھا وہ شخص اس طرح کا لہجہ اپنانے والا۔
"یہ جینا نہیں ہوا سائرہ مظفر۔ یہ بس سانس لینا ہوا' ایک قفس میں ایک قید خانے میں"
"مسٹر غالب۔ آپ مجھے بغاوت کا کون سا سبق پڑھانا چاہتے ہیں؟" اس کا سارا ضبط
دے گیا۔ کتنے آنسو اپنی بے بسی اور بے اختیاری پر رخساروں پر بکھر گئے مگر غالب کہاں
تھا۔

نہ آنکھوں کے یہ آنسو
نہ دل ٹوٹنے کی صدائیں

اس نے اپنے اوندھے غصے میں اس کی روح میں اتنے نشتر چبھو دیے تھے کہ انگ انگ

ورد ہلکورے لیتا محسوس ہونے لگا تھا۔ اسے پہلی بار پتا چلا کہ یہ شخص کٹھور بھی ہے۔
"اونہہ۔ سعادت مندی کا تحفہ گلے میں لٹکائے تمہیں کیا مل گیا ہے؟" وہ ہنوز کڑے
لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "سائرہ اس طرح اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا بغاوت نہیں ہے' جبر کے خلاف
احتجاج' بغاوت نہیں کہی جاتی ہے بلکہ ظلم ہے یہ خاموشی اور تم اور پھوپو جان ظالم ہو جو اب تک
وں کی طرح اپنی روح پر' اپنے اعصاب پر' اپنے احساسات اور جذبات پر ظلم کرتی آئی ہو۔"
"پلیز بس کیجیے یہ واعظ۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے' آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ....." اس کی
بھرا گئی۔ وہ بے اختیار رو پڑی۔
"اب یہ صرف تمہارا ذاتی معاملہ نہیں رہا ہے' اس میں میری ذات' میرے جذبے شامل ہو
محسوس نہ کر سکو تو اور بات ہے۔" وہ اس کے رونے پر نرم پڑ گیا اور ادھر سائرہ کا دل اس
آواز سے دھڑکنے لگا کہ اسے اپنے نم ہاتھوں سے ریسیور کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ دھڑکنیں جیسے
کان تک میں سنائی دینے لگی تھیں۔ "خوشیاں اور مسرتیں تلاش کرنا پڑتی ہیں سائرہ
بات کوئی ہواؤں کے ہمراہ تمہارے دروازے پر دستک نہیں دیں گی۔" وہ قدرے نرمی سے
"سنو تم اپنے ساتھ پھوپو کا جائز حق بھی حاصل کر سکتی ہو بس تھوڑی ہمت۔"
حضوری غالب صاحب۔ میں اپنے باپ کے سامنے گستاخ اور بدتمیز بیٹی بن کر نہیں کھڑی ہو
سکتی۔ اگر میری خوشیاں میرا مقدر نہیں ہیں تو نہ سہی۔ زندگی یوں بھی بسر ہو ہی جائے گی۔"
اور غالب کا دل چاہا وہ ہاتھ میں پکڑا ریسیور ہی کسی طرح اس کے اس کے سر پر بجا دے۔
کس قدر' کوڑھ مغز' ضدی اور احمق لڑکی سے واسطہ پڑا تھا۔
"تم اس قدر اپنی ذات کے لیے سفاک ہو گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اس نے پوری
طاقت سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔
"تم اپنے ساتھ میری زندگی کو بھی جہنم بنانے پر تل گئی ہو۔" اس نے مارے غصے کے
مٹھیاں بھینچ لیں۔ اسی لمحے اسے محسوس ہوا جیسے سائرہ مظفر اب اس کی محبت نہیں اس کی ضد
بھی بن چکی تھی جس کا حصول اب ناگزیر تھا۔
وہ انہی کڑے تیوروں کے ساتھ پلٹا تو شاہ دل کو کھڑے پایا۔ اس کے چہرے کے اثرات
سے بتا رہے تھے کہ اس نے اس کی باتیں سن لیں ہیں' نہیں تو آخری حصہ ضرور سن لیا ہو گا اور
غالب نے خجالت کے مارے اس سے نظریں ملائے بغیر اس کے قریب سے ہو کر گزر جانا چاہا تو
اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک لیا۔
"بیٹھو۔" اس کا لہجہ تحکم آمیز تھا' غالب فرار کی راہیں مسدود پا کر دیوار سے لگی سیٹی پر

کسی مجرم کی طرح بیٹھ گیا۔
"تم جذباتی تو تھے ہی مگر اس حد تک' اس کا مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔" شاہ دل نے
تراش میں مدھم مسکراہٹ ابھری جو اس کے چہرے پر خفت کا رنگ بھر گئی۔
"کیا سائرہ کو پسند کرتے ہو؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا غالب فوری طور
کہہ سکا دوسرے لمحے اس کی خود اعتمادی لوٹ آئی۔
"بات صرف پسند کی ہوتی تو میں شاید اتنا جذباتی ہرگز نہ ہوتا۔" اس نے اب اعتماد
شاہ دل کی طرف دیکھا تھا۔
"دیکھو غالب۔ جذبات کی روش سیلاب کی مانند ہوتی ہے جو عقل کو بہا کر لے جا
نے غور کیا اس تلخ گفتگو سے تم دونوں کو کیا حاصل ہوا سوائے تلخی لانے دلوں کو مزید آزر
کے۔" اس کا لہجہ ناصحانہ تھا۔
"شاہ دل۔" اس نے بے بسی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ "سائرہ بزدلی کی آخر نہج پر کھ
مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ وہ اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے کو بغاوت سمجھتی ہے۔ تمہا
ہے میں اسے بغاوت کا سبق پڑھا رہا ہوں۔"
جواباً شاہ دل کے عنابی لبوں پر بے اختیار دھیمی تبسم بکھر آیا۔
"تم ایک ایسی لڑکی سے بہادری کی توقع کیسے کر سکتے ہو جس نے کبھی اپنی ماں کو جا
بھی باپ کے سامنے آواز اٹھاتے نہ دیکھا ہو' جہاں کبھی اپنا کوئی حمایتی یا مددگار نہ پایا ہو
میں تم چاہتے ہو شادی بیاہ کے معاملے میں زبان کھولے۔ کیا تم فارحہ' رابی سے ایسی تو
ہو' اتنے آزاد ماحول میں جہاں رائے دہی اور استحقاق کا مکمل حق حاصل ہے اس کے با
نازک معاملوں پر بھی دخل اندازی نہیں کر سکتیں' ہم چاہے کتنے ایڈوانس ہو جائیں' عو
تمام حقوق دے رہے ہوں ان کے حقوق کے لیے آواز بھی اٹھا رہے ہوں مگر ایسے مو
وہی مشرقی مطلق العنان اور غیرت مند بھائی' باپ بن جاتے ہیں جو اپنی بہنوں بیٹیوں کے
رضا اور اپنے تجربوں کی روشنی میں ہی کرتے ہیں' چاہے غلط چاہے صحیح پھر کیوں تم سا
جیسی لڑکی سے اس نازک مسئلے پر احتجاج بلند کرنے کی توقع کیے بیٹھے ہو۔"
"میں تمہاری بات سے اتفاق ضرور کرتا ہوں مگر یہاں پر نہیں کہ ہم نیلی' فارحہ
ظلم نہیں کرتے آئے ہیں اور ان کے لیے کسی غلط رشتے کا انتخاب ہو گا' ابو اور چچا جان
لیے ایک آسودہ ماحول کو ترجیح دیں گے مگر سائرہ کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ ا
مستقبل کا فیصلہ بھی مظفر انکل اتنا ہی گھٹیا کریں گے جیسی وہ موجودہ زندگی گزار رہے ہیں!

نے کچھ غلط نہیں کہا بلکہ کسی حد تک درست ہی تھا۔ شاہ دل نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔
"ہاں یہ بات ضرور غور طلب ہے مگر جو اپروچ تم نے اپنائی ہے وہ غلط ہے۔" شاہ دل نے
یک اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور مزید گویا ہوا۔ "اسے تم بہتر لفظوں میں بھی یہی بات سمجھا سکتے تھے'
نے سوچا کبھی تمہارے جملوں نے اسے کتنا دکھی کیا ہو گا' وہ پہلے ہی کون سی کم پریشان ہے جو تم
نے اسے مزید پریشان کر دیا۔ بھلا جسے چاہا جاتا ہے اس کے ساتھ ایسا بے ہودہ سلوک کیا جاتا
ہے۔" آخری جملہ شاہ دل نے بھی شرارت آمیز انداز میں کہا تھا' غالب کے چہرے پر خفت پھیل
گئی۔ وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا اور بے چینی اور خود ملامتی سے ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا مکا برسانے
لگا۔
"ہاں مجھے اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے تھا۔" اس نے تاسف سے کہا۔
"اتنا نہیں بالکل بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔"
شاہ دل نے اس کی شکل بغور دیکھی اس کا سارا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا اور چہرے پر
پشیمانی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ آنکھوں میں ندامت اور اپنے رویے کا پچھتاوا واضح ہو چکا تھا
انداز میں اضطرابی کیفیت طاری تھی۔
"اوکے' جو ہو گیا سو ہو گیا۔" اب اس بارے میں مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"
اس نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "تم سائرہ سے معذرت کر لینا' وہ بہت معصوم اور سادہ
سی لڑکی ہے' یقیناً تم جیسے اکھڑ' ظالم اور جذباتی شخص کو معاف کر دے گی۔" اس کا انداز
خوشگواری لیے ہوئے تھا غالب بھی ہنس دیا۔
اس سارے عرصے میں پہلی بار اس کے لبوں پر کھل کر ہنسی آئی تھی اور یہ حقیقت تھی شاہ
دل کے جملوں نے کچھ یوں بے چین دل پر ہاتھ رکھا تھا جیسے...... صحرا پر بادل چھائیں یا جیسے جھلسے
زخم پر ٹھنڈا مرہم پڑا ہو۔
"اب تک تو سائرہ کی وہ ہلا کو صفت دادی خواب خرگوش سے بیدار ہو چکی ہوں گی۔ کہیں
لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"
"لینگویج پلیز غالب۔ یہ بات بھی یاد رکھو کہ جسے چاہا جاتا ہے اس کی ناپسندیدہ چیزوں کو بھی
خوشگوار جھونکے کی طرح برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو پھر رشتہ داریاں ہیں۔" شاہ دل کے لہجے میں
سرزنش تھی۔
سائرہ کی دادی لاکھ اپنے رویوں کی وجہ سے ایک ناپسندیدہ ہستی ٹھہرائی جا سکتی تھیں مگر ایک
بزرگ کے ناتے شاہ دل کے دل میں ان کا احترام ضرور تھا اور ہر حال میں ان کا احترام ملحوظ رکھنا

اخلاقی فرض غالب کا بھی تھا۔

”ویسے یہ کتنا سالہ تجربہ ہے تمہارا؟“ غالب ہنس رہا تھا اور بڑی معنی خیز نظروں سے کے چہرے کو تک رہا تھا۔

”کون سا؟“ وہ قطعی سمجھ نہ سکا یا انجان بن گیا۔

”یہی۔ چاہنے والوں کے رشتے داروں کو بھی خوشگوار جھونکے سمجھنا اور محبت کر کو پریشان نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔“

”وہ ہولے سے ہنس دیا۔“ اس کی خوب صورت آنکھوں میں تنبیہہ تھی۔ ” سے چلتے نظر آؤ مجھے ضروری فون کرنا ہے۔“ وہ فون اسٹینڈ کی صرف بڑھا۔

”اوئے ہوئے، ضروری فون۔“

”غالب۔“ وہ پلٹا اور باقاعدہ گھورنے لگا مگر غالب پر اثر نہ ہوا، وہ ہنوز چہک رہا تھا۔

”ضروری نہیں جو ہوا تمہیں لگ چکی ہے وہ مجھے بھی لگ گئی ہو۔“

”ہاں، حالانکہ تمہیں تو ایک سال پہلے لگ جانی چاہیے تھی آخر ایک سال بڑے مجھ سے۔“

”میرا دل اتنا کمزور نہیں ہے اور نہ اعصاب۔“ اس نے چوٹ کی تو غالب کھسیا کر

”اعتبار اپنا بھی اٹھ جائے گا یہ سوچا نہ تھا۔“

”تو یہ کام تو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔“ وہ پرسکون انداز میں ریسیور اٹھا کر نمبر ڈا لگا۔

”کون سا؟“

”سوچنے کا، اچھا اب یہاں سے تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔“

”جا رہا ہوں بھائی غصہ کیوں کر رہے ہو۔ پہلے یہ تو بتادو کسے فون کر رہے ہو اس میں کیوں کسی کی استراحت میں خلل ڈال رہے ہو؟“

”غلطی ہو گئی مجھ سے، تمہیں اسی بے زار موڈ میں رہنے دیتا تو اچھا تھا۔“ اس کریڈل پر پٹخ دیا۔ نمبر مل چکا تھا مگر غالب کی بک بک بند نہ ہوئی تھی اور وہ مصنوعی غصے غالب ایک لمبی چھلانگ کے ساتھ کمرہ عبور کر چکا تھا اب دروازے کا پردہ ہٹائے ہنس

ظفر آسان نہیں قابو میں زباں کا رہنا
آتی مشکل سے ہے یہ قبضہ انسان میں تیغ

اور اس سے پہلے کہ شاہ دل اس کی طرف بڑھتا وہ بھاگ لیا اور دھیمی مسکراہٹ

لبوں پر بکھر گئی وہ ریسیور اٹھا کے نمبر دوبارہ ڈائل کرنے لگا۔

○☆○

اس نے بارہا سوچا اور خود کو تیار بھی کیا کہ جو دل پر بوجھ لیے وہ پھر رہی ہے اسے شہلا کے سامنے کھول دینا چاہیے۔ اسے ظفر عباس کے اس گھناؤنے روپ سے آگاہ کر دے کہ کس طرح اس شخص کی پارسائی اور وقار کا لبادہ تار تار ہوا ہے۔ اس کے دل میں جو اس کے مہذب شخص کا بت تھا وہ پاش پاش ہو چکا ہے۔ وہ ایسا ہرگز نہیں تھا جیسے اسے اور شہلا کو نظر آتا تھا۔ وہ بھی اس ادارے کا ایک ایسا ہی کاروباری شخص نکلا جو ہمہ وقت اپنی غرض کے گرد گھومتے رہتا ہے۔

ایک ست ذہن رکھنے والا۔

مکروہ صفت انسان۔

پتا نہیں اسے آج تک انسانوں کو سمجھنے کا سلیقہ کیوں نہیں آیا تھا بظاہر وہ سادہ، پرخلوص، مہربان نظر آنے والا چہرہ قریب آنے پر اتنا ہیبت ناک محسوس ہوا تھا کہ وہ حیران ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ بے قراری سے فرش پر بچھی دری پر کروٹیں بدلتی رہی مگر بے کلی اور اضطراب میں کمی نہ ہو رہی تھی۔ دل کے جلتے آبلے اور بھی تیزی سے تپنے لگے تھے۔ جلتی آنکھیں بند کرتی تو ظفر عباس کا مکروہ چہرہ تصور میں اتر آتا اور سارا جسم پھر اسی نفرت کی آگ سے جلنے لگتا جس کو بہ مشکل وہ ٹھنڈا کرنے کی جدوجہد کرتی رہی تھی۔

”میرے خدا۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔ مہیب اندھیرے میں مسلسل دیکھتے رہنے سے اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو چکی تھیں۔ اس نے پلٹ کر بیڈ پر لیٹی شہلا پر ایک نگاہ ڈالی۔ گہری بے فکری اور پرسکون نیند اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ اس کے دل کے اضمحلال میں اضافہ ہو گیا۔ وہ بے آواز چلتی ہوئی برآمدے میں کھڑی ہوئی۔

شمشاد بیگم کے چھوٹے سے باغیچے کے بڑے بڑے درخت اس وقت اندھیرے کی دبیز چادر میں خوفناک دکھائی دے رہے تھے۔ پیپل اور بادام کے وہی مانوس درخت اس وقت بالکل غیر مانوس سائے میں ڈھلے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی خالی نگاہیں اندھیرے میں نجانے کیا کھوج رہی تھیں مگر ذہن پر چھائی دھند کی دہشت اس مہیب اندھیرے سے کہیں زیادہ تھی۔

اسے شہلا کو بتا دینا چاہیے کہ وہ اس پر بوجھ بن چکی ہے۔ ایک بار پھر سے۔ وہ ظفر عباس کی ہوس پرستی کو دانہ نہیں ڈال سکتی۔ وہ اس شخص کو ایسی کوئی خوشی نہیں دے سکتی جو اس کی ساری زندگی کو عمر بھر کے لیے پچھتاوے کا ایک کھولتا سمندر بنا دے، جس میں وہ جھلس جھلس کر جلتی

رہے۔ نہیں وہ عمر بھر ضمیر کے سامنے سر جھکائے ملامت سے کھڑی نہیں رہ سکے گی‘ نہیں وہ
کی کسی خواہش کو پورا نہیں کر سکتی جو پھر خلش بن کر اس کا رواں رواں چاٹتی رہے۔ لاکھ لا
اس کے سر ہیں‘ لاکھ معتوب و رسوا ٹھہرا کر گھر سے نکلی تھی مگر اپنی نگاہوں میں اپنا بھرم تو
تھا۔ اپنے ضمیر کے آگے سرخروئی کا احساس تو اسے زندہ رکھے ہوئے تھا۔

اپنی پاک دامنی کا فخر تو ایک سہارا تھا۔

طمانیت تو آگے بڑھنے اور زندہ رہنے کی فطری ضرورت قائم رکھے ہوئے تھی اسے کو
ملامت کے اندھے غاروں میں کیسے گم ہو جاتی۔

”نہیں۔ اتنا مہنگا سودا اسے ہرگز منظور نہیں۔

بس ایک نوکری ہی تو گئی تھی نا۔

پھر سے بے روزگار ہو جانے کا رنج ہی تھا نا۔

اور یہ سودا مہنگا نہیں تھا۔

یہ رنج تھا‘ پچھتاوا تو نہیں تھا نا۔

معاشی شکست ضرور تھی۔

روح کی موت تو نہ تھی نا۔

وہ خود کو تسلی اور اپنے ہی دلاسوں سے بہلا رہی تھی اور اپنی اس شعوری کوشش میں کم
تک کامیاب بھی ہو رہی تھی۔ بس ایک بے قراری تھی بے چینی تھی کہ کب شہلا اٹھے
اسے بتا دے یقیناً شہلا اس کی اس جرات پر حیران رہ جائے گی اور یہ حیرانگی یقیناً خوش گوا
ہو گی۔

یہ اس کا اپنا خیال تھا اور اسی خیال کو لے کر واپس اپنے بستر پر آلیٹی اور مطمئن
آنکھیں موند لیں۔

مگر صبح کو اس قدر افراتفری مچی تھی اس چھوٹے سے کمرے میں ایک شور ہنگامہ تھا جو
مچا رہی تھی۔ حسب عادت اسے چیخ چیخ کر ہدایتیں دیتے ہوئے اپنی تیاری کر رہی تھی اور ا
موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ وہ شہلا کو تسلی سے بتا سکتی۔ رات کے سارے ارادے ریت کی
کی طرح بیٹھ کر رہ گئے تھے۔

اس نے چائے کا پانی رکھتے ہوئے بے بسی کے احساس سے شہلا کی طرف دیکھا جو بیسن
عرق گلاب ملا کر چہرے پر مل رہی تھی۔

”دو دن سے حیلے بہانوں سے چھٹی منا رہی ہوں اور آج لیٹ ہو جاؤں گی تو فراز صاحب

میرا منہ نوچ لینے کو دل چاہے گا۔“ وہ بیسن چہرے پر تھوپ کر جلدی جلدی اپنے کپڑوں پر استری
پھیرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ ”خدا ایسے خرانٹ اور فضول انسان کو اتنی معصوم سیکریٹری نہ
دے حد ہو گئی..... دل کی جگہ موصوف پتھر فٹ کرا کے آئے ہیں‘ اچھی اچھی صورتیں بھی دراڑ
نہیں ڈال سکتی ہیں۔“ وہ اپنے باس کی شان میں قصیدہ خواں تھی۔ اسے ہنسی آگئی۔ ماچس کی
بجھی تیلی سے بے مقصد زمین پر لکیریں کھینچتے ہوئے سوچنے لگی کہ ہر شخص تو کمال احمد نہیں بن
سکتا نا۔ اور پھر بقول شہلا کے اتنا فضول خرانٹ قسم کا باس ہے۔ انتہائی وقت کا پابند مگر اس کے
باوجود شہلا گھر سے دس منٹ لیٹ ہو جایا کرتی تھی۔

ڈھیٹ تو شہلا نواز بھی تھی۔

کھولتے پانی میں اس نے جلدی سے چینی اور پتی ڈال دی۔

”کوئی اور ڈھنگ کی نوکری مل جائے تو اس بڈھے فراز صاحب سے بھی جان چھوٹے۔“ وہ
باتھ روم میں غڑاپ سے غائب ہو گئی تھی‘ کچھ دیر بعد برآمد ہوئی تو تیز چنگھاڑتے کپڑوں میں
نکھری نکھری محسوس ہو رہی تھی۔ پندرہ منٹ کی ریاضت سے چہرے پر خاصے اچھے تاثرات
مرتب ہوئے تھے۔

نجانے کیوں شہلا زندگی کے اس طریقے سے بور نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے چہرے پر
میک اپ کی دبیز تہیں چڑھاتے ہوئے دیکھا۔ روز گھنٹا بھر چہرے پر لیپا پوتی کرنا پھر مصنوعی
مسکراہٹ لبوں پر سجانا۔ کس قدر بے مزہ اور مشکل کام تھے مگر وہ بڑے مزے سے کر لیا کرتی
تھی۔

وہ اب ہیئر ڈرائیر سے بالوں کو انگلیوں میں لپیٹ لپیٹ کر لچھے کی صورت بنا کر سکھا رہی تھی۔

”وہاں کمال تو نہیں ہوتا پھر یہ ساری تیاریاں؟“ اس نے اس کے آگے چائے‘ سلائس اور
آملیٹ رکھتے ہوئے یونہی چھیڑا تو وہ ہیئر ڈرائیر کی گھر گھر کو ایک چھوٹے سے بٹن سے بند کر کے
ہنسی۔

”ہزاروں کمال ہوتے ہیں وہاں۔“

”کیا مطلب؟“ وہ قطعی نہ سمجھ سکی۔

”بھئی وہاں شادی شدہ خواتین بھی انتہائی سج کر آتی ہیں‘ اب پوچھو بھلا ان کو کیا ضرورت
ہے‘ کسے دکھاتی ہیں سولہ سنگھار؟“ وہ سکون سے آملیٹ پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔ ”ظاہر
ہے وہاں دیکھنے اور سراہنے والی ہزاروں آنکھیں ہوتی ہیں اور عورت کا پیٹ صرف ایک مرد کی
تعریف سے نہیں بھر جاتا۔“ وہ ایک آنکھ دبا کر خباثت سے ہنسی تو زنیرہ علی خان اسے دیکھ کر رہ

گئی۔

"تو محض دو لفظ سننے کے لیے اتنی خواری۔" اسے اس منطق کی سمجھ نہ آئی۔

"او بدھو لڑکی! مجھے تو لگتا ہے فراز صاحب کی طرح تم بھی دل کی جگہ پتھر فٹ کرا کے ا
ہو۔ کوئی جذبہ ہے بھی یا نہیں۔ فراز صاحب تو چلو اپنی جوانی گزار چکے ہیں مگر تم تو۔"

"پلیز شہلا۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ یکدم اس کی ہتھیلیاں گیلی
ہیں۔ شہلا سے کچھ بعید نہ تھا' وہ بولنے پر آتی تو نجانے کیا کچھ اور کیسے کیسے بول دیتی تھی۔

"او حیا کی پتلی؟" شہلا اس کے چہرے کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے قہقہے لگا
تھی پھر اچانک رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ "او ہو۔ میں تو لمبا ہی لیٹ ہو رہی ہوں
کھڑی کیوں ہو' ناشتہ کر ڈالو۔ جانا نہیں ہے کیا تمہیں' لگتا ہے ظفر صاحب زیادہ ہی مہربان ہو
ہیں۔"

وہ پھر سے متحرک نظر آنے لگی اور ظفر عباس کے نام پر زنیرہ علی خان کے حلق
کڑواہٹ گھل گئی۔ وہ چائے کا کپ اور سلائس تھام کر وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

"او کے۔ دعا کرنا میرے پیچھے۔ میری سلامتی کی۔" وہ کھٹا کھٹ سیڑھیاں بھی اتر گئ
نوالہ حلق میں پھنسا کر خود کو کوس کر رہ گئی۔

"لو زنیرہ علی خان! تمہاری یہ ڈھیر ساری سوچنے کی عادت کبھی بھی نہیں جائے گی۔ کیا
جو وہ مختصر لفظوں میں بتا دیتی کہ وہ ظفر عباس کی نوکری کو چھوڑ چکی ہے۔" اس نے بے د
کپ لبوں سے لگایا۔

جب رات بھر جاگ کر ایک فیصلہ کر ہی لیا تھا پھر اس میں اتنا سوچنے کی کیا ض
تھی۔ وقت کب ٹھہرتا ہے کسی کے لیے اور خاص کر ایک ڈانواڈول بندے کے لیے تو وقت
لیتا ہے۔ چائے بھی سخت بے مزہ محسوس ہو رہی تھی آج خود پر بھر بھر کر غصہ آنے لگا۔ د
بولنے کے لیے ساری رات سوچ کر بھی صبح عمل نہ کر سکنا' بزدلی حماقت نہیں تو کیا ہے۔

اس نے جھوٹے برتن سنک میں پھینکے اور دھونے لگی۔

اب پھر سے نئے سرے سے شہلا کا انتظار کرنا تھا۔

○☆○

آج دن زیادہ ہی طویل ہو گیا تھا یا اسے ہی محسوس ہو رہا تھا۔ ویران جھلستی دوپہر کاٹے
کٹ رہی تھی۔ شہلا کے اس چھوٹے سے گھر میں کام ہی کتنا تھا اس کے باوجود وہ صبح سے د
تک خود کو مصروف رکھے ہوئے تھی مگر اب جیسے کرنے کو کچھ نہ رہا تھا۔

وہ بیڈ پر کروٹیں بدلتی رہی پھر اٹھ کر ریڈیو کھول دیا اور دوسرے ہی لمحے معینہ کی پرسوز آواز جیسے اس کے دل کے اندر تک اتر گئی۔ جانے آواز ہی رسیلی تھی یا اسے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگان کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو

وہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئی۔

ایک گہری دھند آنکھوں کے پار سے پھیلنے لگی
لائی ہے اب اڑا کے گئے ہوئے موسموں کی باس
برکھا کی رت کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو!
پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

اس نے زور سے جلتی آنکھیں موند لیں۔ اسے محسوس ہوا اس کی آنکھوں کے کنارے نم ہو رہے ہیں۔"

آنکھوں میں اڑ رہی ہے لٹی محفلوں کی دھول
عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اشک رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو

غزلوں کا فرمائشی پروگرام چل رہا تھا۔ دوسری غزل شروع ہو چکی تھی مگر اس کے ذہن کی سطح پر بس وہی لفظ گونج رہے تھے۔

آنکھوں میں اڑ رہی ہے لٹی محفلوں کی دھول

اس نے اٹھ کر ریڈیو بند کر دیا اور گھٹنوں میں سر دے کر پلکیں جھپک جھپک کر اترنے والے دریا کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسی دم دروازہ کسی نے پوری طاقت سے بجایا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" اس کا خوفزدہ دل پوری قوت سے دھڑکنے لگا۔ وہ اٹھی اور دروازہ کھولا تو شہلا کسی آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی۔

"مائی فٹ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس حد تک حماقت کا ثبوت دو گی۔" اس نے پیر سے دروازہ بند کیا اور شولڈر بیگ صوفے پر پھینکا تھا۔ وہ شہلا کے اس حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھی سٹپٹا گئی۔

"اپنے تئیں تم نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ اتنی دلیر کب سے ہو گئی ہو تم؟" وہ .... جارحانہ تیوروں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"لک کیا ہوا؟" اسے اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی۔ پہلی بار شہلا کو اس روپ میں تھا۔ اس کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" وہ پوری قوت سے دہاڑی۔ "یہ بھی میں ہی بتاؤں کہ کیا ہوا ہے کون سا تمغہ کر ظفر عباس کے آفس سے آئی ہو' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری عزت کو یوں دو کو کر کے رکھ دو گی۔"

شہلا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے کھڑی زنیرہ علی خان کو اٹھا کر بالکنی سے پھینک دیتی۔ وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس سے مخاطب تھی۔

"اس لیے میں نے تمہاری سفارش کی تھی نیک پروین بی بی۔"

اور وہ جو شہلا کے اس تہلکہ خیز موڈ پر سہم گئی تھی اصل وجہ معلوم ہونے پر بکھرے حوا پر قدرے بحال کیے۔

"میں تمہیں صبح ہی بتانے والی تھی مگر تم جلدی میں تھیں۔" اس نے سر جھکا کر دھیرے کہا پھر چونک کر بولی۔ "مگر تمہیں کیسے خبر ملی۔ مم۔ میرا مطلب ہے تم آفس گئی تھیں؟"

"آفس گئی تھی' کوئی دوسری دنیا نہیں چلی گئی تھی۔ ظفر عباس کا سر پھاڑ آئی ہو اس۔ فون کیا تھا اور وہ کھری کھری سنائی ہیں جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ مائی گاڈ تم زنیرہ۔ تم غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"شہلا.... شہلا کیا تمہیں اس شخص نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سب میں نے کس ردعمل تحت کیا تھا' کیوں میں نے اس کا سر پھاڑا۔" اس کا لہجہ بھیگ گیا اس نے گھائل لہجے میں ا سے اسے ساری باتیں بتا دیں مگر اسے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ اس ساری کہانی کو سنن باوجود شہلا کے تیور نہیں بدلے تھے بلکہ اب اس کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ بھی نمودا چکی تھی۔

"خوب.... تو تمہارے خیال میں تم نے ایک صحیح اور جرات مندانہ قدم اٹھایا ہے تا اپنے ضمیر کے آگے سرخرو ہو گئی ہو' واہ زنیرہ علی خان واہ۔ شاندار۔ اب تمہیں میں کون سا پہناؤں' تمغہ جرات یا تمغہ پارسائی۔" اس کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی جس میں تمسخر ساتھ برہی بھی تھی۔

"تت۔ تو کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟" اس نے چند لمحے کی اذیت ناک خاموشی بعد غایت درجے حیرانگی سے پوچھا تو جواباً شہلا نواز کی آگ اگلتی نگاہیں اس کے وجود میں گڑ گڑ گئیں۔

"بائی گاڈ۔ اس کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ۔"

"اس نے یہ سب کچھ کس ردعمل کے تحت کیا تھا؟" شہلا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جب تم نے اس کی مخلصانہ پیش کش کو رد کر دیا تھا۔ تم چیز کیا ہو زنیرہ علی خان جو اتنی اکڑ فوں دکھا گئی اسے۔ یونہہ دو کوڑی کی ایک ادنیٰ سی سیکریٹری وہ بھی سفارش پر رکھی ہوئی۔"

"شہلا' شہلا اٹس ٹو مچ' لیو اٹ ناؤ۔"

شہلا نواز کے کاٹ دار جملوں میں وہ اپنے دل میں اٹھنے والی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے احتجاجاً رو دی۔

"اس شخص نے مجھے بہت غلط لڑکی سمجھا تھا شہلا۔ بائی گاڈ۔ اس نے میرے ماضی کے حوالے سے مجھ پر ایک رکیک الزام لگایا۔ بتاؤ شہلا۔ کیا میں کوئی آوارہ لڑکی ہوں جو محض مردوں کا دل بہلانے کے لیے ہو۔ کیا اس نے میرے کردار کو واچ نہیں کیا تھا اتنا عرصہ۔ بولو' شہلا' پھر کیوں اس نے اتنی پست اور گھٹیا حرکت کی؟" اس کا لہجہ غم و غصے کی شدت سے پھٹ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بلک بلک کر رونے لگی مگر شہلا کا دل اس کے آنسوؤں سے ذرا بھی متاثر ہوتا دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑے کڑے انداز میں اس کا بازو دبوچا۔

"یہ شرافت کا ناٹک تم نے کچھ زیادہ لمبا نہیں کر دیا زنیرہ خان؟" اس کے لہجے میں طنز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ اس کی اس بے حسی پر گنگ رہ گئی۔

وہ لبوں کا ایک کونا دانتوں میں دبا کر اس کا بازو جھٹکے سے ہٹا کر پیچھے ہٹی۔ "گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی نہ پارسا ہوتی ہے نا اس کا کوئی ضمیر ہوتا ہے۔ سچ ہی تو کہا تھا ظفر عباس نے کہ اس وقت تمہارا ضمیر کہاں جا سویا تھا جب تم کسی نامحرم کے لیے ماں باپ کی عزت کو پیروں تلے روند کر بھاگی تھیں' کیسی پارسائی' زینی ڈارلنگ' کہاں کی شرافت' یہ نیک نامی یہ پارسائی کا احساس تو تمہیں گھر سے نکلتے وقت ہونا چاہیے تھا۔ اب کیسی چادر اور کیسی چہار دیواری کا تحفظ۔ دھوپ میں نکل کر چھاؤں کی تلاش ہا۔ ہاہاہا۔"

"شہلا۔ شہلا گاڈ سیک۔" اس کی آنکھیں بے یقینی کے عالم میں شہلا پر مرکوز رہ گئیں۔

اسے ہرگز توقع نہ تھی کہ شہلا نواز کے کاٹ دار لفظوں کے نشتر اس پر اس طرح برس پڑیں گے جیسے آگ میں لپٹی ہوئی گولیاں۔ اس کا سارا وجود جیسے شعلوں میں گھر کر رہ گیا۔ اس لمحے اسے پورا کمرا کھولتا ہوا سمندر لگنے لگا تھا۔

شہلا الماری سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔ سخت طیش کے عالم میں یہاں وہاں ہاتھ مار رہی تھی۔

"ہر لڑکی۔ گھر سے کسی غیر مرد کے لیے نہیں بھاگتی شہلا۔" اس کی کانپتی' لرزتی آواز اور دم توڑ گئی۔ وہ خود بھی بیڈ کے کنارے یوں بیٹھ گئی جیسے قدموں میں جان نہ رہی ہو۔ شہلا کے تیروں نے اسے بے دم کردیا تھا۔ اسے کب گمان تھا کہ شہلا بجائے ظفر عباس کو برا بھلا کہنے کے اس کی حمایت کرے گی اور ظفر عباس کی طرح اس کے ماضی کے حوالے سے اس پر طرح حملہ آور ہوگی۔ اسے لگا جیسے شہلا کا وہ بت جو اس کے دل کی مسند پر سجا ہوا تھا ایک چھناکے سے زمین بوس ہو کر ریزہ ریزہ ہوگیا ہو جیسے نم ہاتھوں سے کوئی نازک گلدان کسی وحشی آواز کر ایک چھناکے سے بکھر جائے۔

کبھی نہ جڑنے کے لیے۔

ایک تیز سسکاری اس کے اندر ہی دم توڑ گئی۔

"گھر سے نکلنے کا ایک ہی جواز نہیں ہوتا' ہر لڑکی کے لیے آسودگی کی صرف یہی ایک … نہیں ہوتی۔"

"ہونہہ...... ہر لڑکی اسی لیے بھاگتی ہے۔ ہاں زنیرہ علی خان اسی لیے بھاگتی ہے اپنی نا آ… خواہشوں کی تکمیل کے لیے۔" وہ بھنا کر پلٹی۔ "لوئر مڈل کلاس' لوئر کلاس لڑکیاں تم جیسی جیسی' قناعت سے عاری لڑکیاں' اپنی خواہشوں کے جال میں قید ہو کر پھر یہی قدم اٹھاتی ہیں آسودگی کی یہی منزل سمجھ کر۔ خواہشوں کے انبار کی تکمیل کے لیے یہی راستہ سجھائی دیتا انہیں۔"

"نہیں.... نہیں شہلا' میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا ماضی اس کہانی سے منسلک نہیں ہے' میرا دل ایسی کسی خواہشوں کی قید میں نہیں تھا۔" اس نے احتجاجاً زور زور سے چاہا مگر آواز جیسے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔ آنسوؤں کا پھندا حلق میں پھنس گیا۔ میں نے تو صرف قفس رنگ ماحول کے حبس میں کھل کر سانس لینے کی خواہش پالی تھی۔

"ظفر عباس کے پاس کی لڑکیوں کی کمی تھی یا وہ تم پر مرمٹا تھا' ایسا کون سا سحر آفرین حسن تمہارا۔ کس ملک کی ملکہ ہو تم۔ ارے تم جیسی تو ہزاروں لڑکیاں اس کے ایک ابرو کی جنبش قدموں پر نثار ہونے کو تیار بیٹھی ہیں۔ یہ تو تمہاری عزت افزائی تھی جو اس نے تم پر خاص عنایت کرنے کی کوشش کی مگر تم۔ تم قابل ہی نہیں تھیں۔ نہ ظفر عباس کی نوازش کی' نہ اس نوکری کی۔ تم صرف خاک چھانتی پھرو اور مجھ پر بوجھ بنی بیٹھی رہو' جیسے میں کروڑوں کی مالک ہوں تمہیں ہر آسائش مہیا کرسکتی ہوں۔" وہ اس کی سماعتوں کو جھلساتی باتھ روم میں غائب ہوگئی دھاڑ سے دروازہ بند کردیا مگر اس کی اونچی آواز میں جاری بڑبڑاہٹ چھوٹے سے کمرے میں بدستور گونج رہی تھی۔

"مجھ سے غلطی ہوگئی جو تمہیں یہاں اٹھالائی اور دوسری غلطی جاب دلوادی۔ دو دن سڑکوں ٹھوکریں کھاتیں تو خود ہی ہوش ٹھکانے آجاتے۔ گھر سے بھاگنے کی ساری طراری دھری کی دھری رہ جاتی پھر کہاں کی شرافت۔ کہاں نام نہاد ضمیر کی سرخروئی حاصل کرنے کا تکلف۔"

اور وہ دم سادھے دکھ کے نئے احساس میں گھری بیٹھی رہ گئی اور حالات کی ستم ظریفی پر… اس کی زندگی تو ہر قدم پر اچانک ہی بڑے عجب انداز میں پلٹا کھاتی تھی' ویسے تو کوئی انسان بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ آنے والا لمحہ کیا حالات لے کر آتا ہے لیکن اس کے ساتھ تو زندگی کچھ زیادہ ہی مذاق کرتی تھی۔

اسے لگا جیسے یہ دکھ' یہ ندامت اور بے بسی کا احساس جو آبلے کی طرح اس کے دل پر پک رہا تھا' سرے سے جاگ اٹھا ہو۔ جیسے پہلی بار پتھر لگا ہو۔

پہلی بار چوٹ لگی ہو۔

اس نوبت کا تو تصور بھی اس کے پاس نہ تھا کہ شہلا کبھی کسی لمحے اس طرح اس کی ذات کو محض دو لفظوں میں پستیوں میں دھکیل کر رکھ دے گی اور اپنا دفاع بھی نہ کرسکے گی۔ شاید اس لیے کہ اس کے تمام پہلو کمزور تھے اس کا گھر سے نکلنا ہی اس کی بے ثباتی کی دلیل بن جائے۔ اس کے کردار کی بدنمائی کا ٹھوس ثبوت بن کر ابھرے گا یا پھر اپنے بچاؤ کے لیے شاید اس لیے بھی جارحانہ رویہ اختیار کرنا ممکن نہ رہا تھا کہ شہلا نواز اس کی مجبوری تھی۔ یہ چار دیواری اس کی واحد پناہ گاہ تھی۔

باتھ روم سے پانی کی تیز آواز نے شہلا کی آواز کو دبا دیا تھا یا وہ چپ ہوگئی تھی۔

وہ آہستگی سے اٹھی اور بہ مشکل چلتی ہوئی کولر تک پہنچی۔ بس چند لمحوں نے ہی اس کے اندر کی ساری توانائی کھینچ لی تھی۔ اعصاب بری طرح شل ہو رہے تھے۔ ٹھنڈے پانی کا پورا گلاس بھی رگوں میں دوڑتے لہو کی آگ نہ بجھا سکا۔

کاش۔ کاش شہلا نواز۔ تم نے میرا چہرہ طمانچوں سے سرخ کرڈالا ہوتا میری گردن پر چھری پھیردی ہوتی۔ مجھے بالکنی سے نیچے پھینک دیا ہوتا مگر مجھے بدکردار ہونے کا الزام نہ دیا ہوتا۔ مجھے ذلتوں کی اتنی عمیق گہرائیوں میں تو نہ پھینکا ہوتا۔ اب تو مجھے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ زمین پر بیٹھ گئی۔

پہلی بار شدت کے ساتھ اپنے اس فیصلے پر پشیمانی کا احساس ہونے لگا وہ گھر جو کبھی اس کے لیے گھر تھا ہی نہیں' سیمنٹ اور بجری کی چار دیواری کا محض بے جان حبس زدہ مکان تھا مگر اپنوں

کے ہاتھوں اٹھائے جانے والی اہانت کا احساس شاید اتنا کرب آمیز نہیں ہوتا۔ ہاں،
لفظوں میں انتہائی نفرت بسی تھی مگر اس نفرت..... میں صرف دکھ کا احساس ہوتا تھا، پچ
پشیمانی کا کوئی رنگ تو نہ تھا۔ اتنی گھٹن، اتنا حبس تو شاید اس چاردیواری میں نہ تھا۔

اس نے کانپتے لبوں کو دانتوں میں دبا کر بے حد پژمردہ نظروں سے دیواروں کو دیکھا۔

"شکر کرو اسے معمولی چوٹ آئی ہے۔ مرور جاتا تو سیدھی اندر ہوتیں پھر ساری
دھری کی دھری رہ جاتی۔" وہ تولیے سے چہرہ رگڑتے ہوئے غسل خانے سے باہر نکلی تھی۔
سرخی اب بھی اس کے چہرے پر تمتما رہی تھی۔ ایسے لوگوں کو زندہ رہنا ہی نہیں چاہیے
اس کی موت کا سہرا میرے ہی سر پر سج جاتا" اس نے چہرہ شہلا کی طرف سے ہٹا کر بے رونق
نگاہیں ٹکا دیں۔ وہ دانستہ شہلا کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ شہلا کے جملے ہی کافی تھے
دل چیرنے کے لیے۔ وہ اس کی نگاہوں سے نکلتے شعلوں کی تاب نہ لا سکتی تھی۔

اس کے تو سارے حوصلے تڑخ گئے تھے۔

سارا مان ٹوٹ گیا تھا۔

اپنی مدافعت میں کہنے کو کوئی لفظ نہ بچا تھا۔

اچانک شہلا کا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کیا تو لمحہ بھر میں دل خوش فہم نے سوچا کہ
شہلا نواز کو اپنے جملوں کا پچھتاوا ڈسنے لگا ہے۔

مگر دوسرے ہی لمحے اس کی ساری خوش فہمی بھک سے اڑ گئی۔

"زینی! ہم شطرنج کی ان مہروں کی طرح ہیں جن پر بھاری ہاتھوں کا حکم چلتا ہے، یہ گنا
کی، یہ شرافت کے فلسفے پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ انہی دیواروں میں جہاں سے سیکھا تھا یا
جانے کی کوشش کی گئی تھی۔"

اس نے بھیگی پلکیں اوپر اٹھائیں۔

شہلا کے چہرے پر ایک گہری سنجیدگی تھی۔ آنکھوں کے پار کہیں ٹوٹی آرزوؤں کا دھ
دکھائی دے رہا تھا۔

"تم نے بلوریں گلاس کو توڑ کر کبھی جوڑنے کی کوشش کی ہے، اول تو جڑتا ہی نہیں
بھی جائے تو کس قدر بدنما اور بدوضع نظر آتا ہے پھر کون یقین کر سکتا ہے کہ کبھی یہ
دلفریب بھی رہا ہوگا۔"

نجانے وہ اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی، یا جتانا۔ اس کے دل میں تو احتجاج بند توڑ کر
کو تیار تھے "مگر میں انسان ہوں شہلا نواز کوئی بلوریں گلدان نہیں جس کا دل چاہے اٹھا کر

پسند جگہ سجادے نہ پسند آئے تو اٹھا کر پھینک دے۔"

"ہمارے اس سفر کی کوئی منزل نہیں ہے زینی ڈیئر۔ اب تم بھی وقت کے بہتے دھاروں پر خود
کو چھوڑ دو۔ جہاں جہاں یہ بہہ کر لے جائے بہتی جاؤ۔"

وہ زمین پر کھڑی ہو گئی۔ شہلا اب آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بال بنا رہی تھی۔

"خواہ اس دھارے کا رخ کسی طرف بھی ہو۔" اس نے لب کاٹ کر دیکھا۔

"پھر وہی ڈھاک کے تین پات۔" شہلا جھنجلا کر پلٹی۔ "تم چیز کیا ہو، ایک تنکا، کیا تم ان
دھاروں کا رخ موڑ سکتی ہو؟" اس نے برش ٹیبل پر پٹخا۔

"میں تنکا نہیں ہوں، نہ کوئی بے حیثیت قطرہ۔ کوئی شخص حقیر پیدا نہیں ہوتا اسے وقت اور
حالات بنا دیتے ہیں اور پھر کسے حق پہنچتا ہے کہ وہ۔"

"بس۔ بس تم اپنی یہ بکواس اپنے پاس رکھو۔ تم کیا ہو، کیسی ہو یہ خود بھی جانتی ہو، محض
موٹے موٹے دو لفظ بول کر تم معتبر نہیں ہو جاؤ گی۔"

"ہاں بلا تقصیر کے معتوب و رسوا تو ٹھہرائی گئی ہوں۔" لاکھ کوشش کے باوجود اس کی
آنکھوں سے چند قطرے بہہ ہی نکلے۔

"بس تو اب وہ سارے فلسفے بیکار ہیں، ہتھیار پھینک دینے کے بعد جیت کے خواب دیکھے
جاتے۔ تم کل ہی ظفر عباس سے جا کر سوری کر لینا۔"

شہلا کے انداز میں حکم تھا۔ اس کا دل پوری طاقت سے سکڑا، پھیلا اور رگوں میں تندہی
سے خون دوڑنے لگا۔

اس کے چہرے پر تناؤ پھیل گیا۔

نجانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی وہ شہلا کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"نہیں..... ہرگز نہیں....." اس کے لہجے میں انکار کی بے پناہ سختی تھی کہ شہلا نواز چند
لمحے سناٹے میں رہ گئی۔

❁✫❁

اس کے لہجے میں انکار کی سختی نے شہلا نواز کو چند ثانئے گنگ کر دیا۔

اس نے بڑی جانچتی نظروں سے اس کا نئے سرے سے جائزہ لیا کہ آیا یہ وہی زنیرہ علی خان
ہے یا کوئی اور۔

یہ انداز۔

یہ لہجہ۔

اس بودی احمق اور سادہ لوح زنیرہ علی خان کا تو نہ تھا۔
یا پھر اس کی اپنی سماعت کا دھوکا ہے۔
مگر وہاں وہی زنیرہ علی خان کھڑی تھی۔ جس نے ہمیشہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کی تھی۔ ا
ہاں کو ہاں کہا ہے اور نہیں کو نہیں کی طرح قبول کیا تھا۔
تو پھر یہ کیسی سرتابی تھی۔
کیونکہ یہ حکم عدولی ہوئی۔
اس کا چہرہ تن گیا۔
لبوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ لہرا کر منجمد ہو گئی۔
"واہ زنیرہ علی خان..... دمڑی چمڑی گئی مگر اکڑی نہ گئی۔ تو ٹھیک ہے کوئی اور جاب تلا
اپنا بوجھ خود اٹھاؤ' اب میں تو عاجز آ گئی ہوں تم سے۔"
شہلا کی جھنجھلاہٹ بے حد شدید تھی اس نے تپائی پر لات ماری جو لڑھک کر دیوار
لگی تھی۔
"اونہہ اپنے کردار کی پارسائی اور نیک نامی کو تین وقت کھا کر پیٹ بھرو۔" وہ کھٹ
کرتی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
"شی۔ شہلا۔" وہ اس کے پیچھے لپکی۔ جانے کیوں شہلا کی خفگی نے اسے خوف زدہ کر
مگر پھر وہ کچھ سوچ کر دروازے تک جاتے جاتے رک گئی۔
شہلا کی خفگی اس صورت میں دور ہو سکتی تھی جب وہ اس کی بات مان کر ظفر عباس
سوری کر دیتی اور ایسا وہ ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔
ہر صبح دکھ کا ایک نیا رنگ لے کر ہی اترتی تھی اس کے دل میں اس جلتے چہرے کو
راحت نہ پہنچا سکا۔ اسے اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس اضمحلال سے زندگی بھر نکل نہیں سکے
اس نا آسودگی کے جال کو کبھی نہیں کاٹ سکے گی۔
لمحہ بھر کے لیے اس کے دل میں پلٹ جانے کا خیال آیا۔ انہی راستوں پر جہاں سے
ایک طوق گلے میں ڈال کر نکلی تھی۔ ایک ناکردہ غلطی کا بوجھ اٹھائے ہوئے مگر دوسرے لمحے
نے بے بسی سے اس خیال کو مسترد کر دیا۔
پلٹنے کا اب کوئی راستہ نہیں تھا۔
اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک اندھیری' مہیب سرنگ سے نکل کر گہری کھائی
گری ہو۔

نہ واپسی کی کوئی صورت تھی۔
نہ آگے کوئی منزل تھی۔
تو کیا شہلا ٹھیک کہتی ہے اسے حالات کے دھاروں پر خود کو کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔
اس کا سارا بدن لرزنے لگا۔
نہیں۔ وہ کبھی شہلا نواز نہیں بن سکے گی اور اگر بن بھی گئی تو کبھی خود کو معاف نہیں کر سکے
گی۔ پچھتاوے کا عذاب موت سے کہیں زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔

○☆○

شاہ دل نے بڑے کمرے میں جھانکا گھر کی ساری بزرگ خواتین اندر جمع تھیں یہ وقت ہوتا
ہی تھا ان کے مل بیٹھنے کا۔ عموماً سارے اہل خانہ خواتین شام کی چائے لان میں ہی پیتی تھیں مگر
آج ہوا میں خنکی کے باعث اور کچھ تائی ماں کے پیروں کے درد کے باعث وہ سب سے بڑے
کمرے کو ہی گھیرے ہوئے تھیں۔
"السلام علیکم۔" وہ اندر آ گیا۔ بلیک شلوار سوٹ اور پشاوری چپل میں وہ ہمیشہ کی طرح اور
رام دہ سادہ لباس میں تھا۔ رخساروں پر تازہ تازہ شیو کی تازگی تھی۔
"جیتے رہو۔ تمہیں فرصت مل گئی ہمارے لیے؟" تائی ماں کے لبوں پر پرانا شکوہ تھا۔ اس
کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بس سلام اور خدا حافظ کہنے ہی تو منہ دکھاتا ہے میرا۔" منجھلی چچی کہاں پیچھے رہتیں انہیں تو
بڑے اس بیٹے سے ڈھیروں شکوے تھے۔
وہ کرسی کھینچ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ تیز پرفیوم کی مہک بند کمرے میں پھیل گئی تھی۔
س کی آنکھوں میں خفیف حیرانگی ابھری اور معدوم ہو گئی۔
"پتا نہیں آپ سب لوگوں کو مجھ سے اتنی شکایات کیسے پیدا ہو گئی ہیں۔ حالانکہ اب تو میں
زیادہ سے زیادہ آپ لوگوں کے درمیان رہتا ہوں۔ کیوں ساریہ تم دو دن سے آئی ہو اور دیکھ رہی
ہو نا میں امی کے گھٹنے سے لگا رہتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر ساریہ کی طرف تائیدی نظروں سے
دیکھا۔
"جی ہاں۔ اتنا کہ چچی جان کے گھٹنے اینٹھنے لگتے ہیں۔ چھوڑیں شاہ دل بھائی شکوہ صرف چچی کو
ہی کیا' مجھے بھی ہے۔"
"او مائی گڈنیس۔" اس نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھر کر سے ساریہ کو گھورا۔ "تم بھی
فہرست بنائے بیٹھی ہو۔ چلو میں بھی تو سنوں کہ تمہیں کیا کیا شکوے ہیں؟"

"میری چھوڑیئے۔ پہلے چچی کے گلے دور کیجیے۔" سارہ آپی اپنی جگہ سے اٹھ کر
بالکل سامنے تائی ماں کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ "چلیئے چچی جان آج موقع اچھا ہے
سے کان پکڑ کر ساری شکایات دور کروا لیجیے۔"

"جی' جی بالکل۔ رسمِ دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے۔" رابعہ بھی
گھیرنے کے موڈ میں تھی۔

"یہ موقع تو سمجھ میں آیا مگر رسم اور دستور کچھ غلط بول گئیں۔" سدرہ بھابی اپنے
کروشیائی بیل بناتے ہوئے بھی ان سب کی طرف ہی متوجہ تھیں۔

"چلیئے امی۔ آپ سب کی ہی سازش ہے تو میں تیار ہوں شکایات کی فہرست سننے کے
شاہ دل نے کچھ ایسے تابعدارانہ انداز میں منجھلی چچی کے سامنے سر جھکایا کہ سدرہ بھابی
ہنسنے لگیں مگر چچی تو اس ادا پر بے تاب ہو گئیں۔

"آئے لو بیٹا۔ مجھے کون سی تجھ سے ڈھیروں ڈھیروں شکایات ہیں۔ بس میری
خواہش تو پوری کر ڈال۔"

"یعنی شادی خانہ آبادی عرف بربادی۔" غالب نے اندر داخل ہوتے ہوئے چچی
اپنے لفظوں میں پورا کر دیا تو وہ چونکا۔

"کیا شادی؟"

"اے لو۔ تو اس میں اتنا چونکنے کی کیا ضرورت ہے۔ شادی ہی تو کہا ہے نا کوئی پھا
تو نہیں ڈال رہے تمہاری گردن میں۔" تائی ماں اس کے اس قدر حیران ہونے پر تو
سے گویا ہوئیں۔ کتنے دنوں سے یہ لڑکا شادی کے نام پر آئیں بائیں شائیں کر رہا تھا۔
چلتا تو وہ کب کی نکیل ڈال دیتیں۔

"پھندا ہی ہوا چچی جان۔ شادی کا دوسرا نام پھندا۔" ثاقب بھائی بھی وہیں چلے
اور غالب ابھی باہر سے آئے تھے۔

"تم چپ رہو جی۔ اس لڑکے کا دماغ تو پہلے ہی خراب ہے تم سب مل کر اس
کرو۔"

تائی ماں تو باقاعدہ سنجیدگی سے کچھ کر ڈالنے کی کوشش میں تھیں۔

"میں تو کہتی ہوں فائزہ تم نبیل سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ اس پر دباؤ ڈالے۔ با
اس کا۔ فکر نہیں کیا اسے؟"

"چچا جان خود تو اپنی دوسری شادی پر راضی ہو جائیں گے مگر مشکل ہے شاہ د

کرتا۔" غالب تائی ماں کے بیڈ پر لیٹ گیا اور سارہ کے نیچے پھنسے تکیہ کو کھینچ کر اپنے سر کے نیچے
اڑس لیا جواباً سارہ اسے گھور کر رہ گئیں۔

"کچھ سوچ سمجھ کر بولا کرو غالب جو منہ میں آتا ہے بکتے چلے جاتے ہو۔ تائی ماں نے اسے
خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔ "باپ کی بات کیوں نہیں مانے گا۔"

"میرے خیال سے آپ ابھی یہ شادی وادی کی باتیں رہنے دیجیے اور دوسری شکایتوں کی
طرف آئیے۔" شاہ دل حقیقتاً اس موضوع سے بچنا چاہ رہا تھا۔ حالانکہ شادی نہ کرنے کا اس نے
ایسا کوئی پلان بھی نہیں بنا رکھا تھا مگر جانے کیوں اس موضوع پر ایک عجیب سی وحشت اس کے
اندر تک اتر جاتی تھی اور وہ خود بھی اپنی اس کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

"کیا برائی ہے اس اچھی بھلی زندگی میں۔ بلاوجہ ایک بندے پر ذمے داریوں کا بوجھ لاد دیا
جائے۔"

تائی ماں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "تم کوئی انوکھے ہو اس ذمے داری کو اٹھانے
والے۔ یا یہ کام لوگ کر کے پچھتاتے ہیں۔"

"یہ تو آپ ثاقب بھائی سے پوچھیے۔" اس نے تائی ماں کو خفا دیکھ کر شگفتگی سے کہا پھر چچی کو
دیکھا جن کے چہرے پر بھی ناراضگی پھیلی ہوئی تھی۔

"کوئی اور تو شکایت نہیں ہے آپ کو مجھ سے؟"

"سچی شاہ دل بھائی۔ آپ ایک بار آزما کر دیکھیں ہمیں۔ ایسی زبردست لڑکی ڈھونڈوں گی کہ
ساری عمر مجھے دعائیں دیں گے۔" رابعہ کی تان پھر وہیں ٹوٹی۔

"تو اتنی اچھی لڑکی اپنے بھائی کے لیے کیوں نہیں ڈھونڈی ابھی تک؟" غالب تکیہ گود میں
دبا کر سیدھا ہو کر بیٹھا تو سارہ آپی اسے گھور کر دیکھنے لگیں۔

"ایک لڑکی پر قناعت نہیں کر سکتے تم۔ سائرہ سے مایوس ہو گئے کیا؟" اور اس کی بات پر
سب کھسیا کر ہنس دیا۔

"بس شاہ دل بھائی آپ ہاں تو کہیں۔ ایک تجربہ ہی سہی۔"

"مس رابعہ کمال۔ تجربہ وہ کنگھی ہے جو گنجا ہونے کے بعد ہاتھ میں آتی ہے اور میں قبل از
وقت۔"

"لوگوں کی کمی نہیں ہے۔" غالب نے اس کی بات اچک کر کہا۔ "ایسی ایسی شاندار وگیں
بن ہیں ہر اسٹائل کی' گولڈن' براؤن' بلیک' پرم کی ہوئی' سیدھے بال' لمبے بال' چوٹیاں جو پسند

"تم تو چپکے ہی رہو تو اچھا ہے۔" بھابی اس کے بولنے کی عادت سے تنگ آ کر بو[لیں]
"بات میں ٹانگ اڑانا فرض سمجھتے ہو' کیسے نبھے گی سائرہ کی دادی سے تمہاری۔"

وہ ثاقب بھائی کے لیے چائے گرم کرنے کے لیے اٹھی تھیں اور دروازے جاتے پلٹ کر غالب کو چڑانے سے باز نہ آئیں۔

"کیا... کیا؟" غالب اتنے زور سے اچھلا کہ ساریہ آپی بھی اس افتاد پر بیڈ سے اچھ[لیں]

"نبھے گی سے کیا مطلب ہے آپ کا۔ کیا سائرہ کی دادی سے نکاح کر رہا ہوں میں" منہ چڑاتے ہوئے بھابی سے پوچھا تو سب ہنسنے لگے۔ جبکہ تائی ماں نے ہاتھ میں پکڑا سر[تا] پیر پر دے مارا۔

"تم سائرہ کی دادی کو نہ بخشنا۔"

غالب پاؤں سہلاتے ہوئے اسٹیل کے سرتے کو بے چارگی سے دیکھا۔

"میں کچھ دنوں کے لیے پاکستان ٹور پر جا رہا ہوں۔ یہی کہنے آیا تھا مگر آپ لوگ موضوع لے کر بیٹھ گئے۔"

اس نے کرتے کی جیب سے گاڑی کی چابی نکالی ادھر منجھلی چچی نہایت خفگی کے عا[لم میں] جگہ سے اٹھی تھیں۔

ادھر شادی کا نام آیا اور فرار ہونے کا سوچ لیا۔"

"مائی گاڈ۔" اس نے بڑی بے چارگی سے لب بھینچ لیے۔

"دیکھا بھابی آپ نے اسے پھر کہتا ہے کہ میں ہر بات تو آپ کو مانتا ہوں پھر کیوں ش[...] مجھ سے۔" وہ غصے کے عالم میں کمرے سے نکلنے لگیں تو اس نے جلدی سے انہیں ش[...] تھام لیا۔

"پیاری امی۔ میں آپ کی اس خواہش کو رد تو نہیں کر رہا۔"

"تو پھر رد کرنا کسے کہتے ہیں۔" ان کا انداز ہنوز برہم تھا۔ کسی نے شاہ دل کی حمایت [نہیں کی] تھی۔ بلکہ چچی کے غصے کو بھی سمجھ رہے تھے اس نے بڑی بے بسی محسوس کی۔

ماں جیسی ہستی کو خفا کرنا بھی اسے گوارا نہیں تھا اور شادی کے لیے وہ کم از کم ذہنی طور پر تیار نہیں سمجھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میرے ٹور سے آ جانے کے بعد آپ ضرور اس خواہش کو پورا کیجئے" [اس] نے بڑی آہستگی سے کہا تو چچی کا چہرہ کھل اٹھا بلکہ سبھی کے لیے یہ غیر متوقع خوشی تھی۔

"تو کیا ہم لڑکیاں دیکھنی شروع کر دیں؟" ساریہ آپی نے جلدی سے پوچھا۔

"وائے نات مگر فائنل کسی کو نہیں کرنا۔" اس کا انداز سرسری تھا پھر وہ مزید تاخیر کیے بغیر کمرے سے نکل آیا اور راہداری سے گزر کر ایک گہری سانس کھینچی۔

اپنوں کو خفا کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے مگر یہ محبت بھرے تقاضے پورے کرنا اس سے زیادہ مشکل کام لگتا ہے۔

"یہ یکایک ٹور کا پروگرام کیسے بن گیا؟" ادھر کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی' غالب اس کے پیچھے چلا آیا۔

"بس لوگوں دوست شکایات ہونے لگی تھیں یار۔ بس اقرار کرتے بنی۔"

"اوئے ہوئے۔ کون سے لوگ؟" غالب کا ماتھا ٹھنکا۔ "ایسے کیسے لوگ ہیں جن کے سامنے انکار نہ ہو سکا خاصے خوب صورت لوگ ہوں گے؟" غالب کی ہنسی معنی خیز تھی وہ ایڑیوں کے بل پلٹا۔

"یہ تمہارے دماغ میں ہر وقت نازنینوں کا خیال ہی کیوں سمایا رہتا ہے؟" اس کی آنکھوں میں ناگواری کا ہلکا سا تاثر تھا غالب قطعی متاثر نہ ہوا۔

"صرف دماغ میں نہیں یہاں دل میں بھی۔" وہ کہاں کم تھا' سینے پر ہاتھ مار کر کچھ اس انداز سے کہا کہ باوجود ناگواری کے شاہ دل کے لب ہلکے سے مسکرا اٹھے۔

"مسٹر غالب! میرا دل اور دماغ تم سے قطعی مختلف ہیں مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں جن پر تم مر مر جاتے ہو۔"

"واللہ۔" غالب نے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک لمبی آہ کھینچی اور پھر جھک کر بولا۔

انکار جیسی لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے

"تمہارا یہی انکار تو نازنینوں کے آتشِ شوق کو ہوا دینے کا کام کرتا ہو گا۔"

اور وہ سوائے زچ ہو کر غالب کو گھورنے کے کچھ نہ کہہ سکا اور پورچ کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔

اس نے گاڑی میں بیٹھ کر شیشہ بھی چڑھا لیا اور غالب کی کوئی بکواس سنے بغیر زن سے گاڑی کھلے گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔

دھت تیرے کی ٹور کی بات تو رہ ہی گئی۔ غالب سر کھجاتا خود کو کوسنے لگا۔ "اس قدر فضول بندہ ہے یہ شاہ دل بھی لگتا ہے دل کی جگہ پتھر فٹ کرا کے آ گیا ہے۔" وہ بڑبڑا کر پلٹنے لگا کہ کھلے گیٹ سے چھوٹے چچا کی گاڑی پورچ پر رکی۔ تیمور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ پچھلے حصے سے

نیلی اور فارحہ کے ہمراہ سائرہ کو اترتا دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ یہ محترمہ اور یہاں۔ گویا دوسر
اس کے لبوں پر دھیمی رنگین سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ سیاہ چادر کو سر پر دوبارہ جماتے ہو
پورچ کے آخری کنارے پر دیکھ کر لمحہ بھر جھجکی مگر دوسرے ہی لمحے بے اعتنائی سے نگاہیں
نیلی کے ساتھ چلنے لگی مگر غالب کے قریب سے ہو کر گزرنا لازمی تھا وہ کچھ ایسی جگہ پھیل
تھا۔ فون پر ہونے والی تلخ کلامی کو زیادہ دن بھی تو نہ گزرے تھا اور پھر غالب کے الفاظ بھ
کے بھلا دیے جانے والے تو نہ تھے۔ مگر حتی الامکان وہ اپنے تاثرات نارمل رکھنے میں ک
ہو گئی۔ حالانکہ اس کا دل تو اسے دیکھ کر چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ کر ا
ضرور پوچھے کہ آخر اسے کیا حق پہنچتا تھا اس کی زندگی میں بے سکونی بھرنے کا۔ ایسے کڑ
کھردرے الفاظ کے پتھر پھینکنے کا۔ وہ کس زعم میں اس کی ذات کو تضحیک کا نشانہ بناتا پھر
اگر وہ بزدل ہے تو ہے وہ کیوں اس کا خواہش مند بنا ہے۔ ڈھونڈے کوئی بہادر، جری اور ا
جو اس کی خواہشوں پر پوری اترے۔

یہ تین دن اس نے جس کرب میں گزارے تھے اس کا اندازہ خدا کو تھا یا خود اس
ہوئے بے سکون دل کو جو غالب کی باتوں پر نئے سرے سے ٹیکنے لگا تھا۔ سارے سوئے ہو
جاگ کر نئے سرے سے ناآسودگی کے جال میں اسے قید کر گئے تھے۔

آج اپنے گھر نیلی اور فارحہ کو دیکھ کر وہ اتنے دنوں کے روکے آنسو بہا بیٹھی تھی ا
سے لپٹ کر خوب روئی تھی اور نیلی بیچاری یہی سمجھتی رہی کہ دادی نے پھر کوئی نیا ستم توڑا
جہاں تھی، جس ماحول میں سانس لے رہی تھی وہاں ایسے حالات درپیش ہونا کوئی نئی بات
تھی۔

گزشتہ شب و روز میں ایسی کئی دل دوز باتیں ہوئیں تھیں، کئی کڑے لمحات آئے
جنہیں ماں بیٹی بن بہے آنسو کی طرح دل میں چھپا لیتی تھیں۔

نیلی بھی اس کے دکھوں پر آزردہ تھی مگر اس نے کوئی وضاحت نہ کی تھی اس بار اس
اس کی دادی نے نہیں غالب نے ڈھایا ہے۔ اپنے خنجر لفظوں سے اس کے نازک دل کا شیشہ
چور کیا تھا۔ بھلا رشتہ نہ ملنے پر کوئی یوں بھی مشتعل ہوتا ہو گا۔ یہ تو تقدیر کے فیصلے ہیں جو
خواہشوں سے بدلتے نہیں ہیں۔

اور اس لمحے غالب کو دیکھ کر سارے زخم پھر سے درد دینے لگے تھے۔

اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے نیلی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ لمحہ بھر
معنی خیز ''آہم'' پر دل بے حد تیزی سے دھڑکا تھا۔

''اسے کہاں سے پکڑ کر لائے ہو تم لوگ۔'' غالب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ جس طرح وہ نیلی
کا ہاتھ جکڑے چل رہی تھی اس کی زبان میں کھجلی ہونا لازمی تھا۔

''ایک پنجرے سے۔'' تیمور اس کے پاس ہی رک گیا جبکہ نیلی بل کھا کر پلٹی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ظاہر ہے اپنے گھر سے آئی ہے۔'' وہ سائرہ کی حمایتی نہ بنے یہ ہو ہی
نہیں سکتا تھا اور آج تو ویسے بھی سائرہ کے آنسوؤں نے اسے اچھا خاصا اداس کر دیا تھا مگر یہ غالب
کبھی تو انسان بن جاتا۔

''گھر۔ خوب۔'' غالب کی ہنسی انتہائی تمسخر آمیز تھی۔ سائرہ کا دل جھلس کر رہ گیا۔ اس نے
باہم لبوں کو بھینچ لیا۔

''ہاں گھر۔'' نیلی دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''اچھا! اچھا تو تم اتنی کیوں تلملا رہی ہو۔'' تیمور اس کے انداز پر ہنس دیا۔

''تم تو چپ ہی رہو ایک غالب بھائی کم ہیں کیا؟'' فارحہ کو بھی غصہ آ گیا۔

''اچھا بس زیادہ لڑو مت۔ میں نے تو صرف اس کے آنے پر حیرانگی ظاہر کی تھی جو فطری
بات تھی یہ موصوفہ یہاں کم پائی جاتی ہیں اس لیے۔'' غالب نے فارحہ اور تیمور کو ٹوک دیا۔

''ہم لوگ ایسے ہی پھوپو کی طرف نکل گئے تھے شاپنگ سے واپسی پر تو اتفاق سے اس کی
دادی اپنے بڑے بیٹے کے ہاں دو دن تک ٹھہری ہوئی ہیں اور مظفر انکل ملتان گئے ہیں سو ہم لوگ
زبردستی سائرہ کو لے آئے۔'' یہ تفصیل فارحہ نے اس کی گوش گزار کی۔

''بلاوجہ اتنی زحمت کرتی ہو تم لوگ جو قفس میں ہی سکون محسوس کرتا ہو اسے آزادی کے
مفہوم سے کیا آشنا کرانا۔''

''غالب۔'' نیلی حقیقتاً دکھی ہو گئی تھی سائرہ کا ضبط سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر اسے غالب پر
تاؤ آ رہا تھا اور غالب مزید کوئی دل جلانے والا فقرہ کہتا سارہ آپی اور بھابی اس طرف آتی نظر
آئیں۔ سائرہ کو دیکھ کر سارہ آپی کھل اٹھیں۔

''ارے تم کہاں سے آ گئیں میری جان۔'' انہوں نے دو قدم میں ہی چار قدموں کا فاصلہ
طے کر کے اسے سینے سے لگا لیا۔

''کیسی ہیں آپ؟ اتنا عرصہ ہو گیا آپ سے ملے مجھے۔ آتی ہی نہیں ہیں آپ تو۔''

''لو اور سنو۔ میں تو یہاں آتی رہتی ہوں تم ہی عید کا چاند ہو کر رہ گئی ہو۔'' وہ محبت سے اسے
خود سے لپٹائے لپٹائے چلنے لگیں۔

''جی۔ یہ تو اتنا آتی ہیں کہ ان کے شوہر بیچارے ہاتھ پاؤں جوڑ کر انہیں گھر لے جاتے

ہیں۔"

"کیا' کیا بکا تم نے؟" ساریہ آپی نے پلٹ کر غالب کو گھورا۔ بہن کا مہینوں میں
تمہاری آنکھوں میں کھٹکتا ہے' دیکھیں تو بھابی ذرا۔ کیسا طوطا چشم ہے میرا بھائی بھی۔"

"طوطا چشم نہیں آدم چشم کہیں' بلاوجہ طوطے کو کیوں بدنام کر رکھا ہے۔" وہ جلدی
تو ساریہ آپی مسکرا کر رہ گئیں۔

"توبہ ہے اس لڑکے کے لیے تو خطرناک لڑکی ڈھونڈنی چاہیے جو پہلے دن ہی الف
سیدھا کر دے۔"

"بالکل' بالکل۔ ساری اڑنگ بڑنگ دھری رہ جائے۔" نیلی نے خوش ہو کر ساریہ
بات کی تائید کرتے ہوئے کہا تو سائرہ بھی بے ساختہ ہنس دی۔

"سوچ لیں۔ ایک کو تو تم سب پہلے ہی بھگت رہی ہو۔ ہائے بیچارے ثاقب بھائی
نے سرد آہ بھر کر سدرہ بھابی کو دیکھا تو ساریہ آپی نے جھک کر اپنی چپل اٹھا لی۔

"اس لڑکے سے تو کوئی جیت ہی نہیں سکتا۔" وہ جل بھن کر رہ گئیں نشانہ جو خطا ہو گیا

"شکریہ اس تعریف کا۔ اور یہ بات سائرہ مظفر کو بھی بتا دیجئے گا کہ غالب سے آج تک
جیت نہیں پایا۔"

اس نے ایک گہری نظر سائرہ پر ڈالی اور لان کی طرف نکل گیا اور سائرہ مظفر بت سی رہ گئی

بس ایک جملہ تھا۔

ایک گہری نظر تھی۔

اس کی ساری ہنسی ڈول کر رہ گئی۔

کیا کچھ تھا اس ایک جملے اور نگاہوں میں۔

ایک عزم۔

ایک ضد۔

محبت۔

حاصل کرنے کی جستجو۔

اس نے دائیں طرف سے چلتی نیلی کے ہاتھ کو یوں مضبوطی سے تھام لیا جیسے ڈو
سہارا ہو۔

"تم اس کی باتوں سے پریشان نہ ہونا سائرہ۔ اسے تو چھوٹے چچا ہی ٹھیک کریں گے
دل۔" ساریہ آپی نے گردن میں باوز حمائل کر کے اسے خود سے لگا لیا۔

○☆○

سائرہ کی آمد نے غالب کے وجود میں عجیب سی سرمستی اور شگفتگی بھر دی تھی وہ کبھی کبھی اپنی
اس کیفیت اور سائرہ سے اس قدر دلی وابستگی پر حیران رہ جاتا۔ جانے کس کمزور لمحے کی گرفت نے
اسے اتنا کمزور بنا ڈالا تھا۔ سائرہ کو اس کی مجبوری بنا ڈالا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ ہار پر پریشان تھا بلکہ
اسے اپنی یہ کیفیت بھلی لگتی تھی۔ سائرہ مظفر کو سوچتے رہنا اچھا لگتا تھا۔ اپنی زندگی میں سائرہ کی
پائل کی جھنکار کا خواہش مند تھا۔

اسے کہو کہ بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنون اس کا

اس نے اٹھ کر بتی جلائی اور شیلف سے ایک مجموعہ شاعری اٹھا کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کے
لبوں پر مدھم مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور تصور میں سائرہ کا چہرا تھا کچھ خفگی لیے ہوئے۔
کچھ اداس اور ملول سا۔

وہ سائرہ کو آزردہ ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا اور پھر اس دن فون پر ہونے والی تلخ کلامی پر بھی
متاسف تھا مگر جانے کیوں وہ سرپھری اور بزدل لڑکی سامنے آتی تھی تو اسے چھیڑنے' ستانے میں
لطف آتا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ احتجاج کرے۔

ناراض ہو تو اس کا برملا اظہار کرے۔

اظہار تو جذبوں کی دلکشی ہے' اس کا ترجمان ہے۔

چاہے خفگی کے ہوں۔

یا خوشی کے۔

اس نے یونہی آج صبح خریدی ہوئی فرحت عباس شاہ کی کتاب کھول کر چہرے کے آگے کر
لی۔

محبت ذات ہوتی ہے۔
محبت ذات کی تکمیل ہوتی ہے۔
کوئی جنگل میں جا ٹھہرے کسی بستی میں بس جائے۔
محبت ساتھ ہوتی ہے۔
محبت خوشبوؤں کی لے۔
محبت موسموں کا دھن۔
محبت آبشاروں کے نکھرتے پانیوں کا من۔

محبت جنگلوں میں رقص کرتی مورنی کا تن۔

محبت برف پڑتی سردیوں میں دھوپ بنتی ہے۔

محبت چلچلاتے گرم صحراؤں میں ٹھنڈی چھاؤں کی مانند۔

محبت اجنبی دنیا میں اپنے گاؤں کی مانند۔

اچانک کھڑکی کے راستے کھلکھلاتے قہقہوں نے اس کا دھیان کتاب سے ہٹا دیا۔

شفاف شیشوں سے شام کا ملگجا اندھیرا جھانک رہا تھا۔ صبح سے ہی موسم ابر آلود تھا۔ وقت سرمئی بادل آہستہ آہستہ آسمان پر چھا رہے تھے۔ اس نے اٹھ کر پیروں میں چپل ڈالی کمرے سے نکل آیا۔

وہ ایسے موسم کا کبھی دیوانہ نہ رہا تھا مگر یکایک یہ ساری تبدیلیاں اسے اپنے آپ محسوس ہونے لگی تھیں۔

لان میں وہ سب جمع تھیں۔ بھابی اور رابی کے ہاتھوں میں الم غلم چیزوں سے بھری ٹرے تھیں۔ نیلی ٹرے میں چائے کے لوازمات سجائے آ رہی تھی پھر وہ سب چنبیلی کی خوشبو دار بیل کے نیچے ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئیں۔ جہاں شیلٹر تھا۔

ہلکی ہلکی بونداباندی شروع ہو گئی تھی۔

”لگتا ہے بارش بہت تیز ہو گی۔“ نیلی نے سرمئی بادلوں سے بھرے آسمان پر نگاہیں ڈالیں اور پھر غالب کو آتے دیکھ کر بولی۔ ”چائے پیو گے؟“

”نہ صرف چائے بلکہ وہ سب بھی کھاؤں گا جو آپ لوگ نوش فرمائیں گے۔“ وہ اطمینان سے کہتا ہوا ان سے ذرا فاصلے پر رکھی بید کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تبھی عادل اور تیمور بھی اس طرف نکلے۔

”ندیدے ہو پورے۔“ نیلی پلیٹ نکالتے ہوئے ہنسی۔

”ارے واہ۔ تم کھاؤ تو عبادت اور ہم کھائیں تو ندیدہ پن۔“ عادل نے تڑپ کر کہا۔

”جی ہاں فٹافٹ ہمیں یہاں سرو کیا جائے۔“ تیمور نے ٹیبل بجائی۔ رابی اور سائرہ اٹھ کر تینوں کے آگے میز پر سموسوں اور برگر کی پلیٹ سجانے لگیں۔

”شکریہ۔“ غالب نے اس کے قریب آنے پر دھیمے سے کہا تو سائرہ بس ایک نظر اس پر ڈال کر واپس اپنی جگہ جا بیٹھی۔

سبز اور سرخ کنٹراس سوٹ میں بڑا سا میچنگ دوپٹا اوڑھے وہ خوش رنگ گلاب لگ رہی تھی۔ ڈھلے ڈھلے چہرے پر اداسی کی آمیزش اسے اور بھی جاذب نظر بنا رہی تھی مگر ہنستے ہوئے

اس سے بھی زیادہ پیاری لگتی تھی۔

غالب کی نگاہیں رہ رہ کر اس کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اس نے جان بوجھ کر اس کے بالکل سامنے والی کرسی کا انتخاب کیا تھا۔ وہ اس لمحے اسے اس خوب صورت موسم کا ہی حصہ لگ رہی تھی۔ سرمئی بادلوں کی مانند گھمبیر اور باوقار۔

یا شاید۔ نرم نرم جھونکوں کی مانند جو روح تک سرشار کر دیتے ہیں۔

یا پھر۔ سرخ سرخ پھولوں کی مانند جو نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں۔

برسات کا موسم تو لہرانے کا موسم ہے
اڑنے دو ہواؤں میں بکھرے ہوئے بادلوں کو

اس نے بے اختیار ہی سائرہ کے سر پر دوپٹا ڈالتے ہوئے شعر پڑھا تھا اور سائرہ مظفر کے ہاتھ واضح طور پر کانپ کر رہ گئے۔

وہ سب غالب کی اس شرارت سے بے خبر تھے یا انجان بنے ہوئے تھے وہ سمجھ نہ سکی۔ نیلی کی طرف کنکھیوں سے دیکھا جو نہایت اطمینان سے ایک ہاتھ میں چائے کا مگ تھامے دوسرے ہاتھ سے سموسہ نوش فرما رہی تھی۔

اس کا تیزی سے دھڑکتا دل آہستہ آہستہ معمول پر آ گیا۔ غالب کی یہ محویت اسے سخت ڈسٹرب کر رہی تھی وہ تو اب تک غالب کی اس بدلتے ہوئے رویوں میں الجھی ہوئی تھی۔

وہ بے تکلفی سے ہنستا، باتیں کرتا غالب۔ اچانک ہی بدل گیا تھا۔ بے پرواہی سے اس پر نظر ڈال دینے والا اب یکایک اسے اتنی اتنی دیر تک دیکھنے لگتا تھا کہ وہ بری طرح ہراساں ہو جاتی۔

”اوہ یار بارش تو تیز ہو گئی ہے۔“ عادل بارش کو تیز ہوتے دیکھ کر بولا۔

”چلو یار ہم بھی اس شیلٹر کی طرف آ جائیں۔“

عادل کے ہمراہ تیمور بھی اٹھ گیا جبکہ وہ مگ تھامے یونہی بیٹھا رہا جیسے ان برستی بوندوں سے لطف اٹھا رہا ہو۔

”نہایت بدذوق ہو تم دونوں۔“ اس نے باقاعدہ ان دونوں کو گھورا۔

”اماں یار ابھی نہا کر نکلا ہوں۔“ عادل کو اپنے دھلے استری شدہ کپڑوں کی فکر تھی۔

”کوئی اچھی سی غزل تو سناؤ غالب۔“ بھابی اس سے مخاطب تھیں۔ ”موسم کا لطف ذرا دوبالا ہو جائے۔“

”بس آنے ہی والے ہیں آپ کے مجازی خدا۔ ان سے سن لیجئے گا۔“ اس نے ہنس کر کہا تو بھابی کے رخسار گرم ہو گئے۔ اس لڑکے سے ایسی ہی فضول گوئی کی توقع کی جا سکتی تھی۔

"ان سے تو میں سن ہی لوں گی فی الحال تم سنا دو۔"

"کم از کم آپ کے لیے تو نہیں سنا سکتا ہوں۔ اگر کچھ اور لوگ اصرار کر دیں تو۔" نگاہیں پھسلتی پھر اس گوشے کی طرف اٹھیں اور اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو کر مسکرا اٹھیں۔

"چلو کچھ اور لوگوں کے لیے سہی۔" اب بھابی اتنی انجان بھی نہ تھیں۔

غالب چند لمحے خاموش رہا اس کے ذہن میں ایک غزل ابھرنے لگی تھی۔

کسی پُر نور تہمت کی ضرورت ہے گھٹاؤں کو
کہیں سے مہ وشوں کو لائیے برسات کے دن ہیں

سائرہ آہستگی سے اٹھنے لگی تو نیلی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

"بزدل۔"

اور سائرہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

غالب ہنوز وجد میں تھا۔

بہاریں ان دنوں دشت و بیاباں میں بھی آتی ہیں
فقیروں پر کرم فرمائیے برسات کے دن ہیں

اس کے لہجے، ان جملوں اور نگاہوں میں سب کچھ تھا۔ سائرہ مظفر کے لہو میں طوفان تھا اور ادھر وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر واہ واہ کا شور مچائے ہوئے تھے۔

یہ موسم شورشِ جذبات کا مخصوص موسم ہے
دلِ ناداں کو بہلائیے برسات کے دن ہیں

اس نے حقیقتاً گھمبیر آواز اور خوب صورت لب و لہجہ سے سب کا دل خوش کر دیا۔ بھی اس کی آواز اور اس خوب صورت غزل کو دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکی۔ غالب سب وصول کر رہا تھا۔

"اچھا بھئی تو یہاں یہ عیش ہو رہے ہیں۔" ثاقب بھائی پورچ سے سیدھے یہیں آ بھابی کے ہاتھ میں برگر دیکھ کر ان کی بھوک چمک اٹھی۔

"ہمارے بغیر آپ کے حلق سے اتر بھی گیا۔ واہ بھئی ہم تو ایسے ہی خوش فہمیوں ہیں۔"

"ہائے اللہ۔" بھابی سچ مچ کھسیا گئیں اور جلدی سے برگر پلیٹ میں رکھ دیا تو وہ سب بے ساختہ قہقہوں کو نہ روک سکے تھے۔ سب سے اونچا قہقہہ خود ثاقب بھائی کا ہی تھا۔

"ایسے ہی ڈرا دیا آپ نے تو۔ آخر ان سب کا بھی تو ساتھ دینا تھا۔" بھابی خجالت آ

ں وضاحت کرنے لگیں۔ "آپ کھائیں گے؟"

"نہیں۔ ابھی رہنے دو۔ پہلے میں ہاتھ لوں گا۔" وہ اندر کی جانب بڑھ گئے اور لازماً سدرہ ابی کسی فرمانبردار سعادت مند بیوی کی طرح ان کے پیچھے لپک گئیں۔

کچھ دیر بعد تیمور اور عادل بھی سارہ آپی کے شوہر کو آتا دیکھ کر استقبال کے لیے اٹھ گئے۔ رابعہ کو منجھلی چچی نے بلایا تھا فراز بھائی کی خاطر مدارت کے لیے۔ نیلی اور سائرہ.... بھی اری چیزیں سمیٹ کر ملازمہ کے ہاتھوں اندر بھیج کر اٹھ گئیں اور برستی بارش میں ٹہلنے لگیں۔ الب البتہ ابھی تک سابقہ حالت میں کرسی کی پشت سے سر ٹکائے موسم کا لطف اٹھا رہا تھا۔

"اب تو لگتا ہے بارش پورا ہفتہ منائے گی۔"

"ہاں۔ شاید۔" سائرہ جیسے کسی خیال سے چونکی تھی۔ جانے کیوں ایسے موسم میں اس کے ں کی اداسی بڑھ جایا کرتی تھی۔ جیسے دل پر بھی غم کے گھنگھور بادل چھا گئے ہوں۔

"سائرہ۔ تم غالب بھائی کی شرارتوں پر دل برداشتہ نہ ہوا کرو۔" نیلی بوگن ویلیا کی باڑھ کے س رک گئی اور اسے بغور دیکھنے لگیں۔ "ان کی تو عادت ہے یونہی۔ مذاق کی۔ وہ دل کے بہت چھے ہیں یقین کرو سائرہ۔ ان کا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں ہے 'وہ تو۔"

"بہادر بنانا چاہتے ہیں نا مجھے۔ یا شاید گستاخ۔" اس نے نیلی کی بات کاٹ دی۔ اس کا لہجہ یکدم تیز ہو گیا تھا۔

"مگر کس لیے آخر؟"

"اپنے لیے۔" غالب اچانک ان دونوں کے قریب آ گیا اور اس کے یوں آ جانے پر لحظہ بھر کے لیے وہ دونوں گڑبڑا گئیں۔ انہیں تو خبر ہی نہ ہوئی تھی کہ غالب ان کی طرف آ رہا تھا۔

"تم استحقاق کو گستاخی اور بدتمیزی سمجھتی ہو۔ نہیں سائرہ مظفر حق مانگنے اور بغاوت میں ت فرق ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ نیلی نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا اسے ب کے چہرے پر نرمی اور ملائمت نظر آئی۔ کسی طرح کا غصہ یا سختی نہ تھی۔ سائرہ فوری طور پر ی طرح کا رد عمل ظاہر نہ کر سکی۔ بس بوگن ویلیا کے پھولوں کو توڑ توڑ کر مسلتی رہی۔ اس کے ں غالب کی اس بات کا جواب تھا بھی تو شاید بہت بودا سا تھا۔

"کیا یہ ظلم نہیں ہے ظالم کا ساتھ دینا۔ ظلم کو خاموشی کے ساتھ سہنا۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ گستاخ ہو جاؤ۔ بزرگوں کا احترام پس پشت ڈال کر بغاوت کرنا شروع کر دو۔"

بارش تھم گئی تھی مگر موسم بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ ایسے میں ڈھلتی شام کو 'غالب کے راہ وہ سائرہ کو اس کی منزل پر چھوڑنے جا رہی تھیں۔ راستے بھر ہنسی مذاق بھی جاری تھا اور

آئس کریم کے مزے بھی لوٹے جا رہے تھے۔ ایک موڑ پر کاٹتے ہوئے غالب نے جیب
کیسٹ نکال کر سائرہ کی طرف بڑھائی۔

"اسے ضرور سننا۔"

یہ غزلیات کی کیسٹ تھی۔ سائرہ کی انگلیاں اسے گرفت میں لیتے ہوئے کانپ گئیں۔

"کیا دل کی آواز ہے۔" بھابی نے اسے چھیڑا "یا پھر اپنی آواز ٹیپ کر کے دے
مشکل ہو جائے گی دادی نے سن لیا تو۔"

"جی نہیں اب یہ بندہ اتنا بزدل ہرگز نہیں کہ چند لفظ کہنے کے لیے کیسٹ کا سہارا
اس نے ویو مرر سے سائرہ کے چہرے کو دیکھا جو مرر میں جھانکتی اس کی شوخ نگاہوں کے
سے لال ہو گیا تھا۔

"اوئے ہوئے۔ اس وقت ہم کہاں تھے؟" بھابی چیخ اٹھیں۔

"کس وقت؟" نیلی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"جس وقت اسد اللہ خان غالب صاحب بہادری کا ثبوت دے رہے تھے۔" بھابی کا
برجستہ تھا' ان سب کی قل قل گاڑی میں پھسل گئی جبکہ غالب کھسیا کر بالوں پر ہاتھ پھیر تا رہا

"ویسے مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ آپ بھی غزلیں سنتے ہیں غالب بھائی۔"

"نہیں۔ مجھ پر غزلوں کی پابندی ہے کیا؟" غالب نے اس سے زیادہ حیرت کا اظہار کیا۔

"نہیں۔ پابندی تو خیر نہیں ہے مگر میرا خیال تھا آپ پوپ میوزک کو پسند کرتے ہوں۔
بیچاری فارحہ نے کچھ اس انداز سے کہا کہ غالب کا دل چاہا آئس کریم کا پورا کپ اس کم فہم
کے سر پر دے مارے۔ کتنی سادگی سے اس نے غالب کی طبع نازک پر تیر مارا تھا۔

"میرے ذوق کے بارے میں اتنے غلط اندازے لگانے کی کیا ضرورت تھی تمہیں
نے مجھے کبھی سر کے بل چلتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ وہ پلٹ کر اسے گھورتا ہوا بولا تو وہ بجائے
ہونے کے ہنسنے لگی۔

"ویسے غزل سننا بھی آج کل فیشن ہے۔" بھابی نے اسے چڑایا مگر غالب جواباً چپ
جانتا تھا پھر ادھر اس کے منہ سے کوئی بات نکلے گی اور وہ سب پھر شرارت پر اتر آئیں گی۔

سائرہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے وہ سب سنجیدہ ہو رہی تھیں۔

"اب کب آؤ گی سائرہ؟" نیلی نے اس کا ہاتھ تھام کر کچھ زیادہ ہی رقت آمیز لہجے میں
سب کو اپنی ہنسی دبانی مشکل ہو گئی۔

"جب اس کی دادی کہیں اور پرواز کر جائیں گی۔" غالب کی بزلہ سنجی عود کر آئی تو

لب بھینچ لیے۔

"خدا انہیں سلامت رکھے وہ کیوں کہیں پرواز کرنے لگیں۔"

"جی ہاں خدا انہیں لمبی عمر دے۔" غالب نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھایا تو باوجود ناگواری
اسے ہنسی آ گئی۔

"اچھا سائرہ۔ پھوپو کو سلام کہنا۔ اور ہاں آنا ضرور تم کوئی موقع نکال کر۔"

"اب یہ بیدبانی [illegible] کر چھوٹے کرو۔ کہیں پیچھے سے وہ آدم بو آدم بو کرتی دادی نکل نہ
آئیں۔" غالب نے کچھ اس انداز سے ڈرایا کہ حقیقتاً سائرہ اچھل کر رہ گئی پھر غالب کی ہنسی پر
جھینپ ہو کر رہ گئی۔

"اچھا خدا حافظ۔" وہ چھپاک سے دروازے کی طرف پلٹی۔

"ڈرا ہی دیا تم نے غالب۔" نیلی نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے غالب کو گھورا۔

"اب چلو بھی 'کیا گاڑی آگے نہیں بڑھانی؟" اس نے غالب کی نگاہوں کی چوری پکڑتے
ہوئے کہا تو وہ خجل سا ہو کر ہنس دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

○☆○

گزرتے لمحوں کی فلم جس اذیت ناک انداز سے اس کے ذہن کے رستوں پر رینگ رہی تھی
اس کے کرب کا اندازہ صرف اس کے دل و دماغ کو ہی تھا۔ بس ایک ذرا سے الفاظ ہی تو شہلا نواز
کے منہ سے نکلے تھے اور جیسے خود کو تنکا تنکا جمع کر کے مضبوط بنانے کا سارا عمل بکھر کر رہ گیا تھا۔
اپنی ذات سے بھی اعتماد اٹھ گیا تھا۔

وہ اس مقام پر خود کو محسوس کر رہی تھی جہاں سے آگے کوئی منزل نہیں ہوتی نہ کوئی راستہ
ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا اور تاریکی ہی تاریکی۔

کبھی کبھی انسان کتنا بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے زمین پر رینگنے والے کیڑے سے بھی زیادہ
بے بس اور مجبور۔ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ شدت سے یہ احساس اس کے اندر
جاگنے لگا تھا کہ اس نے ایک اندھیرے راستے کو چھوڑ کر اس سے بھی زیادہ مہیب اور تیرہ
و تاریک پگڈنڈی کا انتخاب کیا ہے۔

شہلا جانے رات کے کس پہر آئی تھی۔ آہٹ پر اس کے خیالات کا تسلسل ضرور ٹوٹا تھا مگر
وہ ننگے فرش پر یونہی آنکھوں پر بازو دھرے پڑی رہی۔

بالکل اچانک ہی ان دونوں کے مابین اجنبیت کی ایک دیوار آ کھڑی ہوئی تھی۔
صدیوں کے فاصلے۔

جیسے کبھی ملے ہی نہ تھے۔

جانتے ہی نہ تھے۔

ہاں جاننے کا دعویٰ تو شہلا اور خود اس نے بھی کبھی نہیں کیا تھا ایک دوسرے سے عارضی ٹھکانہ تھا اس کا اور عارضی پناہ گاہ۔ شہلا کا عارضی ساتھ۔ وہ دونوں تو کشتی کے کی طرح تھیں جو ایک لمبے سفر پر اکٹھی ہو گئی ہوں اور سفر چاہے جتنا بھی طویل ہو اختتام ضرور ہوتا ہے۔

اور شاید۔ اب ان دونوں کے درمیان بھی جدائی ہونے والی تھی۔ آخر شہلا کا روجود کا بوجھ کیوں گھسیٹتی پھرے گی۔ بے بسی کے بے آواز بہتے آنسو اس کا دکھ اور رہے تھے۔ اس نے آہستگی سے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دائیں طرف دیکھا تو شہلا بستر اور چت لیٹی ہوئی چھت کو گھور رہی تھی۔

اس نے اپنی نم آنکھوں پر دوبارہ بازو دھر لیا۔ کوئی ایک شخص بھی مجھے نہیں ایک نظر بھی ایسی نہیں جو سچائی کی روشنی کو محسوس کر سکے یا پھر میں ہی خوش فہم اپنی ذات کے لیے۔ یونہی ایک بے کار سا فخر سمیٹے بیٹھی تھی۔ اپنی عزت اور عظمت جیسے یہ کوئی انمول خزانہ ہی تو ہو۔

اس کی سوچوں میں دھواں بھرنے لگا۔ اونہہ ٹھیک ہی کہتی ہے یہ شہلا بھی۔ یہ چادر اور چار دیواری میں ہی اچھے لگتے ہیں اور اثر رکھتے ہیں۔ یکایک اس کی سوچوں شکستگی در آئی جس سے وہ بچنا چاہتی تھی۔ جس کا وہ توڑ چاہتی تھی اور جس کے ت چاہتی تھی۔

لمحے بڑے خاموشی کے ساتھ ان دونوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ جا بس دونوں کو اپنی سانسوں کے چلنے کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی مگر دونوں اس سے نیند دونوں کی آنکھوں سے کوسوں دور ہے۔

اچانک شہلا کی آواز سناٹے کو چیرتے ہوئے ابھری۔

"زینی! جو لڑکی گھر سے بھاگتی ہے اسے کب گمان ہوتا ہے کہ وہ جسے منزل سمجھ رہی ہے۔ وہ محض سراب ہے، نظر کا فریب، وہ ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ نہیں بلکہ کبھی نہ ختم ہونے والا۔ بے کنار ریگ زار۔" اس کی آواز میں گہری یاسیت تھی اور وہ چپ کے سمندر میں غرق ہو گئی۔

"مگر ہر لڑکی گھر سے ایک ہی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں نکلتی۔" اس نے

بس اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی پھر شعوری کوشش کی۔

"تم کچھ بھی کہو زنیرہ خان۔ یہ تاویلیں اب کسی کام کی نہیں، جو تباہی ہو چکی ہے اس کا ازالہ نہیں کر سکتیں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"اپنے اپنے تجربات کی بات ہے۔ کیا تم، کسی ایسی ہی تکمیل کے لیے؟" اس نے بہت سوچ کر ٹھہر کر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھا تھا یا پھر اس گھمبیر تا ماحول میں شہلا کی یاسیت نے کے اندر کہیں اس دکھ کو ہوا دے دی تھی۔ یہ کرید نہیں تھی محض تشفی کی سعی تھی مگر شہلا بے حس پڑی رہی وہ بظاہر اندھیرے کو گھور رہی تھی مگر درحقیقت اس اندھیرے میں اپنے ماضی و کھوج رہی تھی جو حال کے اس اندھیرے سے کہیں زیادہ روشن اور واضح تھا۔ بس اس وقت ن کی اپنی ہی آنکھوں کا تصور تھا۔

"ہاں... مجھے تو میرے خوابوں نے ہی ڈس لیا۔" اس نے زنیرہ علی خان کی طرف کروٹ لی دھیرے کے باعث اس کی سرخ سرخ آنکھیں۔ زنیرہ علی خان کو دکھائی نہ دے رہی تھیں۔

"جو تنکا تنکا کر کے آشیانہ بناتے ہیں ناں زینی۔ وہ بہت مضبوط ہوتا ہے مگر جو لمحوں میں محل بر ہوتا ہے وہ بہت ناپائیدار ہوتا ہے۔ محض مخالف سمت سے آتی ہوئی ہلکی سی جنبش سے ڈھیر ہو نے والا۔" "زینی۔" اس نے ہلکی آواز میں اسے پکارا۔ "میں سمجھتی رہی کہ میں ایک غلاظت ر بساند بھرے مسکن کو چھوڑ کر ایک گلستان میں آ پہنچی ہوں مگر جب آنکھیں کھلیں تو ہر سمت ے خاردار جنگل تھا اور مجھے کچھ بھی سوجھائی نہ دے رہا تھا۔ خاردار جھاڑیوں کا ایک نہ ختم نے والا جنگل جس کا کوئی دوسرا سرا نہیں ہوتا اور میں اس میں گم ہو گئی۔"

اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھلی تھی شاید وہ بے آواز رو بھی رہی تھی۔ زنیرہ علی خان کو یہی محسوس ہوا۔

"سکندر رضا کسی ٹھنڈی چھاؤں کی مانند میرے سامنے تھا مگر میں نے اپنے اردگرد ہشوں اور آرزوؤں کی اتنی بلند دیواریں کھڑی کر لی تھیں کہ وہ مجھے بہت حقیر بہت پست نظر تھا۔ درحقیقت اندھیرے میرے اطراف نہیں تھے۔ میری آنکھوں میں تھے۔ وہ گلی جسے میں ظت کا ڈھیر خیال کرتی تھی اس تنگ اور بساند بھری گلی سے بہت روشن تھی۔ اس تین کمروں گھر کو جسے بابا نے خون پسینے کی کمائی سے بنایا تھا۔ میری نظر میں کال کوٹھری اور قید خانے کی ح تھا۔ کتنی عجیب بات ہے۔ آج میں اس سے بھی زیادہ تاریک اور تنگ دیوار کی پناہ میں ا بیٹھی ہوں۔"

وہ جیسے دھیرے دھیرے بول رہی تھی پھر آواز پست ہوتے ہوئے ٹوٹ گئی۔ وہ شہلا کے

چہرے کے تاثرات کا معائنہ نہیں کر سکتی تھی مگر اس کے لہجے سے ٹپکتا دکھ محسوس کر
اس کی آواز کی نمی کو محسوس کر رہی تھی۔
جانے کب سے شہلا نواز۔ یہ دکھ سنبھالے بیٹھی تھی۔
ایک خلش۔
ایک کسک۔
اور آج وہ جیسے ٹوٹ گئی تھی۔
ایک شکستہ دیوار کی طرح۔
وہ اپنی شکست کا اعتراف شعوری یا لاشعوری طور پر کر رہی تھی۔

○☆○

اس گھر کی ہر صبح ہی ایسی بے رونق اور بدمزہ ہوتی تھی یا شاید اسے ہی محسوس
سارا دن اماں کی چیخ و پکار۔ منی آپا کا باورچی خانے میں برتنوں کی اٹھا پٹخ گویا خاموش ا
اور مونا کا سہم کر ادھر ادھر ہو جانا۔

یہ سب بھی اسے ہی محسوس ہوتا تھا ورنہ۔ ہر گھر کی روٹین کی طرح اس
پیار و محبت کی فضا رچتی تھی مگر اسے تو صبح اٹھتے ہی وحشت اپنے انگ انگ میں
تھی۔

"ایک تو ویسے بھی اس گھر میں سکون نام کو نہیں ہے کوئی سہولت نہیں ہے
اماں الگ جینا دوبھر کیے رہتی ہیں۔ تنگ آگئی ہوں میں تو اس زندگی سے۔" اماں
کس بات پر ڈانٹ رہی تھیں۔ کمرے کے اندر سے آوازوں نے اس کا حلق تک
اس نے چائے کا کپ سنک میں الٹ دیا۔

"شہلا! اماں بلاوجہ تو غصہ نہیں کر رہی ہیں' منی آپا نے اسے تنبیہی نظروں
"مونا نے ابا کی ساری قمیص استری سے جلا دی ہے اور پھر آج کل تو ویسے بھی ان
ہے' یہ ہمیں سمجھنا چاہیے نا۔ کل میرے سسرال والے آئے تھے جلدی شادی کی
ہیں اور ساتھ میں انہیں۔" ڈھیر سارا جہیز بھی چاہیے..... ہے نا۔" وہ بے خبر ہوتے
نہیں تھی اور منی آپا کا سر جھک گیا جیسے وہ خود مجرم ہوں۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ آپ یہاں ہامی نہ ہی بھریں۔ کنگلے کہیں کے۔ ان
کے پاس۔ صرف تین وقتوں کی روٹی ہی کھلائیں گے اور کیا دے سکتے ہیں آپ کو یہ تو
جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں ان جملوں میں منی آپا کے لیے کوئی ڈھارس نہیں

نہیں تھی۔
"جب آپ ہی کو تمام چیزیں لے کر جانا ہے تو پھر ہمیں اس گھر میں اپنے لیے کوئی کمرہ سیٹ کر
لیں۔ ہم بھی عیش اٹھا لیں گے۔" وہ استہزائیہ ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔" بدھو' احمق' منی
آپا۔"

"شہلا۔ گاڈ سیک۔" منی آپا جیسی صابر کا بھی ضبط چھلک آیا۔ "اتنا پڑھ لکھ کر تو اتنی عامیانہ
باتیں مت کرو۔ ایسی بے تکی۔ میں تمہیں اماں کے غصے کے سبب بتا رہی تھی میرے سسرال
والوں کو کوسنے کے لیے نہیں کہا اور پھر غربت کوئی مذاق نہیں ہے جس پر ہم زور زور سے
ہنسیں۔"

منی آپا باقاعدہ ناراض ہو کر منہ پھیر کر پیاز کاٹنے لگیں اور گرم گرم قطروں کو آنکھوں سے
نکلنے کو گویا بہانہ مل گیا۔

"ایک لوئر مڈل کلاس اور قبول صورت لڑکی کو ٹھیوں کے خواب تو دیکھنے سے رہی اور پھر
بروز غریب ہے تو کیا ہوا۔ نیچر کا تو اچھا ہے۔ ایک شریف گھر کا پڑھا لکھا سیلف میڈ انسان ہے۔"

"جی ہاں' جی ہاں اور اپنے پہلو میں ایک محبت بھرا دل رکھتا ہے تم پر مرمٹا ہے' ٹھیک ٹھاک
قسم کی شاعرانہ گفتگو بھی فرما لیتے ہیں۔ واہ قانع آپا۔ آپ کا نام شفاعت آپا نہیں قناعت آپا ہونا
چاہیے۔" اس کے انداز میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ منی آپ چپ سی رہ گئیں۔

"جب تین بہنوں کی شادی سے موصوف سبکدوش ہوں گے تب۔ جھکی کمر کے ساتھ آپ
سے شاعرانہ گفتگو فرمائیں گے۔ اونہہ سیلف میڈ' پڑھا لکھا مگر معاشی چکی میں پسا ہوا۔ جس کی
باتوں سے مہنگائی کا رونا۔ تاکیدوں میں بجٹ سے گھر چلانا اور ہنسی میں ہزاروں اندیشے۔ ایسی
زندگی کو بوجھ کی طرح اٹھا کر چلنے سے بہتر ہے کہ بندہ خاموشی سے موت کو گلے لگا لے۔"

"اٹھ گئیں مہارانی۔" اماں پیچھے سے جانے کب آموجود ہوئیں۔ اس کی زبان کو بریک لگ
گئی اور سہم کر پلٹی۔ کبھی کبھی اماں کا غصہ اسے ڈرا ہی دیتا تھا خاص کر جب وہ اپنی الاپ رہی ہوتی
تھی۔

"یہ اٹھنے کا کون سا وقت ہے۔ یہ امیروں کے چونچلے اس گھر میں نہیں چلیں گے۔" اماں کی
یہ پھنکار اب اس پر نکلنے لگی۔ انہوں نے پالک سے بھرا ہوا تھال اس کے آگے کیا۔

"ناشتا کر کے یہ صاف کرو اور منی کو غربت پر لمبے لمبے لیکچر نہ دیا کرو اس کا دماغ خراب کرنے
کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ناشتا سے مراد آپ کی ایک روٹی اور چائے کا ایک کپ ہے تو میں ایسا شاندار ناشتا کر چکی

ہوں اور رہی منی آپا کو ورغلانے کی بات تو انہیں آنے والا وقت خود ہی لیکچر دے د

پالک کے تھال کو ہاتھ لگائے بغیر بے نیازی سے باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔

”یہ تیری منحوس باتیں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ کم بخت۔“ پیچھے سے اماں سالن کا بڑا کفگیر اچھال دیا تھا مگر وہ تیزی سے ایک طرف ہو گئی تھی اور کفگیر گھر میں دا ہوئے سکندر رضا کے پیروں میں آگرا۔

”واہ‘ واہ۔ ایک زمانے میں تلواروں اور شمشیروں سے جنگ ہوتی تو دیکھی اور آج کفگیر سے بھی دیکھ لی۔“ اس نے جھک کر اسے اٹھایا ایک نظر شہلا پہ اور دوسری خانے پر ڈالی جہاں اماں بے چاری شرمندہ سی کھڑی تھیں۔

”خالہ حضور! ابھی تھوڑی اور پریکٹس کی ضرورت ہے انشاء اللہ بہت جلد اچھی جائیں گی۔“

منی آپا اور شہلا کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ اماں جز بز ہو کر رہ گئیں۔

”اس لڑکی نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے مجھے تو بس ایک ہی فکر ہے اس چڑیل کی۔ جانے کن عذاب دنوں میں‘ میں نے اسے جنم دیا تھا۔“ اماں پالک کر فرش پر بیٹھ گئیں اور وہ دور رکھی چوکی پر بیٹھ کر ناخنوں کی کیوٹکس کو کھرچنے لگی۔ اما اس کے لیے کوئی نئی نہیں تھیں۔

”رہنے دیں اماں۔ میں صاف کر لیتی ہوں۔“ منی آپا ان کے قریب بیٹھ گئیں اپنی طرف کرنا چاہا تو اماں نے ہاتھ بڑھا کر اسے روک دیا۔

”تم ہی کرو گی سارے کام۔ یہ مفت کی روٹیاں توڑتی ہے کیا۔ سارا دن اپنی انک رہتی ہے۔ لے دے کے دو کپڑے دھو دیتی ہے تو سارا دن احسان جتاتی پھرتی ہے۔“

”دو نہیں اماں دس کپڑے۔“ اس نے مسکرا کر وضاحت کی تو منی آپا نے زچ طرف دیکھا۔

”ہاں نامراد۔ دس کپڑے دھو کر مجھ پر اب حق جتانے کے لائق ہو گئی ہے تو۔“

”میرے ٹیوشن والے بچے شاید آگئے ہیں۔“ وہ جلدی سے چوکی سے کھڑی ہو کا غصہ نقطہ عروج تک پہنچ چکا تھا اور وہ اب کم از کم سکندر رضا کے سامنے ان کی ا بوجھ نہیں سہار سکتی تھی۔ وہ صحن میں گئی تو اس کے بچے اس کے منتظر تھے۔

”خالہ جان! آپ بلاوجہ شہلا کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ وہ دراصل کچھ مختلف ٹھیک ہو جائے گی۔ اب اتنی بھی بری نہیں ہے۔“ سکندر نے ہمیشہ کی طرح اس کی

بلند کیا تو اماں اسے بس دیکھ کر رہ گئیں۔

حقیقتاً یہ ان کا بھانجا ان کا بہت بڑا سہارا تھا اور ان کی امیدوں کا مرکز‘ انہیں جتنی شہلا کی فکر ہونے لگتی‘ اس کی باتوں اور خوابوں کے انداز انہیں ڈرائے رہتے۔ سکندر کو دیکھ کر وہ سارے اندیشے رفع ہونے لگتے۔ انہیں اپنے سینے پر دھرا یہ بوجھ سرکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

ان کی بڑی بہن نے بچپن سے سکندر کے لیے شہلا کو مانگ لیا تھا۔

حقیقت [illegible] کہ شہلا دونوں بہنوں کے مقابلے میں خوب صورت اور پڑھی لکھی تھی۔ اس کی کھلتی ہوئی رنگت پر سیاہ خوب صورت آنکھیں اور گھنے چمکدار بال۔ اسے دونوں بہنوں سے منفرد بناتے تھے۔ اس پر جوانی کی چمک اور سنور کر رہنے کا انداز سونے پر سہاگا تھا۔

اور سکندر کا شہلا کی طرف مائل ہونا خالہ بی کے علم میں تھا اور انہیں اعتراض بھی نہ تھا۔ وہ تو شہلا کو اپنی ہی امانت خیال کرتی آئی تھیں۔ نہ بہن کی طرف سے اب انکار کا خدشہ تھا۔

”ہم بھی اگر بچے ہوتے نام ہمارا ایلو پو ہوتا۔“ وہ باقاعدہ سر میں گاتا اس سے ذرا فاصلے پر اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔

”کم از کم اتنا وقت تو آپ ہمیں ٹیوشن کے نام عنایت فرما دیتیں۔“

”اور جو توتے لگتے وہ۔“ اس نے بچے کی کتاب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”نہ...... بڑا ذہین اسٹوڈنٹ رہا ہوں۔ اس کی نوبت آتی ہی نہیں۔“ وہ پھیل کر بیٹھ گیا اور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ بچے تو حیرت سے گنگ دیکھ رہے تھے کہ بھلا یہ کون ہے جو ہماری مس سے بالکل نہیں ڈر رہا ہے۔ ذرا بڑے بچے سکندر رضا کے لیے واقعی متجسس تھے۔ ان کے حساب سے مس کا کوئی بھائی نہیں اور یہ روز آنے والا۔

”مس کے انکل ہیں۔“ ایک بچے نے دوسرے بچے کے کان میں سرگوشی کی۔

”کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے۔ سبق یاد کرو اپنا۔“ شہلا نے اس کی چوری پکڑ لی اور خالص ٹیچر والے انداز اپنایا تو سکندر کو ہنسی آگئی۔

”پھر ہماری کلاس کس دن سے لے رہی ہیں آپ؟“

جی نہیں۔ مجھے بڑے بچوں کے کان پکڑنے کا شوق نہیں ہے۔ اس نے کتاب میں منہ دے کر مسکراہٹ کو چھپایا۔ آخر رعب بھی کوئی چیز ہے اور سکندر تو بس بچوں کے سامنے ہی۔

”میں نے کہا نا۔ میں خاصا ذہین ہوں۔ کان پکڑنے کی نوبت نہیں آئے گی اور پھر عشق کے سبجیکٹ میں تو کچھ زیادہ ہی انٹیلی جینٹ رہا ہوں۔ ہاں چاہو تو ہاتھ پکڑ سکتی ہو۔ اس کی تو اب ی اجازت ہے۔“

اس نے پر شوق نگاہوں سے شہلا کے چہرے کو دیکھا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔
"کچھ تو خیال کرو سکندر، بچے بیٹھے ہیں۔" اسے سکندر کی اوٹ پٹانگ باتوں پر
جھنجھلاہٹ دونوں ہی آرہی تھیں۔

ان کے آگے بھی دل کو چین نہیں
بے ادب کو ادب نہیں آتا

اس نے اس کے ہاتھ سے بچے کی ڈرائنگ کی کاپی چھین لی۔
"بس بہت ہو گیا۔ اب چھٹی کرو بچوں کی اور میرے ساتھ چلنے کی تیاری کرو۔"
"ارے چھٹی کر دوں۔ ہوش میں تو ہو۔" اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا جو اب
سے کھڑا ہو کر اپنی پینٹ کی جیبوں میں انگوٹھے پھنسائے کھڑا تھا۔ اس کی بے نیازی پر
گیا۔
"لیجئے اور سنئے۔

بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا۔

"کوئی بے نیازی برتنا تو تم سے سیکھے۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
"میرے خدا۔" اس کی ہنسی بے ساختہ تھی کچھ سکندر رضا کے چہرے پر پھیلی
وہ کھل کر ہنسنے لگی۔
"اللہ رے۔

عشق کا غم نہ گیا حسن کا غمزہ نہ گیا
میرا رونا نہ گیا آپ کا ہنسنا نہ گیا"

"اب اٹھ بھی چکیے۔ میرا دل شدت سے آئس کریم کھانے کو چاہ رہا ہے۔" اس
کر اس کی کلائی تھامی۔
"آئس کریم اور اس وقت۔"
"جی۔ محبت اور آئس کریم کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔"
"اف... سکندر تم۔" اس کا چہرہ تپ اٹھا۔ اس نے چڑ کر بلکہ قدرے جھنجھلا کر
چھٹی کر دی۔ کچھ اتنی توجہ پر اندر ہی اندر مسرور بھی ہوئی جا رہی تھی۔ ایک تفاخر کا اد
کے اندر سے کہیں اٹھ رہا تھا۔
وہ واقعی اتنی توجہ کی مستحق تھی۔ وہ جانتی تھی وہ سکندر رضا کے لیے بے حد اہم

ہے اور اس کا احساس اسے فخر بخش جاتا تھا مگر اس فخر میں کبھی محبت یا انسیت کا شائبہ تک نہ آیا
سکندر رضا جیسا مضبوط چٹان صفت انسان۔ خوب صورت لب و لہجے والا مگر سارے
پے تو "مڈل کلاس ہونے کا" سوچ کر ہی بے دم ہو جایا کرتے تھے۔
خالہ کا چھوٹا تین کمروں پر مشتمل گھر اس کا کوئی خواب نہ تھا اور سکندر رضا کی اتنی توجہ
کبھی کبھی بے زار کر دیتی تھی۔
یہ جو اتنے بہت سے لوگ کوٹھیوں میں اونچے بنگلوں میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ اور سکندر کیوں
سے تنگ و تاریک گھر میں پیدا ہو گئے۔
ایک وہی کیوں تشنہ رہ گئی۔
کاش۔ کاش سکندر تم ہی دولت مند ہوتے۔
ایک امیر کبیر بزنس مین۔
کوئی چوہدری، ملک۔
کوئی سیاسی لیڈر۔
کوئی تاجر۔
اس ڈھیر ساری توجہ نے اسے اندر ہی اندر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ بھلا خالی محبت سے بھی
مانیت ملی ہے۔
"اے لڑکی! کہاں کھو گئی ہو؟ کہیں مال و دولت کے خیالوں میں تو نہیں۔" وہ اس کے آگے ہاتھ
رہا تھا وہ یکدم چونک گئی۔
"ویسے اچھی لگ رہی تھی میرے خیالوں میں گم سی۔"
"اللہ رے خوش فہمی۔" وہ اس کی خوش فہمی پر ہنسنے لگی۔ "جناب بہت اونچا اڑنے کی
وشش کر رہے ہیں۔"
"ارے ہم کہاں؟ اونچا تو آپ اڑ رہی ہیں۔ سنا ہے بڑے عمدہ قسم کے لیکچر منی آپا کو صبح و
نام دیے جاتے ہیں۔"
وہ کچھ چپ سی ہو گئی اور بچوں کو باہر نکال کر دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔
"میں انہیں لیکچر دوں گی۔ پتا نہیں سکندر۔ میری سوچوں میں یہ تبدیلی سب کو اتنی انہونی
کیوں لگتی ہے۔ بس میں تو اتنا جانتی ہوں کہ میرے یہ خواب یہ سوچیں ہی مجھے اس تنگ و تاریک
گھر میں زندہ رکھے ہوئے ہیں اس کے بغیر سانسیں بھی اٹکنے لگتی ہیں۔ سوچوں پر بھی اب پابندی

لگا دینا چاہتی ہیں اماں۔ سکندر تم!"

"باس۔ بس۔ جناب۔ یہ نادر خیالات کو آپ کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیے ا
مابدولت کا موڈ ٹھیک ٹھاک قسم کا ہے۔ سوائے آئس کریم کے اور کچھ ہضم کرنے ک
نہیں ہے۔ چلو آؤ۔"

"یہ تم ذرا بچوں کے سامنے میرا خیال کرلیا کرو' جانے کیا فضول باتیں گھروں میں جا ک
گے۔" اس نے سکندر کو سرزنش کی مگر اس پر ذرا اثر نہ ہوا۔

"یہی تو میں چاہتا ہوں کہ۔

وہ مجھ کو چاہنے لگے بے حد اور اس کے بعد
اس بات کو جہان میں شہرت کمال ہو"

اس کے کمالِ اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا تھا شہلا حقیقتاً زچ ہو کر رہ گئی۔

"لگتا ہے خالہ بی نے ناشتے میں چائے کے ساتھ پورا مجموعہ صاحب بہادر کو گھول
ہے۔" وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"کہاں..... آنا نہیں ہے کیا؟"

"اماں سے اجازت نہیں لینی کیا؟" اس نے پلٹ کر اسے گھورا اور اندر چلی گئی۔

اور اماں سے اجازت لے کر جب وہ باہر آئی تو دروازے کے باہر سکندر اپنی بائیک ا
کر رہا تھا۔ ایک لمحے کو اس کی پوری جان ہی جل گئی۔

✪✲✪

"میرے خدا' سکندر..... تم اپنی اس کھٹارا کو کب بدلو گے؟"

"اے' اے لڑکی! خبردار جو میری اس گھوڑی کو کچھ کہا تو۔" سکندر اپنی وفادار
کھٹارے جیسے ریمارکس کا تھپڑ لگتے دیکھ کر بگڑ گیا۔

"اونہہ۔ گدھا گاڑی کہو۔" وہ گھوڑی کہنے پر ہنسنے لگی۔ "بس اب آخری بار بیٹھ رہی ہ
لینا۔ اس پر تو بیٹھ کر راستے بھر محرومی کا احساس ستاتا رہتا ہے۔"

"اگر یہ سچ مچ کی گدھا گاڑی ہوتی نا تو محترمہ گدھے کو کوئی پندرہ مرتبہ روک کر پانی پلا
پھر مارے شرم کے کیا کرتیں؟" اس کے جلے کٹے انداز پر اسے ہنسی آگئی۔

"توبہ ہے سکندر! تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ گدھا گاڑی ہوتی تو میں اتنے مزے
جاتی۔ اس کھٹارہ پر بیٹھتے ہوئے سوچنا پڑتا ہے بلکہ منہ چھپا کر بیٹھنا پڑتا ہے۔"

لطف آ رہا تھا سکندر کو چڑانے میں۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنی بائیک کے متعلق ا

آمیز جملے برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے اپنی شاہی سواری کہتا تھا۔ بقول اس کے مجھ سے
بھی نیچے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو حقیقتاً مجھے شاہی سواری لگتی ہے۔ بسوں کے دھکے' میلوں تک
پیدل چلنا یا پھر سائیکل پر پاؤں چلا چلا کر دور تک جانا۔ ایسے بھی تو لوگ ہیں مگر ایسی باتیں شہلا
نواز کے سر کے اندر ذرا کم ہی گھستی تھیں۔

"دیکھو آہستہ چلانا کہیں سارے ہی پارٹس الگ نہ ہو جائیں۔" وہ اس کے پیچھے سنبھل کر
بیٹھتے ہوئے بولی تو اس نے اتنے زور سے بائیک کو اچھال کر آگے بڑھایا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

"بالکل جنگلی ہو۔"

"کبھی ڈرائیور کو غصہ نہیں دلاتے۔ خاص کر بائیک کے ڈرائیور کو۔" اس نے سائڈ مرر کو
ایک ہاتھ سے سیٹ کرتے ہوئے اس میں ابھرے شہلا کے عکس کو دیکھ کر کہا تو وہ ہونٹ سکوڑ کر
رہ گئی۔

"خواہ مخواہ ڈرائیور صاحب کا دماغ ہی عرشِ معلیٰ پر پہنچا ہوا ہو تو..... دیکھو دیکھو....."

"پلیز' سکندر' رفتار کم کرو۔"

وہ جان بوجھ کر دوڑا رہا تھا اور وہ مارے خوف کے اسے مضبوطی سے پکڑے بیٹھی تھی جیسے
ذرا ہاتھ چھوٹا اور وہ سڑک پر ہو گی۔

"بولتی رہو۔" وہ اس کے خوف زدہ چہرے کو دیکھ کر محظوظ ہو کر ہنس رہا تھا۔

"خدا کے لیے سکندر..... دیکھو پلیز..... میں مر جاؤں گی..... ہائے اللہ قسم سے سکندر اب ہرگز
اس فضول سی گدھا گاڑی پر نہیں بیٹھوں گی۔ ہائے اللہ' وہ جھٹکا کھا کر رہ گئی اور تب سکندر کو اس
پر رحم آگیا اور پھر اس کے اس طرح چیخ چیخ کر شور مچانے پر اسے مجبوراً اسپیڈ کم کرنا پڑی۔

"دیکھا کیسا اڑن کھٹولا ہے۔ نئی ہنڈا ایسی فراٹے سے بھاگتی ہو گی۔ ارے یہ تو ہرنی ہے۔"

"اونہہ..... ہرنی' اب جو کبھی مجھے اس کھٹارا پر بیٹھنے کو کہا تو دیکھ لینا مجھ سے برا کوئی نہیں ہو
گا۔" اس کی اٹکتی ہوئی سانس بحال ہوئی ذرا دیر میں ہی حلیہ بگڑ کر رہ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ سے
آگے جھولتی لٹوں کو کان کے پیچھے کیا اور ڈھلکتے دوپٹے کو گلے میں ڈالا۔

"سوچ لو کزن۔ اگر عمر بھر اس ٹم ٹم کے ساتھ گزارنا پڑا تو کیا کرو گی؟" اس نے شرارت
آمیز نظروں سے اس کے بے زار چہرے کو دیکھا۔

"منہ دھو رکھو۔ خدا نہ کرے جو عمر اس ٹم ٹم کے ساتھ گزارنی پڑے۔" وہ کھول رہی تھی۔
اور چڑ کر سکندر رضا کی کشادہ پیٹھ پر مکا جڑ دیا اور وہ ہنسنے لگا اور پھر شوخی سے گنگنانے لگا۔

"کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے
چپ رہ کے بھی نظر میں ہیں پیار کے اشارے

وہ جل کر رہ گئی۔ مگر وہ تو موج میں تھا' عجیب بے ربط انداز میں گا رہا تھا تو ہنسی تو اسے .... ہی دل میں آ رہی تھی۔

قربان جائیں اے دل ہم اس کی اس ادا پر
خود کی خبر نہیں اور ہم کو جلا رہے ہیں
ہیں کتنے خوبصورت اس آگ کے شرارے
کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے

"اب زیادہ وحید مراد نہ بنو تم۔" وہ جز بز ہو رہی تھی اب کوئی فلم تو تھی نہیں کہ وہ ہیروئن اس گانے پر فدا ہوتی رہے۔

"عین بیچ سڑک پر موصوف فضول سی کھٹارا جیسی بائیک پر فلمی ہیرو بنے اترا رہے تھے۔ جل ہی تو رہی تھی وہ۔

یہ شانِ بے نیازی یہ بے خودی کا عالم
بے بات ہوگیا ہے ان کا مزاج برہم
اک پل میں ہم نے دیکھے کیا کیا حسین نظارے
کچھ لوگ.....

"سکندر۔ گاڈ سیک یہ سڑک ہے کوئی اسٹوڈیو نہیں۔" اس نے اس کے کاندھے .... ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو لگ رہا ہے جیسے میں ہیرو ہوں اور تم ہیروئن' نہ آگے ظالم سماج نہ پیچھے کوئی روسیاہ۔ بس شفاف سڑک اور اس پر ہم دونوں محوِ خرام' میرے گیت تمہارے لیے تمہارا......"

"پولیس پکڑ کر لے جائے تو طلسم بکھر کر رہ جائے گا۔ وہ دو طمانچے آپ کو عالمِ مدہوشی .... عالمِ خودشناسی میں لے آئیں گے۔" اسے سکندر کے اس موڈ سے سخت چڑ ہو رہی تھی۔

آئس کریم بے حد مزے دار تھی یا سکندر کو ہی لگ رہی تھی اسے تو موسم میں بھی انوکھی تازگی محسوس ہو رہی تھی۔

"آج موسم زبردست ہو رہا ہے۔" آئس کریم کا مزا لوٹ کر' بائیک دوبارہ اسٹارٹ .... ہوئے اس نے اسے دیکھا تو شہلا کا منہ بن گیا۔

"خاک اچھا ہے اتنی تو سڑی دھوپ ہو رہی ہے اور اسکوٹر جیسی فضول سی سواری ....

جھلسی جا رہی ہوں۔"

"تم تو ہو ہی ناشکری۔"

بائیک پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی تو وہ دھیرے سے بولی۔

"سکندر! میرا دل چاہتا ہے کہ کبھی تم بھی لمبی سی گاڑی میں آؤ اور مجھے کسی بڑے ہوٹل میں مثلاً تاج محل' شیرٹن' چلو شاہین کمپلیکس میں ہی سہی ڈنر کھلاؤ اور پھر ہم دونوں.... اوئی اللہ۔"

اس کے لفظوں سے بنتا سارا سحر اس کی اپنی ہی آنکھوں کے سامنے ٹوٹ گیا۔ سکندر نے سڑک کے کنارے ایک جھٹکے سے بائیک روکی تھی۔

"کیا ہوا؟ کیوں رک گئے؟" اس نے اپنے حواس سنبھالے' گرتے گرتے بچی تھی۔ اگر سکندر کو مضبوطی سے تھامے ہوئے نہ ہوتی تو سڑک پر ڈھیر ہوتی۔

"میں تمہاری اس فضول بکواس کے ساتھ بائیک نہیں چلا سکتا۔" اس کا لہجہ عجیب تپا تپا تھا۔

"ایسی کیا فضول بکواس کردی ہے میں نے؟" وہ بھی بھنا کر نیچے اتر آئی۔ "کیا میں کوئی خواہش نہیں پال سکتی؟ کیا میرا حق نہیں ہے۔"

"گاڈ سیک شہلا مت پالو اتنی خواہشیں' مت آرزوؤں میں اضافہ کرو۔ مجھے تمہاری ان خواہشوں کے انبار سے خوف آتا ہے لگتا ہے جیسے تمہاری یہی خواہش' تمہارے ایسے ہی خواب میرا سب کچھ چھین لیں گے۔"

اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی بے بسی سے لب کاٹ کر اسے دیکھا۔

"اونہہ۔ خواہش' خواب بھلا کیا چھین لیتے ہیں۔ چھیننے کے لیے غربت ہی بہت ہے۔"

"کیا چھین لیا ہے غربت نے تمہارا۔" وہ باقاعدہ لڑنے پر آمادہ تھا۔ اس قدر گرج تھی اس کے لہجے میں کہ لمحہ بھر کو شہلا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا کہ وہ سخت برہم نظر آ رہا تھا اسی کی محض اتنی سی بات پر۔

"بولو.... کیا چھین لیا ہے غربت نے تمہارا؟ کس ناآسودگی کا ماتم کرتی پھرتی ہو تم؟" اس نے بائیک کے پیڈل پر پیر مارا۔

"بہت کچھ۔ بہت لمبی فہرست ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے الجھ پڑی۔ "ناآسودگی ہی ناآسودگی ہے۔ محرومیاں ہی محرومیاں ہیں اور تم پوچھ رہے ہو' کس ناآسودگی کا ماتم کرتی ہوں؟ کوئی ایک ہو تو بتاؤں۔"

وہ دونوں اپنے اپنے غصے میں اس بات سے قطعی بے نیاز ہو گئے تھے کہ وہ اس وقت پر رونق شاہراہ کے کنارے کھڑے ہیں۔ سکندر کو البتہ چند لمحے بعد اس کا احساس ہو گ بائیک پر بیٹھ گیا۔

"نہیں شہلا نواز! اگر کچھ چھینا ہے تو تمہارے ان ہی خیالات نے تمہاری ان ہی نے چھین لیا ہے تمہارا سکون' تمہارا آرام' تمہاری خوشیاں۔ تم نے اپنے اطراف خواہ کی اتنی اونچی دیواریں کھڑی کرلی ہیں کہ اپنے اطراف بکھری چھوٹی چھوٹی خوشیاں تمہیں نظ آتیں۔" سکندر حد درجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

جواب تو شہلا کے پاس بہت تھے مگر اسے بھی شاید اپنے سڑک پر موجود ہونے کا احسا گیا تھا۔ وہ اسی غصے کے ساتھ اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ مگر پھر ان دونوں کے درمیان قطعی کوئ نہ ہوئی۔

وہ آندھی اور طوفان کی طرح بائیک دوڑا رہا تھا۔ جو راستہ جاتے وقت اتنا طویل خوبصورت محسوس ہو رہا تھا سکندر رضا کو' وہ واپسی پر کانٹوں سے پُر لگ رہا تھا۔

گھر کے سامنے بائیک رکی تو وہ نیچے اتر گئی۔

"تم غربت کو بادشاہت سمجھتے ہو مگر سنو سکندر رضا' ایک جگہ رک جانے والے کبھی نہیں بڑھتے۔ ایک کامیابی کو منزل سمجھ کر اسی پر تکیہ کرنے والے اصل منزل سے ہمیشہ دور ہیں۔"

سکندر رضا کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارے خیال میں منزل سے مراد صرف پیسہ ہے۔"

"ہاں... فی زمانہ' اسی کو منزل کہا جاتا ہے۔" اسے ذرا بھی اعتراف کرتے ہوئے تامل اور سکندر رضا کی روح تک گھائل ہو گئی۔

"خدا کے لیے شہلا سمجھنے کی کوشش کرو۔ پیسہ کسی کی منزل نہیں ہوتا اور ایسی بے وفا منزل سمجھنے والے درحقیقت دکھوں اور پچھتاووں کے در کھولتے ہیں اور میں تمہیں بہت ہوں شہلا۔ میں تمہیں ایسی اندھی خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگتے نہیں دیکھ سکتا۔"

اس نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا مگر اس کی مذاق اڑانے والی ہنسی نے اس کی تک میں جیسے شگاف ڈال دیے۔

"اونہہ خالی خولی محبت..... چاہت۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی پلٹی اور پیر سے دروازے کو دھ اندر چلی گئی۔

"سکندر چند ثانیے لب بھینچے اس کے رویوں پر غور کرتا رہا' لمحوں میں ہی شہلا نواز نے اس کے دل کے ہرے بھرے گلشن میں آگ لگا دی تھی۔

ہاں چند جملے ہی تو تھے۔ مگر جیسے لفظوں کے تیروں نے دل کو چھولیا ہو۔

گاڑی!

بنگلہ!

زیور!

یہ کوئی مدار تو نہیں کہ انسان اس کے گرد عمر بھر گردش کرتا رہے۔

اسے یکلخت اپنی منزل بہت دور اور دھند میں دھنستی نظر آنے لگی۔

ہو سکتا ہے شہلا نواز کو عقل آ ہی جائے۔ اس نے خود کو تسلی دی اور ایک نظر ادھ کھلے روازے پر ڈال کر بائیک لے کر ہوا ہو گیا۔

○☆○

کچھ تو میرے پندار محبت کا بھرم رکھ
تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ

سکندر رضا کی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھے اشعار اس کے سامنے کھلے پڑے تھے۔ وہ نے کب آیا تھا اور بچے کی ایک کاپی کے پچھلے صفحے پر لکھ گیا تھا اور کاپی اسٹول پر الٹ کر چلا یا تھا۔

ان دونوں کی ناراضگی کو آج تیسرا دن تھا اور سکندر کی جانب سے صلح کی پیش کش کی گئی ی۔

اس نے کاپی سے وہ پرچہ پھاڑ لیا اور نخوت سے مٹھی میں جکڑ لیا۔ منی آپا کے علم میں بھی ت آ گئی تھی کہ ان دونوں میں کوئی ناراضگی چل رہی ہے اور وجہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ہو سکتی تھی۔ اس روز انہوں نے اسے سمجھانے کی ٹھان لی۔

"شہلا! اچھے دوست بہت مشکل سے ملتے ہیں' انہیں کھونا نہیں چاہیے۔"

"اف منی آپا' جب خیالات میں' سوچوں میں زمین آسمان کا فرق ہو تو وہاں دوستی زندہ نہیں تی۔"

"یہی تو میں سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ کیوں اس کے خیالات سے متفق نہیں ہو جاتیں' ہمیشہ وہیں بہنا مفید ہے جہاں اس کا راستہ ہو۔ غلط راستے پر تھوڑا تھوڑا بہنے والا پانی سوکھ کر مٹا رہتا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ سب لوگ میرے خیالات اور سوچوں سے
کیوں کرتے ہیں؟ ایسا کیا غلط سوچتی ہوں میں؟ اونہہ...... آپ سب لوگ میری آنکھوں کو
سے بے نور' کر دینا چاہتے ہیں۔ خواب تو آپی رات کے بے پایاں سناٹے میں دھیمے قدم
ذہن کے دریچوں میں اترتے ہیں کسی روشنی کی طرح اور اس گھٹن اور اندھیرے سے چ
کے لیے سہی 'نجات تو دیتے ہیں۔"

اس کا لہجہ پر جوش تھا پھر اس نے نخوست سے ناک سکوڑی اور منی آپا کی طرف دیکھ

"اور یہ سکندر بھی یہی چاہتا ہے کہ میں اپنی جوانی اور بڑھاپا بھی اسی طرح اس
تاریک گھر میں گزار دوں۔ جہاں سے گزرتے ہوئے خوش گوار ہوائیں بھی اپنا راستہ
ہیں' جہاں بے کیف اور بے رنگ زندگی صدیوں پر محیط ہو جاتی ہے۔

خوشیاں' مسرتیں' ان تنگ و تاریک گلیوں میں سفر نہیں کرتیں آپی۔ وہ شفاف
سڑکوں پر اٹکھلیاں کرتی ہوئی عالیشان کوٹھیوں اور بنگلوں میں زندہ رہتی ہیں۔ یہاں
راستہ بھولی بھٹکی خوشی غلطی سے آبھی جائے تو اس کا دم گھٹ جاتا ہے۔

خوشیاں تو تتلیاں ہوتی ہیں جو صرف آزاد فضاؤں میں رہنا چاہتی ہیں بڑے بڑے گ
سر سبز باغوں میں رقص کرتی ہیں' یہاں ان کو کیا ملے گا۔ ایک پتا بھی نہیں جس پر اہرا
دھوپ ہی دھوپ ہے جو ان کے نازک اور رنگین پروں کو جھلسا کر رکھ دے گی۔ اس کی
دے گی۔"

"خالہ کے یہاں چلی جانا آج۔" انہوں نے مشین کے پائیدان پر پیر رکھ کر اس
باتوں کو قطعی نظرانداز کرتے ہوئے حکم دیا تھا اور پھر دوبارہ مشین پر جھک گئیں مگر وہ
سے شانے اچکا کر اپنی شرٹ پر استری پھیرنے لگی۔

"یہ والی قمیص زیادہ ہی ٹائٹ نہیں ہے آپ کی؟" مونا کے آگے بظاہر اس کے
کتابیں بکھری ہوئی تھیں مگر دھیان اس کی سرخ قمیص پر تھا۔ جس پر وہ دبا دبا کر استری
تھی۔

"پہننی مجھے ہے کہ تمہیں۔" وہ ایک تیز نگاہ مونا پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

"اونہوں۔ عام سی بات پر بھی اتنی تلخ ہو جاتی ہو۔" منی آپا نے فہمائشی نظروں
اور پھر اچانک ان کا دھیان چولھے پر چڑھی ہنڈیا کی طرف گیا تو وہ کرسی سے اٹھ کر باورچی
کی طرف لپکیں اور شہلا اپنا استری شدہ شرٹ دروازے کے اوپر لٹکا کر ان کے پیچھے
خانے میں آئی۔

"میں سکندر سے سوری کر چکی تھی مگر اس کی اکڑ کم نہ ہوئی بلکہ ماش کے آٹے کی طرح اور
کڑ گئی۔ یوں بن گیا جیسے میرا یہ جملہ سنا ہی نہ ہو۔"

"تمہاری دلی کیفیت تمہارے لہجے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ محض سوری کہہ دینے سے بھلا ٹوٹے
ہوئے دل جڑ سکتے ہیں۔"

"تو آپ کا مطلب ہے کہ میں ایلفی لے کر جاؤں۔" اس نے یونہی شرارت سے کہا تھا یا
ن کر بے ساختہ منی آپا کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"اپنائیت کا احساس دو میٹھے بول ایلفی سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں بے وقوف لڑکی۔ اچھا
ب مجھے کام کرنے دو اور ہاں ہو سکے تو خالہ کے ہاں ضرور ہو آنا۔"

وہ چند ثانئے خاموش کھڑی اپنی افلاطون ٹائپ آپا کو دیکھتی رہی پھر سر ہلا کر نکل گئی۔

کچھ منی آپا کے سمجھانے کا اثر اور کچھ سکندر کا بھی خیال سا آگیا تھا۔ کتنے دنوں سے
اعتوں نے تعریفیں بھی نہ سنی تھیں۔ وہ خالہ کے یہاں چلی آئی۔ سامنے ہی خالہ کے پاس سکندر
بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر لمحہ بھر حیران ہوا مگر دوسرے لمحے منہ بنا کر اسے نظرانداز کرتا اٹھ کر باہر
ل گیا اور مارے غصے اور توہین کے اس کا تن بدن جل اٹھا۔

وہ شہلا نواز تھی صرف خود کو اہمیت دینے والی۔ محض اپنی پوجا کرنے والی۔ خالہ کی آؤ بھگت
بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ کر سکی۔ بیبن کی باتوں سے بھی اسے اکتاہٹ سی ہونے لگی اور وہ وہاں
سے چل دی اور بجائے گھر آنے کے وہ دو گلی چھوڑ کر عالیہ کی طرف آگئی۔

دماغ اتنا کھول رہا تھا کہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر مڈ بھیڑ منی آپا سے ہو گئی تو وہ ٹھیک
ک تلخ ہو جائے گی۔ یہ منی آپا افلاطون کہیں کی۔ مجھے ہی مورد الزام ٹھہراتی ہیں۔ ان کے
ل میں وہ موصوف تو الف کی طرح سیدھا ہے۔ جانے کس بات کا زعم ہے اسے۔ شکل ہی تو
معقول ہے' پھٹیچر بائیک پر تو وہ بھی بری لگتی ہے۔

مزاج میں اس قدر کھولن ہو رہی تھی کہ کچھ سوجھائی نہ دے رہا تھا حتیٰ کہ عالیہ خان کے
ٹے سے آنگن میں چھ فٹ کا مرد بھی نظر نہ آسکا اور پھر ایک زبردست تصادم سے اس کے
سے چیخ نکل گئی۔

"اللہ میاں...... میں مر گئی۔" وہ لہرا کر زمین بوس ہو جاتی کہ دو مضبوط ہاتھوں نے اُسے سنبھالا
دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تو چند ثانئے پھلجڑیاں سی چھوٹ گئی تھیں اور جو ذرا حواس
ہوئے تو دو غیر نامانوس ہاتھوں کے لمس کا احساس جاگ اٹھا۔

"کسی سے جھگڑ کر آئی ہیں؟"

نا آشنا۔ نامانوس آواز۔
اس نے سر اٹھایا تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔
"قصور سراسر آپ کا تھا' اس آندھی اور طوفان کی طرح آ رہی تھیں کہ مجھے سنبھلنے کا
نہ ملا۔" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وضاحت کی۔ جو کوئی بھی تھا نہ صرف
سراپے کا مالک تھا بلکہ خاصا بذلہ سنج اور بے تکلف ہو جانے والا بھی تھا۔ وہ جیسے یکایک ہو
آ گئی۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت اب تک اس کے شانوں پر تھی وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔
"سس..... سوری۔ شاید میں ہی عجلت میں تھی۔" اس نے بڑی سادگی سے اپنی غلطی
لی۔
"چلیے سوری قبول کیا۔ ویسے حیرت کی بات ہے لڑکیاں اتنی جلدی اپنی غلطی قبول
کرتیں۔ میں تو سمجھ رہا تھا اندھے ہو' دیکھ نہیں سکتے تھے' جیسی باتیں سننے کو ملیں گی۔"
اس کی خوبصورت آنکھوں کی چمک گہری ہو گئی تھی اور لہجہ شریر سا' وہ نہ جانے کیوں
سی ہو گئی۔ نگاہوں کی وارفتگی نے سخت سراسیمہ کر دیا۔
نہ جانے کون تھا اتنا بذلہ سنج' اس قدر شاندار پرسنیلٹی کا مالک اور شاید عالیہ کا
دروازے سے باہر کھڑی وہ چمکتی گاڑی بھی اسی بندے کی تھی۔
"ارے شہلا' تم؟" عالیہ نہ جانے کہاں سے نمودار ہوئی۔ "تمہیں تو میں صبح سے یاد
تھی۔"
وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔
"اب تو عید کا چاند ہو کر رہ گئی ہو۔" اس سے پہلے کہ وہ شکووں شکایت کا در کھولتی
آواز ابھری۔
"ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔"
"ارے۔" وہ شہلا سے الگ ہو کر چونکی۔ "ابھی تک آپ راہوں میں ہی پڑے ہیں؟
گھر کو سدھاریئے۔"
"ہم تو جا ہی رہے تھے۔ بس ایک حادثے نے روک لیا۔ شاید تقدیر میں یہ
تھی۔"
شہلا کا چہرہ ہلکا سرخ ہو گیا۔ وہ ابھی کچھ دیر قبل ہونے والے اس تصادم کو "خو
تھا۔
"کون سا حادثہ؟" عالیہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر شہلا کو' جو خجل سی ہو رہی تھی۔

حادثہ یہ پہلی ملاقات کیا کہوں
کتنی عجب تھی صورتِ حالات کیا کہوں
وہ دلنشین انداز میں گنگنایا تو عالیہ کی ہنسی بکھر گئی۔
"توبہ ہے وانی بھائی۔ آؤ شہلا یہ تو بس ایسے ہی ہیں۔" اس نے خجل سی شہلا کے گرد بازو
حمائل کر ڈالے۔
"ویسے یہ کون ہے اور کہاں سے وارد ہوئی ہیں؟ میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" اس
کی نگاہیں اب شہلا کا باقاعدہ جائزہ لے رہی تھیں۔
"یہ میری بہت ہی اچھی سہیلی ہے شہلا اور آپ تو ایسے ہیں جیسے روز ہی ہمارے یہاں
تشریف آوری ہوتی ہے آپ کی۔ یہ تو پھر بھی آتی رہتی ہے۔ آؤ شہلا اندر چلیں۔"
"لگتا ہے مجھے بھی اب روز آنا پڑے گا۔" وہ گاڑی کی چابی ہوا میں اچھال کر کیچ کرتا ہوا' ہنستا
ہوا ان دونوں کے پیچھے اندر آ گیا۔
"ارے آپ کو جانا نہیں ہے کیا؟" عالیہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو
گھوڑے پر سوار لگ رہے تھے اور اب کھڑے کھڑے دس بیس منٹ گزر گئے تو خبر نہیں۔"
عالیہ جس طرح گفتگو کر رہی تھی اس سے شہلا کو محسوس ہوا کہ ان دونوں میں خاصی بے
تکلفی ہے۔ یقیناً کوئی قریبی عزیز ہو گا۔ اس نے بھی پہلی بار اسے دیکھا تھا۔
"تعارف تو کرا دو پھر بے شک دھکے دے کر نکال دینا۔" وہ اونچا' لمبا ڈھیٹ سا بنا صوفے پر
پھیل کر بیٹھ گیا۔ اسے ہنسی آ گئی مگر لبوں پر پھیلنے سے پہلے ہی روک لی۔
پتا نہیں وہ کیوں اس کا تعارف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یا یونہی اس کی عادت تھی مگر اس کی
خوبصورت آنکھوں میں شہلا نے اپنے لیے واضح دلچسپی محسوس کی تھی اور ایک عجیب سے
احساس میں گرفتار ہو گئی تھی۔
نہ وہ کوئی اپسرا تھی' نہ کوئی امیر کبیر خاتون۔
نہ کوئی سماجی' سیاسی' اہم شخصیت۔
ایک عام سی لڑکی۔ بے حد عام سی۔
وہ اس کی اس دلچسپی پر اندر ہی اندر حیران ہو رہی تھی جبکہ عالیہ اس کے اندر کی بے چینی'
بے قراری سے بے خبر کہہ رہی تھی۔
"شہلا بھئی سن لو یہ موصوف میری تائی جان کے خاصے مغرور اور ڈیشنٹ سے بھانجے
ہیں۔"

"عموماً ملکوں ملکوں آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں' آج کل پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔"

"کیا آ۔ کیا آوارہ گردی؟" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تو عالیہ ہنستے ہوئے پیچھے ہو گئی۔

"چلیے غمِ روزگار کے ہاتھوں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"غم بالکل نہیں ہے۔ ٹھیک ٹھاک کاروبار ہے گدھی لڑکی۔ تم نہیں سدھرو گی۔" صوفے کا کشن اٹھا کر عالیہ پر پھینکا اور باہر نکل گیا اور عالیہ کشن دوبارہ جگہ پر رکھ کر آ بیٹھی جوان دونوں کی اس نوک جھوک پر محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھی۔

"بس یہ دانیال بھائی بھی عجیب ہی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں اچانک میری یاد کیسے آ گئی؟"

"بس یونہی' ذرا فریش ہونے چلی آئی۔" اس نے کہا اور دل میں سوچ کر رہ گئی رضا کا رویہ اس کا موڈ خاک نہ کرتا تو شاید آج بھی نہ آنا ہوتا۔ عالیہ کا شکوہ بھی بجا تھا مہینہ بھر سے اس کی طرف نہ آئی تھی جبکہ عالیہ ایک دو بار چکر لگا چکی تھی۔

"بڑی بے حیا ہو۔ میں کوئی جوکر ہوں جو تمہیں کرتب دکھا کر فریش کر دوں گی۔ بد یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ عالی جان تم مجھے بے پناہ یاد آ رہی تھیں تمہیں دیکھنے کو نگاہیں تھیں۔ سو دوڑی چلی آئی۔" عالیہ نے پوری طاقت سے اس کے بازو پر دو ہتڑ مارا تھا کہ رہ گئی۔

"اے خدا کی بندی۔ عقل نام کو نہیں ہے تمہارے پاس۔" اس نے آنکھیں گھورا۔ "ظاہر ہے انسان اسی کے پاس جاتا ہے۔ جو یاد آ رہا ہو' جسے دیکھ کر دل و دماغ جائے۔ ساری کلفت دور ہو جائے اور فریش ہو جائے" دونوں کی شوخی' سنجی عود کر آ دونوں کھل کھلا کر ہنسنے لگیں۔

○☆○

وہ عالیہ کے یہاں سے ہو کر آئی تو طبیعت میں عجیب سی بشاشت تھی۔ رات کے تیاری میں منی آپا کا نہ صرف ساتھ دے رہی تھی بلکہ گنگنا بھی رہی تھی۔ منی آپا نے خوش مزاجی کو سکندر رضا سے صلح ہو جانے پر محمول کیا اور اسے محبت بھری نظروں ہوئے دل ہی دل میں ڈھیر سارا شکر ادا کیا اور شہلا جوان کی نگاہوں کی نرم سی تپش گرم توے سے روٹی اتارتے ہوئے مسکرا کر ان کی طرف پلٹ کر بولی۔

"کیا بات ہے آپا۔ کچھ غلط کام کر رہی ہوں جو مجھے دیکھے جا رہی ہیں؟"

"نہیں' آج تو کچھ زیادہ ہی اچھے کام کر رہی ہو اور مزاج میں بھی خلافِ عادت ہوئی ہے۔"

"آ۔ اچھا۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ اسے تو پتا ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی بدلی بدلی ہو رہی ہے۔

"لگتا ہے موسم کا اثر ہے۔" انہوں نے اسے چھیڑا۔ "یا سکندر کی کسی بات کا؟"

ایک لمحہ وہ چپ سی ہو گئی پھر دوسرے لمحے ہنس دی۔

"جناب ہم بیرونی موسموں کے محتاج کب ہیں' سارے موسم تو دل کے اندر کے ہیں۔"

اس نے کمالِ خوبصورتی سے سکندر رضا کے موضوع کو گول کر دیا۔

"اوئے ہوئے۔" منی آپا بے اختیار ہنسی کو نہ روک سکیں۔

دوسرے دن وہ سنور کر تیار ہو رہی تھی کہ منی آپا خاصی حیران ہوئیں۔

"سکندر کے ساتھ جا رہی ہو کہیں کیا؟" بالآخر انہوں نے پوچھ ہی ڈالا۔ اس نے گیلے بالوں میں کنگھا کرتے ہوئے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"امی سے پوچھ کر جانا۔ لاکھ سکندر ہمارا کزن ہے مگر یوں آزادانہ گھومنا پھرنا ہم با پردہ لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔"

اس نے رخ پھیر لیا۔ یہ منی آپا ہر وقت نصیحت بی بی بنی نظر آتی ہیں' خدا جانے کس زمانے کی بزرگ خاتون کی روح حلول کر گئی ہے ان کے اندر۔ وہ چپ رہی' کسی طرح کی وضاحت نہیں کی کہ خالہ کے یہاں نہیں عالیہ خان کی طرف جا رہی تھی۔

"کیوں؟"

یہ تو وہ خود بھی نہیں سمجھ سکی تھی۔ بس صبح یونہی بیٹھے بٹھائے عالیہ کی طرف جانے کو دل اٹھا۔ لمحہ بھر کو نگاہوں تلے وہ دلکش بے تکلف بذلہ سنج سراپا لہرایا تھا مگر دل کے اتھاہ سکون پر ئی جذباتی لہر گزر نہ ابھری تھی۔

شاید وہ عالیہ خان سے ہی ملنا چاہتی تھی۔

"قمیص کچھ زیادہ ہی ٹائٹ نہیں کر دی ہے تم نے۔" وہ کرسی سے اٹھی تو منی آپا کی نگاہیں کی تنگ قمیص پر ابھرتے سڈول جسم پر جم گئیں۔

وہ لمحہ بھر خفیف سی ہو گئی۔

"ہاں ذرا فٹنگ زیادہ ہو گئی ہے پھر کر لوں گی ٹھیک؟" وہ سرعت سے کمرے سے نکل گئی مبادا آپا کوئی نیا حملہ کر دیں۔

پتا نہیں یہ اس کے دل کے کسی گوشے سے ابھرتی موہوم سی خواہش کی قبولیت تھی یا پھر اتفاق' عالیہ کے ساتھ اس کے چھوٹے سے صحن میں بیڈمنٹن کھیلتا دانیال ملک اس کی

نگاہوں کے سامنے تھا۔ باہر وہ اس کی چم چماتی گاڑی دیکھ کر چونکی ضرور تھی۔

"آخاہ۔ وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے۔" عالیہ سے پہلے وہ اسے دیکھ کے گداز لب دلکش انداز میں پھیلے اور اس کے چہرے کی چمک بڑھا گئے۔

"میں نے شاید آپ دونوں کو ڈسٹرب کر دیا۔" وہ اس کے اس پُرتپاک انداز پر جھ گئی۔

"جی ڈسٹرب تو آپ نے کیا ہے، مگر ہم دونوں کو نہیں صرف مجھے۔" اس کے لہجے کیا تھا وہ تیزی سے عالیہ کی طرف بڑھ گئی۔

"شہلا کی بچی۔ اچھا ہوا تم آگئیں۔ ورنہ اس شخص نے تو مجھے مار ڈالنے میں کر تھی۔ انتہا سے زیادہ فضول گیم زبردستی کھلا رہا تھا مجھے، اب بیڈمنٹن بھی کھیلنے کی چیز اچھل کر شٹل کوک کو یہاں، وہاں پھینکتے رہو۔" وہ ریکٹ ایک طرف ڈال کر شہلا کو بڑھ گئی۔

"کچھ خدا کا خوف کرو لڑکی۔ کیوں بہتان لگا رہی ہو۔ اپنا اتنا قیمتی وقت نکال بوریت دور کرنے آتا ہوں اور الٹا مجھے ہی کوس رہی ہو۔" وہ بھی ان دونوں کے پیچھے سخت برہمی سے عالیہ کی چوٹی کھینچی تو وہ اوئی کر کے رہ گئی۔

"کیا کمینے، یہ میری بوریت دور ہو رہی تھی" وہ چوٹی کی تکلیف پر زیادہ بلبلا کر بولی۔

"مس شہلا۔ یہ لڑکی انتہائی دوغلی ہے، ہو سکتا ہے آپ کے جانے کے بعد مجھ برائی کرنا شروع کر دے۔"

"اے اے مسٹر دانیال۔ اب اتنی بھی بے پر کی مت اڑائیے۔" عالیہ تڑپ کر شہلا بے ساختہ امڈنے والی ہنسی کو نہ روک سکی۔

پتا نہیں اس کی ہنسی ہی اتنی دلکش تھی یا صرف دانیال ملک کو ہی محسوس ہوئی تھی سا اسے دیکھتا رہ گیا اور پھر ہولے سے مسکرا کر بولا۔

"آؤ پھولوں سے جھولیاں بھر لیں
لوگ ہنستے ہیں بار بار کہاں"

عالیہ کی موجودگی میں اس کا حتی الامکان لہجہ بڑا سرسری تھا سا مگر شہلا نواز کے چہر کسی نے سرخ رنگ کا برش پھیر دیا تھا۔ اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا۔

"چائے نہیں پلاؤ گی عالیہ صاحبہ۔" اس نے صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے عالیہ دیکھا جو کمر پر دونوں ہاتھ جمائے اسے گھورے جا رہی تھی۔

"ہاں چائے تو کیا کافی بنا لاتی ہوں مگر مسٹر آپ کے لیے خصوصی نہیں، شہلا کے لیے اور اس کے واسطے سے آپ کو بھی مل جائے گی۔" وہ گویا بدلہ چکاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"کوئی بات نہیں، اتنے خوبصورت واسطے سے تو ہم زہر بھی پینے کو تیار ہیں۔" اس کی نگاہیں پھر شہلا پر جم گئیں اور شہلا نواز کا دل اس کی نگاہوں کے حصار پر شدت سے دھڑک کے چلا گیا۔

"کچھ لوگ بے شک محفل پر چھا جانے کا ڈھنگ نہیں جانتے مگر دلوں کو مسخر کرنے کا فن خوب جانتے ہیں۔" وہ اٹھ کر اس سے ذرا فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جی..... وہ قطعی نہ سمجھ سکی بس پلکیں اٹھا کر حیران حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی اور دانیال ملک کے لب مسکرا اٹھے۔

"جی۔ یہی انداز تو بندے کو پاگل کر دینے کو کافی ہوتا ہے۔" وہ اس کی ان حیران پھیلی پھیلی آنکھوں سے براہ راست جھانکنے لگا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"مم..... میں سمجھی نہیں؟" اس کی انگلیاں اضطرابی انداز میں ایک دوسرے میں پیوست ہو گئیں۔

"وقت آنے پر سمجھا بھی دوں گا، بے حد آسان لفظوں میں۔" اس کا لہجہ گمبھیر ہو گیا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں ذرا عالی کا ہاتھ بٹا آؤں۔" وہ رکی نہیں اور جلدی سے قدم آگے بڑھا دیے جبکہ دانیال ملک کرسی کی پشت پر سر ٹکائے نیم وا آنکھوں سے اس کے متناسب سراپے کو دور ہوتا دیکھتا رہا۔

دانیال ملک کو دل جیتنے کا فن آتا تھا اور ادھر شہلا نواز جیسی لڑکی جس کے لیے دولت ہی کشش کا باعث تھی۔ دانیال ملک کے معاملے میں تو دولت سونے پر سہاگہ تھی وہ نہ صرف دولت مند، امیر کبیر تھا بلکہ پُرکشش سراپا۔ دلکش لب و لہجہ رکھنے والا اور اپنی بذلہ سنجی سے مقابل سے بے تکلف ہونے کے فن کا ماہر۔

وہ عالیہ کے ساتھ اب اس سے بھی کسی نہ کسی موضوع پر بات کر لیتی تھی۔

اور اسے اس خوش رنگ باتوں میں جانے کتنی دیر ہو گئی۔ وہ چونکی جب اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ عالیہ کی ممی تو ٹانگوں کی تکلیف کے باعث شام کی ٹھنڈ میں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتی تھیں اس لیے اندر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی تھیں۔ وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر عالیہ کے ساتھ باہر آتے ہوئے بولی۔

"بہت اندھیرا ہو رہا ہے عالیہ۔ مجھے تو اب جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، ناصر بھائی بھی ابھی تک نہیں آئے۔"

"ارے تو اس میں گھبرانے کیا کیا بات ہے۔ یہ دانی ہیں تمہیں چھوڑ دیں گے۔"

عالیہ اس کی گھبراہٹ پر ہنس دی اور ادھر دانیال ملک کو اور کیا چاہیے تھا وہ تو اسے موقع دیے بغیر جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر چلنے کو تیار ہو گیا۔

"آیئے۔"

"مم مگر۔ عالی۔" اس نے تذبذب کی کیفیت میں گھبرا کر عالیہ کی طرف دیکھا اور پھر گیٹ سے نکلتے دانیال ملک کو۔

"تم دانیال پر اعتماد کر سکتی ہو۔" عالیہ نے اسے آگے دھکیل دیا اور وہ سر ہلا کر رہ گئی کہ سوا چارہ بھی نہ تھا گو کہ گھر زیادہ دور نہ تھا مگر دو تین گلیاں چھوڑ کر جانا اتنے اندھیرے۔ اماں کی پھٹکار سننا لازمی ہو جاتا اور اوپر سے منی آپا کی نصیحتیں اور پھر کچھ خود دل بھی بے... رہا تھا۔

بند شیشوں کے اندر اے سی کی خنک ریز ہوائیں ایک خوابناک ماحول بنا رہی تھیں۔ سیٹ پر بیٹھی تو جیسے اس کے دل میں موجود سارے دبے دبے احساسات یکدم جاگ اٹھے۔ دلی تشنگی کی چنگاریاں بھڑک کر شعلہ ہونے لگیں۔

بالکل ایسا ہی روح آفرین خواب دیکھا تھا اس نے تارکول کی شفاف شاہراہوں پر کسی گاڑی میں بیٹھ کر پیچھے بھاگتے منظروں کو دیکھتے رہنا۔ اونہہ' سکندر رضا تو اس کے ان خوابوں سے بھی جلتا تھا کجا اس کی اس خواہش کو کبھی پورا کر سکتا۔ اس کی کھٹارا بائیک پر بیٹھ کر تو وہ خجالت کے اندر ہی اندر کڑھتی رہتی۔

اس نے کن انکھیوں سے دانیال ملک کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر اس کے رخسار... اٹھے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

مانا کہ میرا' تجھ سے کوئی واسطہ نہیں
ملنے کے بعد مجھ سے ذرا آئینہ تو دیکھ

نگاہوں کے تصادم پر اس نے بڑی خوبصورتی سے شعر پڑھا تو وہ دھک سے رہ گئی۔ پلکیں رخساروں پر لرز گئیں۔

"کک۔ کیا مطلب؟" اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے اپنے بارے میں۔ تو میں خاصا اٹریکٹو بندہ ہوں۔" اس کے... میں ہلکا سا تفاخر تھا۔ "کیا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں کہ تمہاری آنکھوں میں میرا کوئی... نہیں ہے۔"

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ سر اٹھایا اور اس کے پُر اعتماد چہرے کو دیکھا وہ ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا اور لب دھیمی مسکان سے سجے ہوئے تھے۔

"کیا آپ دل میں جھانکنے کا فن جانتے ہیں؟" اس نے بہت ٹھہر کر پوچھا۔

"دل میں جھانکنے کا ہی نہیں دل کو فتح کرنے کا فن بھی جانتا ہوں تمہاری طرح۔" اس کا جملہ ہی نہیں' قہقہہ بھی برجستہ تھا وہ بری طرح خجل ہو گئی۔ ناحق یہ سوال پوچھ ڈالا اس نے چہرہ جلدی سے سامنے کر لیا۔

"یقین جانو' شہلا' میں نے عالیہ سے تمہارے بارے میں اتنا کچھ پوچھا کہ وہ بری طرح مشکوک ہو گئی۔" اس نے گاڑی ایک بڑے سے ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی۔

"میرے بارے میں کیوں؟" اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"مگر یہ جان کر سخت مایوسی ہوئی کہ تم نے عالی سے میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا گویا مجھے بالکل نظرانداز کر دیا ہو۔" اس نے اگنیشن سے چابی نکال کر اسے دیکھا جو دونوں ہاتھ گود میں رکھے سخت اضطرابی کیفیت میں تھی۔

اس شخص کا سحر دھیرے دھیرے اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

"میں بھلا کیا پوچھتی۔ آپ تو کھلی کتاب کی مانند ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا اور دل میں یہ سوچ کر رہ گئی کہ میرے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ تم ایک دولت مند خوبصورت شخص ہو۔

وہ ریسٹورنٹ کے باہر کی روشنیوں کو تکتے ہوئے اچانک چونکی۔

"یہ آپ کہاں لے آئے ہیں۔ پہلے ہی مجھے دیر ہو گئی تھی۔" اس کا انداز احتجاج بڑا بودا سا تھا۔

"ہماری دوستی کی پہلی ٹریٹ میری طرف سے۔" وہ گاڑی سے اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولنے لگا اور وہ عجیب سے احساسات میں گھر کر رہ گئی اور جب اس کے ہمراہ ہی میں ریسٹورنٹ کے گلاس ڈور کو کھول کر اندر داخل ہوئی تو ایک بار پھر جیسے اس خواب ناک ماحول نے اسے مبہوت کر دیا۔ باہر سے کہیں زیادہ اندر کا ماحول جگمگا رہا تھا۔ ہلکا سا میوزک اور چینی کے برتنوں کی کھنکتی آوازیں اسے جیسے کسی طلسم ہوش ربا میں لے جا رہی تھیں۔ اسے آج محسوس ہوا تھا کہ دولت سے حسن کس طرح جنم لیتا ہے۔ ایسے دلکش' ایسے ہوش ربا ماحول کا تو اس کے پاس تصور بھی نہ تھا۔ وہ تو اے سی سے سجی نیو ماڈل کی گاڑی کے طلسم سے ہی ابھی پوری طرح نہ نکلی تھی کہ اس آراستہ پیراستہ ریسٹورنٹ کے ماحول نے اسے بے خود کر دیا۔

اسے یکایک اپنی کم مائیگی' محرومی کا احساس کچوکے لگانے لگا۔

زندگی تو یہ ہے۔ چمکتی، مہکتی، پُرنور۔

خوشی اور سکھ تو یہ ہے۔

نہ جانے اماں اور منی آپا نے تین کمروں کے حبس زدہ گھر میں کیسے خوشیوں کا راز مطمئن ہیں۔

ہولے ہولے چکن کارن سوپ کا سپ لیتے ہوئے دانیال ملک کی نگاہیں اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"شہلا! کہاں گم ہو؟" اس نے بدستور اسے کھویا کھویا پایا تو پکارا۔

"آں..... کک..... کہیں نہیں۔ یہیں تو ہوں۔" وہ جلدی سے سنبھل گئی اور دانیال مقناطیسی مسکراہٹ سے نظریں کترائیں۔ خدایا! یہاں تو ہر چیز ہی مبہوت کر دینے والی

"شہلا نواز۔ کہتے ہیں محبت اظہار کی محتاج نہیں ہوتی مگر میں ذاتی طور پر سمجھتا اظہار کی خوشبو محبت کے پھول کو تروتازہ رکھتی ہے۔"

اس کا مضبوط ہاتھ شہلا کے نازک ہاتھ پر تھا اور اس کے الفاظ شہلا کو کسی انوکھے احساس دلا رہے تھے۔

میں سمجھتا ہوں محبت کی زبان خوشبو ہے
پھول سے لوگ اسے خوب سمجھتے ہوں گے

وہ قدرے اس سمت جھکا، خواب آور لہجے میں بول رہا تھا اور شہلا سوچ رہی تھی خواب بھی پورے ہوتے ہیں۔

دعائیں یوں بھی قبول ہوتی ہیں
خوشیوں کے در یوں وا ہوتے ہیں

دانیال ملک کے جملے خوشبو بن کر اس کی سماعتوں میں اتر رہے تھے۔ وہ ان خوش گوا کو مٹھی میں دبائے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر رہی تھی۔

ہواؤں میں اڑ رہی تھی
روشنیوں سے کھیل رہی تھی

اس کے لب یونہی بیٹھے بیٹھے کچھ سوچتے سوچتے مسکرا پڑے تھے۔

اماں کی خفگی کو بغیر بحث کیے چٹکیوں میں اب وہ اڑانے لگی تھی اور حتیٰ کہ اس دن خود ہی سکندر سے صلح بھی کر لی۔

سکندر رضا اس کا اچھا دوست تھا۔ وہ کئی دنوں بعد آیا تھا مگر اسے نظرانداز کرتا ہوا

کپڑے دھوتی موناسے باتیں کرتا رہا پھر اندر چلا گیا اور اماں کو پکارنے لگا۔

وہ ان دنوں خوش تھی بہت زیادہ خوش اور اس خوشی میں معمولی رنجشوں کو بھلا دینا چاہتی تھی۔ وہ مسکراتی باورچی خانے کی طرف جانے سے پہلے اس کی طرف آئی۔

"امی اور منی آپا بڑے ماموں کی طرف گئی ہیں۔" اس نے اسے اطلاع دی مگر وہ جیسے سنی ان سنی کرتا اس سے پیٹھ موڑ کر تخت سے میگزین اٹھا کر وہیں بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا اور شہلا کو وہ روٹھا روٹھا خاصا بے ضرر اور معصوم سا لگا۔ وہ اس کے قریب آ گئی۔

"سکندر! کیا بہت خفا ہو؟" اس نے دھیرے سے پوچھا تو جیسے وہ بم کی طرح پھٹ پڑا۔

"نہیں بہت خوش ہوں اور تمہارے ان پیارے رویوں سے بے پناہ مسرت محسوس کر رہا ہوں۔"

اور وہ قُل قُل کر کے ہنسنے لگی۔

"تمہیں میری کیا پروا۔" وہ اس کے ہنسنے پر اور زیادہ چڑ گیا۔

"مسٹر سکندر رضا، بہت دن رہ لیے ناراض۔ اب یہ بندی اپنی غلطی کی معافی چاہتی ہے اور آپ کی عدالت سے رحم کی اپیل کر رہی ہے۔" اس نے جھک کر دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تو سکندر رضا اس کے خلافِ عادت رویے پر متحیر رہ گیا۔

بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ۔ یہ شہلا نواز ہی تھی۔ اس کی خالہ زاد، اس کی محبت۔"

"کیا معافی بھی نہیں ملے گی۔ مایوس لوٹنا پڑے گا اس مجرم کو۔"

"شہلا..... شہلا تم۔" وہ بے اختیار ہو گیا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھام لیا۔ مارے جذبات کے کھڑا ہو گیا مگر پھر دوسرے لمحے اپنی اس غیر اختیار حرکت پر خفیف سا ہو کر نرمی سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔

"تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے شہلا تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں نے پورا ہفتہ کس ذہنی کرب میں گزارا ہے۔ اس روز تم آئی تھیں شاید منی آپا کے سمجھانے پر آ گئی تھیں اور وہ بھول بھی کیسے سکتی تھی وہ دن۔ وہ لمحے وہ ساعتیں۔ وہی دن تو اس کی زندگی میں خوشگوار انقلاب لایا تھا۔ وہ سوچتی کہ نہ سکندر خفا ہوتا اور نہ اسے دانیال ملک ملتا۔

اس کا دل چاہا وہ سکندر رضا کا اتنی بار شکریہ ادا کرے کہ اس کی خفگی کی بدولت تو اس نے اپنے خوابوں کی تعبیر پائی تھی دانیال ملک کی صورت میں۔

اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

"اب تو خفا نہیں ہو نا۔"

"بھلا میں تم سے خفا کب رہنا چاہتا ہوں شہلا۔ بس مجھے تمہاری باتوں پر غصہ آ جا(تا ہے) تمہارے خوابوں سے اختلاف رہتا ہے۔"

"کیسے خوابوں سے؟" وہ خلافِ عادت شرارت سے پوچھنے لگی۔

"جو تمہیں مجھ سے دور لے جائیں..... بہت دور۔" وہ اس کا چہرہ تکنے لگا۔

"بے وقوف ہو تم سکندر۔ خواب تو زندگی ہیں' جینے کا سہارا ہیں۔" وہ ہولے سے مسکرا(ئی) اس کی نگاہوں تلے دانیال ملک کا سحر انگیز سراپا تھا اور اس کے ہمراہ گزرے لمحوں کا تصور۔

"ہاں شہلا' ایسے خواب بے شک زندگی ہیں جو خوشیوں سے بھرے ہوں جو حال(ات سے) خائف نہ ہوں اور مستقبل کی جدوجہد میں معاون ہوں۔ تم بس دیکھو میرے بارے میں (...) بارے میں' ہم دونوں کے مشترکہ گھر کے خواب۔" اس کے لہجے میں شہلا کے لیے پیار (...) تھا' خلوص کی فراوانی تھی۔ "شہلا! ہمارے گھر میں بھی محبتوں کی ہوائیں نغمہ ریز ہوں (گی) خلوص اور چاہت کے گھنگھرو بجیں گے۔ تم خوش رہنا چاہو گی تو ہمیں چھوٹے سے گھر (میں) خوشیاں جھلملاتی نظر آئیں گیں۔ جب ہم دونوں قہقہے لگائیں گے تو یہ بوسیدہ در و دیوار بھی ساتھ دیں گی۔ بات تو احساس کی ہے' محسوس کرنے کی ہے۔" وہ جذباتی ہو رہا تھا اور شہلا (کا) دل اس کی باتوں پر زور زور سے قہقہے لگانا چاہ رہی تھی۔ "تم یونہی اپنے تنگ و تاریک گھر کی (...) دیواروں کے ساتھ قہقہے لگاتے رہنا۔ انہی غریب رشتوں کی چاہت سمیٹتے رہنا مگر شہلا (...) دانیال ملک کے بڑے محل نما گھر میں اتر جائے گی۔ رنگ' خوشبو' روشنیاں جہاں ہم رقص (...) او نہہ۔ سکندر۔ تم نے تو دانیال ملک کے بنگلے کی شفاف اور چمکتی دیواریں دیکھی ہی نہیں (...) وہ آبنوسی دریچے۔

وہ سرسراتے لہراتے ریشمی پردے اور دمکتے جگر جگر بکھیرتے فانوس۔ جس کے (...) ہو کر ہم نئے سراپے میں ڈھل جاتے ہیں۔

"شہلا! کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔" سکندر کے ہاتھ کا لمس اپنے شانوں پر محسوس (...) چونک گئی۔ اس سحر انگیز ماحول سے یکدم کٹ گئی۔

"چھوڑو ان باتوں اور فلسفوں کو۔ یہ بتاؤ کیا پیو گے؟"

"جو اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلاؤ۔"

"زہر نہ پلا دوں۔" وہ ہنسی دبا کی بولی۔

"نہ نہ اب ایسا ظلم مت کرنا۔ ماں باپ کا اکلوتا ہوں۔ بہت سے ارمان ابھی ان

ہیں اور میرے بھی۔" اس نے آخری لفظ پر شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"بہت بکواس کرنے لگے ہو۔ یہ بتاؤ' خالہ کیسی ہیں' صبو بھی بہت دنوں سے آئی نہیں ہے اس طرف؟"

وہ چوکی پر بیٹھ گئی وہ بھی تخت پر بیٹھ گیا۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بس ایک اسی بندے کے حالات گردش میں تھے۔" اس نے میگزین رول کر کے تھوڑی کے نیچے رکھ کر اسے بغور دیکھا۔

ہلکے پیازی سوٹ میں اس کے سیاہ بال گھٹاؤں کی طرح پشت پر بکھرے تھے۔ چہرے پر مسکراہٹ اور تازگی اس کے حسن کو مہکا رہی تھی۔

"آپ کے حالات تو گردش میں ہی رہتے ہیں مسٹر۔" وہ چوکی سے اٹھ گئی اور باورچی خانے میں جا کر اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

"ہاں..... کیا کروں ڈور جو آپ کے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔"

"آ۔ چھا۔" وہ ذرا سا باہر جھانک کر زور سے ہنسی اور اس دم اماں کے ساتھ گھر میں قدم رکھتی منی آپا ٹھٹک گئی۔ اس کے تر و تازہ ہنسی اور سکندر کی دھیمی مسکراہٹ سے سجا طمانیت آمیز چہرا انہیں خوشگوار حیرت میں دھکیل گیا۔

اس کا مطلب تھا شہلا نے حقیقتاً خود کو بدل ڈالا تھا۔

یہ خوش آئند بات ہی تو تھی۔

○☆○

"ہم تم ہوں گے بادل ہو گا
رقص میں سارا جنگل ہو گا
ہم تو ہوں گے....."

دانیال ملک نے اس کی طرف نگاہ ڈالی۔ تو وہ کہیں گم تھی۔ کسی بہت سہانے سپنوں میں۔ یا گانے کے بولوں میں۔

"کس نے کیا مہمیز ہوا کو
شاید ان کا آنچل ہو گا
رقص میں سارا جنگل ہو گا
ہم تم ہوں گے۔"

اس کے پھڑپھڑاتے باریک آنچل کا کنارہ دانیال ملک نے تھام لیا۔

"جنابہ... ہوش میں آجائیے۔"

اس نے چونک کر نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ محبت پاش نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہوش میں آکر کیا کرنا ہے؟" اس کے لہجے میں سب کچھ پالینے کا نشہ تھا۔ "خود فراموشی بہرحال ایک خطرناک چیز ہے۔"

اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کردی۔

"خیال تھا کہ تجھے پا کر خود کو ڈھونڈیں گے
تو مل گیا ہے تو خود اپنی ذات سے بھی گئے۔"

اور جواباً دانیال ملک کا جاندار قہقہہ گاڑی میں گونج اٹھا۔

"خوب۔ شاعری بھی فرمالیتی ہیں۔"

"آپ کی قربت کا اثر ہے۔" وہ اٹھلائی۔ "ویسے یہ میرا ذاتی ہرگز نہیں ہے۔" اس نے زیر لبی سے کہا پھر اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی "دانی! میں گھر والوں سے کیا کہوں گی کہ اتنی ساری شاپنگ کس نے کروائی۔" اس نے پچھلی سیٹ پر رکھیں چیزوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ظاہر کیا۔ جہاں دل اتنی چیزوں کو دیکھ کر خوش تھا۔ مہنگے بوتیک کے جدید فیشن کے کپڑے، جیولری، جوتے، میک اپ مگر اب وہاں اس خوشی کے ساتھ نئے خدشے بھی سر اٹھا رہے تھے۔ غربت میں بھی والدین جانے کیوں غیرت مند بنے پھرتے ہیں۔ اس نے کڑھ کر کئی بار سوچا تھا۔ اسے ابا اور منی آپا کا ڈر تھا۔ خاص کر منی آپا کا۔

"بزدل ہو کیا؟"

"ہاں شاید۔" اس نے گہری سوچ سے ابھر کر جواب دیا۔ "مگر بزدل تو میں کبھی نہیں رہی دانیال۔"

"تو اگر مگر۔ اونہہ چھوٹے سے گھر کے تنگ و تاریک ماحول کے سوا دیا ہی کیا ہے تمہارے پیرنٹس نے تمہیں کہ اب وہ تمہاری طرف آتی خوشیوں کی راہ میں بھی دیوار بنیں۔ نہیں شہلا تمہیں اپنا حق حاصل کرنا ہے اپنے حق کی جنگ تمہیں خود لڑنی ہے اور فتح یاب ہونا ہے۔ جب تمہیں کچھ دے نہیں سکتے تو کم از کم تمہاری راہ میں آنے والی خوشیوں میں رکاوٹ بھی نہیں بننا چاہیے۔"

دانیال ملک نے اس کے اندر بغاوت کا نیا بیج بو دیا۔

"ہاں دانی! میں نے آج تک ایک تنگ و تاریک چار دیواری کے سوا دیکھا کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی نعمتوں کو ترستے ہوئے اتنی عمر گزار دی۔ اب تو میرا حق ان خوشیوں پر بنتا ہے ناں۔ نہیں دانیال ملک، ہمارے درمیان میں ہر آتی دیوار کو گرا دوں گی۔ میری منزل صرف تم ہو۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے چاہے مجھے اپنے ماضی سے کیوں نہ کٹ جانا پڑے۔"

دانیال ملک نے اس کے نرم ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام لیا۔

"میں نے تمہیں بھی اپنی مجبوریاں بتائی ہیں ناں۔ بس شہلا ان حالات میں میرے پیرنٹس بھی مخالفت کریں گے۔ ڈونٹ وری۔ ہمارے پاس دوسرا راستہ بھی تو ہے ناں۔"

اس کا لہجہ تسلی آمیز تھا اور شہلا نواز محبت کے اس دیوتا کو دیکھتی رہ گئی۔ اس خوش بختی پر اس کا دل فرحت آگیں احساس سے بھر گیا تھا۔

واپسی پر وہ عالیہ کی طرف آئے مگر خلاف عادت عالیہ نے ان دونوں کو یکجا داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ بس رسمی علیک سلیک کے بعد شہلا کے پاس آبیٹھی۔ دانیال عالیہ کی امی کے کمرے میں ان کی خیر خیریت دریافت کرنے چلا گیا۔ تب عالیہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

"شہلا! تم دانیال کو کتنا جانتی ہو؟"

اور وہ جو صوفے پر ڈھیلے انداز میں، صوفے کی گداز پشت سے کمر ٹکائے بیٹھی تھی چونک کر عالیہ کی طرف دیکھنے لگی پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

"اپنے آپ سے بھی زیادہ۔" اس کے لہجے میں خمار تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے بالکل آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔" عالیہ کے لہجے میں ہلکی کاٹ تھی سیدھی ہو بیٹھی اور بڑی حیرانگی سے عالیہ خان کو دیکھا۔ جس کا سرد رویہ وہ پہلے ہی محسوس کر رہی تھی اور اب کے یہ طنزیہ کاٹ۔

پھر بے ساختہ اس کا دل ہنس دیا۔

جیلسی۔ حسد۔

"تو عالیہ بیگم تمہیں میری خوش قسمتی سے حسد ہونے لگا ہے۔"

اس نے عالیہ کے رویوں کو حسد سے تعبیر کیا۔

"آنکھیں کھول کر دیکھو شہلا..."

"عالیہ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اس کا جملہ کاٹ دیا "کھلی آنکھوں سے میں نے سوائے غربت، افلاس، تنگ دستی کے کچھ اور نہیں دیکھا اور اب جبکہ بند آنکھوں کے پار اتنے روپہلے سپنے بکھرے ہیں تو تم کہتی ہو آنکھیں کھول دوں۔" وہ بے پرواہی سے شانے اچکا کر سابقہ پوزیشن

میں چلی گئی۔

"غربت طعنہ نہیں ہے شہلا نواز اور نہ کوئی عیب ہے۔ یہ تو بس ایک امتحان ایک ہے اور اس پر ثابت قدم رہنے والوں کے لیے عمدہ انعام بھی ہے اور پھر اپنے سے بم جھانک کر دیکھو۔ جن کے گھروں میں کئی کئی دن چولہا بھی نہیں جلتا ہے مگر تم شاید یہ ب سمجھ سکو گی۔" عالیہ خان نے ایک عجیب سے دکھ کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ بدل گئی تھی، گئی تھی۔

اس کے انگ انگ میں دانیال ملک کی ذات گھلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آگے جا چکی تھی جہاں سے واپس لانا کم از کم 'عالیہ کو ناممکن لگ رہا تھا۔ اسے دانیال ملک بہروپ سے خوف آ رہا تھا اور شہلا کی اس دیوانگی اور آنکھیں بند کر کے بھاگنے کے اس وحشت زدہ ہو رہی تھی مگر پھر بھی دوستی کا حق نبھانا ضرور چاہتی تھی کہ کل کلاں شہلا نواز دوستی کو موردِ الزام نہ ٹھہرائے کہ اس نے شہلا کو ایک بند گلی کے سفر سے نہیں روکا۔

"ہمیشہ اتنا ہی آگے بڑھو شہلا کہ واپس پلٹنے کو راستہ مل سکے اور تم ایک بند گلی میں ہو جہاں آ گئے۔"

"نو لیکچر پلیز' عالیہ افتخار' میں تمہارا کوئی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس کے اتنی تلخی تھی کہ عالیہ کے دل کو دھچکا سا لگا۔

"تو تم۔ یہ بھی یقیناً جانتی ہو گی کہ دانیال ایک شادی شدہ مرد ہے اور نہ صرف اس کا ہے بلکہ ایک دو سالہ بیٹا بھی ہے۔ اس نے اب کچھ چھپانا عبث جانا مگر شہلا کے اطمینا چہرے کو دیکھ کر متحیر رہ گئی بلکہ اس کی بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بھی پھیلنے لگی۔ طرف منہ کر کے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں عالی جان۔ مجھے خبر ہے کیا تم سمجھتی ہو کہ دانیال مجھ سے فلرٹ کر رہا ہے کوئی کالج لائف کا سا افیئر نہیں چلا رہے۔ شادی کرنا چاہتا ہے وہ مجھ سے اور بس۔"

اور ادھر عالیہ مارے حیرانگی کے کتنے ہی لمحے گنگ رہ گئی۔ وہ تحیر آمیز بے یقینی تکتی رہ گئی مگر اسے شہلا سے کہیں زیادہ اب دانیال ملک کی ذات سے خوف آنے لگا۔

ایک خوبصورت ایجوکیٹڈ بیوی کے شوہر اور ایک موہنے پیارے بچے کا باپ باوجود اس کی کون سی آرزوئیں' کون سی خواہشیں تشنہ رہ گئی تھیں جو وہ شہلا کے سا کھیل رہا تھا؟

"دانیال میرا خواب ہے عالیہ۔ ایسا خواب جو بچپن سے دیکھتی آ رہی ہوں۔ آج وہ سرتاپا تعبیر بنا میرے سامنے ہے تو تمہیں اندازہ نہیں میں کس قدر خوش ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ آسمان کے ستارے میری مٹھیوں میں قید ہو گئے ہوں۔ میں بادلوں میں اڑ رہی ہوں عالی۔ آہ عالیہ خان۔ سب کچھ' سب کچھ پا لینے کا نشہ جانتی ہو کیسا ہوتا ہے؟ وہ بے خودی سی ہو رہی تھی۔

"[illegible] دینے کا زخم اس نشے سے زیادہ بھاری ہوتا ہے شہلا نواز۔" عالیہ کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی ناصحانہ اور اسے باز رکھنے والا تھا وہ کھلکھلا دی۔

"یہ شاید ہم عورتوں کا المیہ ہے کہ عالی جان ہم ایک دوسرے کی خوشیاں شیئر نہیں کر سکتے بلکہ دیکھ اور برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ جب میں ناآسودہ تھی جب تم تھپک تھپک کر دلاسے دیا کرتی تھیں اور آج میں وہ سب کچھ پا لینے کی نوید سنانا چاہتی ہوں تو تم۔"

"شہلا۔" عالیہ کا چہرہ تذلیل احساس سے تپ اٹھا۔ "تم جس راستوں پر سفر کر رہی ہو وہاں کوئی آسودگی نہیں ہے۔ ایک بات سن لو شہلا وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے اپنی دوستی کا حق ادا کر دیا ہے اگر تم ان راستوں میں حقیقی آسودگی پا لو تو میں بہت خوش ہوں مگر کبھی پچھتاؤں کی آگ دہکانے لگے تو خدارا مجھے موردِ الزام نہ ٹھہرانا نہ میری دوستی کو کہ میں نے ہیں سمجھا نہیں۔ اب بھی میں تو یہی کہوں گی کہ تم آگ سے کھیل رہی ہو۔" وہ بولتے بولتے پ ہو گئی۔ دانیال اندر آ رہا تھا جسے دیکھ کر شہلا کھڑی ہو گئی اور عالیہ خان کے چہرے پر ایک ت بھری نگاہ ڈال کر بولی۔

"چلو دانی۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔" وہ سرعت سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

○☆○

اس نے بہت سوچ و بچار اور ساری ہمتیں مجتمع کرنے کے بعد منی آپا کو دانیال ملک کے ے میں بتا دیا۔ تو وہ دنگ رہ گئیں۔ جیسے کتنے ہی تیر ان کے آس پاس سے سنسناتے ہوئے گزر ہوں۔

"تت... تم... شہلا۔" وہ کتنی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئیں مگر زبان لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"خوشیاں بار بار دروازے پر دستک نہیں دیتیں آپا اور میں ناشکری' ناقدری نہیں ہوں کہ ائی خوشیوں کو خاندانی نام نہاد عزت اور ناموس کے ہاتھوں لوٹا دوں۔"

وہ اس چار دیواری اور حالات سے متنفر تو پہلے ہی تھی اب تو مکمل باغی نظر آ رہی تھی۔ منی کے سینے میں دبا نازک دل وحشت کے ساتھ دھڑکتا رہا۔ وہ جانتی تھی جب سیلاب کا زور ہو تو۔

اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس کے راستے میں آنے والا طاقتور درخت بھی اکھڑ جاتا ہے۔ ا
کی نصیحتیں، سمجھانے کا اثر تو اس سیلاب کے سامنے ننھے پودوں کی مانند تھیں۔

وہ دھیرے دھیرے نارمل ہوتی گئیں۔

"اب کیا چاہتی ہو تم؟" انہوں نے سر جھکا کر اپنی قمیص کی ترپائی دوبارہ شروع کر دی۔ گر
ہاتھ کی کپکپاہٹ وہ خود بھی واضح محسوس کر رہی تھیں۔

"چاہنا کیا ہے۔ اس کے والدین راضی نہیں۔ وہ خود اپنا پرپوزل لے کر آنا چاہتا ہے
گھر۔"

"گاڈ سیک۔ شہلا۔ یہ سراسر پاگل پن ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کا اعتماد ریزہ ریزہ
ہو۔ اس پر بھلا کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

"اونہہ اعتماد۔ یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ والدین اولاد کی خوشی سے زیادہ اپنی خوشی
رکھنا چاہتے ہیں اور بھولی آپا فی زمانہ یہ باتیں اہمیت نہیں رکھتی اگر فریقین راضی ہوں تو۔"

"اور سکندر؟ اس کا کیا ہو گا؟ نہ ابو مانیں گے نہ امی۔ نہیں شہلا یہ جو تم کام کر رہی
آسان ہے اور نہ اچھا کام۔"

"سکندر..... سکندر، آخر یہ دو ٹکے کا انسان میرا طلب گار کیوں بنا پھر رہا ہے
اس کی کوئی قیدی تو نہیں ہوں۔ مجھے اپنی زندگی گزارنے پر پورا اختیار ہونا چاہیے اور اگر ا
نے کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو میں دانیال سے....." وہ تخت سے اتر کر چیخ
مگر جملہ ادھورا چھوڑ دیا دروازے پر ایستادہ ماں کی سرخ انگارہ آنکھوں سے آنکھیں ٹ
لمحہ بھر تو اسے اپنے حواس معطل ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ منی آپا کا تو جیسے کاٹو بدن
نہیں۔ وہ یوں ہراساں نظر آنے لگیں جیسے جرم شہلا سے نہیں خود ان سے سرزد ہو چکا ہو۔

✪✡✪

شہلا سے کہیں زیادہ منی آپا کی حالت پتلی ہو رہی تھی۔ اس نے اماں کو اسی تیور
ساتھ اندر آتے دیکھا اور دم سادھ لیا۔

وہ شہلا کے قریب آئیں اور پوری طاقت سے لگاتار کئی طمانچے اس کے رخسار
دیے۔

"بے غیرت، بے حیا، اسی لیے تجھے پال پوس کر اتنا بڑا کیا تھا کہ ایک دن تو ہمارے
خاک ڈالنے نکل پڑے۔ سالوں کی ریاضت کو خاک میں ملا دے۔ بول بے حیا کیا نہیں
اس گھر میں؟ تحفظ، عزت، محبت، بتا کیا نہیں ملا تھا۔" وہ اسے جھنجھوڑنے لگیں ان کا

پھول گیا تھا اور شہلا خود کو ان کی گرفت سے چھڑا کر پیچھے ہٹی۔ اس کے چہرے سے جیسے گرم آگ
کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں مگر وہ کھل کر سامنے آ ہی چکی تھی تو کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔
اور پھر دانیال ملک کی محبت نے اسے یکدم ہی باغی بنا دیا تھا۔

"تحفظ، عزت، اونہہ۔ ان چیزوں کو آپ نے بس زندگی کی ضرورتیں سمجھ لیا ہے مگر مجھے
نہیں ضرورت ان چیزوں کی۔ ساری عمر گھٹ گھٹ کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی مجھ سے۔" وہ چیخ
پڑی۔ "عزت! نہ روٹی ہے اور نہ چھت۔ نہ زندگی کی تمام آسائشیں۔ کیا اسی کا نام ہے عزت۔
مجھے بھی حق ہے پُر آسائش زندگی گزارنے کا اور کیا نام نہاد عزت کی خاطر ہاتھ آئی خوشیوں کو
ٹھوکر مار دوں۔"

"شہلا۔" منی آپا اس کی طرف بڑھیں۔ ماں اور بہن کا فرق وہ اس لمحے بھول رہی تھیں۔
وہ اماں سے بھی اسی طرح بات کر رہی تھی جس طرح کچھ دیر قبل اس سے اپنے حق کے لیے لڑ
رہی تھی۔

"امی! آپ میری بات تو سنیے۔" وہ شہلا کو نہ تھام سکیں تو اماں کی طرف پلٹیں مگر انہوں نے
اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اب تیری کیا بات سنوں۔ اس حرام خور، بے حیا نے جو کچھ تجھ سے کہا ہے وہ میں اپنے
کانوں سے سن چکی ہوں۔ اس کی چال ڈھال سے دیکھ لیا ہے۔ کان کھول کر سن لے شہلا۔ کسی
مرد نے اس گھر میں تیرے نام کے ساتھ قدم رکھا تو تجھے میں زندہ زمین میں گاڑ دوں گی۔" اماں
طیش کے عالم میں پلٹ کر کمرے سے نکل گئیں۔

"اونہہ۔ دو روٹی اور تن ڈھانپنے کو کپڑے دے کر یہ والدین سمجھتے ہیں کہ اولاد کا حق ادا کر دیا
ہے۔ دنیا کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ ہماری تو بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔
آسائش کا سوال ہی کہاں پیدا ہو گا اس گھر میں۔" وہ کرسی کو لات مار کر بڑبڑاتی صحن میں نکل گئی
اور منی آپا آنے والے خوفناک دنوں کا تصور کرتیں تخت پر ڈھے سی گئیں۔

○☆○

شہلا اپنی ضد پر اڑی رہی تھی دانیال ملک نے اس گھر میں قدم رکھا تو اماں نے گھر آسمان پر
اٹھا لیا۔

ایک بال بچے والا شخص بغیر والدین کے، تنہا محض شہلا کی محبت کو دلیل بنائے اس کا طلبگار
بن کر آ گیا تھا۔

ابا کی غیرت پر بھی جیسے چنگاریاں پڑی تھیں۔ برسوں کی ریاضت، بیٹی نے ایک چھناکے سے

توڑدی تھی۔ انہیں لگا جیسے وہ یکدم دھوپ میں بغیر سائبان کے بے آبرو ہو کر کھڑے ہوں۔

انہوں نے البتہ شہلا سے کسی قسم کی براہ راست بازپرس نہیں کی۔ البتہ اماں نے شہلا اب کبھی گھر سے قدم نہ نکالے۔ اماں تو پہلے ہی اسے کوسوں سے نواز رہی تھیں۔

"پتا نہیں شہلا کن راستوں پر چل نکلی ہے۔" اس دن پورے گھر کی فضا طرف سے گرم گرم لپٹیں اٹھی رہی تھیں اور منی آپا سکندر رضا کے پاس بیٹھی رو رہی چھوٹا سا ہنستا بستا گھر یوں اجڑ جائے اس کی کیا حالت ہوتی ہے جو ٹھکرایا گیا ہو۔ جس کی دنیا میں آگ لگی لگ گئی ہو اس سے پوچھو اذیت کیسی ہوتی ہے۔ اجڑنا کسے کہتے سکندر رضا نے سوچا۔

اس انکشاف نے تو اسے خیالوں کے بوستان سے نکال کر دہکتی آگ میں لا پھینکا تھا۔

"شہلا کو سمجھاؤ۔ وہ کیوں سب کی نظروں سے گرنا چاہتی ہے۔ ہنستے بستے گھر چاہتی ہے۔ بھلا قبروں کے اوپر بھی گھر تعمیر ہوتے ہیں۔ جلتے دھوئیں سے خوشیاں کشید ہیں۔"

"آپا۔ وہ جو چاہتی ہے آپ سب لوگ مان کیوں نہیں لیتے؟ اگر اسے دانیال ملک ساتھ بیاہ کر لے جانا چاہتا ہے وہ خوشیاں دے سکتا ہے جس کی وہ تمنائی ہے تو پھر رکاوٹ نہ بنیں۔ اسے جینے دیں' اگر یونہی خوش ہے تو یونہی سہی۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

منی آپا نے اس کا چہرہ دیکھا جہاں شکستگی کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں برسوں چھائی محسوس ہو رہی تھی۔ بظاہر وہ خود کو سنبھالے ہوئے نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا عمل اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔ بھلا اتنے دل توڑ کر شہلا خوش رہ سکتی ہے اور ایک کے ساتھ جو اسے شان سے رخصت کرانے سے بھی کترا رہا ہے۔

"نہیں سکندر۔ وہ نا سمجھ ہے مگر اماں اور ابا تو نہیں نا۔ ایک ایسا شخص جس کا ماضی بھی نہیں۔ جس کے حال کے ساتھ ایک اور عورت اور بچہ بندھا ہوا ہے۔ بھلا اس پر کر لیا جائے۔ جس نے بیوی کو ہی نہیں' ماں' باپ کے برسوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی کیسے اعتبار کر لیا جائے۔ ایسے خود غرض شخص سے شہلا کو کیا خوشیاں مل سکتی ہیں ہے' ابھی تو اس شخص کے پاس پلٹنے کا راستہ بھی ہے مگر شہلا کے پاس۔ نہیں سکندر ہے۔ دولت کی خواہش نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ عاقبت نا اندیش بنا دیا ہے۔"

سکندر رضا خالی خالی نظروں سے منی آپا کو دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے پاس ان باتوں

نہیں تھے۔ اگر تھے بھی تو سارے الفاظ مفہوم کھو چکے تھے۔

اس کا دل بری طرح بکھر گیا تھا اجڑ گیا تھا۔

وہ پلٹ گیا' نڈھال قدموں سے۔

کتنا بے وقوف تھا وہ بھی۔ ایک زر پرست لڑکی کے لیے نازک جذبے گوندھتا رہا تھا۔ کتنی اپنے پاک جذبوں کے انمول لعل و گوہر اس کے دامن میں ڈالنا چاہے مگر.... مگر تو جذبوں کی پہچان ہی کب تھی۔ وہ تو حسن سادہ کو چھوڑ کر کچے رنگ اور پل بھر میں مٹ جانے والی خوشبو کی طرح دوڑ رہی تھی۔

اس نے ویران سڑک کے کنارے چلتے چلتے دور تک نگاہیں ڈالیں۔ جیسے اس کے دل کا سناٹا ہر تک پھیل گیا ہو۔ اکا دکا گاڑیاں اس کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ وہ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پول سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

تو سکندر رضا تمہاری تمناؤں کا جال بالآخر ٹوٹ گیا۔

دن رات مانگی گئی دعاؤں سے بنائی گئی خوابوں کی چادر کا ایک ایک ٹانکا ادھڑ گیا۔

شہلا نواز! تو تم نے بالآخر اپنی خواہشوں کی تکمیل کا راستہ پا ہی لیا' ٹھیک ہی کہتی ہو شہلا تم کہ دولت ہی زندگی ہے۔

کتنا پاگل تھا میں.... سمجھتا رہا کہ محبت وہ جذبہ ہے جو دنیا کو تسخیر کر دیتا ہے۔ لیکن وہ تو اپنی لوث چاہت سے دنیا تو کیا ایک دل بھی فتح نہ کر سکا تھا۔

"دولت ہی اول ہے' آخر ہے' سب کچھ ہے۔"

اس کے دل و دماغ میں دھواں سا بھرنے لگا۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے اور فٹ پاتھ ہرے یوکلپٹس کے سوکھے پتے اس کے قدموں تلے چرچرا کر اس کے ہمراہ بین کرنے لگے۔

○☆○

میرے ماضی کی چاہت
رائگاں سمجھو!
میری یادوں کے کچے راستے توڑ دو!
چلو چھوڑو
محبت جھوٹ ہے
عہد وفا اک شغل ہے
بے کار لوگوں کا

نہ جانے کیوں مجھے یقین ہے شہلا کہ جب جھوٹی محبت کے سب رنگ اڑ جائیں گے دولت کی خوشبو کھو جائے گی تو تم میری سمت ضرور آؤ گی مگر تب شاید میرا دل' میرے جذبات سے خالی ہو چکے ہوں گے تمہیں پانے کی حسرت ختم ہو چکی ہوگی۔ ہاں مجھے یقین ہے

سکندر رضا کے اس خط کو اس نے نفرت اور حقارت سے ریزہ ریزہ کر دیا۔

ایسا کبھی نہیں ہوگا سکندر رضا تم انتظار ہی کرتے رہنا۔ میرے اجڑنے کے خواب دیکھتے رہنا او نہہ۔ خالی خولی محبت۔ غربت میں بھی رشتہ داری اور رواداریاں نبھاتے رہیں۔

وہ بے حد سکون اور طمانیت کے ساتھ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اس سے بے نیاز دوسرے پلنگ پر منی آپا مسلسل کروٹیں بدلتی رہی ہیں اور سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی ہے کو کیا ہو گیا ہے؟ اماں' ابا' سکندر سب کی نظروں سے گر کر بھی اتنی مطمئن' اتنی شاد ہے۔ ملک کی محبت نہیں' محض اس کی دولت کی ہوس نے اسے اندھا کر دیا تھا۔ ایک بھوک کی جو بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

بالآخر تھک کر وہ بھی سو گئیں صبح اس گھر میں ناقابلِ تلافی نقصان ہوا تھا۔ شہلا کسی پہر گھر سے نکل گئی تھی اپنی تعبیر کے پیچھے۔

سب ایک دوسرے سے منہ چھپا رہے تھے۔

چیخ چیخ کر اماں ماتم بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ بیٹی نے تو اپنے ساتھ کسی کی عزت کا [illegible] تھا۔

مگر انہیں تو اپنی عزت کا بھرم رکھنا تھا۔

گرتی دیوار کو سہارا دینا تھا۔

عزت کے سوا اس گھر میں تھا بھی کیا اور بیٹی نے وہ بھی داؤ پر لگا دیا تھا۔

دانیال ملک خوشبو سے بھرا راستہ بچھاتا جا رہا تھا اور شہلا نواز اس پر سج سج کر [illegible] تھی۔

نہ ماں' باپ کی برسوں کی ریاضت کا احساس تھا۔

نہ بہنوں کی عزت و ناموس کا پاس۔

وہ اس لمحے ایک ایسی خود غرض عقاب بن گئی تھی جسے صرف اپنی اور اپنے شکار [illegible] ہے۔ اپنے مفاد کا احساس ہوتا ہے۔

عالیہ خان' اندھیری رات کو اپنے دروازے پر دانیال ملک اور شہلا کو دیکھ [illegible] گئی۔

"صرف ایک رات گزارنی ہے۔ صبح بالکل سویرے ہم چلے جائیں گے۔" دانیال ملک کے جملے بم تھے جو عالیہ خان کی سماعت پر بلاسٹ ہوئے تھے۔ اسے اپنے اعصاب بکھرے ہوئے محسوس ہوئے۔

"نن...... نہیں..... ہرگز نہیں۔" وہ دروازے پر مضبوطی سے جم گئی۔ اسے اس وقت دانیال ملک سے کوئی رشتہ داری یاد نہ تھی نہ شہلا سے دوستی۔ بس اپنے گھر کی عزت کا پاس تھا۔

"مگر صرف شہلا کو......"

"یہ گھر ہے' گھر سے بھاگنے والوں کے لیے سرائے نہیں' مسٹر دانیال۔" اس نے اس کی بات پوری سنے بغیر دھم سے دروازہ بند کر دیا۔

یہ شہلا جیسی لڑکیاں ہمدردی کے لائق نہیں ہوتیں بلکہ وہ تو دھتکارنے کے قابل تھی جس نے سفید بالوں والے سروں کا خیال بھی نہ کیا تھا جو ان کے سروں سے آنچل گھسیٹ کر بھی مطمئن تھی پھر عالیہ خان اس سے کیونکر ہمدردی کرتی اور کرتی بھی تو کس ناطے۔ دوستی کا دامن تو وہ پہلے ہی تار تار کر چکی تھی۔

○☆○

بس ایک قدم اٹھا تھا غلط راہِ شوق میں
منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

یہ محبت کا فریب دینے والے مرد ہمیشہ سے ناسور کی طرح اس زمین پر موجود ہیں اور محبت کا فریب کھانے والی زر پرست لڑکیاں بھی شاید عمر بھر ایسے مردوں کا تر نوالہ بننے کے لیے موجود رہیں گی۔

شہلا نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ کے سرہانے کا لیمپ روشن کر دیا۔

"دیکھو زنیرہ علی خان۔ اس چہرے کو غور سے دیکھو۔ تمہیں کہیں بھی آسودگی نظر آ رہی ہے؟ کسی قسم کا طمینان سکون دکھائی دے رہا ہے ہاں نظر آ بھی کیسے سکتا ہے۔ روح گھائل ہو تو چہرہ پہلے آئینہ بنتا ہے' ہاہا۔" وہ زور زور سے ہنسنے لگی اور زنیرہ علی خان عجیب سی کیفیت [illegible] گرفتار ہو گئی۔

"زنی! دانیال ملک نے مجھے کس طرح لوٹا۔ یہ بہت عام سی کہانی ہے۔ جو گھر سے بھاگنے والی [illegible] مرد کے فریب کے جال میں گرفتار ہر لڑکی کے ساتھ تقریباً پیش آتی ہے۔" اس کی آواز جیسے [illegible] کی اتھاہ میں ڈوب کر ابھری تھی اور زنیرہ خان کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"آہ۔ کتنا سچ کہتی تھیں منی آپا بھی کہ بھلا جو شخص اپنے ماں باپ کے برسوں کے اعتماد کو

ٹھیس پہنچائے۔ وہ قابلِ اعتماد کب ہو گا۔ ایک بے یارومددگار لڑکی کے اعتماد کا خون کرنا ا
لیے کون سی بڑی بات ہے اور زنیرہ میں نے آنکھوں دیکھی مکھی نگلی تھی۔ ایک بیوی بچے
شخص کا ہاتھ تھام کر آسمانوں میں اڑنا چاہا۔ بڑا ماہر کھلاڑی تھا۔ دانیال ملک بڑا ہی ماہر تھا۔"

اس نے لیمپ بجھا دیا اور اوندھے منہ بیڈ پر گر گئی۔

"تم پھر پلٹ کیوں نہیں گئیں شہلا؟ والدین تو ایک چھاؤں ہوتے ہیں گھنے درخت کی
ہوتے ہیں جو اپنے سائے میں بہت ناپسندیدہ ہستیوں کو بھی جگہ دیتے ہیں۔ تم تو پھر اولاد تھی۔"

اس کے جملے نے شہلا نواز کے زخموں کا جیسے ایک ایک ٹانکا ادھیڑ کر رکھ دیا ہر چہرہ ا
نگاہوں تلے لہرا گیا۔

فہمائش کرتیں منی آپا۔

ڈانٹ کر سمجھانے والی ماں۔

مسکراتا، چھیڑتا، محبت لٹاتا سکندر رضا۔

"کس منہ سے جاتی میں۔ میں نے تو ان سے زندہ رہنے کی امنگ تک چھین لی تھی۔
پیچھے ایک طوفان برپا کر آئی تھی۔ پتا نہیں میرے بعد کس طرح انہوں نے اس طوفان کا مقابلہ
ہو گا۔ میں یہ سوچ کر ان کی جانب قدم نہ اٹھا سکی کہ کیا خبر۔ طوفان کی تند لہروں سے لڑ کر
سنبھال چکے ہوں اور میں ایک بار پھر اپنے وجود کی تمام گندگیوں سمیت ان کی پرسکون زندگی
بے سکونی بھر دوں۔" اس کی آواز آنسوؤں کی یورش سے بھاری ہو گئی تھی۔

"آہ شہلا۔ یہ دنیا مردوں کی ہے۔ دانیال ملک ہو یا وہ لڑکے جو میری زندگی کو اپنے کھیل
بھینٹ چڑھا گئے۔"

"شہلا۔" اس نے بولنا چاہا مگر آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"میں دانیال ملک کو بھی کیا الزام دوں زینی۔ مجھے تو خود میری زر پرستی، میرے خوابوں
لوٹا ہے۔ دانیال یا کوئی اور مرد مجھے اتنی آسانی سے کیونکر برباد کر سکتا تھا اگر میں خود ہی کو
بنتی۔"

"پھر بھی شہلا۔ دانیال تمہارا مجرم تھا۔ تم نے اسے اتنی آسانی سے بخش کیوں دیا؟"
اس کا کرب اپنے رگوں میں اترتا محسوس کرتے ہوئے یاس بھرے لہجے میں بولی۔ تو اس کے
پر ایک مجروح مسکراہٹ ابھر کر ٹوٹ گئی۔

وہ جیت لیتی ماضی کی راکھ کو پھر کریدنے لگی۔

○☆○

سب کچھ پا لینے کی بدمست خوشی شہلا نواز کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ دانیال ملک
کے شانے پر سر رکھے وہ خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی محسوس کر رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی
آنکھوں سے اپنی خواہشوں کے پا لینے کا نشہ چھلک رہا تھا۔ وہ اس بات سے قطعی طور پر بے نیاز
تھی کہ اس نے کتنے دل پامال کر کے، کتنی آنکھوں کو بے نور کر کے اور کتنے سر جھکا کر اپنی
آرزوؤں کی تکمیل کی ہے۔ اسے تو بس یہ یاد تھا کہ اس نے جو چاہا پا لیا اور پا لینے کے اس نشہ میں
بدمست تھی۔

"عالیہ سمجھ رہی تھی کہ وہ ہمیں پناہ نہ دے کر ہمیں اپنے خوابوں کی تکمیل سے روک دے
گی۔ اونہہ بچاری عالیہ خان۔ اسے کیا معلوم تھا کہ محبت تو اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے۔" شہلا نے
منہ بنا کے کہا۔

"ہاں عورتیں خطرناک حد تک حاسد ہوتی ہیں۔ شاید، عالیہ بھی تم سے حسد کرنے لگی
ہے۔" دانیال ملک کے لبوں پر بڑی فاتح مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

رات کی مہیب تاریکی میں نامعلوم راستوں پر سفر کرتے ہوئے بھی شہلا مطمئن تھی۔ ایک
اجنبی نامحرم کے ہمراہ جو محض لفظوں کے جال میں اسے کھینچے یہاں تک لایا تھا۔

نا مابین کوئی شرعی رشتہ۔

نا معتبر ڈور۔

محض ہوس! جسے محبت کا نام دے کر درحقیقت خود کو بھی دھوکا دیا جا رہا تھا اور پھر نکاح کے جتن
تو مرد وہاں کرتا ہے نا۔ جہاں اس کی ضرورت محسوس ہو۔ جہاں گھر بسانے کی خواہش دل میں پنپ
رہی ہو اور دانیال ملک ایسے مرحلوں سے بہت پہلے گزر چکا تھا۔

اور پھر۔

شہلا نواز جیسی، بغیر محنت کے حاصل ہو جانے والی لڑکیوں کے لیے دانیال ملک نے ہمیشہ
ایسے جنجال میں پڑنے سے پرہیز کیا تھا۔ شہلا نواز تو اس کے اندازے سے کہیں زیادہ کمزور نفس،
دریدہ ذہن لڑکی تھی۔

صاف ستھرے آراستہ پیراستہ دو کمرے کا فلیٹ تھا جہاں دانیال ملک اسے لے کر آیا تھا۔
سیا پھینک تماشا دیکھنے کے مصداق اسے ایک رات میں گھر کرائے پر لینا اس کے لیے قطعی
مشکل نہ تھا۔

"دانی! تم مجھے اپنے گھر لے جاتے تو اچھا تھا۔" شہلا نے بہکی بہکی تبسم ریز نگاہوں کے
ساتھ دانیال ملک کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں تاکہ وہاں میری بیوی اور ماما تمہارے نازک جذبوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں۔"
ملک کا لہجہ شگفتہ تھا وہ ہنس دی۔ اس کے لب تو بات بے بات مسکراہٹیں بکھیر رہے تھے
منی آپا کے سارے فلسفے یاد آکر ہنسی دلا رہے تھے۔

سکندر رضا پر رحم آرہا تھا۔ جو تنگ و تاریک دیواروں میں خوشیاں تلاش کر رہا تھا۔
اندھیرے میں روشن مستقبل کے خواب دیکھ رہا تھا۔

"پتا نہیں شہلا تم میری کس نیکی کا انعام ہو۔" دانیال ملک نے بہکے بہکے انداز میں
دونوں ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں تھام لیے تو ماضی سے جیسے یکدم اس کا سلسلہ ٹوٹ گ
پلکیں شرم سے جھک گئیں اور دل ایک انوکھی لے پر دھڑکتا چلا گیا مگر دن کی روشنی شہلا
بے پناہ قیامتیں لیے ہوئے تھی۔

رات کی تاریکی کے سارے عیب اجالے نے بکھیر کر رکھ دیے تھے۔ چاندنی ک
محسوس ہونے والی رات عمر بھر کے لیے اذیت بن کر جیسے روح سے چمٹ گئی تھی۔

شہلا کے ہاتھوں میں دانیال ملک کا خط کانپ رہا تھا محض لمحوں کا کھیل تھا۔ جو عمر بھر
پچھتاوؤں کی آگ دے گیا تھا اور شہلا کو اسی آگ میں اپنا پورا وجود جھلستا ہوا محسوس ہو رہا
جیسے رات بھر ستاروں کا کھیل اور صبح جھلستی آگ اگلتی دھوپ۔

میرے خدا!

اس کی نگاہیں سطر سطر دوبارہ خط پر پھسلنے لگیں۔

"ڈیئر شہلا!

تم میرے اندازے سے کہیں زیادہ کمزور نفس نکلیں۔ جسے پانا ایسا ہی تھا جیسے جھک ک
سے پتھر اٹھا لینا۔ ظاہر ہے عورت پتھر کی طرح ارزاں ہو جائے اور قدموں سے لپٹ جائے
اسے ہیرے کی سی اہمیت تو نہیں دے سکتا ناں۔

میرا قصور اس کھیل میں کتنا ہے اور کتنا نہیں مگر تم اس جرم میں مکمل طور پر انوالو تھی
مجھے تو تم نے نکاح کا کھیل کھیلنے کی حجت سے بھی بچا لیا۔ میں ممنون ہوں تمہارا۔

شہلا جانم! تم واقعی ایک خوبصورت و حسین لڑکی ہو۔ جتنی بھی لڑکیاں میری زندگ
آئیں۔ تم ان سب سے کہیں زیادہ دلکش ہو مگر ساحرہ نہیں جس کے سحر سے میں نہ نکل پا
شراب کے چھلکتے پیالے کی طرح ہو ایک مے نوش کے ہاتھوں آکر خالی ہو جانے پر تمہیں
کوئی تعجب نہیں ہوا ہوگا۔

ظاہر ہے ایک غیر اجنبی شخص کے ہمراہ تم اپنی چار دیواری سے نکل آئیں تو تحفظ کی

یں نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لیے آئیں تھیں۔

اس فلیٹ کا پندرہ دن کا کرایہ میں پیشگی ادا کر چکا ہوں چاہو تو تم مزید تیرہ دن رہ سکتی ہو اور
میری بے وفائی پر مجھے جی بھر کر کوس سکتی ہو مگر...... میں پھر بھی کہوں گا تمہارا جرم مجھ سے بڑا ہے
کوئی مرد کسی عورت کی چادر نہیں اتار سکتا اگر وہ خود موقع نہ دے۔

تمہیں ہمیشہ یاد رکھنے والا

دانیال ملک"

ہاں عورت پرفیوم کی اس بوتل کی طرح ہے جس کا ڈھکن کھلا رہ جائے تو خوشبو اڑ جاتی ہے
ور پھر خالی بوتل رہ جاتی ہے بے کار، بے رنگ، بے خوشبو۔

اور شہلا نواز ایک ایسی ہی خالی بوتل کی مانند ہو گئی تھی۔

اس کے کانپتے ہاتھوں سے دانیال ملک کا خط گر کر پنکھے کی ہوا سے فرش پر چکرانے لگا۔

خدایا۔ اتنا بڑا دھوکا۔

اتنا لرزہ خیز فریب۔

اسے پورا کمرا کھولتا ہوا سمندر لگ رہا تھا۔

اس کی ساری ہستی دانیال ملک کی دہکائی ہوئی آگ کی لپیٹ میں آگئی تھی اور رواں رواں
ل رہا تھا۔

اس کا دل چاہا وہ دھاڑیں مار مار کر روئے اس آسانی سے لٹ جانے پر۔

آہ دانیال ملک۔ تم تو سانپ سے بھی زیادہ زہریلے نکلے، کمینگی کی آخری حدود سے نکل گئے
ریں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں بخشوں گی...... نہیں بخشوں گی تم نے مجھے اتنا کمزور کیسے سمجھ
؟

وہ بامشکل خود کو جوڑتی بیڈ سے اتری اور لڑکھڑاتے قدموں سے کولر کی طرف بڑھی مگر چند
م چلنے کے بعد ایک زوردار چکر نے اس کی ساری ہستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

وہ پرائی دیوار کا سہارا لینے کے لیے آگے بڑھی مگر آنکھوں کے سامنے زمین گھوم گئی اور
ش پر ڈھیر ہو گئی اس کی ساری توانائیاں اس دل دوز خط نے جیسے چوس لی تھیں۔ اس کے
عصاب شل ہو چکے تھے نہ جانے وہ کتنی دیر ٹھنڈے فرش پر بے یارومددگار پڑی رہی۔

اس ویران کمرے سے باہر زندگی اپنی لے میں تھرک رہی تھی۔ سڑک پر زوں زاں بھاگتی
ڑیوں کا کھیل جاری تھا۔ کاروبار زندگی جاری ساری تھا۔
انسانوں کا ہجوم

شورِ ہنگامہ

سب کچھ وہی تھا

صرف دنیا بدلی تھی تو شہلا نواز کی۔

اس کے گلابی خوابوں کے پیراہن راکھ ہو چکے تھے اور حقیقت کی برہنگی اپنی تمام تر... کے ہمراہ اس کے جسم و جان میں اتر چکی تھی۔

اب کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

خواہشوں کا شوریدہ سمندر منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ خواب دیکھنے والی آنکھیں اس اند... حادثے پر آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں وہ ہوش میں آکر دیوار کا سہارا لیے بیٹھی اپنی... دامنی پر پھوٹ پھوٹ کر رہ رہی تھی اب جتنا بھی ماتم کیا جاتا کم تھا کچھ پانے کے لیے کھونا... مگر اس نے تو کچھ پائے بغیر ہی سب کچھ کھو دیا تھا اسے کب گمان تھا کہ وہ اپنی کھوٹی خوا... کے تلاطم میں سرشار جس طرف بڑھ رہی ہے وہ منزل نہیں' سراب ہے۔

دھوکا ہے۔

فریب ہے۔

اس نے لبالب آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے ان در و دیوار کو دیکھا۔ دانیال... چاہت اور اس کی قربت میں بیتے لمحوں میں کوئی ندامت یا پچھتاوے کا احساس نہ ابھرا... اپنی بربادی کی طرف لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے خوش تھی وہ نسوانیت کے وقار سے اتر کر... بیٹھی تھی اور اسے ہی اپنی کامیابی کی منزل سمجھ رہی تھی۔

"ہاں کوئی مرد' عورت کی چادر سر سے نہیں کھینچ سکتا۔ جب تک وہ خود موقع نہ د... دانیال ملک۔ مجرم تم بھی ہو۔ اپنا احتساب کرو یا نہ کرو۔ راستے میں پڑے ہوئے مال کو غض... لینا بھی جرم ہے اور تم بھی مجرم ہو۔

ہاں.....ہاں قصوروار صرف میں ہی نہیں ہوں' تم بھی ہو۔ دانیال ملک تم بھی... صفت انسان تم بھی۔"

وہ پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگی۔

اسے یکلخت کسی ہمدرد۔ غمگسار کی طلب ہونے لگی۔ جس کے کاندھے پر سر رکھ کر جلتے آنسوؤں کو بہا سکے۔ کوئی تسلی کے لفظ جو جلتی روح پر دوا کی صورت اترے۔

"خدایا۔"

اس کی آنکھوں کے سامنے اماں' ابا' منی آپا' سکندر سب کے چہرے بنتے اور مٹتے...

آخری چہرہ عالیہ کا ابھرا اور نگاہوں میں جم گیا گھر جانے کے سارے راستے تو وہ خود بند کر آئی تھی۔ اپنی ساری کشتیاں جلا کر وہ نکلی تھی اسے بے اختیار عالیہ خان کی طلب ہونے لگی۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر اٹھی اس وقت اس سے زیادہ ہمدرد' راز داں کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ٹھنڈے پانی کا گلاس بھر کے پیا پھر باتھ روم میں جا کر جلتے چہرے پر ٹھنڈا پانی بہانے لگی۔ واش بیسن کے اوپر لگے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر کرب سے لب دانتوں میں دبا لیے دو آنکھیں مسکرائیں۔ دو لب ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

تم نہ ملو تو جانِ شبستاں' شام ہماری شام نہیں
آنکھیں دو ویران دریچے' دل کو کہیں آرام نہیں
تم ساگر ہو' تم سورج ہو' تم جنگل ہو' تم خوشبو
میں وہ روح تماشائی ہوں' جس کا کوئی نام نہیں

"آہ سکندر۔ اب کچھ نہیں رہا۔ ساگر سوکھ چکا ہے۔ سورج بجھ گیا ہے اور خوشبو اڑ گئی ہے۔"

"اچھے دوست بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ انہیں کھونا نہیں چاہیے۔"

"یہی تو سمجھانا چاہ رہی ہوں تمہیں آخر کیوں تم اس کے خیالات سے متفق نہیں ہو جاتیں۔ پانی ہمیشہ وہیں بہتا اچھا لگتا ہے جہاں اس کا راستہ ہو۔ غلط راستے پر بہنے والا تھوڑا تھوڑا پانی سوکھ کر اپنا وجود مٹا دیتا ہے۔"

ایک تیز سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ اس نے منی آپا کے عکس کو تکتے ہوئے رندھی آواز میں کہا۔

"ہاں منی آپا' تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں بھی غلط راستے پر نکل آنے والے اس پانی کی طرح تھی جس کا وجود مٹ چکا ہے آکر دیکھو' دیکھو تو آپا۔ تمہاری شہلا۔ تمہاری باتوں سے منکر تمہیں احمق' بودی سمجھنے والی شہلا کس طرح ٹوٹی ہے۔ کتنی اونچائی سے گری ہے کہ اب۔ کوئی اسے نہیں جوڑ سکے گا۔ روح مر جائے تو کچھ نہیں بچتا۔ مردہ جسم کو تو لوگ کندھوں پر اٹھا کر ہزار دعاؤں کے ساتھ قبر کی نرم مٹی میں اتار دیتے ہیں مگر زندہ جسم کے اندر مردہ روح کی ناقابلِ برداشت ذیت کو وہ زندہ جسم بوجھ کی صورت لیے لیے پھرتا ہے کہ کہاں اسے دفنائے' کہاں پھینکے۔

"اُف۔ یہ عمر بھر کی اذیت۔"

اس کے لب بے اختیار آئینے میں ہنسے' منی آپا کے عکس کو چومنے کے لیے بڑھے مگر دوسرے لمحے اسے منی آپا کے بجائے اپنا ہیبت ناک عکس دکھائی دیا تو وحشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ

گئی اور باہر نکل آئی۔
بیڈ کی سائیڈ سے اس نے اپنا پرس اٹھایا۔ فلیٹ کی چابی بھی اسے وہیں پڑی نظر آئی۔ نے اٹھالی اور ایک نظر کمرے میں دوڑائی۔ تب اس کی نگاہ بیڈ پر بچھی ہوئی کاٹن کی بیڈ شیٹ پر پڑی اور اس نے فوراً سے بیشتر اسے کھینچ لیا اور اپنے وجود کو اس سے ڈھانپ لیا پیروں میں چپل ڈالے اور باہر نکل آئی۔
اب اس کی پرواز عالیہ خان کی طرف تھی۔ جس کی ہمدردی اور غمگساری کی طلب اس پیاسے دکھے دل کو شدید ہو رہی تھی۔

○☆○

ابھی کچھ دن لگیں گے۔
دل ایسے شہر کے پامال ہو جانے کا منظر بھولنے میں
ابھی کچھ دن لگیں گے
جہانِ رنگ کے سارے خس و خاشاک، سب سرو صنوبر
بھولنے میں ابھی کچھ دن لگیں گے
ہارے ہوئے خوابوں کے ساحل پر، کہیں امید کا
چھوٹا سا اک گھر
بستے بستے رہ گیا ہے
وہ اک گھر بھولنے میں، ابھی کچھ دن لگیں گے
مگر اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں
بس اک دن
دل کی لوحِ محفوظ پر اچانک رات اترے گی
میری بے نور آنکھوں کے خزانے میں چھپے
ہر خواب کی تکمیل کر دے گی
مجھے بھی خواب میں تبدیل کر دے گی
ایک ایسا خواب جس کے دامنِ صد چاک میں
کوئی مبارک، کوئی روشن دن نہیں تھا
ابھی کچھ دن لگیں گے

رکشہ کو اس نے گلی کے کنارے پر ہی رکوا لیا تھا اور کرایہ ادا کر کے خود پیدل چلنے لگی ی تک پہنچ کر دل کتنی بار بے قابو ہو کر آنسو کی صورت بہہ جانے کو مچلا تھا اس تنگ و تاریک ندی گلی اور اس گلی میں ایک چھوٹا سا بوسیدہ دیواروں کا گھر جسے گھر سمجھنے کو وہ تیار ہی نہ ہوتی ں۔ جس کے درودیوار سے بچپن سے نفرت کرتی آئی تھی۔ آج اس کی یاد تڑپا رہی تھی۔ انہی اروں اور انہی مکینوں سے لپٹنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اتنی بے بسی تھی کہ محض ایک گلی کا فاصلہ ریوں کا فاصلہ بن گیا تھا۔
...اب ... کی یہ عذاب اسے کب تک جھیلنا ہوگا؟
شاید عمر بھر۔
موت سے کہیں زیادہ شکست کا عذاب دردناک ہوتا ہے۔
عالیہ خان کا بھاری گیٹ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور کتنے منظر اس کی دھندلائی کھوں کے پار اتر کے چلے گئے۔ اس نے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ کچھ ہی دیر ہوئی کہ عالیہ خان لے گیٹ کے ہمراہ اس کے سامنے تھی۔ اس نے چادر چہرے سے ذرا سی سرکائی تو عالیہ خان ک ہی رہ گئی۔
"تت..... تم؟" کتنے حیرت آمیز لمحے گزر جانے کے بعد وہ خود کو سنبھالنے کے عمل سے رنے کے بعد اتنا ہی بول پائی تھی۔ ابھی اندھیری رات کا منظر اسے بھولا نہ تھا۔ دانیال ملک پہلو سے لگی آنکھوں میں رنگین سپنوں کو سجائے آنے والے دلکش لمحوں کے تصور میں ڈوبی ہوئی مہکتی مسکراہٹ سے سب کچھ جیسے پالینے کے خمار میں ڈوبی ہوئی شہلا نواز اس کے چشم ر میں تھی۔ ساری رات کروٹیں بدلتے ہوئے وہ بس اس کی بارے میں سوچتی رہی تھی۔
تو پھر!
یہ شہلا نواز کون سی تھی؟
اجاڑ آنکھوں میں کسی مزار کے بجھے ہوئے دیئے کا دھواں سمیٹے چہرے پر برسوں کی تھکن اور نی لیے ہوئے تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔
"اندر آنے کو نہیں کہو گی؟" اس کی آواز میں ایسی شکستگی تھی کہ وہ لمحہ بھر کے لیے چونک گئی اک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔
اس نے سوچا کہ یہ بھی اچھا تھا کہ امی آج فریحہ کو لے کر صبح ہی بڑے ماموں کی طرف چل تھیں۔ یاسر کالج گیا تھا جبکہ ناصر بھائی ابو کے ساتھ دکان پر چلے گئے تھے۔ وہ تنہا تھی ورنہ شہلا کی رسوائی اور بدنامی کا چرچا تو رات بھر میں ہی مچ چکا تھا بھلا شہلا نواز کے گھر کی نیچی اور بوسیدہ ریں یہ خبر کیسے چھپا سکتی تھیں۔ عزت کو محض ڈھونگ سمجھنے والی شہلا کو کوئی بتا سکتا کہ کس

طرح اس کے بوڑھے والدین نے اس رسوائی کا طوفان سے مقابلہ کیا ہے اور ان زخم
ناسور کی طرح سینے سے لگائے باقی ماندہ زندگی کی مسافت طے کریں گے۔ سارے
طرف۔ بیٹی کی رسوائی کا داغ ایک طرف۔ جیسے صحرا کی جھلستی ہوئی مٹی کے لیے جون
سورج اذیت ناک ہوتا ہے۔ اسی طرح شہلا کا وجود بھی اس گھر کے مکینوں کے لیے اذیت
تھا۔

وہ عالیہ کی ہمراہی میں اس کے چھوٹے سے کامن روم میں آگئی۔ اس نے چادر
سرکا کر ادھر ادھر دیکھا جیسے کسی کے آجانے کا خوف ہو۔

"اتفاق ہے آج گھر میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہے۔" عالیہ اس کا مطلب جان کر
ایک گہری نظر سے اس کا جائزہ لے کر کمرے سے نکل گئی اور جب واپس آئی تو اس کے
ٹرے تھی جس میں اورنج جوس کے دو گلاس تھے۔

"عالی! کچھ پوچھو گی نہیں مجھ سے؟" وہ اورنج جوس کو نظرانداز کر کے اس کے قریب
گئی اور اپنی تسلی کے لیے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھوں کے کناروں سے آنسو
مچل رہے تھے۔

"کوئی..... سوال نہیں کرو گی۔"

"نہیں..... اس لیے کہ تمہارا چہرہ تمہاری آنکھیں' تمہارے آنسو خود اپنی
داستان سنا رہے ہیں۔" عالیہ خان نے ایک اذیت کے عالم میں دانتوں میں لب دبا لیے
چہرے پر شہلا کی بربادی کا رنج بکھرنے لگا تھا۔

"مجھے تو حیرت اس بات کی ہے شہلا کہ دانیال اتنا شاطر نکلا۔ اتنے عرصے میں اس
جاتے رہنے کے باوجود میں اسے نہ پہچان سکی۔ اس کی اس مکروہ فطرت سے واقف نہ
سوچتی ہوں کہ محض اس ایک دن کی عیاشی کے لیے وہ اتنا طویل ڈرامہ کھیلتا رہا۔ مجھے
پہنچا ہے کہ وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ گھٹیا اور بے غیرت انسان نکلا۔ بظاہر
شائستگی کا لبادہ اوڑھے۔ اندر اپنے وجود کی ساری گندگی سمیٹے ہوئے ہیں شیطان صفت
حقیقتاً صدمے سے چور ہو رہی تھی۔

شہلا کی سسکیاں آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھا
لگی۔

"میں نے تمہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی شہلا مگر تم اونچا اڑ رہی
خوابوں کی آبیاری کر رہی تھیں جو تناور درخت بن چکے تھے اور باوجود کوشش کے میں

کو ذرا بھی نہ ہلا سکی۔" عالیہ اٹھ کر اضطرابی انداز میں ٹہلنے لگی پھر دوبارہ اس کے قریب بیٹھ کر
زدہ لہجے میں بولی

"راہِ شوق میں نکلا ہوا ایک غلط قدم۔ ہمیشہ کے لیے منزل سے دور کر دیتا ہے اور ہماری
جھولی میں ناقابلِ تلافی نقصان بھر دیتا ہے۔ شہلا ایسی بازی لڑکیاں ہار ہی جایا کرتی ہیں۔"

اس نے اس کے دونوں شانوں کو تسلی آمیز ہاتھوں سے تھاما تو وہ بے اختیار اس سے لگ کر
رو دی۔ اس کی سسکیاں عالیہ خان کا دل چیرے دے رہی تھیں۔

"وہ خواب نہیں تھے عالی جو میں دیکھ رہی تھی بلکہ وہ تو آگ تھی جو میں اپنے چاروں طرف
بھڑکا رہی تھی اور آج اس آگ میں جھلس کر رہ گئی ہوں۔ مجھے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا عالیہ۔
میری روح پاش پاش ہو چکی ہے۔ کراہیت آنے لگی ہے مجھے خود سے دل چاہتا ہے کہ....."

"نہ..... نہیں۔" عالیہ نے مضبوطی سے اس کا بازو تھام لیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو عالی۔ ایسی بازی لڑکیاں ہار جاتی ہیں۔" اس نے بے بسی سے لب چبا
لے۔ "کتنا کہا تھا منی آپا نے سنبھل جانے کو اور تم نے بھی کہا تھا ناں کہ پا لینے کی خوشی سے
زیادہ سب کچھ کھو دینے کا غم ناقابل برداشت ہوتا ہے۔"

"بس کرو شہلا۔" عالیہ خان کا دل اس کے ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل سے لہولہو ہو رہا تھا۔
اس نے اس کا چہرہ اٹھا کر دوپٹے کے کنارے سے آنسو پونچھے اور وہ عالیہ کی اس تسلی آمیز رویے
سے اور بھی آزردہ ہو گئی۔ اسے جس ہمدرد اور غمگسار کی طلب ہو رہی تھی عالیہ خان ویسی ہی تھی۔
کاش وہ اس کی باتوں کو اس وقت سن لیتی اور اس ہمدردی کو حسد سے تعبیر نہ کرتی۔

عالیہ اسے زبردستی جوس تھما کر خود فون سننے کمرے سے نکل گئی اور وہ گلاس تھامے سامنے
دیوار کو خالی نگاہوں سے تکتی رہی۔ نگاہیں جھپک کر جب دیوار سے لگے صوفے سے اٹھی تو دل
میں ٹیس سی اٹھی۔ اسی صوفے پر بیٹھ کر دانیال ملک سے اس نے کتنی خوش رنگ باتیں کی
تھیں۔ آنے والے دنوں کی اور ان لمحوں میں اس صوفے پر بیٹھا ہوا وہ خوبصورت چہرہ اور سیاہ
بالوں والا دانیال ملک اسے کوئی دیوتا محسوس ہوا تھا مگر جس طرح ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی اسی
طرح دانیال ملک بھی ایک کھوٹا سکہ نکلا۔ نفرت سے ایک تیز ریلا اس کے دل سے اٹھا اور رگ
رگ میں لہو کے ساتھ دوڑنے لگا۔

"عالیہ۔" اس نے اندر داخل ہوتی عالیہ کو دیکھا۔ "تمہارے پاس دانیال ملک کا ایڈریس تو
ہے نا؟"

عالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں..... ظاہر ہے۔" وہ باوجود کوشش کے جھوٹ نہ بول سکی۔ اس کے دل میں
ملک کے لیے نفرتیں ابل رہی تھیں۔

"پلیز..... مجھے دے دو۔" وہ ملتجی ہو کر بولی۔

"بھئی پہلے تو یہ پی لو اتنی جلدی کیا ہے؟"

"نہیں عالی۔ اب کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔" اس نے جوس سے بھرا گلاس
رکھ دیا۔ "اب چاہے جتنا بھی ٹھنڈا پی لوں کتنی ہی برف چبالوں میرے اندر کی آگ
ہو گی جب تک۔" اس نے لب بھینچ لیے۔ چشم تصور میں دانیال ملک کا سراپا تھا اور
میں نہایا ہوا دیکھ رہی تھی۔

"پلیز عالی' انکار مت کرنا۔" وہ اسے تذبذب میں دیکھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

"کیا کرو گی؟ وہ تو مرد ہے شہلا۔ تمہیں پہچاننے سے ہی انکار کر دے گا۔" عالیہ
میں اس کے لیے کوئی تسلی نہ تھی۔ اس کے خیال میں شہلا کی اس طرح کی کوشش بے

"مجھے اپنی سی کوشش کر لینے دو۔"

"تمہارا کیا خیال ہے وہ تم سے شادی کر لے گا؟" عالیہ کی طنز آمیز مسکراہٹ شہلا
گئی۔ اب ایسی کسی امید کو پالینے کی سکت ہی کہاں رہی ہے مگر عالیہ خان مجھے برباد کر
زندہ رہنے کا حق بھی نہیں ہے۔ اس کا ذہن تلخی سے سوچ کر رہ گیا۔

"نہیں...... شہلا...... ایسے شیطان صفت مردوں کی سائڈ تو میں نے اس وقت بھی
تھی جب اس کا کردار میرے سامنے اتنا مکروہ ہو کر نہیں آیا تھا اور اب تو سوال ہی
ہوتا۔ ٹھہرو۔ میں لکھ دیتی ہوں۔"

وہ قلم اور کاغذ لے آئی اور اس پر اپنی تائی کا ایڈریس لکھنے لگی۔ جس میں آج کل
رہائش پذیر تھا پھر اسے لوکیشن سمجھانے لگی۔

اس نے کاغذ اپنے ہاتھوں میں یوں تھام لیا جیسے کوئی اہم دستاویزات حاصل ہو گئی ہوں۔

"وہ جرمنی سے جب بھی آتا ہے تائی اماں کے یہاں کراچی ضرور آتا ہے۔ اس کے
پیرنٹس تو اسلام آباد میں ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو فون آیا تھا تائی ماں کا ہی تھا وہ کہہ رہی
رات کو وہ ہماری طرف آنے کا پروگرام بنا رہی تھیں مگر اب دانیال کی وائف نوشین
طبیعت خراب ہو گئی ہے جرمن عورت ہے مزاج زیادہ نازک ہے۔ کچھ کھا ہی لیا ہو گا
بگڑ گئی۔ مل بھی جاتے ہیں ان کا ناز اٹھانے والے پاکستانی۔"

عالیہ اسے تفصیل بتا رہی تھی مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اس ایڈریس

تھیں جو عالیہ نے اسے لکھ کر دیا تھا اور ذہن کچھ اور ہی پروگرام بنا رہا تھا پھر ایک گہری سانس
کر اس کاغذ کو پرس میں ڈال کر خود کو ڈھیلا چھوڑ کر صوفے کی پشت پر ٹیک لگالی۔ آنکھوں کے
رے اب بھی نم نم تھے۔

"شہلا۔" عالیہ نے اسے پکارا۔ "تم اب کہاں جاؤ گی؟ میرا مطلب ہے گھر؟" اس کے لہجے
اور آنکھوں میں شہلا نواز کے لیے ترحم تھا۔

"کاش شہلا تم نے ذرا سی سمجھداری سے کام لیا ہوتا۔ اپنے نفس کے منہ زور گھوڑے پر
سرپٹ دوڑنے کی بجائے عقل سے سوچا ہوتا تو آج یوں برباد نہ ہوئی ہوتیں۔"

شہلا اسے خالی نظروں سے تک رہی تھی۔ لفظ "گھر" نے جیسے اس کے سارے زخم ہرے
دیے تھے۔ اس نے کرب کی اتھاہ میں ڈوب کر عالیہ کو دیکھا۔

"آہ۔ گھر عالی۔" وہ اچانک چونکی۔ "عالیہ! میرے اس طرح بھاگ جانے پر گھر میں ماتم تو ہوا
ہ۔ کیا یہ بات باہر بھی پھیل چکی ہے۔" اس نے پوچھا تو عالیہ نے بڑی تیز نظروں سے اسے
ا۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ وہاں جشن کا سماں ہو گا۔ بھاگنے والی لڑکیاں اپنے پیچھے ایک رسوائی کی
دہکا کر جاتی ہیں اور پھر جلنے والے اس گھر کا دھواں ظاہر ہے گھر گھر پہنچے گا۔"

اس نے تڑپ کر چہرہ اٹھایا۔

"عالی تو کیا؟" اس کے لب کپکپا گئے۔

"ہاں کوئی گھر نہیں بچا جہاں اس آگ کا دھواں نہ گیا ہو۔ جو تم دہکا کر بھاگی تھیں۔ تمہارے
محلے کے لڑکے ہاسپٹل لے گئے تھے۔ سویرے انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔"

"کیا عالیہ....؟" وہ یک دم بیٹھی سے کھڑی ہو گئی مگر دوسرے لمحے بے بسی اور کرب سے دوبارہ
گئی۔

"یہ سب تو تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا جب تم نے صرف اور صرف اپنی غرض اپنے مفاد
لیے اتنے لوگوں کو ذلت کی پستیوں میں اتارنے چلی تھی۔ نہیں شہلا۔ جلتے مزاروں پر محل
تعمیر نہیں ہو سکتے۔" عالیہ خان کا انداز بڑا جارحانہ تھا۔ اس کے گھر والوں کا تصور کر کے اس
شہلا کو قتل ہی کر ڈالنے کو دل چاہ رہا تھا۔

"عزت کو سینت سینت کر رکھنے والی رابعہ آنٹی کس طرح اس دکھ کو سہہ رہی ہوں گی تم
اندازہ کر سکتی ہو۔ شہلا تم ایک خود غرض لڑکی ہو۔ تم دانیال ملک کو الزام دیتی ہو وہ بے وفا اور بے
نہ نکلا۔ تمہارے اعتماد کو پارہ پارہ کر گیا مگر تم اپنے گریبان میں نہیں جھانکتیں کہ جس کو کھنے نے

تمہیں جنم دیا اور جن بوڑھی ہڈیوں نے تمہیں پال پوس کر جوان کیا تم نے ان کی
ریاضت کو لمحہ بھر میں بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کے اعتماد کو روند ڈالا۔ ہاں شہلا تم ہمدر
قابل نہیں ہو بلکہ نفرت کے قابل ہو۔ جاؤ دیکھو جا کر اس گھر کو جس کی دیواروں کو
کے آئی ہو۔ جن کے سروں سے چادریں کھینچ لی ہیں۔"

"بس کرو عالیہ۔ خدا کے لیے بس کرو۔" وہ چیخ اٹھی۔

"ندامتوں کی شدت سے اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ
ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

خود عالیہ کے اعصاب پر بھی جیسے کوئی ضربیں لگا رہا تھا۔ اس کی کنپٹیاں سلگ ر
ایک طرف شہلا اجڑی ویران اس سے ہمدردی کے دو بول سننے کی خواہاں تھی اور دو
اس کا گندہ کردار۔ جس نے اس کے گھر والوں کو ایک مسلسل عذاب میں جھونک دیا تھا
پھر اس نے جیسے خود کو سنبھال لیا اور بلکتی شہلا کو شانوں سے تھام کر خود سے لگا لیا

"اب ساری باتیں بے کار ہیں۔ میں تمہیں دانستہ یہ دکھ نہیں دینا چاہ رہی تھی۔"
شہلا کے آنسو اس کا شانہ بھگوتے رہے۔

"عالی کہاں جاؤں اب؟"

"میری مانو تو واپس گھر چلی جاؤ۔"

"نہ.... نہیں۔" وہ وحشت زدہ سی پیچھے ہٹی۔ "نہیں عالیہ میں ... ساری کشتیاں
تھی۔ اب واپسی کا سفر اس سے زیادہ ہولناک ہو گا۔ آہی جائے گا انہیں بھی صبر۔ ور
بربادی کو وہ سہہ نہ پائیں گے۔" اس کی نگاہوں تلے منی آپا اور سکندر کا چہرہ گھومنے لگا ج
وہ شاید عمر بھر نہ کر سکے گی۔

"تو پھر؟" عالیہ سخت متفکر سی نظر آنے لگی۔

"خدا کی زمین بہت بڑی ہے۔" وہ دکھ سے مسکرا دی۔

"مگر شہلا پھر بھی؟" عالیہ ہنوز فکر مند سی تھی۔

ایک بار راہ کھو دینے والی شہلا نواز کیا اب عمر بھر بھٹکتی رہے گی۔ یہ سوچ اسے
رہی تھی مگر کوئی حل اسے بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ دور تک جیسے دھواں ہی دھوا
دے رہا تھا۔

"خدایا! عورت کا ایک غلط قدم اسے کتنی پستی میں دھکیل دیتا ہے۔ عمر بھر کے
سے دور کر دیتا ہے۔ چند لمحوں کی دل لگی۔ دل فریبی عمر بھر کا پچھتاوا بن کر رگوں کو

"شہلا.... شہلا.... میری دوست۔ اتنا بے بس خود کو محسوس کر رہی ہوں کہ چاہتے ہوئے
کچھ نہیں کر سکتی تمہارے لیے۔" نرم دل عالیہ خان کا دل اپنی ہی بے بسی کے آنسوؤں میں
گیا۔

"نہیں عالی، تم نے تو بہت کچھ کیا ہے میرے لیے۔ اس وقت بھی جب میں بربادی کے دہانے
پہ تھی اور آج بھی۔" شہلا نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "بس ایک کام اور کر دو تو
مرتے دم تک تمہارا احسان نہیں بھولوں گی۔"

"کام.... کیسا کام؟" عالیہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"ناصر بھائی کے پاس جو ریوالور ہے وہ تم مجھے لادو۔"

"کیا... آ...." عالیہ اس کے ہاتھ چھوڑ کر جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور خوفزدہ نظروں سے اسے
لگی۔ اس کا دل پھیلا اور سکڑا۔

"تت.... تم؟"

"نہیں عالیہ، خودکشی کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ایک زندگی برباد کر ڈالی ہے۔ موت کم از کم
رام اور ہولناک نہیں چاہوں گی۔" وہ یاس بھرے انداز میں ہنسی۔

"اب مجھے چادر اور چہار دیواری کا سا تحفظ تو شاید نہ مل سکے۔ کم از کم اپنی حفاظت کے لیے
پاس کوئی ایسی چیز تو ہو۔" یہ کہتے ہوئے وہ عالیہ سے نظریں نہ ملا سکی اور سامنے ریوالور پر
مرکوز کر دیں۔

عالیہ گم صم سی کھڑی رہ گئی۔

"تم شاید یہ سوچ رہی ہو کہ اب بھلا شہلا نواز کے پاس بچا ہی کیا ہے جس کا ڈر...."

"نہیں.... شہلا۔" عالیہ نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ
بھائی کو پھر کیا جواب دوں گی؟" وہ حقیقتاً الجھ رہی تھی اس کے چہرے پر پریشانی اور بے بسی
اثرات تھے۔ وہ نہ شہلا کو انکار کرنے کا حوصلہ رکھتی تھی نہ اقرار کرنے کی ہمت۔

"سوری عالی، میں نے تمہیں الجھن میں ڈال دیا مگر میرا مقصد تمہاری دوستی کی آزمائش ہرگز
ب۔ چلو یونہی سہی۔" اس نے مایوسانہ انداز میں ڈھیلے قدم بڑھا دیے اور میز سے اپنا
ریگ اٹھا لیا۔

"ٹھہرو شہلا۔" عالیہ جلدی سے بولی اور پھر کمرے سے نکل گئی مگر جب واپس آئی تو اس کے
یں ناصر بھائی کا ذاتی چیک دار گولیوں سے بھرا ریوالور تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک بڑی سی

سیاہ چادر۔

شہلا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کا دل عالیہ کی شکر گزاری سے لبریز ہو گیا۔

"ایک وعدہ کرو شہلا کہ اس کا استعمال تم خود پر نہیں کرو گی"، عالیہ نے دھڑکتے دل سے اس کی طرف ریوالور بڑھاتے ہوئے کہا تو اس نے کانپتے ہاتھوں نے جھٹ سے لیا۔

"نہیں، بالکل نہیں۔ اتنی بزدل ہرگز نہیں ہوں اور اب تو اسے دیکھ کر میرے امنگ پیدا ہو گئی ہے۔"

اس کے لبوں پر عجیب پراسرار مسکراہٹ ابھری۔ اس نے جھٹ سے ریوالو میں ڈال لیا۔ مبادا عالیہ کا ارادہ نہ بدل جائے۔

"یہ بھی لو۔" عالیہ نے اس کی طرف سیاہ چادر بڑھائی تو وہ سوالیہ نظروں سے ا عالیہ کو دیکھنے لگی۔

"بے وقوف لڑکی یہ بیڈ شیٹ اوڑھے اوڑھے گھومو گی؟" عالیہ نے پہلی بار شگفتہ وہ بھی بے اختیار مسکرا دی اور چادر لیتے ہوئے عالیہ کا ہاتھ بھی تھام لیا اور کتنے ہی ثا ایک دوسرے کے مدمقابل خاموش کھڑی رہیں۔ عالیہ کی آنکھوں میں ترحم تھا جبکہ آنکھوں میں تشکر کی نمی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے بے اختیار عالیہ کے دونوں ہاتھوں لبوں سے لگا لیا اور پھر پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

○☆○

اس نے کھڑکی کا پردہ گرا لیا اور کوئی چوتھی بار دراز میں رکھا پرس کھول کر سیاہ چمکتا نکال کر دیکھا۔

ایک پراسرار سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر منجمد ہو گئی۔

"میں تو برباد ہو ہی گئی ہوں دانیال ملک مگر تمہیں بھی خوشیوں سے ہمکنار نہیں گی۔ مجھے بے آب و گیاہ کرنے کے بعد زندگی کی بہاروں پر تمہارا بھی کوئی حق نہیں رہا۔"

وہ اب ماضی کو نہیں کرید رہی تھی اس نے اپنے اوپر سے رنجیدگی کا لبادہ ا سارے دکھوں اور لاحاصلی کی اذیت پر نقاب ڈال دیے تھے۔

وہ یہ باب بند کر چکی تھی اور اب اس کا ذہن آگے کا سوچ رہا تھا۔ اس کی رگ ایک نیا جوش اُمڈ رہا تھا۔

ایک نیا جذبہ لہو کو آتش فشاں بنا رہا تھا۔

وہ جذبہ انتقام کا تھا۔

دانیال ملک سے انتقام کا

اس نے ریوالور کو آہستگی سے تھپک کر دوبارہ اسی احتیاط سے رومال میں لپیٹ کر پرس میں رکھ دیا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے جلدی سے دراز بند کر دی اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں.... مسز بیگ لینڈ لارڈ۔"

اس نے چہرے پر نیند کا تاثر بھر لیا اور آنکھیں موندے دروازہ کھول دیا۔ وہ اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس کا ذہن جس انتشار کا شکار تھا اس کا ذرا بھی تاثر کسی پر نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

"اوہ.... سوری آپ کو ناحق نیند سے جگا دیا میں نے۔" مسز بیگ اس کے چہرے پر نگاہ ڈال کر خفیف سی ہو گئی مگر وہ چپ رہی۔

"دراصل میں آنا تو شام کو ہی چاہ رہی تھی مگر کچھ مہمان آ گئے تھے۔"

"نہیں، کہیے کیا کام ہے؟" اس نے ہنوز بوجھل پن سے کہا اور ایک مصنوعی جمائی لی۔

"کہنا تو یہ تھا کہ پندرہ دن کی پے منٹ کی تھی آپ لوگوں نے۔ میرا مطلب ہے اگر پورے مہینے کی پے منٹ کر دیں تو...."

"اچھا۔" اس نے کوئی بحث نہ کی۔

"مسٹر دانیال میرے شوہر کے جاننے والے ہیں۔ اس لیے بغیر ایڈوانس کے انہوں نے فلیٹ دے دیا آپ لوگوں کو اور پھر آئے بھی آپ بالکل اچانک رات کو تھے۔ شاید کسی دوسرے شہر سے آئے تھے۔" مسز بیگ کے لہجے میں کھوج تھی۔ ان کی نظریں دور کمرے کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہی تھیں مگر شہلا جو کچھ اس انداز سے پھیل کر کھڑی تھی کہ وہ خود سے شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئیں۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔ سوری بے وقت آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔"

اور شہلا نے کوئی جواب دیے بغیر کھٹ سے دروازہ بند کر دیا اور بیڈ پر گر کر تکیہ میں منہ چھپا لیا۔

صبح چڑیوں کی چہچہاہٹ سے پہلے ہی وہ مکمل تیار تھی۔ اس نے تو ساری رات آنکھوں میں

کافی تھی اور اس وقت کا انتظار کیا تھا۔ اس کے علم میں تھا کہ صبح سویرے دانیال ملک جاگنگ کے لیے گھر سے نکلتا تھا اس نے کمرے کو لاک کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ اسے کون سا یہاں واپس آنا تھا۔ چابیاں یونہی بیڈ کے سائڈ دراز میں رکھ دیں اور چادر میں خود کو اچھی طرح چھپا کر بغل میں پرس دبا کر باہر نکل آئی۔

سڑک پر نہ ہونے کے برابر ٹریفک رواں دواں تھا اور اکا دکا پیدل چلنے والے تھے۔ اس نے ایک خالی رکشہ رکوایا اور بیٹھ گئی۔

وہ مکمل پُراعتماد نظر آرہی تھی اور وہ خود بھی جانتی تھی کہ اس کا یہی اعتماد اس کی ضرورت ہے۔ رکشہ اس کی بتائی ہوئی جگہ پر رک چکا تھا۔ یہ ایک چوڑی گلی تھی جس کے اطراف اور جدید طرز کے بنگلے تھے۔ جہاں سناٹے کا راج تھا۔ کسی ذی روح کا نام ونشان نہ تھا۔ جیسے صبح کا احساس ہوا ہی نہ ہو۔

سفید اور سرمئی رنگ کا بنگلہ اس کی نگاہوں کی زد میں تھا۔ اس نے خود کو بنگلے کی پچھلی سی آگے نکلی ہوئی دیوار کی آڑ میں چھپا رکھا تھا۔ یہاں سے فوراً پچھلی گلی شروع ہو جاتی تھی کے کنارے پر سڑک شروع ہو جاتی تھی۔

اس نے بہت سوچ سمجھ کر اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

"دھک..... دھک..... دھک۔" خاموشی سے اسے صرف اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں۔ جو لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ اگر اس کے نزدیک کوئی اور کھڑا ہوتا تو وہ بھی آلہ کے یہ دھمک صاف سن سکتا تھا۔

کچھ دیر گزری کہ بڑا سا سرمئی گیٹ کھلا اور دانیال ملک جاگنگ کے ڈریس میں ملبوس نکلا۔ گیٹ کو اس نے خود ہی بند کر کے اوپر سے لوہے کا ٹکڑا لگا دیا تھا۔ اس کے ہمراہ ایک چار سال کے لگ بھگ کا لڑکا بھی ٹریک سوٹ میں تھا۔

اور شہلا نواز کی آنکھیں جیسے تپتے انگاروں سے بھر گئیں تازہ مسکراہٹ کے ہمراہ وہ بیٹے کی انگلی تھامے چل رہا تھا۔ اس سے بے خبر کہ اس کی لگائی ہوئی آگ خود اس تک پہنچ چکی تھی۔

وہ عورت تھی فطرتاً خوفزدہ ڈرپوک۔

اور پھر دانیال ملک تو اس کی پہلی محبت تھا۔

نفرت کا لاکھ احساس اس کے دل کے چاروں طرف کھردری جھاڑیوں کی مانند اُگ آیا تھا

وہ لمس اب بھی اتنا ہی طاقتور تھا۔

اس کی نگاہیں لمحہ بہ لمحہ بڑھتے دانیال ملک کے چہرے پر تھیں اور وہ بکھر جاتی۔ اپنا سارا اعتماد کھو دیتی۔

پھر وہی گھائل دل نکال کر اس ظالم لٹیرے کے قدموں میں رکھ دینے کی خواہش ابھری۔

اس نے جلدی سے خود کو سنبھال لیا۔ نہیں اس طرح نہ جانے کب تک اور کتنی بار دانیال ملک اور اس جیسے مرد اپنی ہوس کے خنجر سے نازک اور نادان لڑکیوں کو زخمی کرتے رہیں گے۔ اس گندگی کو صاف ہی کر دینا چاہیے۔ اس ناپاک وجود کو زمین سے مٹا دینا چاہیے۔

اس کا دماغ ایک بار پھر نفرت کا تپتا ہوا آتش فشاں بن گیا۔

ٹریگر پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھتا چلا گیا اور کئی سنسناتی گولیاں دانیال ملک کی طرف رواں ہو گئیں۔

اس نے دانیال ملک کو گرتے دیکھا اور پلٹ کر تقریباً دوڑتی ہوئی گلی میں مڑ گئی اور سڑک پر پہنچ کر اپنے بکھرے حواسوں کو مجتمع کیا۔ خود کو نارمل کرتے ہوئے قریب سے گزرتے رکشہ کو ہاتھ دے کر روک لیا۔

اب اس کی منزل اسٹیشن تھا۔

کراچی کینٹ اسٹیشن پر گہما گہمی مچی ہوئی تھی۔ لاہور جانے والی ٹرین پٹڑی پر تیار کھڑی تھی۔ اسے ٹکٹ لینے میں قطعی کوئی دشواری نہ ہوئی۔ اس کے پرس میں اچھے خاصے پیسے تھے اور بہت سے قلیوں کی جیبیں ان پیسوں کی منتظر تھیں۔ وہ تھرڈ کلاس کے نسبتاً رش والے ڈبے میں بیٹھ گئی۔

اس کا پورا جسم چادر کے اندر تھا جو پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اس کے بیگ کے اندر رکھا ریوالور اسے سخت ہراساں کر رہا تھا مگر اس کے دماغ میں بجلی سی چمکی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور باتھ روم میں گھس گئی اور جلدی سے باتھ روم کے سوراخ کے ذریعے وہ چھوٹا سا ریوالور پھینک دیا اور واش بیسن کے اوپر لگے چیچک زدہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو لمحہ بھر کے لیے خود کو بھی نہ پہچان سکی۔

پسینے کے قطروں سے بھیگا ہوا متوحش سا چہرہ۔

آنکھوں کے گرد گھیرے سیاہ حلقے اور دھواں دیتی اجڑی کھنڈر آنکھیں۔

اس نے پانی کے چند چھپکے چہرے پر ڈالے اور چادر سے چہرہ پونچھ کر باہر آ گئی اور ایک اطمینان کے ساتھ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

لمحے آہستہ آہستہ سرکتے چلے جا رہے تھے۔ اس نے اپنی تمام تر سوچوں سے چھٹکارا پانے

کے لیے ریل کی بے ہنگم چھک چھک پر ساری توجہ مرکوز کررکھی تھی۔

نہ جانے کتنی راتوں کی وہ جاگی ہوئی تھی۔ سوئی تو ایسی بے خبر سوئی کہ جب آنکھ کھلی
کا آدھا پہر ہوچکا تھا اور اس کے اطراف انسانوں کا ہجوم بے خبر سو رہا تھا۔

"اوہ..... اس کا مطلب ہے کچھ زیادہ ہی نیند لے لی۔" اس نے ریسٹ واچ پر نظر
ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے۔ اس نے ایک پانی بیچتی عورت سے پانی مانگ کر ٹھنڈا
پورا گلاس خالی کرکے خود کو تازہ محسوس کیا۔ بھوک کا ہلکا ہلکا احساس اُمڈ رہا تھا مگر اس نے
کو ذہن پر حاوی نہیں ہونے دیا اور کھڑکی میں منہ ڈال کر بیٹھ گئی۔

دانیال ملک کے گھر میں یقیناً کہرام مچا ہوگا بلکہ اب تک تو شاید اس کی موت پر بیٹھے
بھی تھک کر نڈھال پڑے ہوں گے۔

اس کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

کتنے لوگ اس جوان موت پر دکھی ہوں گے۔

کتنے تعزیت کا اظہار کر رہے ہوں گے۔

تاسف اور افسوس کا ایک سیلاب اُمڈا ہوگا۔

مگر

کسے خبر ہوگی کہ یہ شخص کتنی روحوں کا قاتل تھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جسم کے قاتل کو لوگ گرفتار کرلیتے ہیں اور روحوں کے قاتل
جانتا تک نہیں۔

ہولے ہولے اس کے اندر سے مانوس تھکن اُمڈنے لگی۔ اس کا اچانک بہت سارا
دل چاہا۔

پھر کسی کندھے کی طلب ہونے لگی۔

مگر وہ ضبط کیے بیٹھی رہی اس سیلاب کو پلکوں کی کمزور باڑھ سے روکے رکھا۔

صبح کی سفیدی پھیل چکی تھی۔ ہر منظر صاف شفاف ہو کر نگاہوں کے سامنے تھا۔
زرخیزی تازگی اور خوشبو دور دور تک پھیلی ہوئی تھی مگر اسے کسی میں بھی تازگی اور
احساس نہیں ہو رہا تھا۔

جب روح مرجھا جائے تو ہر جذبہ مرجھا جاتا ہے۔

لہو سرد ہوجائے تو نگاہوں کی گرمی بھی سرد پڑ جاتی ہے۔ جب اندر تک سناٹے کا راج
جوش اور خوشی کی ساری رنگ برنگی تتلیاں دم توڑ دیتی ہیں۔

وہ یوں بے حس ہو چکی تھی جیسے برف کا تودہ ہو۔

وہ باتھ روم سے فارغ ہو کر واپس اپنی سیٹ پر بیٹھی تو سامنے کی برتھ پر بیٹھے ایک شخص کو
بار پڑھتے دیکھ کر چونکی۔ صبح کے تازہ اخبار کی گہری گہری سرخیاں اس کی نگاہوں کے سامنے
ہیں۔ اس نے چند ثانیے انتظار کے بعد اس سے اخبار مانگ لیا اور وہ بھی شاید اخبار کی ایک
خبر کو ازبر کر چکا تھا بغیر حیل و حجت کے رول کرکے اسے تھما دیا۔ اس کی نگاہیں اضطرابی انداز
اخبار کی سرخیوں کا جائزہ لے رہی تھیں اور پھر ایک جگہ اس کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔
سانسیں سینے میں اٹکنے لگیں۔ اندرونی صفحے پر چھوٹی سی خبر تھی۔

"کل صبح ملک فیروز کے اکلوتے بیٹے دانیال ملک کسی نامعلوم شخص کی فائرنگ سے زخمی ہو
گیا۔ گولیاں پیروں پر لگی تھیں۔" اور اس سے آگے اس سے پڑھا ہی نہ گیا۔ لفظ "زخمی" نے
ے اسے اندر تک زخمی کردیا۔ بے بسی سے لب کچل کر اس نے اخبار چہرے کے آگے کرلیا۔
ئی قطرے رخساروں پر پھسل آئے۔ ہمارے ارادوں کی شکست ہی تقدیر کے طاقتور ہونے کی
یل ہے۔ آہ۔ میں تقدیر سے نہیں لڑ سکتی دانیال ملک۔ ہاں مگر یہ بددعا ضرور کرتی رہوں گی کہ
خدا تمہیں اپنی طرف سے ایسی سزا دے جو دیکھنے والوں کے لیے عبرت بن جائے۔

باتھ روم جا کر اس نے اپنی شکست کے وہ سارے آنسو بہا ڈالے جو قطرہ قطرہ اس کے اندر
ع ہوگئے تھے وہ چھوٹے سے واش بیسن کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس طرح پھوٹ پھوٹ کر
روئی کہ جیسے اب کبھی نہ رو سکے گی۔

○☆○

"ہاں زنیرہ علی خان! وہ میری شکست کے آخری آنسو تھے جو میں نے پھر کبھی نہ رونے کے
لیے بہادیے تھے اور دیکھو آج تک پھر ان آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکا۔ ایسا پتھر دل کرلیا ہے کہ
ب ٹوٹتا بھی نہیں ہے۔"

اس نے سائڈ پر رکھے لیمپ کو روشن کردیا اور زنیرہ علی خان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
کہا۔

"اب آرزوئیں ہی نہیں پلتیں۔ اب کوئی خواب سجایا نہیں ہے کہ ان کے اجڑنے کا ڈر
ہو۔"

اور دم سادھے زنیرہ خان کے لب کپکپا گئے۔ "تو پھر کمال کے خواب۔ جو تمہاری آنکھوں
کے پار بڑے خوبصورت رنگوں سے سج رہے ہیں۔" اس کے ہونٹ صرف ہل کر رہ گئے۔

وہ خود بھی لمحہ بہ لمحہ اس کے ساتھ اذیت کا سفر کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں شہلا پر نہیں ہاتھ کی

لکیروں پر جمی تھیں پھر بے اختیار اس نے شہلا کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایک تیز سسکا[ری]
سے آزاد ہو گئی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی...... کہ تمہاری مسکراہٹوں کے پیچھے اتنا اذیت ناک [...]
ہے۔ شہلا تم نے۔" اس سے بولا ہی نہ گیا۔

شہلا نواز ہولے سے ہنس دی۔

دل کے زخموں کا اندازہ چہرے سے کب ہوتا ہے
ساحل سے کب جان سکو گے دریا کتنا گہرا ہے

"سنو زینی ڈارلنگ میں حقیقتاً زندگی سے مایوس ہو چکی ہوتی اگر ایک روز مجھے دانیا[ل]
لاہور کی ایک پر رونق سڑک پر نظر نہ آتا اخبار کی سرخی نے میرے اندر سے جینے کی امنگ [...]
تھی مگر۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور زنیرہ خان کو دیکھا اس کی آنکھوں میں عجیب [...]
ابھر رہی تھی پھر ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ مجھے اس واقعہ کے ایک سال بعد اس شہر کی ایک سڑک کو کراس کرتا ہوا نظر آ[یا]
جانتی ہو زینی۔ اسے دیکھ کر میں جو شکست خوردہ تھی پھر سے جی اٹھی۔ ہاں وہ میری آدھی [...]
اور آدھی فتح ہی تو تھا اس کے ہاتھ میں اسٹک تھی وہ لنگ کھا کر چل رہا تھا۔ اوہ مائی گاڈ [...]
تم تصور بھی نہیں کر سکتی کہ وہ لمحہ میرے لیے کتنا خوشگوار تھا۔ اس کی اسٹک کی ٹک ٹک
ساتھ میرا دل ہم آہنگ ہو کر رقص کرنے لگا تھا۔ آہ۔ وہ لنگڑاہٹ' اس کی ساری شخصیت [...]
کر رہی تھی۔ ہاں۔ ہاں زینی۔ اسے اپنے جس حسن اور پرسنیلٹی پر ناز تھا اس پر ایک بڑا دھب[ہ]
کہ...... ہا.... ہاہا.... ہو.... ہو۔"

شہلا نواز کی ہنسی تیز ہوتی ہوئی قہقہوں میں بدل گئی۔

"ہا۔ ہاہاہا' زینی ڈارلنگ۔ میرا دل چاہا اسے روک کر قریب سے دیکھوں۔ اس [...]
حادثے کی تفصیل پوچھوں اور پھر دور تک اسے ٹک ٹک کے ساتھ جاتا ہوا دیکھتے ہوئے
رہوں۔ ہا.... ہا۔"

"بس کرو شہلا' خدا کے لیے بس کرو۔" وہ شہلا کی ہنسی سے' اس کے قہقہوں سے نہیں
اس کی آنکھوں سے تیزی سے بہنے والے آنسوؤں سے تھرا اٹھی تھی اور اس کے گھٹنوں پ[ر]
رکھ کر بے آواز رو دی۔

شہلا ایک دم سناٹے میں آ گئی۔ یوں جیسے چند لمحے پہلے قہقہے بکھیرنے والی شہلا نہیں کوئی
تھی پھر بڑی پژمردہ آواز میں بولی۔

"نہیں زینی' مجھے حقیقتاً خوشی ہوئی تھی یقین کرو میں....."

"مت جھوٹ بولو۔ مت دھوکا دو خود کو۔" اس نے سر اٹھا کر شدتِ کرب سے چیخ کر کہا تو وہ
[...] جھکا کر خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"یہی تو ہم عورتوں کا المیہ ہے کہ ہم زخم دینے والے کو بددعا دے کر بھی سکون حاصل نہیں
کر سکتے۔ اپنی بددعاؤں کا خوف سمیٹتے جو اسے باریابی کی منزل دیکھتے ہیں تو اور زیادہ گھائل ہو
جاتے ہیں۔ خوش نہیں ہوتے' دراصل خود کو دھوکا دینے کے لیے۔ ہنستے ہوئے خود کو یہ یقین
دلاتے دلاتے عمر گزار دیتے ہیں کہ ہاں یہی تو چاہتے تھے یہی تو خوشی تھی مگر' خوش کیوں نہیں
ہوتے ہم پھر بھی خوش نہیں ہوتے۔ ہمارے زخم مندمل ہونے کے بجائے اور اذیت دینے لگتے
ہیں۔"

شہلا نے اس کے ہاتھ آہستگی سے اپنے گھٹنوں سے ہٹا دیے اور اٹھ کر بتی بجھا دی اور
دوبارہ بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔

زنیرہ خان نے جیسے اسے اندر تک جھنجوڑ دیا تھا۔ اس کے دل کے ایک ایک تار کو چھیڑ کر غم
ہی غم درد ہی درد بکھیر دیا تھا۔

کوئی ہمارے اندر تک جھانک آئے۔ یہ بھلا کب گوارا ہوتا ہے۔ کچھ احساسات' کچھ
جذبات تو دل کے سمندر کی تہہ میں بند موتی کی طرح ہوتے ہیں۔ قیمتی' خود سے بھی چھپائے
ہوئے اور شہلا نواز کو لگا جیسے زنیرہ علی خان ان سیپیوں کا منہ کھول کر وہ موتی سطح پر اٹھا لائی ہو۔

"آئی ایم سوری شہلا۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" اس نے دور تک بیڈ پر ہاتھ
پھیرا مگر شہلا دوسرے کنارے پر کروٹ کے بل لیٹی تھی۔

خاموش۔

مہر بہ لب۔

"ہمارے آدھے دکھ تو یہی ہماری سوچیں' ہمارے احساسات ہوتے ہیں۔"

"شہلا۔" اس نے ہولے سے پکارا۔ "میں دانستہ....."

"پلیز.... مجھے نیند آ رہی ہے۔" شہلا کا لہجہ اتنا کھردرا اور سپاٹ تھا کہ وہ چپ سی رہ گئی اور
چند ثانیے بیڈ کے اس حصے کو تکتی رہی پھر آہستگی سے خود کو فرش پر بچھی دری پر گرا لیا۔

وہ بخوبی انداز کر سکتی تھی کہ شہلا کس اذیت سے گزر رہی ہے۔ اس کے تو گمان میں بھی
نہیں تھا کہ شہلا جیسی کھلکھلاتی لڑکی کا سفر اتنا کڑا اور کانٹوں پر سے گزرا ہے۔ وہ خود کو شہلا کی
جگہ رکھ کر سوچتی تو روح تک لرز اٹھتی۔

اس نے بازو پر ہاتھ رکھ لیا۔ اسے یقین تھا کہ دل جس دکھ سے دوچار ہے' آنکھیں
تکلیف سے لبالب بھری ہیں۔ ذہن جس اذیت آمیز سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ایسے
رات بھر اس کی آنکھوں میں نہ اتر سکے گی۔
مگر
اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ رات نہ جانے کس پہر' نیند فاتح بن کر اس کی آنکھوں میں
تھی۔
صبح سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں آنکھوں سے ٹکرائیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

✪✯✪

اس کی نگاہیں شہلا کے خالی بیڈ سے ہو کر باتھ روم کے بند دروازے تک پہنچیں
سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی اور وہ اندر ہی اندر نادم ہو کر رہ گئی۔
شہلا رات بھر جاگ کر بھی اپنے وقت پر اٹھ چکی تھی مگر آج کچھ دیر اسے بھی ہو چکی
اس نے وال کلاک پر ایک شرمندہ سی نظر ڈالی اور جلدی جلدی بستر درست کرنے لگی۔
باتھ روم کا دروازہ کھلا اور شہلا ہلکے گلابی لباس میں باتھ روم سے باہر نکلی۔ تولیے کو سر
رکھا تھا' اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ جیسے رات کے گزرے اذیت ناک لمحوں کا کوئی
ڈھونڈنا چاہا مگر وہاں ایسی کسی کہانی کی پرچھائیں تک نہ تھیں بلکہ وہی آسودہ مسکراہٹ لبوں
کھیل رہی تھی۔ وہی تازگی اور بے پرواہی ڈیرہ جمائے ہوئے تھی۔ کتنی ماہر تھی وہ اپنے جذ
نقاب چڑھانے کی۔ احساسات پر بند باندھنے کی۔
"اٹھ گئیں مہارانی!" شہلا کی آواز پر اس کی سوچوں کا طلسم ٹوٹ گیا اور باتھ روم کی
اٹھتے قدم ٹھٹک گئے۔
"اب تو عیش ہی عیش ہیں۔ نوکری ووکری کا بوجھ جو نہیں ہے۔ ساری مصیبت تو میر
ہے۔ بوجھ تو میرے کندھوں پر ہے پھر آپ کیوں نہ استراحت فرمائیں گی۔"
اس کا دل چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس نے غیر ارادی طور
پیشانی پر ابھرنے والے قطروں کو انگلیوں سے چھوا اور کسی مجرم کی طرح باتھ روم کا رخ
کیا۔
"سڑی ڈگری پر جاب بھی اپنی من پسند چاہیے۔ یہاں تو ٹھاٹھ ہی نرالے ہیں۔"
ظاہر ہے وہ اسے ہی یہ سب سنا رہی تھی اور وہ سن بھی رہی تھی۔
"باوا مریں گے تو بیل کٹیں گے... ہا... کیا اس امید پر ہو؟"

وہ بڑی کمینگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ وہ چپ سی رہ گئی۔ وہ تو کسی قسم کا احتجاج کرنے کی
زیشن میں ہی نہ تھی' اپنی مدافعت کے لیے کوئی لفظ ہی نہ تھے اس کے پاس۔ وہ تو ابھی اس
اس سے ہی نہ نکلی تھی کہ "آیا رات والی شہلا نواز یہی ہے یا وہ کوئی اور تھی۔"
"میں آج ہی نئی جاب کی تلاش شروع کر دوں گی۔"
"پرانی کون سی ہے' زنیرہ خان؟ بہت ہو گیا یہ ڈراما... بس اب سیدھے سیدھے جا کر
رعباس سے معافی مانگ لو۔ ابھی وقت ہے' کیا فائدہ جب خوار ہو کر جاؤ اور معافی بھی نہ
ملے۔"
اس نے سنگھار میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ کر بال سیٹ کرتے ہوئے اسے صاف لفظوں
میں تاکید کی "ابھی تو شاید وہ میری سفارش پر تمہیں معاف بھی کر دے۔"
"پلیز شہلا! آئندہ تم مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرنا۔ میں پہلے بھی انکار کر چکی ہوں۔
ت سوچ سمجھ کر۔" اس کے لہجے میں سختی تھی۔ شہلا کی ناک کے نتھنے پھول کر سکڑ گئے۔ اس نے
ے کر کوئی سخت بات سنانے کا ارادہ کیا مگر پھر خود کو روک لیا۔ وہ سر جھکائے کچن کی طرف گئی
ب اس پر ایک طنز آمیز نظر ڈال کر رہ گئی۔
"میں ناشتا کر چکی ہوں۔" اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا تو اس کے قدم رک گئے۔ اسے
وس ہوا جیسے اسے جتایا گیا ہے کہ اس کا ناشتا اب اس پر بھاری ہے۔
"تمہیں تو میں نے ناشتا کرنے سے نہیں روکا۔" شہلا نے اپنے کپڑے اٹھا کر باتھ روم کی
ب جاتے ہوئے اس پر ایک جلتی نگاہ ڈالی۔ جواب پانی کے پورے گلاس سے رات بھر کی
ن اور بھوک مٹا رہی تھی۔
"تم بھی ڈٹ کر ناشتا کرو۔ ہاں' مگر اس احساس کے ساتھ کہ یہ صرف ایک شخص کی کمائی
"
وہ جھپاک سے باتھ روم میں بند ہو گئی اور وہ خالی گلاس کو کتنی دیر لبوں سے لگا کر کھڑی رہی۔
ی کیا چیز ہو شہلا۔ زخم دے کر مرہم رکھتی ہو اور مرہم رکھ کر نوچ لیتی ہو۔
باوجود چاہنے کے وہ چائے کے علاوہ اپنے ناشتے میں آج ایک توس کا بھی اضافہ نہ کر سکی۔
ا کی اتنی کڑوی کسیلی باتوں کے بعد چائے بھی بے مزہ اور پھیکی اور بوجھ کی طرح محسوس ہو رہی
ے۔
وہ چہکتے' بھڑکیلے کپڑوں میں سجی باہر نکل کر آئینے کے سامنے رک کر تیزی سے چہرے پر
ول کے نقش بنانے لگی۔

"میں خود کو تمہارے احسانوں تلے دبا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ یقین کرو ایک لمحہ
نہیں گزرا جب میں نے ندامت محسوس نہ کی ہو۔ خود کو تم پر بوجھ کی طرح محسوس نہ کیا ہو۔"
"بہت اچھے' خاصے اثر انگیز ڈائیلاگ ہیں۔" شہلا کی ہنسی اسے حقیقتاً دکھی کر گئی۔ "...
اچھا لیتی ہو اور ایکسپریشن بھی ٹھیک ٹھاک دے لیتی ہو۔ ٹرائی کر لو فلم میں۔"
شہلا نے آخری نظر آئینے میں اپنے سراپے پر ڈالی اور شولڈر بیگ اٹھا کر کھٹ کھٹ
سیڑھیاں اتر گئی اور وہ سبکی کا احساس سمیٹے ایک طرف کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
شہلا کے زہر میں بجھے لفظ اسے بری طرح نڈھال کر گئے' وہ مجرموں کی طرح خود سے
شرمندہ' چلتی ہوئی بالکنی میں آکر کھڑی ہو گئی اور شہلا کے پل پل بدلتے رویوں کو سوچنے لگی
کبھی اپنی بے اختیاری بے بسی پر کڑھنے لگی۔ معاً کوئی خیال بجلی کی تیزی سے ذہن میں آیا
پلٹ کر تیزی سے اندر کمرے میں چلی آئی۔
بالوں کو انگلیوں سے سلجھا کر ہیئر بینڈ میں جکڑا۔ سادہ سی چپل پیروں میں ڈالی اور دوپٹہ
جما کر پرس سے چابی نکال کر باہر آئی اور جلدی سے دروازے کو اچھی طرح قفل لگا کر سیڑھیاں اتر
کر شمشاد بیگم کے رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یاد تھا کہ ایک بار شمشاد بیگم نے ان سے کہا
تھا کہ اس کے کسی جاننے والے کو اپنے بچے کے لیے ٹیوٹر چاہیے گو کہ اس بات کو ایک عرصہ
ہو گیا تھا مگر امید کی ننھی سی کرن پھر بھی دل کے اندر روشن ہونے لگی تھی ہو سکتا ہے۔ خدا کرے
انہیں اب تک کوئی بہتر ٹیچر نہ مل سکی اور بالفرض مل گئی ہو تو وہ جا چکی ہو۔
آج بغیر ڈرے اور جھجکے شمشاد بیگم کے پاس آئی تھی حالات نے جو رخ موڑا تھا اس میں
شہلا نواز کی اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی اور پھر آج کے اس پر آشوب دور میں
نفسا نفسی کے عالم میں۔ اس مادیت پرستی کے دور میں بقول شہلا "سڑی ڈگری" پر وہ کوئی
جاب حاصل کر ہی نہیں سکتی تھی اور اب تو ہر گزرتا لمحہ احسانوں کے بوجھ کی دلدل بنا جا رہا تھا
کچھ عرصہ ٹیوشن پر ہی قناعت کر لیتی۔ اس درمیان جاب کی تلاش بھی جاری رکھے گی۔ کم
اختتام پر ہاتھ میں اتنا تو کچھ ہو کہ شہلا کو دے کر خود کو تسلی دے سکے۔ ایک دم نہ سہی قطرہ
اس احساس سے نکال سکے اور نوٹوں کی خوشبو شہلا کو اتنی ہی عزیز تھی جتنی ایک عاشق کو
کی طرف سے ملا ہوا مہنگا پرفیوم۔

○☆○

شمشاد بیگم اسے اپنے روبرو پا کر کھل اٹھی تھیں۔
یہ ایک وسیع و عریض جدید طرز کا بنگلا تھا۔ جو دو طرفہ سرسبز لان کے درمیان گھرا ہوا تھا۔

اونچے اونچے ناریل تھے اور سڈول جسامت والے پام کے درخت باہر جھانک رہے تھے۔
بڑے سے سفید امتزاج کے گیٹ کے اطراف سرخ گملوں کے اندر موسمی پھول بڑے بھلے
لگ رہے تھے۔ بڑے سے پورٹیکو میں اس وقت صرف ایک ہی گاڑی کھڑی تھی اور ایک عدد
بائیک اور بھی کئی گاڑیوں کی گنجائش تھی۔
اس کا دل تو رکشا سے اتر کر ہی اپنے معمول سے ہٹ کر دھڑکنا شروع ہو گیا تھا اور اس پر
شمشاد بیگم کے "ہو سکتا ہے اب تک انہیں کوئی ٹیوٹر مل بھی گیا ہو۔ چلو پھر بھی قسمت
آزما لیتے ہیں۔" اور وہ وہیں پر ناامید اور مایوسی کی اتھاہ میں ڈوب گئی تھی مگر پھر بھی شمشاد بیگم کا
ساتھ تقویت دے رہا تھا۔ ہر چند کہ کوئی خوش فہمی نہ تھی۔ بس اپنی قسمت کو آزمالینے ہی آموجود
ہوئی تھی۔
"ارے' تم تو زیادہ ہی مایوس ہو رہی ہو بھئی۔" شمشاد بیگم نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا اور
ہولے سے ہنس دیں۔
یہ سچ تھا اسے اپنی قسمت سے تو کوئی اچھی امید ہی نہ تھی اوپر سے کوالیفیکیشن بھی منہ پر
مار دینے والی تھی۔ خاک امید ابھرتی۔ صلاحیتوں اور محنت کو آزمانے کا موقع تو چانس کے بعد ملتا
ہے اور چانس حاصل کرنے کے لیے ایسی ایسی خواری ہوتی ہے کہ مر جانے کو ہی دل چاہیے
اب یہاں بھی چانس ملے گا تو اپنی صلاحیتوں کو آزمائے گی ورنہ "سڑی ڈگری" تھرڈ کلاس کوالیفیکیشن
پہلے ہی قدم گھائل کرنے کو کافی تھی۔
اس نے بے دلی اور سخت ناامیدی سے پرس میں انٹرمیڈیٹ سرٹیفکیٹ کو دیکھا۔
"مایوسی کفر ہے بیٹی!" شمشاد بیگم کی آواز پر وہ سنبھل گئی۔ ان کے لہجے میں اپنائیت تھی'
شفقت تھی' وہ سرہلا کر رہ گئی۔ ہاں مایوسی کفر ہے مگر وہ کیا کرتی' اتنے اندھیرے دیکھے تھے کہ اب
روشنی کی امید ہی نہ رہی تھی مگر اندھیروں سے بھلا سمجھوتا بھی کون کر سکتا ہے؟
اس نے شمشاد بیگم کو دیکھا' وہ گیٹ کے پاس کھڑے چوکیدار سے کچھ کہہ کر اس کے ہمراہ
بنگلے کے بڑے سے اندرونی لان میں آئیں۔ سامنے ہی گھر کی لڑکیوں کا گروپ بیٹھا شام کی چائے
کے ہمراہ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ اس نے بے اختیار ہی شمشاد بیگم کی طرف دیکھا اور ان کا
ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ اتنا بھرا خاندان تھا۔
"بالکل بزدل ہو۔" شمشاد بیگم آہستگی سے ہنس دیں۔ "پتا نہیں کیوں مجھے تو اب تک یقین ہی
نہیں آرہا کہ تم اور شہلا کسی دیرینہ دوستی کے بندھن میں بندھی ہو۔ وہ کہاں اور....."
"ارے شمشاد آپا آپ..." کسی نے انہیں دور سے ہی پکارا تو ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

وہ بھی قریب آتی عورت کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"بھئی یقین نہیں آرہا' آپ آئی ہیں۔ کیسے راستہ بھول پڑیں؟" آنے والی نے ان کر خوش گوار حیرانگی کا بھرپور اظہار کیا۔ سرخ اور سیاہ امتزاج کے جارجٹ سوٹ میں او اور نفیس سی لڑکی نما عورت تھیں۔

"ہم تو سمجھے بھول بھال ہی گئی ہیں آپ تو۔" سنہری کھنکتی چوڑیوں سے بھرا نازک ہ بڑھا کر اس نے شمشاد بیگم سے مصافحہ کیا۔

"بھول بھال جانے کی بھی ایک کہی۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی تو مارکیٹ میں ملاقات ہو سے اور تمہیں پہچانا بھی میں نے ہی تھا۔" انہوں نے بڑی محبت سے اسے خود سے لگا لیا۔

"لیجیے' بازار میں دو گھڑی ملنے کو آپ ملاقات کہتی ہیں۔ میں تو اس گھر کی بات کر ہمارا غریب خانہ کیسے یاد آگیا؟ ارے اندر تو آیئے۔"

"اے سدرہ' ذرا دم تو لینے دو۔ اب تو آئی ہوں تو بیٹھوں گی بھی۔" شمشاد بیگم نے ا تھام کر ہنس کر کہا۔

"آیئے' یہاں کرسیاں رکھی ہیں۔"

وہ بھی شمشاد بیگم کے ساتھ اس حصے میں آگئی جہاں دوسری لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ نے شمشاد بیگم کو پہچانا' سلام کیا۔ کئی ایک سے غائبانہ تعارف تھا ان کا مگر سب کی ا دونوں پر ہی تھیں۔ خاص کر زنیرہ علی پر۔ سدرہ بھابی کی نظریں بھی بار بار پھسل کر اس تھیں۔ ہلکے پیازی سوٹ پر سیاہ کاٹن کی ہلکی ایمبرائڈری والی چادر اوڑھے' نازک سا ستھرے پیروں میں سبک سی مخمل کی چھوٹی ہیل کی چپل پہنے وہ ان سب کی نگاہوں کا مر تھی اور خود بھی بیک وقت سب کی توجہ پر ہراساں سی ہو رہی تھی۔

سدرہ بھابی سوچ رہی تھیں کہ جہاں تک انہیں یاد تھا' شمشاد بیگم کی کوئی بیٹی نہ تھی ہوتی بھی تو کم از کم اتنی خوبصورت ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ عام سے نقوش اور سانولی ر شمشاد بیگم کی ایسی نادر بیٹی' ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

"تمہاری اماں سے تو کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ بھی میں ہی ہو آؤں اد سے تو ہو۔ بھئی آنا نہیں ہے ہماری طرف کیا؟ شکوہ تو مجھے تم سے بھی ہے بلکہ اپنی اما ہر بار آنے کا وعدہ کر دیتی ہیں۔ آخر کو بچپن کی سہیلی ہوں اور بارہ سال پڑوس میں رہ دیکھو' مروت نام کو نہیں تمہاری اماں میں کہ بھولے سے میری یاد آجائے۔ اب شادی پر بھی غیروں کی طرح سندیسہ بھیج دوں گی میں بھی۔"

شمشاد بیگم کرسی پر اطمینان سے بیٹھ کر اپنی باتوں میں لگ گئیں۔ ساتھ ہی ساتھ' اطراف میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں کا بھی معائنہ کرنے لگیں جو ان کی خاص عادت تھی۔

"بس شمشاد آپا! امی کے پیروں کے درد نے انہیں گھر کا کر کے رکھ دیا ہے اور کمال کی شادی ہو رہی ہے۔ کب.... کیسا ہے وہ؟"

"ارے کہاں ابھی شادی وادی۔ ہاں' سلام کہہ رہا تھا تمہیں۔ کہہ رہا تھا سدرہ آپی کی تو شکل بھی یاد نہیں ہے مجھے۔ بس سلام کہہ دیجئے گا ان کو بھی کون سی میری صورت یاد ہو گی۔" شمشاد بیگم یہ کہہ کر ہنسنے لگیں' سدرہ بھی ہنس دیں۔

"لگتا ہے بالکل بھی نہیں بدلا وہ لڑکا..."

"کتنے بچے ہیں خیر سے تمہارے؟" شمشاد بیگم نے پوچھا۔

"ایک ہی ہے بیٹا!"

"ہائیں۔ اب تک ایک ہی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے تمہاری شادی کو تو آٹھ سال ہونے کو آئے" شمشاد بیگم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر حساب بھی بالکل ٹھیک لگایا۔ سب لڑکیاں بے ساختہ ہنس دیں۔

"آنٹی' آپ ٹی وی ایڈ نہیں دیکھتیں۔ کم بچے خوشحال گھرانا۔" ایک لڑکی نے شوخی سے کہا اور شمشاد بیگم کا منہ بن گیا۔

"اے' بس رہنے دو یہ سارے انگریزوں کے چونچلے ہیں رزق تو اولاد اپنے حصے کا لے کر آتی ہے۔"

"ویسے اب چند مہینوں میں آپ کو سدرہ بھابی خوش خبری سنانے والی ہیں' نئے ماڈل کی آمد کی۔"

"نیلی کی بچی!" سدرہ بھابی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جھینپ کر بڑا سا دوپٹا جسم پر پھیلانے لگیں۔ لڑکیاں ان کی اس شرماہٹ پر دل کھول کر ہنس رہی تھیں۔

"اے لو' ذرا دیکھو میری عقل کو بھی۔ جس کام کے لیے آئی تھی' اس کا خیال ہی نہیں ہے۔" شمشاد بیگم کسی خیال سے چونکیں تو سمٹی سمٹائی بیٹھی زنیرہ کے دل نے سجدہ شکر ادا کیا کہ انہیں یاد تو آیا۔

"کیسا کام؟" سدرہ بھابی نے کپ میں چائے بھر کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"تم بازار میں ملی تھیں اس روز بتا رہی تھیں کہ تمہیں کوئی مانی کے لیے ٹیوشن پڑھانے والی لڑکی چاہیے پھر کیا ہوا' کوئی ملی ہے؟"

زنیرہ علی خان کا دل بڑی تیزی سے پھیلا، سکڑا اور خون رگوں میں دوڑنے لگا۔
"کہاں شمشاد آپا۔ کئی لڑکیاں آئیں۔ ایک کو مہینہ بھر کے لیے رکھا بھی تھا مگر دل
ہوا۔ بس بھائی نہیں وہ۔"
"ہماری بھابی صاحبہ، تو اپنے لختِ جگر کے لیے ٹیوٹریوں ڈھونڈ رہی ہیں جیسے دلہن
لڑکی نے شرارت آمیز انداز میں سدرہ بھابی کو چھیڑا۔ "میں تو سوچتی ہوں کہ جب دلہن
نکلیں گی تب کیا حال ہوگا۔ مانی بے چارا تو باجی کی عمر تک پہنچ جائے گا تب انہیں اپنی پسند
ملے گی۔"
"بہت ہی فضول بکنے لگی ہو تم۔" سدرہ بھابی نے اس کی طرف چائے رکھ کر اسے
مصنوعی خفگی سے گھورا۔ سب کی ہنسی بکھر گئی تھی۔
"اب ایسی بات بھی نہیں ہے، بس آپا، کوئی ایسی لڑکی ہو۔ جو پہلی نظر میں بھا جائے
نظر میں ہے کوئی؟"
"یہ زنیرہ ہے ناں۔ میرے ساتھ اسی سلسلے میں تو آئی ہے۔" شمشاد بیگم نے کہا تو سدرہ
کھل اٹھیں۔
"ارے.... اچھا!" ان کے ساتھ باقی سب کی نظریں بھی اسی پر اٹھی تھیں۔
"ہائے آپا۔ آپ تو ہیرا ہی اٹھا لائی ہیں۔" سدرہ بھابی نے کچھ اس انداز سے پُرمسرت لہجے
میں کہا کہ اس کے چہرے پر خفیف سی سرخی بکھر گئی۔ یوں اچانک سب کی نگاہوں کے مرکز میں
آجانا اسے شرمندہ سا کر گیا۔
"میں تو سمجھ رہی تھی، کوئی آپ کی رشتے دار ہوں گی یا پھر بہو ڈھونڈ رکھی ہے
ہے؟" سدرہ بھابی کی پوری دلچسپی اب زنیرہ علی خان کی طرف تھی۔ وہ تو پہلی نظر میں ہی دل
تھی۔
"زنیرہ علی خان!" اس نے آدھی سے زیادہ چائے سے بھرا مگ ٹیبل پر رکھ کر کہا
کھول کر سرٹیفکیٹ نکال کر ان کی طرف بڑھایا تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"مجھے کون سی بڑی جاب دینی ہے تمہیں کہ اب یہ دیکھوں۔ بس میرے دل کو بھا گئی ہو
بہت ہے۔" اور زنیرہ علی خان کے دل میں پھول ہی پھول کھل اٹھے۔ کتنے وسوسوں کے
یہاں تک پہنچی تھی۔ اندر تک پھیلی ناامیدی اور مایوسی چھٹ کے نہ دے رہی تھی اور
بددل ہو کر یہاں تک آئی تھی مگر اب جو نوید سننے کو مل رہی تھی، اس کی خوشی پورے وجود
ہو رہی تھی۔ جیسے اندھیری رات میں کوئی چراغ جل اٹھا ہو۔ جیسے تیز دھوپ میں اچانک
ہوا ہو یا پھر جیسے تپتے صحرا میں بارش کی رم جھم بوندیں۔
اس کا دل مہک اُٹھا۔ سیاہ چادر کے ہالے میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کے مانند چمک
اٹھا۔ نیلی اور رانی دل ہی دل میں اس کے سادہ سے حسن کو سراہے بغیر نہ رہ سکیں۔
وہ جب جانے لگیں تو سدرہ بھابی نے بڑی اپنائیت اور محبت سے اس کا نرم ہاتھ تھاما۔
"زنیرہ! آ جائیگی نا کل سے۔"
اور اپنائیت کے اس احساس سے اس کا دل حساس ہو گیا اور اس نے سر ہلا دیا۔
"آخرکار بھابی کی جدوجہد کو کنارا مل گیا تھا۔ ان کو من چاہی ٹیچر مل گئی تھیں بلکہ سب کو ہی
پسند آئی تھی۔ بقول نیلی کے "اگر میں لڑکا ہوتی تو پوری کی پوری اس کے عشق میں ڈوب چکی
ہوتی اور ایک آدھ غزل بھی لکھ چکی ہوتی۔"
"شکر خدا کا کہ تم لڑکا نہیں ہو ورنہ اس بے چاری کو پہلے دن ہی بھاگنا پڑتا، ایسے نظرباز
کے سے۔" رابعہ کی بات پر وہ منہ پھاڑ کر ہنس دیں۔
تائی ماں نے بھی سدرہ بھابی کے اس مسئلے کے حل ہو جانے پر شکر ادا کیا۔ ورنہ انہیں تو اپنی
بہو کی ناقص العقلی پر غصہ ہی آتا تھا کہ ایک بچے کے پڑھانے کا مسئلہ نہ ہوا کوئی معرکہ سر کرنا
ہو گیا۔
"غالب سے بچایئے گا بھابی مانی کی مس صاحبہ کو۔" رات کے کھانے پر لڑکیوں میں موضوعِ
گفتگو مانی کی ٹیچر زنیرہ خان ہی تھیں۔ غالب نے سخت برہمی سے نیلی کو گھورا۔
"اپنی آنکھیں ٹیسٹ کراؤ۔ ایسا نظرباز لگتا ہوں تم کو۔"
"بھئی میں تو سچ مچ عاشق ہو گئی ہوں اس پر۔ اتنا معصوم سادہ اور پرکشش حسن۔ اُف...!"
اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ غالب کو باوجود خفگی کے ہنسی آگئی۔
"یہ تم میں غالب کی روح کیسے حلول ہو گئی ہے؟" سدرہ بھابی نے پسِ پردہ غالب کو چھیڑا تھا۔
"میری روح اتنی نامعقول نہیں ہے۔" اس نے کمال اطمینان سے پلاؤ پر ہاتھ صاف کرتے
ہوئے کہا "اور اب تو کم از کم میرے لیے کسی اور میں کشش ہی نہیں ہے۔" اس نے آخری جملہ
آہستگی سے ادا کیا تھا جو صرف اس کے قریب بیٹھا عادل ہی سن سکا تھا اور ہنس دیا تھا۔
"یعنی! اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔" اس نے بھی جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں
کہا۔
"بالکل۔"
"کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟" نیلی سے رہا نہ گیا، اس نے عادل کو ہنستے ہوئے دیکھ کر غالب سے

پوچھا۔
"تمہارے مطلب کی نہیں ہے۔ تم خاموشی سے کھانا کھاؤ۔ ادھر ہی کان لگائے بیٹھی
اور جواباً نیلی نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔
"شاہ دل کا فون نہیں آیا؟" ثاقب بھائی کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔
"ارے کہاں۔ اس لڑکے کو کسی کی فکر ہو تب کرے نا فون بھی۔ مجھے تو حیرت ہے
گھومنے پھرنے کا پروگرام بنالیا۔ ایسا بے نیاز لڑکا ہے کہ حد نہیں۔" منجھلی چچی کو بے
لاڈلا سپوت یاد آگیا۔
"سنا ہے یار دوست پکڑ کر زبردستی لے گئے ہیں۔" غالب نے اطلاع فراہم کی۔
"ہاں... اس لڑکے کو تو احساس دلانا پڑتا ہے ہر بات کا۔ ارے میں تو کہتی ہوں یہ
کے سلسلے میں بھی سنجیدہ ہوگا' یونہی میرا دل جلاتا رہے گا۔"
"رہنے دیں امی! آپ کو تو یونہی شاہ دل بھائی سے شکایتیں ہوگئی ہیں۔ جاتے جاتے
رضامندی تو دے گئے ہیں۔" نیلی نے جلدی سے بھائی کی حمایت کی۔
"بس رہنے دو۔ یہ بھی کوئی رضامندی تھی۔ خلاصی چاہی تھی اس نے تو بس۔
سوچ تو میں نے بھی لیا ہے کہ اس لڑکے کو بخشوں گی نہیں۔ حد ہوگئی' باپ کو فکر نہیں
کی۔ ایک میں ہی فضول میں بکتی جھکتی رہتی ہوں۔" ان کی توپوں کا رخ بالکل اچانک
طرف ہوگیا' وہ ہڑبڑا کر رہ گئے۔
"بھئی فکر کس بات کی۔ پڑھا لکھا ہے' ہاتھ پیر ہیں' ذہین ہے' قابل ہے' کماؤ پوت
اب کس بات کی فکر کریں ہم۔" انہوں نے حیرانی کا اظہار کیا۔
"لیجئے' یہ خوب کہی" تائی ماں نے رخ موڑ کر تیسری کرسی پر بیٹھے منجھلے چچا کو ناراض
سے دیکھا جبکہ سب کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹیں ابھر رہی تھیں۔
"مگر بھابی' میں نے تو سنا ہے وہ راضی ہے شادی پر۔ اسے کوئی انکار بھی نہیں ہے
صاحبہ' میرے لائق فائق بیٹے کے کان کھینچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مجھے تو فخر ہے
منجھلے چچا کے لہجے میں بیٹے کے لیے ستائش تھی اور منجھلی چچی کے تو پتنگے لگ گئے۔
"یہ راضی ہوا تھا شادی پر یا خلاصی چاہی تھی۔ ہاں تو یوں کر گیا جیسے کھینچ کر پتھر
اسے اقرار کرنا کہتے ہیں۔"
"اوہو۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس کے "ہاں" کے بیک گراؤنڈ میں
ضرورت کیا ہے' آپ سب کو۔ بس اس کے منہ سے اقرار ہوا ہے تو اقرار سمجھیں

اور کس لہجے میں' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اتنی فکر تو قاضی کو بھی نہیں ہوتی۔"
"دیکھ لیا بھابی' آپ نے؟" چچی نے سخت برہمی سے اپنے آگے رکھی پلیٹ دور دھکیل دی اور کرسی سے اٹھ گئیں۔
"جیسا بیٹا ویسا ہی باپ ہے۔ کوئی سنجیدہ ہی نہیں ہے" وہ بری طرح چڑ گئی تھیں۔
"جیسا باپ... ویسا بیٹا ہوتا ہے امی جان!" عادل نے تصحیح کی مگر وہ اسی برہمی کے ساتھ ڈائننگ روم سے نکل گئیں۔
"اب انہیں کیا ہوا؟" نیل چچا نے کچھ اس معصومیت سے اچنبھے کا اظہار کیا کہ سوائے تائی ماں کے سب کو بیک وقت ہنسی آگئی۔ تائی ماں تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔
"اب شاہ کو آتو لینے دیں پھر سب مل کر اس کے خلاف کچھ کارروائی کرتے ہیں۔" چھوٹے چچا نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا "کیا خیال ہے؟"
"ہوں' کوئی لڑکی وڑکی ہے نظر میں؟" منجھے چچا بھی کچھ کچھ سنجیدہ نظر آنے لگے۔
"تو لڑکیوں کی کیا کمی ہے؟" تائی ماں کی نظر چھوٹی چچی کی رابعہ کی جانب اٹھیں "خاندان میں ایک سے ایک بڑھ کر لڑکی ہے مگر یہ لڑکا مانے تب ناں۔" وہ پلیٹ میں نکالے ہوئے دہی کو دو چار چمچوں میں ختم کر کے اٹھ گئیں۔

○☆○

وہ سخت بے قراری کے عالم میں ٹھنڈے فرش پر ننگے پیر گھوم رہی تھی۔ اس کے چہرے پر فکر' پریشانی کے رنگ ہویدا تھے اور پریشان کن بات تو تھی' شہلا کل صبح کی نکلی' ابھی تک لوٹی نہیں تھی۔ رات سے ہی اس پر پریشانی کا غلبہ ہوگیا تھا اور آج دوسرا دن تھا جو تیزی سے گزر رہا تھا۔
"کیا شہلا اس سے ناراض ہو کر چلی گئی ہے؟" یہ وہم کئی بار ذہن کی سطح پر ابھرا تھا مگر پھر خود ہی دل کو تسلی دے لی تھی۔ بھلا شہلا اپنی پناہ گاہ چھوڑ کر کہاں اور کیوں جانے لگی۔ اگر چاہتی تو خود اسے ہی نکل جانے کا حکم سنا سکتی تھی۔ یہ کام اس کے لیے کون سا مشکل تھا۔
تو پھر... کہاں جا سکتی تھی؟
سوچوں کے جال میں الجھتے نکلتے اس کا دماغ تھک چکا تھا۔ اسے اپنی خوشی بھی اس فکر و پریشانی کی دھند میں گم نظر آ رہی تھی۔ وہ تو کل شمشاد بیگم کے ہمراہ ایک بڑی نوید لے کر آئی تھی اور شہلا کو سنانے کی منتظر تھی اور اسے یقین تھا کہ شہلا یقیناً مسرت کا اظہار کرے گی۔ کچھ نہیں تو وہ خود یہ خبر سنا کر بس خوش ہو لینا چاہتی تھی۔

جس طرح غم کی رات میں ایک غمگسار کی طلب رہتی ہے' اسی طرح خوشی کے موسم انجوائے کرنے کے لیے ایک اچھے دوست کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اسے بھی اپنی خوشی میں شامل کرنے کے لیے شہلا کی ضرورت تھی مگر شہلا کی اس طرح کی گمشدگی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"کہیں اغوا تو.... نہ... نن... نہیں خدا نہ کرے۔"

برے برے خیالات کا ایک ہجوم امڈا چلا آرہا تھا اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی مگر نظر کلاک پر پڑی تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اسے شاہ پیلس جانا تھا اور صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا۔ اس کا پہلا دن تھا اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ رات سے استری کیے کپڑے لے کر باتھ روم میں جا گھسی۔ کوئی پندرہ منٹ کی افراتفری اور ذہنی ٹینشن کے ساتھ تیار ہو کر گھر کو لاک لگا کر سیڑھیاں پھلانگنے لگی کہ آخری سیڑھی پر پیر بری طرح رپٹ گیا اور وہ لہرا کر پر اوندھے منہ گرتی کہ کسی نے بازو تھام کر سنبھال لیا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر جلدی سے سنبھل کر پیچھے ہٹی۔ شمشاد بیگم کا بیٹا کمال اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"پتھر آگیا تھا شاید پیر میں۔" اس نے اسی خجالت سے ڈھلکتی چادر کا کونا پیشانی تک کھینچ لیا۔

"ہاں شاید۔ موچ تو نہیں آئی؟"

"نہیں... ٹھیک ہوں۔" اس نے بیگ کو دوبارہ شولڈر پر لٹکایا اور اس کے یوں سامنے کھڑا ہو جانے پر ایک طرف ہو کر جانے لگی۔

"آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا مجھے۔" وہ اس کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔

"جی.... ی" اس کا اٹھا ہوا قدم زمین پر جم کر رہ گیا۔ وہ ہنوز اسی دلچسپی سے اسے تک رہا تھا۔ یکایک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ کمال کو دیکھ کر شہلا یاد آ گئی تھی۔ کمال سے زیادہ شہلا کا رازداں اور کون ہو سکتا تھا۔

وہ دانستہ رک گئی۔

"مجھ سے ملنے کو؟"

"جی.... شہلا کے منہ سے اکثر آپ کا ذکر سنتا رہتا تھا۔ شاید ایک بار امی نے بھی آپ سے تعارف کروایا تھا مگر میں اس وقت کچھ عجلت میں تھا۔ اب تک افسوس ہے مجھے۔"

اس کے لہجے میں جانے کیا تھا' وہ اٹھا ہوا سر جھکا کر رہ گئی۔ عجیب بے باک اور پر شوق نظریں تھیں۔ لبوں پر دبی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جس کا کوئی نام نہیں تھا مگر زنیرہ خان کو اس مسکراہٹ سے عجیب سی گرم گرم لپٹیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کا چہرہ گرم ہو گیا۔

بظاہر خود کو مضبوط بناتے ہوئے بولی۔

"مسٹر کمال! آپ کے علم میں ہے' شہلا کہاں ہے؟" اس کا جملہ یقیناً اس کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔ وہ منہ کھول کر رہ گیا۔

"کہاں ہے... کیا مطلب؟" اس نے بڑی عجیب نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ لبوں پر پھیلی مسکراہٹ کہیں غائب ہو گئی تھی۔

"مطلب یہ کہ.... شہلا کل صبح کی نکلی ابھی تک گھر نہیں پہنچی اور جہاں تک میرا خیال ہے' آپ کی اس سے ہر روز ہی ملاقات ہوتی ہے" وہ آخری جملہ کہتے ہوئے ذرا سی خفیف سی ہو گئی۔ پہلی بار شہلا کی پرائیویسی میں مداخلت کر رہی تھی۔

کمال اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے یہ یقین کر رہا ہو کہ اس نے جو سوال پوچھا تھا' آیا اسی نے پوچھا ہے اور حقیقت میں وہ شہلا سے بے خبر ہے۔ یہ کیسے تھا' دن رات اس کے ہمراہ رہنے والی ساتھی اس قدر بے خبر ہو؟

"وہ اس طرح کہاں جا سکتی ہے؟ مانا مجھ سے ناراض ضرور تھی مگر..." اس کا لہجہ روہانسا ہو گیا تھا اور کمال کے چہرے پر ایک رنگ آ کر جیسے منجمد ہو گیا۔

"آجائے گی' وہ دو دن میں۔" وہ اس سے نظریں چرا کر بولا اور جانے کے لیے پلٹا تھا کہ وہ بھاگ کر اس کے آگے اس کی راہ میں حائل ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں اس کے جملے نے حیرت کا رنگ بھر دیا تھا۔

"دو دن میں آجائے گی؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟ کہاں ہے وہ؟ آپ جانتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟" وہ پوری کھلی کھلی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی اور کمال احمد کی نگاہیں بھی چند ثانیے بغیر پلکیں جھپکے اس کے اس دلکش حیران چہرے پر ٹھہر کر رہ گئی تھیں۔

ایسی ملاحت۔

ایسی نرمی' دلکشی۔

اتنا معصوم' سادہ حسن اس نے بہت کم چہروں میں دیکھا تھا یا شاید یہ پہلا چہرہ تھا جو اتنا خیرہ کن محسوس ہو رہا تھا۔ حسن میں اگر معصومیت بھی شامل ہو تو وہ چاند کی لرزتی کرنوں کے مانند تابناک نظر آتا ہے۔ خود سہما ہوا مگر مضبوط دلوں کو ہلا دینے والا۔

اس کی حیرانی میں کمال کی نگاہوں کی محویت سے ناگواری بھی شامل ہو چکی تھی جس نے کمال احمد کو بروقت سنبھل جانے پر مجبور کر دیا۔

"وہ اسپتال میں ہے' اسے ڈائریا ہو گیا ہے۔"

"کیا... ڈائریا!" وہ بدک کر یوں پیچھے ہٹی جیسے کمال نے اس کے آگے سانپ کی پٹار
دی ہو مگر دوسرے لمحے اس کے چہرے سے پریشانی جھلکنے لگی۔
"میرے خدا... وہ اسپتال میں پڑی ہے کل سے اور میں بے خبر ہوں۔ آپ نے بھی
نہیں بتایا۔ کون سے اسپتال میں ہے' میں جاؤں گی اسی وقت" وہ اسی سے الجھ پڑی۔
پریشانی نے بیک وقت اس پر حملہ کردیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بن سنور کر
نکلنے والی شہلا اسپتال میں پڑی ہوگی۔
"آپ کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود آجائے گی کل پرسوں تک۔" اس کے
بے زاری تھی مگر وہ کہاں دھیان دے پائی۔
"اس کو میری ضرورت ہوگی۔ وہ بیمار پڑی ہے وہاں' پلیز! آپ مجھے اسپتال کا نام اور
بتادیں۔ اس کا اور ہے کون۔ وہ سخت ضدی اور بے وقوف لڑکی ہے۔ وہ سوچ رہی ہوگی
پریشان نہ ہوجاؤں۔ اس لیے مجھے اطلاع نہیں دی' احمق...!"
اور کمال احمد اسے عجیب سے احساسات کے ساتھ دیکھتا رہ گیا۔
"کیا کریں گی وہاں جا کر آپ؟"
زنیرہ کو اس کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔
"بیمار شخص کے پاس کیوں جایا جاتا ہے؟ ظاہر ہے اسے ایسے وقت میری ضرورت
باوجود ضبط کے اس لہجہ تلخ ہوگیا۔
"نہیں' اسے بالکل بھی کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہا نا' آپ سے
آجائے گی ایک دو دن میں۔" اس کے لہجے میں اتنی سختی اور بے زاری تھی کہ وہ لمحہ بھر کو
گئی۔
"پتا نہیں مجھے بھی اس کی طرح ابھی تک یہ یقین ہی نہیں آیا کہ آپ شہلا کی دوست
ہیں۔" وہ پلٹ کر چلا گیا اور شدید خواہش کے باوجود اسے کس کر جوتا نہ مار سکی۔ اسے شک
تھی اور یہ موصوف اس کی اور شہلا کی دوستی کا کھوج میں تھا۔ اس نے اس شخص کے
فضول جانا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اسے اسپتال کا نام ہرگز نہیں بتائے گا۔ یقیناً شہلا
کردیا ہوگا۔ بڑی بے وقوف ہے وہ۔ ٹھیک ہے میں کمال احمد جیسی تیمارداری نہیں کر سکتی
جس طرح کمال کی موجودگی شہلا کے لیے تقویت کا باعث ہوگی' اس کی نہیں مگر
کچھ تو فرض ادا کردیتی اپنی پریشانی کو قرار تو آجاتا۔ اللہ! یہ شہلا اتنی ظالم کیوں ہے
آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو چادر کے کونے سے رگڑ ڈالا۔ اس کا رواں رواں شہلا کے

ن گیا تھا۔
وہ پژمردہ قدموں سے چلتی شمشاد بیگم کا بڑا سا گیٹ عبور کرگئی۔

○☆○

فاصلہ تو ہے مگر کوئی فاصلہ نہیں
مجھ سے تم جدا سہی دل سے تو جدا نہیں

وہ بظاہر آنکھیں موندے قالین پر چت لیٹی تھی مگر اس کا ذہن جاگ رہا تھا۔ دل غزل کے
لفظوں میں بندھا ایک نامانوس لے پر ہولے ہولے دھڑک رہا تھا۔

آسماں کی فکر کیا آسماں خفا سہی
آپ یہ بتایئے آپ تو خفا نہیں

اس نے بے چینی سے کروٹ لی۔ اسے لگا جیسے غالب اپنی آواز میں گنگنا رہا ہو۔ اس کے
دل پر بے اختیار مدھم سی مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہوگئی تھی۔
اس کی خفگی کا انداز۔
اس کی شرارت کے رنگ۔ سائرہ کے آنکھوں میں پھیل رہے تھے پھر محبت کا دبیز رنگ ہر
رنگ میں حاوی ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنے دل کی تیز ہوتی دھڑکن تو محسوس کر رہی تھی اور ان جذبوں
کو بھی جو آہستہ آہستہ لہروں کے مانند اٹھ کر ساحل دل پر مچلنے لگے تھے اور اس کی ساری ہستی کو
اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔

کشتیاں نہیں تو کیا حوصلے تو پاس ہیں
کہہ دو ناخداؤں سے تم کوئی خدا نہیں
آیئے چراغ دل آج بھی جلائیں ہم
کیسی کل ہوا چلے کوئی جانتا نہیں

"سائرہ بیٹی' سوگئی ہو کیا؟" امی کا نرم لمس محسوس کر کے اس نے پٹ سے آنکھیں کھول
دیں اور جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔
"نہیں تو' جاگ رہی تھی" اپنی اس بے خودی پر وہ نادم سی ہوگئی اور ٹیپ کا بٹن بند کر کے امی
کو دیکھا۔ وہ کچھ متفکر سی نظر آرہی تھیں پھر اسی کیفیت میں کرسی پر بیٹھ گئیں۔
"یہاں بیٹھیے آرام سے امی!" وہ بیڈ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔
"نہیں' یہیں ٹھیک ہوں بس۔ میں سمجھی تم سوئی ہوئی ہو۔ شام بھی چڑھ آئی ہے۔ سوچا
جگاؤں تمہیں' اتنی شام تک سونا بھی اچھا نہیں ہوتا ناں۔"

"اچھا شام ہو گئی ہے۔ مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔ حالانکہ میں سوئی نہ تھی بس یونہی پڑی…
نے کھڑکیوں سے پردہ ہٹا کر کشادہ صحن میں جھانکا پھر پلٹی تو امی اسے عجیب نظروں سے…
تھیں۔
"کیا بات ہے امی! کچھ پریشان لگ رہی ہیں آپ؟" وہ چلتی ان کے قریب آئی اور…
بیٹھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔
"دادی نے کچھ کہہ دیا ہے؟"
"نہیں بیٹی، ان کی بات کا کب برا مانتی ہوں میں۔" وہ ہنس دیں مگر ان کی ہنسی میں ایک…
اور اس درد سے سائرہ ناواقف نہ تھی۔
"میں جانتی ہوں امی، بڑی ممانی کے لیے پریشان ہیں آپ۔ بہت انسلٹ کی ہے…
ان کی مگر امی، انہوں نے بالکل بھی برا نہیں مانا تھا، وہ آپ سے بالکل بھی خفا نہیں ہیں۔"
امی کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا لیا تو امی نے اس کا سر اپنی گود میں ڈال لیا۔
"میں جانتی ہوں۔ شاہ پیلس والوں کا ظرف بہت بڑا ہے۔ اسی ندامت کا احساس…
تڑپا رہا ہے کہ انہوں نے سب سہہ لیا۔ کچھ تو شکوہ کر دیتی۔ کچھ تو کہہ دیتیں مجھ سے؟" انہ…
دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ تھام کر اوپر اٹھایا "کیا سوچ رہی تھیں تم؟"
"ارے سوچنا کیا ہے مجھے۔ بھلا میں کیا سوچنے لگی۔ بس یونہی لیٹی گانے سن رہی…
جلدی سے کھڑی ہو کر نظریں چرا کر بے مقصد ہنسنے لگی مگر وہ بھی ماں تھیں، اس کی کھوکھلی…
کی روح کو گھائل کرنے لگی۔
"کبھی یہ نہیں سوچتیں تم کہ کیا ملا ہے تمہیں اس گھر میں۔ اپنی ماں سے، اپنے باپ…
"امی!" وہ تڑپ کر رہ گئی۔ اس کا چہرہ شدتِ کرب سے دھندلا گیا۔
"تمہاری کمزور اور بزدل ماں تمہیں کبھی کوئی خوشی نہیں دے پائی اور اب ایک…
دروازے پر دستک دے رہی تھی تو دیکھو، ذرا مجھ میں دروازہ کھولنے کی ہمت ہی نہیں۔…
تو رکھی ہو گی کسی خوشی کی مجھ سے تم نے...؟"
"پلیز امی! آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ مجھے بھلا کیا نہیں ملا۔ ایک چھت کا تحفظ…
کی گود، باپ کا سائبان۔ اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا چاہیے امی!" وہ ان کے قریب بیٹھ کر…
گود میں سر جھکا کر بے ساختہ امڈنے والے آنسوؤں کو نہ روک سکی اور امی اس کے بالوں میں…
پھیرتے ہوئے بری طرح ٹوٹ گئیں کہ سائرہ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو چہرے کا…
چوس کر اس کی خوبصورتی کو کھا رہے تھے۔ وہ ماں تھیں، اس کا غم کیسے نہ جان سکتیں؟

شاہ پیلس میں اس کا چہرہ کیسا دمک اٹھتا تھا اور اس گھٹن زدہ ماحول میں آ کر وہ کیا بن جاتی تھی،
محض روبوٹ۔
دادی نے بٹن دبایا، اس پر چل پڑی۔
باپ نے کہا، اس کا حکم بجا لائی۔
بزرگوں نے جو کہا، سر آنکھوں پر رکھا۔
اتنی صابر و شاکر اور سعادت مند بیٹی کو اس ساری خدمتوں اور فرمانبرداریوں کا صلہ کیا ملا تھا؟
محض ٹینشن!
کوسنے۔
اور اداس قفس رنگ ماحول۔
انہوں نے ملول نظروں سے اسے دیکھا، وہ اٹھ کر کمرے کی چیزیں ترتیب وار رکھنے لگی
تھی۔
"اتنا مت سوچا کریں امی!" اس نے ایک نظر انہیں دیکھا۔
"کیسے نہ سوچوں، ماں ہوں تمہاری۔ باپ نے اگر تمہاری طرف سے آنکھیں بند کر رکھی
ہیں اور کل مختار اپنی ماں کو بنا کر ہر فکر سے آزاد ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ مجھے تو تمہارے مستقبل کو
آگ میں نہیں جھونکنا۔ میری زندگی تو ان راستوں پر چلتے چلتے لہولہان ہو ہی چکی ہے مگر اب،
تمہاری زندگی کا کوئی فیصلہ میں ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گی۔"
وہ صوفے سے اٹھ گئیں۔ ان کا لہجہ ہی نہیں، چہرہ بھی تن گیا تھا۔
"سائرہ! بس ایک یہ بازی میں جیت لوں پھر چاہے عمر بھر ہارتی رہوں۔ سر جھکا کر حکم مانتے
مانتے ایک عمر گزر گئی ہے۔ اب ایک فیصلے کا اختیار تو مجھے بھی ملنا چاہیے۔ اتنی خدمتوں اور
ریاضتوں پر تو ملازماؤں کی بھی ایک آدھ بات مان لی جاتی ہے اور میں تو..."
"کیسا فیصلہ؟" سائرہ کے دماغ میں دھماکا سا ہوا۔
"تمہاری ذات کے لیے، تمہارے مستقبل کے لیے۔" وہ پلٹیں۔
"امی!" وہ گھبرا کر کمرے سے باہر جاتی امی کی راہ میں حائل ہو گئی۔ اس کی رگ رگ میں
وحشت سرایت کرنے لگی تھی۔ "نہیں امی! یہ سب تقدیر کے فیصلے ہیں جو بدلتے نہیں ہیں۔
تب ہی ہماری ساری ریاضتیں بے سود جائیں گی یا پھر خاموشی بھی رنگ لے آئے گی۔ یہ سب
نصیب کی باتیں ہیں۔ لکھا پورا ہوتا ہے، آپ خدا کے لیے ابو یا دادی جان سے مت الجھیے گا،
میرے مقدر کیلیے۔"

"نہیں سائرہ!" انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک دیا "ہماری تدبیریں
تقدیروں کو سنوارتی یا بگاڑتی ہیں۔ دعاؤں اور تدبیر کا راستہ خود خدا نے رکھا ہے عقل والوں
لیے۔ جن سے گزر کر ہم تقدیر کو پاتے ہیں۔ مجھے مت روکنا اب۔ بہت ہوگیا' میرے
بندھن ٹوٹ رہا ہے سائرہ۔ میرے حوصلوں کی چٹانیں اب تڑخ رہی ہیں' میری بزدلی اور کم
سے اس شخص اور اس عورت نے بہت حکومت کر ڈالی۔ بہت ستم کر ڈالے تم شاہ پیلس کی
بن کر رخصت ہوگی' یہ میرا فیصلہ ہی نہیں عزم بھی ہے۔" وہ اس غصے کے ہمراہ کمرے
گئیں اور سائرہ اپنی جگہ پتھر کی طرح استادہ رہ گئی۔

○☆○

مانی اور شہریار (ساریہ باجی کے بیٹے) کو ٹیوشن دے کر وہ کامن روم سے نکلی تو سدرہ بھابی
اسے گھیر لیا۔

"تم پر تو بس بھاگنے کی دھن سوار رہتی ہے' دو گھڑی ہمارے ساتھ بھی بیٹھ جایا کرو۔" انہو
نے بڑی اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھاما اور بڑے کمرے کی طرف چل دیں "جانے کی فکر مت کرو
میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔"

ان کے لہجے میں قطعیت تھی' اصرار تھا اور خلوص کی فراوانی تھی اور وہ باوجود گھر جلد
کی خواہش کے انکار نہ کر سکی۔

بڑے کمرے میں بزرگوں کے علاوہ پوری چنڈال چوکڑی بھی جمع تھی۔ جو قالین
دھرنا مارے بیٹھی تھی۔ یہ وقت تھا ہی فراغت کا۔ شام پوری طرح اتر چکی تھی۔ موسم بھی
خوشگوار ہو رہا تھا۔ رابی اور فارحہ سر جوڑے لڈو کھیل رہی تھیں جبکہ نیلی ان کے قریب ہی بیٹھی
اپنی قمیص پر ترپائی میں لگی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ان دونوں کے گیم میں بھی دلچسپی لے
فقرے چست کر رہی تھی۔

غالب فون پر کسی سے مصروف گفتگو تھا اور عادل منجھلی چچی کے قریب ہی قالین پر بیٹھا
سے شغل کر رہا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی تو سب کی توجہ بیک وقت اس پر مرکوز ہوگئی تھی۔ نیلی اسے دیکھ
دوستانہ انداز میں مسکرائی جواباً وہ بھی ہولے سے مسکرا دی۔

"امی جان! (تائی اماں) یہ زنیرہ ہے' آپ کی اس سے تفصیلی ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی"
وہ اسے تائی ماں کی طرف لے آئی۔

"میرے خیال سے یہ بھاگیں گی نہیں۔ آپ ہاتھ چھوڑ دیں۔" عادل نے بھابی کو زنیرہ کا ہاتھ

پکڑے دیکھ کر چھیڑا تو وہ محجوب سی ہوگئی اور سدرہ بھابی کی گرفت سے ہاتھ کھینچ لیا جبکہ سدرہ
بھابی نے ہنستے ہوئے عادل کے سر پر چپت رسید کی تھی۔

"مجھے پتا ہے' یہ تمہاری طرح بھگوڑی نہیں ہے۔"

"میری طرح نہیں' ثاقب بھائی کی طرح کہیے۔"

"بکو مت" انہوں نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر دوبارہ تائی ماں کی طرف متوجہ ہو گئیں اور
زنیرہ سے بولیں۔ "...زنیرہ' یہ جو میرا لاڈلا اکلوتا لختِ جگر ہے نا۔ وہ اپنی دادی سے سارا سارا دن
تمہاری تعریفیں کرتا رہتا ہے اور یوں امی کو تم سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔"

"دیکھ لیں۔ ابھی سے یہ حال ہے لڑکیوں کی تعریفیں کرتا پھرتا ہے۔" غالب ریسیور رکھتے
ہوئے برجستہ بولا تو کئی قہقہے گونج اٹھے۔

"جی ہاں' نئی نسل کے اس قدر موڈ ہونے کے آثار ابھی سے دکھائی دے رہے ہیں' خدا
جانے کیا حال ہوگا۔" عادل بھی کہاں پیچھے رہتا۔

وہ بری طرح سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔ پہلے ہی تائی ماں کے علاوہ دونوں چچیوں کی توجہ کا بھی مرکز بنی
ہوئی تھی۔

سیاہ اور گولڈن پرنٹیڈ لینن کے سوٹ میں اس کا متناسب قد بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ اس سے
ہم رنگ چادر جو ڈھلک کر شانوں پر آپڑی تھی' چمکدار بالوں کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں ہیئر بینڈ
میں جکڑے کسی طرح کی بناوٹ سے پاک صبیح چہرہ بے حد بھلا لگ رہا تھا۔

تائی ماں کے ساتھ منجھلی چچی نے بھی خاصی توصیفی نظروں سے اسے دیکھا۔ منجھلی چچی کی
حسن پسند طبیعت تو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

"ادھر آؤ زنیرہ' یہاں بیٹھو۔ ان بدتمیزوں نے تو تمہیں بوکھلا کر رکھ دیا ہے۔" انہوں نے اسے
اپنے قریب جگہ بنا کر بٹھا لیا۔

"خیر تو ہے امی!" عادل ان کے گھٹنے پر جھک کر شرارت سے ہنسا تو انہوں نے اسے پرے
دھکیل دیا۔

اس کا شاہ پیلس میں تیسرا دن تھا مگر اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اس محبت اور اپنائیت کی فضا میں
برسوں سے رہ رہی ہو۔ اسے کہیں سے بھی اجنبیت کا احساس نہ ہوا تھا۔

"مانی ہی کا کیا' خود اس کی اماں بھی رات دن تمہارا تذکرہ کرتی رہتی ہیں اور نیلی کی باتوں کی ہر
تان ہی تم پر ٹوٹتی ہے۔" منجھلی چچی اس سے کہہ رہی تھیں۔ ان کی انگلیاں بڑی روانی سے کروشئے
کی بیل بن رہی تھیں۔

"کچھ غلط تو تعریفیں نہیں ہوتی نا امی!" نیلی قالین سے اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔ بھابی چائے کے ساتھ نمکو اور بسکٹ بھی لے کر آئی تھیں مگر اس نے صرف چائے پر اکتفا کیا۔

"یہ شمشاد بیگم کیا لگتی ہیں تمہاری؟" تائی ماں نے یونہی پوچھا۔

"لینڈ لارڈ ہیں بس!"

"ہائیں۔ یہ شمشاد! لینڈ لارڈ کب سے بن گئیں؟" تائی ماں نے چونک کر سدرہ کو دیکھا۔ جو سارہ آپی کی بیٹی کے چمکدار بالوں کی پونی ٹیل بنا رہی تھیں۔

"کہہ رہی تھیں کمال کے علاوہ میرا ہے کون۔ وہ گھر سے نکلتا ہے تو تنگ ہو جاتی ہوں گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے اس لیے اوپر کے پورشن کے الگ الگ حصے کر کے کرائے پر دیے تاکہ کچھ رونق رہے اور دل بہلا رہے۔" سدرہ بھابی تفصیل سے بتانے لگیں۔

"چلو... اپنی تنہائی دور کرنے کا اچھا حل سوچ لیا شمشاد نے بھی۔" چھوٹی چچی بولیں اور بڑے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اس بھرے پرے خاندان سے اسے خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ جو مل کر اتنی پیار محبت سے رہ رہا تھا۔ ایک اس کے اپنے سگے تھے جن کے درمیان رہ کر بھی ہمیشہ خود کو محسوس کیا تھا۔

غیروں سے زیادہ بے گانہ۔

اس کی ذات سے لاتعلق۔

اور صرف اسی سے کیا' شبانہ اور فرزانہ کا آپس میں دن میں ہزار بار جھگڑنا۔

ایک محرومی اور نا آسودگی کا احساس یہاں آ کر اور بھی گہرا ہونے لگا تھا۔

وہ سب گاڑی میں بھر کر اسے چھوڑنے جا رہی تھیں۔ یہ تو بس ایک بہانہ تھا اصل غالب کی جیب کا بوجھ ہلکا کرنا تھا اور برگر اور آئس کریم کے مزے لوٹنے تھے اور غالب رہ گیا تھا۔ بقول بھابی کے "ایک غالب ہی ہے جسے کبھی کبھی خدا کا خوف آ جاتا ہے اور صنف نازک کی معصوم قوم پر رحم کر لیتا ہے۔" اور جواباً غالب نے زنیرہ خان کی موجودگی کی صرف گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔

راستے بھر وہ ہنسی مذاق کرتی رہیں۔ اس کے انکار کے باوجود پہلے وہ آئس کریم کھا تھیں۔

"تمہیں کون سا اب گھر جا کر دس بارہ بچوں کو سنبھالنا ہے جو جانے کی جلدی مچا رہی"

بھابی اس کی التجا کو قطعی رد کرتے ہوئے شرارت سے بولیں تو وہ بلش ہو گئی' لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"خدا نہ کرے بھابی جو اس نازک سی جان پر بارہ بچوں کا بار ہو' آپ تو ایک ہی سے عاجز ہیں۔" نیلی نے چہک کر کہا۔

"تو میرا ایک بھی دس پر بھاری ہے۔ دیکھتی نہیں ہو تم لوگ' ناک میں دم کر دیتا ہے۔ پورا کا پورا اپنے چچا پر گیا ہے۔"

"خدا کا خوف کریں ناشکری سدرہ صاحبہ! اتنے ہیرے جیسے بیٹے سے عاجز ہیں۔" غالب نے بھابی کی حمایت کی اور آگے سیٹ پر بیٹھی رابی کی گود میں چڑھے مانی کو پچکارا۔

وہ عموماً موڈ میں بھابی کو سدرہ صاحبہ ہی کہتا تھا' یہ بے تکلفی سدرہ بھابی اور غالب میں ایک دوسرے سے خالہ زاد ہونے کے ناتے بھی تھی۔ سدرہ بھابی تائی اماں کی بہن کی اکلوتی بیٹی تھیں۔

"کیا کمی ہے اس کے چچا میں؟" اس نے کالر جھاڑے۔

"کچھ زیادتی ہی ہے۔" نیلی نے اسے چھیڑا تو اس نے ویو مرر سے آنکھیں دکھائیں۔

"لڑکی' تمہاری آئس کریم سمجھو کٹ" اس نے آئس کریم لاتے لڑکے کو دیکھ کر نیلی کو ڈرایا تو نیلی واقعی دہل گئی۔ بڑے بڑے بلوریں پیالوں میں نظر آتی پستہ آئس کریم کو اس نے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تو زنیرہ بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکی۔

"تم میرے حصے کی لے لینا۔" اس نے فراخ دلانہ پیشکش کی اور اپنا کپ اس کی طرف بڑھایا تو غالب تڑپ گیا۔

"ارے ارے' یہ کیا غضب کر رہی ہیں' اس لڑکی کو ایسی آفر نہ کیجئے گا۔ یہ اپنی کھا کر بھی آپ کے کپ پر نظر رکھے گی۔"

"غالب کے بچے! اب ایسی بھی بے پر کی مت اڑاؤ۔" نیلی سخت برا مان کر احتجاجاً چیخی تو غالب نے گویا اس پر احسان کرنے والے انداز میں اس کے حصے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ سب جب شمشاد بیگم کے گھر پر پہنچے تو اس نے اترتے ہوئے ازراہِ اخلاق اندر آنے کی آفر کر ڈالی۔ ایک رسم تھی اخلاق کی جو نبھانی تھی حالانکہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ وہ انکار کر دیں۔ وہ کسی طرح خود کو ان سب کے سامنے کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ شہلا کے ایک کمرے نما گھر میں اس کی ذات جس طرح چھپی ہوئی تھی' وہ اسے طشتِ ازبام کرنے سے خوف زدہ تھی مگر اخلاق بہرطور نبھانا تھا۔

اتنی محبت کے جواب میں وہ اتنا تو کر سکتی تھی مگر وہ سب پھر آنے کا کہہ کر چلی گئیں اور وہ اڑتی دھول کو نم آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

اپنی منافقت پر دل عجیب سا بوجھل ہوگیا تھا۔

وہ اس بوجھل پن کو سمیٹے دھیرے دھیرے چلتی اندر پہنچی تو ٹھٹک گئی۔ اس کا ہاتھ اندر ہی جھول کر رہ گیا۔ دروازے پر تالا نہیں تھا بلکہ وہ نیم وا تھا۔ گھبرا کر دروازہ دھکیل کر آئی تو اس کا خوف سے دھڑکتا دل خوشگوار حیرانی سے دھڑکنے لگا۔

شہلا پلنگ پر بے ڈھنگے پن سے لیٹی کسی میگزین کا مطالعہ کررہی تھی۔ آہٹ پر ذرا موڑ کر اسے دیکھا پھر عجیب بے گانہ انداز میں چہرہ میگزین میں گھسیڑ لیا۔

"شہلا!" وہ اپنی فطری سادگی سے بے تابانہ اس کی سمت بڑھی تھی' شہلا کا زرد آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے برسوں کی تھکن نے چہرے کرلیا ہو۔

"شہلا تم!"

"نو کو سچن پلیز زنیرہ خان!" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کی وارفتگی سے شہلا کے چہرے تناؤ آگیا تھا۔

"برائے مہربانی زنیرہ خان! میرے ساتھ ایسا کوئی فضول ڈراما کرنے کی کوشش مت کرو نو' تمہیں سب خبر ہے۔"

اس کے تیزی سے بڑھتے قدم بیڈ سے ذرا فاصلے پر جم سے گئے۔ شہلا کے چہرے تاثرات اور اس کے لہجے نے اسے دنگ کردیا تھا مگر پھر اس کا سادہ' نرم دل بے قرار ہو شہلا کے اس غصے کو اس کا چڑچڑا پن سمجھ کر مسکرادی۔ اتنی سخت اور تھکادینے والی بیماری یقیناً اسے تھکا ڈالا تھا۔ وہ سوچ کر پھر اسی محبت سے اس کی طرف بڑھی۔

"کوئی ڈراما نہیں کررہی حقیقتاً میں بہت پریشان تھی تمہارے لیے۔ مجھے تم نے بے رکھا شہلا! یہ تو کمال احمد نے..."

"ہا... کمال احمد!" شہلا کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں جو جلا کر راکھ کرگئیں۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"کک... کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟"

"مجھے تو کمال احمد نے تمہاری کسی پریشانی یا بے تابیوں کی داستان نہیں سنائی۔ وہ تو تمہارے وظیفے ہی پڑھتا رہا تھا۔ واہ' زنیرہ خان' واہ۔ ان تین دنوں میں تم نے مجھے بڑا خوب فائدہ اٹھالیا۔"

"شہلا... کک... کیا کہہ رہی ہو؟"

"وہی کہہ رہی ہوں جو تم سمجھ رہی ہو۔" وہ میگزین دیوار پر مار کر بیڈ سے اتر گئی۔

وہ دم سادھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے دہکتے شعلوں کو تکتی رہ گئی۔

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی زنیرہ علی خان' کہ تم میری آستین کا سانپ بن جاؤ گی۔ میں تو چڑیا کے پر گن لینے کا دعویٰ کرتی تھی مگر یہاں تمہارے معصوم چہرے سے دھوکا کھاگئی تھی۔"

"شہلا!... یہ... یہ تم... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ چکرا کر رہ گئی۔

"کان کھول کر سن لو زنیرہ خان! میں کمال کے لیے ایک بار پھر اپنا آپ داؤ پر لگا چکی ہوں۔ نے اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کیا ہے اور یہ تین دن میں اسپتال میں کوئی کھیلنے نہیں ئی تھی۔ گائناکالوجسٹ کے پاس میرے چکر بغیر وجہ کے نہیں لگ رہے تھے۔ میرے تین دن سی ڈائریا جیسی بیماری میں نہیں گزرے ہیں۔ کمال نے وعدہ کیا ہے مجھ سے شادی کا اور اب تم درمیان میں آکر میری برسوں کی ریاضت کو اپنی منزل بنالینا چاہتی ہو۔"

"اوہ... میرے خدا!" وہ اس انکشاف پر دنگ رہ گئی۔ شہلا نواز اتنی پستی میں بھی اتر سکتی ئی' وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے اپنے چکراتے وجود کو دیوار کا سہارا لے کر بمشکل سنبھالا دیا' تین دن کا جو کھیل وہ کھیل کر آئی تھی' وہ نہ صرف اس سے بے خبر تھی بلکہ اب جو الزام شہلا اس پر لگا رہی تھی' اس کا تو تصور بھی اس کے پاس نہ تھا۔

وہ کتنے لمحے تو کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

اسے لگ رہا تھا جیسے شہلا نواز نے ان گنت پتھر اس پر لڑھکا دیے ہوں اور وہ ان پتھروں تلے دب کر رہ گئی ہو۔

ذہنی طور پر مفلوج ہوگئی ہو۔

"زنیرہ! میں تو تمہاری سادہ دلی' تمہاری معصومیت پر آنکھیں بند کیے ایمان لاتی رہی مگر تم اپنی ان صفات کی آڑ میں مجھے ہی ڈسنے کو تیار ہوگئیں؟"

"شہلا... شہلا! شٹ یور ماؤتھ!" وہ احتجاجاً چیخ اٹھی۔ اپنی سلب ہوتی گویائی جیسے کھینچ لائی

"ہوش میں ہو تم۔ کیا سمجھ کر اتنی بڑی بات کہہ رہی ہو تم۔" وہ اپنے اندر سے اٹھتی احتجاج کی پرزور لہروں کو نہ روک سکی۔ شہلا کے جملے کھلے خنجر کی طرح اس کے دل میں ترازو ہوگئے تھے اور ردعمل کے طور پر مدافعت کی برقی لہریں اس کے اندر سے اٹھنے لگیں۔

"میں تمہارے اس طرح اچانک غائب ہوجانے پر تشویش میں مبتلا تھی۔ میری کمال سے صرف ایک بار ہی ملاقات ہوئی تھی' وہ بھی راہ چلتے ہوئے۔ یہ بھی تمہاری گمشدگی کی وجہ سے

پریشان تھی اس لیے اس سے پوچھنا چاہا تھا مگر تم اس بات کو بنیاد بنا کر اتنا بڑا اتنا گھٹیا الزا
لگا رہی ہو۔"
"تمہاری تسبیح جو پڑھ رہا تھا؟" وہ پھنکاری۔
زنیرہ کی پلکیں نم ہو گئیں۔ کمال احمد کی اس گندی ذہنیت اور شہلا کی غلط فہمی نے ا
بری طرح توڑ کر رکھ دیا۔
"شہلا نواز۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اگر کمال احمد کی سوچ اتنی گندی ہے تو تم
انوالو کرلو۔ مجھے کیا خبر تھی کہ اس مختصر ملاقات میں اس شخص کے دل میں کوئی غلط
پرورش پا رہے ہیں۔ کیا گندگی کے ڈھیر کے پاس سے گزرنے والے شخص کو تم اس گند
شامل کرلوگی۔ اس سے بڑا دکھ تو یہ ہے شہلا کہ تم نے مجھے اتنا پست سمجھ لیا۔ اتنا کم ظرف
سطحی سوچ رکھنے والی۔" وہ حقیقتاً کسی خستہ دیوار کی طرح ٹوٹ پھوٹ گئی اور کرسی پر گر کر
پھوٹ کر رو دی۔
"تم نے مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا شہلا!"
شہلا الماری سے لگی اسے روتا دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے کا تناؤ دھیرے دھیرے
ہو رہا تھا۔ اس کے اندر کی آگ جیسے بجھنے لگی۔ زنیرہ علی خان کے باطن کی سچائی' اس کی
پاکیزگی' اس کے شفاف بے ریا آنسوؤں سے ظاہر تھی' اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھ
تو پھر کیا' سارا قصور کمال کا ہی ہے؟
بھنورے کی طرح ہر پھول پر منڈلانا اس کی عادت ہے اور وہ جو کمال احمد کی خوشی
اتنی پستی میں اتر گئی اس کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔
"زنی!" وہ اسے باتھ روم کی طرف جاتا دیکھ کر روک کر اس کے سامنے آ گئی "کوئی
محبت میں اتنی وسیع قلب نہیں ہو سکتی کہ اپنے محبوب کا ذرا سا بھی جھکاؤ کسی اور سمت دیکھ
میرا غصہ یقیناً میری غلط فہمی تھا' آئی ایم سوری!"
وہ اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں سے نگاہیں کترا گئی اور زنیرہ بس ایک نظر اسے دیکھ کر
واش بیسن کے پاس جا کر ٹھنڈے پانی سے جلتا چہرہ دھوتے ہوئے سوچنے لگی' یہ محبت ہی
شہلا نواز۔ یہ تو ہوس کی آخری نہج ہے جس پر تم اور کمال احمد کھڑے ہو اور اس
راستے الگ ہوتے ہیں۔ محبت جیسے اعلیٰ ارفع تعلق کو تو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو تم دونوں
محبت جیسے پاکیزہ جذبے سے تو شاید تم دونوں ہی نہ آشنا ہو گے۔ اسے کبھی پایا ہی نہیں؟
کوئی مرد اور عورت کا چھپ چھپ کر ملنے اور جسموں سے پیار کرنے کا نام تو نہیں؟

دوسرے کی روح کی پاکیزگی کو محسوس کر کے اس کی حفاظت کرنے کا نام ہے۔
دانیال ملک ہو یا کمال احمد۔
شہلا نواز' تم جیسی لڑکیوں سے ہی ان کی نفس پرستی اور ہوس کو جلا ملتی ہے۔
اس کے اندر بہت سا دکھ اتر گیا۔ شہلا نے اس پر لگائے اس الزام کو بے شک اس کی ذات
اٹھا لیا تھا۔ اپنے کاٹ دار لفظوں پر معافی مانگ لی تھی مگر جو انکشاف اس نے کیا تھا وہ اس
اعصاب کو خاصا متاثر کر گیا تھا۔
اسے یکدم ہی شہلا کے وجود سے کراہت آنے لگی۔
وہ جن راستوں پر چل رہی تھی وہاں منزل آ ہی نہیں سکتی تھی۔ ہاں' خود فریبی کی انتہا ضرور
کہ وہ کمال احمد جیسے شخص کو منزل سمجھ رہی تھی۔
اس نے چائے پیتے ہوئے اس کے زرد' بے نور چہرے کو یاسیت اور تاسف کے ساتھ دیکھا
اس چہرے پر ان زردیوں میں کہیں بھی ندامت' جھجک یا اپنے پچھتاوے کا شائبہ نہ تھا جبکہ
رہ خان کا دماغ وحشت سے ماؤف ہو رہا تھا۔
یہ شہلا نواز۔
اپنے باطن کی گندگی کے ساتھ کس طرح جی رہی ہے۔
اپنی مردہ روح کے ساتھ کس طرح خوش باش ہے۔
اوپر میک اپ کی تہیں جمانے سے اندر کی آرائش تو اور بھی سڑنے لگتی ہے۔
اور اسے بھی شہلا کے وجود سے بو آ رہی تھی۔
مردہ دل۔
مردہ ضمیر۔
اور مردہ روح کی سڑی ہوئی بدبو۔
مگر شہلا اس کی دلی اور ذہنی پراگندگی سے بے نیاز بیڈ پر پاؤں لٹکائے کہہ رہی تھی۔
"چند ٹیوشن سے کتنا مل جائے گا۔ اس میں بھلا خوش ہونے کی کیا بات ہے؟"
پتا نہیں یہ شہلا کو اس کی خوشیوں کو شیئر کرنا کیوں نہیں آتا تھا۔
"ہاں میں جانتی ہوں" اس نے چائے کا خالی کپ فرش پر رکھ دیا اور ہاتھ بڑھا کر تپائی پر
لہ اخبار اٹھاتے ہوئے بولی۔ "اس میں ایک اسکول ٹیچر کی ضرورت پر ٹک لگایا ہے میں نے'
کول ہمارے نزدیک میں ہی ہے اور دوسری بات پرائمری کے لیے ہی درکار ہے۔ میں کل ہی
رہی ہوں۔ شاید چانس بن جائے۔"

"پتا نہیں تمہیں یہ استاد بننے کا ہی کیوں خبط سوار ہے" وہ پیڑی سے اتر گئی۔

"کچھ پانے کے لیے کھونا پڑتا ہے زنیرہ خان' اور تم کچھ کھوئے بنا ہی سب کچھ پا لینا [illegible]

وہ اخبار اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں ہنسی۔ جیسے زنیرہ خان کوئی عجوبہ [illegible]

وہ خاموشی سے اپنا کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ پتا نہیں اس کے مزاج میں ہی تحمل [illegible] اس کے لاشعور میں شہلا کے احسانوں کا خیال رہتا تھا وگرنہ اس کا دل شدت [illegible] صاف کہہ دے کہ اتنا کچھ کھونے کے بعد بھی شہلا نواز تم نے کیا پایا ہے اور جسے پانا [illegible] تو تمہارے کھو جانے والی متاع سے کہیں زیادہ کم ہے اور کم از کم محض ایسی حقیر شے [illegible] قیمتی سودا نہیں کر سکتی تھی۔

شہلا نواز نے ایک انگڑائی لے کر پھر بیڈ پر گر کر کروٹ بدل لی تھی اور وہ رات [illegible] کے بارے میں سوچنے لگی۔

○☆○

اسکول تک کا راستہ کاٹتے ہوئے اس کے اندر کوئی امنگ کوئی جوش نہیں تھا۔ [illegible] چانس پر چلی آئی تھی شاید اپنا بخت آزمانے اور پھر دل یوں بھی بوجھل تھا' شہلا کے [illegible] سماعت میں گونج رہے تھے "کیوں صبح اپنی برباد کرنے جا رہی ہو۔"

اور وہ کیا کہتی' اسے تو ساری زندگی ہی اپنی برباد نظر آ رہی تھی۔

اور یہ شہلا ذرا سا بھی دل رکھنا نہیں جانتی۔

وہ جس قدر چڑ کر مایوس سی دل گرفتہ سی نکلی تھی' اس کی واپسی اتنی ہی کھلکھلاتی [illegible] اس نے آتے ہی شہلا سے لپٹ کر اسے کئی چکر دے ڈالے۔

"شہلا... شہلا! آئی... ہیو سلیکٹڈ" اس کا انگ انگ خوشی سے تھرک رہا تھا۔ اس [illegible] کا چہرہ پکڑ کر چٹاخ چٹاخ دو بوسے گالوں پر لیے اور پھر ہنستی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

"توبہ ہے زینی! میں تو سمجھی تمہیں چراغ الہ دین مل گیا ہے۔ جو یوں پاگل ہو رہی ہو" اس نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔ اس کے چہرے کا فاؤنڈیشن خراب جو ہو گیا تھا۔

"ایسی تو ہزار نوکریاں میری جوتے کی نوک پر ہیں" اس نے چہرہ آئینے کی طرف [illegible] فاؤنڈیشن کی بوتل اٹھا کر چہرے پر لگانے لگی "چلو مبارک ہو!" وہ قدرے توقف کے بعد [illegible] کرنے والے انداز میں بولی مگر زنیرہ علی خان اپنی اس خوشی میں اس کے رویوں کو قطعی [illegible] کر رہی تھی۔

"اچھا مٹھائی تو کھاؤ۔" وہ ساتھ لائی مٹھائی کا ڈبا کھولنے لگی۔

"رہنے دو ابھی۔ تم نے مجھے چکرا ہی دیا ہے' پہلے ایک گلاس گلوکوز بنا کے دو مجھے" وہ اچانک [illegible] ہی سر پکڑ کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا شہلا!" وہ گھبرا کر اس پر جھکی۔

"ذرا چکر آ گیا" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ کمزوری شہلا نواز کے نچڑے ہوئے [illegible] سے ظاہر ہو رہی تھی۔ جسے چھپانے کے لیے وہ میک اپ کی دبیز تہوں کا سہارا لے رہی تھی۔

وہ جلدی سے اس کے لیے گلوکوز بنا لائی۔

"آج چھٹی کر لیتیں۔"

"تو آفس کون جا رہا ہے۔ کمال کے ساتھ جا رہی ہوں' کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے نا!"

"میں یہ مٹھائی تمہارے لیے لائی ہوں۔ کھانا ضرور۔ مجھے خوشی ہو گی اور دوسرا ڈبا شاہ پیلس لے جانا ہے۔" وہ اپنے پریس شدہ کپڑے اٹھا کر باتھ روم جاتے ہوئے اسے تاکید کر گئی۔

"شاہ پیلس!" شہلا نے رخ موڑ کر اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا "لگتا ہے بہت دوستیاں گانٹھ لی ہیں۔" اس کی ہنسی میں ہمیشہ کی طرح ہلکا سا تمسخر تھا۔ وہ چپ ہی رہی' اب شہلا کی ہر بات کا جواب دینا ایسا بھی ضروری نہیں تھا۔

وہ کپڑے بدل کر باہر نکلی تو شہلا مکمل تیار تھی اور بیڈ کے کنارے پر ٹکی سینڈل پہن رہی تھی۔

"بھئی زنیرہ علی خان! آج کل لوگ آپ پر بہت مہربان ہو گئے ہیں۔" وہ بالکنی پر تولیہ پھیلاتے ہوئے مسکرا دی۔

"لوگ نہیں' اللہ۔"

"مگر سبب تو انسان ہی بنتے ہیں نا۔ تمہیں ٹیوشن شمشاد بیگم نے دلوائی ہے نا۔" وہ قد آدم آئینے میں خود کو ایک نظر دیکھ کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے سر ہلا دیا اور تیزی سے شہلا کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

"بہت مہربان ہیں وہ تم پر' کچھ زیادہ ہی۔" نہ جانے اس کی ہنسی میں کیا تھا' اس کا دل زور سے دھڑکا مگر وہ رخ پلٹے اپنے کام میں منہمک رہی۔ ایک تو یہ شہلا کے پاس سلیقہ نام کو نہیں ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی۔ اس کی مخروطی انگلیاں بڑی نفاست سے اس کا میک اپ بکس قرینے سے سجا رہی تھیں۔

"شمشاد بیگم شاید نہیں جانتیں کہ ان کا بیٹا تم پر نہیں' مجھ پر مہربان ہے۔"

اور وہ سرخ چہرے سے پلٹی مگر شہلا نواز بے نیازی سے ہنستی اسے جتا کر کھٹ کھٹ سیڑھیاں بھی اتر گئی۔ اس نے پوری طاقت سے میک اپ بکس ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ دیا۔ وہ شہلا کی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی شخصیت سے سچ مچ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

ساری خوشی جیسے مسلے ہوئے پھول کے مانند ہو کر پتی پتی یہاں وہاں بکھر کر رہ گئی تھی۔

پہلی بار اسے اپنی کم ہمتی پر سخت غصہ آیا۔ آخر اس نے کس کس کے طمانچے شہلا کے منہ پر کیوں نہ جڑ دیے؟

اور وہ دوپہر تک اپنی کم ہمتی کا ماتم کرتی رہی۔ سارے کام بے دلی سے کرتی رہی پھر جب شام اترنے لگی، شاہ پیلس جانے کو تیار ہو گئی اور لازماً ساری کلفتوں کو بھی جھٹک دیا۔ وہ اپنی خوشی میں شاہ پیلس کے مکینوں کو ضرور شامل کرنا چاہتی تھی۔ سدرہ بھابی، نیلی، رابی کے خلوص نے اس کے اندر زندہ رہنے کی خواہش کو پھر سے بیدار کر دیا تھا۔

اس نے سر جھٹک کر شہلا کی کڑوی باتوں کو فراموش کر دیا تھا۔ مٹھائی کا ڈبا تھامے شانے پر اپنا چمڑی بیگ لٹکائے وہ عادت کے مطابق اپنے اطراف سے بے نیاز جھپاک سے شاہ پیلس کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی کہ پورچ میں داخل ہوتی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر غالب تھا مگر اگلی سیٹ سے بے حد تیزی سے باہر نکلنے والا شخص اس کی ساری روح میں جیسے بھونچال لے آیا تھا۔ وہ گاڑی سے ذرا فاصلے پر دم سادھے رہ گئی تھی۔

اور فرنٹ ڈور کو ایک ہاتھ سے تھامے دوسرے ہاتھ سے بڑی تیزی سے سیاہ گاگلز اتارتے ہوئے شاہ دل اس چہرے کو دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔

✪☆✪

اس کے دل کے آس پاس وہی مانوس پشیمانی، ندامت کے درد جاگنے لگے تھے جنہیں وہ تھپکیاں دے کر سلاتا تھا، مگر اس کا یہ احساس کوئی پوشاک نہیں تھا جسے وہ اتار دیتا بلکہ وہ کوئی کھال تھی جو اس کے جسم سے لپٹی ہوئی تھی۔

وہ بے یقینی کی کیفیت سے نکل چکا تھا۔

دل و دماغ کی اس الجھن سے باہر آچکا تھا۔

وہ قطعی دھوکا نہیں کھا رہا تھا۔ دو بھیگی آنکھوں اور کاٹ دار لفظوں کی وہ چبھن تو اس کے ذہن و دل پر نقش تھی اور ہر لمحہ درد بن کر کچوکے لگاتی رہتی تھی۔ وہ ہوش میں آکر بھی اس کے دھیان میں گم تھا۔ حیرت کی اس انتہا پر کہ جیسے سڑکوں سڑکوں، گلی گلی جسے اس کی بے چین نگاہیں تلاش کرتی پھرتی تھیں وہ بالکل اچانک اس کے گھر کے پورٹیکو میں نظر آئی۔

"واپس آجائیے۔ ان کی سواری باد بہاری جا چکی ہے۔" غالب نے گاڑی کی چھت پر ہاتھ مار کر اسے متوجہ کیا تو وہ بری طرح چونکا۔ جیسے اچانک گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ سامنے کی روش خالی سنسان پڑی تھی۔ وہ جانے کب اندر کہیں گم ہو چکی تھی۔

"حیرت ہے ایسے نظر باز تو تم لگتے نہیں تھے۔ کیا فرینڈز رومانٹک ماحول کا اثر ہو گیا ہے؟"

"یہ کون ہے غالب؟" اس نے غالب کا یہ شرارت آمیز جملہ سنا ہی نہیں تھا یا نظر انداز کر گیا تھا۔ وہ تو اس کے دھیان سے نکل کر بھی اسی دھیان میں تھا۔

"اوئے ہوئے۔ کیا ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا ارادہ ہے۔ ذرا دم تو لو بھائی۔ ابھی تو ایک نظر ہی گھائل ہوئے ہو اور... اور۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر لب بھینچ کر مسکراہٹ دبائی۔ وہ سخت تیوروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جب بھی بولنا، فضول ہی بکنا۔" گلاسز کو ڈیش بورڈ پر ڈال کر اس نے فرنٹ ڈور زور سے بند کر دیا۔

"بکنا ہمیشہ فضول ہی ہوتا ہے۔ مسٹر شاہ دل وہ ڈکی کھول کر چیزوں کا معائنہ کرنے لگا، بلکہ بھرے بھرے سوٹ کیسوں کو دیکھ کر چکرا ہی گیا تھا۔

"اے مسٹر۔ یہ تم کس کس کا جہیز اور بری کی تیاریاں کر کے لے آئے ہو؟"

اس کی بات پر شاہ دل ہولے سے ہنس دیا۔

"میرا خیال تھا تم میں زیادہ نہیں تو تھوڑی بہت عقل ہو گی ہی۔ بھئی اسے سوغات ہی سمجھ لو۔"

"ارے رے، مگر جا کہاں رہے ہو؟ کیا میں تنہا اسے اٹھاؤں گا؟ میں غالب ہوں کوئی بھولو پہلوان نہیں۔" اس نے برا سا منہ بنا کر ڈگی سے ایک سوٹ کیس نکال کر زمین پر پٹخا تو شاہ دل مسکراتے ہوئے گیٹ پر کھڑے چوکیدار کو بلانے لگا۔

"بات سنو۔" غالب اس کے قریب آیا "یہ سارا کچھ ان چڑیلوں کے لیے ہی ہو گا؟"

"آف کورس۔ ویسے فکر مت کرو تمہاری منظور نظر چڑیل کے لیے بھی ہے۔" اس کا اشارہ سائرہ کی طرف تھا اور غالب جھینپ کر سر کھجاتے ہوئے ہنس دیا۔

"چلو کوئی تو ہے منیر جسے فکر ہے میری
یہ جان کر عجیب سی حیرت ہوئی مجھے"

○☆○

شاہ دل اپنی حیرانگی میں اتنا محو تھا کہ وہ محسوس ہی نہ کر سکا تھا کہ اس کے سامنے کھڑی اس

لڑکی کی حیرانگی' اس کا درد اس سے کہیں سوا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے بگاڑنے والوں کو بھلا کب سکتی تھی۔ بظاہر مہذب' باوقار نظر آنے والا شخص اسے دیکھ کر جس طرح بھاگا تھا' جس طرح پھیر کر ظاہر نہ ہو جانے کے خوف سے پلٹ گیا تھا وہ روح کو چیر دینے والا منظر اس کی پلکوں پیچھے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ جس کی ایما پر یہ سارا کھیل کھیلا گیا تھا۔ اس کی ساری زندگی کو زار کر گیا تھا۔ اسے جیتے جی موت کے گھاٹ اتار گیا تھا۔

اس شخص کو پہچاننے میں اسے ایک لمحے سے زیادہ نہ لگا تھا۔ وہ اس کے چہرے ... جاتی جو اس کی روح پر لگا تھا۔ اس شخص نے اپنے اس جرم کی معافی مانگنے کی زحمت بھی گوارا کی تھی۔ اس ڈر سے کہ اپنے دامن پر کوئی حرف نہ آئے۔ اپنے بنائے ہوئے' جھوٹے وقار لبادے پر گزند نہ آئے اس سے بہتر تو وہ لڑکے تھے جو اپنے جرم پر پشیمان تو ہوئے تھے خالی لفظوں سے ہی سہی' بہلانے کی کوشش تو کی تھی۔

اس نے مانی کی کاپی پر سر جھکا لیا اور دل سے اٹھنے والے درد کو دبائے آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔ آج اس شخص کو شاہ پیلس میں دیکھ کر اس کی روح پر تپتے ان آبلوں میں جیسے شدت آگئی تھی۔ تسلیوں اور بہلاووں کی چادر کا گویا ایک ایک ٹانکا ادھڑ کر رہ گیا ہو تا۔

اپنے مجرم کو دیکھ کر اس کے اندر نفرت' اسے ختم کر دینے اور اس سے حساب مانگنے کی خواہش جاگ اٹھی مگر ایسے کسی اقدام سے اس نے خود کو خبردار رکھا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ اس میں خود کو شاہ پیلس کے مکینوں کے سامنے طشت از بام ہونے کی ہمت نہ تھی۔ وہ کوئی نئی رسوائی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ خدا کرے۔ وہ شخص مجھے بھول چکا ہو۔ اس نے شدت کرب سے لب دانتوں میں دبا لیے۔ ڈھیر سارا دکھ دل میں سرایت ہوتا محسوس ہونے لگا۔

گو کہ اسے یقین تھا کہ عیش و طرب میں گزرتے روز و شب میں ایک بے حیثیت راہ کی لڑکی ان رئیس زادوں کو کہاں یاد رہی ہو گی۔

وزنی بوٹوں تلے آئی جیتی جاگتی کمزور چیونٹی کی موت ان بھاری بوٹوں کے اندر موجود ... کے لیے کیا معنی رکھ سکتی ہے۔ کیا احساس جگا سکتی ہے۔

"مس! یہ تو انگلش کی کاپی ہے۔ آپ اس میں میتھس کے سوال کیوں لکھ رہی ہیں؟" مانی کی آواز اسے سوچوں کے جھلتے صحرا سے کھینچ لائی۔

"آں۔" اس کی انگلیاں کاپی پر ہندسے لکھتے لکھتے ٹھہر گئیں۔ چار لائنوں کی کاپی پر وہ میتھس کے سوال لکھے جا رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے صفحہ پھاڑ ڈالا۔

"مس! آپ تو کہتی ہیں کاپیوں کے صفحے نہیں پھاڑنے چاہئیں کاپی ڈھیلی ہو کر خراب ہو جاتی ہے۔" مانی اس کی کبھی کہی ہوئی بات اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اس وقت شہریار اندر آیا تو وہ چونکی۔

"یہ تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"پانی پینے۔ آ... آپ سے ہی تو اجازت لے کر گیا تھا۔" شہریار بچارا گڑبڑا گیا' اور اسے اپنی ذہنی ابتری پر سخت کوفت ہوئی۔

"اچھا بیٹھ جاؤ۔"

"مس! ہمارے چاچو آئے ہیں۔" مانی کا دل اس وقت اپنے سبق کی طرف بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ شہریار کے چہرے پر بھی چمک آگئی۔

"شاہ دل ماموں اتنی بہت ساری چیزیں لائے ہیں۔ میں چپکے سے دیکھ آیا ہوں۔" وہ مانی کے پاس کھسک کر سرگوشیانہ انداز میں اسے بتانے لگا اور ادھر ماموں چاچو اور شاہ دل کے ناموں پر اس کی ساری حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔

تو کیا اس کا وہ مجرم اسی شاہ پیلس کا کوئی مکین ہے۔ اس انکشاف پر اسے اپنے دماغ میں جیسے سناٹا سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

○☆○

لاکھ یہ چاہا اس کو بھول جاؤں پر عقیل
حوصلے اپنی جگہ ہیں بے بسی اپنی جگہ

اندر آتے اور سٹنگ روم تک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں اسی چہرے کو تلاش کر رہی تھیں۔ جو بس ایک جھلک دکھا کر گم ہو گیا تھا جیسے خواب ہو اور نیند ٹوٹنے پر غائب ہو چکا ہو۔

سب لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بھانت بھانت کے سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے بھی جیسے اس کا ذہن لاشعوری طور پر اس کی طرف لگا ہوا تھا۔ اس کے دھیان کے راستوں پر وہی چہرہ سج گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ یک لخت دو سال پہلے کے عرصے میں پہنچ گیا ہو۔ سارے منظر صاف اور واضح دکھائی دینے لگے۔ کچھ بھی تو دھندلا نہ ہوا تھا۔

نہ وہ منظر۔

نہ وہ چہرہ...

شاید اس لیے کہ اس نے اس نقش کو گم ہونے ہی نہ دیا تھا۔ اس پر اپنی پشیمانی کے رنگ

پھیرتا رہا تھا۔ ہر رات اس بھیگے منظر کو تصور میں لا کر احساسِ جرم کے پاتال میں اترتا رہا تھا
اس کا دل شدت سے چاہا وہ اس ہجوم سے اٹھ جائے اور ہر، ہر کمرے میں جا
ڈھونڈے اور ڈھونڈ کر اس کے سامنے وہ سارا بوجھ اتار کر رکھ دے جس نے اس کی را
نیند، دل کا سکون درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے جو جونک کی طرح اس کی روح سے چمٹ
تھا۔

جس نے اس کے قہقہوں اور مسکراہٹوں پر مہر سی لگادی ہے کہ وہ باوجود چاہنے کے
کر تازگی سے نہیں ہنس سکتا تھا۔

مگر وہ اپنے صوفے پر جم کر ضبط کیے بیٹھا رہا پھر وہی اپنے وقار کے مجروح ہوجانے
اس پر حاوی رہا۔

"یہ تمہیں سرپرائز دینے کی کیا سوجھی؟" تائی ماں اس کے اچانک آجانے پر جہاں
تھیں وہاں نالاں بھی۔

"ارے، مگر میں نے سرپرائز تو ہرگز نہیں دیا۔" اس نے ذرا سا چونک کر غالب کو د
کھجاتا ہنس رہا تھا۔

"امی! سرپرائز شاہ دل بھائی نے نہیں غالب نے دیا ہے انہوں نے تو فون کیا تھا ا
کی اطلاع کی تھی مگر ریسیو غالب نے کیا تھا اور ہمیں کسی کو بتائے بغیر یہ خود ہی انہیں ا
لینے پہنچ گئے۔" فارحہ نے تائی ماں کو پوری تفصیل پیش کی تو غالب نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اے غالب! تم کب سدھرو گے؟" تائی ماں نے برہمی سے غالب کو دیکھا۔

"جب بال بچوں والا ہوجاؤں گا۔" اس نے برجستہ کہا وہ بھی نہایت اطمینان کے
سب کی ہنسی بکھر گئی سوائے تائی ماں کے جو زچ ہو کر پھر سے شاہ دل کی طرف متوجہ ہوگئی

"یہ اتنا سارا سامان لانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ قالین پر بکھری چیزوں کو دیکھ کر بو
اپنے مخصوص انداز میں دھیرے سے مسکرادیا۔

"تحائف ضرورتاً نہیں دیے جاتے تائی ماں، یہ تو اپنی محبت کے اظہار کا حقیر سا
ہوتے ہیں۔ اس سے دوسروں کی ضرورت کو نہیں اپنی خوشی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہ
یہ کشمیری شال میں آپ کے لیے لایا ہوں، نیلی، یہ دینا تائی ماں کو۔" اس نے ایک بے
صورت شال کی طرف اشارہ کیا تو نیلی نے شال اٹھا کر تائی ماں کی خدمت میں پیش کردی

"چلو شکر۔ ہم تو سمجھ رہے تھے تمہیں بزرگوں کا خیال ہی نہیں آیا ہوگا۔" منجھلی
اور محبت پاش نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

سرمئی رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ خاصا فریش لگ رہا تھا۔ اس کی رنگت اچھے موسم کے
باعث اور بھی نکھر آئی تھی اور بھوری آنکھوں کا حسن نمایاں ہوگیا تھا۔ منجھلی چچی نے دل ہی دل
میں اس کی ڈھیروں بلائیں لے لیں۔ انہیں اپنی کل اولادوں میں یہ سب سے زیادہ عزیز تھا۔
باوجود اس کے کہ اس سے بہت سے شکوے بھی رہتے تھے مگر وہ سارے شکوے اپنائیت کے
احساس کے ہمراہ ہی ہوتے۔ انہیں تو اپنا یہ بردبار، باوقار بیٹا ازحد عزیز تھا اور بقول تائی اماں کہ وہ
کمال ارباب علی خان یعنی اپنے دادا کی کاپی ہے۔ ویسا ہی اونچا لمبا قد۔
پُرمعنی بھوری آنکھیں اور متانت سے بھرا انداز۔

یوں تو خاندان کا ہر لڑکا ہی اچھی صورت اور دراز قد کاٹھ کا تھا مگر نجانے کیوں شاہ دل ان
میں ہمیشہ منفرد ہی محسوس ہوا تھا شاید اپنے لیے دبے رہنے والے انداز کے باعث۔

"کچھ ہمارے لیے بھی لائے ہو یا سارا ان فضول لالچی لڑکیوں کے لیے ہی ہے؟" تیمور، نیلی
اور رابی کو خالص زنانہ چیزوں پر لٹو ہوتے دیکھ کر سخت برے برے منہ بنا رہا تھا۔ علاقائی ملبوسات،
روایتی جیولری، خوب صورت ہینڈ بیگ، کشمیری چادریں۔ اسے اپنے مطلب کی کوئی چیز نہ دکھائی
دے رہی تھی حالانکہ سب سے پہلے بیگ پر حملہ اس نے کیا تھا مگر اب مایوس ہو کر پیچھے ہٹ گیا
تھا۔

"ہاں تمہارے لیے فارن کی برف لے کر آیا ہے جی بھر کر چباؤ ساری گرمی دور ہوجائے
گی۔" غالب پچکارنے والے انداز میں بولا تو وہ جل کر رہ گیا۔

"یہ تم ہی چباؤ۔ سائرہ کی دادی کو دیکھ کر وافر مقدار میں گرمی تمہیں ہی چڑھتی ہے۔" اس
نے ادھار نہیں رکھا۔ غالب خجل سا ہوگیا۔ ان سب نے تو جیسے محاذ بنالیا تھا غالب کے خلاف۔
سائرہ کی دادی کے نام پر اسے چھیڑنے کا۔

"بھئی شاہے، یہ تم زنانہ خریداری میں تو خاصے ماسٹر ہوگئے ہو۔" ثاقب بھائی سدرہ بھابی
کے ہاتھ سے شیشوں اور دھاگے کے کام والا پشواز دیکھ کر معنی خیز انداز میں ہنس کر بولے تو لائٹر
سے سگریٹ کو شعلہ دکھاتے ہوئے وہ ذرا سا جھینپ گیا۔

"کوئی چوائس وائس سے نہیں، خریدیں۔ جو سیلزمین دے رہا تھا، لے لیتا تھا۔ ہاں سیلزمین
کی چوائس کی تعریف کرسکتے ہیں آپ۔"

"اپنی تعریف تم نے سیلزمین کے نام کردی۔" غالب اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہی سچ ہے۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"بھئی یہ مٹھائی کہاں سے آئی ہے اور کس خوشی میں کہیں پھوپی کی طرف سے تو نہیں

آئی؟" اس نے ثاقب بھائی کی کھوجتی نظروں سے بچ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے مٹھائی کے ڈبے کو د
کر پوچھا۔

"ارے... کہاں، پھوپی جان کے گھر سے تو ابھی ہری جھنڈی ہی دکھائی جا رہی ہے مٹھائی کا تو
دُور تک سوال نہیں۔" سدرہ بھابی نے غالب کی طرف شرارت آمیز نظروں سے دیکھا۔

"تو کیا آپ کے بیٹے کے رشتہ طے ہونے کی خوشی کی ہے۔" غالب بولا۔

"نہیں خیر اس سے پہلے تو تمہاری منگنی کی ہی مٹھائی کھائیں گے ہم۔" بھابی زور سے ہنس
پھر قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولیں "یہ زنیرہ لے کر آئی ہے۔"

"زنیرہ... کیوں۔" منجھلی چچی جانے کب سے ان کی طرف ہی متوجہ ان کی نوک جھونک
محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھیں۔ بھابی کے آخری جملے پر ذرا سا چونکیں۔

"اس کی اسکول میں جاب لگ گئی ہے۔ ارے۔ ارے۔ میں نے تو اسے مبارک بھ
ڈھنگ سے نہیں دی۔ شاہ دل کے آنے پر خیال ہی نہیں رہا۔" بھابی یہ کہتے ہوئے سرعت سے
کمرے سے نکل گئیں۔

اور ادھر شاہ دل کے اعصاب پر جیسے نئے سرے سے ضرب پڑی تھی۔

"زنیرہ!"

اس نام کی ساتھ سوچوں کا دھارا پھر اسی سمت چل پڑا اس نے ذرا سنبھل کر ایک طائرا
نظر کمرے میں موجود سب پر ڈالی کہ کوئی اس کی طرف متوجہ تو نہیں تھا مگر سب اپنی باتوں م
مصروف تھے۔ تائی ماں اور چھوٹی چچی۔ اس کشمیری شال کی دیدہ زیب کڑھائی پر تبصرے کر ر
تھیں۔ منجھلی چچی اپنے کروشیے کی بیل میں الجھ رہی تھیں۔ لڑکیاں اپنی چیزوں میں مگن تھیں۔

ایک گہری سانس اس کے سینے کی تہ سے آزاد ہو گئی۔ وہ اپنے ذہن و دل کی پراگندگی کا شائ
بھی چہرے پر نہیں لانا چاہتا تھا۔

وہ سب انجان تھے جو کرب اس کی روح میں سلگ رہا تھا ان سے، اور وہ اس سب کو بے د
ہی رکھنا چاہتا تھا۔ باوجود کوشش کہ وہ... اس اجنبی لڑکی کے بارے میں کوئی سوال تک نہ پوچھ
کہ وہ عرصے سے جس کی تلاش میں سرگرداں ہے وہ یہاں تک کیسے پہنچی؟

کس ناتے کی ڈوری میں بندھی؟

وہ سدرہ بھابی کے لہجے کی اس اپنائیت پر حیران ہی تو رہ گیا تھا جو اس اجنبی لڑکی کے لیے تھی

ایک چاشنی۔

ایک مٹھاس۔

"میں جانتی ہوں کہ تم ہماری طرح فالتو نہیں ہو مگر اب ایسا بھی کیا کہ دو گھڑی بیٹھ بھی نہ
سکو۔" سدرہ بھابی کی آواز دروازے سے آئی تھی وہ منہ موڑے ہوئے تھیں۔ ان کے ساتھ
زنیرہ علی خان ہی تھی۔

"آؤ بھئی اندر تو آؤ۔ سب ہی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔" پردہ ہلا اور سدرہ بھابی کے پیچھے اس
کا متناسب دلکش سراپا ابھرا مگر پھر وہیں منجمد سا ہو گیا۔

"ارے اصل شاہ دل آیا ہوا ہے نا موصوف پاکستان ٹور پر گئے تھے اس لیے سب ہی اس کمرے
میں جمع ہیں۔ یہ دیکھو نیلی تو ذرا کیسی چیزوں پر مری پڑی ہے۔ ارے آؤ رک کیوں گئیں۔ بھئی یہاں
سب وہی لوگ ہیں جن سے تم کئی بار مل چکی ہو۔" بھابی نے اسے رکتا دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو
آہستگی سے ان کی گرفت سے نکل کر پیچھے ہٹی۔ ہاں اس کمرے میں سارے چہرے ہی بے
دث، محبت کرنے والے تھے، مگر ایک چہرہ ایسا بھی تھا جس سے ایک بار ملنا ہی اسے اتنا خسارہ دے
یا تھا کہ اب وہ دوبارہ ملنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

وہ اچانک ہی پلٹی اور کھٹ کھٹ کرتی سرعت سے بھابی کی نگاہوں سے دور ہوتی چلی گئی۔

"ارے۔ اسے کیا ہوا؟" نیلی بھی اٹھ کر دروازے تک آئی تھی مگر اب حیران نظروں سے
ے تیزی سے جاتا دیکھ رہی تھی۔

"بالکل پاگل ہے۔" بھابی کی بڑبڑاہٹ بے حد ہلکی تھی وہ اندر چلی آئیں۔

وہ راہداری سے نکل کر کھلے لان میں آکر ایک لمحے ٹھہری اپنی اس حرکت پر بری طرح
امت محسوس کرنے لگی۔ بھابی کے لہجے میں کتنی اپنائیت، محبت اور اصرار تھا مگر سامنے بیٹھے
ل شخص نے تو اس کے حواسوں میں ایسا بارود بھر دیا کہ اگر ذرا تاخیر ہو جاتی تو شاید وہ پھٹ پڑتی۔
ھ نہیں تو اس کا چہرہ سب کو مشکوک ضرور کر دیتا۔

اس کے قدم پھر تیزی سے گیٹ کی جانب اٹھنے لگے اچانک اسے محسوس ہوا کہ اس کے
موں میں ایک وزنی بوٹوں کی دھمک بھی شامل ہو گئی ہے۔

وہ پلٹی تو چکرا کر رہ گئی۔ وہ شخص اس کے وحشی دل سے امڈتے آگ جذبوں سے بے نیاز اس
ے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

○☆○

"دیکھو شہلا، میں تمہارے ماضی کے بارے میں خود بھی زیادہ تفصیل سے نہیں جانتا سوائے
ا کے کہ تم اپنے والدین کی حادثاتی موت کے بعد اپنے دشمن رشتے داروں سے ڈر کر لاہور
ئی ہو اور یہ بھی تم نے ہی بتایا ہے مگر امی کو مطمئن کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے۔"

اس نے چونک کر کمال احمد کو دیکھا۔

اس سے پہلے تو کبھی اس موضوع کو درمیان میں نہیں لایا گیا تھا اس نہج پر پہنچ کر اس کے ماضی کو تلاش کرنے کا خواہش مند تھا۔ محض اپنی امی کو مطمئن کرنے کے لیے یا خود کے لیے۔

"تمہاری امی سے مجھے کیا لینا دینا۔ نہ انہیں مجھ سے کچھ لینا ہے۔" اس نے کرسی سے ٹیک لگائی اور بے نیازی سے آئس کریم کھاتے ہوئے سڑک پر رواں دواں گاڑیاں دیکھنے لگی۔

"تم بھول رہی ہو۔ وہ میری ماں ہیں اور ماں کا حق بیٹے کے جوان ہونے پر ختم نہیں شروع ہوتا ہے۔"

یہ کمال احمد ہی تھا اسے اپنی ماں سے بے خوف رہنے کا درس دینے والا اس کی پذیرائی کرتے ہوئے اسے منگنی کی انگوٹھی پہنانے تک۔ یہی باور کراتا رہا تھا کہ وہ اس کی نہیں اس کی اپنی پسند ہے۔ جس کے حصول کے لیے وہ ہر دیوار گرا دے گا۔

تو پھر یہ آج خود کیسی دیوار کھڑی کرنے کی کوششیں کر رہا تھا اسے مجروح کرنے کے لیے

اس نے آدھی سے زیادہ آئس کریم زمین پر دے ماری۔

"یہ کون سا گیم شروع کرنے والے ہو تم کمال احمد؟ کیا اب پیچھے ہٹ رہے ہو؟" سخت طیش کے عالم میں اسے دیکھا۔ اس کے انداز تو وہ ہفتہ بھر پہلے ہی سے بدلے بدلے کر رہی تھی۔ وہ کوئی نادان یا سادہ لوح نہیں تھی جس طرح محبت کے آداب پہچانتی تھی اسی طرح ہاتھ چھڑانے کے سارے انداز سے بھی واقف تھی۔

"اس میں اتنا غصہ ہونے کی کیا بات ہے؟ میں تو ایک عام سی بات کر رہا تھا۔" وہ اس کے غصے پر حیرانگی کا اظہار کرنے لگا۔

"یہ عام سی بات نہیں ہے۔ بہت خاص طریقے سے سوچ سمجھ کر کی جا رہی ہے کمال۔ اتنی اونچائی تک مجھے لا کر اب نیچے گرانے کی کوشش مت کرنا۔" اس کا چہرہ مرتعش ہو گیا اور کمال احمد نے اپنے پسندیدہ فلیور کو کھاتے ہوئے ایک عجیب سی ہنسی سے اسے دیکھا۔

"یہ تم۔ اونچائی پر پہنچی ہو یا پستی میں؟"

اس کے اعصاب بری طرح چٹخے تھے۔ سڑک پر اڑتا دھواں جیسے سارا کا سارا آنکھوں کے راستے روح میں اترتا محسوس ہوا۔

"بھول رہے ہو کمال احمد کہ اس پستی میں، میں تنہا نہیں، تمہارے ساتھ ہوں۔ جتنا میں گری ہوں اتنا ہی تم بھی، بلکہ مجھے ہاتھ پکڑ کر گرانے والے بھی تم ہو۔"

"وہاٹ؟" وہ اچھلا جیسے اس کے پیروں میں کسی نے کاٹ لیا ہو۔ اس کا چہرہ لال ہو گیا، مگر پھر قریب سے گزرتے لوگوں کا خیال کرتے ہوئے خود کو بہ مشکل سنبھالتے ہوئے دھیمی مگر ترش روئی سے بولا۔

"تم کوئی نا سمجھ نہیں تھیں کہ ہر انگلی دینے والے کو تھام کر چلتی بنو۔ بہت سوچ سمجھ کر اپنے نفع و نقصان کا حساب رکھ کر میرے ہاتھ کو تھاما تھا۔"

اس نے نہایت درجے حیرانگی اور سخت ذہنی صدمے کے ساتھ اس شخص کو دیکھا جو کبھی دل پر پھاہے رکھتا تھا اور روتی آنکھوں میں مسکراہٹ بھرنے کے وعدے کر چکا تھا۔

تو پھر یہ چر کہ....؟

اگر کمال احمد کوئی شاطرانہ چال چل رہا تھا تو شہلا نواز بھی ایسے بھیڑیوں کے ہجوم میں رہ کر ماہر نشانہ باز ہو چکی تھی۔ اب اتنی جلدی تو وہ بھی کمال احمد کی ان چالوں میں نہیں آ سکتی تھی۔

"تمہاری ان باتوں کا مقصد؟" اس نے تحمل کے ساتھ پوچھا اور بائیک کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس انتظار کے ساتھ کے اب کمال احمد کون سا نیا پتا پھینکتا ہے۔

"کوئی خاص مقصد نہیں تھا، مگر تم ہی بھڑک اٹھیں۔ ظاہر ہے تمہارے لیے میں اپنی امی کو تو نہیں چھوڑ سکتا نا جنھوں نے مجھے پال پوس کر اٹھائیس سال کے تناور درخت میں تبدیل کیا ہے اب اس کے سائے میں آرام کا ان کا حق بنتا ہے۔"

اور شہلا نواز کا دل چاہا خوب اونچے اونچے قہقہے لگائے۔ یہ آج کمال احمد کو اپنی ماں کی محنت یاد آ رہی تھی جو پہلے ہی برباد ہو چکی تھی۔ محنت کا پھل اتنا کڑوا اتنا ناکارہ تھا۔

وہ بائیک دوڑا رہا تھا اور شہلا نواز کے اندر سے قہقہے اب دم توڑ چکے تھے۔ وہ حقیقتاً سخت پژمردہ، بددل اور خوف زدہ ہو گئی تھی۔ سب کچھ کمال احمد کے قدموں میں رکھ دینے کے بعد اب وہ اسے ٹھوکر سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔

وہ اپنے کیے عہد و پیمان کی نفی کر رہا تھا۔

اس کے چشم تصور میں ایک لمحے کو ایک مانوس سراپا ابھر کر ٹوٹ گیا اس کا دل جیسے پسلیوں میں پھڑپھڑا کر رہ گیا۔

"سنو کمال، میں یہ بازی اب ہرگز نہیں ہاروں گی۔" بائیک سے اترتے ہوئے اس نے کمال احمد کی آنکھوں میں جھانک کر کڑے لہجے میں کہا "جو کچھ تم مجھ سے وصول کر چکے ہو۔ یہ بہت

زیادہ ہے' میری پوری زندگی تک تم نہیں چکا سکتے مگر چکانا تو ہے تمہیں۔"

"کیا مطلب؟" اس نے کندھے اچکا کر تحیر اور معصومیت کا ڈھونگ رچانے کی کو
شہلا نواز کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہو گئی۔

"کمال احمد! عورت کے جذبے کبھی کبھی اس ناگن کی طرح ہو جاتے ہیں جنہیں م
اندوز ہونے کے لیے چھیڑنا بہت خطرناک ثابت ہوتا ہے اور تم بھی کبھی میری محبت اور
درمیان کی دیوار کو گرانے کی حماقت نہ کرنا۔ یاد رکھو میں زندہ جذبوں سے بھری ایک
عورت ہوں کوئی کھلونا نہیں' جس سے کھیل کر تم ایک طرف پھینک دو۔"

وہ پلٹ کر کھلے گیٹ کو عبور کر گئی اور کمال احمد کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔
عورت نہیں کھلونا ہو شہلا نواز۔ پاک جذبوں سے بھری عورتیں' اپنی عصمت کی حفاظ
والی عورتیں' تم نے دیکھی کہاں ہیں۔ عورت تو نام ہی چھپے رہنے' سربستہ راز کی طرح
ہے۔ تم کھلونا ہی ہو شہلا نواز۔ ایک کھلونا جس سے حقیقتاً میرا دل بھر گیا ہے۔"

وہ بجائے اندر آنے کے بائیک اڑاتا ہوا چلا گیا۔

○☆○

جس پیڑ کی چھاؤں بھی لگے دھوپ کی مانند
اس پیڑ پہ پنچھی بھی بسیرا نہیں کرتے

اس نے سامنے سے آتے باپ کے تنے تنے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور چہرہ دوبارہ
منجمد وجود پر موڑ دیا۔

"فون کر دیا آپ نے؟" ان کے قریب آنے پر اس نے ڈرتے ڈرتے استفسار کیا۔

"ہوں۔" ایک گہری سانس لے کر وہ ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

"تحمل بھی تو نہیں ہے اس عورت میں۔" انہوں نے ایک نظر شیشوں کے پار ڈالی
لب بھینچ لیے اور سائرہ مظفر کا دل راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

"عمر بھر کی ریاضتوں اور خاموشیوں کا صلہ بھی ملا تو یہ۔ تحمل پھر کس چڑیا کا نام ہے مظ
شاہ... صبر اور خاموشی اسے نہیں تو پھر کسے کہتے ہیں؟" وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

"تم مصدق کے ہمراہ گھر چلی جاؤ۔" کئی لمحے توقف کے بعد باپ کا یہ حکم ملا تو وہ تڑپ ا

"نہیں ابو... میں نہیں جاؤں گی۔ مصدق کو بھیج دیجیے گا۔" اس نے شاید زندگی میں
ایسا احتجاجی لہجہ اپنایا تھا اور بادل ناخواستہ مظفر شاہ اسے دیکھ کر رہ گئے اور سر ہلا دیا۔

"وہاں تمہاری دادی اکیلی ہیں اس وجہ سے کہہ رہا ہوں خیر۔ مصدق چلا جائے گا۔"

ماں کے حقوق کے گرداب میں پھنسا ہوا مظفر شاہ کبھی بیوی اور اولاد کے حقوق کو سمجھ ہی نہ
سکتا اگر سمجھ سکتا تو اتنا بڑا غدر کیوں مچتا۔ اتنا بڑا حادثہ کیونکر ہوتا؟

اس کی ماں کا نازک دل' کیونکر انجائنا کے حملے کی لپیٹ میں آتا۔ اتنے برسوں تک اپنے حق
کے لیے کبھی آواز نہ اٹھانے والی صباحت شاہ نے زبان کھولی بھی تھی تو اولاد کے لیے' اس کے
کے لیے' اور اسے بھی جرم قرار دے دیا گیا اور سزا کے طور پر شوہر کی نہ صرف کڑوی کسیلی
سننی پڑیں بلکہ سنبھال سنبھال کر سینت سینت کر رکھنے والی عزت بھی ساس کے سامنے'
سیدہ چادر کی طرح دھجی دھجی ہو گئی۔ کس بے رحمی سے اس شخص نے عمر بھر خدمت کرنے والی
عورت کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا یہ کہہ کر کہ "آیندہ کبھی میری بیٹی کے معاملے میں مجھ سے
الجھنے کی کوشش مت کرنا۔ یہ میرا اور اماں کا مسئلہ ہے۔"

نہ تربیت کی تھی' نہ جنم دیا تھا اور سارا اختیار ہی اس عورت کو سونپ دیا تھا' پر وہ جنم دینے
والی' خون پلانے والی ماں کیونکر برداشت کر سکتی تھی۔ اسے غالب کی کہی ہوئی باتیں سچ لگنے لگیں
یہ جینا نہیں ہوا سائرہ مظفر' یہ بس سانس لینا ہوا۔ اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا بغاوت نہیں
ہے۔ جبر کے خلاف احتجاج کو بغاوت نہیں کہا جاتا بلکہ ظلم ہے یہ خاموشی اور تم اور پھوپی جان
ظالم ہو جواب تک بزدلوں کی طرح اپنی روح اور اپنے اعصاب پر اپنے احساسات اور جذبات پر
ظلم کرتی آئی ہو۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر رخساروں پر لڑھکتے بے مایہ آنسوؤں کو چادر کے کونے میں
سمیٹ لیا اور چہرہ اس ٹھنڈے شیشے پر ٹکا دیا' اگر اس عورت کو کچھ ہوا تو میں کسی کو بھی معاف
نہیں کروں گی۔ اس حال پر پہنچانے والے اس شخص کو بھی اور اس عورت کو بھی جس نے یہ الاؤ
بھڑکایا ہوا ہے میں اس ساری دنیا کو تہس نہس کر دوں گی۔ اس کے ذہن کی طنابیں کستی چلی
گئیں۔ خون کی شریانوں میں بجائے خون کے آتش سیال دوڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"شاہ پیلس والوں کو۔ ہمارے پرسنل معاملات میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہیں ہے
کہ یہ سارا فساد ہی ان لوگوں کا پھیلایا ہوا ہے۔" مظفر شاہ ماربل کے فرش کی شفاف راہداری
میں ٹہلتے ہوئے اپنی نفرت کا کھلا اظہار کر رہے تھے۔

"تمہاری ماں سمجھتی ہے میں اولاد کا دشمن ہوں' ان کی طرف سے بے پرواہوں' ظلم کرتا
ہوں تم سب پر۔"

"امی۔ ایسا کچھ نہیں سمجھتیں۔" اس نے آہستگی سے اس کمزور سی عورت کا دفاع کیا تو لحظہ
بھر کو مظفر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر رخ موڑ کر شیشے کے پار تکنے لگے۔

"تو پھر اسے کس بات کی ٹینشن ہے؟"

"ابو پلیز، یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔" اس نے خود کو اس موضوع پر تخ… محسوس کرتے ہوئے اس بے رحم شخص کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا جو ان لمحوں میں بھی اپنی پوزیشن صاف کرنے کی فکر میں تھا۔ جسے موت و زندگی کی کشمکش میں پڑا وجود دکھائی نہیں دے رہا تھا، جسے گھر پر زندہ عورت کی تنہائی کی فکر زیادہ تھی اور موت کے پنجوں میں گرفتار… کمزوری سے بے نیاز تھا۔

وہ کمرے سے نکلتے ڈاکٹر کی طرف بڑھی مگر اس سے پہلے ڈاکٹر وقار خود مظفر شاہ… تھا۔

"آپ پلیز۔ میرے ساتھ آیئے۔"

"ابو۔" اس نے مظفر شاہ کو ڈاکٹر کے حکم کی تعمیل میں ان کے پیچھے جاتے دیکھ کر ان کا بازو تھام لیا "ڈاکٹر کو ایسی کیا بات کرنی ہے اکیلے کمرے میں؟" اس کی آواز کسی انجانے… سے کپکپا گئی تو مظفر شاہ کا ہاتھ آہستگی سے اس کے سر پر تھپکی کے انداز میں ہلا۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" وہ اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑا کر سر جھ… پیچھے چل دیے۔

"روم تیرہ… میں آپ کا کوئی ایڈمٹ ہے؟" نرس کی آواز پر وہ بنچ پر بیٹھتے بیٹھتے ہڑ… گئی۔

"ج۔ جی۔ ہاں۔" اس نے جلدی سے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑ ڈالا۔

"فون ہے آپ کا۔" نرس سپاٹ لہجے میں کہہ کر آگے چل دی۔ وہ بھاگ کر… آئی۔

"ہیلو آپا! امی کو ہوش آیا؟" مصدق کی بے قرار آواز اس کے ضبط کے بندھن… کرنے لگی۔

"نہیں… مگر تم فکر مت کرو۔ ڈاکٹر نے تسلی دی ہے۔" اسے اپنی آواز بے حد… ہوئی۔

"آپا! میں بہت پریشان ہوں۔ ابو نے زبردستی مجھے گھر بھیج دیا ہے۔ میرا دل گھبرا… کو کچھ ہو گا تو نہیں نا آپا؟"

"پاگل ہو تم۔ کچھ نہیں ہو گا امی کو۔ میں نے کہا نا ڈاکٹر وقار نے…" اس کی آوا… مصدق کا روہانسا لہجہ اس کا دل بری طرح مسل رہا تھا۔ اس وقت کسی نے پیچھے سے…

…کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ پلٹی تو غالب ریسیور کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ اپنائیت کا احساس پا کر وہ… سارا ارد کھو بیٹھی۔ حوصلے کی دیوار جیسے ڈھے سی گئی۔

"سائرہ! یہ کیا تم نے ابھی سے حوصلہ ہار دیا۔ کیا کوئی امید نہیں رہی تمہارے اندر؟"

"غالب!" اس نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا "مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ایسا… ہے جیسے میری امید کا دیا تیز کھلی ہوا میں رکھا ہوا ہو۔"

غالب نے بے اختیار اس کو شانوں سے تھام لیا۔ اس کے چہرے پر کرب آمیز رنگ پھیل… گیا تھا۔

"پاگل ہو تم۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے لیے اس طرف آ گیا جہاں تائی ماں منجھلی چچی… تھیں۔ تائی ماں کو دیکھ کر وہ بے تابانہ ان سے لپٹ گئی۔ اتنے بہت سارے آنسو نہ جانے کہاں… آنکھوں کے رستے بہہ نکلے۔

"کب ہوا یہ اٹیک؟" شاہ دل نے دکھ کے ساتھ پوچھا۔

"کوئی گیارہ، بارہ بجے کے قریب۔" اس نے تائی ماں کے کندھے سے سر ٹکائے گلوگیر آواز… کہا تو سب چونک پڑے۔

"اور اطلاع اس وقت دی ہے ہمیں۔" اس کی حیرانگی اور خفگی بجا تھی۔ سائرہ چپ سی رہ…

"ارے اس میں اس بے چاری کا کیا قصور، جب مظفر بھائی نے بہتر سمجھا ہو گا تب دے دی…۔" منجھلی چچی جلدی سے بولیں تو شاہ دل لب بھینچ کر رہ گیا۔

غالب کے اندر سے بھی غصے کا ابال اٹھا تھا مگر وہ چپ رہا۔ سائرہ کے آنسو، پھپھو کی بے بسی… مصدق کی بے قراری اسے بری طرح گھائل کر رہی تھی۔

"انکل کہاں ہیں؟" شاہ دل نے پوچھا تو سائرہ نے ہاتھ سے ڈاکٹر کے کمرے کی طرف اشارہ…۔ شاہ دل اس طرف بڑھ گیا غالب بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔

"سخت بے حس شخص ہے یہ مظفر بھی۔ ہم کوئی غیر ہیں اگر خبر دی ہوتی تو دعا ہی کرتے۔ خیر تم… رکھو۔" تائی ماں اسے خود سے لگا کر تھپکنے لگیں۔

"تسلی ہی تو نہیں ہو رہی ممانی جان۔" اس کا دل جیسے غم کے بوجھ سے ٹوٹنے لگا تھا "آج… انھوں نے اپنے لیے کچھ نہیں مانگا۔ حکم پر بھی زبان نہیں کھولی اور آج زندگی میں پہلی بار… بار مانگنا چاہا اپنی چیز پر تو…" اس کے آنسو پھر تیزی سے بہنے لگے۔

"میں جانتی ہوں بیٹی۔ گزرے ماہ و سال کا ایک ایک دکھ ہمارے دلوں پر رقم ہے۔ اس کی

بازیابی نے تو اس شخص کو اور بھی ظالم بنا ڈالا۔ میں خود مظفر سے آج بات کروں گی۔"

"نن۔ نہیں ممانی جان۔" وہ گھبرا اٹھی "پلیز۔ آپ ان سے کچھ بھی نہ کہیے! میں نہیں چاہتی کہ آپ کی تذلیل ہو، مجھے آپ کی عزت اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔" اس کا دل بھر گیا۔ دبے قدموں سے واپس آتے غالب کے دل میں تیر سا پیوست ہو گیا۔ اس نے اس کے پلٹنے پر نگاہیں چرا لیں۔

"بس بیٹا۔ اس لیے تو میں نے تمہارے دونوں ماموں کو اطلاع نہیں کی۔ کہیں وہ مشتعل ہو جائیں اور بات بڑھ کر صباحت کے حق میں نقصان دہ ثابت ہو۔ ثاقب کو کہہ دیا ہے وہ دونوں بھائیوں کو سمجھا کر بتا دے گا۔ بس صباحت کی حالت سنبھل جائے تو نئے سرے سے بات کریں گے وہ... ابھی کوئی جھگڑا میں بھی اٹھانا نہیں چاہتی۔ تم تسلی رکھو سب بہتر ہو جائے گا۔" اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بینچ سے اٹھ کر غالب کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"کیا ہوا۔ کیا کہہ رہا ہے ڈاکٹر؟"

"میرے خیال سے فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ شاہ دل اور مظفر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا جو باتیں کرتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" تائی ماں نے ازراہِ اخلاق مظفر شاہ کو سلام کیا تو انہوں نے بھی سر کو جنبش دے دی۔

"آپ نے ہمیں فوراً خبر ہی نہیں دی۔" آخر کار شکوہ تائی ماں کے لبوں پر مچل ہی گیا۔ سائرہ نے گھبرا کر باپ کے چہرے کو دیکھا جہاں ہمیشہ کی طرح ایک کھنچاؤ سا تھا۔

"خبر بھی ہونے سے کیا ہو جاتا۔ کوئی کسی کے لیے کیا کر سکتا ہے خاص کر جب وہ خود اپنے لیے ایسا ماحول پیدا کر رہا ہو۔"

تائی ماں کے لب کچھ کہنے کو پھڑپھڑا کر رہ گئے مگر بدقت خود کو سنبھال لیا انہوں نے اس شخص سے الجھنا عبث ہی خیال کیا۔ جس شخص کو اس کی شریکِ حیات کی خدمتوں، وفاؤں نے متاثر نہیں کیا تھا تو ان کی لمحے کی تقریر اس دل پر کیا اثر ڈال سکتی تھی اور ہمیشہ اندھے ذہن سے سوچنے والا شخص سوائے بھڑکنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا کہتے ہیں ڈاکٹر؟"

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہوش میں آ جانے پر بالکل بھی خطرہ نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب تھا ابھی خطرہ ہے۔ سارے اندیشے اسی وقت رفع ہو سکتے تھے جب وہ ہوش میں آ جائیں۔ سائرہ اٹھ کر کمرے کی اسی کھڑکی کے پاس آ گئی۔ اسے اپنا دل رک رک کر دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک یہی تو تھیں اس حبس زدہ مکان میں ٹھنڈی چھاؤں کی مانند۔

تپتے صحرا میں سایا کیے بادل کی طرح...

کتنی خالی خالی تنہا ہو کر رہ گئی تھی وہ...

منجھلی چچی کے ہاتھ کا لمس اپنے شانے پر محسوس کر کے وہ چونک گئی وہ اور تائی ماں اسے زبردستی اورنج جوس پلا رہی تھیں۔

"ابو بھی بہت پریشان ہیں نا ممانی جان۔"

"ہاں ظاہر ہے۔ اتنے برسوں کی رفاقت کا احساس تو ہو گا۔ تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ابو بدل جائیں گے؟ کیا ان کا دل امی کے لیے نرم ہو جائے گا؟" وہ ایک موہوم سی خوشگواری کے ساتھ پوچھنے لگی تو تائی ماں نے سر ہلا دیا پھر ان سب کی توجہ سامنے سے آتے غالب پر ہو گئی۔

"مجھے لگتا ہے کوئی اچھی خبر لایا ہے۔" منجھلی چچی نے کہا تو سائرہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ گھاس کے گداز فرش سے اٹھ کر بھاگ کر غالب تک جا پہنچی۔

"کوئی امی کی خبر ہے؟" اس کے لب کپکپا گئے۔

"صرف خبر ہی نہیں، بہت ہی اچھی خبر ہے کہ پھوپی جان مکمل ہوش میں ہیں۔"

"ممانی جان۔" سائرہ قریب آئی تائی ماں سے فرطِ مسرت سے مغلوب ہو کر لپٹ گئی۔

"دیکھا نا۔ وہ بڑا رحیم کریم ہے۔ اتنی بہت سی دعاؤں کو کیسے قبول نہ کرتا۔ آؤ اندر چلیں۔"

"گڑگڑا کر مانگی ان دعاؤں میں ایک اور دعا کا اضافہ کر لیتیں تو میرا بھی کچھ بھلا ہو جاتا۔" غالب نے آہستگی سے اس کی سمت جھکتے ہوئے کہا تھا، مگر وہ کوئی جواب دیے بغیر اندر کی طرف بھاگ لی۔

○☆○

اس کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا جیسے وہ شاہ پیلس سے یہاں تک کا سفر پیدل طے کر کے پہنچی ہو۔ سانس پھولی ہوئی تھی اور ہر مسام سے جیسے پسینہ پھوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ بھی شکر تھا شہلا موجود نہیں تھی ورنہ اسے اپنی اس کیفیت کو چھپانا مشکل ہو جاتا اور پھر شہلا، وہ خود کو شہلا کی تیز نگاہوں اور لگاتار سوالوں کے ہدف سے ہرگز نہ بچا پاتی۔

شاہ دل خان کا اس کے پیچھے پورچ تک آنا۔ اس کے پلٹنے پر اسے دیکھتے رہ جانا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولنا، پھر یکایک غالب کا آنا اور کسی کی بیماری کی اطلاع دے کر اسے اپنے ساتھ لے

جانا۔ یہ سارے لمحے ایک ایک کر کے اس کے ذہن پر فلم کی طرح چل رہے تھے۔ وہ خا... کے ساتھ اس منظر میں کتنی ہی دیر فٹ رہی تھی پھر بے جان قدموں کو گھسیٹ کر شاہ پیلس گیٹ کو عبور کر کے یہاں تک کا فاصلہ طے کیا تھا۔

اسے لگا جیسے وہ خود کو جوڑتے جوڑتے پھر ٹوٹ کر بکھر گئی ہو۔

بھاری بوٹوں کی دھمک اس کے اعصاب پر کسی ہتھوڑے کی ضرب کی طرح اب تک... رہی تھی کیا وہ شخص اس تک انجانے میں محض تعارف حاصل کرنے پہنچا تھا یا پہچان کے... طے کر کے اس دبی آگ کو از سر نو سلگانے' بھڑکانے آیا تھا مگر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کی... بگاڑنے کے اس عمل کو محض کھیل' تفریح سمجھنے والے اس کھیل کو اب یاد تک رکھے ہو... ہوں۔

جو بھی تھا اب وہ شاہ پیلس جانے کا کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھی۔ اب کسی نئی... سہ نہیں سکتی تھی' مگر لمحوں میں کیا یہ اپنا فیصلہ اسے بری طرح گھائل کر گیا اسے لگا جیسے... بار پھر سے کھلی دھوپ میں آ گئی ہو۔ ایسی پر شور ہواؤں میں جو اس کے نقابوں کو الٹنے کی کو... کر رہی ہوں۔ پتا نہیں خوشیاں اس سے اس قدر نالاں کیوں رہتی تھیں۔

اس نے کمرے کے کئی چکر لگا ڈالے مگر سکون تو جیسے اس کی دنیا سے ہی اٹھ چکا تھا۔ ا... خبر تھی کہ خود کو ورق ورق سمیٹ کر جو کتاب دل کے نہاں خانے میں چھپا کر رکھ دی ہے ا... کھولنے کا انتظام قدرت کر رہی ہے اور اس عظیم طاقت کے آگے وہ خود کو بے بس محسوس کر... تھی۔

کیا ہو جاتا اگر اس شخص سے پھر سامنا ہی نہ ہوتا یا وہ شخص شاہ پیلس کا مکین نہ ہوتا مگر... ممکن ہے کہ وہ کوئی خواہش کرے کوئی اچھی امید باندھے۔ کسی خوشی کے ساتھ چلنے کی سعی... اور نامرادی' اور دکھ کا دھواں نہ پھیلے۔

○☆○

وہیں زندگی کے حسین خواب ٹوٹے
میرے ہم سفر تم جہاں ہم سے چھوٹے

اس نے کروٹ بدل کر دیکھا۔ وہ فرش کے کونے میں بیٹھی کوئی پاؤڈر چھڑک چھڑک... جیولری کو برش سے چمکا رہی تھی۔ چہرے پر سیاہ بالوں کی لٹیں پڑی تھیں جس سے چہرہ آدھ... زیادہ چھپا ہوا تھا۔

ستاروں نے دیکھا' بہاروں نے دیکھا
کبھی ہم ملے تھے نظاروں نے دیکھا
خبر کیا تھی ہم کو کہ وعدے ہیں جھوٹے
وہیں زندگی کے حسین خواب ٹوٹے

اس نے بہت غور سے شہلا نواز کو دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ ایسا گانا' اور ...میں اتنی اداسی۔ بھلا وہ کیسے یقین کر لیتی کہ یہ شہلا نواز ہی گا رہی ہے۔

مٹا کر تمناؤں کے ہر ایک نشاں کو
میں حسرت سے تکتا رہا آسماں کو
چمن آرزوؤں کے خداؤں نے لوٹے
وہیں زندگی کے حسیں خواب ٹوٹے
میرے ہم سفر تم . . . .

اس نے سر اٹھایا تو زنیرہ خان کی حیران آنکھوں سے نگاہیں جا ملیں۔ وہ ہنس دی۔

"اچھا گانا ہے ناں۔"

"ہاں۔ گانا اچھا ہے مگر پتا نہیں کیوں تمہارے منہ سے سننا کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔" اس کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا شہلا لمحہ بھر چپ ہو گئی پھر ساری جیولری اٹھا کر سنگھار میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں' مجھ پر کیوں اچھا نہیں لگ رہا؟"

"شاید ٹوٹے ہوئے دل کی عکاسی کرتا ہے اس لیے۔" وہ تکیے کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سخت پژمردگی محسوس ہو رہی تھی۔

"زنی ڈارلنگ!" وہ اس کے قریب آئی۔

خوش حال سے تم بھی لگتے ہو
یوں افسردہ تو ہم بھی نہیں
پر جاننے والے جانتے ہیں
خوش ہم بھی نہیں' خوش تم بھی نہیں

اور زنیرہ علی خان دم سادھے ایک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی۔ ٹھیک ہی کہتے ہیں افسردگی اشتہار نہیں ہے کہ ٹنگی ہوئی نظر آ جائے اور نہ خوشی کوئی میکانکی عمل ہے جو آلات کی ترتیب سے حاصل ہو جائے' مگر شہلا نواز تو ان تمام افسردگیوں' ان ساری رنجشوں سے ناتا توڑ کر ایک خوش آیند زندگی کی ابتدا کرنے والی تھی پھر اس نئی زندگی کو' کون سی راہ میں ٹھوکر لگی ہے؟ کون سا دکھ ناگہانی

دیوار کی مانند اس کے سامنے آکھڑا ہوا ہے؟

اسے گم صم حیرت سے اپنی طرف تکتے دیکھ کر شہلا زور سے ہنسی۔ یہ اور بات کہ اِ
اپنی ہنسی بڑی کھوکھلی اور سخت بے جان محسوس ہوئی تھی۔

"کیا تلاش کرنا چاہ رہی ہو؟" وہ رخ موڑ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور جھمکا
کان میں ڈالنے لگی۔ جسے اس نے گھنٹا بھر کی محنت سے چمکایا تھا۔

چہرہ بظاہر ویسا ہی تھا۔

لبوں پر ویسی ہی بے مقصد مسکراہٹ۔

مگر کچھ تھا جو ان ساری رونقوں کو چوس کر بے رنگ کر رہا تھا۔

"میں اگر چہرہ شناس ہوتی تو بات ہی کیا تھی۔" اس نے ایک ہلکی سی سانس بھری اور
خود کو بستر پر گرا لیا اور کروٹ بدل لی۔

"اوئے کیا بات ہے؟ اسکول سے آکر بستر پر اینٹھ رہی ہو۔ چار بجنے کو آئے ہیں شاہ
جانا نہیں ہے کیا؟"

"نہیں۔" اس نے کروٹ بدلے بدلے ہی جواب دیا اور شہلا کا چونکنا ایسا غلط بھی
تھا۔ وہ دو دن سے اسے یہی جواب سے نواز رہی تھی۔

"زینی! کیا بات ہے' کچھ کھٹ پٹ ہوگئی ہے شاہ پیلس والوں سے یا استانی بننے کا بھو
اتر چکا ہے یا پھر آپ کو وہاں سے مہذب طریقے سے آؤٹ کر دیا گیا ہے۔"

کاش ان میں سے ہی کوئی ایک بات ہوگئی ہوتی اس کی آنکھوں میں ریت سی چبھنے لگی
چپ رہی۔ شہلا کی تو عادت تھی بہت زیادہ بولتے رہنے کی۔

"میری مانو تو یہ ساری نوکریاں وکریاں چھوڑو اور کسی فلم ولم میں ٹرائی کرو۔ ایمان
آرٹ فلموں میں تو تمہارا سکہ بیٹھ جائے گا' ایسی اداس شکلیں خوب چلتی ہیں وہاں اور
خاصی ایکٹنگ بھی کر لیتی ہو۔"

اس ساری بکواس نے اسے جھنجلا کر رکھ دیا وہ بغل میں دبا تکیہ پٹخ کر اٹھ بیٹھی۔

"کچھ غلط کہا؟"

"نہیں۔ شاید ٹھیک ہی کہتی ہو۔ ہم سب ہی ایکٹرز ہیں اور اپنی اپنی زندگیوں میں ہزار
کے کردار میں ڈھلتے رہتے ہیں۔ تم بھی' میں بھی' ہاں شہلا۔ ہم سب ایکٹرز ہیں اور کون
ایکٹر ہے اس کا فیصلہ وقت کرتا ہے۔"

"اوئے ہوئے۔" شہلا اس کے پاس دھپ سے بیٹھ گئی۔

کچھ تو نازک مزاج ہیں ہم بھی
اور یہ چوٹ بھی نئی ہے ابھی

"یہی معاملہ لگ رہا ہے۔" وہ تقریباً اس پر جھک آئی تو اس نے بے دلی سے اسے پرے
دھکیل دیا۔

"جی نہیں۔ نازک مزاج ہوتے تو کب کے بکھر چکے ہوتے۔ کوئی ایک چوٹ تو نہیں لگی
ہے۔"

"اللہ رے۔ یعنی ابھی خوش فہمی ہے کہ بکھرے نہیں ہیں۔"

"بالکل۔" وہ بھی خوش دلی سے ہنس دی۔

"چلو اچھی بات ہے۔" شہلا کے چہرے پر یک بیک سنجیدگی چھا گئی۔

ہزار اس نے یہ چاہا کہ میں بکھر جاؤں
سو میں نے صبر کیا' صبر بھی قیامت کا

وہ اٹھ کر سنگار میز پر بکھری جیولری کو جیولری بکس میں سمیٹتے ہوئے بولی۔

"اچھی بات ہے' خود کو جوڑتے رہنے کا عمل ترک نہیں کرنا چاہیے۔ یہاں گرتے ہوئے
کوئی نہیں سنبھالتا۔ بکھرے کو کون سمیٹے گا۔ یہاں تو خود لوگ برسوں کی وفاؤں اور ریاضت کی
چادر کو لمحہ بھر میں ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔" شہلا نواز کا لہجہ بے حد دھیما ہو گیا تھا۔

"زنیرہ! میں نے بھی کبھی نہیں چاہا کہ میری جھولی میں ہمدردی کے سکے لوگ ڈالیں۔ یقین
جانو یہ سکے ہمارے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ بیکار' آؤٹ آف ڈیٹ! جس سے دل کا جڑنا تو کجا
دل بہل بھی نہیں سکتا۔" اس نے بکس سنگھار میز کی نچلی دراز میں رکھ دیا اور الماری سے اپنا
سوٹ نکال کر ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"کیا تمہیں ان سکوں کی ضرورت رہتی ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" اس کا چہرہ تن گیا اور رخساروں پر سرخی جھلک آئی "ہمارے مسائل ہمارے
اپنے ہیں۔ کسی کی ہمدردیوں سے کب سلجھ سکتے ہیں اور پھر دوسروں سے ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے
تو خود کو کھولنا پڑتا ہے' نئے سرے سے اسی درد سے گزرنا پڑتا ہے جسے بھلانے کی کوشش کر رہے
ہوتے ہیں۔ لوگوں کی ہمدردیاں دراصل ان کے پیچھے چھپا تجسس ہوتا ہے..... جو ہمدردی کے
عوض تسکین پانا چاہتا ہے۔"

"ہاں زینی' ٹھیک کہتی ہو تم۔ تمہیں پتا ہے شمشاد بیگم سے میری نفرت کی وجہ کیا ہے' وہی
دوسروں کے معاملے میں ان کا تجسس' آخر وہ ہوتی کون ہے میری ماضی کی پڑتال کرنے والی' میری

ٹوہ میں رہنے والی' میں جو بھی ہوں' جیسی بھی ہوں اس سے ان کو کیا سروکار؟ نفرت ہے مجھے لوگوں سے۔ جنہیں ہم سے زیادہ ہمارے ماضی سے دلچسپی ہوتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں پانی چمکا تھا جسے جھپک کر اسے اندر اتار کر زنیرہ خان سے چھپا لیا تھا اور پھر باتھ روم میں جا کر ہو گئی۔

اور زنیرہ' شہلا کے اس روپ پر حیران رہ گئی۔ اس کے لہجے میں کھولتے ایک انجانے محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"آج تو تمہارا سارا دن گھر میں پڑے رہنے کا ارادہ لگتا ہے۔" وہ میرون رنگ کے ریشمی سوٹ کو زیب تن کر کے باہر نکلی۔ سفید دھاگوں اور شیشوں کا کام گلے اور آستین پر بہت صورت لگ رہا تھا اور شہلا کے چہرے پر بھی گزشتہ لمحوں کے دکھ کا شائبہ تک نہ تھا۔ کاش بھی شہلا کی طرح بن سکتی۔ ہر سوچ کو لمحے بھر میں ہی جھٹک دینے والی۔ ہر نظر آتی خوشی کو لینے والی۔

"کچھ کاپیاں بچوں کی چیک کرنی ہیں۔"

"مگر پہلے کمرے کی حالت ذرا سدھار لینا۔ تمہارے آنے کے بعد سے تو میں بالکل ہی ہو کر رہ گئی ہوں۔ ہل کر پانی بھی پیا نہیں جاتا۔ یونہی صبح سارا کام کرنے کا دعویٰ کر بیٹھی۔"

چلو اتنا تو اعتراف کیا شہلا نے اس کی خدمتوں کا۔ وہ بیڈ سے اتر کر سلیپر پاؤں میں ڈال رہی تھی کہ داخلی دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہو سکتا ہے اس وقت؟" اس سے پہلے شہلا آگے بڑھی "شمشاد بیگم نہ ہوں۔ وقت کی راگنی تو انہی کی بج سکتی ہے۔" شمشاد بیگم کے خیال سے ڈھیر ساری کراہت شہلا کی آواز میں گھل گئی۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ اندر کی طرف کھول دیا۔

شمشاد بیگم کی بجائے غالب کو دیکھ کر زنیرہ علی خان کے پیروں تلے زمین کھسکتی چلی گئی۔ شہلا کے قد کے اوپر سے اس کا اونچا لمبا وجود واضح دکھائی دے رہا تھا۔

"جی فرمائیے؟" شہلا نے تعجب کے ساتھ اس اجنبی کو دیکھا اور اپنے حافظے پر زور دیا۔ چہرہ اس کے آشنا میں تو کسی کا نہیں۔

"ابھی فرمائیں گے' پہلے اندر تو آنے دیجیے۔" وہ ہولے سے مسکرایا اور دم سادھے کھڑی زنیرہ خان کے دل کی بکھرتی حالت سے بے خبر بولا۔

"کیا مہمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے آپ کے یہاں؟ یعنی کھڑے کھڑے رخصت کا پروگرام۔۔۔"

"ارے واہ آپ مہمان کب سے ہو گئے۔ نہ جان نہ پہچان میں تیرا مہمان۔ یہی بات ہو گئی یہ تو۔" شہلا نے پیشانی پر آڑے ترچھے بل ڈال کر اس خوب صورت لڑکے کو دیکھا جو کم از کم اس کے لیے قطعی اجنبی تھا۔

"جی نہیں' یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں اجنبی بالکل نہیں ہوں۔ ہاں آپ کا نہ سہی ان کا مہمان ضرور ہوں۔" اس نے سامنے اشارہ کیا اور ہنس دیا "اب اگر آپ کی حیرت پریشانی ختم ہو گئی ہو تو راستہ دیجیے مجھے تاکہ میں ان سے دو' دو ہاتھ کر سکوں۔"

شہلا کی نگاہ بے اختیار پلٹ کر اس پر اٹھی تھی اور اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھ کر ہلکی سی سیٹی بجا کر ہنس دی۔

"لیجیے اب ہمیں تو کیا ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ ان محترمہ نے بھی ایسی چیزیں پال رکھی ہیں۔" وہ ایک طرف ہو گئی تاکہ غالب اندر آسکے اور وہ اس جملے کی کاٹ کو کسی تیز چھری کی ضرب کی طرح اپنے دل پر محسوس کر کے رہ گئی۔

اب خود کو بدقت سنبھالنا بھی تھا۔ لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجا کر اسے ویلکم کہنے کی فارملٹی بھی نبھانی تھی۔

"پلیز تشریف رکھیے آپ' بھئی زنی۔ تم تو ہوش و حواس ہی کھو رہی ہو۔ اپنے مہمان کو بیٹھنے تک کو نہیں کہہ رہیں۔ وہ شاعر نے شاید اسی نازک موقع کے لیے تاکید کی تھی کہ۔۔۔

یک بیک سامنے آ نہ جانا
رک نہ جائے کہیں دل کی دھڑکن"

اس نے ڈریسنگ کی کرسی کھینچ کر غالب کو پیش کی اور ہنستے ہوئے زنیرہ خان کے سرخ چہرے کو دیکھا۔

"دکھانا ذرا نبض' کہیں سچ مچ دھڑکن تو۔۔۔"

"پلیز شہلا۔" اس نے شہلا کا ہاتھ جھٹک دیا حقیقت میں وہ شہلا کے ان جملوں پر سنبھل کر بھی نہ سنبھل پا رہی تھی۔

"آ۔۔۔ آپ پلیز بیٹھیے اور سب شاہ پیلس میں خیریت ہے؟" اس نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے جلدی سے شاہ پیلس کا حوالہ دیا۔ ایک تو بالکل غیر متوقع طور پر غالب کو یہاں دیکھ کر اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے اوپر سے شہلا کی موجودگی اور کمرے کی ابتر حالت آج صبح ہی صبح شہلا نے خود ڈسٹنگ کا ارادہ کیا تھا اور اسے بھی کہہ دیا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے سارا کام میں کروں گی مگر شام ہونے کو آئی تھی اور کام سارے یونہی پڑے تھے بلکہ الٹا شہلا

نے نہا کر اپنے میلے کپڑوں کی گٹھری بنا کر باتھ روم کے باہر ہی ڈال دیے تھے۔ گیلا تولیہ بیڈ پر
دیا تھا اور سامنے ہی کھلے کچن کی دگرگوں حالت تو صاف دعوت نظارہ دے کر اس گھر کے
کے پھوہڑ ہونے کی سند دے رہی تھی اور اس پر خود وہ بھی کل کے سلوٹ زدہ لان کے سوٹ
ملبوس تھی۔ رات کی چوٹی ڈھیلی پڑی تھی جس سے لٹیں نکل کر گردن پر پڑی تھی کچھ چہرے
جھول رہی تھیں۔ مارے شرمندگی اور خفت کے اس کی قوت گویائی بھی ساتھ چھوڑ رہی تھی۔

"وہاں تو سب خیریت سے ہے مگر آپ کی خیریت سب کو مطلوب ہے۔" غالب کی نگاہیں
سری طور پر کمرے کا جائزہ لے کر اس کے چہرے پر جم گئیں۔

شہلا ایک طرف کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی تھی اور بڑے معنی خیز تبسم اور پوری
سے ان دونوں کو نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ ایک مرد نے وہ بھی ٹھیک ٹھاک پر
کا زنیرہ خان کا مہمان بن کر اس گھر میں قدم رکھا تھا۔ اس کی ساری حسیات کیسے بیدار
ہو جاتیں۔

"آپ تین دن سے آ نہیں رہی تھیں بھابی بہت فکرمند ہیں کہ خدانخواستہ آپ بیمار
نہیں ہو گئیں۔"

"ارے نہیں' وہ تو بس ذرا موسم کا اثر تھا۔ ہلکی حرارت سی ہو گئی تھی۔" اس نے جھینپ
آہستگی سے کہا۔

"ارے کمال ہے تمہاری طبیعت خراب تھی پتا ہی نہیں چلا۔ میں تو سمجھ رہی تھی تم
پیلس کو خیرباد کہہ کر آئی ہو۔" شہلا نے کہا تو وہ اس کی کمینگی پر اندر ہی اندر جھلس کر رہ گئی۔

غالب نے چونک کر پہلے شہلا کو پھر اسے دیکھا۔

"آپ اطلاع تو دیتیں۔ کم از کم بھابی اور نیلی خیریت پوچھنے آجاتیں۔" اس کے لہجے
نرمی اور تشویش تھی۔ جو شہلا کی مسکراہٹ کو گہرا کر گئی اور زنیرہ کو خود میں سمٹنے پر مجبور کر گئی

"ارے نہیں۔ اب ایسی بھی خدانخواستہ حالت نہیں تھی۔ مجھے تو خود افسوس ہو رہا ہے
مانی اور شیری کا اتنا نقصان ہو گیا۔"

"ارے کہاں۔ مانی کی فکر کسے ہے۔ وہ تو آپ کے لیے فکرمند تھیں شاید عادی ہو گئی
آپ کی۔"

"وہ... سب کون ہیں جن کے کندھے پر آپ مسلسل بندوق رکھ کر چلا رہے ہیں؟" شہلا
اس برجستہ بے باک جملے نے غالب کو لمحہ بھر متحیر کر دیا' جبکہ زنیرہ کی روح تک بلبلا کر رہ گئی۔
کا دل چاہا وہ کس کے ایک بھرپور تھپڑ شہلا کے اس مکروہ منہ پر جڑ دے۔

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟" غالب کا چہرہ سپاٹ تھا۔ پتا نہیں حقیقت وہ سمجھ ہی نہ سکا تھا
یا کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔

"شہلا پلیز چائے بنا دو۔" اس نے جلدی سے شہلا کو جواباً کچھ بولنے سے جیسے روک دیا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" وہ خوش دلی سے سرہلا کر بولی "مگر صرف چائے' میرا مطلب ہے اتنے
خاص مہمان کی صرف چائے سے تواضع کرو گی۔"

"ارے نہیں پلیز' چائے وائے' کچھ بھی نہیں' میں دراصل بہت جلدی میں ہوں اور صرف
میں زنیرہ کو لینے آیا ہوں۔" وہ کرسی سے اٹھ گیا تھا "اس میں اتنا حیران ہونے کی کون سی بات
ہے؟" وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر ہلکے سے ہنس دیا۔

"م... مگر..."

"بھائی کا حکم ہے کہ اسے احترام کے ساتھ ہماری عدالت میں پیش کیا جائے تاکہ ان کے
یوں اچانک گوشہ نشین ہو جانے کا جواز معلوم کیا جا سکے اگر وہ بیمار ہیں تو انہیں خدمت کا موقع
کیوں نہ دیا گیا اور اگر خفا ہیں تو کس بات پر؟" اس نے اپنے مخصوص پُرمزاح انداز میں کہا تو
وجود کوشش کے وہ مسکرا بھی نہ سکی۔ اب تو شاہ پیلس جانے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی مگر
ری کوئی انکار کا بہانا بھی نہ مل سکا وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"چلیے پلیز۔ میرے خیال سے آپ تیاری میں زیادہ وقت نہیں لیں گی۔" اس نے رسٹ
چ پر نگاہ ڈال کر اسے دیکھا۔

"م... مگر میں تو..."

"میں کل خود آجاؤں گی۔" وہ بے چینی سے کھڑی ہو گئی۔

"کل کس نے دیکھی ہے' چلی جاؤ بھئی۔ نخرہ بھی کوئی ایک حد تک اٹھاتا ہے اور ہمارے تو
تنے بھی کسی نے نہیں اٹھائے تھے۔ شاید طریقے ہی نہیں آئے تھے مجھے ایسے۔" یہ شہلا کمینگی
اساری حدیں پھلانگ رہی تھی وہ کڑھ کر رہ گئی۔

اور ادھر غالب غیر محسوس طریقے سے سنبھل گیا تھا۔ چہرے پر یک بیک سنجیدگی طاری
ئی۔ کئی ایک سوال ذہن کی سطح سے ابھرے تھے مگر اس نے کسی قسم کی کرید سے گریز کرتے
ئے اسے چلنے پر اصرار کیا۔ کچھ اس کا اصرار اور کچھ شہلا کے جملے نے حالات ایسے پیدا
سیے تھے کہ وہ مزید انکار نہ کر سکی اور خاموشی سے پلٹ کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

اس نے تیاری میں زیادہ وقت نہیں لیا اور جب اپنا شولڈر بیگ کندھے پر ڈالا تو۔ شہلا اس
قریب آگئی۔ وہ خود بھی کہیں جانے کی لیے تقریباً تیار رہی تھی۔

"بندہ اچھا ہے۔"

"یہ سدرہ بھائی کا دیور ہے' مانی کا چچا۔" اس نے نارمل رہتے ہوئے محض تعارف کے انداز میں کہا تو شہلا کی قل قل ہنسی پھیل گئی۔

"مائی ڈیئر' ہر شخص ہی کسی کا چچا' ماموں اور بھائی ہوتا ہے۔ ویسے بڑا نامکمل تعارف

"شہلا۔"

"کمال بھی دو عدد بچوں کا ماموں ہے۔" وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر رہ گئی۔ یہ موقع شہلا سے الجھنے کا ہرگز نہیں تھا۔ اس نے ایک نظر غالب پر ڈالی وہ ان بے نیاز داخلی دروازے پر کھڑا باہر مگر نہ جانے کسے تک رہا تھا۔ وہ آہستگی سے اس کی گئی۔

"ارے آپ نے تو بڑی جلدی دکھائی میرے خیال سے تو عورتوں کو تیار ہونے ہیں۔"

"چلیں پھر تو آپ فائدے میں رہیں گے کہ اس میں حسن کی خوبی کے علاوہ ہے۔" شہلا بھی ان دونوں کے ہمراہ باہر نکل آئی تھی۔

غالب کی مسکراہٹ یک دم ہی چہرے سے غائب ہوگئی۔ اس نے تیز نظروں سے جملے پھینکنے والی اس لڑکی کو دیکھا اور پھر زنیرہ خان کی طرف پلٹا مگر وہ تیزی سے سیڑھیاں تھی۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے خود کو سخت ذہنی اذیت میں محسوس کیا۔

"آئی ایم سوری' مجھے اس طرح آپ کے گھر نہیں آنا چاہیے تھا۔" اگنیشن میں ہوئے غالب نے ویو مرر میں اس کا سرخ چہرہ دیکھا اور ندامت سے بولا مگر وہ چپ رہی۔

"مسٹر غالب! آپ کو زحمت تو ہوگی بلکہ ناگواری بھی محسوس ہوگی شاید' مگر کیا کیا میں مکمل تیار ہوں اگر آپ مجھے بس کی زحمت اور رکشے کے خرچے سے بچالیں تو سرعت سے سیڑھیاں اتر کر اس کی گاڑی تک آئی تھی اور فرنٹ ڈور کھول کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"مجھے یقین ہے آپ "وائے ناٹ" ہی کہیں گے آخر آپ جیسا پولائٹ بندہ اخلاق اسباق سے عاری تو بالکل نہیں ہو سکتا۔ کیا خیال ہے؟" اس نے دروازہ بند کر کے اس پر ایک اطمینان بھری نظر ڈالی۔

"ٹھیک کہا' مگر کبھی کبھی ان اسباق کو بھلا دینے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔ اپنی

پولائٹ کا لیبل مجھ پر چسپاں کر ہی دیا ہے تو میں انکار کرنے سے رہا۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ حقیقتاً یہ لڑکی غالب کو اپنی سمجھ سے بالاتر لگی تھی۔ وہ اس کے بے باک جملوں بھرا کر رہ گیا تھا۔

وہ نا سمجھ یا سادہ لوح ہرگز نہیں تھا کہ اس کے جملوں پر زنیرہ خان کے چہرے پر آئے رنگوں کو محسوس نہ کر سکے یا اس کے جملوں کی گہرائی کو نہ ناپ سکے۔

"راستہ بتائیں گی۔" گاڑی کو شفاف سڑک پر لاتے ہوئے اس نے اعتماد سے بیٹھی شہلا کو مخاطب کیا۔

"آپ کو زحمت تو ہوگی چونکہ آپ کا جو راستہ ہے وہ میرا نہیں ہے۔ اس لیے آپ کو میری منزل تک آنے کے لیے تھوڑا سا راستہ بدلنا ہوگا۔"

"چلئے کوئی بات نہیں' یہ تو عارضی زحمت ہوگی نا اور پھر مجھے کون سا آپ کی منزل پر ہی ٹھہر جانا ہے۔" اس نے بھی اسی سادگی اور بے نیازی کا مظاہرہ کیا تھا کہ شہلا لمحہ بھر کو خفیف سی ہو کر چپ ہوگئی جبکہ زنیرہ کے رگ و پے میں عجیب سی وحشت سرائیت کر رہی تھی۔

"خاصے دلچسپ ہیں آپ!"

"شکریہ۔" اسی کے بتائے ہوئے راستے پر گاڑی ڈالتے ہوئے اس نے مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی۔

"مسٹر غالب! گو کہ بہت سی برائیاں ہوں گی مجھ میں بھی مگر کوّے جیسی خصلت ہرگز نہیں ہے کہ دکھ بھریں بی فاختہ کوّے انڈے کھائیں۔" اس کی بتائی ہوئی جگہ پر غالب نے گاڑی روکی وہ اترتے ہوئے بولی اور پھر زنیرہ پر ایک نگاہ ڈالی۔

"اوکے زنی۔ میرے خیال سے اب رات ہی کو ملاقات ہوگی۔" وہ سنبھل کر نیچے اتر گئی۔

"بات سنئے مس۔" غالب اسے روکتے ہوئے بولا۔

"شہلا۔"

"جی مس شہلا۔ غلط فہمی ایک خود رو پودا ہوتا ہے اگر اسے اگتے ہی کاٹ نہ دیا جائے تو وہ درخت بن کر اپنے اطراف اوروں کو بھی زخمی کر دیتا ہے۔" غالب کا لہجہ سنجیدگی سے پر تھا۔ شہلا نواز چند ثانیے اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی پھر آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

"میرے خیال سے آپ خاصی سمجھ دار ہیں۔ ضروری نہیں جو آنکھ دیکھ رہی ہو اور دل محسوس کر رہا ہو ویسا ہی ہو۔ وہی سچ ہو اور حقیقت ہو۔ بسا اوقات حقیقت کے پردے پر ایک دھند سی آجاتی ہے جس کے پار صرف بے ریا اور حساس آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے' عام آنکھ نہیں۔" اس

نے شہلا نواز کے پھیکے پڑتے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ
"مجھے تو حیرت ہو رہی ہے آپ پر کہ اس لڑکی کے ساتھ آپ کیسے رہ لیتی ہیں
آپ کا۔" وہ جتنی اسپیڈ سے گاڑی دوڑا رہا تھا اس سے اس کی ذہنی حالت کا خو
تھا۔

"شہلا دل کی بہت اچھی ہے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دفاع کرنے پر مجبو
"مگر زبان ہی اظہار کا ذریعہ ہے۔ دل کون چیر پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ سوائے ڈاک
کے آخری جملے پر وہ امڈنے والی مسکراہٹ کو نہ روک سکی۔

گاڑی جیسے ہی شاہ پیلس کے ماربل کے شفاف چمکتے فرش پر رکی تو اس کا دل د
اتھاہ میں ڈوبنے لگا جبکہ غالب اپنے دونوں ہاتھ سے سر کو تھام کر ایک گہری سانس۔

"میرے تو دماغ کی چولیں تک ہل گئی ہیں۔ میں تو پھر بھی کہوں گا آپ واقعی دل
ہیں جو مس شہلا کو برداشت کر رہی ہیں۔"

وہ خاموشی سے نیچے اتر آئی۔

"ارے آپ شاید برا مان گئی ہیں۔" غالب اتر کر اس کی طرف آیا۔

"سوری۔ میں شاید زیادہ ہی سخت جملے بول گیا آپ کی سسٹر کے خلاف۔۔"

وہ اس کی مسلسل خاموشی پر خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

"ہر شخص اپنی رائے کے معاملے میں آزاد ہوتا ہے۔ ہر شخص کی رائے اپ
مطابق ہوتی ہے۔" اس نے آگے آئے بالوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے چادر کا ک
تک کھینچ لیا اور قدم اٹھاتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

نیلی اسے راستے میں ہی مل گئی وہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

"آخاہ... تو آخر غالب آپ کو پکڑ ہی لایا' بھئی مان گئے۔" اس نے پیچھے آتے غال
اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لیے لان کی طرف آگئی۔ جہاں سب شام کی چائے
اٹھا رہے تھے۔

کوئی پیغام' نہ دعا کوئی
اس قدر ہم سے ہے خفا کوئی

سدرہ بھابی اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اس سے لپٹ گئیں اور پذیرائی کے اس اندا
سی ہو کر رہ گئی۔

"کوئی خفا وفا نہیں تھی۔"

"بھابی نے اس کا چہرہ ٹٹولا تو وہ نظریں کترا گئی۔

"آؤ زنیرہ بیٹی۔" تائی ماں نے اسے دیکھ کر محبت سے اپنے قریب رکھی کرسی کی طرف
لیا تو وہ ان کے قریب چلی آئی۔

لیے سامنے بیٹھے شخص نے اپنے آگے پھیلے اخبار کو ذرا سا ہٹایا تو ایک اذیت کے عالم
اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

سامنے ہی تھا۔

سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس۔ نفیس انداز میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے پیروں میں سلیپر پہنے اور
آنکھوں میں ہلکورے لیتا استعجاب۔

ایک چمک۔

ایک لپک۔

بغیر سانس لیے سن سی کھڑی رہ گئی۔

٭٭٭

ایک لمحے کو اسے اپنی سانس سینے میں اٹکتی محسوس ہوئی۔ نفرت' کرب اور انتقام کے
نے بیک وقت اس پر حملہ کر دیا مگر اتنے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں ان چند بھاری
کو وہ جلدی قابو میں کر کے مجبوراً تائی ماں کے قریب خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ب کی نظریں اسی پر مرکوز تھیں۔

مگر اتنی بہت سی نظروں میں ایک نظر کی تپش لہو میں آتش فشاں کو جنم دے رہی تھی۔ اسے
ج پہلی بار احساس ہوا کہ وہ خود پر جبر کرنے میں بھی کمال رکھتی ہے۔

اور وہ اس کی ذہنی حالت سے بے خبر۔ اب بھی پارسا' مہذب اور اجنبیت کے احساس کے
اور ایک اعتماد سے اپنی کرسی پر جم کر بیٹھا ہوا تھا اور یہ بھی سچ تھا کہ اس کی یہی بے نیازی اور بے
گی اسے بھی دھیرے دھیرے اعتماد بخش رہی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے جرم سے بے اعتنائی
یہ انتہا اسے نئے سرے سے اسی دکھ سے دوچار کر گئی تھی۔ ہاں یہ کب ضروری ہے کہ ہم
ل درد سے گزر رہے ہوں مقابل اس کی ہلکی سی تپش بھی محسوس کر رہا ہو۔ یہ دکھ کا احساس دکھ
نے والے کو ہی ہوتا ہے' دینے والے کو نہیں۔

"خیریت تو تھی' سدرہ بھی بہت پریشان تھی۔ کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ تمہاری طبیعت تو
یک تھی؟" تائی ماں کے لہجے میں شفقت کے ساتھ خلوص کی فراوانی تھی۔ وہ کچھ خفیف سی
گی۔ فوری طور پر کوئی جواب ہی نہ بن پڑا۔

"یہ تو آج بھی نہ آنے پر کمربستہ تھی۔ یوں سمجھئے میں ہی زبردستی کھینچ لایا ہوں
ایک کرسی سنبھال کر بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ گھبرائی کہ وہ سارا احوال ہی نہ سنا ڈالے۔
"بھابی نے مجھے چیلنج کیا تھا کہ وہ ناراض ہو کر گئی ہے اور اب آئے گی نہیں
نہیں آئے گی۔ دیکھ لیں کیسے لے آیا میں۔ غالب چیلنج کرے اور کامیاب نہ ہو۔
ہے۔"

"کیا ڈرا دیا تھا؟" نیلی ہنسی۔
"کوئی خاص نہیں بس اتنا ہی کہا تھا کہ نیلی فوت ہونے والی ہے۔ آپ کے آ
خواہش مند ہے۔ اس ناچیز کی آخری خواہش پوری کر دیجئے۔ اس کے بعد تو چین ہی
وہ فوراً چلی آئیں۔"
"ہائے اللہ! میں کیوں فوت ہونے لگی۔" یہ مذاق نیلی کے دل پر آری بن کر چلا
برا مان گئی۔
"جی ہاں۔ ابھی یہ خوشی ہمارے نصیب میں کہاں؟" اس نے ایک گہری سرد
"ابھی میاں عمیر ولد شرجیل آفندی کو بڑے خوفناک دنوں سے گزرتے ہوئے دیکھنا
دل پر ہاتھ رکھے یہ بولتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

کیوں گردش ایام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں"

نیلی نے اس کی اس ساری بکواس پر چائے کا خالی مگ اٹھالیا تھا اور اس پر
کمربستہ ہو گئی تھی۔ بھابی نے بمشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے وہ
مگ لے لیا۔ یہ بھی شکر تھا تائی ماں منجھلی چچی سے باتوں میں مصروف تھیں ورنہ محفل
کا میدان بنتے دیکھ کر بری طرح تپ اٹھتیں۔
"سخت نامعقول ہو غالب تم۔" بھابی نے اسے گھورا "زنیرہ اس بدتمیز نے تمہیں
"ارے نہیں۔" زنیرہ اس نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔ بے ساختہ
اس کے چہرے کے آگے پھیلے اخبار نے اسے تقویت دی تھی اور اس پر خود کو سنبھا
بھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔
"دراصل مجھے خود بھی مانی کا خیال آگیا تھا۔ مانی ہے کہاں نظر نہیں آرہا؟" بھا
بغور دیکھا پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولیں۔
"میں مانی کی وجہ سے فکرمند نہیں تھی بلکہ مجھے خیال سا تھا کہ شاید تم یہاں سے

آہستگی سے کہہ رہی تھیں مگر شاہ دل کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔
بھابی قدرے
اس کی نظریں بظاہر ایوننگ نیوز پیپر کی شہ سرخیوں پر جمی تھیں مگر دھیان کی رو اسی طرف
رہی تھی۔
"اس روز تم یوں اچانک بھاگ گئی تھیں شاید میرا اس طرح زبردستی کھینچ کر کمرے تک لانا
برا لگا تھا ہے ناں۔" انہوں نے اس کا ہاتھ دبا کر اس کی طرف غور سے دیکھا تو لمحہ بھر تو وہ
بول ہی نہ پائی۔
"میں واقعی شرمندہ ہوں اس حرکت پر کہ..."
"ارے نہیں۔ بھلا آپ نے ایسا کیسے سوچ لیا۔" وہ پھیکی سی زبردستی کی مسکراہٹ کے
جلدی سے بولی۔
"دراصل اس وقت اچانک میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔"
"کیا یہی سچ ہے؟" بھابی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"بالکل۔" اس نے بھی اطمینان کا ٹھیک ٹھاک مظاہرہ کیا۔ پتا نہیں یہ زندگی اب اس سے
جھوٹ بولنے پر مجبور کرے گی۔ کتنی عجیب بات تھی اس نے شاہ پیلس سے ناتا توڑنے کا پکا
کر لیا تھا اور آج بھی یہاں تک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اپنے اسی فیصلے کو مضبوط کرتی آئی
مگر ان سب کے درمیان آکر اسے اپنا یہ ارادہ بھربھری مٹی کی دیوار کی مانند ڈھیر ہوتا محسوس

محض ایک شخص کے خوف اور نفرت کے مقابل آتی محبتیں میسر آگئی تھیں کہ ان سب سے
دم کنارہ کر کے پھر سے تنہا ہو جانے کا حوصلہ خود میں نہیں پا رہی تھی۔
تائی ماں خنکی کے بڑھ جانے پر اپنے پیروں کے درد کے باعث اٹھ کر اندر چلی گئی تھیں۔ ان
ساتھ منجھلی چچی بھی اٹھ گئی تھیں۔ نیلی اور فارحہ رات کے کھانے کی تیاری کے سلسلے میں
چچی کے ساتھ ہی گئی تھیں۔
جاتے جاتے نیلی، زنیرہ علی خان اور سدرہ بھابی کو بھی اندر آنے کو کہہ گئی تھی مگر وہ دونوں
بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔
غالب لان میں چت لیٹا مانی سے دھینگا مشتی میں مصروف تھا جو ثاقب بھائی کے ساتھ ابھی
ا۔ ان دونوں کی نظریں بھی بظاہر غالب اور مانی پر ہی مرکوز تھیں مگر دھیان دونوں کا مختلف
کی طرف تھا۔
بھابی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ جانے کیوں انہیں زنیرہ کی خوب صورت آنکھوں

کے پار ایک اداسی ڈیرہ جمائے محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہنستی بھی تو اس خوب صورت ہنسی میں کبھی کبھی انہیں خالی پن کا احساس ہوتا۔ وہ غیر محسوس طور پر اس کی کھوج میں لاشعوری طور پر انہیں اس کی زندگی سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ وہ اس کی زندگی کی کتاب کو پڑھنا چاہتی تھیں۔ کبھی کبھی بلکہ عموماً وہ اپنی ان سوچوں پر خود ہی شرمسار ہو جاتی تھیں ہنس دیتی تھیں۔ اپنی اس آشفتگی پر کہ محض یہ ان کا خیال ہی نہ ہو اور زنیرہ علی خان کی زندگی سادہ ہی ہو۔ وہی عام لڑکیوں کی طرح جن کے اجتماعی دکھ اور اجتماعی مسائل۔ جن میں تقریباً ہر گھر ہی ہوتا ہے۔

"زنیرہ!" بھابی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پکارا تو وہ چونکی جیسے بیٹھے بیٹھے گہری پہنچی ہو۔ اس نے ہوا سے اڑتا ہوا دوپٹہ ہاتھ میں تھام کر دوبارہ شانے پر ڈالا۔ تیز ہوا سے بوگن ویلیا کے پھول ان کے آگے بکھر رہے تھے۔ کئی اس کے بالوں میں اٹکے جنہیں بھابی چن رہی تھیں۔

"دیکھو تم پر پھول خود نچھاور ہو رہے ہیں۔" ان کے لہجے میں شرارت تھی۔

"خود کہاں بھابی یہ تو ہوا زبردستی انہیں شاخوں سے جدا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ ہوا کو اس کھیل میں کیا لطف آتا ہے۔ کسی کو بے قرار کرنے اور اجاڑنے میں۔" لہجے میں آمیزش اتنی شدید تھی کہ بھابی اس کا چہرہ دیکھنے لگیں مگر وہ تو جیسے کسی دکھ کی اتھاہ میں تھی اس نے تو شاہ دل خان کو بھی اپنی جگہ پہلو بدلتے اخبار ہٹا کر اسے خود پر نظر ڈالتے دیکھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا بہار آنے سے پہلے خزاں کا آنا کیوں ضروری ہے؟"

"تاکہ بہار کا حسن محسوس کیا جاسکے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس گفتگو کا حصہ بنی رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگی پھر پلکوں کی باڑھ جھکا کر تلخی سے مسکرادی۔

"مگر ضروری تو نہیں کہ ہر ٹہنی پر بہار آسکے۔ کچھ خزاں کے کھیل سے تباہ حال عمر بھر بنجر اور خزاں رسیدہ رہ جاتی ہیں۔"

وہ نفرت کی رو میں پھر سے بہنے لگی۔

سارے زخموں کا منہ اس کے ایک جملے نے کھول کر رکھ دیا تھا۔

"مگر، خیر ہوا کو اس سے کیا کہ اس کھیل میں اس کے ہاتھوں کون پامال ہوا ہے؟"

وہ اس کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی پڑھ رہا تھا اور جو کچھ اس کے لیے اس کی نگاہوں میں تھا وہ شاہ دل خان کی رگ رگ کو چھیدتا گزر گیا۔

بس ایک نظر کا وار تھا اور اسے لگا جیسے اس کی گزشتہ اعتماد کی چادر کا ایک ایک ٹانکا ادھڑ گیا ہو۔ اس کے وقار کا وہ محل دھڑام سے اس کے اپنے ہی قدموں میں گر گیا ہو۔

وہ بس ایک نظر اٹھا کر پلٹ گئی تھی مگر وہ احساسِ جرم کی پاتال میں اتر کر باوجود چاہنے کے یہاں سے اٹھ بھی نہ سکا۔

○☆○

تمہیں کس نے کہا تھا
ایک انجانے سفر میں
اجنبی راہرو کے ہمراہ دور تک جاؤ
اور اتنی دور تک
کہ وہ رستہ بدل جائے

اتنی تھکن تو شاید کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ آج تو جیسے پیر بھی جسم کے بوجھ کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

تارکول کی سڑک پر رواں دواں گاڑیوں کے کھیل تکتے تکتے وہ ایک بڑی شاپ کے باہر اونچی سطح پر بیٹھ گئی۔ یوں جیسے پیروں نے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا ہو۔ اسے آس پاس گزرتے لوگوں کی نگاہوں کا بھی خیال نہیں ستا رہا تھا۔ یکایک ہی اسے اپنے سامنے کی ہر شے دھندلی دکھائی دینے لگی تھی۔ سب کچھ جیسے پانیوں میں چکر کھا رہا تھا۔ وہ اچانک ہی بچوں کی طرح لبالب بھری آنکھوں پر ہاتھ دھر کر رو دی۔

"میڈم آر یو آل رائٹ؟" کسی نے جھک کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ ایک خوش شکل اور شاید نیا نویلا جوڑا تھا جو یقیناً اپنی پہلی شاپنگ پر آیا ہوگا۔ لڑکی کا لہجہ شائستہ تھا۔

وہ مسکرادی۔

"آئی ایم آل رائٹ!" اس نے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو چھپانے کی کوئی کوشش نہ کی۔

"یس آئی ایم آل رائٹ!" وہ اپنی گود سے اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر کھڑی ہوگئی اور آگے بڑھ گئی۔ اس بات سے بے نیاز کہ وہ جوڑا حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

حیران تو اسے آج کمال احمد نے کیا تھا۔ جیسے سخت پتھریلی زمین پر اٹھا کر پٹخ دیا ہو۔ اس نے آج کمال احمد کو نہیں اپنی قسمت کو بدلتے، ٹوٹتے اور بکھرتے دیکھا تھا۔ وہ آج اس کے کہنے پر

یہاں آئی تھی۔ یہ کوئی نامانوس جگہ نہ تھی بلکہ ہزار بار وہ دونوں ان جگہوں پر آئے تھے اور
بھی ٹہل ٹہل کر وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جہاں کبھی کمال احمد اس کا منتظر رہتا تھا اور
آنے پر بے تاب ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر دیر سے آنے پر خفگی کا اظہار کرتا اور پھر اس کے
پر من بھی جاتا تھا۔ کبھی کبھی اسے کمال احمد دنیا کا معصوم ترین انسان محسوس ہوتا تھا۔ بچوں
طرح جھٹ بہل جانے والا۔

وہ چلتے چلتے آڈیو شاپ پر ٹھہر گئی اس سے آگے چلا ہی نہیں جا رہا تھا۔ خود کو سنبھالنے
بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

وہ اپنے وعدے کے مطابق آیا تھا اسی جگہ... مگر ہوا کی مانند اپنے پہلو میں ایک مجسم بہار
لیے اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا تھا۔ اس کو جتانے والے انداز کہ
کہ...

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اور کمال احمد نے ایک حسین سہارا ڈھونڈ لیا تھا۔ ایک اور آشیانے کو خاکستر کرنے کا
باندھ لیا تھا۔

وہ کتنی دیر خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتی رہی کہ یہ محض اس کی نظروں کا دھوکا ہے
آخر کار خود کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئی کہ ہاں یہ دھوکا ہے بہت بڑا دھوکا جو ایک
پھر محبت کے نام پر اسے دیا تھا۔

سڑک کے دونوں اطراف اونچے کھمبوں کی تیز روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ بڑی چھوٹی
کی روشنیاں بھی جگمگ جگمگ کرنے لگی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ملگجی تاریکی پھر مصنوعی روشنی
سے جگمگا اٹھی تھی۔

"ارے شہلا جی۔ بہت موقع پر آئی ہیں۔ اتفاق دیکھیے آپ کی مطلوبہ ساری کیسٹیں
ہوئی ہیں۔" آڈیو شاپ کا مالک خوشگواری سے کہہ رہا تھا "مگر آج آپ اکیلی ہیں۔ میرا
ہے کہ آپ کے ساتھ وہ... اچھا میں ابھی دکھاتا ہوں آپ کو۔"

اس کی آنکھوں کے ویران دریچوں کو، اس کی سرد خامشی کو شاید وہ بھی محسوس کر چکا
کسی کی پرائیویسی میں مداخلت کے عمل کو برا تصور کر کے اس عمل سے خود کو باز رکھتا ہوا
ریک کے اندر رکھے کیسٹوں کے انبار میں گم ہو گیا اور شہلا نواز اسی منجمد خاموشی سے
گئی۔

وہیں زندگی کے حسین خواب ٹوٹے
میرے ہم سفر تم جہاں ہم سے چھوٹے
ستاروں نے دیکھا، بہاروں نے دیکھا
کبھی ہم ملے تھے نظاروں نے دیکھا
خبر کیا تھی ہم کو کہ وعدے تھے جھوٹے
وہیں زندگی کے حسین خواب ٹوٹے

آئس کریم پارلر ہمیشہ کی طرح ہنستے، کھلکھلاتے انسانوں سے بھرا پڑا تھا اور اس کے بڑے سے
ڈیک پر وہی گانا دھیمی آواز میں بج رہا تھا جس پر کمال احمد ہمیشہ چڑتا تھا۔

"آخر اسے کوئی دوسرا گانا کیوں نہیں ملتا۔" وہ مالک سے الجھنے کی نیت سے اٹھنے کی کوشش
کرتا تو وہ گھبرا کر جلدی سے اسے بٹھا دیتی۔

"ہو سکتا ہے بھئی اس بے چارے کے ساتھ کوئی ٹریجڈی ہو گئی ہو اور وہ خود کو اس پرسوز
گانوں سے بہلا رہا ہو۔"

"کمال ہے ایسا بھی کیا دکھ۔ جو ہم سب کی جان سے چمٹ گیا ہے۔" پسندیدہ آئس کریم فلیور
کھاتے ہوئے کمال احمد نے سخت سنگ دلی سے کہا تھا۔ تب وہ مسکرا دی تھی۔

مگر آج یہ گانا اپنے حسب حال محسوس ہوا تھا۔ رگ رگ میں اذیت دوڑتی محسوس ہونے
لگی۔ آج اس کا دل چاہا وہ خود آج پارلر کے مالک سے الجھ پڑے یا اس کا ڈیک اٹھا کر زمین پر دے
مارے مگر وہ ایسا نہیں کر سکی۔ سوائے اس کے کہ بجائے گلاس ڈور پش کر کے اندر جائے، باہر
لگی میزوں کے گرد کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

ایک شخص کے بدل جانے سے پوری کائنات ہی بدلی بدلی کیوں لگنے لگتی تھی۔

ہاں صرف کمال احمد کا دل ہی تو بدلا تھا، اس کا لہجہ ہی تو بدلا تھا۔ اس کی آنکھیں ہی تو بدلی
تھیں۔

باقی تو سب کچھ ویسا ہی تھا۔
وہی شور
وہی وہ خود
وہی اس کا دل

اس نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر جلتی آنکھیں موند لیں۔

وہ اس کمال سے کھیلا تھا عشق کی بازی
میں اپنی فتح سمجھتا رہا مات ہونے تک

اس نے اپنے آگے رکھے آئس کریم کپ کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ کرسٹل گوبلیٹ میں چاکلیٹ آئس کریم کا رول ہولے ہولے سے پگھل رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ کرکے میز پر پھیلا کر چہرہ اس پر ٹکا کر اپنی ویران آنکھوں سے اس کھیل کو دیکھتی رہی۔ اسے دل بھی اس ٹھنڈے رول کی طرح آہستہ آہستہ پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک ایک نسوانی ہنسی نے اسے چونکا دیا۔ اس نے یونہی سر اٹھا کر دیکھا تو جیسے پلکیں ساکت ہو گئیں۔ دھڑکنا لمحوں کے لیے بھول گیا۔ سنہری باڈر کی سیاہ دلکش چادر کے ہالے میں وہ کھلتا ہوا چہرہ مانوس تھا کہ وہ پوری جان سے کانپ کر رہ گئی۔ گو کہ ان تین سالوں نے اس چہرے میں خاصی تبدیلیاں کر دی تھیں مگر وہ پھر بھی کیسے نہ پہچانتی۔ "مونا" اس کے لب کپکپانے لگے اور آنکھ جھپکے بغیر اس چہرے کو روح میں اتارنے لگیں۔

اس کی پیاری نازک موہنی سی بہن۔

وہ کرسی دھکیل کر اٹھی مگر پھر اچانک ہی کسی نادیدہ طاقت نے اس کا بدن برف کی سل مانند ٹھنڈا اور منجمد کر دیا اسے اپنے اعصاب بھاری بھاری محسوس ہونے لگے۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ ایک خوب رو مرد بھی تھا جو گاڑی لاک کرکے قریب آیا تھا اور وہ زور سے ہنسی تھی۔ ہنسی اور کھلکھلاہٹ تو اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ کلائیوں میں سنہری چوڑیوں کی کھنک بج رہی تھی۔ کانوں میں سنہری بالیاں ناک میں سفید ہیرے کی لونگ۔ گلے میں موٹا سا لاکٹ جھول رہا تھا اور چہرے پر بے حد ہلکا میک اپ۔ وہ تین سال میں ہی کتنی بڑی بڑی سی ہو گئی تھی۔ کتنی بھرپور جوان۔ کتنی حسین اور خاص نظر اور کتنی پر اعتماد۔

اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر اس سے لپٹ جائے اور اتنا روئے' اتنا روئے کہ یہ پورا پارلر کے آنسوؤں میں بہہ جائے مگر وہ باوجود چاہنے کے ایسا نہ کر سکی۔ اپنے گندے وجود سے اس پاک وجود کا رشتہ جوڑ کر اس کی خوشیوں کو ڈس لیتی۔ جانے کتنے غموں اور دکھوں سے گزر کر اس نے خوشیاں پائی ہوں گی۔ وہ کیسے انہیں خاکستر کر دیتی۔

اس نے اس خوش نما مسرور جوڑے کو اس پارلر کی جانب بڑھتے دیکھ کر جلدی سے اپنا رخ دوسری سمت کر لیا۔ سیاہ پٹی والے چپل میں اس کے نازک پیر اعتماد کے ساتھ دھیرے دھیرے اٹھ رہے تھے اور جیسے اس کی روح میں زخم ہی زخم پڑتے جا رہے تھے۔

کتنا فریب تھا۔ وہ ایک ایسا وجود' جو اس کا اپنا خون تھا۔

اس کا اصلی غمگسار۔

مگر وہ چاہتے ہوئے بھی یہ مختصر فاصلہ نہیں سمیٹ سکتی تھی۔ وہ دونوں باہر میز کے گرد بیٹھ گئے تھے اور وہ اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالتی آئس کریم گلاس کے نیچے نوٹ دبا کر کھڑی ہو گئی اور آخری الوداعی نظر اس پیارے، بہت ہی پیارے چہرے پر ڈال کر تشنہ سی پلٹ گئی۔

○☆○

اچانک دھواں دھار برستی بارش نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ لیونگ روم کے بڑے سے دریچے سے باہر بھیگتے ہوئے منظر کو دیکھ کر اسے سخت تشویش لاحق ہو رہی تھی۔

لاہور کی گرمیوں کی مخصوص بارشوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ آج بھی یہ بارش کسی منہ زور گھوڑے کی طرح آن واحد میں حملہ آور ہوئی تھی کہ اب اس کے رکنے کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ یوں تو موسم صبح ہی سے خوشگوار اور قدرے ابر آلود تھا مگر وہ پھر بھی شاہ پیلس چلی آئی تھی۔ مانی کے سیمسٹر کی فکر بھی تھی اور دوسرے شہلا نواز کا رویہ۔

کل رات سے شہلا نواز کے اس بدلے روپ نے اسے وحشت میں مبتلا کر دیا تھا۔ نہ جانے یک لخت اسے کیا ہو گیا تھا جیسے ڈھیر ساری برف چبا ڈالی ہو۔ سرد اور منجمد۔ بس سرد سرد سی آنکھیں ہی حرکت کرتی تھیں۔ کئی بار تو اس کا دل چاہا وہ اسے جھنجوڑ کر رکھ دے مگر اس کی سرد آنکھوں کی بے مہری نے ہر بار اس عمل سے باز رکھا اور وہ اس وحشت میں گھر سے نکل آئی۔

مگر اسے لگا جیسے شاہ پیلس میں بھی ایسی ہی ویران اداسی بکھری پڑی ہے۔

عجیب سے سناٹے کا راج تھا۔

شاید نیلی اور سدرہ بھابی کی غیر موجودگی کا اثر تھا یا پھر اسے صرف ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ سارا سناٹا صرف اس کی روح میں ڈیرا جمائے ہوئے تھا۔ دھواں دھار بارش نے بھی اس کے اندر کسی ہلچل کو جنم نہیں دیا۔ بس ایک تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ واپسی کا سفر کیسے اور کب ہو گا؟

"مس! آج تو شہریار بھی نہیں آیا ہے۔" مانی کی آواز پر وہ دریچے سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ہوں۔ آج بارش جو ہو گئی ہے۔"

"مس! آپ کو بارش اچھی نہیں لگتی۔" مانی کا دل اس بارش پر مچل اٹھا تھا۔ اس کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہیں بہت اچھی لگتی ہے؟"

"جی مس۔ ہم سب نیلی آنٹی کے ساتھ خوب بھیگتے ہیں پھر پاپا ڈانٹ کر اندر لاتے ہیں کو اور شاہ دل چاچو خوب ساری آئس کریم لے کر آتے ہیں۔"

اس کے دل میں کانٹا سا چبھ گیا۔

"مس آپ کو بارش کیسی لگتی ہے؟"

"بہت اچھی لگتی ہے۔" اس کی آواز جیسے ماضی کے پاتال میں ڈوب کر ابھری تھی۔

اسے بھی تو یہ موسم جنون کی حد تک پسند تھا۔ شبانہ اور فرزانہ کے ساتھ پڑوس کے گھر میں جھولوں میں بیٹھ کر خوب جھولنا' احمر کے چھپ کر لائے ہوئے بھنے چنے کھانا۔ عین پائپ کے کھڑے ہو کر دھاروں دھار گرتے پانی میں کھڑے ہو جانا اور ایسے میں اندر سے چچی کی پھٹکار۔

مگر وہ اس موسم کا قطرہ قطرہ جسم و جاں میں اتار کر ہی دم لیتی تھی۔ ہاں کچھ خوشبو لمحات اس کی مٹھی میں بھی چھپے رہ گئے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر خود کو ماضی کے جال سے نکا سر اٹھایا تو دل دھک سے رہ گیا۔ بھاری قدموں کی چاپ اس سے کچھ فاصلے پر ٹھہر گئی تھی۔ نے ایک لمحے گھبرا کر یہاں وہاں دیکھا۔ مانی نہ جانے کب چپکے سے نکل بھاگا تھا یا اسے بھگا تھا۔

وہ شاہ دل خان کی طرف سے رخ موڑ کر سر جھکا کر بکھری کتابوں کو بے مقصد الٹ کرنے لگی۔

"مانی کو بارش بہت پسند ہے۔" وہ کنارے لگے صوفے پر بیٹھ گیا۔

بلیک شلوار سوٹ میں ملبوس صوفے پر اطمینان سے بیٹھا ہوا یہ شخص اپنے اس اطمینان اس کا اطمینان اور سکون درہم برہم کر رہا تھا۔ وہ پھر اسی درد سے سلگنے لگی۔ اس نے کتابوں کو اٹھا کر ریک پر رکھ دیا اور دروازے کی سمت بڑھی تو وہ اسے پکار بیٹھا۔

"زنیرہ خان۔"

اس کے بدن میں خفیف سا ارتعاش ہوا۔ وہ ٹھٹک گئی۔

"کیا میں جو محسوس کر رہا ہوں ایسا ہی ہے کہ آپ کا مجھ سے یہ گریز اس بات کا ثبوت میری خوش فہمی کی وہ دیوار جو میں نے اپنے گرد چن رکھی تھی وہ ڈھے گئی ہے۔" اس کا لہجہ دھیما اور پر شکستہ تھا جیسے کوئی بازی گر جیتی ہوئی بازی ہار گیا ہو۔

"ہوا نے جس ٹہنی کو بے برگ و نوا کیا ہے اس میں قصور وار سراسر میری ذات ہے۔"

اس کی آواز میں اضمحلال کا رنگ تھا اور زنیرہ خان کے پیر اچانک یوں جلنے لگے

ریت کے تپتے ٹیلے پر ننگے پاؤں اور ننگے سر کھڑی کر دی گئی ہو۔ اس کے دل میں ایک ساتھ کئی طوفان اٹھے اور روح کی ویرانی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ وہ پلٹی۔

وہ بھی صوفے سے اٹھ کر اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ فوری طور پر وہ رد عمل کے طور پر اسے صرف سلگتی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔ وہاں بھی سرخ بے خواب آنکھیں تھیں جو شب بیداری کی گواہی دے رہی تھیں۔

"میں جانتا ہوں ٹوٹتے بکھرتے ہوئے بھی خود کو سنبھالے رکھنے کا عمل کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔" وہ چند قدم چل کر اس کے بالکل سامنے رک گیا۔ اس کی آنکھیں اس کے چہرے پر اس طرح مرکوز تھیں جیسے وہ اس کی سوچیں پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے دل میں جھانکنا چاہتا ہو۔ اس لمحے اس کا چہرہ اس کا ترجمان بنا ہوا تھا خود پر سے اسے اختیار جیسے اٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سارے طوفان بند توڑ کر بہہ جانے کو مچل رہے تھے۔ اپنے سامنے کھڑے اس مہذب' حسین اور باوقار نظر آتے مرد کا چہرہ نوچ لینے کو دل چاہ رہا تھا۔

سب کچھ محسوس کرنے کے باوجود اس قدر آسودہ کیوں تھا؟

اگر وہ ماضی کی اس دہکائی ہوئی آگ میں سلگ رہی تھی تو احساسِ جرم نے اسے اجاڑا کیوں نہیں دیا تھا؟

اور ادھر ساری خوش فہمی کسی صحرا کی ریت کی مانند اڑنے لگی تھی۔

زنیرہ علی خان کا اداس چہرہ' ملول آنکھیں اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ نفرت آمیز چبھتی نظر نے اسے اپنے آپ کو چھپانے کے عمل سے روک دیا تھا۔

"یہ سچ ہے پورے دو سال میں اس احساسِ جرم سے نکل نہیں پایا ہوں۔ آپ کو ہر جگہ تلاش کیا تاکہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکوں اور یقین جانیے یہاں آپ کو دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی اور ساتھ شدید ندامت کا احساس بھی ہو رہا ہے۔" وہ تو شاید اس کے چہرے پر سرسری نظر ڈالنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ رخ موڑ کر تلخی سے بولی۔

"میں کیسے یقین کر لوں مسٹر شاہ دل کہ آپ اسی احساس کے ساتھ اب تک زندہ بھی ہیں...." وہ استہزا آمیز تلخی سے ہنسی "آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کے صفائی میں بولے گئے وہ لفظ مجھے اس دکھ سے نکال دیں گے؟ میری زندگی بھر کی اذیت کو سمیٹ لیں گے؟ میں جس کرب سے گزری ہوں اس کا ازالہ کر دیں گے؟ میں نے جس نقصان کو برداشت کیا ہے آپ کبھی اس کا ازالہ تو کیا اس کو محسوس بھی نہیں کر سکیں گے۔" اس کی ہنسی میں اتنا زہر تھا کہ شاہ دل کے اعصاب پر چند لمحوں کے لیے سناٹا سا چھا گیا۔

"دو سال پہلے آپ کے عمل نے مجھے جس دکھ کے پاتال میں پھینکا تھا میری روح اب تک اس دکھ کے اندر.... دفن ہے جسے آپ کا کوئی لفظ تو کیا کوئی عمل بھی وہاں سے نہیں نکال پائے گا۔"

اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کر بھیگی بھیگی پلکیں جھپک کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

"مجھ پر اب ایسی کوئی مہربانی کرنے کی زحمت نہ کیجئے بھلا آپ جیسے بڑے لوگوں کو یہ سب کچھ یاد رکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اگر آپ اپنی تسلی کے لیے یہ سوانگ رچانا چاہ رہے ہیں تو خوف سے تو بے فکر رہیے جو نام نہاد عزت اور اپنے وقار کا لبادہ آپ نے پہن رکھا ہے اس میں کوئی وار نہیں کروں گی۔"

اس کی آواز کانچ کی طرح ٹوٹ گئی۔ ایک تیز سسکاری کو وہ حلق میں دبا کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

وہ بھونچکا سا کھڑا رہ گیا۔ اس کا ردعمل اتنا شدید ہوگا اسے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ وہ کئی لمحوں سنبھل ہی نہ پایا۔ اس نے تو یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ باہر نکلتے ہوئے اندر داخل ہوتے غالب سے بری طرح ٹکرا گئی تھی اور سوری کہہ کر نکل گئی تھی اور اب غالب کھڑا حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چونکا جب اس کا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس ہوا۔

"یہ زنیرہ خان کو کیا ہوا ہے جو یوں گھوڑے پر سوار بھاگی ہیں۔" اس کا لہجہ شگفتہ تھا مگر نگاہیں کریدتی ہوئی شاہ دل کے چہرے پر جمی تھیں۔ جو اچانک غالب کے آجانے اور اپنے اس چونکنے کے عمل سے خفیف سا ہو کر رہ گیا تھا۔

"شاید بارش کی وجہ سے پریشان ہوگئی ہوں گی۔"

"عموماً غیر متوقع بارشیں پریشان ہی کردیتی ہیں۔" غالب نے ایک گہری سانس لی تو جانے کیوں وہ غالب سے نگاہیں کترانے پر مجبور ہوگیا۔

"میرا خیال ہے اب بارش تھمے گی نہیں اتنی جلدی۔" شاہ دل نے یونہی سرسری نظر دریچے کے باہر ڈالی۔

"تو کون کافر چاہ رہا ہے کہ تھم جائے ایسا زبردست موسم روز کہاں آتا ہے۔" غالب کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"اے ابر کرم آج اتنا برس کہ وہ جا نہ سکے۔
گھر آیا ہے اک مہمان حسیں
ڈر ہے کہ چلا نہ جائے کہیں

ہم ان کے ناز اٹھا نہ سکیں
اے ابر کرم"

وہ ریک پر ہاتھ مار کر دریچے سے باہر جھانکتے ہوئے با آواز بلند گانے لگا اور شاہ دل اس پر ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔

"کیا خیال ہے؟" وہ پلٹا اسی لمحے باہر سے فارحہ کی پکار سنائی دی۔

"غالب... غالب... شاہ دل بھائی۔"

وہ دونوں ہی تیزی سے باہر نکلے تو فارحہ انہیں لان کی طرف جاتی نظر آئی۔

"زنیرہ... بات سنو۔ زینی رکو پلیز۔ غالب بھائی۔" وہ پلٹ کر غالب کی طرف بڑھی "دیکھیں ذرا زنیرہ کو بالکل پاگل لڑکی ہے اب شدید بارش میں جا رہی ہے اسے روکیں تو سہی۔" اس کے لہجے میں بلا کی تشویش تھی۔ منجھلی چچی بھی اس شور پر اس طرف آئی تھیں۔ انہیں بھی اتنی شدید بارش میں زنیرہ کا نکل جانا ہولا گیا۔

"میں نے کہا کہ کچھ دیر ٹھہر جائے۔ بارش کا زور ٹوٹ جائے تو غالب بھائی چھوڑ آئیں گے مگر۔" فارحہ بھی غالب کے ساتھ بھاگی تھی۔

"پاگل ہے یہ لڑکی تو پوری۔" منجھلی چچی نے گرل کے پار دیکھا۔ پانی تو آسمان سے یوں برس رہا تھا جیسے اب یہ آخری بار برس رہا ہو۔ ہر شے دھند میں لپٹی نظر آرہی تھی۔ کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔

مگر وہ اس سے بے نیاز بھاگتے بھاگتے ایک درخت سے لگ کر کھڑی ہوگئی تھی اور ضبط کا بندھن توڑ بیٹھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اسی درخت سے لپٹ کر چیخ چیخ کر خوب روئے۔ اس سے زیادہ بے بسی کا دکھ کیا ہوگا کہ وہ سامنے تھا۔ اس کی زندگی کو اپنے بھونڈے مذاق کی بھینٹ چڑھانے والا اور وہ اس کا کچھ نہ بگاڑ پائی۔

برسوں انتقام کی آگ میں سلگتی سلگتی اس تک پہنچی تو اسے بھی اس آگ میں جلا کر خاکستر کردینے کے بجائے اپنا ہی غم بڑھا آئی۔

کس قدر مکار ہے وہ شخص۔ محض دو لفظ ادا کر کے اپنے دل کا بوجھ اتار کر مطمئن ہوجانا چاہتا ہے۔

اس کے اذیت ناک دنوں کا حساب کس کھاتے میں۔ بے گھری کے جس عذاب سے وہ گزر رہی تھی اس کا ازالہ کہاں ممکن تھا۔ شاہ دل خان تم سے بہتر تو وہ لڑکے تھے جنہوں نے اپنی کوتاہی کی معافی تو مانگ لی تھی۔

جھوٹی عزت اور وقار کے لبادے میں چھپنے کی کوشش تو نہیں کی تھی۔

"میں نے آپ سے زیادہ احمق لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔" غالب کی آواز سے سنائی دی اس کے بھل بھل بہتے آنسوؤں پر سناٹا سا چھا گیا۔ دھند میں وہ اسے نیچے کھڑی نظر آ گئی تھی اور گاڑی سے اتر کر اس تک پہنچنے میں وہ بھی پورا بھیگ چکا تھا۔

"سخت احمق بلکہ احمقِ اعظم ہیں آپ۔ میرے خدا۔ اندازے سے کہیں بے وقوف۔"

ہاں احمق بے وقوف ہی تو ہوں جو خود بھاگ آئی۔ اسے اس کے اسی وقار کے چھوڑ کر۔ احمق نہ ہوتی تو اتنی آسانی سے ان کے اس کھیل کا حصہ کیونکر بن جاتی۔ تو آج اس شخص کا اصلی چہرہ تم سب کو نہ دکھا دیتی۔ احمق ہی تو ہوں۔ وہ سوچتی رہی کہ بارش نے اس کے آنسوؤں کا بھرم رکھ لیا تھا۔ بھلا غالب کیسے جان پاتا کہ اس بھیلے اس پانی میں کتنا نمکین پانی بھی شامل ہے۔

"بھلا بتایئے تو اس قیامت خیز بارش میں آپ کو کہاں سواری ملے گی؟ اور نہ گی۔ حد ہو گئی حماقت کی۔ اب چلیے میرا منہ کیا دیکھ رہی ہیں۔" اس کی ڈانٹ میں اپنا اور غصہ بھی۔ وہ کچھ خوف زدہ سی ہو کر جلدی سے اس کے ہمراہ ہولی۔ فارحہ نے جلدی سے دروازہ کھولا اور خود پیچھے ہو کر اس کے لیے جگہ بنائی۔

"اتنی تو بزدل ہو تم کیسے ہمت آ گئی اتنی؟"

وہ فارحہ کی اس بات پر مسکرا بھی نہ سکی۔

"بس محترمہ کی اتنی ہی ہمت تھی اس درخت تک پہنچنے کی۔ شکر ہے زیادہ ورنہ تو آپ کی بجائے آپ کی یہ حوصلہ مند ٹھنڈی لاش گھر پہنچتی۔" غالب میں فارحہ کی ہنسی بھی شامل تھی اور وہ بری طرح کٹ کر رہ گئی۔ اپنی غیر اختیاری اس بچکانہ حماقت پر اب شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"بارش ذرا تھمے گی تو غالب' بھابی اور نیلی کو لینے جائے گا ہی۔ وہ دونوں پھوپی ہیں تب ہی تمہیں ہم ڈراپ کر دیں گے۔ اس وقت تک تھوڑا مل کر ذرا انجوائے کر لو نے تو خاصا انجوائے کر لیا ہے۔" فارحہ اس کے بھیگے کپڑوں کو دیکھ کر شرارت سے جھینپ کر خود ہی سمٹ گئی اور بھیگی چادر کو اچھی طرح جسم کے گرد لپیٹ لیا۔

گاڑی شاہ پیلس کے پورچ میں رکی تو اس کا رواں رواں پھر اسی شدت سے جلنے لگا۔ اب ضبط کے کن کن مراحل سے گزرنا ہو گا۔ بے بسی سے کتنے زخم صیقل ہوں گے؟

محض ایک شخص کی وجہ سے شاہ پیلس سے ہی نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

حقیقت اپنی پوری سفاکی کے ہمراہ اس کی روح میں اتر گئی تھی۔ ان چند لمحوں نے اسے جیسے نظروں میں گرا دیا تھا۔ کیسی کاٹ تھی اس کے لہجے میں۔

کتنی شکستگی کا دھواں تھا آنکھوں میں۔

کیسی طنز آمیز ہنسی تھی کہ اسے اپنے باوقار اور مہذب وجود سے نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ یہ رسوا کن اور خوف ناک حقیقت اس پر عیاں ہو چکی تھی کہ ان سب کا وہ وقتی کھیل زنیرہ خان کی زندگی کو جہنم بنا چکا ہے اور اس میں اس کا بھی پورا پورا کردار تھا۔ بے شک وہ سب کچھ ایک غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا تھا مگر اب وضاحتیں کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں اور اس پر سب سے بڑا دھچکا تو اسے اس بات پر تھا کہ وہ اسے خود کو چھپانے کی کوشش کے عمل سے گزرتے دیکھ چکی تھی۔ کاش کاش وہ اس وقت تھوڑی سی بہادری کا مظاہرہ کر لیتا تو اس کے آگے اپنے اسی جرم کا اعتراف کر کے معافی مانگ لیتا۔

آج اس کی آنکھوں کی تہوں میں جو نفرت اس نے اپنے لیے دیکھی تھی وہ اس کے دل پر مسلسل چرکے لگا رہی تھی۔

اس کے ذہنی انتشار میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

وہ کمرے سے نکل آیا۔ یہ اطمینان کر کے کہ غالب اور فارحہ کے ہمراہ وہ واپس جا چکی ہو گی۔

بارش پوری طرح تھم چکی تھی۔ کائنات کی ہر شے دھل کر نکھر آئی تھی مگر اسے لگ رہا تھا جیسے ہر شے کی گرد اس کی روح میں اتر آئی ہو جس میں اضافہ ہو رہا ہو۔ وہ بے مقصد دھلی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ ہر طرف چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ کھانے پینے کے لوازمات سے بھری دکانوں پر انسانوں کا ہجوم تھا۔

ہر شخص ہی موسم کی اس بارش کو انجوائے کر چکا تھا اور اب بشاشت سب کے چہروں سے ظاہر ہو رہی تھی مگر اس کے اندر جیسے کثیف سا دھواں پھیل گیا تھا۔ آنکھوں کے آگے دو بھیگی دھند میں لپٹی آنکھیں تھیں۔

نعیم راجا اسے غیر متوقع اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوا پھر خوش گواری کے احساس کے ساتھ اس سے لپٹ گیا۔

"اب یقین آ گیا کہ بہاریں ان دنوں دشت و بیاباں میں بھی آئی ہیں۔ بڑا کرم ہوا فقیروں پر

آیئے آیئے۔" وہ ہنستا ہوا دروازے سے ہٹ گیا "کیا بات ہے بڑے اداس سے نظر
نعیم راجا نے اس کے اندر آجانے کے بعد دروازے کو بھیڑ دیا اور اس کے ساتھ
آیا۔

"اب کے ساون میں بھی زردی نہ گئی چہروں کی
ایسے موسم میں تو جنگل بھی ہرا لگتا ہے"

نعیم راجا کا شعر ہی نہیں قہقہہ بھی برجستہ تھا۔ شاہ دل نے ہونٹ بھینچ کر اپنے کو
"آنکھیں ٹیسٹ کراؤ اپنی۔ کمزور ہو گئی ہیں۔" شاہ دل نے کہا۔
"مائی ڈیئر آنکھیں ہی نہیں دل بھی بڑا کمزور ہو گیا ہے۔ ایسے اچانک حملے نہ کیا کر
غریب تمہیں کیسے یاد آگیا؟"
"بس ایسے ہی موڈ بنا تو آگیا۔" اس نے سٹنگ روم کے صوفے پر خود کو گرا لیا۔
"کیا بات ہے یہ تم آج کل موڈ کے زیادہ ہی تابعدار بن گئے ہو۔ جب دیکھو مو
ہے، یہ موڈ تمہاری زندگی پر آکٹوپس کی طرح چپک کر رہ گیا ہے۔ بھائی میرے کبھی
کر دل کی صدا پر بھی لبیک کہو۔ یونہی تمہارے اندر دھک دھک نہیں کرتا رہتا۔
مانو۔"

"ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
عمریں بیت جاتی ہیں دل کو دل بنانے میں"

وہ آہستگی سے جواباً بولا۔
"خوب اس کا مطلب ہے ابھی وہ رمق باقی ہے۔ میں تو یار مایوس ہی ہو چلا تھا۔"
"یہ تو اب تمہاری اپنی غلطی ہے نا۔"
نعیم راجا فریج سے کوک کی بوتل اور گلاس لے آیا۔
"سوری والدہ ماجدہ ذرا دورے پر نکلی ہوئی ہیں۔ اس لیے اسی سے کام چلالو
خوب صورت موسم میں بجائے یہ کالا کالا سیال پینے کے بھاپ اڑاتی کافی زیادہ مزہ دیتی
یار کسی خاتون کی شدت سے کمی محسوس ہوتی ہے۔"
"یہ تم ڈائریکٹ بھی کہہ سکتے ہو کہ بیوی کی۔ اس میں اتنے تکلف کی کیا بات ہے"
اور جواباً نعیم راجا منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا۔
"خاصے سمجھ دار ہو گئے ہو اور کمینے بھی۔ کسی خاتون سے مراد بہن بھی لی جا سکتی
نے گلاس اسے تھما دیا۔ اس کا انداز کھسیاہٹ بھرا تھا۔ شاہ دل بے ساختہ مسکراہٹ

اور گلاس لبوں سے لگا لیا۔
"یار شاہ۔" نعیم اپنا گلاس اٹھا کر اس کے پاس آ بیٹھا "کبھی کبھی تو تمہیں غور سے دیکھتا
تو لگتا ہے جیسے تم نے کوئی روگ پال لیا ہے۔ ٹھیک ہے کم سخن تو تم ہمیشہ سے ہی تھے مگر
ری اس غضب کی آنکھوں میں ایک چمک ہوا کرتی تھی جواب بڑی سرد سی ہو گئی ہے۔"
اس کے اعصاب جیسے لمحہ بھر کے لیے تھم سے گئے مگر وہ دوسرے لمحے اس نے کوک سے
بھرا گلاس میز پر رکھتے ہوئے اسے گھورا۔
"تم فٹ پاتھ پر کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔ پامسٹ بن کر۔ فضول میں اندازے لگاتے رہتے
"
"اس کا مطلب ہے تیر نشانے پر لگا ہے۔ میرا اندازہ درست ہے ورنہ تم مجھے اتنا عمدہ مشورہ
یتے۔" نعیم راجا کی اس بکواس پر اس کا خون کھول اٹھا۔
"اتنا ہی صحیح اندازہ ہے جتنا فٹ پاتھ کے پامسٹ کا ہو سکتا ہے۔" اس کے لہجے میں خفگی
تھی۔ نعیم راجا کا قہقہہ گونج اٹھا۔
"بہت زیادہ سڑنے لگے ہو۔ لگتا ہے آج کی بارش نے بجائے ٹھنڈا کرنے کے اور تپا دیا
"
اسے لگا جیسے نعیم راجا نے اس کی حالت کو دیکھ کر کہا ہے۔
"ارے ہاں رضوی آیا تھا۔" نعیم راجا اٹھ کر اپنے خالی گلاس میں کوک انڈیلنے لگا پھر ذرا سا
اس کی طرف کر کے بولا "یاد ہے ناں وہی رضوی؟"
"کون رضوی؟" اس نے اپنی یادداشت پر زور دیا۔
"اوہو بھول گئے ارے یار وہی جس کے بھائی کے اغوا کا ارادہ کیا تھا ہم لوگوں نے۔ یاد
وہ ہنستا ہوا اس کے پاس بیٹھا۔
"ہوں۔" اس نے جیسے زبردستی مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔ صرف وہی ایک کیا ہر منظر واضح
تھا۔ جس آگ کو وہ بجھانے نکلا تھا اور یہاں کا راستہ طے کیا تھا نعیم راجا بے خبری میں اسی
پر مسلسل تیل کا چھڑکاؤ کیے جا رہا تھا۔
"ہاں یار، بڑا کمینہ ہے یہ رضوی بھی۔ شادی ہونے والی ہے عنقریب اس کی۔ کہنے لگا مجھ
درمیان رکھنا دولہا میں ہی ہوں گا اگر اغوا کا ارادہ ہو تو آنکھیں ضرور کھلی رکھنا پھر کسی بے
گناہ کو نہ اٹھا لے جانا۔ ہاہاہا۔ پورا خبیث ہے اب تک یاد رکھے ہوئے ہے۔"
شاہ دل جیسے کسی سوکھی لکڑی کی مانند تڑ تڑ پورا ہی اس آگ میں جلنے لگا۔

"ارے کیا ہوا۔ جا رہے ہو کیا؟" اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر نعیم راجا نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"یار اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ابھی باتیں ہی کہاں ہوئی ہیں۔ اتنے دنوں بعد تو تم
ہے۔ میرے غریب خانے کو رونق بخشی ہے۔"

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نعیم کا گلا دبا دے یا اسے کسی جدید آلے سے
کلاشنکوف کا پورا برسٹ اس پر خالی کر دے اس کے ذہنی انتشار میں جیسے اضافہ ہو
اس سمندر کو پاٹ کر کسی پرسکون ساحل کی تلاش میں یہاں تک آیا تھا مگر جیسے اسے
تند موجوں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

"اچھا ہوتا جو کچھ دیر اور بیٹھتے۔" وہ اس کے ساتھ باہر تک آیا "رضوی تمہارا
شاید تمہاری طرف آئے گا۔ آج کل بڑے سرور میں ہے۔ سہرے کے پھول کھلنے
ہی خبیث کھلنڈرا ہو رہا ہے۔ آئے گا تمہاری طرف بھی۔ دو ماہ پہلے سے زبردستی
کرتا پھر رہا ہے۔ اب آئے تو اسے الٹے ہاتھ کا ایک جھانپڑ لگانا میری طرف سے۔"

"یہ نیک کام تم نے اپنے ہاتھوں سے کیوں انجام نہیں دیا؟" اس نے جھک کر گا
ڈور کھولا تو نعیم راجا ہنسنے لگا۔

"رحم آگیا اس وقت... یہ سوچ کر کہ دو ماہ بعد پھٹے ہوئے چہرے پر سہرا کیا سجے گا
ہوں کہ سہرا تو ہوتا ہی کارٹون کو چھپانے کے لیے ہے۔"

باوجود بے دلی کے وہ بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا تھا۔

"کچھ دیر بیٹھتے یار شاہ ہے تو اچھا ہوتا امی بھی بس آتی ہی ہوں گی۔ رات کا کھانا
خوب گزرتی جو مل بیٹھتے دیوانے دو۔" وہ جھک کر کھڑکی کے کھلے شیشے میں منہ گھسیڑ کر
تو بھی اب اکیلا اکیلا کھٹکنے لگا ہے۔ ان حسیناؤں کے تو اب بچے وچے بھی ہو گئے ہوں
دیوانہ وار نثار ہوتی تھیں۔ یاد ہے وہ فریحہ عثمانی جس نے اپنے خون سے تمہیں
کر بھیجی تھی۔ کیا تھی وہ صحرا میرا چہرہ ہے 'سمندر تیری آنکھیں والی۔ آہا بے چا
مایوس ہو کر وہ بانگڑے سے امجد کی زوجہ محترمہ بن گئیں۔"

اس نے نعیم کو پٹڑی سے اترتے دیکھ کر اگنیشن میں چابی ڈال دی۔

"تم اپنی خیر مناؤ جسے دو سال سے باندھ کے بیٹھے ہو اب اسی کے ہو جاؤ تو اچھا

"ہم تو انہی کے ہیں مگر اب آپ جناب بھی کسی کے ہو جائیے سنتے ہیں کہ
شورشِ جذبات کا مخصوص موسم ہے۔ کیا کوئی امید، کوئی توقع رکھی جائے ان دنوں

نہیں تھا جبکہ شاہ دل نے اطمینان بھری نظروں سے اسے دیکھا۔
لوں میں ہے
یہ موسم کمزور دلوں پر یقیناً حملہ آور ہو سکتا ہے میرے لیے یوں سمجھئے کہ....

بہت سے لوگ دل کو اس طرح محفوظ رکھتے ہیں
کوئی بارش ہو یہ کاغذ ذرا بھی نم نہیں ہوتا"

ادئے شاہ ہے۔ ایمان سے تم۔" نعیم راجا جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔ اس نے بڑے رش انداز
بورس کی تھی۔ زمین کے گڑھوں، کھڈوں میں بھرا بارش کا مٹیالا پانی دور تک اچھل کر
ر نعیم کو مزید کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر وہ گاڑی نکال لے گیا۔

رے آدھے دکھ ہماری خود ساختہ سوچیں ہیں اور باقی آدھے اس کا رد عمل۔

ں کا خیال تھا کہ اب شاید وہ عمر بھر اپنی ان سوچوں اور ذہنی خلفشار سے نہیں نکل پائے

طمانچہ زنیرہ علی خان نے اس کے احساسات پر مارا تھا اس کے ابھرتے عکس سے اسے اپنا
حد بھیانک محسوس ہونے لگا تھا۔ اب خود کو "بری" کرنے کے لیے دو لفظ بول دینے کا عزم
پھوٹ گیا تھا۔

ں نے واضح طور پر جتا دیا تھا کہ اس کا کوئی لفظ، کوئی عمل بھی اس کی اذیت کو نہ سمیٹ سکے

یا ازالہ بھی ممکن نہ رہا تھا۔

ں کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر مضبوطی سے جم گیا۔ اس نے ایک گلی میں گاڑی ڈال دی اور کچھ دیر
بلے بڑے سے سفید گیٹ کے سامنے گاڑی روکے ہوئے تھا۔

ہا میں جا بجا پانی نظر آ رہا تھا جس میں بچے اچھل کود کر رہے تھے۔ کاغذ کی کشتیاں بنا کر مقابلہ
اتو کہیں بچے ایک دوسرے کو اس میلے کچیلے پانی میں دھکا دے کر تالیاں پیٹ رہے تھے۔
رنگ پر دونوں ہاتھ رکھے دلچسپی سے یہ سب دیکھنے لگا۔ زنیرہ خان، میں بھی زندگی کی ان
ہوئی مسرتوں سے ہمکنار ہونا چاہتا ہوں۔

برا بھی ان مسکراہٹوں اور رونقوں پر اتنا ہی حق ہے جتنا ان بچوں کا ہے۔

برا قصور اتنا بڑا ہرگز نہیں ہے کہ معافی نہ مل سکے۔ اس سے بڑے بڑے مجرم زندگی کی
اسے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

انکل آپ گاڑی دور لے جائیں نا۔ ادھر سے ہماری کشتی ابھی گزرے گی۔" ایک نیکر میں
پر اس سے التجا کرنے لگا۔ اس نے شیشے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ اس کی گاڑی کے نیچے

ڈھیر سارا پانی جمع تھا جو شاید ان کی کشتیوں کے گزرنے کا راستہ تھا۔ وہ ہولے سے
دروازہ کھول کر بچے کو بازو سے تھام کر اپنے قریب کرلیا۔

"یہ ساری کشتیاں تو کاغذ کی ہیں اس پر اتنی محنت کیوں کررہے ہو۔ ذرا سا نم ہو
ڈوب جائیں گی۔"

"تو کیا ہوا انکل۔ ہم دوسری بنالیں گے۔ ہمارے پاس اور بھی بہت سے کاغذ ہیں۔"
سیاہ چمکتی گول گول آنکھوں میں کوئی افسوس نہیں تھا۔ وہ سود و زیاں سے بے پروا
بچپن کا حسن تھا۔

اس نے دروازہ بند کر کے گاڑی اس جگہ سے ہٹا کر ذرا دور کھڑی کردی اور لاک
گیٹ کی بیل بجادی۔

دروازہ سائرہ نے کھولا تھا اور شاہ دل کو دیکھ کر حیرانی کے ساتھ خوش بھی ہوئی۔

"آئیے آئیے۔" اس نے جلدی سے دروازے کے ایک طرف ہو کر اسے آ
دیا۔

بڑا سا صحن بارش کے بعد صاف پانی سے دھویا گیا تھا۔ کیاریوں میں پودے آج بار
کرم نوازیوں پر خاصے مسرور اور کھلکھلاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے جنہیں سائرہ
مندہاتھوں نے قرینے سے تراش کر سنوار رکھا تھا۔ خود سائرہ بھی سبز اور گلابی کنٹراسٹ
اس موسم کا کوئی خوشگوار حصہ دکھائی دے رہی تھی۔

"نیلی اور بھابی تو چلی گئی ہیں آپ شاید انہیں لینے کی غرض سے ہی آئے ہیں۔"
کر کے اس کے پیچھے چلی آئی۔

"ا۔۔۔ چھا۔ بھابی اور نیلی آئی تھیں یہاں کب؟"

"جی آئیں تو لنچ کے بعد ہی تھیں مگر پھر بارش کے باعث ٹھہر گئی تھیں۔" سائرہ
خبری پر ذرا سا حیران ہوئی "غالب بھائی لینے آئے تھے ابھی گئے ہیں۔ زیادہ دیر نہیں
پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے دراصل زنیرہ کو بھی ڈراپ کرنا تھا انہیں۔ آپ گھر سے
ہیں یا۔۔۔؟"

"آں۔ نہیں۔" اس نے رک کر سائرہ کو دیکھا "غالب آیا تھا یہاں پر۔" اس کی
میں حیرت کے ساتھ تشویش بھی تھی۔ اس کے خیال میں غالب کا یہاں آنا کسی بدمزگی
کے مترادف تھا۔

"وہ اندر تو آئے نہیں تھے بس باہر ہی سے ہارن دے کر بلایا تھا۔" وہ اس کی

دھیرے سے بولی۔ عجیب مجرمانہ احساس کے ساتھ۔

"امی نے تو اندر آنے کو بہت کہا تھا مگر۔۔۔"

"اچھا ہی ہوا۔ دراصل یہ لڑکا بہت جذباتی سا ہے۔ برداشت کے معاملے میں صفر بھی ہے مگر
ہے بہت پیارا لڑکا۔ بہت پرخلوص اور اپنی دھن کا پکا۔" اس نے ایک شگفتہ سی نظر سائرہ پر ڈالی تو
اس کے رخسار گرم ہوگئے۔ وہ جھینپ کر رہ گئی۔

"پھوپی جان کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"کیا سب کچھ یہیں کھڑے کھڑے پوچھ لیں گے اندر تو آئیے امی تو بہت خوش ہوں گی آپ
کو دیکھ کر۔ عرصہ ہوا آپ نے تو ہمارے گھر میں قدم رنجہ نہیں فرمائے۔" وہ شرارت سے گویا
ہوئی "لگتا ہے آج سورج کچھ غلط جگہ سے نکل آیا ہے۔"

"بے وقوف لڑکی! بارش میں سورج نہیں نکلتا۔" اس نے ایک ہلکی سی چپت اس کے سر پر
ماری اور ہنستا ہوا اندر چلا آیا۔ سامنے ہی کامن روم میں بڑے سے تخت پر سائرہ کی دادی کا بھاری
بھرکم سراپا موجود تھا جسے احترام کے ساتھ سلام کرنا ہر آنے جانے والے پر واجب تھا۔ اس نے
بھی بزرگ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں سلام کیا۔ وہ اسے دیکھ کر چونکیں اور پہچاننے کی
کوشش کرنے لگیں۔ تب سائرہ نے جلدی سے اس کا تعارف کرایا۔ تو ان کا چہرہ یوں سکڑ گیا جیسے
بھرے غبارے میں سوئی مار کر ہوا نکال دی گئی ہو۔ انہوں نے سلام کا جواب بڑبڑانے کے انداز
میں دے کر خود کو پاندان میں الجھا کر گویا یہ تاثر دینا چاہا کہ اس کی آمد ان کے لیے کوئی خاص اہمیت
نہیں رکھتی۔ بہو کے میکے والوں سے تو انہیں ویسے بھی خدا واسطے کا بیر تھا۔ جس کی وجہ آج تک
خود پھوپی جان بھی نہ جان پائی تھیں۔

سائرہ نے سچ کہا تھا پھوپی جان اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں ان کا زرد' زرد چہرہ کھل اٹھا
تھا۔

وہ کامن روم کی دیواروں سے لگے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ سائرہ کی اس بزرگ
دادی کی ہدایتوں میں سے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ ہر آنے والا ان کی نگاہوں کی زد میں رہے۔
چونکہ وہ اپنے پیروں کی سوجن کے باعث ڈرائنگ روم تک کا سفر نہیں کاٹ سکتی تھیں جبکہ ہر
آنے والے کی گفتگو سے چاہے لاکھ ان سے متنفر ہوں بے بہرہ نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ دو اپنے ہی
کانوں کے علاوہ ان کے پاس کوئی تیسرا جاسوس نہیں تھا جس سے وہ پھر رپورٹ نکلواتیں اور پھر
ان کا حکم تو بہو' پوتی سر آنکھوں پر رکھتی تھیں۔

"وہ گھوڑا مارا تو باہر سے چلا گیا۔ نہ سلام نہ دعا۔ کوئی ادب واحترام نام کی کوئی چیز نہیں ہے

اس میں تو... ماں نے یہی رنگ ڈھنگ سکھائے ہیں خود جیسی بد زبان اولاد اس سے چار ہاتھ ہی ہے۔" ان کا اشارہ غالب کی طرف تھا۔ وہ تو اس دن کے واقعے کے بعد غالب سے بیر کھائے بیٹھی تھیں۔

"دراصل اماں وہ جلدی میں تھا۔" پھوپی سراسیمہ سی ہو کر وضاحت کرنے لگیں۔

"اے تو مجھے کون سا اسے نگاہوں کے سامنے بٹھا کر رات کا کھانا کھلانا تھا مگر احترام بڑوں کا ادب بھی کوئی چیز ہے۔ بڑے گھر کے لوگ ہیں ہم جیسے متوسط گھروں میں کیونکر آئیں ناک نہ نیچی ہو جائے گی۔ ارے میں تو مظفر کو اسی لیے سمجھاتی رہتی ہوں کہ ہم سائرہ بچی کو اپنے ہی جیسوں میں بیاہیں گے۔ لے کے سر جھک کر رہ جائے میرے بچے کا کسی اونچے گھر میں کو بیاہ کر۔"

پس پردہ وہ شاہ دل کو اچھی طرح جتا دینا چاہتی تھیں بلکہ شاہ پیلس سے ہر آنے والے کو جتاتی رہتی تھیں۔

سائرہ مشروب کا گلاس تھامے اندر آئی تو دادی کے آخری جملے پر اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھوپی الگ ساس کے اس اچانک شروع ہو جانے والے راگ پر دل گرفتہ سی بیٹھی تھیں۔ شاہ دل ان سب سے عزیز بھتیجا' جو انہیں سب سے بڑھ کر عزیز تھا۔ اس کی آؤ بھگت کا ارمان دل ہی دل میں رہ گیا۔ الٹا اس کے سامنے شاہ پیلس کی ہتک پر وہ کٹ کر رہ گئیں۔ عجیب مجرمانہ احساس میں گھر رہ گئیں۔ شاہ دل کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ اسے اس بزرگ خاتون کی باتوں نے نہیں بلکہ پھوپی کی تنگی حیات کے احساس نے آزردہ کر دیا تھا۔

"تم نے برا تو نہیں مانا شاہ دل۔" پھوپی اس کے قریب بیٹھیں اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولیں۔

"پھوپی جان! کیسی بات کر رہی ہیں آپ... اتنے چھوٹے ظرف نہیں ہیں شاہ پیلس والے کے۔" اس نے پھوپی کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام کر دبایا۔ کتنی محرومی کا عکس تھا ان کی اداس آنکھوں میں۔ بیماری سے اٹھنے کے بعد وہ کتنی لاغر ہو گئی تھیں۔ کبھی یہ بھوری بھوری آنکھیں ہیروں کے مانند دمکتی تھیں اور اب ویرانیوں نے جیسے بسیرا کر لیا تھا۔

کہتے ہیں کہ وقت کی گردش میں خوشیاں بھی ہیں اور غم بھی تو وقت کا پہیہ گھومتا ہوا ان کے لیے خوشیوں کا سندیسہ کب لے کر آئے گا؟

"آپ اپنا خیال رکھا کریں پھپھو۔ بہت ویک ہو گئی ہیں۔ مصدق اور سائرہ کو اور ہم سب آپ کی بہت ضرورت ہے۔" پھوپی کے سوکھے لب آہستگی سے مسکرائے۔ ان کی آنکھوں میں

شاہ دل کے لیے بے پناہ محبت تھی "تم سبھوں کی محبتوں نے ہی تو مجھے زندہ رکھا ہوا ہے۔ میرے لیے اس جھلتی دھوپ میں یہی تو سایہ ہے۔" ان کی آواز بے حد دھیمی تھی مگر ان کی ساس کی سماعت گو کہ اپنی تیزی کھو چکی تھی مگر اس بھنبھناہٹ پر اب ان کے کان بھی چونکے تھے۔ چہرہ بگڑ گیا تھا۔

"رئیسہ کا فون آیا تھا۔ وہ مانسہرہ سے آ رہی ہے اپنے بال بچوں کے ہمراہ ہمارے یہاں قیام کرے گی۔" انہوں نے سخت بگڑے موڈ کے ساتھ بہو کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی زور آزمائی کی۔ کہاں گوارا کرتیں کہ پھوپی بھتیجا ان کی ناک کے نیچے کوئی سرگوشیانہ گفتگو کریں جس کو سننے سے ان کی سماعت محروم رہتی۔ اب یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں کہ ذرا زور سے بولو۔

"اچھا رئیسہ آپا آ رہی ہیں یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کب کیا تھا فون؟ آپ نے بتایا نہیں۔" پھوپی اٹھ کر ساس کے قریب جا کر بیٹھ گئیں۔ چونکہ ایک طرح کی انہیں وارننگ ہی ملی تھی ان کے موڈ کے خاکستر ہونے کی شکل میں۔

"آج صبح ہی کیا تھا۔ تم تو جانے کہاں تھیں میں نے ہی ریسیو کیا تھا فون پھر تمہیں بتانا ہی بھول گئی تھی۔"

"چلو اچھی بات ہے کچھ رونق ہو جائے گی ان کے آنے سے۔" پھوپی کے چہرے پر وہی خلوص کی چمک تھی پھر شاہ دل سے بولیں "رئیسہ آپا' اماں کی بہن ہوتی ہیں چھوٹی۔"

شاہ دل کو کسی رئیسہ سے دلچسپی تو نہ تھی مگر وہ محض پھوپی کے دل کی خاطر اس کی تفصیل سنتا رہا کہ وہ کتنی اولاد کی اماں اور خیر سے دادی نانی ہیں اور وہ پورا اہل خانہ پرسوں صبح اس گھر پر وارد ہونے والا ہے۔ وہ جب جانے لگا تو سائرہ گیٹ تک ساتھ آئی تھی۔

"شاہ دل بھائی۔ دادی کی تو عادت ہے وہ ایسے ہی ناراض ہوتی رہتی ہیں سب پر۔ آپ غالب سے پلیز کچھ مت کہیے گا۔"

وہ سخت برہمی کے ساتھ ایڑیوں کے بل گھوما۔ وہ دونوں ہاتھ اضطراری حالت میں مل رہی تھی۔

"بالکل احمق ہو تم۔ آخر پھوپی اور تم خود کو مجرم سا کیوں محسوس کرتی رہتی ہو۔ شاہ پیلس والوں کے سامنے۔ جو شخص ناراض ہی ہونا چاہے وہ خود بیکار سے جواز ڈھونڈ لیتا ہے۔" اس کی دری آنکھوں میں خفگی کا تاثر تھا۔ لمحہ بھر سائرہ سہم کر رہ گئی۔

"میں تو اس وجہ سے کہہ رہی تھی کہ بلاوجہ غالب کو۔"

"اچھا ہی ہوا جو غالب اندر نہیں آیا تھا۔ پتا ہے تمہیں وہ اگر اندر آتا تو کچھ بعید نہیں کہ

تمہاری دادی کی خفگی میں ہزار گنا اضافہ ہوگیا ہوتا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے مسکرا کر
وہ بھی ہولے سے مسکرا دی۔

"ارے ہاں نیلی اور عمیر بھائی کے رشتہ مضبوط ہوجانے پر میں تو بہت خوش ہوا
تو ڈبل مبارک ملنی چاہیے۔"

وہ چونکا اور شکر تھا صرف بات چونکنے تک ہی رہ گئی۔ حیرانگی پھیل کر چہرے کا
تھی کہ ابھی کل رات ہی ڈنر پر تائی اماں نے یہ اطلاع فراہم کی تھی گو کہ سب کے علم
تو تھی کہ چھوٹی چچی نے عمیر کے گریجویشن کرتے ہی اس کے لیے منجھلی چچی سے نیلو
تھا مگر یہ بات صرف بزرگوں کے درمیان ہی رہی تھی مگر آج اس کا باقاعدہ اعلان کیا
سے عمیر قابل بزنس مین بن گیا تھا۔ اب ان دونوں کی باقاعدہ رسم منگنی ادا کرنے
کیا جارہا تھا۔

"تھینک یو۔"

"اب آپ بھی ممانی جان کی خواہش پوری کرڈالیے شاہ دل بھائی ممانی جان آپ
بہت دکھی ہوجاتی ہیں۔"

"مجھے تو لگتا ہے تم سب لوگوں نے محاذ قائم کرلیا ہے میرے خلاف۔ امی نے
جگہ پھیلا رکھے ہیں۔ مجھے گرفتار کرنے کے لیے بھی ایک اچھا خاصا آزاد منش بندہ
زنجیروں میں جکڑ کر رہ جائے۔"

"جی نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ کوئی زنجیریں وغیرہ نہیں ہوتیں یہ عورتیں
بات یہ کہ ہم قطعی کوئی کارکن نہیں ہیں۔ یہ تو ہم بہنوں کی محبت سمجھ لیجیے۔"

"وہ گاڑی کی چابی جیب سے نکال کر لب بھینچ کر مسکراہٹ روکتا ہوا گیٹ
گیا۔"

"ارے۔ بات تو سنیئے۔"

"میڈم! میں اکیلا۔ اتنی بہت سی محبتوں کا بوجھ کہاں اٹھا سکتا ہوں۔ یقین کر
بھاری ہوگئے ہیں۔ یہ غالب با آسانی اٹھا سکتا ہے۔ سی یو۔" اس کے اس ٹالنے
سائرہ بے اختیار ہنس دی۔

○☆○

اس کی آنکھوں کے کناروں سے بہتے پانی کو دیکھ کر زنیرہ علی خان کے اعصاب
جیسے شہلا نواز کوئی جیتا جاگتا وجود نہیں ایک مجسمہ ہو اور رو رہا ہو۔

مگر وہ مجسمہ نہیں تھی تو کیا ہوا۔ ایک مجسمے کی طرح مضبوط تو تھی۔ جسے کبھی کوئی نہ توڑ سکے گا
آج وہ بیڈ پر کوئی گھنٹا بھر سے لیٹی چھت کو گھور رہی تھی اور اس کی سیاہ گھور آنکھوں میں
لکیر کی صورت کناروں سے نکل نکل کر تکیے میں جذب ہو رہا تھا۔

"شہلا۔" وہ جیسے اس کے آنسوؤں کی نمکینی سے اپنا دل جلتا محسوس کرتے ہوئے اس کے
ب آبیٹھی۔

اس کی روح پر برچھی سی لگی تھی۔

اتنا کھنڈرا چہرہ۔

اتنی ویران آنکھیں۔

وہ شہلا کے چہرے کو دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔

"ش۔ شہلا تم رو رہی ہو۔" اس نے بے حد آہستگی سے اس کے بازو کو چھوا۔ اس ڈر کے
اتھ کہ کہیں اس کی یہ مداخلت اسے بھڑکا نہ دے مگر شہلا کی جانب سے ایسا کوئی رد عمل نہ ہوا
نہ وہ ذرا سا چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

پانی کے بوجھ سے بھری آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔

زنیرہ کا چہرہ بھی اسے اس پانیوں کے پار دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔

"ہاں زنی۔ میں رو رہی ہوں۔" وہ دھیرے سے اٹھی اور اپنے کانپتے ہاتھوں سے سہارے
کے لیے زنیرہ خان کو تھام لیا۔

اب آنسوؤں کا بوجھ اکیلے نہیں سہارا جا رہا تھا۔

"شہلا۔" اس کا گداز دل ہزار اندیشوں میں گھر کر کانپنے لگا۔

جب دل کا نازک سا شیشہ چپکے سے
سینے کے اندر ٹوٹ جائے
اور اس کی کرچیاں سارے بدن کو
دھیرے دھیرے گھائل کریں
پھر نین تو ساون بنتے ہیں
جب دل کے کچے آنگن میں
چپ کا سناٹا ٹھہر جائے
اور صحرا صحرا وجود میں
تنہائیاں سی رقص کریں

پھر نین تو ساون بنتے ہیں
جب دل کے کچے آنگن میں
چپ کا سناٹا ٹھہر جائے
اور صحرا صحرا وجود میں
تنہائیاں سی رقص کریں
پھر نین تو ساون بنتے ہیں
جب شہرِ تمنا میں ہم دل کا درد چھپائے
گلی گلی نگر نگر
اک تیری کھوج میں بھٹکیں اور
پھر تو بھی ہمیں نہ مل پائے
پھر نین تو ساون بنتے ہیں
جب ہمارے وحشت زدہ کمرے میں
تیری یادوں کا ایک ہجوم ہو
سانس لینے میں دشواری ہو
صرف مات ہی مات ہماری ہو
نیند بھی رخصت ہو اور خواب بھی کھو جائیں
پھر نین تو ساون بنتے ہیں

وہ زنیرہ علی خان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

○☆○

اس کے گرم گرم آنسو زنیرہ کے کندھے پر آتشِ سیال کی مانند گر رہے تھے۔ اس کا اپنے بدن پر محسوس کرتے وقت سخت آزردہ ہو رہی تھی۔

"تم نے تو ہمیشہ مجھے حوصلہ دیا ہے شہلا پھر یہ....."

وہ جھٹکے سے اس سے الگ ہوئی تو تر بتر چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

اس کی روح تک تڑپ اٹھی۔

"دھوکا دیتی رہی خود کو بھی اور تمہیں بھی۔ بظاہر خود پر خول چڑھا کر بھلا کوئی مضبوط ہے۔ میں اندر سے کھوکھلی لکڑی کی مانند ہوں زنیرہ علی خان، جو آج ٹوٹ گئی۔"

وہ آنسو پونچھنے لگی۔ آنسو بہنا تھم گئے تھے لیکن آنکھیں نم نم ہی تھیں پھر افسردہ

مسکرادی۔ یہ مسکراہٹ آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"جب تک ہمارے حوصلوں کی آزمائش نہ ہو ہم حوصلہ مند سمجھتے رہتے ہیں خود کو۔" اس نے ایک گہری تھکی ہوئی سانس کھینچی۔ "یہ کتنا بڑا سانحہ ہے زینی کہ ہم جس کی محبت کو اپنے وجود کا حصہ بنائے ہوئے ہیں۔ صرف دل کے دامن میں اس محبت کو گوہر آبدار کی مانند سنبھال کر اس پر ایمان لائے ہیں وہ محض کنکر نکلتا ہے ایک نوک دار کنکر۔"

وہ بیٹھی اسے دیکھتی رہ گئی۔

تو ماضی اپنے آپ کو پھر سے دہرانے لگا تھا۔ کمال احمد کے پردے میں دانیال ملک ہی نکلا۔

"شہلا۔" اس کا تسلی آمیز لرزتا ہاتھ شہلا کے کندھوں پر دھرا تھا۔

"کیا... کمال نے....." اس کے لب کپکپا گئے۔ کمال احمد کا نام اس کے لبوں پر ٹوٹ گیا۔ وہ کوئی سوال کرتی کہ اس کو شہلا نواز ایک جھٹکے سے بیڈ سے اتر گئی تھی اور باتھ روم میں جا کر واش بیسن کے سامنے کھڑی ہو کر پانی سے چہرہ دھونے لگی۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ملتا اور جو ہم نہیں چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ شہلا کی تھکن اسے اپنے شانوں پر محسوس ہو رہی تھی۔ اسے اب کچھ بولنے کی ضرورت کہاں رہی تھی۔

اس کے آنسو از خود اپنے لٹنے کی کہانی سنا رہے تھے۔

لٹ تو وہ پہلے ہی چکی تھی مگر اس زیاں سے تب وہ بے خبر تھی اور اس لٹنے کو "پانا" سمجھ کر مست تھی مگر آج شاید آگاہی کا در کھلا تھا۔ جو شہلا کو سود و زیاں کا حساب دے گیا۔

اسے بالکل ہی تہی داماں ہونے کا احساس دلا گیا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اب شہلا اسے کچھ نہیں بتائے گی۔ وہ تو شاید اپنی غیر اختیاری اس حرکت پر نادم سی تھی جبھی اس کی طرف رخ موڑے مسلسل پانی بہا رہی تھی۔ شاید آنکھوں کا بھی اور جب تولیہ سے منہ پونچھتی باہر آئی تو اس سے نگاہیں کترا رہی تھی۔

اپنی شکست کا اعتراف کرنے کے لیے بہت حوصلوں کی ضرورت ہوتی ہے اور شہلا نواز بھی شاید یہی حوصلے جمع کر رہی تھی۔

○☆○

کس نام سے پکاروں؟
کیا نام ہے تمہارا
کیوں تم کو دیکھتے ہی

"اس کا نام عمیر ولد کمال خان ہے۔" بھابی کی شرارت پر نیلی کی گنگناہٹ یوں بند ہو گئی جیسے کسی نے سوئچ دبا کر اس نغمے کا گلا گھونٹ دیا ہو۔

اور زنیرہ علی خان کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"ارے ہاں مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ بھئی منگنی بہت بہت مبارک ہو۔" اس نے کتاب اندر پنسل رکھ کر کتاب بند کر دی اور یاد آنے پر پر مسرت لہجے میں مبارک باد دی تو ... چلاتے ہوئے نیلی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"یہ اسی لیے تو گا رہی تھی کہ تمہیں کچھ یاد آ جائے۔" سلاد بناتے بھابی زور سے ہنس کر بولیں۔

"ہائے نہیں تو۔" نیلی تڑپ کر پلٹی اور دروازے سے جھانک کر بولی۔

"وہ تو یونہی زبان پر چڑھ آیا تھا اور دراصل رابی ریڈیو سن رہی تھی اور یونہی میرے ... میں بھی پڑ گیا۔" وہ بیچاری جھینپ کر وضاحت کرنے لگی تو بھابی اور زنیرہ دونوں ہی محظوظ ہو کر مسکرانے لگیں۔

آج مانی بخار کے باعث پڑھنے سے معذور تھا۔ شہریار بھی نہیں آیا تھا اور زنیرہ یونہی ... گزارنے کے لیے ان کے درمیان آ کر بیٹھ گئی تھی۔ ساتھ ساتھ مانی کی کاپی کا کچھ ادھورا ... بھی نمٹاتی جا رہی تھی۔

"موسم اچھا ہو رہا ہے۔ اس لیے گنگنانے لگی۔ آپ لوگ تو بس ....." وہ خفیف سی ہو گئی تھی۔

"کس نے کہہ دیا موسم اچھا ہو رہا ہے۔ سارا دن تو آگ برسی ہے اب تک تپش ختم نہیں ہوئی۔" عمیر اندر داخل ہوا تو موسم کو سراہتی نیلی کے جملے پر تڑپ کر بولا اور جیب سے رومال نکال کر اپنا لال بھبو کا چہرہ پونچھا۔ کچن میں ہی آدھمکا۔

"آپ کے دل کا موسم خوشگوار ہو رہا ہو تو اور بات۔"

نیلی اس کی اس موجودگی سے سٹپٹا گئی تھی۔ وہ کچن میں اکیلی تھی۔ بھابی اور زنیرہ تو ... اماں کے تخت پر اطمینان سے بیٹھی تھیں اور پھر عمیر کی موجودگی میں اس کا گھبراہٹ کا شکار ہونا فطری عمل تھا۔ ابھی اسی ذات کے حوالے سے تو بھابی اسے چھیڑ رہی تھیں۔

"ذرا باہر نکل کر دیکھتیں محترمہ دماغ بھک سے اڑ جاتا اس حبس میں۔" اس نے کولر سے پانی نکال کر پورا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور بغور نیلی کو دیکھنے لگا۔

"ہائی دے وے گانا کون سا گنگنا رہی تھیں آپ؟"

ہائے اللہ۔ یہ عمیر بھائی ایسے تو نہ تھے یوں گھور گھور کر دیکھنے والے۔ نیلی خود میں سمٹ کر رہ گئی۔

"کس نام سے پکاروں کیا نام ہے تمہارا؟" اس کے بجائے بھابی نے جواب دیا اور گانا بھی گا دیا۔

ادھر زنیرہ نے اپنی ہنسی چھپانے کے لیے کتاب آگے کر لی۔ نیلی کا بھی بس نہیں چل رہا تھا وہ کی کھڑکی سے ہی ہاتھ میں پکڑا کفگیر بھابی پر کھینچ مارے۔

"لیجیے معصومیت کا یہ عالم ہے کہ ابھی انہیں نام ہی نہیں پتا چلا۔" غالب جانے کب آ چکا اور اس گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔

"چچ چچ.....چچ بے چارہ عمیر۔" اس نے سخت ترحم بھری نگاہیں عمیر پر ڈالیں اور گاڑی کی کی بورڈ پر لٹکا کر کچن کے دروازے تک آیا۔

"بدنام ہے جہاں میں ظفر جس کے واسطے
وہ جانتے نہیں کہ ظفر کس کا نام ہے"

غالب کے انداز میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس بے ساختہ اور برملا شعر نے عمیر کو خاصا محظوظ کیا۔ جبکہ نیلی کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی۔

اس کے لیے عمیر کی مسکراتی جذبے لٹاتی نگاہیں ہی بہت تھیں اب غالب کی فضول بکواس بھی شامل ہو گئی تھی۔

"کوئی گا وا نہیں رہی تھی بھابی یونہی کہہ رہی تھیں۔" اس نے جھنجلا کر چمچہ ہلا کر بند ڈھکن رکھ دیا اور کچن سے نکلنے کے لیے راہ تلاش کی مگر ندارد۔ عمیر عین دروازے کے فریم میں فٹ اور چھ فٹ کے انسان کے بعد جگہ اتنی تھوڑی رہ گئی تھی کہ اس سے ہوا گزر سکتی تھی نیلی نہیں۔

"نہیں گا رہی تھیں تو اب گا کر سنا دو کچھ لوگ فیض یاب ہونا چاہتے ہیں۔"

غالب نے تخت پر بیٹھ کر جوتے اتارتے ہوئے کہا تو بھابی نے ایک مکا اس کی چوڑی مضبوط پشت پر جڑ دیا۔

"فیض یاب ہونے کے لیے ٹیپ ریکارڈر موجود ہیں۔ بہت ہو چکا تم تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے اس بچی کے۔" انہوں نے سلاد کی ٹرے اٹھائی اور کچن کے دروازے پر استادہ عمیر کو ایک طرف ہٹا دیا۔

"اب آپ بھی راہ لیجئے۔ بہانے بہانے سے کچن کے چکر نہ لگایئے ایک اگو
اختیارات نہیں مل جاتے۔ خاطر جمع رکھیے۔"

"اور انگوٹھی بھی خود پہنانے کے شرف سے محروم ہیں۔" غالب نے ٹکڑا لگا
قہقہہ بے اختیار ابل پڑا۔

"یہ شرف بھی حاصل کر ہی لیں گے۔" وہ باہر نکلتے ہوئے خوشگواری سے بولا۔

"آپ سب لوگ بہت فضول بکواس کر رہے ہیں۔ میں شاہ دل بھائی سے کہہ کر ز
گی سب کو۔"

لال چہرہ اور بھی شرم اور خفت سے دہک اٹھا تھا۔

"ارے ارے یہ غضب مت کرنا۔" عمیر نے نکلتے نکلتے پھر دروازے کے ا
"ایسے نازک معاملوں میں غیرت مند بھائیوں کو شامل نہیں کرتے۔"

"بالکل کرتے ہیں ایسے ہی موقعوں پر تو بھائی کام آتے ہیں۔ میرا بھی خیال ہے
شاہ دل بھائی ہی ٹھیک کر سکتے ہیں۔ خدایا ایلفی لگا کر آئے ہو کہ کھسکنے کا نام ہی نہیں۔
بھابی نے جلدی سے سلاد کی ٹرے دور ہٹا دی اور گھور کر عمیر کو دیکھا تو اس کے لبوں کی
مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

"کیوں تم کو دیکھتے ہی دل کھو گیا ہمارا۔"

وہ گنگناتا ہوا کامن روم سے بھی نکل گیا۔

"لیجئے اب اسے کیا ہوا؟" غالب نے ہنسی روکتے ہوئے مصنوعی حیرت سے ا
پشت کو گھور کر دیکھا۔

"گرمی چڑھ گئی ہے دماغ پر۔" نیلی دانت کچکچا کر بولی وہ ایک مسکراتی نظر
پر ڈال کر گیا تھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے چونکہ آج ہمارے آفس کا اے سی خراب تھا اور عمیر
آج وہاں بیٹھ کر گرمی کا رونا ہی روتے رہے تھے۔" اس نے جوتوں میں موزے
اپنے بیڈ روم کی راہ لی۔

"توبہ ہے ذرا سی بات کو بتنگڑ بنا دیتے ہیں یہ لوگ بھی۔" بھابی ہنستی ہوئی
آ بیٹھیں جہاں زنیرہ اس نوک جھونک سے لطف اٹھا رہی تھی ساتھ ساتھ کتاب کھ
کو بریکٹ کرنے لگی تھی۔ پھر پنسل کی نوک منہ میں دبا کر قریب آتی نیلی کو دیکھا۔

"نیلی شاید خفا ہو گئی ہے۔"

"ہائے نہیں نیلی تو بہت پیاری لڑکی ہے یہ خفا ہو ہی نہیں سکتی چندا؟" بھابی نے اسے دبوچ
لیا۔

"پرے ہٹیں سخت فضول قسم کی عورت ہیں آپ۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے نہ آپ
انہیں لقمہ دیتیں۔"

"اور نہ وہ تمہیں فیورٹ ڈش کی طرح حلق سے اتارنے کی کوشش کرتا۔"

بھابی نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا تو وہ منہ پھلا کر ہنس دی۔

اسے بھی عمیر کے جذبے لٹاتی نگاہیں یاد آ گئیں۔ پھر بھابی اور زنیرہ کی نگاہوں میں مچلتی
شرارت سے خفیف ہو کر اس موضوع کو ترک کرنے کی غرض سے بولی۔

"بھابی آپ نے زنیرہ کو بتایا نہیں کہ کل ہم سب پکنک پر جا رہے ہیں۔ سمیت اس کے۔"
نیلی کے یاد دلانے پر بھابی چونکی۔

"ا۔۔۔ہاں زنی۔ کل جلو پارک چل رہے ہیں ہم سب اور تمہیں بھی آنا ہے۔"

"میں۔" اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"آپ کی محفلوں میں میرا کیا کام ہے؟" اس نے دامن بچانا چاہا۔

"اللہ رے۔" نیلی اس کے قریب ہی بیٹھ کر زور سے ہنسی۔ "ہماری محفلوں میں ایسا کون سا
پینے پلانے کا کام ہوتا ہے آپ زاہد عابد دامن بچا رہی ہیں۔"

"مگر پھر بھی۔" اسے ایک عجیب سی وحشت لپیٹ میں لینے لگی۔ یہ سوچ کر کہ اس شخص کی
موجودگی بھی لازمی ہو گی جس سے وہ بچ بچ کر چل رہی تھی۔

جس کا چہرہ دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔

اس کی نظریں بے ساختہ وال کلاک کی جانب اٹھیں۔ گھر کے مرد آنے لگے تھے اور اس کی
آمد بھی عنقریب متوقع تھی۔ اس کا دل اُسی اتھاہ میں ڈوبنے لگا تھا۔

اب تو اس شخص کے سامنے ہونے کے خیال سے ہی دل دھڑ دھڑ کرنے لگتا تھا۔

اس کے ہاتھ بے اختیار ہی مانی کی بکھری ہوئی کتابیں سمیٹنے لگے کہ بھابی نے اس کا ہاتھ جکڑ
لیا۔

"دیکھا یہاں زبردستی کی بات ہوئی وہاں محترمہ نے فرار کی راہ سوچ لی۔"

وہ خفت سے مسکرانے لگی۔

"پلیز بھابی۔ میں خود کو شاید مس فٹ محسوس کروں آپ لوگوں کے درمیان۔" اس نے
عذر تراشا مگر وہ نیلی اور بھابی تھیں۔ اس کے کسی بھی عذر کو خاطر میں نہ لانے والی۔

"کیا خود کو اب بھی اجنبی سمجھتی ہو ہمارے درمیان۔ حالانکہ ہمارے رویوں میں... نہیں کہ۔"

"ارے نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ آپ لوگوں کی محبتیں ہی تو ہیں جس نے مجھے حوصلہ دیا ہے۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی مگر پھر وہ خود چونک گئی۔ "میرے ایک نہ... شاید کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" اس نے ساری کتابوں کو ترتیب سے بیگ میں ڈال دیا... کی شکنیں درست کر کے تخت سے نیچے اتر گئی۔

"تمہیں کیا خبر کتنا فرق پڑے گا۔" بھابی نے اس کا ہاتھ تھام کر کسی فلمی ہیروئن کی طرح آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گئی۔ نیلی بھی کھلکھلا دی۔

"تمہیں بھابی نے ثاقب بھائی کی رقیب بنالیا ہے۔"

"بس زونی اب انکار نہیں ہو گا۔ تمہیں ضرور آنا ہے یہ ہماری دوستی کا تقاضا ہے۔ سنو۔ کل صبح اسکول گئیں نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا اور ہاں میں خود تمہیں پک کرلوں گی تیار رہنا اور ویسے بھی تمہارے حسن کو آرائشوں سے کیا نسبت؟" بھابی اس کی سیاہ غلافی نما آنکھوں میں جھانک کر بولیں وہ فقط بے بسی سے لب دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔

اتنی ڈھیر ساری محبتوں نے اس سے مزید انکار کرنے کی سکت چھین لی تھی۔

○☆○

دوسری صبح اس نے ناشتے سے فارغ ہو کر جلدی جلدی ایک دو روٹین کے کام نمٹا کر پریس کر کے باتھ روم میں جا گھسی۔ اسے وال کلاک کی سوئیاں بھاگتی دوڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ نہا کر گیلے بال تولیے سے خشک کرتی باتھ روم سے باہر نکلی تو شہلا ہنوز آنکھوں... دھرے بیڈ پر دراز تھی۔ شب خوابی کے بغیر آستین کے لباس میں اس کا بھرا بھرا جسم دن کی... میں کچھ معیوب سا محسوس ہو رہا تھا۔

"تمہیں جانا نہیں ہے۔" وہ تولیہ بالکنی پر بندھی رسی پر پھیلا کر اس سے مخاطب ہوئی... ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھا کر پھیرنے لگی۔

"ناشتا تو کرلو۔ گیارہ بجنے کو ہیں۔" اس کی خامشی پر وہ اس کے قریب آئی اور ذرا... اس کے کھلے بازو پر جھجکتی انگلیاں لگا کر ہلایا تو جیسے آگ کی لپٹیں اس کی پوروں کو جلا گئیں... نے گھبرا کر اس کی کلائی تھامی اور جھٹکے سے ہٹادی۔ وہ تنور کی طرح دہک رہی تھی۔

"شہلا..... تمہیں تو بخار ہو رہا ہے۔ دیکھو کتنی گرم ہو رہی ہو۔" اس... تشویش کن تھا۔ وہ بازو ہٹا کر لال چور آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم جسم کی بات کر رہی ہو۔ میری روح تو اس سے کہیں زیادہ آگ بن کر جھلس رہی ہے۔" وہ اٹھ بیٹھی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے بس معمولی حرارت ہے ایک ٹیبلٹ کھالوں گی تو بخار و خار اتر جائے گا۔" وہ بے زاری سے بولی اور بیڈ سے پاؤں لٹکا کر سلیپر پہن کر کھڑی ہو گئی۔

"سزا اسے ملنی چاہیے شہلا جو اس کا حقدار ہے۔ تم خود کو سزا کیوں دے رہی ہو۔ پلیز شہلا" وہ اس کے سامنے آئی اور اس کے شانوں کو تھام کر کرب سے بولی۔ "دکھ کو شیئر کرنے سے دکھ، غم کا احساس ہلکا ہو جاتا ہے ورنہ آگ کی طرح اندر ہی اندر جھلسا کر راکھ بنا دیتا ہے۔ اس آگ کو باہر نکال دو شہلا ورنہ تمہیں یہ خاکستر کر دے گی۔" اس کے لہجے میں تکلیف دہ رنگ تھا۔ پتا نہیں شہلا نے محسوس کیوں نہیں کیا یا نظر انداز کر دیا اور زہر خند کے ساتھ بولی۔

"بند کرو یہ اداکاری۔ تم میری شکست کی کہانی سن کر لطف اٹھانا چاہتی ہو۔ میرے غموں کو ایک ایک کر کے اپنی جھولی میں بھر کر اپنے دکھوں کو غلط کرنا چاہتی ہو۔"

شہلا کے یہ جملے کسی زہر میں بجھے ہوئے نشتر کی طرح زنیرہ علی خان کے دل میں پیوست ہو گئے۔ اس کے ہاتھ مردہ سے ہو کر اس کے شانوں سے گر گئے۔

"اتنا..... اتنا بے اعتبار خیال کرتی ہو تم مجھے۔" اس کا انداز رو دینے کا تھا۔ مگر شہلا پلٹ کر بالکنی میں چلی گئی۔

"مجھے اب کسی پر اعتبار نہیں ہے۔ میرا اعتماد اس کائنات کے ذرے ذرے سے اٹھ چکا ہے۔ تم کیا چیز ہو زنیرہ علی خان ایک جیتا جاگتا انسان۔ مفاد پرست، خود غرض انسان جو کبھی، کسی اعتبار کے قابل نہ بن سکتا۔"

اس کی سوچوں میں آگ بھری تھی۔ اس کا لہجہ اس آگ کی تصویر تھا جو سلگ سلگ کر اپنے اطراف کو بھی اپنی تپش میں جھلسا رہی ہو اور حقیقت میں زنیرہ علی خان کی روح بھی اس تپش میں جھلس رہی تھی۔

"یوں بھی ہمارے درمیان غرض کا رشتہ ہی ہے تمہیں ایک سائبان ایک پناہ کی ضرورت تھی اور مجھے اس کال کوٹھری میں اپنے علاوہ کسی اور ذی روح کی۔" اس کا انداز بڑا سفاک تھا مگر ٹوٹا ہوا سا۔

"بے شک وہ لمحے ہمیں غرض کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے مگر کوئی بھی دو انسان اتنا عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہوئے گزار دیں تو ان کے درمیان ایک طرح کی انسیت ہو جاتی ہے۔ وہ ایک دوسرے پر انحصار کرنے لگتے ہیں۔ کوئی بلڈ ریلیشن نہ ہونے کے باوجود ان کے

درمیان ایک اعتبار کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ روز ملنے اور جدا ہونے والے لوگوں سے کہیں ساتھ رہنے والا ساتھی اعتماد کے قابل ہوتا ہے اور پھر ہر شخص اپنے قریب کے درخت کی ہی حاصل کرتا ہے اور میرے نزدیک تو انسان کی چھاؤں درخت کی چھایا سے کہیں زیادہ پرسکون اور طمانیت انگیز ہوتی ہے۔“

زنیرہ علی خان کی مدلل باتوں نے چند لمحے شہلا نواز کو خاموش کر دیا۔ تاہم چند لمحے تو بعد خود کلامی کے انداز میں بولی۔

”ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہتی ہو مگر ہر درخت کی طرح ہر آدمی کی چھاؤں ایک سی نہیں، دھوکا بھی ہوتا ہے قریب آنے پر معلوم ہوتا ہے کہ جس کی چھاؤں کے لیے اتنا طویل سفر کتنے درخت کتنی چھاؤں، پیچھے چھوڑ آئے۔“ وہ کھوئے کھوئے یاس بھرے لہجے میں بولی۔ کر زنیرہ خان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بڑی اداسی بڑی افسردگی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”اندر بہت ہی آگ بھری ہو۔ بہت گھٹن ہو حدت ہو تو چھاؤں کیا کرے گی چاہے آدمی یا درخت کی۔“

اس کے ترشے ہوئے ہونٹوں کی خفیف سی لرزش زنیرہ خان سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

اس کے لہجے میں بے اعتباری ہنوز قائم تھی اور زنیرہ خان ایک گہری سانس لے کر ٹوٹے ہوئے بال صاف نکالنے لگی۔ اعتماد زبردستی یا کسی دھمکی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا مقابل کی اپنی سوچ میں دھیرے دھیرے اترتا ہے۔ جیسے ڈھلتی رات کی مدھم تاریکی میں نرم روشن کرنیں دھیرے دھیرے اتر کر تاریکی کا سینہ پھاڑ دیتی ہیں۔ یہ روشنی تو وقت لاتا ہے اور پھر وہ بھی شہلا نواز کے لیے بے اعتبار نہ رہی تھی۔ مگر جو حالات ابھی شہلا کو تھے اس نے مینٹلی سب سے بددل اور متنفر کر دیا تھا۔ اس میں وہ شہلا نواز کو ہرگز قصوروار سمجھتی تھی۔

”جائیے نیچے آپ کی سواری باد بہاری آ چکی ہے۔“ شہلا کی آواز پر وہ چونک گئی۔ گاڑی کا ہارن زور زور سے بج رہا تھا۔ وہ مستعد ہو کر جلدی جلدی بالوں میں ہیئر بینڈ لگانے ذہن کو جھٹک کر جلد از جلد خود ہی نیچے اتر جانا چاہتی تھی مبادا بھائی غالب اوپر تک نہ آجا اس وقت شہلا کی مینٹلی حالت کسی بھی بدمزگی کو جنم دے سکتی تھی۔ اس نے ایک سر آئینے میں اپنے چہرے پر ڈالی۔ دھلے ہوئے چہرے پر سادگی کا نکھار تھا۔ کل کا مٹا مٹا کا دھونے کے بعد ہلکا ہلکا کشادہ آنکھوں کے کنارے پر جما ہوا تھا۔ اس نے پیروں میں چپل اور چادر کے ہمراہ ہینڈ بیگ اٹھا کر سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

سدرہ بھابی اسے مین گیٹ پر شمشاد بیگم سے باتیں کرتی نظر آگئیں۔ اسے دیکھ کر وہ جلدی شمشاد بیگم کو خدا حافظ کہنے لگیں جس پر شمشاد بیگم ذرا برا مان کر بولیں۔

”یہ اچھی رہی کہ اب رشتہ تمہارا صرف زنیرہ سے ہی رہ گیا ہے۔ ہم بھی اس کے آگے پیچھے ہیں۔“ پکنک پر سائرہ کے ہمراہ اس کے کزنز بھی تھے جو مانسہرہ سے آئے تھے۔

اور حقیقت تو یہی تھی کہ سائرہ کو اپنی دادی کی طرف سے آج شاہ پیلس والوں کے ہمراہ پکنک کی اجازت بھی اسی شرط پر ملی تھی کہ خرم میاں اور مونابی جو ان کی بہن کے آخری دو اری اولاد رہ گئے تھے ساتھ جائیں گے۔ ادھر غالب تو سائرہ کے ان دو سایوں کو دیکھ کر پہلے ہی بھن کر کباب ہو گیا تھا۔ اس پر مستزاد خرم میاں کسی لفٹ کرائے عاشق کی طرح ناز و ادا سے کا ہاتھ تھام کر شاہ پیلس کی گاڑی میں جا بیٹھے۔ اس لیے کہ مونابی ہی کا اصرار تھا اور اس ار میں کیا اسرار تھا وہ خدا ہی بہتر جانتا تھا مگر کچھ تو خیر وہ لوگ بھی جان گئے تھے محض آدھے کے اندر ہی کہ جو چمک لپک شاہ دل کو دیکھ کر مونابی کے چہرے اور آنکھوں میں ٹھاٹھیں نے لگتی تھی۔

دھوپ چھاؤں کے خوشگوار کھیل کے باعث جلو پارک کی خوبصورتی دل موہ رہی تھی۔

ان کی گاڑی کے پیچھے دو مزید گاڑیاں رکی تھیں جن کا ایک شاہ دل ڈرائیونگ کر رہا تھا اور علی خان کو غالب کی گاڑی سے اترتے دیکھ کر اس کے دل کی کلی کھل اٹھی تھی۔ اسے یہاں کر ایک عجیب سی سرخوشی کا احساس ہونے لگا۔ ایک خوشگوار احساس رگ رگ کو چھو گیا۔

بڑی بڑی دریاں بچھا کر گاڑی سے نکالا سامان رکھتے ہوئے زنیرہ پلٹی تو دھک سے رہ گئی۔ وہ اطمینان بھرے انداز میں کولر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ”اسے بھی ایک طرف رکھ یے۔“

اس نے یہاں وہاں دیکھا۔ بھابی اور فارحہ گاڑی کے پاس تیمور اور غالب سے مزید سامان رہی تھیں اور نیلی سائرہ کافی فاصلے پر تھیں۔ ناچار اسے توجہ دینا پڑی۔

اتنا پانی سے بھرا ونی کولر وہ خود بھی رکھ سکتا تھا بلکہ اسے رکھنا چاہیے تھا مگر وہ کیسی لاپرواہی اس کے ہاتھوں میں دے رہا تھا۔ اس کی لرزتی انگلیاں لمحہ بھر کو اس کی مضبوط ہتھیلی سے اگئیں تو جیسے نس نس میں برقی لہریں سرایت کر گئیں۔

”دھیان سے گر نہ جائے۔ اس نے سرعت سے گرتے کولر کو تھاما۔ لمحہ بھر کے اس لمس کو ی محسوس کر چکا تھا۔ وہ پلکوں کی باڑھ جھکا کر کولر کو ایک طرف رکھ کر پلٹ کر نیلی اور سائرہ کی ب بیٹھ گئی۔

"نیلی! کوئی اچھی سی کیسٹ تو دو بجانی ہے۔" عادل نیلی کے پاس چلا آیا۔ "[illegible]
رہے ہیں نیلی کے پاس بڑے اچھے گانوں کی کیسٹ ہیں۔" وہ اس سادگی سے [illegible]
بجائے کیسٹ دینے کے ہاتھ میں پکڑا بیگ اسے دے مارا۔

"یونہی بکواس کر رہے ہیں ذرا سی گنگناہٹ کی کہانیاں ہی بنا ڈالی ہیں جاؤ [illegible]
ویسٹ نہیں ہے میرے پاس۔" وہ کڑے تیوروں کے ساتھ بولی۔ عادل ہنستا ہوا چلا [illegible]

"اب دل تو نہ توڑو بیچارے عمیر بھائی کا۔" سائرہ نے عادل کے جانے کے بعد [illegible]
انداز میں اسے چھیڑا۔ گویا اس تک بھی یہ فضول کہانی پہنچ چکی تھی۔

وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"میری طرف سے تم ایلفی خرید کر ان کا دل جوڑ دو۔ اونہہ فضول میں۔"

"ہاں ویسے بھی تم دل جوڑنے اور دل رکھنے میں ماہر ہو۔" دری کے اس کنارے
باسکٹ رکھ کر غالب ان کی طرف آگیا۔ اس کے چہرے پر خاصی ناگواری جھلک رہی
روٹھا ہوا کوئی بچہ منہ پھلا کر اسی کے پاس جائے جس سے خفا ہو۔

"اس آنگڑو بانگڑو کزن کی باچھوں کی نمائش تو تمہیں بڑی دلفریب لگتی ہے۔ [illegible]
جاتا ہے دادی کے نام کو مفت میں لیا جا رہا ہے۔"

سائرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا جبکہ زنیرہ نے ہنسی چھپانے کے لیے ذرا سا رخ پھیر لیا۔

"آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

"تکلیف۔" غالب جیسے کراہ کر رہ گیا۔ "میرا دل تو چاہتا ہے کہ تمہارے ان [illegible]
بنا کر اس پارک کے ایک احاطے میں دفن کر دوں۔ آخر ضرورت کیا تھی اس پوری [illegible]
آنے کی۔ میں تو..." غالب کی انگارہ برستی زبان کو بریک لگ گیا۔ منجھلی چچی تائی [illegible]
اس طرف ہی آ گئیں اور سائرہ موقع پا کر کھٹ کھٹ کرتی وہاں سے چلی گئی۔

بڑے سے پیپل کے درخت کی چھاؤں میں بزرگ حضرات خوش گپیوں میں [illegible]
دوسری طرف دری بچھا کر ینگ جنریشن بیٹھی تھی۔ عادل اور تیمور ذرا فاصلے پر کرکٹ [illegible]
تھے۔

"مانسہرہ کا حسن تو لاجواب ہے لاہور تو اس کے مقابلے میں کچھ مصنوعی سا لگ[illegible]
نیچر کی بہت بیوٹی ہے۔" خرم میاں آنکھوں کو چڑھا کر منہ کو بگاڑ کر لاہور کی شان میں [illegible]
لگے اور غالب کو پتنگے لگ گئے۔

"تو نا آتے آپ لاہور وہیں رہتے احسان ہوتا ہم پر۔" اس کا انداز خاصا جلا [illegible]

بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کی بھٹکتی نگاہیں جو گھوم پھر کر سائرہ پر جم جاتی تھیں' ان کی چٹنی بنا کر رکھ دے۔ وہ سارے دانت توڑ دے جو ہر وقت اشتہاری ماڈل کی طرح نمائش میں رہتے تھے۔ اسے اس کا گھوم پھر کر سائرہ کے پاس آجانا سخت کھٹکتا تھا۔ اس پر خرم میاں کا نہایت فضول گھٹیا شعری ذوق۔ وہ محض آدھے گھنٹے میں ہی غالب کے لیے ناقابل برداشت قسم کی شے بن کر رہ گئے تھے۔

"ارے نہیں بھائی جان۔ مجھے تو لاہور بہت ہی پسند ہے اور خاص کر لاہور کے لوگ تو اوف کتنے ہینڈسم کتنے ڈیشنگ اور زبردست ہیں۔" خرم میاں کی بہن مونابی کی خمار بھری نظریں دور بیٹھے سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس شاہ دل پر جمی تھی۔ گویا وہ اسی کے حوالے سے لاہور کی تعریف کر رہی تھی۔ سب کی بے ساختہ ہنسی بکھری جبکہ شاہ دل نے چونک کر دیکھا۔

"کیا ہوا؟" اس کی اس کیا ہوا میں حیرت بھرا استفسار تھا۔ وہ اگر مونابی کی نگاہوں کا خمار اپنے لیے اڈتا دیکھ لیتا تو شاید ان سب کی بے ساختہ پر معنی ہنسی پر حیران نہ ہوتا۔ زنیرہ خان بھی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ چھپا سکی تھی اور یہی شاہ دل ان سب سے بے خبری کا جواز بن گیا تھا۔ وہ اسی گلابی نرم ہونٹوں سے پھوٹتی ہنسی میں گم نہ ہوتا۔ اس چہرے کو مسلسل غیر شعوری طور پر نہ تک رہا ہوتا تو یقیناً مونابی کے التفات اور جذبوں سے پر آنکھوں کو اچھی طرح جانچ لیتا۔

"حالِ دل تو کھل چکا اس شہر میں ہر شخص پر
ہاں مگر اس شہر میں ایک بے خبر بھی دیکھنا"

غالب کی اس برجستہ شعر گوئی پر ایک ملا جلا قہقہہ پڑا مگر اس بار باوجود چاہنے کے زنیرہ خان کے لب مسکرا تک نہ سکے۔

دو بھوری آنکھوں کی محویت نے پہلے ہی اس کی ہنسی کو یوں کافور کر دیا تھا جیسے کسی نے شٹر گرا کر ہنسی کے اس آبشار کو بند کر دیا ہو۔ گو کہ شاہ دل نے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدل ڈالا تھا مگر اس کے اعصاب پر کتنی ہی دیر تناؤ سا قائم رہا۔

"کیوں نہ ایک شعری نشست ہو جائے۔ میرا مطلب ہے بیت بازی کا شغل کیا جائے۔" خرم میاں نے کچھ لمحے توقف کے بعد آئیڈیا پیش کیا۔

"ذرا ماحول میں لطافت پیدا ہو جائے گی یوں بھی جب تک چند نستعلیق اشعار ہم سنا نہ دیں جذبوں میں اضطراری سی رہتی ہے۔ رگ رگ میں ایک ہیجان سمایا رہتا ہے۔ کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟" خرم میاں کے اتنے فصیح و بلیغ لیکچر پر سوائے اتفاق کرنے کے اور کوئی کیا کہہ سکتا تھا۔

"کیا یہ گھر میں بھی ایسی ہی زبان استعمال کرتے ہیں؟" غالب نے ہنسی روکتے ہوئے ذرا سا

پیچھے کی سمت جھک کر سائرہ سے کہا تو نیلی نے اسے آگے دھکا دے دیا۔

"آئیڈیا تو زبردست ہے کیا خیال ہے شاہ دل پھر ہو جائے اس زمانے کی یاد تازہ۔"
بھائی کی حسِ لطیف موج میں آ گئی۔

"مجھے تو معاف ہی رکھئے البتہ سننے کے لیے میرے دونوں کان کھلے ہیں۔"

"کیا کیا یعنی تم دامن بچا رہے ہو۔" انہوں نے اسے گھورا تو اس نے کندھے اچکائے۔

"اب اتنے بدذوق تو نہیں لگتے آپ۔" رابعہ نے شاہ دل کو دیکھا۔

"ارے کیا بات کرتی ہو۔ یہ لڑکا تو زبردست ذوق رکھتا ہے۔" ثاقب بھائی جلدی
بولے۔ "اوئے وہ بھی کیا زمانے تھے جب شاہ دل اور میں اسکول لائف میں بیت بازی
مقابلوں میں ٹیم کو ٹرافیاں جتوایا کرتے تھے۔ کیوں شاہ ہے۔" ثاقب کی چشمِ تصور میں
زمانے لہرانے لگے تھے۔ وہ کھو سے گئے۔

"رئیلی۔" مونا بی مصنوعی حیرت سے چیخ اٹھیں اور نگاہوں نگاہوں میں شاہ دل کو
لگیں۔

"یہ ثاقب کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ وہ اپنے کارناموں میں دوسروں کو بھی بصد احترام شامل
کرتا ہے وگرنہ میں کہاں' شاعری کا مقام کہاں؟"

"اللہ اللہ۔" غالب نے لہک کر کہا تو اس کی بھوری آنکھوں میں دھیمی مسکراہٹ
گئی۔ ثاقب بھائی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کارناموں پر آپ ذرا کھل کر روشنی ڈالیں۔ یوں تو کالے کارنامے بھی ہوتے ہیں۔"
نے کہا تو محفل زعفران زار بن گئی۔

"ان پر پردہ ہی رہنے دیجئے عمیر میاں۔" ثاقب بھائی نے عمیر کا مائیک کی طرح شاہ دل
آگے رکھا ہاتھ پکڑ کر جھکا دیا۔

"یہ شاہ دل اس طرح دامن بچا رہا ہے تمہارے ذوق کی گواہی میری ڈائری پر لکھی
ہیں جو......"

"اوکے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر جیسے انہیں مزید ازطشت از بام کرنے سے روک دیا
خیال کے تحت چونک کر بولا۔

"ایک شرط پر میں اس محفل میں شریک ہو سکتا ہوں کہ یہاں جتنے بھی لوگ ہیں ان میں
سے کوئی بھی محض سامع کی حیثیت سے شریک نہیں ہو گا۔" اس کی نظریں زنیرہ خان پر
گویا جتانا بھی اسے ہی تھا۔ اس کے دل کی حالت منتشر ہونے لگی۔

سب نے تائیدی انداز میں زور زور سے سر ہلا دیا۔

"صرف ایک سر نہیں ہل رہا ان میں۔" ثاقب بھائی کی شرارت آمیز نظریں زنیرہ کے جامد
وجود پر تھیں۔ وہ جھینپ گئی۔

"کیوں زنیرہ؟ اس لطیف محفل میں صرف سامع بن کر رہنا تو اچھی بات نہیں ہو گی نا۔"

"اگر کوئی اچھا شعر ذہن میں آیا تو ضرور سناؤں گی۔" اس نے مصالحت آمیز انداز اختیار
کیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ کھلا انکار کسی کے لیے قابل قبول نہیں ہوتا۔

شاہ دل کی اس شرط کا بیک گراؤنڈ وہ اچھی طرح جان چکی تھی۔ اسے سخت ٹینشن ہو رہی
تھی۔ جتنا وہ اس شخص سے بچ کر رہنا چاہتی تھی جتنی اس کی صورت سے متنفر تھی حالات اسے اتنا
ہی اس کے سامنے کھڑا کر رہے تھے۔

اس نے تو نیلی سے سنا تھا کہ شاہ دل ان کے ہمراہ نہیں آ رہا کسی اہم میٹنگ کے باعث مگر
اب اسے یہاں دیکھ کر اسے سخت کوفت ہوئی تھی۔ وہ احساسِ جرم سے ندامت محسوس کر کے
اس سے کتراتا الٹا وہ اس کی بے بسی سے محظوظ ہو رہا تھا۔

یہ مرد لوگ کس قدر بے حس اور سفاک ہوتے ہیں۔ ثاقب بھائی کے اصرار اور زیادہ اپنے
شوق کے ہاتھوں خرم میاں نے اس محفل کی ابتدا کی۔

غیر پر لطف و کرم بس ہو چکا
ہو چکا ہم پہ ستم بس ہو چکا
ہے ہمارے بعد بھی ان کا عتاب
مر کے یہ سمجھے تھے ہم بس ہو چکا

خرم میاں کا خیال تھا یہ چار مصرے کہہ کر ہی انہوں نے میدان مار لیا ہے سو سر ہلا کر
فرشی سلام جھاڑ کر سینہ تان کر مزید گویا ہوئے۔

کر چکے پامال اب گھر بیٹھے
فتنہ برپا ہر قدم بس ہو چکا
بحر الفت سے نکالیں آشنا
تھک گیا ہوں مجھ میں دم بس ہو چکا

"بس ہو چکا...... بس ہو چکا۔" سب نے کورس میں لہک کر آخری جملے ادا کیے تو خرم میاں
اسے سب کی جانب سے داد و تحسین سمجھ کر کھل اٹھے۔

میاں مانسہرہ اب جائیے
لاہور میں بہت بس اب ہو چکا

غالب نے خرم میاں کو مزید بولتے دیکھ کر جھٹ سے پڑھا تو قہقہے اُمڈ پڑے۔

"لاحول ولا۔ کیا ان اشعار کو جب تک نہ سنادیں ان کی رگ رگ میں ہیجان رہتا ہے"

غالب بگڑے ہوئے موڈ سے بڑبڑا کر رہ گیا۔ کچھ بے مزا ثاقب بھائی بھی ہو گئے تھے۔ یہ اشعار ان کی طبع نازک پر چابک کی طرح لگے تھے۔ بظاہر خوشدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے۔

"بھئی سبحان اللہ کیا عمدہ ذوق رکھتے ہیں خرم میاں۔" اور جواباً خرم میاں نے پیشانی پر ہاتھ لے جا کر شکریہ ادا کیا اور پھر فاتحانہ انداز میں گردن اکڑا کر بیٹھ گئے۔ گویا میدان ہی مار لیا ہو کہ اب چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

غالب کے خیال میں ابتدا ہی اتنی بری ہوئی تھی تو انجام کا تو اللہ حافظ تھا۔ اس کی طبیعت مکدر ہو چکی تھی سو اس نے مختصراً دو اشعار سنا دیے۔

شاہ دل اس کے اندرونی خلفشار کو محسوس کر کے مسکرا رہا تھا۔ نیلی کی باری آئی تو عمیر کا چہرہ چمک اٹھا۔ وہ لاپرواہی سے شاہ دل کے زانوں پر سر رکھے نیم دراز لیٹا تھا۔ اچک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

میں تمام تارے اٹھا اٹھا کر غریب لوگوں میں بانٹ دوں
کبھی ایک رات وہ آسمان کا نظام دے میرے ہاتھ میں

نیلی نے کچھ اس سادگی اور معصومیت سے اپنے ان نیک جذبات کا اظہار کیا کہ عمیر کا ... بجھ کر رہ گیا۔ وہ تو کچھ اور ہی سننے کا خواہاں تھا مگر یہاں تو ان خوبصورت جذبوں پر اس احمق لڑکی نے دھڑا دھڑ برف گرا ڈالی تھی کہ غالب کو اس کا چہرہ دیکھ کر ہنسی دبانی مشکل ہو رہی تھی۔ جو ... بجھ سا گیا تھا جیسے جلتے فانوس کا فیوز بھک سے اڑ گیا ہو۔" اس سے تو بہتر تھا تم وہ گانا ہی سنا دیتیں ... نیلی کی عقل کو دل ہی دل میں کوس کر رہ گیا۔"

"بڑے عمدہ جذبات ہیں۔ اس لڑکی کے ماشاء اللہ۔" ثاقب بھائی نے کھل کر داد دی۔ ... شعر پر کمنٹس دینا ضروری سمجھتے تھے۔

"شکریہ۔" نیلی اس داد پر کھل اٹھی۔ اس سے بے خبر کہ عمیر سخت مایوس ہو کر اپنی پہلی حالت میں واپس جا چکا تھا۔

"چچ...چچ..."

ہم ہیں مشتاق وہ ہیں بے زار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

غالب نے ہنسی دباتے ہوئے عمیر کو ایک آنکھ ماری تو لب بھینچ کر اس نے ایک طرف

پھیر لیا۔

"غالب میاں آپ بھول رہے ہیں کہ آپ اپنا شعری ذوق پورا کر چکے ہیں۔" ثاقب بھائی نے اسے گھور کر تنبیہی نظروں سے دیکھا۔ اس برجستہ شعر کا مفہوم سوائے عمیر یا پھر نیلی کے اور کوئی نہ جان پایا تھا۔ غالب نے جلدی سے معذرت کرلی جو ثاقب بھائی کے دربار میں قبول کرلی گئی۔

مونا کی باری آئی تو وہ سخت مایوس بلکہ دل گرفتہ سی نظر آئی۔ راز کھلا کہ وہ سخن طرازی سے سخت نابلد ہے اور اپنی اس بدذوقی پر اسے آج خاص ملال ہوا جو چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ صرف دور بیٹھے شاہ دل کو دیکھ کر ایک پرسوز آہ بھر کے رہ گئی۔

شاہ دل کی باری آئی تو سب نے تالیاں پیش کیں سوائے ان ہاتھوں کے جو گھٹنوں سے لپٹے ہوئے اضطرابی انداز میں ایک دوسرے سے پیوست تھے۔

مفاہمت کا کوئی دریچہ کھلا نہیں ہے
دیار امکاں میں کوئی منظر نیا نہیں ہے

خاموشی چھائی تو اس کی بھاری خوبصورت آواز گونجنے لگی۔ بظاہر اس کی آواز مدہم تھی مگر زنیرہ خان کے اندر طوفان برپا کرنے لگی۔ وہ غیر محسوس طور پر ان لفظوں پر چونک گئی تھی جو اشعار کی صورت اس شاہ دل کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔

سوال یہ ہے کہ کون پہلا قدم اٹھائے
وگرنہ یہ فاصلہ کوئی فاصلہ نہیں ہے
میں سوچتا ہوں کہ الجھنیں کیسے ختم ہوں گی
ہمارے درمیاں جب کوئی رابطہ نہیں ہے

اس کی شخصیت کی طرح اس کی آواز بھی اتنی ہی مسحور کن تھی اور شاید وہ خود بھی اس سے اچھی طرح آگاہ تھا۔

بیاض عمر گریز پا پہ بھلا لکھیں کیا
ہمارے حق میں کہیں بھی حرف دعا نہیں ہے
یہ کیسے لوگوں سے واسطہ ہے نذیر میرا
کہ جن کے لہجوں میں ضد ہے انا نہیں ہے

وہ خاموش ہوا تو ہر طرف داد و تحسین کا شور اٹھ کھڑا ہوا۔ ثاقب بھائی اس کی پیٹھ تھپک رہے تھے اور وہ مسکرا کر اس ستائش کو قبول کر رہا تھا۔ اور اس کے تپتے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈالی

گویا اپنے کہے ہوئے لفظوں پر اس کے تاثرات جانچنا چاہ رہا تھا۔

اس کی بھوری نگاہوں کے اٹھتے ہی اس نے اپنی پلکوں کا جال گرا دیا تھا یہ اور بات کہ لمحاتی تصادم نے اس کے اندر کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی برقی لہر اس کی نس نس کو چھو کر گزر گئی ہوں۔ اس کی نا آسودگی اور بے قراری میں اضافہ ہو گیا۔

اس کا دل چاہا وہ اسی وقت یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے۔

ان نظروں سے دور۔

اس محفل سے دور۔

ان تمام سوچوں سے دور نکل بھاگے۔

مگر اپنی بے بسی پر خود ہی کڑھ کر رہ گئی۔

"اس کا مطلب ہے ثاقب بھائی نے کچھ غلط نہیں کہا تھا۔" سدرہ بھابی شاہ دل سے مخاطب تھیں۔

"تم تو پورے چھپے رستم ہو۔" انہوں نے کہا تو صرف اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ نگاہوں کا رخ زنیرہ علی خان کی طرف کرتے ہوئے بڑی بے اختیاری کی لپیٹ میں آکر اسے مخاطب کر بیٹھا۔

"آپ کو شاید پسند نہیں آئی غزل؟" وہ اس کی جانب سے اس طرزِ کلام کے حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی فوری طور پر سٹپٹا گئی، مگر دوسرے لمحے سنبھل کر بولی۔

"کسی اور کی غزل پر آپ کو محض سنانے پر اتنی داد مل جانا ہی میرے خیال سے کافی ہے۔" اس کے انداز میں بلا کر سرد مہری تھی۔ غالب نے چونک کر اسے دیکھا پھر شاہ دل کے چہرے پر گزرتے رنگ کو جو وہ بظاہر خوشدلی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"میں اپنی نہیں غزل کی داد چاہ رہا تھا۔ یوں بھی اس محفل کو اپنے اپنے ذوق کا ناپ ہی سمجھ لیجیے۔ میں بھی اپنے ذوق کی ہی داد وصول کر رہا تھا۔"

وہ چپ سی رہ گئی البتہ اس کے اندر کا آتش فشاں جیسے متحرک سا ہو گیا تھا۔

"ہاں بھئی زنی یہ تو زیادتی ہے۔" بھابی کہہ رہی تھیں۔ "تم نے شاہ دل کا دل ہی توڑ دیا۔"

کوئی اس سے بھی پوچھتا کہ اس کے دل کے کتنے ٹکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی اس کے اندر تو جھانکے کہ، وہ کس قدر ریزہ ریزہ ہوئی ہے۔ اس شخص کے ہاتھوں۔ جس کی ذرا سی رنجش بھی گوارا نہیں۔

"مس زنیرہ علی خان۔ آپ پر ہتک عزت کا الزام عائد ہونا چاہیے بلکہ اسی جرم پر سزا ملنی چاہیے۔ آپ کو نہیں پتا دل توڑنا کتنا بڑا جرم ہے۔"

"بالکل، بالکل۔" غالب کی بات پر ثاقب بھائی نے بھی پرزور انداز میں سر ہلایا۔

"دل کا تعلق تمام تر جذبوں اور احساسات سے ہوتا ہے۔ دل ٹوٹ جائے تو جذبوں اور احساسات پر ٹھیس پہنچتی ہے اور یوں آپ دہرے جرم کی مرتکب ہوئی ہیں۔"

وہ سب محض اسے گھیرنے اور اس محفل میں انوالو کرنے کے لیے چھیڑ رہے تھے، مگر اس کا دل جیسے درد کی بھٹی بن کر رہ گیا تھا اس کی نگاہیں بے اختیار شاہ دل کی سمت اٹھیں جو خود بھی مجرمانہ سے احساسات میں گھرا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس جرم کی زیادہ سے زیادہ کیا سزا ہو سکتی ہے؟"

اس کی آواز دھیمی تھی، مگر غزالی آنکھیں دھیرے دھیرے دہک رہی تھیں۔

اس کے چہرے پر البتہ ایک سکون ایک ٹھہراؤ تھا مگر شاہ دل خان جانتا تھا یہ استقامت طمانیت کی نہیں غصے اور خود آزاری کی کوئی کیفیت ہے۔

وہ کچھ جو شاید اس کے لیے زہر بن گیا تھا۔ اس کی رگوں میں دوڑتا بھاگتا جا رہا تھا۔

بظاہر چہرہ جتنی بھی نقابیں ڈال لے، مگر آنکھیں اپنے اندر کے حبس اپنے اندر کے فشار خلفشار سے مشروط ہوتی ہیں اور وہ دو سرمئی آنکھیں شاہ دل خان کے دل کے آرپار ہو رہی تھیں۔

وہ نگاہیں کترانے پر مجبور ہو گیا۔

"یوں تو اس جرم کی کئی سزائیں ہو سکتی ہیں مگر موقع کی مناسبت سے سزا کے طور پر چند خوبصورت اشعار سنانے ہوں گے۔" ثاقب بھائی نے کہا تو ہر طرف سے تالیاں اور سیٹیاں بجنے لگیں۔ وہ بری طرح جھینپ گئی۔

اور ادھر شاہ دل اس کے تپتے لال چہرے پر ایک نئے رنگ کو اترتے دیکھ کر خاصا حیران ہوا۔ اس کی ذات کا یہ رنگ بڑا دلفریب اور دل موہ لینے والا تھا۔ وہ اس کی اضطرابی انداز میں اٹھتی گرتی پلکوں کا یہ خوبصورت کھیل محویت سے دیکھنے سے خود کو باز نہ رکھ سکا۔

سب کی طرف سے پرزور اصرار ہو رہا تھا اور وہ یوں گھیرے میں آجانے پر حقیقتاً سٹپٹا رہی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے مونابی کی طرح شعر و سخن کی الف بے سے بھی واقفیت نہیں تھی مگر یہ بے چینی جو رگ رگ کو چھید رہی تھی۔ محض اس ایک شخص کی موجودگی پر تھی اور اسی غزل کی تھی جو وہ کچھ دیر قبل سنا کر اسے کیا جتانا چاہ رہا تھا۔ بالواسطہ اسے وہ سب سنانا چاہ رہا تھا جو براہ راست وہ سننے کو اب تیار نہیں تھی۔ یوں بھی اشعار کو سیڑھی بنانے کا طریقہ کوئی نیا یا انوکھا نہیں

تھا۔

محبتیں بھی شمار کرنا تو سازشیں بھی شمار کرنا
جو میرے حصے میں آئی ہیں وہ اذیتیں بھی شمار کرنا
تم اپنی مجبوریوں کے قصے ضرور لکھنا وضاحتوں سے
جو میری آنکھوں میں جل بجھی ہیں وہ خواہشیں بھی شمار کرنا

اس کے لہجے کی وہ کاٹ سوائے شاہ دل کے اور کوئی محسوس ہی نہ کر سکا تھا۔ اس کی یوں بجھ گئی تھیں جیسے کسی نے آہستگی سے دیئے کو پھونک مار کر دیا بجھا دیا ہو۔ ایک گھپ سا اس کی آنکھوں کے پار اتر آیا تھا۔

"بھئی واہ۔ مان گئے۔" ثاقب بھائی سب سے زیادہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

"محبتیں بھی شمار کرنا۔ جو کہا تھا ذرا پھر سے سنانا۔" انہوں نے دوبارہ سننے کی خواہش کی۔

"میرا خیال ہے اب کھانا کھا لیا جائے۔" وہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر اپنی جگہ سے گیا۔ "خاصا ٹائم ہو چکا ہے اسے بعد پر اٹھا رکھیں۔"

زنیرہ نے پلکیں اٹھا کر بس ایک نظر اس کے تنے تنے چہرے پر ڈالی اور اپنے اندر ایک سی سرخوشی محسوس کرنے لگی اس کا یوں یکدم اٹھ جانا' چہرے کا تناؤ اور لہجے کا کھنچاؤ اس ثبوت تھا کہ وہ کامیاب رہی تھی۔ جس زہر کو وہ قطرہ قطرہ پیتی رہی ہے۔ جس اذیت کو سمیٹتی رہی تھی کچھ تو اس طرف بھی منتقل ہو۔ اس کے بگڑے موڈ کو دیکھ کر اس کا دل مسکرا تھا۔

تو شاہ دل خان۔ بس اتنی معمولی خراش پر تڑپ اٹھے۔ مجھے دیکھو۔ تمہارے لگائے کانٹوں سے پر راستوں پر گامزن ہوں۔ تم کہاں اس اذیت کو جان سکو گے۔ کھانا خوشگوار میں کھایا گیا تھا۔ اس کے بعد لڑکے فواروں کی طرف چل پڑے جبکہ لڑکیاں پتھروں پر اور گاڑی سے ٹیک لگا کر اور عورتیں گھاس کے قطعہ پر بیٹھ گئیں اور چاروں طرف اڑتے اچھلتے میں لڑکیوں کو بھیگتے دیکھنے لگیں۔

نیلی اور زنیرہ غالب کی گاڑی سے ٹیک لگائے بھابی پر ہنس رہی تھیں۔ جنہیں ثاقب زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

"بری پھنسی بھابی۔" نیلی کی توجہ اس طرف تھی جبکہ زنیرہ کچھ فاصلے پر رکنے والی بائیک طرف متوجہ ہو گئی تھی جس میں ایک جوڑا بیٹھا تھا۔

سفید شلوار سوٹ میں ملبوس وہ لڑکا بلا شبہ کمال تھا۔ مگر اس کے ہمراہ پرکشش لڑکی اس کے لیے اجنبی تھی۔ وہ بے تکلفی سے اس کے بازو سے لگ کر کھڑی تھی' پھر دونوں مسکراتے ہوئے پتھروں کے درمیان گھرے خوبصورت آبشار کی طرف بڑھ گئے۔ اس کی پلکیں حیرت اور دکھ سے ساکت ہو گئیں۔ اف یہ مرد پتا نہیں کیسے دل لے کر آتے ہیں بے وفائی کرنے پر ذرا بھی نہیں ٹھٹھرتے۔

یوں خوش باش ہو کر محبتیں بدلتے ہیں جیسے کپڑے۔

اس کے دل کے آس پاس شہلا نواز کا درد پھیل گیا۔ رفاقت اتنی جاں افزا نہیں جتنی جدائی جاں سوز ہوتی ہے۔ لوگوں کا بدلنا جانا بھی تو جدائی ہی ہے' بلکہ ایک ایسا درد انگیز احساس کہ اس میں صرف دل ہی نہیں ٹوٹتا بلکہ اعتماد کی زنجیر کی کڑی کڑی بکھر جاتی ہے۔

"نیا جوڑا لگتا ہے۔" غالب کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی تو وہ تولیے سے بال خشک کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اس جوڑے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں اس کا ان دونوں کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہنا عورتوں کی مخصوص فطری دلچسپی ہو سکتی تھی اور اس نے بھی کسی قسم کی وضاحت نہ کی بس مسکرا دی۔

"لڑکی بہت پیاری ہے' ہے نا زینی۔" نیلی کی توجہ کا مرکز بھی گویا یہی جوڑا تھا۔

"ہوں۔" وہ صرف گہری تھکن پر "ہوں" کر کے رہ گئی یکدم سائرہ' فارحہ کے ساتھ مانی کی انگلی پکڑے اس طرف آ گئیں۔

"مل گئی تمہیں فرصت اپنے خرم میاں کے کرتب دیکھنے سے۔" گاڑی کی سیٹ پر تولیہ پھینکتے ہوئے غالب نے سائرہ کو آگ بھری نظروں سے دیکھا۔ جو بڑی مشکل سے خرم سے جان چھڑا کر آئی تھی۔

"اف یہ خرم بھائی تو بس توبہ۔ اتنا زیادہ بولتے ہیں کسی طور جان نہیں چھوڑ رہے تھے۔" فارحہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ پانی کو دیکھ کر یوں آپے جامے سے نکل گئے جیسے مانسہرہ میں تو بوند بوند ترستے رہے ہوں۔" فارحہ کے جملے پر سب بے ساختہ مسکرا پڑے۔

"میرا دل چاہتا ہے تمہارے ان نام نہاد کزنوں کو گولی سے اڑا دوں۔ ایک وہ موٹا صاحبہ جو شاہ دل بچارے کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں اور دوسرے یہ خرم میاں۔ کسی بلائے ناگہانی کی طرح ہم پر مسلط ہو گئے ہیں۔ مانسہرہ والوں نے کچھ دنوں تک سکھ کا سانس لیا ہو گا۔" غالب کچھ زیادہ ہی اموشنل ہو چکا تھا اور پھر موقع بھی تو بہت دیر بعد ملا تھا۔ سائرہ کے سامنے دل کی بھڑاس نکالنے کا۔ ہائے کیا کیا خواب دیکھے تھے جلو پارک کے مختلف جگہوں پر سائرہ کے

ساتھ خوبصورت فوٹو اتروانے کے۔ اس سے دل کی بات کہنے کا، مگر خرم میاں نے
خواب چوپٹ کر کے رکھ دیے تھے۔"

"محافظ کے طور پر دادی نے انہیں میرے ساتھ بھیجا ہے۔" وہ اسے چڑانے کو بولا
بڑھ گئی۔

"جی ہاں ہم تو جیسے چور اچکے لٹیرے ہیں نا۔" وہ بھی جل بھن کر اس کے پیچھے ہو لیا
بھی اسے بہانہ چاہیے تھا اسے تنہائی میں گھیرنے کا اور اب یہ موقع سائرہ اسے دے کر
رہی تھی۔

واپسی کا سفر ہلکی پھلکی باتوں پر ختم ہوا تھا چونکہ سب کے چہروں پر تھکن دکھائی دے رہی
اور زنیرہ خان کی تھکن میں اس کے ذہن کی پراگندگی بھی شامل ہو گئی تھی۔

اس نے پرس ایک طرف ڈال کر چادر اتاری دی اور شہلا کو دیکھا وہ بستر پر دراز
آنکھوں پر بازو دھرے۔ سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی بہرحال اس کی اس گہری خاموشی کو
کی ہمت زنیرہ خان میں اس وقت بالکل بھی نہ تھی۔ اس کا خیال تھا وہ بستر پر گرتے ہی
آغوش میں جا پہنچے گی وہ اپنی تھکن کو نیند کا غلبہ خیال کر رہی تھی مگر جب اپنے بستر پر گری
آنکھوں سے یوں بھاگ گئی جیسے چڑیا شکاری کے جال کو دیکھ کر اڑ گئی ہو۔

وہ جلتی آنکھوں میں ہزاروں خیالوں کا بوجھ لیے پڑی رہی۔

سوال یہ ہے کہ کون پہلا قدم اٹھائے
وگرنہ یہ فاصلہ کوئی فاصلہ نہیں ہے

مانوس، مردانہ آواز کتنی دیر ذہن و دل پر دھمک کی طرح گونجتی رہی۔ چند لمحے وہ جیسے کسی
میں جکڑی رہی پھر گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور کروٹ بدل کر گزرے منظروں کی قید سے نکلنے کے
لیے دانستہ شہلا کے بارے میں سوچنے لگی۔

○☆○

"اے صباحت تم تو بڑی آپا کے ہاتھوں بالکل کھلونا بنی ہوئی ہو حد ہو گئی اتنی تابعداری تو
زر خرید باندی بھی نہیں ہوتی لو اور دیکھو جوان بچوں کی ماں ہو گئی ہو مگر جی حضوری نہیں گئی
یہ آپا تو دبتوں پر چڑھنے کی ہمیشہ سے عادی رہی ہیں۔" رئیسہ آپا نے موقع پا کر صباحت کو گھیرا
وہ دھلے ہوئے کپڑوں کو تہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھیں۔

"اب تو عمر گزر گئی آپا۔ ایک ہی مدفن میں جلتے جلتے۔ اب اس بڑھاپے میں کچھ بول کر
کیا ہونا۔ گزر جائے گی باقی عمر بھی۔ جو دم ہے سو غنیمت۔" وہ ہولے سے ہنس دیں مگر ان

میں شگفتگی یا زندہ دلی نہ تھی۔ ایک افسردگی اور بے چارگی تھی۔ جیسے کوئی جواری ہار کر فاتح کے
سامنے اپنی شکست کے اعتراف کرتے ہوئے بھی اعتماد قائم رکھے رہے۔
یوں بھی اس حمایت نے انہیں کوئی خوشی نہ دی تھی۔ اس لیے کہ حمایت کا سہارا بہت دیر
بعد ملا تھا۔ جب دھوپ کی عادت ہو جائے تو راہ میں آنے والا درخت کوئی معنی نہیں رکھتا۔

"اے پر تو چیونٹی بھی کاٹ کھاتی ہے۔ تم تو جانے کس خمیر سے بنی ہو اور ادھر مظفر بھی ڈھیلا
ہے۔ بڑی آپا تو پوری چنگیزی ہو کر گدی سنبھالے بیٹھی ہیں۔" وہ پلنگ پر دونوں پاؤں اٹھا کر
اطمینان سے بیٹھ گئیں۔

"تم دیکھتیں نہیں ملتان والی کو، کیسے میاں کو مٹھی میں جکڑ رکھا ہے۔ مجال ہے وہاں جا کر آپا
اپنی حاکمیت چلا سکیں۔ یہ سارا راج پاٹ تو یہیں چلتا ہے۔"

رئیسہ آپا کی زبان اپنی ہی بڑی آپا (یعنی سگی بہن) کے لیے اس طرح چلتے دیکھ کر در حقیقت
صباحت حیران ہو رہی تھیں۔ کہاں ان کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ کر بڑی آپا کہتے منہ نہیں سوکھتا تھا
اور اب یہاں بیٹھ کر ان کی برائیاں، ان کی حاکمیت کو تنقید کا نشانہ بنا رہی تھیں اس پر.... انہیں
بھی ورغلا رہی تھیں۔

"میں بھی بہو بچوں والی ہوں۔ خیر سے دو بہوئیں ہیں میری بھی ایسی چلتر باز ہیں کہ ان
کے سامنے دوزخ کی آگ بھی ٹھنڈی پڑ جائے سب گنوں پوریں۔ ان پر ہی کیا اب تو اپنی ہی اولاد
پر بس نہیں چلتا میرا اور ادھر مظفر کو دیکھو مجال ہے ماں کی غلط بات کو رد کر سکے۔ جہاں اماں نے
رسی کھینچی وہیں کو چل پڑے۔ لو دیکھو ذرا اب کل رات میں نے یونہی باتوں باتوں میں مظفر سے
ٹھٹول کر لیا کہ خیر سے مظفر تم نے اچھا خاصا پیسہ بنا لیا ہے اب تو۔ اس پر وہ بچارہ تو کچھ منہ سے
بولتا تو بڑی آپا نے آنکھوں آنکھوں میں اسے چپ کرا دیا اور رونے لگیں کہ کہاں۔ اب دال
روٹی چل رہی ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو مجھے کوئی کرید تھوڑی ہی تھی بس ایسے ہی خوشی ہوتی
ہے یہاں آسودگی خوشحالی دیکھ کر چلو بیٹی ذرا شان سے بیاہ سکے گا مظفر بھی۔ کیوں کچھ غلط کہہ رہی
ہوں۔" انہوں نے صباحت کا چہرہ دیکھا۔

"مگر وہ جواب کیا دیتیں سو چپ رہیں الماری بند کر کے دیوار سے لگے شیلف میں رکھی
کتابوں کی ترتیب درست کرنے لگیں۔ حقیقتاً وہ رئیسہ آپا کی ان باتوں سے خوفزدہ ہو رہی تھیں
مبادا ساس کے کان میں کوئی بات جا پڑی تو۔ الٹا وہ بھی گھیر لی جائیں گی۔

"آپ نے چائے پی یا نہیں؟" انہوں نے موضوع بدلنے کی غرض سے پوچھا اور یوں بھی
انہیں یہاں سے باہر نکلنا تھا سو کام پڑے تھے، مصدق کا یونیفارم بھی دھونا تھا۔ جو سائرہ نے بھگو

رکھا تھا۔

"ہاں آپا کے ساتھ ہی تو پی ہے۔ وہ نماز کے لیے اٹھیں تو میں ادھر آ گئی۔ سوچا بات تم سے کرلوں۔ بات سنو۔" انہوں نے صباحت کے قریب ذرا اور کھسکتے ہوئے رازدارانہ پکارا۔ "تمہارا میکہ تو خاصا لمبا چوڑا ہے' خیر سے تین بھاوجیں اور بھو بچوں والیاں ہیں دیکھا ہے تم وہاں جاتی نہیں اور وہ لوگ بھی بہت کم آتے ہیں۔ آئے میری مونا تو آتی تو رہی تھی ان لوگوں کی۔"

شاہ پیلس کے مکینوں کے ذکر پر صباحت کا چہرہ چمک اٹھا' مگر آنکھوں میں ایک ہلکی چھا گئی تھی۔

"وہ لوگ کیوں نہیں آتے؟" انہوں نے کھوجتی نظروں سے دیکھا تو انہوں نے اور چادر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"میری بھاوجیں تو بڑی اعلیٰ ظرف ہیں آپا انہوں نے کیا کچھ نہیں سنا میری سال میری خاطر مگر مجھے ہی ان کی بے عزتی' ہتک منظور نہیں ہے۔ خیر' چھوڑیں آپا۔ اب باتوں کر کیا کرنا ہے۔" وہ ایک گہری سانس لے کر اٹھنے لگیں۔ تو رئیسہ بیگم نے ان کا ہاتھ پکڑ اٹھنے سے روک دیا۔

"دراصل میرے لاہور آنے کا مقصد کچھ اور تھا۔" انہوں نے ایک نظر پھوپھی پر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگیں۔ "تمہیں تو پتا ہے اب دو ہی بچے خرم اور مونا رہ گئے بیاہ ہے۔ خرم میاں کی تو چلو فکر ختم ہو گئی ہے۔" ان کی مسکراہٹ ذرا اور بھی پھیل گئی "بس مونا کی فکر ہے۔ تمہاری نظر میں کوئی اچھا نیک لڑکا ہو تو بتانا۔ میری میمونہ کو تم دیکھ ہو کیسی پیاری' سگھڑ اور سلیقہ شعار بچی ہے۔" انہوں نے بغیر جھجکے مبالغہ آرائی کی۔

"جی ماشاءاللہ خدا نصیب اچھے کرے مگر آپا میں کہاں جانتی ہوں زیادہ لوگوں کو۔ بس سسرال ہے جو آپ جانتی ہیں اور ایک میکہ ہے۔" ان کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

"تو میں کون سا دور پرے لوگوں کی بابت کہہ رہی ہوں۔ خیر سے تمہارے اتنے بھتیجے بیاہ ہے۔" رئیسہ آپا کے لہجے کی کھنک میں ہزاروں امیدیں چیخ رہی تھیں۔ نگاہوں میں مسکراہٹ بکھری تھی۔ جیسے وہ صباحت کو راضی کر کے اپنی مراد پا ہی لیں گی اور ادھر صبا سادھے بیٹھی رہ گئیں۔

تو ساری ہمدردیاں۔

ساری محبتیں بس اسی ایک غرض سے لپٹی ان کو پیش کی جارہی تھیں۔

تو کہ کچھ دیر بعد سمجھ میں آیا یہ نقطہ انہیں مگر آہی گیا وہ ٹھنڈی پڑ گئیں۔
بھلا بھابی کی اولاد پر ان کا کیا زور مگر رئیسہ آپا کی چمکتی قندیلوں کو ایک دم بجھا دینے کا حوصلہ بھی ان میں نہ تھا۔ آہستگی سے بولی۔

"میں بات کروں گی ان سے اپنی طرف سے کیا کہہ سکتی ہوں۔"

رئیسہ آپا کی حمایتوں اور عنایتوں کی بارش کا جواز جان کر حقیقتاً ان کا دل دکھ گیا تھا۔ محض اسی بات کے لیے وہ اتنی تمہیدیں باندھ رہی تھیں۔ ایک ایک لفظ کو سیڑھی بناتیں اس مطلب تک آئی تھیں۔

وہ آہستگی سے بیڈ کے کنارے سے اٹھ گئیں۔ اسی دم خرم میاں اپنی پوری سج دھج کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور رئیسہ آپا کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہ مل سکا۔

"آنٹی! میں ذرا سائرہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں کچھ شاپنگ کرنی ہے مجھے۔"

"پلیز خرم بھائی۔" سائرہ اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوئی۔ سخت پریشان الجھی ہوئی۔ "آپ مونا آپی کو لے جائیں نا۔"

"مونا بھی اتنی ہی ناواقف ہے اس شہر سے جتنا میں۔ دیکھو میں نے آنٹی سے اجازت لے لی ہے۔ کیوں آنٹی آپ کی طرف سے اجازت ہے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ چلی جاؤ سائرہ۔ کہاں یہ اکیلا بچارہ مارکیٹ ڈھونڈتا پھرے گا' مگر اماں سے ضرور پوچھ لینا۔" انہوں نے آخر میں تاکیداً ساس کی طرف اشارہ کیا۔

"ان سے تو میں نے پہلے ہی اجازت لے لی ہے۔" خرم میاں الماری سے آئینے میں خود کو تنقیدی نظروں سے جانچتے ہوئے بولے اور مطمئن ہو کر سائرہ کی طرف پلٹے۔ باچھیں پھٹ کر کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ سائرہ کا دل چاہا قریبی شیلف سے پیپر ویٹ اٹھا کر اس کے سارے دانت ایک ہی ساعت میں توڑ ڈالے۔

دادی نے جس خوشی کے ساتھ اسے جانے کی اجازت دی تھی اس پر اسے سخت غصہ آیا تھا۔ بقول ان کے۔ خرم میاں کے ساتھ جانے میں قطعاً کوئی قباحت نہیں ہے کزن ہی تو ہے وہ۔ یہ کزن تھا اس کے باپ کی خالہ کا سخت شتر بے مہار ابیٹا جبکہ خود اس کے سگے رشتے دار کے ہاتھ آنا ان کے لیے معیوب تھا۔ اس پر انہیں اعتراض رہتا تھا۔ وہ انہیں لچے لفنگے لگتے تھے اور مگر خرم میاں کی نگاہوں کی کھلی بے باکی تو دکھائی ہی نہ دیتی تھی۔

وہ دادی کی اس منافقت پر جلتی بھنتی اپنے ہی باپ کی عنایت کردہ بائیک پر اس کے پیچھے جا بیٹھی۔ خرم میاں نے بائیک سائڈ مرر پر چمکاتے ہوئے بلا ضرورت دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے

بائیک کسی فاتح کی طرح سنبھال کر باہر نکالی۔ اسی دم سفید شیراڈ دروازے پر رکی اور اس سے غالب اترتا دکھائی دیا۔

سائرہ کا دل پوری طاقت سے سینے کی دیوار سے ٹکرا کر خوف اور بے بسی کی دلدل میں چلا گیا۔

"ہیلو، ہیلو۔" خرم میاں نے بائیک عین اس کے قریب روک کر پیر زمین پر ٹکایا اور مخاطب کیا۔

"ہم لوگ ذرا آؤٹنگ پر جا رہے ہیں۔" اس نے گلاسز کو آنکھوں سے اوپر کھسکا کر مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ جسے غالب قطعی نظرانداز کر گیا۔ اس کی خون آشام نظریں اس کے وجود کو چھلنی کر رہی تھیں۔

اس پر خرم میاں کی غلط بیانی نے اسے اندر ہی اندر کھولا کر رکھ دیا مگر کچھ بول نہ پائی گویائی جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھی۔

"میں شاید غلط وقت پر آ گیا۔ بہرحال رکوں گا نہیں نہ ہی آپ لوگوں کے پروگرام کو ڈسٹرب کروں گا ویسے بھی جلدی میں ہوں۔ یہ مٹھائی پھوپی جان کو تم خود ہی دے دو تو بہتر ہے۔" ہاتھ میں پکڑا بڑا سا مٹھائی کا ڈبہ سائرہ کی طرف بڑھا دیا۔ جسے اس نے لرزتے ہاتھ بڑھا کر تھاما اور استفہامیہ نظروں سے دیکھا بھی مگر بس لمحہ بھر۔

"میری منگنی کی قطعی نہیں ہے۔" وہ طنز سے ہنسا تو اس کی نگاہیں زمین میں گڑ گئیں۔ وہ آہستگی سے بائیک سے نیچے اتر گئی۔ اپنی عقل پر اسے بھر بھر کر غصہ آیا وہ ابھی تک ازلی بے وقوف تھی بہرحال اس کا ضمیر صاف تھا۔ اس کے کردار کی طرح۔ باطن کی طرح۔

مگر پھر بھی۔ دھلے نکھرے آئینے پر اڑتی ہوئی گرد آ کر ٹھہر جائے تو آئینہ دھندلا ہو ہی جاتا ہے۔

"یہ ثاقب بھائی کے آنگن میں آنے والی بیٹی کی خوشی کی ہے۔" وہ بالکل اجنبیوں کی طرح اطلاع دے کر گاڑی میں جا بیٹھا۔ اس کے پلٹنے اور گاڑی میں بیٹھنے کے انداز میں غصہ تھا اور احتجاجاً وہ گاڑی کو اسی انداز میں ان دونوں کے طرف سے اڑاتا ہوا لے گیا۔

اتنی پیاری خوشی کا احساس بھی جیسے مدھم سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ پکڑے ڈبے کو دیکھا کھل کر مسکرا بھی نہ سکی۔ ایک بوجھ سا آن پڑا تھا دل پر۔ جو غالب کے اس رویے سے شدید ہو گیا تھا۔ وہ پلٹ کر دوبارہ گھر کے اندر آ گئی۔ امی کو یہ خوشخبری تو سنانی ہی تھی۔

○☆○

وہ صبح جلدی بستر چھوڑنے کی عادی تھی مگر آج دیر تک پڑی رہی۔ عجیب سا اضمحلال وجود پر چھایا ہوا تھا۔ شہلا صبح ہی صبح چلی گئی تھی۔

اس نے سوچا شہلا سے باتیں کیے بھی کتنے دن ہو گئے ہیں۔ وہ ناراض تو نہیں تھی۔ بھلا ناراض ہونے کا جواز بھی کیا تھا شہلا کے رویوں میں ایک طرح کی بیگانگی، لاتعلقی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ جتنا اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی وہ اتنے ہی فاصلے بڑھا دیتی۔

اور جس دن سے کمال احمد کے ہمراہ اس نے اجنبی لڑکی کو دیکھا تھا۔ اسے شہلا پر ٹوٹ کر رحم آ رہا تھا۔ اس نے یہ ساری بات دانستہ شہلا سے چھپائی تھی۔ بہرکیف وہ دونوں ہی جانتی تھیں، مگر اس ذکر کو چھیڑ کرنئے سرے سے آزردہ ہونے سے گریزاں تھیں۔

اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ آج ہفتہ تھا اور اسکول کی چھٹی تھی۔ اس نے شکر ادا کیا۔

کبھی وہ ہفتہ کی چھٹی غیر ضروری بلکہ تعلیم کا سخت نقصان خیال کرتی تھی، مگر آج خود غرضی سے سوچ رہی تھی کہ چھٹی نہ ہوتی تو اسے جبراً بے دلی سے اسکول جانا ہی پڑتا۔ ذہنی تھکن کے باوجود مینٹلی حاضر بھی ہونا پڑتا۔

کبھی کبھی اپنا مفاد، اپنی غرض کتنی حاوی ہو جاتی ہے کہ سارے نظریات ساری اچھی سوچوں کا گلا گھونٹ کر رہ جاتا ہے۔ اس نے تکیہ دونوں بازوؤں میں بھینچ کر اس پر چہرہ ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اسی دم کال بیل پوری طاقت سے چیخ اٹھی۔ ساتھ ہی ساتھ کوئی بے تکلفی سے دروازہ بھی بجا رہا تھا۔

شہلا کی واپسی اتنی جلدی کیسے ہو سکتی تھی۔ اس نے تکیہ ایک طرف پھینکا اور سرہانے سے دوپٹہ کھینچ کر شانے پر ڈال کر بیڈ سے اتر گئی اور بکھرے بالوں کو ہاتھ سے سمیٹتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے نیلی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"بس، بس پہلے ہی بڑی آنکھیں ہیں انہیں مزید قاتل مت بناؤ۔" نیلی اس کی حیرت سے پھیلی خوش نما آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرا کر شرارت سے بولی تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"آؤ۔ آؤ۔ اندر آؤ۔"

"اوں ہوں۔ اندر تو آؤں گی مگر بہت جلدی میں ہوں اور زبردست خبر لے کر آئی ہوں۔" اس کے ایک طرف ہٹنے پر نیلی ذرا سا اندر آتے ہوئے بولی۔

"جناب سدرہ بھابی کل رات ایک عدد گڑیا سی چندا سی بیٹی کی اماں بن گئی ہیں۔"

"ارے اچ... چھا۔"

"جی اور میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ ہاسپٹل جا رہی تھی سوچا تمہیں بھی پک کر لوں۔ ہو آئی ہے تائی ماں اور امی بھی وہیں پر ہیں میں اس وقت جا رہی ہوں تم چلو فٹافٹ۔"

"مگر۔ ابھی۔ اس وقت۔" وہ تذبذب میں پڑ گئی مگر دوسرے لمحے سدرہ بھابی سے ملنے مبارکباد دینے اور چاند سی بیٹی کو دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھی۔

"اچھا تم اندر آ کر بیٹھو۔ میں بس دو منٹ میں کپڑے چینج کر لوں۔"

وہ اس خوشی میں بھول گئی کہ گھر کی خاموشی۔ سناٹا نیلی کو کسی کرید پر مجبور کر سکتا ہے کمرے کا مختصر گھر اس کے لیے اتنی حیرت کا باعث نہیں ہو گا جتنا اس کا جامد سناٹا۔

وہ پریس شدہ جوڑا نکال کر باتھ روم میں جا گھسی اور جب باہر نکلی تو نیلی بڑی جانچتی سے گھر کا جائزہ لے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ نگاہوں میں حیرانیاں تھیں۔ کئی سوالات تھے تھے مگر اسے دیکھ کر مسکرا کر بیڈ کے کنارے سے اٹھ گئی۔

"تمہارے بال اتنے زبردست لمبے ہیں کبھی پتا نہیں چلا۔" نیلی اس کے کمر سے نیچے مخمل کی طرح پھیلے بالوں کو حیرت اور رشک بھری نظروں سے دیکھ کر بولی تو وہ جھینپ گئی اٹھا کر پھیرنے لگی۔

"ہر وقت مروڑ تروڑ کر بینڈ لگائے رکھتی ہو اگر میرے ہوتے ایسے تو میں دن بھر رکھتی۔"

وہ اس کھلی تعریف پر جھینپی جھینپی سی مسکرا دی۔

"اب ایسے خاص بھی نہیں ہیں۔"

"خیر خاص سے بھی زیادہ ہیں۔" اس کے انکسار پر نیلی زور سے ہنسی پھر وال کلاک ڈال کر اسے چادر اٹھاتے دیکھ کر جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"شاہ دل بھائی نیچے جانے کیسے اتنی دیر صبر کیے بیٹھے ہیں۔"

"کی بورڈ سے چابی اٹھاتے ہوئے اس کا ہاتھ لرز کر رہ گیا۔ نیلی کی اس بے خبری اطلاع نے اس کی ساری خوشی کافور کر دی۔

دروازہ لاک کر کے، نیلی کے ساتھ گاڑی تک آئی تو وہ باہر گاڑی سے ٹیک لگائے باندھے گیٹ کی جانب ہی منہ کیے کھڑا تھا۔

گہرے رنگ کے گلاسز میں اس کی آنکھوں کے بدلتے رنگ کو وہ نہ جان پائی۔ البتہ اپنے اندر ڈھیر ساری کڑواہٹ گھلتی محسوس ہو رہی تھی۔

"دیکھ لیجئے آپ نے پندرہ منٹ کا وقت دیا تھا ہم دس منٹ میں آ گئے۔" نیلی پچھلا

کھولتے ہوئے شاہ دل سے بولی۔ "عورتوں کو یونہی بدنام کر رکھا ہے کہ تیار ہونے میں گھنٹوں لیتی ہیں۔"

"مگر یہ تیار ہی کہاں ہوئی ہیں۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ گلاسز کو آنکھوں سے اٹھا کر اس کے سادہ سے خوبصورت چہرے پر گہری نگاہ ڈالی۔

بیک ڈور کو بند کرتے ہوئے اس کا ہاتھ سختی سے ہینڈل پر ہی جم کر رہ گیا۔ جبکہ نیلی بے ساختہ کھلکھلا دی تھی۔

"شاہ دل بھائی کا خیال تھا کہ تم میک اپ سے شاید لشتم پشتم ہو کر اترو گی۔" نیلی کے انداز میں شرارت بھری تھی۔

"سوری لیڈیز۔ میں کسی کے بارے میں کم از کم اتنا برا خیال نہیں رکھ سکتا۔" گاڑی کو بیک کر کے گلی سے نکال کر وہ سڑک پر دھیمی رفتار سے چلا رہا تھا۔ اے سی کی خنک ریز ہوائیں آہستہ آہستہ جسموں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔

"یوں بھی کسی کو محض دیکھ کر، بغیر اس کی ذات کا مطالعہ کیے میں اندازے نہیں لگاتا۔ ضروری نہیں کہ جو شخص بظاہر نظر آ رہا ہو اندر سے وہ ایسا ہی ہو۔ برعکس بھی ہو سکتا ہے۔"

اس کا لہجہ شائستہ بھی تھا اور ٹھوس بھی۔

زنیرہ کے پہلو سے جیسے کوئی متلاطم لہر اٹھ گئی مگر پھر اندر ہی کہیں دم توڑ گئی۔ جیسے سمندر کی بپھری ہوئی موج ساحل پر آ کر دم توڑ دے۔

اس نے رخ موڑ کر اس کی سیٹ سے اونچی اٹھی مضبوط شفاف گردن اور پھر چمکیلے ہلکے بھورے بالوں پر نگاہیں جما دیں۔

"مگر کسی کا رویہ ہی در حقیقت اس کی ذات کا راز ہوتا ہے۔ سرورق کو دیکھ کر کتاب کا بے شک اندازہ نہیں ہو سکتا مگر کہانی کی ابتدائی اوراق پڑھ کر اس کہانی کی خوبصورتی یا بدصورتی کا پورا تصور نمایاں ہو جاتا ہے۔" باوجود کوشش کے بھی وہ چپ نہ رہ سکی کہ بے اختیاری غالب بھی آ جاتی ہے۔

سامنے سے آتی گاڑی بس لمحہ بھر کے لیے شاہ دل کی نگاہوں میں دھندلائی تھی مگر دوسرے لمحے زوردار بریک چرچرائے۔ وہ بڑی گاڑی اچھل کر موڑ کاٹ کر دوسری طرف نکل گئی اور اس نے گاڑی جلدی سے سائڈ پر روک لی۔ اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ مضبوطی سے جم گئے۔

"سوری۔" نیلی کی حواس باختہ چیخ نے اسے خفیف سا کر دیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور لب بھینچ کر دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے اسپیڈ سے آگے بڑھا دی۔

"آہستہ پلیز، شاہ دل بھائی ابھی ابھی تو بال بال بچے ہیں۔" نیلی پر بھی ابھی تک اس ا
جیسی گاڑی کا خوف طاری تھا جو بس لمحے کی تاخیر سے اس نازک سی گاڑی پر چڑھ سکتی تھی
نے مضبوطی سے اگلی سیٹ کو تھام رکھا تھا۔

"بے فکر رہو۔ حادثے بار بار نہیں ہوتے۔ یوں بھی ایک غلطی کے بعد انسان محتاط
ہے بشرطیکہ کے وہ اپنی غلطی کو غلطی سمجھ رہا ہو۔" وہ بڑی سنجیدگی سے مسکرا دیا۔

زنیرہ نے نگاہیں یخ بستہ شیشے کے پار بھاگتے دوڑتے منظروں پر جما دیں۔ خود اس کا
اس غیر متوقع حادثے کے ہوتے ہوتے رہ جانے پر اب تک سنبھل نہ پایا تھا۔

پتا نہیں اس شخص کے اعصاب کیسے تھے۔ لمحہ بھر میں ہی قابو میں۔

گاڑی ایک بڑے سے پرائیوٹ ہاسپٹل کے پورٹیکو میں رک گئی۔

"اللہ تیرا شکر۔" نیلی نے گہری سانس لی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

"زنیرہ خان۔ بے ظرف سے بے ظرف شخص بھی اپنی غلطی کا اعتراف صرف ایک با
ہے اس سے بار بار اعتراف کی توقع رکھنا بذاتِ خود ایک غلطی ہوگی۔"

وہ پلٹ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر ذرا دیر جما رہا۔ غصے اور
کی ایک لہر اس کے تن بدن سے اٹھی۔ اس نے کب اس کے اعتراف کی بھیک سے اپنا
بھرنا چاہا تھا وہ بپھرتے ہوئے انداز میں پلٹی۔

"بے شک، مگر اس ایک اعتراف کی بھی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب مداوے کا امکا
مگر جب وقت کی ڈور ہاتھ سے چھوٹ گئی ہو۔ تلافی کا امکان ہی نہ رہا ہو وہاں ہزار اعتراف
کوئی معنی نہیں رکھتے۔ دھوپ کے عادی کملائے ہوئے جسموں کو چھاؤں کے لالچ سے زیر
کیا جا سکتا۔" اس کے لہجے میں بے پناہ زہر تھا جو پورا کا پورا شاہ دل خان کی رگوں میں اتر گیا۔

وہ دروازہ کھول کر اترنے لگی۔

"زنیرہ۔" اس کی مردانگی اس کی انا پر زبردست ضرب پڑی تھی۔ اس نے جارحانہ انداز
اس کی نرم کلائی کو جکڑ لیا۔

لمحہ بھر زنیرہ کو اپنا بدن شل ہوتا محسوس ہوا۔ رگ رگ میں برقی لہریں سی دوڑنے لگیں۔

"میں اگر بے غیرت ہوتا تو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا تو دور کی بات اس غلطی کو غلطی ہی
نہ کرتا بلکہ اس واقعہ کو یاد کر کے اب تک انجوائے کرتا رہتا۔"

"پلیز۔ آپ کے اور میرے درمیان کسی بے تکلفی کا رشتہ نہیں ہے۔" اس کا چہرہ
لہجہ بھی دہک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت ایک جھٹکے سے ڈھیلی پڑ گئی۔

احساسِ تذلیل سے چہرہ لال ہو گیا۔

وہ سرعت سے گاڑی سے اتر کر ماربل کی شفاف سیڑھیوں کی طرف جاتی نیلی کے پیچھے لپک
گئی تھی۔

اس نے یونہی بیٹھے بیٹھے چہرہ موڑ کر اسے جاتے دیکھا اور پھر بدن کو سیٹ کی پشت پر پھیلا کر
بے جان چھوڑ دیا۔

سچ کہتے ہیں کہ آگہی کے لمحے انسان پر بالکل اچانک وارد ہوتے ہیں اور وہ خود حیران اور کبھی
متاسف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وقت کی دوڑ کبھی تو ہاتھ آجاتی ہے اور کبھی وقت کا دریا آگے نکل
چکا ہوتا ہے کہ مداوے یا تلافی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ مگر......

وقت کی ڈور ابھی اس کے ہاتھ سے نکلی تو نہ تھی پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ تلافی کا کوئی امکان
نہ رہا ہو۔ ہر دکھ، ہر زیاں کی اذیت کے احساس کا جال آخر کار کسی نہ کسی مداوے، تلافی سے ہی کٹتا
ہے۔

اس نے پیشانی پر اٹکے گلاسز کو اتار کر ڈیش بورڈ پر ڈال دیا اور اگنیشن سے چابی کھینچ لی۔

اب صرف اپنے جرم کی معافی حاصل کرنے کی جدوجہد ہی تو نہ رہی تھی۔ محض تلافی کر
نے کا جذبہ ہی تو نہ تھا کچھ اور بھی تھا۔ کوئی نیا احساس، نیا جذبہ۔ جو وقت کے کشکول میں بوند بوند
کرکے گرتے ہر لمحے کے ساتھ شدید ہوتا جا رہا تھا۔

☆

وہ دونوں سیڑھیاں چڑھتی فرسٹ فلور پر پہنچیں تو کوریڈور میں ہی تائی ماں مل گئیں۔ نیلی
بے تابانہ انداز میں ان کی طرف بڑھی۔ اس کے ہر ہر انداز میں بے تابی دکھائی دے رہی تھی۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اڑ کر ہاسپٹل پہنچ کر سدرہ بھابی کی نئی تخلیق کو دیکھ لیتی۔

"لو تم بھی آگئیں۔" تائی ماں اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ "کل تو انشاء اللہ وہ خود گھر آجاتی۔"

"مگر کل تک صبر ہوتا تب نا۔ اللہ تائی اماں۔ کیسی ہے وہ یقیناً بہت کیوٹ سی ہوگی نا؟"

"اب آئی ہو تو خود ہی دیکھ لو۔" اس کی اس بے قراری پر وہ ہولے سے ہنس دیں۔ "آؤ
زنیرہ۔ تمہارا تو وہ بڑا انتظار کر رہی تھی۔"

وہ دونوں کو لیے سدرہ بھابی کے کمرے میں چلی آئیں۔ پیروں سے سینے تک نیلے رنگ کی
چادر اوڑھے سدرہ بھابی لیٹی تھیں۔ ان سے ذرا فاصلے پر رکھی کرسی پر ثاقب بھائی بیٹھے اخبار
سے شغل کر رہے تھے اور ایک طرف بے بی کاٹ رکھا تھا جہاں منجھلی چچی بچے کے پاس موجود
تھیں۔

نیلی تو بے تابی کا مظاہرہ کرتی بے بی کاٹ کی طرف لپک گئی جبکہ زنیرہ بیڈ کے پاس چلی
آنکھوں میں مٹا مٹا کاجل' سفید چہرے پر الوہی سی چمک اور سیاہ زلفیں تکیے پر بکھری
تھیں۔ اسے سدرہ بھابی بہت مختلف بہت جاذبِ نظر لگیں۔ ایک انوکھی کشش کی شعاعیں
کے چہرے سے پھوٹ رہی تھیں۔

"صبح سے کوئی دس بار تو پوچھ چکی ہے کہ زنیرہ کو کسی نے اطلاع دی یا نہیں؟"
منجھلی چچی پلٹ کر بولیں تو بھابی ہنس دیں۔ زنیرہ نے جھک کر ان کا نرم و نازک ہاتھ
زور انداز میں مبارک باد دی۔

"ہائے بھابی۔ کتنی زبردست چیز ہے۔" کاٹ میں گلابی چادر میں لپٹی' روئی جیسے گالوں
روح کو دیکھ کر نیلی تو اسے اٹھانے کو مچل گئی۔ زنیرہ بھی کاٹ کے پاس آ کر بھابی کی تخلیق
محبت سے دیکھنے لگی۔

گول مٹول سی گلابی رنگت اور ریشم جلد والی بے انتہا پیاری بچی تھی۔

"ثاقب بھائی نام کوئی پیارا سا ہونا چاہیے بہت پیارا سا۔ بالکل اس گڑیا جیسا' موم
نیلی اسے چومتی ثاقب بھائی کے پاس آ کر بولی تو انہوں نے اخبار سے نظریں اٹھائیں
چہرے پر بھی بڑی خوبصورت خوشی رقم تھی۔

"مثلاً کیا نام ہونا چاہیے۔؟" انہوں نے رول کر کے اخبار ٹھوڑی کے نیچے ٹکا کر
پوچھا۔ مسکراہٹیں ان کے چہرے پر پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

"نام بھی رکھ لیں گے۔ اتنی جلدی کس بات کی ہے کون سا' یہ اب بھاگی جا رہی
ارے ہاں صباحت کو کسی نے اطلاع دی ہے یا نہیں؟" تائی ماں کا دھیان اچانک صباحت
طرف گیا۔

"جی۔ غالب خود گیا ہے۔ میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ راستے سے مٹھائی خرید
جانا۔ یوں بھی صرف فون کر دیتی تو ان کی ساس ذرا برا مان لیتیں۔ جا کر اطلاع دینا میں
مناسب سمجھا۔"

منجھلی چچی کے اس ذمہ دارانہ مزاج پر تائی اماں خوش ہو گئیں۔

"چلو اچھا کیا جو غالب کو بھیج دیا وہ ہیں بھی تو ذرا پرانے خیالات کی عورت۔ ذرا ذرا
کو عزت کا مسئلہ بنا لیتی ہیں۔ خیر اب اس عمر میں تو وہ بدلنے سے رہیں۔ چلو ثاقب بیٹا
ہو جائے گی۔" تائی ماں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے ثاقب بھائی کو کہا پھر منجھلی چچی سے بولیں
"میں تو کہتی ہوں یہ دونوں بچیاں آئی ہوئی ہیں تو تم بھی کچھ دیر آرام کی غرض

ساتھ گھر چلی چلو۔"

ثاقب بھائی اخبار ایک طرف ڈال کر کرسی چھوڑ کر اٹھ گئے اسی دم شاہ دل بھی اندر داخل
ہوا۔

"نہیں آپ جائیں رات سے ٹھہریں ہیں آپ تو۔ میں تو صبح کی آئی ہوں اور پھر بچیوں کو ان
باتوں کی کیا خبر۔ چھوٹے موٹے ہزاروں کام' نہ جانے کب کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔ آپ
بے فکر میں یہاں آرام سے ہوں۔ چھوٹی بھابی شام کو آئیں گی تو میں آجاؤں گی۔"
منجھلی چچی نے دودھ کا گلاس بھابی کو دیتے ہوئے جٹھانی کو جواب دیا۔

"آپ جا رہے ہیں؟" شاہ دل ثاقب بھائی سے مخاطب ہوا۔

"ہاں۔ امی کو ذرا گھر ڈراپ کر دوں گا اور خود آفس کا ایک آدھ چکر لگا لوں' پھر آؤں گا۔"
انہوں نے ایک نظر سدرہ بھابی پر ڈالی۔

بڑی محبت بھری مسکراتی تسلی آمیز نظر تھی۔ بھابی کے لبوں کی تراش میں مدھم مسکراہٹ
پھیل گئی۔ انہوں نے پلکیں جھکا کر دودھ کے گلاس کو لبوں سے لگا لیا۔

ثاقب بھائی تائی ماں کو ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔

"دیکھیں تو شاہ دل بھائی کس قدر پیاری بے بی ہے۔ دکھانا زنیرہ' شاہ دل بھائی کو۔"
نیلی نے زنیرہ کے ہاتھوں میں سوئی ہوئی گڑیا کو دیکھا اور شاہ دل سے بولی۔

وہ دو قدم آگے آیا۔

"ہوں۔ بہت کیوٹ سی ہے۔" اس نے جھک کر بڑی نرمی سے سوئی ہوئی بچی کے مخملی گال کو
چھوا اور جیسے نرم نرم دلنشیں حقیقت کو محسوس کیا۔

اس کے اتنے قریب آنے اور جھکنے پر تیز پرفیوم کی مہک نے زنیرہ خان کے اوسان خطا کر
لیے۔

وہ ذرا سا پیچھے ہٹی۔

"کتنے مزے سے سو رہی ہے۔" رخسار کے نیچے بند مٹھی دبائے گلابی گڑیا بے فکری سے
سوئی ہوئی نیلی کو اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے بس چومتی رہے۔

"ظاہر ہے اتنی احتیاط سے سنبھالا ہوا ہے۔" اس نے ایک بھرپور نظر زنیرہ خان کے چہرے
پر ڈالی۔

وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ اس نے بچی کو نیلی کے ہاتھوں میں دے دیا اور خود پلٹ
کر بھابی کے قریب چلی آئی اور انہوں نے چادر سمیٹ کراس کے لیے اپنے قریب ہی بیٹھنے کو جگہ

بنائی تھی۔

سدرہ بھابی بھی اس ننھی منی سی گڑیا کے ہمراہ شاہ پیلس کیا لوٹیں گویا ہر ایک کو اک جاگتا کھلونا مل گیا۔ کبھی اِس کی گود میں تو کبھی اُس کی گود میں۔ ثاقب بھائی بس ترسے ہوئے رہ گئے۔

”تم لوگوں نے میری بچی کو فٹ بال بنا رکھا ہے۔ یار یہ تو فاؤل ہے۔ اب اس نیٹ پر گول پاس کرو۔ میں تو ترس گیا ہوں۔“ حقیقتاً وہ ترسے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ان پر ملا جلا قہقہہ پڑا تھا۔ بھابی بھی میاں کی صورت دیکھ کر مسکراہٹ نہ روک سکیں تھیں۔

وہ تائی اماں کے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ سفید ریشمی ایمبرائیڈری کے سوٹ میں ممتا کا نور ان کی چھب ہی نرالی تھی۔ انہیں وی آئی پی ٹریٹ مینٹ مل رہی تھی۔ آگے پیچھے نرم گداز رکھے تھے جنہیں بار بار تائی ماں ٹھیک کرتی نظر آتیں۔

کبھی کوئی سوپ کا پیالہ پیش کر رہا ہے تو کبھی مختلف آمیزوں سے مرکب دودھ زبردستی پلا رہا ہے، کبھی سر کی مالش ہو رہی ہے تو کبھی کمر کے نیچے ہیٹنگ پیڈ (نرم الیکٹرک بیگ) رکھا تھا۔

”پاپا۔ یہ گڑیا ہماری اپنی ہے نا؟“ مانی، ثاقب بھائی سے لپٹ کر پوچھنے لگا تو ثاقب بھائی آہ بھر کر رہ گئے۔

”بس بھائی ہمارا تو چند دن کا پیار ہے پھر آپ ہی کو سنبھالنا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی لیے لیے راتیں گزارنا ہوں گی۔“ عمیر شرارت سے گویا ہوا۔

”ارے واہ چار دن کا پیار کیوں؟ ہم تو اسے عمر بھر چاہیں گے۔“ نیلی جھٹ بولی۔

ثاقب بھائی نے اسے گھور کر دیکھا اور سب کی ہنسی بکھر گئی۔

”یعنی عمر بھر۔ اسی طرح؟“

”آف کورس۔“ اس نے ایک ادا سے شانے اچکا دیے۔ اسی دم صباحت اور سائرہ داخل ہوئیں۔

”بہت بہت مبارک ہو بھابی آپ کو۔ آپ کی پوتی۔“ وہ آتے ہی تائی اماں سے لپٹ بولیں۔

”یہ ثاقب کدھر ہے۔ خیر سے بیٹی کا باپ بن کر پورا جنتی ہو گیا ہے میرا بچہ۔“ انہوں نے یہاں وہاں ثاقب بھائی کو ڈھونڈنے کے لیے نگاہیں دوڑائیں تو وہ جلدی سے کرسی سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھے۔

”یعنی پہلے دوزخی تھے۔“ تیمور کی بات پر سبھی محظوظ ہوئے، ثاقب بھائی البتہ کھسیا

ے گئے تھے۔ صباحت ان کی بلائیں لے رہی تھیں، پھر سدرہ بھابی کے پاس جا بیٹھیں۔

”لاؤ ذرا۔ میں بھی تو دیکھوں۔ ماشاء اللہ روپ تو بڑا آیا ہے۔ سدرہ تم پر۔“ انہوں نے بڑی جانچتی نظروں سے سدرہ بھابی کو دیکھا اور ہاتھ پھیلائے جس پر چھوٹی چچی نے نازک سی گڑیا رکھ دی۔ سائرہ بھی آگے بڑھی۔

اسے دیکھ کر غالب پہلے ہی ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کا انداز بالکل غیر متوقع اور ناگواری سے پر تھا۔ سوائے سائرہ یا پھر شاہ دل کے اور کسی نے بھی اس کا یہ طرزِ عمل نوٹ نہیں کیا تھا۔ شاہ دل چونکہ عین اس کے سامنے کرسی پر ہی بیٹھا تھا اور اس کا چہرہ بالکل سامنے تھا اور پھر کچھ یوں اس کی حسیات بھی خاصی تیز تھیں۔

اس نے غایت درجے حیرانگی کے ساتھ ہنستے مسکراتے چٹکلے چھوڑتے غالب کے چہرے کو بدلتے اور اسی ناگواری سے پلٹ کر کمرے سے نکلتے دیکھا اور پھر سائرہ کے چہرے کی سمت بے اختیار نگاہ ڈالی۔

جس کا چہرہ ضبط کرتے ہوئے لال سا ہو رہا تھا۔ انگلیاں اضطرابی انداز میں مسلتی وہ بظاہر مسکرا کر بھابی کو مبارکباد دے رہی تھی۔ ”ماشاء اللہ چشم بد دور۔ اے بھابی جان یہ تو پوری اپنی سدرہ پر گئی ہے۔ وہی ناک نقشہ ہے۔ یاد ہے سدرہ چھوٹی تھی تو بالکل ایسی ہی لگتی تھی۔“ صباحت کو سدرہ بھابی کا بچپن اچھی طرح یاد تھا۔ چونکہ وہ تائی اماں کی بہن کی بیٹی تھیں اور آنا جانا لگا رہتا تھا۔

ادھر سدرہ بھابی بھی ثاقب بھائی کی مسکراتی نظروں سے شرما رہی تھیں۔

”اس کا مطلب ہے یہ بھی بڑی ہو کر اتنی ہی بری شکل ہو جائے گی۔“ وہ دانستہ چھیڑ رہے تھے۔ تائی ماں ان کے مذاق کو سمجھ نہ سکیں۔ ”ہائیں۔ یہ سدرہ کب سے بری شکل کی ہونے لگی۔ ماشاء اللہ کیا کمی ہے اتنی پیاری صورت کی ہے۔ نین نقشہ، رنگ، قد کس چیز کی کمی رہتی ہے۔“

”اور کیا۔ نہیں تو اب اور خوبصورت ہونا کسے کہتے ہیں۔“ صباحت نے بھی ثاقب بھائی کی ٹانگ کھینچی اور گویا وہ کہہ کر پچھتائے۔

”اگر خوبصورتی یہ ہے تو بدصورتی کیا ہو گی۔ اوف۔“ اٹھتے اٹھتے پھر بھی جملہ پھینکنے سے باز نہیں آئے تائی اماں خفا ہونے لگیں۔

”ارے امی۔ مذاق کر رہے ہیں ایسے ہی۔“ سدرہ بھابی انہیں ٹھنڈا کرنے کو بولیں۔

”دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔“ عادل نے برجستہ کہا تو سدرہ بھابی تو جھینپ کر رہ گئیں، ثاقب بھائی کا قہقہہ چھت پھاڑ رہا تھا۔ انہوں نے بے اختیار جھک کر عادل کا

شانہ تھپکا۔

"خوش فہمی دیکھو ذرا۔"

"اے ہے تم تو بچی کے پیچھے ہی پڑ گئے لے کے۔" صباحت نے سدرہ کے گرد بازو حمائل کر کے گویا اسے پچکارا اور ثاقب کو گھورا جو فرار ہونے میں ہی عافیت جان کر کمرے سے باہر بھاگے۔

"بھئی اب نام فائنل ہونا چاہیے۔" نیلی کو اس کے نام کی سب سے زیادہ فکر کھائے جا رہی تھی۔

"اے ہاں۔ یہ غالب کچھ نام بتا تو رہا تھا۔ کہاں گیا یہ لڑکا۔" منجھلی چچی نے یہاں وہاں دیکھا مگر غالب کو نہ پا کر شاہ دل سے بولیں۔

"کیا نام بتا رہا تھا۔ ایک تو بھلا سا تھا۔ بھابی کو بھی پسند آیا تھا۔"

شاہ دل کسی سوچ میں گم تھا۔ چونک کر سیدھا ہوا۔

"جی۔ حفصہ، رملہ، ذوفشاں ایسے ہی نام کچھ بتا رہا تھا شاید طوبیٰ بتایا تھا۔"

"اوے ہوئے۔" عمیر کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑے۔ "کیا فر فر نام یاد ہیں۔ ہائے بچارے کا تو نام مفت میں بدنام ہوا۔" اس کی ہنسی معنی خیز تھی۔ "یہ سب کون ہیں۔ رملہ حفصہ۔"

"اے اے محترم۔ میرے بھائی پر ایسے الزامات لگانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔" نیلی قریب ہی قالین پر بیٹھی تھی۔ بھابی کی حمایت میں تڑپ کر بولی۔ "آئینے کی طرح ہوا کردار ہے میرے بھائی کا۔"

"اللہ رے۔ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔" تیمور نے ٹکڑا لگایا۔

"آئینے چٹخ زدہ بھی ہوتے ہیں۔" عمیر نے گویا فلسفہ جھاڑا۔

"اچھی بات ہے۔ اپنے کردار کے بارے میں انکشاف کر رہے ہو۔ بڑے اعلیٰ ظرف ہو۔" شاہ دل نے کرسی چھوڑتے ہوئے ہلکی سی شگفتگی سے اسے دیکھا۔

"اوئے بہن کی حمایت پر زیادہ ہی پھیل پڑے۔ میرا کردار ایسا ہوا تو۔ مستقبل تمہارا بھی ہی تاریک سمجھ لو۔"

عمیر نے تاک کر نشانہ مارا تھا نیلی جھینپ کر ذرا پیچھے ہٹ گئی تھی جبکہ شاہ دل بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا تھا۔

"توبہ ہے تم لڑکوں کی تو۔ یہاں میں کیا پوچھ رہی ہوں اور ادھر تم لوگ اپنی رام کہانیاں لے کر شروع ہو جاتے ہو۔"

منجھلی چچی کی سخت جھنجلائی ہوئی آواز ابھری تو عمیر ان کی سمت گھوم گیا۔

"کچھ پوچھا تھا تم سے میں نے شاہ دل۔"

"بتا تو دیا۔ طوبیٰ ہی بتا رہا تھا۔ وہ۔" اس نے جاتے جاتے ٹھہر کر سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

"طوبیٰ پیارا نام ہے۔" صباحت بھی اس طرف متوجہ ہو گئیں۔

"اس کے معنی کیا ہوئے؟" منجھلی چچی نے پوچھا۔

"جنت کا ایک درخت جو نہایت خوشبودار نہایت پاکیزہ۔" نیلی نے لغوی معنی تفصیل کے ساتھ بتائے تو منجھلی چچی کے دل پر گویا خوشبو کی طرح بس گیا یہ نام۔ تائی ماں بھی معنی سن کر راضی ہو گئیں۔

"بس طوبیٰ ہے یہ آج سے۔" انہوں نے جھٹ سے گویا مسئلہ ہی حل کر دیا۔

○☆○

دہلیز ساعت پہ کسی وعدے کی آہٹ
اترے نہ اترے
اے رنج بھری شام
دکھتے ہوئے دل پہ
کوئی آہستہ سے آ کر
اک حرف تسلی رکھے پھول کی مانند!

وہ اپنے دھلے ہوئے کپڑے بالٹی میں ڈال کر باتھ روم سے باہر آئی تو شہلا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی جو جوتوں سمیت بیڈ پر چت لیٹی تھی۔ پرس سرہانے پڑا تھا جس کی زنجیر بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی اور دوپٹہ فرش پر پڑا پنکھے کی ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔

وہ جلدی جلدی کپڑے بالکنی کی رسی پر پھیلا کر اندر آئی تب بھی وہ ہنوز چت لیٹی ہوئی جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا آج شہلا سے خوب باتیں کروں گی —— اسے بھائی کی بیٹی کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی۔ نیلی کی منگنی کی اور بھی بہت سی باتیں۔ یوں بھی آج کل اسکول کی چھٹیوں کے باعث اس کے پاس بہت سا وقت بچ جاتا تھا۔ مگر شہلا کے چہرے پر نگاہ ڈال کر اس نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کے قریب

"کیا بات ہے۔ آج جلدی آ گئیں۔ چلو اچھا ہے میں نے بڑے مزے کا پلاؤ
تمہیں پسند ہے نا ریڈی مسالوں کا خوب مرچوں والا اور اس کے ساتھ سلاد۔"
وہ دونوں پاؤں سکیڑ کر اس کے قریب بیٹھ کر بتانے لگی۔ "میں جاب سے نہیں
میں تو پچھلے تین دن سے جاب پر گئی ہی نہیں ہوں۔"
اس نے دھیمی آواز میں گویا پٹاخہ چھوڑ دیا۔ وہ چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگی۔
"ہاں۔" اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا پھر دوبارہ خلا میں گھور
بولی۔
"میں گلیکسی آئس کریم پارلر سے آ رہی ہوں۔ میں روز وہاں جاتی ہوں۔"
اس کی آواز میں خود کلامی کا سا رنگ تھا۔
"میں اسے ایک بار، دوبار دیکھنا چاہتی ہوں بہت نزدیک سے مگر، مگر وہ دوبارہ آئی
یوں جیسے کوئی نرم میٹھا سا جھونکا جو آ کر گزر جائے۔
جیسے آنکھوں کا سندر سپنا جو نیند ٹوٹنے کے بعد گم ہو جائے مگر، مگر وہ جھونکا تو نہیں
سپنا تو نہیں ہے۔ وہ تو جیتا جاگتا وجود ہے۔"
وہ جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی، پھر آہستگی سے اٹھ بیٹھی۔ "وہ اسی شہر میں
دوبارہ کیوں نہیں ملتی۔ زنیرہ"
اور زنیرہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اتنے برسوں میں پہلی بار شہلا کی زبان
"مونث" کا ذکر ہوا تھا۔
وہ بھی اتنی شدتوں کے ساتھ۔
"زنیرہ۔ جب تک اسے نہیں دیکھا تھا صبر تھا، حوصلہ تھا۔ ماضی سے کٹ کر
ہی خیال کر رہی تھی۔ جب دور دور تک تاریکیاں، گھپ اندھیرا دکھائی دے رہا ہو تو
روشنی کے پھوٹنے کی تمنا کون کرتا ہے۔"
مگر اب اسے دیکھ کر میرے سارے حوصلوں کی چٹانیں تڑخنے لگیں ہیں۔
اندھیرے کا احساس بڑھ گیا ہے۔
ناقابلِ برداشت ہونے لگا ہے۔
میرے ضمیر کی خلش بڑھنے لگی ہے۔
زنیرہ میں نے اسے یوں گنوا دیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر کنوئیں کے پاس جا کر پیاسا ہی لوٹ
وہ سامنے تھی مگر مجھے اتنی دور محسوس ہوئی جیسے کوئی ستارا۔ جس کو ہم دیکھ تو

نہیں سکتے۔"
اس کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔
اور زنیرہ خان سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں جیسے اصل تک پہنچ گئی۔
"منی آپا یا مونا۔" وہ چونک کر شہلا کا چہرہ دیکھنے لگی جہاں لمحوں میں ہی ہزاروں محرومیاں
رقم ہو چکی تھیں۔
"ہاں مونا میری ماں جائی میمونہ۔" اس کی آنکھیں یوں چمکنے لگیں جیسے کسی اجڑے مزار کا
بجھتا دیا بجھتے ہوئے ذرا لو دے اٹھے۔
"ہاں زنیرہ۔ وہ چھوٹی سی گڑیا جو مونا جو منی آپا کی طرح اپنے کندھوں پر ماں باپ کی عزت کا
بوجھ سنبھالے ہوئے تھی۔
میں ہی بدبخت، بزدل، خود غرض درمیان سے نکل بھاگی۔
جانے اس گرتی ہوئی دیوار کو کیسے سنبھالا ہو گا ان دونوں نے۔ اس تباہی کو کیسے سہا ہو گا جو
میں اپنے پیچھے چھوڑ آئی تھی۔"
"زنیرہ۔" وہ خود ہی اپنی انگلیوں سے اپنے بہت سے آنسو پونچھتے ہوئے کسی خیال کے تحت
مسکرائی۔
"وہ مونا، چھوٹی سی گھبرائی ہوئی سہمی سی مونا سے ایک بالکل مختلف مونا لگ رہی تھی۔
پراعتماد، حسین، مسرور اس نے بڑے خوبصورت کپڑے پہنے تھے، ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا اور
ہاتھوں میں کھنکتی چوڑیاں جو اس کی کلائیوں کو سجا رہی تھیں۔ اس کی ستواں ناک میں بڑی پیاری
سی لونگ تھی جو اس کے چہرے پر چراغاں کر رہی تھی۔ اس کی ہنسی میں کوئی بھی خوف، کوئی بے
یقینی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ بہت ہی پیارا سا لڑکا تھا۔ یقیناً یہی معتبر ساتھی تھا جس نے اسے
اتنا اعتماد بخش دیا تھا۔"
"شہلا۔ تم نے اسے پکارا کیوں نہیں، اسے روکا کیوں نہیں؟" زنیرہ کی آواز میں اس کی
[illegible]ردگی کا عکس سمٹ آیا۔ اس نے بہت ملال سے پوچھا تو شہلا چند لمحے کے لیے چپ سی رہ گئی۔
اس کی بھیگی پلکوں سے دو قطرے لڑھک کر بیڈ کی چادر میں جذب ہو گئے۔
"مجھ میں ہمت نہیں تھی زینی اس کے لبوں سے ہنسی نوچ لینے کی۔
میں ایک گندا جوہڑ ہوں زنیرہ، اور وہ پاک ستھرا دریا۔ میں اپنی آلودگی اس کی پاک صاف
زندگی میں کیسے ملا دوں؟ نہیں زینی نہیں۔ میرا ملن اسے بھی میری طرح جذباتی کر دیتا۔ وہ یقیناً مجھ
سے لپٹ کر روتی اور وہ سارا ماضی اسی طرح اس کے شوہر کے سامنے کھل جاتا۔ ہو سکتا ہے اس

کا شوہر بے خبر ہو۔ اس نے اپنا ماضی چھپا رکھا ہوا ہو اس سے اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ
وہ لمحہ بھر چپ ہو گئی۔ جیسے مزید کچھ کہنے کی ہمت خود میں مفقود پا رہی ہو۔
اس کے ہونٹوں میں ہلکی سی لرزش ہوئی۔ اس نے آنسوؤں سے بھاری پلکیں اٹھا کر دیکھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے زینی کہ وہ مجھے باعثِ مجبوری یا نفرت سے پہنچانے سے انکار کر دیا قسم کے تعلق سے مکر جاتی۔

ہاں زینی اگر وہ ایسا کرتی بھی تو حقِ بجانب تھی۔ میں نے کون سا رشتوں کا احترام کیا تھا؟ میں نے کب اس گھر کی عزت کو سنبھالا دیا تھا؟ ان مکینوں کی طرح صبر کا زہر پیا تھا؟ قربانیاں دی تھیں؟ میں تو وہ خود غرض بیٹی تھی جو ان کے سروں سے چادریں بھی کھینچ گئی۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

زنیرہ علی خان کو خود سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے چپ کرائے۔ بس خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی۔

تسلی کا کوئی لفظ بھی جیسے گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔ یوں تو آدمی کو طوطے کی طرح ایسے جملے رٹے ہوئے ہوتے ہیں لیکن جنہیں دہرانا بھی حوصلے کا کام ہے اور وہ خود میں یہ نہیں پا رہی تھی۔

آدمی کو اپنے الفاظ کی بے مائیگی کا احساس ہو تو زبان ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔

اور اسے بھی شاید احساس تھا کہ شہلا کے اس دکھ، ان آنسوؤں کے آگے، اس کے تسلی آمیز الفاظ بڑے چھوٹے اور بے وقعت سے تھے۔

ہاں یہ ضرور تھا کہ اس کے درد و کرب میں ڈوبے آنسو اس کے دل پر گرم گرم سیال بن کر گر رہے تھے۔ وہ شہلا کی اذیت محسوس کر سکتی تھی کہ وہ خود بھی اپنوں سے جدا ہونے کا دکھ سہ چکی تھی بلکہ سہ رہی تھی۔

اس کی ماں ٹھنڈی چھاؤں جیسی۔

اس کا باپ بھرپور شجر کی مانند۔

جدائی تو عفریت ہے خونخوار عفریت جو عمر بھر رلاتی ہے، مگر مرنے والوں پر تو صبر آ جاتا ہے جو زندہ ہوں اور ہم ان سے کٹ گئے ہوں۔

ان کا جان لیوا دکھ۔ بڑا کرب انگیز ہوتا ہے اور وہی دکھ شہلا کی رگ رگ کو چھید رہا تھا۔

"شہلا، پلیز خود کو سنبھالو۔" اس سے رہا نہ گیا۔ وہ سخت دل گرفتہ سی ہو رہی تھی۔

دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹا کر اپنی گرفت میں لے لیے۔

"آج تک خود کو سنبھالتی ہی تو رہی ورنہ ٹوٹ تو میں اسی روز گئی تھی جب دانیال ملک نے اتنا بڑا چرکہ لگایا تھا۔

اونہہ۔ خود کو آج تک یہ فریب دیتی آئی، آج تک جھوٹ کی زندگی گزارتی آئی ہوں زنیرہ۔ اب کس کے لیے سنبھالوں خود کو۔ کون ہے میرا؟ جو میرے ہیں وہ بھی اتنے فاصلے پر دکھائی دے رہے ہیں کہ چاہوں بھی تو فاصلے سمیٹ نہیں سکتی۔ کاش، کاش مونا مجھے نظر نہ آتی۔" وہ بیڈ پر اوندھے منہ گر کر بقیہ آنسو بہانے لگی۔

"یہی تو المیہ ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا اور جو نہیں چاہتے وہ ہو جاتا ہے۔"

اس نے ایک پر ملال نظر شہلا پر ڈالی۔

○☆○

"ہاں تو صباحت، پھر ٹھیک رہے گی نا اس جمعے کی دعوت۔" تائی اماں نے صباحت سے بات جاری رکھتے ہوئے اپنا قیمتی میناکاری سے مزین ڈبہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی کئی ہاتھ آگے بڑھے۔ جن میں بڑا ہاتھ تیمور کا تھا جسے تائی ماں نے سروتہ مار کر ہٹایا تھا۔

"آؤچ۔" وہ بلبلا کر رہ گیا اور چھالیہ سے بھرے اس ڈبے کو دور ہی سے دیکھنے میں عافیت جانی۔

"ہاں میرے خیال سے تو مناسب یہی ہے پھر اگلے جمعے کو تو بارہ دن ہو جائیں گے۔ عقیقے کا ثواب تو ملے گا نہیں بس رسم رہ جائے گی۔ اچھا ہے سات دن میں یہ سنت بھی ادا ہو جائے پھر بھی آپ سب سے پوچھ لیں۔"

"اب زیادہ سوچنا پوچھنا کیا ہے؟ بسم اللہ کر دیجیے اس جمعے کو۔" نبیل چچا نے مزید کچھ پوچھ گچھ کے سلسلے کو ناپسند کرتے ہوئے کہا۔

اور یوں اس آنے والے مبارک جمعے کو ثاقب بھائی کی ننھی منی گڑیا طوبیٰ کے عقیقے کی دعوت فکس ہو گئی تھی۔ لڑکیاں لیونگ روم میں بیٹھ کر اس متوقع دعوت کے سلسلے میں گفت و شنید کرنے لگیں۔

"یعنی صرف تین دن رہتے ہیں۔" فارحہ انگلیوں پر دن گن کر بولی "اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری تیاریاں ریڈی میڈ ہی ہوں گی ہماری۔"

"او یہ تو سوچا ہی نہیں کپڑوں کا تو توجہ طلب مسئلہ ہے۔" نیلی نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "یہ سدرہ بھابی کو ابھی ہی یہ پیس دنیا میں لانا تھا۔ ذرا ہفتہ بھر ٹھہر جاتیں۔ میرا سوٹ بھی تیار ہو کر آ

جاتا۔ ہائے کیا زبردست کام کروانے دیا ہے۔ ہفتہ بھر بعد ملے گا۔" نیلی یوں افسوس ... بولی کہ سب کی ہنسی نکل گئی۔

"تمہارے ایک سوٹ کے لیے وہ رک جاتیں۔"

"ڈیئر۔ یہ شکوہ تم سدرہ بھابی سے نہیں اللہ میاں سے کرو۔" رابی نے اس کی چوٹی ...

"اے۔ یہ تم کیوں اتنی اداس فضول سی شکل بنائے بیٹھی ہو۔" نیلی کی نظر ... جانب اٹھی جو قالین پر ہی صوفے سے ٹیک لگائے بظاہر ان سب کے درمیان موجود ... طور پر جیسے ناموجود تھی۔ جس کا احساس نیلی کو اس کی شکل دیکھ کر ہوا۔

فارحہ اور رابی کی توجہ بھی یک بیک اس طرف ہو گئی۔

"ایسا لگ رہا ہے جیسے تھپڑ مار کر یہاں بٹھایا گیا ہے کہ خبردار یہاں سے ہلیں تو۔" ... کے قریب کھسک آئی۔

"بکواس مت۔ ٹھیک ٹھاک ہی تو ہوں۔ تم اپنی آنکھیں ٹیسٹ کراؤ میرے خیال سے ... سات نمبر کا چشمہ لگے گا تمہیں۔" سائرہ نے کشن کھینچ کر مارا۔

"اچ۔ چھا۔ غالب بھائی ذرا سنیں تو۔" لیونگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے ... نیلی نے شرارت سے پکار لیا۔ اس نے اندر جھانکا۔

"آپ کے لیے نئی اطلاع ہے کہ سائرہ خان ولد مظفر شاہ آئی اسپشلسٹ ہو گئی ہیں۔"

"اف۔" نیلی کی اس فضول گوئی اور جان کر غالب کو پکارنے پر سائرہ بری طرح ... غالب خاصا اندر آ چکا تھا۔ صبح کے ہی شکن آلودہ شلوار سوٹ میں اب تک تھا۔ ... پر اس کے لبوں پر بڑی طنز مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہو گئی۔

"اچھا۔ واقعی نئی اطلاع ہے ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا وہ ہارٹ اسپشلسٹ ہیں دل ... جو آج کل بڑی مہارت سے کر رہی ہیں۔ سب ہی کا دل بہلا رہی ہیں۔"

ایسی کاٹ کہ سائرہ دم بخود رہ گئی۔

دل چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ وہ کیا سمجھ کر اتنا رکیک الزام ... تھا۔ خرم کے ساتھ دیکھ کر وہ اس قدر آؤٹ ہو رہا تھا۔ پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں ... سے جا رہی ہو یا زبردستی مر رہی ہو۔

غالب کے جملے کا بیک گراؤنڈ سوائے اس کے کوئی نہ جان سکا تھا۔ وہ تپ ... ساتھ اٹھنے لگی کہ نیلی نے اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے دوبارہ بٹھا دیا۔

"کیا بات ہے۔ غالب بھائی کیا کہہ گئے ہیں؟" اس نے کمرے سے جاتے غالب کو ... دیکھا۔ "میں تو نہیں سمجھی نہ ان کا جملہ نہ لہجہ۔"

نیلی کا اتنا پوچھنا تھا۔ وہ جیسے ضبط کا بندھن توڑ بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ ... کر رونے لگی۔

"ارے آئیں آئے۔" فارحہ اور رابعہ بھی حیران رہ گئیں۔ نیلی اس کے قریب آئی اور اسے پیار ... اس کے شانے سے لگ گئی۔

"کچھ تو بتاؤ سائرہ۔ کیا ہوا کیا غالب بھائی اور تمہاری ناراضگی چل رہی ہے۔"

نیلی اس کے اس طرح بھل بھل رونے پر سخت شاکڈ ہو رہی تھی۔ تب اس نے سر اٹھایا ... ندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"جس دن وہ سدرہ بھابی کی بیٹی کی اطلاع دینے آئے تھے میں خرم کے ساتھ شاپنگ پر جا رہی ... یقین کرو نیلی میرا بالکل دل نہیں تھا، مگر امی اور دادی نے زبردستی کہا تھا کہ خرم شاپنگ ... ے ناواقف ہے، راستوں سے انجان ہے۔ میں مجبور ہو گئی۔ اس پر غالب آ گئے اور خرم ... ان سے جھوٹ بول دیا کہ ہم آؤٹنگ پر جا رہے ہیں۔ اوف نیلی میں تو تنہا ان کے ساتھ ... نگ کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" وہ دوبارہ سسکیاں بھرنے لگی۔

"بس۔ اتنی سی بات۔" فارحہ کو غالب کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"تو تم اس وقت بھی مجھ سے کہہ سکتی تھیں کہ میں آؤٹنگ پر نہیں شاپنگ پر جا رہی ہوں ... منہ میں زبان تھی تو سہمی کیوں بیٹھی تھیں۔"

غالب کی ترخ دار آواز پر وہ تینوں گھبرا کر پلٹیں۔ وہ شاہ دل کے ساتھ اندر آیا تھا بلکہ لایا گیا ...

"تو یہ بات تھی۔" شاہ دل کے ہاتھ میں اب تک غالب کا بازو تھا۔

وہ لیونگ روم کے دروازے پر کھڑا تھا سائرہ کے رونے کی آواز پر وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ... گیا تھا۔ شاہ دل اچانک کہیں سے نکل کر اسے ناراض نظروں سے دیکھتا ہوا اندر لایا تھا۔

"مجھے یہی ڈر تھا کہ تم پھوپی جان کی طرف جاؤ اور کوئی گڑبڑ ساتھ نہ لاؤ۔ یہ ہو ہی نہیں ... سکتا۔" وہ شاکی نظروں سے غالب کو دیکھنے لگا۔

"مصیبت تو یہ ہے کہ وہاں میرے لیے مسائل خود کری ایٹ کیے جاتے ہیں۔"

"جیسے تم کوئی اسپیشل ہو نا۔ بڑے آئے کہیں کے۔" نیلی دانت کچکچا کر سارا احترام ایک ... طرف ڈال کر بولی۔

"تم چپ کرو۔" غالب نے اسے گھورا۔" اس کے دو آنسو پر رحم آ گیا۔ دنیا بھر کی

معصومیت اور پارسائی تو جیسے یہی محترمہ دامن میں بھرے بیٹھی ہیں۔" اس نے
کو دیکھا جس نے گھبرا کر بھیگی بھیگی پلکیں جھکا دیں۔

کیسا لال بھبھوکا ہو رہا تھا چہرہ اس کا۔ شاید سب اس کی کھنچائی میں مصروف
شاہ دل۔

"بہت شرم کی بات ہے غالب۔ اتنے نیرو مائنڈڈ کب سے ہو گئے ہو تم۔"
آنکھوں میں ملامت تھی۔

"جب سے ان محترمہ سے دل لگایا ہے۔" اس نے کچھ اتنی روانی میں اور
کہا کہ شاہ دل نگاہیں ان لڑکیوں سے ہٹا کر دیوار پر جما کر رہ گیا۔ سائرہ مارے شرم کے
کسی کو بھی غالب سے اس بے باک جملے کی توقع نہ تھی۔

"کچھ تو عقل اس کے سر میں بھی ہونی چاہیے تھی نا۔ وہ یوں لب سی کر بیٹھی
ہی تو ہو۔"

"کیا آپ خود مجھے جانتے نہیں ہیں۔ کیا میں ایسی لڑکی ہوں' اتنی فضول دل پھینک
سائرہ کی سسکی ابھری اور ادھر سب کو اپنی ہنسی دبانی مشکل ہو گئی۔ سمیت غالب
افوہ۔ کیا معصومیت تھی۔ یعنی سارا الزام ہی مجھ پر۔

بہرحال حقیقت کھل جانے پر وہ دل ہی دل میں عجیب طرح کی خوشی امڈتی محسوس
مگر بظاہر اپنی مردانہ انا کو قائم رکھ کر پلٹ کر جانے لگا۔

"جا کہاں رہے ہو؟ اس سے سوری تو کرو۔" شاہ دل نے اس کا بازو پکڑا۔

"کیا۔ میں؟"

"بالکل۔"

"یعنی یک طرفہ معافی۔" اس نے آنکھیں پھیلائیں جن میں دبی دبی ہنسی شاہ دل
دکھائی دے رہی تھی۔

"شعر کی صورت میں یا غزل کی۔" وہ پلٹ کر اپنی مخصوص جون میں آتے ہوئے
جھکے سر کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"غزل کی صورت میں۔" تینوں کی طرف سے مشترکہ فرمائش ہوئی تو سائرہ کا
ہو گیا۔ وہ غالب کو اپنے مخصوص موڈ میں آتے دیکھ کر بری طرح نروس ہونے لگی
دل کی موجودگی۔

غالب کی نگاہوں کی وارفتگی بھی عروج پر تھی۔ اسے سر اٹھانا تو کجا پلکیں بھی اٹھ

"ارشاد' ارشاد۔"

لڑکیوں کی جانب سے قطعی برا نہ منایا گیا کسی قسم کا احتجاج نہ ہوا۔

غالب نے سر کو خم کر کے گلا کھنکارا' اور ادھر شاہ دل اس کی شرارت پر مسکراتا ہوا کمرے
سے نکل گیا۔

تم واقعی اچھی لڑکی ہو
یا مجھ کو اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
کیوں اپنا جی رنجور کرو
وہ وعدے وفا نبھانے کے
تم بھول گئیں' مجھے یاد ہیں
کیا شان تمہاری گھٹ جاتی
جب اپنا کرنے آ جاتی
اب کن باتوں میں کھوئی ہو
اب کن سوچوں میں ڈوبی ہو
چہرے کو ذرا اٹھاؤ تو
آنکھیں بھی چار کر دیکھو
تم چھوڑو' دل کی بات کہو

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" اس نے سنا تو ایک شدتوں سے بھرپور نظر سائرہ کی
لرزتی پلکوں پر ڈالی اور اپنے دل کو سنبھالتا سرعت سے کمرے سے نکل گیا۔

"زبردست۔" ان سب کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ غالب کے اشعار اور سائرہ کا گلابی خفت
سے بھرپور چہرہ۔

"اف اللہ۔" نیلی ہنستی ہوئی اس کی طرف جھکی تو اس نے پوری طاقت سے کشن اسے دے
مارا اور پھر اسے دھکیل کر کھڑی ہو کر صوفوں کے سارے کشن اٹھا اٹھا کر ان سب پر پھینک کر
جھینپی جھینپی سی باہر نکل بھاگی۔ ان سب کے بھرپور اونچے قہقہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا
تھا۔

○☆○

شاہ پیلس کے دائیں بائیں کے لان کے دونوں قطعات پر ثاقب بھائی فنکشن کی مناسبت سے
سیٹنگ کروا رہے تھے۔ عمیر اور شاہ دل ان کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے۔

رات ہلکی ہلکی بارش ہو جانے کے باعث شامیانے کی چھت بھی ڈلوائی تھی۔ بڑی
لائٹیں شام سے جھلمل جھلمل کرنے لگی تھیں۔

منجھلے چچا نے بھی باہر جا کر تیاریاں دیکھ کر تسلی کر لی تھی۔

اندر لڑکیاں اپنی اپنی انفرادی تیاریوں میں یوں جتی ہوئی تھیں جیسے ان سب کی اکٹھی بارات
آنے والی ہو۔ ایک شور ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

"اللہ کی شان ہے چڑیلوں کو بھی میک اپ کا سینس آ گیا ہے۔"

غالب اور تیمور آتے جاتے لڑکیوں پر کوئی نہ کوئی فقرہ چست کرنا اپنا عین فرض سمجھ رہے
تھے۔

"اللہ کی شان کہ بھوتوں کے ہاتھ میں پرفیوم آ گیا ہے۔" غالب کے کپڑوں سے خوشبو کے
بھبکے اٹھ رہے تھے اور نیلی بھی جواباً محض چڑانے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھ کر دوبدو بولی۔

"مگر سینس نہیں آیا بھوتوں کو۔"

"تم چڑیل ٹھہریں ہم اچھے خاصے انسان بھی لازماً تمہیں بھوت ہی نظر آئیں گے۔"

"افوہ۔ نیلی دروازہ بند کر دو نا' سخت بدتمیز ہیں لڑکے۔" رابی بیڈ پر بیٹھے بیٹھے نیل پالش
لگاتے ہوئے قدرے جھنجلا کر بولی۔ تیسری بار نیل پالش ناخن کی حدود سے تجاوز کر گئی تھی
اب وہ دوبارہ ریموو کر رہی تھی۔

"جان پر آ گئے ہیں یہ تو۔"

"لاؤ گدھی میں لگا دیتی ہوں یوں بھی لیفٹ ہینڈ پر لگانا ذرا مشکل ہوتا ہے۔" فارحہ نے
کھا کر اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"نیلی۔ تائی ماں تمہیں بلا رہی ہیں۔" شاہ دل نے کھلے دروازے پر رک کر نیلی کو پکارا
جلدی سے برش سنگھار میز پر ڈال کر کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے۔ زنیرہ اب تک آئی نہیں ہے یہ لڑکی آئے گی بھی یا نہیں۔" بھابی اندر داخل
ہوتے ہوئے مخاطب کمرے میں موجود لڑکیوں سے تھیں۔

اور ہنستے شاہ دل کا دل لمحہ بھر کے لیے پوری قوت سے دھڑکا۔

"اس لڑکی کی مجھے کوئی کل سیدھی نظر نہیں آتی۔" انہوں نے بالوں سے ہیئر بینڈ نکال
سنگھار میز پر رکھا۔ "اپنا گولڈن بینڈ دینا فاری۔" انہوں نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

سی گرین لانگ شرٹ اور غرارے میں ان کا متناسب جسم بہت دلکش لگ رہا تھا۔

"اور ہاں ذرا وہ گولڈن مسکارا بھی دے دو۔"

"اللہ۔ کیا پوری دلہن بنیں گی۔" رابی پنکھے کے نیچے کھڑی ہو کر نیل پالش سکھا رہی تھی۔
بھابی کی طرف شرارت سے دیکھ کر ہنسی۔

"ثاقب بھائی پہلے ہی گھائل ہیں اب مزید ستم تو نہ کریں۔"

اس کے شرارت بھرے جملے پر بھابی کسی اسکول گرل کی طرح شرما گئیں اور فارحہ کے ہاتھ
سے مسکارا اور گولڈن ہیئر بینڈ لے کر رابی کو گھورتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

○☆○

سواتی کام کے سیاہ پشواز میں زنیرہ علی خان کا سراپا بے حد جچ رہا تھا۔ یہ اس نے نیلی اور فارحہ
کی پسند پر خریدا تھا۔ خصوصی عقیقے کے اس فنکشن کے لیے۔ ورنہ اس نے کبھی سادہ لباس کے
علاوہ کوئی ایسا فینسی لباس نہیں پہنا تھا۔ شہلا کے بارہا اور بے حد اصرار پر بھی اس نے کبھی اس
کے بھڑک دار کپڑوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اس بار سدرہ بھابی کی خوشی اسے اپنی ہی خوشی محسوس
ہوئی تھی۔

بڑے عرصے بعد اس کا دل بے حد اپنائیت اور محبت کے ساتھ کسی کی خوشی محسوس کر رہا
تھا۔

یوں بھی اتنی بہت سی محبتوں کے صلے میں یہ تو اسے بہت تھوڑا حقیر سا لگ رہا تھا۔

"زبردست۔" شہلا نے اسے دیکھ کر تعریفی انداز میں سیٹی ماری۔ "چلو زنیرہ خان تمہیں بھی
اپنی روایات تو یاد آئیں۔" وہ سیاہ پشواز میں حقیقتاً بڑی دلفریب اور معصوم سی لگ رہی تھی۔

"اس پر جیولری ذرا ہیوی قسم کی پہننا۔" اس نے ساتھ مشورے سے بھی نوازا۔ وہ چہرے
پر فاؤنڈیشن کی تہہ جماتے ہوئے ساتھ ساتھ اسے بھی آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

"کچھ غلط کہا۔" وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"یہی بہت ہے اب بھاری جیولری پہن کر خواہ مخواہ بندہ پوری محفل میں پرومننٹ ہو کر رہ
جاتا ہے۔"

"خوبصورت بندے کو تو پرومننٹ رہنا ہی چاہیے۔"

اس نے بالوں میں برش چلاتے ہوئے یونہی شہلا کو دیکھا اور ہولے سے مسکرا کر رہ گئی۔

اب یہ تو شہلا کا اپنا پوائنٹ آف ویو تھا اور ضروری تو نہیں کہ وہ اتفاق کرتے ہوئے اس کے
ہر مشورے پر عمل بھی کرے۔ اس نے بس میچنگ کے چھوٹے چھوٹے ٹاپس کانوں میں ڈال

لیے اور سفید سڈول کلائیوں میں سلور نازک کنگن پہن لیا۔ ”دراصل خوبصورت کپڑے،
جیولری اور تیز میک اپ انسان کی باطنی خوشی کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کتنا اس منعقدہ محفل
طور پر انوالو ہے۔“

شہلا نے بلش آن کا ٹچ دے کر میک اپ کٹ بند کرتے ہوئے کہا ”مجھے دیکھو۔ حالانکہ
پیلس والوں سے میرا کوئی ناتا نہیں صرف غائبانہ تعارف ہی ہوگا‘ مگر میں صرف تمہارے
اور ان لوگوں کو خوشی کو شیئر کرنے کے لیے اتنا اہتمام کر رہی ہوں۔“

اس نے جھک کر سنگھار میز کے نیچے سے اپنے نفیس سینڈل نکالے۔ آج پر ہی کیا موقوف
یہ اہتمام وہ اس کا ہمیشہ سے دیکھتی آئی تھی۔

زنیرہ نے اسے بغور دیکھا۔ دکھ‘ غم خوشی میں بھی ان تیاریوں میں ذرا بھی فرق نہ پڑتا تھا۔

بہرحال۔ اسے خوشی تھی کہ شہلا نے اس کی بات کا مان رکھ لیا تھا اور اس کے اصرار پر
کے ہمراہ اس دعوت کو قبول کر رہی تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ شہلا کا دل بہل جائے۔ وہ وقتی
پر ہی سہی اپنے دکھوں سے چھٹکارہ پالے۔

اذیت کے احساس سے کچھ لمحوں کے لیے ہی چھٹکارا مل جائے تو بھی بڑی بات ہوتی ہے۔

اسے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی‘ یہ دیکھ کر کہ جس اہتمام سے وہ تیار ہو رہی تھی
اس کا مطلب تھا اس نے واقعی اپنے ذہن سے ان تمام دکھ دینے والے خیالات کو جھٹک دیا ہے
یا پھر شہلا کو اپنے اوپر نقاب لگانے میں مہارت تھی۔

”خدا کی بندی۔ آج تو بال کھلے رہنے دو۔“

شہلا اسے بال لپیٹتے دیکھ کر چیخی۔

”پتا نہیں تمہیں اپنی ہر خوبصورتی پر بند باندھنے کی کیوں عادت ہے۔ حسن اگر دکھائی دے
تمہیں کیا تکلیف ہوتی ہے؟“

”اگر نہ دکھائی بھی دے تو کون سی قیامت آجائے گی۔“ اس نے جھنجلا کر شہلا کو دیکھا
سخت تیوروں سے اسے دیکھ رہی تھی تاہم اسے بالوں کو بینڈ سے لپیٹتے دیکھ کر مزید کچھ کہنے کا
ملتوی کر دیا۔

یوں بھی وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ دل آپوں آپ کھنچا چلا جا رہا تھا۔

○☆○

اترتی شام ”شاہ پیلس“ کے وسیع و عریض آراستہ لان میں ساری بہاریں اتر آئی تھیں
ایک تو اتنا بڑا خاندان تھا۔ اپنے جمع ہوتے تو لگتا ایک شہر اکٹھا ہو گیا ہے۔

شہلا کے ہمراہ زنیرہ اندر آئی تو استقبالیہ پر نیلی نے اسے گھیر لیا۔

”اس طرح مہمانوں کی طرح آتی بڑی اچھی لگ رہی ہو۔ دل چاہ رہا ہے کہ گلا دبا دوں مگر
اف۔ اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ گلا دبانے کا بھی دل نہیں چاہتا۔“ وہ ہنستی ہوئی اس سے لپٹ
گئی۔

نازحہ اور سارہ آپی بھی اس طرف آگئیں۔ زنیرہ سے مل کر ان سب کی توجہ شہلا کی طرف
تھی۔

تیز میک اپ اور مکمل آراستہ پیراستہ شہلا نواز ان سب کے لیے اجنبی تھی۔

کئی نگاہوں میں حیرانگیاں اور سوالات مچلے تھے۔

زنیرہ کا بالکل متضاد یہ نمونہ حقیقتاً انہیں خاصا دلچسپ محسوس ہوا تھا۔

شہلا بھی اپنی فطری بے تکلفی سے ہی ان سے ملی تھی اور ان سب نے بھی اپنی فطری سادگی
اور اپنائیت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور شہلا کو مہمانوں کے لیے سجائی گئی کرسیوں کی طرف
لے گئیں جبکہ نیلی زنیرہ کا ہاتھ کھینچتی اندر لے آئی۔

”کم از کم آج تو آپ اس سادگی کو ایک طرف ڈال دیتیں۔ مانا کہ اس سادگی میں بھی قیامت
ہیں آپ۔“

”اف۔ یہاں بھی اب وہی شوق۔“

”یہ سادگی کب سے ہونے لگی ہے۔“ اس نے مسکرا کر اپنے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

”ابھی بتاتی ہوں سادگی کی بچی۔“ وہ اسے لیے بھابی کے کمرے میں گھس گئی‘ مگر کمرہ خالی
تھا۔

”گویا ان کی سواری باد بہاری ابھی ابھی گئی ہے۔“ نیلی نے کمرے میں ملی جلی خوشبو کو
محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”چلو بچت ہوگئی تمہاری ورنہ آج سدرہ بھابی سے خوب سنتیں۔ انہوں نے کہا تھا وہ جیسے ہی
آئے اسے پکڑ کر ادھر لانا۔ اب وہ خود مہمانوں کے استقبال کو نکل گئیں۔“

”تھینکس گاڈ۔“ اس نے شرارت سے مسکرا کر نیلی کو دیکھا اور پھر دونوں ہنستی باہر آئیں تو
کسی نے نیلی کو پکار لیا وہ ”ابھی آئی“ کہہ کر دوسری طرف چل دی۔

”ارے زنی۔ بدتمیز۔ اب آ رہی ہو منہ اٹھائے۔“ وہ باہر نکلی تو بھابی سے ہی پہلی مڈبھیڑ
ہوئی۔

”اگر منہ جھکائے ہوئے آتی پھر بھی آپ کو اعتراض ہوتا۔“ اس کی کاجل سے سجی آنکھوں

میں ہنسی جھول گئی۔ "ابھی آپ ہی کو ڈھونڈ رہے تھے بلکہ نیلی نے تو خاصا ڈرایا تھا آپ کی
سے۔"
"تو اور کیا نہیں تو بخش دوں گی ایسے ہی تمہیں اور یہ کیا آج تو خوب تیار شیار ہو تیں۔"
"میری چھوڑیے خوشی آپ کی ہے اور آپ تو زبردست لگ رہی ہیں بلکہ پوری
اس نے شرارے سوٹ میں سجی سنوری نازک اندام بھابی پر ستائش بھری نظر ڈالی۔ موتیے
ان کے بالوں میں جھول رہا تھا۔ شادی کے اتنے سال بعد بھی ان کے سراپے میں
ردوبدل ہوا تھا۔ وہ حقیقتاً پوری محفل پر چھائی ہوئی تھیں اور یقیناً ثاقب بھائی کے دل پر بھی
"یہ تم نے کیونکر کہا۔ کیا میری خوشی تمہاری خوشی نہیں۔" انہوں نے اس کے دونوں
تھام لیے۔
"ہے اسی لیے تو اتنا اہتمام کر ڈالا ہے۔"
"تو لگ بھی کتنی پیاری رہی ہو۔ ارے ہاں میں نے تم سب کے لیے گجرے منگوائے
ٹھہرو سائرہ کے پاس سے لے کر آتی ہوں۔" وہ اپنا بھاری کامدار دوپٹہ اور شرارہ سنبھالتیں
کی طرف چلی گئیں اور کچھ ہی دیر بعد گجرا لیے واپس آئیں۔
"ادھر کرو ہاتھ میں باندھ دیتی ہوں۔" انہوں نے اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اس کی
میں موتیے کا خوبصورت گہنا باندھ دیا اور چند لڑیاں کلپ کے سہارے اٹکانے لگیں تو وہ
ہٹ گئی۔
"نہیں پلیز۔ یہی بہت ہے۔" اس کا لہجہ ہلکا ملتجی تھا بھابی ہنس دیں۔
"چلو معاف کیا۔ کیا یاد رکھو گی۔ آؤ اس طرف چلتے ہیں۔ آج مانی تمہیں بہت یاد کر
صبح سے کوئی دس بار تو پوچھ چکا ہے تمہارے بارے میں۔ میرا بچہ پورا عاشق ہو گیا ہے تمہارا۔"
"حیرت ہے اتنے بہت سے محبت کرنے والوں کے درمیان رہ کر بھی میری کمی محسوس
تھا۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ بھابی کی اتنی اپنائیت، محبت نے اس کا دل گداز کر دیا تھا۔ اس نے
اختیار ہو کر بھابی کا ہاتھ تھام لیا اور عجیب بھرائے لہجے میں بولی۔
"میں تو آپ لوگوں کی اتنی محبتوں کا بار کیسے اتار سکوں گی۔ پتا نہیں اس قابل بھی ہوں
نہیں۔"
"زنیرہ۔" بھابی لحظہ بھر سناٹے میں رہ گئیں۔ "محبت بار نہیں ہوتی اور پھر یہ قابل نہ
والی بکواس کیوں کی تم نے؟" انہوں نے اسے گھور کر دیکھا اور بڑی محبت سے اس کی آنکھوں
گرد پھیلے کاجل کو اپنے رومال سے صاف کرنے لگیں۔ "آئندہ ایسی بات بھی نہ کرنا۔

کے معاملے ہوتے ہیں۔ نہ کوئی کسی سے زبردستی محبت کرتا ہے نہ جبراً چھین کر حاصل کر سکتا ہے
یہ پودا تو خود بخود دل کی زمین سے پھوٹتا ہے۔"
اس نے سر جھکا لیا۔
"بالکل بجا فرمایا آپ نے۔" غالب نے تالی پیٹ کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا دونوں
چونک گئیں۔ بھابی جھینپ کر مسکرانے لگیں۔
"اگر آپ کے محبت پر بے لاگ تبصرے ختم ہو گئے ہوں تو کچھ میری بھی سن لیجیے بھابی
حضور۔" اس نے اچٹتی نظر زنیرہ خان پر بھی ڈالی مگر پھر جلدی سے نگاہوں کا رخ پھیر لیا پہلی بار وہ
اتنے اہتمام سے شاہ پیلس میں دکھائی دی تھی وہ اب دوسری نظر ڈالنے پر ذرا سا جھجک گیا۔
"کوئی محبت پر تبصرے نہیں کر رہے تھے۔ تم کہو کیا بات ہے۔" بھابی اس کی طرف متوجہ ہو
گئیں۔
"آپ کو پھوپی جان بلا رہی ہیں اور ہاں میرا وہ براؤن بیگ کہاں رکھا ہے آپ نے۔ میرا کیمرا
بھی اسی میں ہے۔ کچھ ثاقب بھائی کی تصویریں بھی لینی ہیں۔ آج تو وہ بھی غضب کے لگ رہے
ہیں۔ لگتا ہے آپ کے مقابلے پر اترے ہیں۔"
بھابی سرخ پڑ گئیں۔ زنیرہ نے ہنسی دبائی اور نگاہیں جھلمل کرتی روشنیوں کی طرف کر دیں۔
"اندر ہی رکھا ہے کامن روم کی سائڈ ٹیبل پر۔" بھابی نے بتایا۔
"زنیرہ صاحبہ۔ یقین نہیں آتا کہ آپ کی وہ والی سسٹر اوریجنل سسٹر ہیں آپ کی۔" اس نے
جاتے جاتے اچانک اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو زنیرہ نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔
اس کا اشارہ شہلا نواز کی طرف تھا۔ اس کا دل ایک لمحے کے لیے سینے کی دیوار سے جیسے
ٹکرا گیا۔ چہرے کا رنگ بدلا جو بھابی اور غالب محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔
"اوریجنل ہونے کی۔ "خاص نشانیاں" کیا ہونی چاہییں تھیں آپ کے خیال میں۔ یوں تو
نہ ان کے سینگ ہیں اور نہ میرے۔" دوسرے ہی لمحے اس نے سنبھل کر شگفتگی سے ٹالنا چاہا تو
غالب ہنس دیا اور مزید کوئی کرید سے گریز کرتا بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا اندر کی طرف چل دیا۔
اسی لمحے اسے بھی اپنے براؤن بیگ سے اپنا وہ گفٹ یاد آ گیا جو وہ طوبیٰ کے لیے لائی تھی اور
اندر بھابی کی ڈریسنگ ٹیبل پر ہی بھول آئی تھی۔
بھابی کو سامنے سے آتی عورتوں کے غول کی طرف متوجہ پا کر وہ چپکے سے اندر کی جانب
بڑھ لی۔
اس کے ہاتھوں اس کا پیک کیا ہوا گفٹ یونہی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اٹھا کر سرعت

سے باہر نکلی تو راہداری میں تیز تیز قدموں سے آتے شاہ دل سے بری طرح ٹکرا گئی۔
یہ تصادم بالکل اچانک اور خاصا زوردار تھا۔ اس کا مضبوط بازو اس کے دائیں رخسار
ناک کو بری طرح تکلیف دے گیا تھا۔ وہ چکرا کر رہ گئی۔

"یہ حادثہ خالص آپ کی اپنی غلطی کا نتیجہ ہے۔" دوسرے لمحے شاہ دل بھی سنبھل چکا
اور زمین سے اس کا گفٹ بکس اٹھا کر اسے دیتے ہوئے بھرپور شدتوں کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

"اس بات کا احساس دلانے کا شکریہ کہ یہ میری غلطی تھی۔ اس لیے میں ہی شرمندہ
ہوں۔" اس نے درد کرتی ناک کو سہلاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے گفٹ لے لیا بلکہ جھپٹ لیا۔
درد کے باعث آنکھوں میں بہتیرے آنسو جگمگ کرنے لگے تھے۔

"ہر غلطی کانٹے اور ببول نہیں ہوتی۔ کچھ پھول بھی بن جایا کرتی ہیں جن کی خوشبو
انقلابی بن کر ہمارے دل سے مہکنے لگتی ہے۔"

وہ اس کے قریب کھڑا اپنے مسحور کن لہجے میں بولا تو زنیرہ خان کی پلکیں بے اختیار
اٹھیں۔ نا سمجھ میں آنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ بڑے دل آویز انداز میں اسے
تک رہا تھا۔ دونوں کی نگاہوں کا یہ تصادم زنیرہ خان کے دل پر وحشت بن کر چھا گیا۔ جبکہ شاہ
دل عجیب اتھاہ میں ڈوبنے لگا تھا۔ خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے والا شاہ دل جیسے ان لمحوں میں تسخیر
ہو گیا تھا۔

"غلطی کو بھول سمجھنا میرے نزدیک بڑی حماقت ہے۔" وہ سنبھل کر بولی اور پلٹنے لگی مگر
اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"یہ تو اپنے اپنے محسوس کرنے کی بات ہے' اگر اس غلطی سے کسی کے دل میں مہک
مہک پھیل رہی ہو' رنگ ہی رنگ بکھر رہے ہوں تو کم از کم اس کے لیے تو وہ پھول ہی ہو سکتی ہے"
اس کی گہری گہری شہد رنگ آنکھوں میں جانے کیا تھا۔ زنیرہ کے دل پر سناٹا سا اترنے لگا۔
رگوں میں مچلتا خون جمتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے گھبرا کر پلکوں کی ریشمی باڑھ جھکا
اور اس کے دائیں طرف سے نکل کر تقریباً بھاگنے کے انداز میں راہداری عبور کر کے نظروں
او جھل ہو گئی۔

شاہ دل کے لبوں کی تراش میں دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جھک کر اس کی
سے گرا ہوا وہ گجرا اٹھا لیا۔ "کچھ لمحے ایسے مضبوط ہوتے ہیں جو آن واحد میں ہی دو رنگی ہو
جاتے ہیں جن سے ملنے کا گمان بھی نہیں گزرا ہوتا۔ جو بساطِ دل پر ایسا انقلاب بن کر چھا
کہ سارے عہد' سارے ارادے بھربھری مٹی کی طرح بکھرنے لگتے ہیں۔"

اس نے مہکتے موتیے کے اس گہنے کو ناک کے قریب لے جا کر سونگھا اور یوں ایک گہری
سانس اپنے اندر کھینچی گویا اس کی ساری تازگی کو اپنے پھیپھڑوں میں اتارتے ہوئے ایک انوکھی
مسرت محسوس کرنے لگا ہو پھر بڑی آہستگی سے اسے لپیٹ کر اپنے کرتے کی اوپری جیب میں ڈال کر
اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے تم کہاں تھیں؟" شہلا نے اسے اپنے قریب کرسی پر بیٹھتے دیکھ کر استفسار کیا۔
اس کے قدموں میں ہلکی لرزش تھی جسے شاید شہلا محسوس ہی نہ کر سکی تھی۔
دل ابھی تک یوں ہی دھڑک رہا تھا جیسے میلوں پیدل چل کر آئی ہو۔ اس نے خود کو کرسی پر
گرا کر بے مقصد مسکرانے کی کوشش کی۔

"یہ گفٹ اندر ہی بھول آئی تھی لینے گئی تھی۔ تم بور تو نہیں ہو رہیں۔"

"ارے نہیں بالکل نہیں۔" شہلا نے نفی میں سر ہلایا۔

اس نے مطمئن ہو کر کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر ایک لمحے آنکھیں موند لیں۔
اور دل کے سمندر سے اٹھنے والی شوریدگی کو کم کرنے کی شعوری کوشش کرنے لگی۔
کچھ دیر پہلے ہونے والے اتفاقی حادثے نے جو بظاہر بے ضرر تھا' اس کے اعصاب کو اب
تک جکڑے ہوئے تھا۔

وہ بھوری آنکھوں کی وارفتگی' لپک' چمک' اور دل آویز مسکراہٹ۔ اس کے تصور میں جم کر
رہ گئی تھیں۔ اس کا دل خوف کی دلدلی زمین میں جیسے دھنستا چلا جا رہا تھا۔

"یہ کمال کس رشتے سے آیا ہوا ہے؟" شہلا اس کی طرف جھکی پوچھ رہی تھی۔ اس کی آواز
بے حد دھیمی سرگوشیانہ سی تھی۔ شاید اس لیے کچھ فاصلے پر رابعہ اور ساریہ آپی مہمانوں کا
استقبال کرتے ہوئے انہیں کرسیاں پیش کرنے میں مصروف تھیں۔
وہ شہلا کی بات پر یوں اچھلی جیسے شہلا نے ڈنک ہی تو مار دیا ہو۔

"کما۔ ک۔ کہاں ہے؟" اس نے ادھر ادھر استعجاب سے نگاہیں دوڑائیں۔

"وہ رہا۔ اس اسمارٹ اور ہینڈسم بندے کے ساتھ کھڑا۔" اس نے انگلی سے ایک طرف
اشارہ کیا۔ وہ عمیر کے ساتھ کھڑا تھا۔

وہ دم بخود رہ گئی۔

مگر دوسرے لمحے اسے یاد آ گیا۔

"ہاں۔ شمشاد بیگم سے سدرہ بھابی کے میکے کے تعلقات ہیں۔ شاید اسی رشتے سے آیا ہو
گا۔ شمشاد بیگم تو نہیں آئیں۔"

"ہوں۔" شہلا ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"تو اب موصوف ان لوگوں سے راہ رسم بڑھانے میں سرگرداں ہیں۔"

"نہیں خیر۔ پہلی بار ہی دیکھا ہے میں نے اسے یہاں۔"

"مگر اب شاید بار بار دیکھو۔" شہلا اس کی طرف چہرہ موڑ کر زور دار انداز میں
"ایک سے ایک حسین لڑکی نظر آ رہی ہے مجھے تو یہاں، اور یوں بھی تمہاری
بالکل ہی مایوس ہو گیا ہے۔"

"شہلا۔ پلیز۔" اس نے سخت خفگی بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"اتنی لوز کیریکٹر کی لڑکیاں نہیں ہیں یہ سب اور یوں بھی اسے ایک اشارے
لڑکیاں مل جائیں تو وہ کیوں دامن بچانے والی لڑکیوں کے پیچھے وقت برباد کرے گا۔"
شہلا اس کے لہجے کی کاٹ اور طنز کی چبھن محسوس کرنے کے باوجود ڈھٹائی سے
رہ گئی۔

"اب کہاں ملتی ہوں میں بھی اس سے۔" اس نے کرسی کی پشت پر کمر ٹکا کر خود کو
دیا۔ "سچ کہہ رہی ہوں۔" اس نے ذرا سا رخ موڑ کر اپنے لہجے سے سچ ثابت کرنے
کی۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور
طرف بڑھ گئی جہاں وہ طوبیٰ کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔

○☆○

نور ہی نور ہے کس سمت اٹھاؤں آنکھیں
حسن ہی حسن ہے تاحدِ نظر آج کی رات

غالب کی شرارت آمیز نظریں یوں تو سائرہ پر تھیں اور مخاطب بھی در پردہ وہی تھی
وہائٹ فلیپر سوٹ میں بے حد نکھری نکھری لگ رہی تھی، مگر بظاہر وہ سب سے کہہ رہا تھا۔
وہ سب دور پرے عزیز مہمانوں کے جانے کے بعد لان میں شامیانے کے نیچے گھ
بیٹھی تھیں جبکہ بڑی بوڑھی عورتوں نے اندر کمرے کو مرکز بنایا ہوا تھا۔ آج سائرہ کی
برسوں بعد شاہ پیلس میں آئی تھیں وہ بھی رئیسہ آپا کے کہنے اور کچھ دکھاوے کے لیے۔
صباحت کی بھاوجیں وی آئی پی ٹریٹ دے رہی تھیں۔

"چلو شکر کرو تم لوگوں نے اعتراف تو کیا ہمارے حسن کا۔" سدرہ بھابی اس کے انا
جواب میں بولیں۔

"چ چ چ۔ تو کیا ثاقب بھائی نے آج تک یہ کام نہیں کیا ہے۔ ویری سیڈ۔ حالانکہ آپ
تو بڑی بہت تعریف کی تو مستحق لگتی ہیں۔"
غالب کا جواب برجستہ تھا۔ ایک زبردست قہقہہ پڑا ادھر بھابی بری طرح جھینپ کر رہ
گئیں۔

"میں انفرادی نہیں کہہ رہی۔" تاہم انہوں نے جھینپ مٹانے کے لیے بولنا ضروری
جانا۔

"یعنی اجتماعی طور پر یہ اعتراف کروانا چاہتی ہیں ثاقب بھائی سے۔ لیجیے ثاقب بھائی آپ کی
تو لاٹری نکل آئی۔ خوش ہو جائیے آپ کی زوجہ کی طرف سے آپ کو فری ہینڈ مل گیا ہے آج سے
آپ بلا ڈرے جھجکے مہ جبینوں کی شان میں قصیدے پڑھ اور لکھ سکتے ہیں۔"

"اوف۔ غالب توبہ ہے تم سے تو۔" بھابی اسے مارنے کو اٹھیں۔ ہر طرف ہنسی کے جلترنگ
بج رہے تھے۔

"میرا یہ مطلب تھوڑی تھا بدتمیز۔" وہ جھنجلا کر منہ پھلا کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"بھئی غالب۔ یہ فاؤل ہے۔ تم میری بیگم کو ہی ٹارگٹ بنائے ہوئے ہو۔" ثاقب بھائی بیوی
کی مدد کے لیے میدان میں کودے اور سب کے لبوں پر بکھرتی مسکراہٹوں میں اضافہ ہو گیا۔

"یہ ایک ہی عقل مند جو ہیں۔"

"وہ تو ہوں۔ کوئی شک نہیں۔" بھابی نے جھک کر کوک کی بوتل کا ڈھکن اسے کھینچ مارا۔

"خدا کے لیے اب یہ نہ کہہ دیجیے گا کہ ڈنکے بھی بج چکے ہیں۔" عمیر انہیں مزید کچھ بولتا
دیکھ کر جلدی سے اور کچھ اس انداز سے بولا کہ ہر طرف ہنسی بکھر گئی۔

"وہ تو کہوں گی۔ صرف عقل کے ہی نہیں حسن کے بھی بجے تھے۔" بھابی بھی ہتھیار ڈالنے
والوں میں سے نہیں تھیں سب ہی انجوائے کر رہے تھے۔

"اوف اللہ۔" ثاقب بھائی کراہ کر رہ گئے۔ "کس نے بجائے تھے یہ ڈنکے؟"

"بجائے نہیں تھے بجوائے گئے تھے پیسے ویسے دے کر۔" تیمور نے جملہ پھینکا تو ثاقب بھائی
کا قہقہہ گونج کر رہ گیا۔ بھابی سر پکڑ کر رہ گئیں۔

"ویری شیم۔ ثاقب تمہیں سدرہ کا ساتھ دینا چاہیے۔" سارہ یہ آپی اب بھابی کی مدد کے
لیے کود پڑی تھیں۔

"ساتھ ہی تو دے رہے ہیں آٹھ سال سے۔" عمیر نے گویا انکشاف کیا۔

"ہاں۔ جیسے یہی تو آٹھ سال سے رشتہ نبھا رہے ہیں نا جناب میں بھی آٹھ سال سے انہی

سے بندھی ہوئی ہوں۔" بھابی ترخ کر بولیں۔

"اوہو۔ تو اس بات کا افسوس ہے آپ کو۔" غالب کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا۔

"بکواس مت کرو زیادہ ہی بولنے لگے ہو۔ میں کیوں کرنے لگی افسوس۔ عورت ایک بار ہی محبت کرتی ہے اور ٹوٹ کر۔ سمجھے۔"

"اللہ رے۔" لڑکیوں نے باقاعدہ جھوم کر انہیں مزید جذباتی کیا تو سدرہ بھابی فر...

"یہ آپ اللہ کی خاص رحمت سمجھ لیجئے مردوں پر کہ عورتیں باوفا ہوتی ہیں اور ... ہی ٹوٹ لڈٹ کر چاہتی ہیں۔ ویسے ہمارے ثاقب بھائی بھی وفا کے معاملے میں کسی ... نہیں ہیں۔ کیوں ثاقب بھائی۔"

"بالکل۔" غالب کی شرارت کا مکمل ساتھ دے رہے تھے۔ ثاقب بھائی بھی۔

"ایک عورت سے وفا کرنے کا یہ تحفہ ملا
جانے کتنی عورتوں کی بددعائیں ساتھ ہیں

انہوں نے برملا شعر بھی داغ دیا۔ محفل زعفران زار بن گئی۔

مگر اب کے بھابی کی طرف سے کسی قسم کی جوابی کارروائی نہیں ہوئی۔ انہوں نے ... بولنا عبث ہی جانا۔

"اے۔ شاہے۔ کہاں ہو؟ ذرا ادھر آؤ۔" سامنے سے گزرتے ہوئے شاہ دل کو ... ثاقب بھائی اس طرف متوجہ ہو گئے۔

"کدھر ہو میاں؟ ذرا ادھر بھی نظر کرم ہو۔" وہ مسکراتا ہوا زنیرہ خان کی کرسی کی پشت ... رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"جی فرمایئے۔" اس کی آنکھوں میں بڑی دلفریب چمک تھی۔ وہ دانستہ یا نادانستہ ... کے پاس کھڑا تھا مگر زنیرہ خان کے دل کی حالت ابتر ہونے لگی۔

روتھ مین کا دھواں اور بروٹ کی مہک مل جل کر اس کے چاروں طرف جیسے ... لگی۔

"خبر بھی ہے آج تم کس قدر چارمنگ' ڈیشنگ لگ رہے ہو۔" ثاقب بھائی نے ... بھرپور مردانہ سراپا کو محبت پاش نظروں سے دیکھا تو وہ اتنے بھرے پرے مجمع میں کھ... اپنی تعریف پر ذرا سا جھینپ گیا۔

"شکریہ، حسنِ نظر ہے آپ کا۔" اس نے خفیف سی سر کو جنبش دی اور خواتین کی ... کو محسوس کرتے ہوئے انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ کو کیاری میں ڈال کر کرسی سنبھال لی۔

"ویسے یہ کس خوشی میں اب تک محفل برخاست نہیں کی گئی؟" اس نے ٹانگ پر ٹانگ ... دھا کر طائرانہ نگاہ ڈالی مگر جانے کیوں بھابی کے برابر بیٹھی زنیرہ پر نظریں چند لمحے اسی زاویے پر رہ ... نہیں۔ کبھی کبھی بے اختیاری بھی غالب آجاتی ہے۔

"بس ذرا موسم کی وجہ سے پرجوش ہو رہے ہیں۔ یوں بھی لے دے کر ابھی موقع ملا ہے ... تنگ مہمانوں کو رخصت کر کرا کے بے تکلف ہو کر بیٹھنے کا؟"

ثاقب بھائی نے چائے کا کپ میز سے اٹھاتے ہوئے جواب دیا جو ملازم ابھی ابھی گرما گرم ... ان کے درمیان رکھ کر گیا تھا۔ "گویا رت جگے کا موڈ ہے؟" اس کے انداز میں بڑی شگفتگی تھی۔ ... ثاقب نے ذرا سا چونک کر دیکھا تھا۔ وہی برسوں پرانا موڈ۔

"ہمارے پاس بھی بیٹھو بس اتنا چاہتے ہیں
ہمارے ساتھ طبیعت اگر تمہاری لگے"

غالب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"اوہو بڑے موڈ میں ہو آج صبح ہی سے چہکتے دکھائی دے رہے ہو۔"

شاہ دل نے چائے کا سپ لیتے ہوئے بغور غالب کو جانچا۔ "یہ اس لیے آج چہک رہا ہے ... ن کا رقیب روسیاہ خرم میاں اس کی بددعاؤں سے بسترِ علالت پر ہائے ہائے کر رہا ہے اور یوں آج ... شریف نہیں لا سکا رنگ میں بھنگ ڈالنے۔" عمیر نے مونابی کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے ... نے تئیں آہستہ آواز میں اسے اطلاع دی۔

"ارے واہ میری بددعاؤں سے کیوں؟ مچھر نے ڈنک مارا ہے۔ ہو گی کوئی مچھروں کی قوم سے ... پرانی دشمنی اس کی۔" غالب نے عمیر کو باقاعدہ گھورا۔

"کسی سائرہ نامی مچھری کو تو نہیں چھیڑ لیا؟"

"عمیر بھائی۔ آپ؟" سائرہ کے کانوں میں ان کے سارے جملے پڑ رہے تھے۔ عمیر کے ... آخری جملے پر برا مان گئی۔ جبکہ باقی سب ہنسنے لگے۔

"خیر اللہ اسے صحت دے یوں بھی لاہور کے مچھر کے نشتر کو مانسہرہ کے معصوم لوگ کہاں سہ ... پائیں گے؟"

"جی ہاں۔ یہ تو لاہور کے جیالے ہی ہیں جو ان کا ہر وار دلیری سے سہ جاتے ہیں۔" تیمور نے ... بھی ٹکڑا جوڑا۔

شاہ دل کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ بڑی شفاف اور طمانیت انگیز ہنسی تھی۔ ایسی سکون آمیز ... نرم سی کہ دکھ کی محرومی کا رنگ نہ تھا۔

یوں تو سب ہی انجوائے کر رہے تھے مگر اسے جانے کیوں اپنے دل میں ایک تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں جیسے بارش کے پہلے قطرے خشک زمین پر گر کر ودرد پھیلا دیتے ہیں۔ وہ مہک جو مٹی کے اس سوکھے وجود سے اٹھتی ہے اور حیرت کہ خود خوشبو سے بے خبر اور بے نیاز ہوتی ہے مگر جب خوشبو اڑتی ہے تو مٹی کا پور پور ا بے سرشار اور حیران نظر آتا ہے۔

ایسا ہی کچھ شاہ دل اپنے دل اور اپنی بولتی کیفیت سے محسوس کر رہا تھا جب ا زنیرہ کے وجود پر اٹھیں تو جیسے اس خاموش جھیل ندی میں کھٹ سے پتھر آ لگا ہو۔ اضطراب کی کیفیت تھی جو شاید اس رہ رہ کر اٹھنے والی نگاہوں کی وجہ سے تھی۔ یہ غیر اختیاری طور پر اس سے سرزد ہو رہی تھی' جیسے ہوا کے زور سے شعلہ اسی رخ پر جیسے مقناطیس لوہے کی طرف لیکن ہلکے ہلکے کاجل سے سجی ہوئی آنکھیں' بھرپور آنکھیں مقناطیس ہی تو تھیں جس نے غیر شعوری طور پر شاہ دل جیسے مضبوط اعصاب مرد کو یکایک لوہے کا ٹکڑا بنا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا دیں۔ ایک نادیدہ سا بوجھ جیسے دل پر آگرا ہاتھ بے اختیار جیب سے سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا مگر پیکٹ سے سگریٹ نکا اسے اچانک خواتین کی موجودگی کا خیال آگیا۔ اس نے نکالی ہوئی سگریٹ دوبارہ پیکٹ دی۔

"چھٹتی نہیں منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔" غالب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ اپنے اعصاب پر حملہ آور ہونے والی پراگندگی کو چھپانے کی کوشش کی ہو۔

"یہ تم اپنے سگریٹوں میں روز بروز اضافہ نہیں کرنے لگے؟ جہاں تک میرا خیال۔ اسموکر تو ہر گز نہیں تھے۔"

عمیر بھی جیسے بغور اسے ہی واچ کر رہا تھا۔ وہ جیسے سن سا ہو گیا۔

کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے نا کہ ہماری ایسی عادت جو ذہنی پراگندگی کے باعث پیدا دوسروں کی نظر میں آجائے تو انسان خواہ مخواہ خفت محسوس کرنے لگتا ہے جیسی شاہ دل رہا تھا۔

اور ایک خوف کہ کہیں وہ طشت از بام تو نہیں ہو رہا ہے۔ پکڑنے والا محض تشویش ہے اسے یہ جتانا چاہ رہا ہے کہ وہ اس کے ذہنی انتشار و دلی خلفشار سے آگاہ ہو چکا ہے "اچھا۔ میرا خیال ہے میں ہمیشہ اتنی ہی پیتا رہا ہوں۔" اس نے اپنے اطمینان کو

کر کے شانے اچکا دیے۔

اس کا مطلب ہے تم خود سے اس قدر بے خبر ہو؟" غالب کی نظریں اسے یوں اپنے جسم پر ہوئیں جیسے اسے کھوج رہی ہوں۔ وہ چونک سا گیا۔ بھلا وہ کیونکر گوارا کرتا کہ جسے جھانکنا تھا وہ اس کے باطن' اس کے کردار کی ستھرائی سے متنفر تھی۔ محض سطح پر دکھائی دیتے دیکھ کر قدم پیچھے سے پیچھے ہٹاتی جا رہی تھی اور جانے اسے بھی کیوں آگے آگے بڑھتے کا جنون ہوا جا رہا تھا حالانکہ پہلے ہی قدم پر ٹھوکر لگی تھی کہ اپنی صفائی میں کہنے کے سارے بے معنی ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ انا پرست' خوددار' اونچی ناک والا مرد تھا مگر جانے کیوں اس جنون کے آگے وہ یوں بہہ رہا جیسے سمندر کی موجوں کی لپیٹ میں تنکا۔ بے شک دل میں دھواں سا بھر گیا تھا مگر وہی ایک میٹھی سی کسک' خود آزاری کی کھنکتی اذیت' سارے وجود کا احاطہ کیے اسے مزہ دے رہی تھی یہ بے ائی' یہ بیگانگی اور نفرت کا برملا اظہار اس کے قدموں کو پیچھے ہٹانے کے بجائے بہت تیزی آگے بڑھا رہا تھا۔

دل کے چاند چراغ کی لو مدھم ہونے کی جائے اور تیزی سے جلنے لگی تھی۔ "خود سے بے خود فراموشی میں بڑی عافیت ہوتی ہے۔ کاش میں بھی اس بیماری میں مبتلا ہو سکتا از خود۔" نے چائے کا کپ میز پر رکھ کر سر کرسی پر ٹکا دیا۔

"حیرت ہے کہ تم جیسا مضبوط اعصاب کا مالک شخص بھی "خود فراموشی" سے فرار حاصل نے پر یقین رکھ سکتا ہے۔" غالب کے لہجے میں غایت درجے کی حیرانگی تھی۔

غالب کو لگا جیسے کوئی مضبوط چٹان دھیرے دھیرے اپنے مرکز سے سرک رہی ہو۔ "دل اور کوئی کمپیوٹر تو نہیں ہیں کہ اس میں ہم جو فیڈ کر دیں وہی ہمیں موصول ہوتا رہے۔ یہ تو پل پل احساسات کو جنم دینے اور اس کی آبیاری کرنے والا ایک متحرک آلہ ہے' جو خود چلتا ہے چلایا جاتا۔"

اس کا لہجہ خود کلامی کی طرح دھیما ہو گیا اور آنکھیں اسی جھکے سر پر پھر ٹھہر گئیں۔ اس لمحے بھی جانے اس لہجے میں کچھ محسوس کیا تھا یا اس کی نگاہوں کی تپش نے اسے سر اٹھانے پر کیا تھا مگر دوسرے لمحے وہ لرزتی پلکیں گھبرا کر جھک گئیں مگر جیسے ان پر منوں بوجھ ان پر آگرا

کون سی چیز دل کے بس میں نہیں
دل مگر اپنی دسترس میں نہیں

غالب کی نگاہیں اس کی بھوری آنکھوں کو زنیرہ کے چہرے پر ٹھہرتیں اور وہیں کو جھکتے دیکھ چکی تھیں۔

"شاید۔" شاہ دل کا انداز ہنوز خود کلامی سا تھا جیسے کوئی خوب صورت دھیان ذہن و دل کی بیک وقت چھایا ہوا ہو۔

"میں اب چلوں گی بھابی۔" زنیرہ اچانک اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔

"ارے کچھ دیر تو بیٹھو۔" بھابی نے اس کے یوں اچانک کھڑے ہو جانے پر حیران مزید اصرار کرنے کا ارادہ ترک کر کے اس کے ساتھ اندر چلی آئیں۔

"شہلا دکھائی نہیں دے رہی۔ باہر بھی نہیں تھی۔" اندر آتے ہوئے بھی شہلا دکھائی نہیں دی تو اس نے حیرت سے بھابی کی طرف دیکھا جو اپنی چادر کامن روم کے صوفے اٹھا کر اوڑھ رہی تھیں۔

"وہ تو کھانے کے فوراً بعد ہی شمشاد آپا کے بیٹے کمال کے ساتھ چلی گئی تھی۔"

بھابی نے عام سے انداز میں اسے اطلاع دی تو وہ سناٹے میں رہ گئی۔

"اسی نے مجھے کہا کہ تمہیں بتا دوں تم نیلی کے ساتھ نانی ماں کے پاس تھیں نا اور میں لگ رہی تھی اور پھر میں نے تمہیں جان بوجھ کر نہیں بتایا ورنہ تم بھی جلدی جانے جاتیں۔"

وہ بھابی کی اس بات پر مسکرا بھی نہ سکی۔ شہلا کا بتائے بغیر چلے جانا اس کے لیے اتنا شکن نہیں تھا جتنا کمال کے ساتھ جانا اسے چکرا کر رکھ گیا تھا۔ شاہ پیلس کے مکین بھلا کیا تھے کہ شہلا نواز سے اس کا کیا رشتہ تھا۔ وہ سب تو صرف اسے زنیرہ کے حوالے سے تھے اور اب کمال کے ساتھ اتنی بے باکی سے چلے جانا اسے یوں پزل کر رہا تھا جیسے سے نہیں خود اس سے سرزد ہو گیا ہو۔

اسے شہلا کی اس حرکت پر سخت غصہ آنے لگا۔ اپنی نہیں تو کم از کم اس کی عزت کا رکھ لیتی۔

وہ بھابی کے ساتھ غالب کی گاڑی میں بیٹھی تو ذہنی طور پر سخت اپ سیٹ تھی۔ خود بخود نم سی ہوئی جا رہی تھیں۔

عزت کو سینت سینت کر رکھنے والی زنیرہ علی کو جانے کیوں اپنی عزت کا چراغ تیز رکھا ہوا محسوس ہونے لگا۔

شمشاد بیگم نے ساری لائٹیں آف کر رکھی تھیں۔ غالب اور بھابی احتیاطاً اس

ہی اسے چھوڑنے آئے تھے مگر آخری سیڑھیوں پر تینوں کے قدم جیسے بیک وقت زمین نے جکڑ لیے تھے۔

کمرے کا داخلی دروازہ نیم وا تھا۔ جس کے اندر ربند روشنی میں شہلا اور کمال احمد کے سراپے واضح دکھائی دے رہے تھے۔ بیڈ پر اطمینان سے بیٹھی شہلا نواز کے منہ سے نکلتے ہوئے لفظ زنیرہ کے اعصاب پر کوڑے کی مانند لگے تھے۔

"پتا نہیں تم مردوں کو ایک عورت کے قریب ہونے کے باوجود دوسری عورت کی ذات میں دلچسپی لینے کی کیا بیماری ہوتی ہے؟ میں بہت انسلٹ فیل کرتی ہوں کمال۔ جب تم کرید کرید کر زنیرہ کے بارے میں سوالات کرتے ہو۔" شہلا کی آواز میں برہمی جھلک رہی تھی۔

"اس سے میرا کوئی ریلیشن نہیں ہے دیرینہ۔ یوں سمجھو کہ دونوں مختلف راستوں پر آئے مسافر ہیں جو ایک ہی سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور جن کی منزلیں بھی الگ الگ ہیں مگر دکھائی نہیں دے رہیں۔ وہ کراچی سے اپنے دامن دل میں ہزاروں دکھوں کا بوجھ سمیٹے سکون اور عافیت کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ بس اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتی۔ ہاں شاید اس کے اپنوں کے رویوں نے ہی اسے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا بس یا کچھ اور۔" وہ بیڈ سے اتر کر صوفے پر آ گئی۔

"خدا کے لیے کمال احمد۔ اب تم میرے ساتھ ہی تو زنیرہ یا کسی اور لڑکی کی ذات سے دلچسپی مت ظاہر کیا کرو۔ پتا نہیں ہرجائی مردوں کی بھوک سامنے کھانا ہونے کے باوجود مٹتی کیوں نہیں ہے؟"

اور جواباً کمال احمد کا بلند قہقہہ گونجنے لگا اور باہر کھڑی زنیرہ کو لگا جیسے شہلا نواز نے اس کی روح کے پرخچے اڑا دیے ہوں۔ اپنے پیچھے بھابی اور غالب کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے اس کی آنکھیں زمین میں گڑی جا رہی تھیں۔

○☆○

وہ کتنی دیر اعصاب شکن احساس کے ساتھ سنگی مجسمے کی طرح ساکت و صامت کھڑی رہی۔ نہ اس میں پلٹ کر بھابی اور غالب کی طرف دیکھنے کی ہمت تھی نہ دروازہ کھول کر اندر جانے کا یارا تھا۔ شہلا کے لفظوں نے اسے جیسے لمحہ بھر میں ہی بے توقیر کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ یوں محسوس کر رہی تھی گویا شہلا نے بیچ بازار اس کے سر سے چادر کھینچ لی ہو۔ جیسے ہزاروں لوگوں کے درمیان اس کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا ہو۔

اس کی آنکھوں کے آگے دھند کا غبار چھانے لگا۔ مگر اب اس سے مزید کھڑا رہنا بھی دوبھر ہو

رہا تھا۔ وہ ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے ذرا سا پلٹی تو دھک سے رہ گئی۔ خالی سنسان سیڑھیاں سامنے تھیں۔ اس کے اپنے علاوہ وہاں کسی ذی روح کا نشان نہ تھا۔ گویا بھابی اور غالب سنبھلنے کے عمل کے درمیان خاموشی سے پلٹ گئے تھے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے شہلا کی نہ سنی ہوں۔ دلِ خوش فہم نے فوراً تسلی چاہی مگر وہ دوسرے ہی لمحے یہ تسلی بھی بوسیدہ طرح پھٹ گئی۔

گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز اس کی سماعت پر کسی چھید کرنے والے آلہ کی طرح اور وہ جیسے پھر سے بکھر گئی۔ اچانک غصہ کا شدید لاوا اندر سے اٹھا۔

شہلا کے لیے نفرت کا ایک تیز ریلا دل کے اندر سے اٹھا اور اس نے پوری قوت سے کھلے دروازے پر ٹھوکر مار کر اسے کھول دیا اور تپتے ہوئے لال انگارہ چہرے کے ساتھ اندر

اس دھماکے پر کمال اور شہلا چونکے اور جھٹکے سے ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ کمال بے باکی کے موڈ میں تھا۔ اسے یوں اچانک دیکھ کر بری طرح سٹپٹا گیا۔ شہلا البتہ ہزارویں حصے میں اپنا اعتماد حاصل کر چکی تھی۔

"میں اب چلوں گا شہلا۔" وہ خفیف سا ہو کر دروازے کے ایک طرف کھڑی زنیرہ پر نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی اس نے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور دکھ اور غصے کے احساسات کے ساتھ شہلا کو دیکھنے لگی۔

"زینی بائی گاڈ' میرا مقصد کمال کے سامنے تمہیں ڈی گریڈ کرنا نہیں تھا۔" وہ اس کے آنے کے انداز اور چہرے کے تاثرات جان کر جلدی سے بولی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی زنیرہ وہ سب کچھ سن چکی ہے اور اب جھٹلانا بے کار اور بالکل فضول حرکت ہوگی۔

"تمہارا مقصد جو بھی تھا شہلا نواز مگر تم نے مجھے ڈی گریڈ تو کر ہی دیا نا۔ صرف کمال کے سامنے ہی نہیں شاہ پیلس والوں کے سامنے بھی۔" وہ جسم سے چادر نوچ کر زمین پر بیٹھ گئی۔

شہلا سناٹے میں رہ گئی۔

"کیا تمہارے ساتھ ان لوگوں میں سے بھی کوئی تھا؟" اس نے جلتی آنکھوں سے معصوم کو دیکھا اور خود بخود ڈھیر سارے آنسو ابل پڑے۔

"ضروری تو نہیں کہ انہوں نے سن بھی لیا ہو اور سمجھ بھی گئے ہوں۔" وہ فوراً بولی۔ "تم زیادہ ہی پچی ہو اپنی ذات کے معاملے میں۔"

"دیا ایک پھونک میں بجھ جاتا ہے شہلا نواز مگر اسے جلانے کے لیے کتنا وقت کتنی محنت درکار ہوتی ہے۔ یہ بجھانے والا نہیں جان سکتا۔"

اس کی آواز آنسوؤں کے بوجھ سے بھاری ہو گئی۔ شہلا سن سی رہ گئی۔

"تم ایک ظالم اور سنگدل لڑکی ہو شہلا۔ ایک بے حس پتھر دل لڑکی جسے دوسروں کے احساسات اور جذبات کا بالکل پاس نہیں۔" وہ گھٹنوں میں سر دے کر بلک رہی تھی۔

"مجھے نہ حقارت بھری نگاہوں کو سہنے کا حوصلہ ہے نہ ہمدردیوں کے سکے قبول ہیں۔ میں اپنی کمیاں' اپنی بے ثباتی خود تک محدود رکھنا چاہتی ہوں مگر شہلا یہ تم نے کیا کر دیا۔" وہ بے قراری سے اور زیادہ رونے لگی۔ "تم نے میرے اندر سے جینے کی توانائی بھی کھینچ لی۔ میں خود کو پھر سے زندہ سمجھنے لگی تھی مگر تم نے مجھے پھر سے مار ڈالا۔"

اس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ انتہائی درد انگیز تھا۔ شہلا حقیقتاً نادم ہو کر رہ گئی۔

"آئی ایم سوری زینی۔" وہ اس کے قریب آ بیٹھی۔ آہ۔ کتنا آسان ہے سوری کا ایک لفظ کہہ دینا۔ اس کے آنسو تواتر سے بہتے رہے۔ اس نے بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا تو شہلا کا دل پہلی بار بڑی شدت سے ساتھ ندامت محسوس کرنے لگا۔ اس کا سخت بے رحم دل جیسے پگھل کر رہ گیا۔

"پتا نہیں کیوں مجھ سے دوسروں کی دل آزاری ہو جاتی ہے۔ میں دانستہ ایسا نہیں چاہتی پھر بھی میری ذات سے کوئی نہ کوئی زخمی ہو جاتا ہے۔"

وہ رو چکنے کے بعد اٹھی تو شہلا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہاں زنیرہ۔ تم ٹھیک کہتی ہو میں واقعی ایک بے حس اور سنگدل لڑکی ہو۔ جسے دوسروں کی عزت کے دیے بجھانے میں ذرا تامل نہیں ہوتا۔ جس نے جنم دینے والے اپنے ہی ماں باپ کی برسوں کی بنائی عزت کا پاس نہ کیا۔ وہ بھلا ایک اجنبی چند مہینوں کی آشنا لڑکی کی عزت کی کیا حفاظت کر سکتی ہے۔"

زنیرہ نے بے قراری سے لب کھینچ لیا۔ "میں جانتی ہوں زینی اب میرے دو لفظ تمہارے اس زخم پر مرہم نہیں بن سکتے۔" وہ پلکیں جھپک کر آنسو پیتے ہوئے ذرا سا مسکرائی تو زنیرہ کا گداز دل اس کی خود آزاری کی اس کیفیت پر کٹ کر رہ گیا۔ اس نے پہلی بار شہلا کو اپنے رویوں پر اس قدر نادم دیکھا تھا ورنہ ہر بات چٹکیوں میں اڑا دینے والی شہلا سے ایسی شرمندگی یا ندامت کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس نے آہستگی سے شہلا کا ہاتھ تھام لیا۔

"چھوڑو۔ ہو سکتا ہے انہوں نے واقعی کچھ سنا ہی نہ ہو۔ یہ بتاؤ تم کمال کے ساتھ دوبارہ کیوں آ گئیں؟" اس نے کہا تو شہلا نے چونک کر اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر فرش سے اٹھ گئی۔

"زنیرہ علی تم میں اور مجھ میں بہت فرق ہے اور میں چاہوں بھی تو تم جیسی نہیں بن سکتی" اضطرابی انداز میں بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔ "تم گلاب کا وہ پھول ہو جو ہزار کانٹوں میں گھر کر زیادہ محفوظ ہو جاتا ہے اور میں وہ کانٹے دار بے حیثیت جھاڑی ہوں جو ہر زمین کو نم دیکھ کر جاتی ہے اور پیروں میں روندنے لگتی ہے۔ زینی ڈارلنگ تم مجھے ٹہنی پر اگا ہوا کوئی شگوفہ کیوں خیال کرتی ہو؟"

اس کی ہنسی استہزائیہ تھی۔ وہ اپنے ہی اوپر ہنس رہی تھی مگر اس ہنسی میں درد کی پرچھائیاں بھی لرز رہی تھیں۔

"تم نے کبھی کمان سے نکلے ہوئے تیر کو پھر پلٹ کر کمان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا نہیں نا؟" اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور مسکرا دی۔ عجیب خود آزار مسکراہٹ تھی۔

"شہلا۔" زنیرہ نے انتہائی تاسف کے ساتھ اسے دیکھا۔ "تم کوئی جھاڑی ہو نہ تیر۔ تم ہو، انسان ہو، جو اشرف المخلوقات ہے۔ جو نفس کے ہاتھوں گرتے بھی ہیں اور کلمہ پڑھ کر کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔ ضروری نہیں ایک زاہد عمر بھر زاہد رہ سکے اور ایک گناہ گار راستہ نہ پا سکے۔ نہیں شہلا! الحاد کسی مسلمان کی منزل نہیں ہے۔"

اس کا لہجہ تسلی آمیز اور نرم تھا۔ اس نے اپنے درد پر وقتی پردہ بڑی مہارت سے ڈال کر کو مزید نادم ہونے سے بچا لیا تھا۔

"تم اور میں لاکھ مختلف سہی ایک دوسرے سے مگر دیکھو ہم دونوں ہی آشفتہ حالات ہیں۔ نہ تمہیں آگے کا علم ہے اور نہ مجھے اپنی منزل کی خبر۔"

"نہیں زینی۔" شہلا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری منزل کہیں آگے سامنے بظاہر دھند میں لپٹی ہوئی ہے مگر میں اپنی منزل پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔ میرے لیے آگے کچھ نہیں ہے۔ اب تو صرف وقت کی مسافتیں طے کرنی ہیں۔ بس چلتے رہنا ہے۔"

"یہ محض تھکن ہے تمہاری ورنہ تقدیر عمر بھر کسی کو بے نشان بے منزل نہیں رہنے دیتی"

"خیر۔" وہ نیم دلی سے مسکرائی اور اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے بولی۔ "ایکسٹریملی سوری مجھے معاف کر دو۔ تم بہت عظیم ہو۔ تمہیں تو نفرت سے پیش آنا چاہیے تھا مجھ تمہارے ساتھ آج بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ شاہ پیلس سے کمال کے ساتھ نکل جانے مجھے احساس ہوا کہ مجھے تمہاری عزت کا پاس کرنا چاہیے تھا۔ پتا نہیں زینی میں ایسی کیوں آئی ایم رئیلی سوری۔"

زنیرہ کے دل کے آس پاس پھر وہی درد آہستہ آہستہ پھیلنے لگا مگر بظاہر وہ مسکرا دی۔

"ختم کرو اس موضوع کو۔" وہ اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی اور دروازہ بند کر کے بے اختیار رکے ہوئے ضبط کے جال میں جکڑے ہوئے آنسو بہانے لگی۔ پتا نہیں کیوں کبھی کبھی ہم خود کو ہزار خانوں میں بٹا ہوا محسوس کرتے ہیں کہ بجائے چاہنے اور خواہش کے کسی ایک احساس کے خول میں سمٹ نہیں سکتے جیسے زنیرہ علی چاہنے کے باوجود چیخ چیخ کر، بلک بلک کر بین نہ کر سکی تھی۔

○☆○

یوں بھی کم آمیز تھا محسن وہ اس شہر کے لوگوں میں
لیکن میرے سامنے آکر اور بھی کچھ انجان ہوا

اس نے شہریار کی کاپی سے سر اٹھا کر خاص حیرانگی سے شہریار کو دیکھا پھر ذرا سی کاپی آگے کھسکائی۔

"شیری! یہ کیا ہے بھئی؟ یہ کورس کی کاپی میں۔" اس نے شیری پر ذرا گرم نظر ڈالی اور دوبارہ غور سے شعر پڑھا۔ رائٹنگ شیری کی نہیں لگ رہی تھی۔ اسے کچھ الجھن ہوئی۔

"مس! یہ شہریار نے تھوڑی لکھا ہے۔" دور بیٹھا مانی اپنا سبق رٹا مارتے ہوئے رک کر جلدی سے بولا۔ "یہ تو شاہ چاچو نے لکھا ہے۔"

"جی مس۔" شہریار نے سہم کر مانی کی بات کی تائید کی حالانکہ اس کے تو اپنے فرشتوں کے علم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کب اس کے ماموں نے یہ کام کیا تھا۔

"مس، چاچو کی رائٹنگ کتنی اچھی ہے نا؟" مانی ذرا قریب کھسک آیا اور زنیرہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی جو دم سادھے بیٹھی تھی۔ اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس شعر کو اس نے خاص دلچسپی سے دو تین بار پڑھا ہے اسی ستم گر شخص نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔

"مس، چاچو کو آپ بہت اچھی لگتی ہیں امی اور نیلی آنٹی کی طرح۔"

اس کا دل سینے کی چار دیواری کے اندر اتنی زور سے دھڑکا کہ وہ لمحہ بھر کے لیے خوف زدہ ہو گئی مگر دوسرے لمحے اس نے جیسے رگ رگ میں دھڑکتے دل کو نظر انداز کر کے کاپی زور سے الٹ دی۔

"یہ کورس کی کاپیاں ہیں۔ اس میں کوئی بے ہودہ باتیں لکھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ خبردار جو آئندہ اپنی کاپیاں کسی کے استعمال میں دیں۔" اس نے سرزنش کی۔

اس کی زبان اچانک ٹھٹھر کر رہ گئی۔ وہ سیاہ شلوار سوٹ میں اپنے دراز قد کے ساتھ جانے

کب سے کامن روم کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ اپنے اس اعتماد اور اطمینان کے
کا اعتماد پارہ پارہ کرتا ہوا۔ اس نے لب بھینچ کر چہرہ جھکا لیا۔ یہ شخص پھر اسے کسی امتحان
محسوس ہوا۔

"کتنی عجیب بات ہے بچے وہ باتیں محسوس کر لیتے ہیں جو ہم اپنے آپ سے بھی
پھرتے ہیں۔" وہ اس پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"بچے وہی محسوس کرتے ہیں جو انہیں محسوس کرایا جاتا ہے۔" وہ اپنی جگہ سے
گئی۔ اس کا لہجہ کڑا اور زہر بجھا تھا۔

"آپ کے خیال میں، میں اپنے جذبات سے بچوں کو آگاہ کر رہا ہوں۔" وہ چلتا ہوا
ذرا فاصلے پر رک گیا۔

اس نے پلکیں اٹھا کر سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور رخ موڑ لیا۔ اسے احساس تک نہ ہوا
شاہ دل اس کمرے میں موجود ہے ورنہ وہ اس شعر پر ہرگز کوئی سوال نہ اٹھاتی وہ اس سے
بھی ہمکلام ہونے کی خواہشمند نہیں تھی۔

"مجھے نہ آپ کے جذبوں سے کوئی سروکار ہے! اور نہ آپ کی ان باتوں سے۔"
موڑے موڑے بولی اور شہریار کی کاپی اٹھانے کو جھکی جسے وہ اس سے قبل وہ جھک کر اٹھا
دونوں کی نظریں لمحہ بھر کے تصادم سے ہمکنار ہوئیں۔ اس نے جلدی سے نگاہوں کا زاویہ
لیا۔

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی، اچھا خاصا ذی ہوش انسان بھی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے
میں۔" اس نے کاپی کے آخری صفحے پر لکھے اشعار کو دیکھا۔ "اور پھر کچھ جذبے ہمارے دل
میں بڑے دبے قدموں سے داخل ہوتے ہیں اور یکایک زندگی میں انقلاب برپا کر دیتے
انسانی زندگی میں جذبات کی مداخلت کو تو آپ مانتی ہیں نا؟" اس کا انداز استہزائیہ تھا مگر
طرف اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

وہ حقیقتاً جھنجلا کر پلٹی مگر عنابی لبوں کی دھیمی مسکراہٹ نے اسے لمحہ بھر کے لیے
سمٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

"کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں زنیرہ جو ہم سے اپنا اختیار چھین لیتے ہیں۔" اس نے اس
چہرے کو دیکھا جہاں سوائے حسن اور وحشت کے اور کچھ رقم نہیں تھا۔

"آگہی کے لمحے انسان پر بالکل اچانک وارد ہوتے ہیں مگر تب تک وہ بالکل بے بس
دست و پا ہو چکا ہوتا ہے۔"

وہ وحشت زدہ سی پیچھے ہٹی تھی، وہ کہہ رہا تھا۔

"ہاں ایک شخص اگر چپکے سے دوسرے کا جزو بن جائے تو دوسرا کیا کرے؟ اس کا اختیار
چھین ہی تو جاتا ہے۔" اس نے بھرپور شدتوں سے اسے دیکھا۔ اس کے لب ہنوز دھیمی
مسکراہٹ بکھیر رہے تھے مگر لو دیتی آنکھیں انتہائی سنجیدہ تھیں اور ادھر زنیرہ کا اعتماد جیسے ریزہ ریزہ
ہو کر فضا میں بکھرنے لگا تھا۔ وہ کوئی ناسمجھ یا نابالغ نہ تھی کہ لہجے کا رنگ، لفظوں کی کارگری کو سمجھ
پاتی اور یہاں تو شاہ دل خان کے جذبوں سے پر آنکھیں دل کی ترجمان ہی فقط نہ تھیں وہ برملا
اعتراف بھی کر رہا تھا اس کے سامنے پورا کا پورا عیاں ہو رہا تھا اور ایسے میں اسے اپنے پیروں پر
سنبھل کر کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس نوبت کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے لرزتی
انگلیوں کو کرسی پر جما کر جیسے خود کو مضبوطی سے زمین پر جمائے رکھنے کی کوشش کی مگر لگ رہا تھا
جیسے وہ زیادہ دیر کھڑی نہ رہ پائے گی۔

ایک طرف مانی اور شہریار نہ سمجھ آنے والے انداز میں اپنی مس کے تپے تپے لال چہرے
اور عزیز از جان چاچو کو دیکھ رہے تھے پھر مانی نے شہریار کے کان میں کھسر پھسر کی اور دونوں کمرے
سے نکلنے لگے تو وہ وحشت زدہ سی ان کے سامنے آ گئی۔

"بیٹھو تم دونوں۔ ابھی چھٹی نہیں ہوئی تمہاری۔" اس نے ناراض آواز میں سختی پیدا کرنے
کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے شاہ دل نے آن واحد میں اسے جلتے شعلوں میں
دھکیل دیا ہو اور زیادہ دیر یہاں کھڑا رہا تو اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

"پلیز۔ آپ کمرے سے چلے جائیں۔" وہ رخ موڑ کر خود کو سنبھالتے جیسے تھکنے
لگی تھی۔

اور وہ تو یوں کھڑا تھا جیسے اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا ہو۔

"کمرے سے نکالنے کی حد تک ٹھیک ہے۔" اس کے لہجے میں جانے کیا تھا وہ سرتاپا کانپ
اٹھی اور اس سے پہلے کے وہ کوئی سخت جملہ کہتی وہ کمرے سے جا چکا تھا۔

اس نے ہلتے پردے کو خالی خالی نظروں سے دیکھا اور پھر کرسی پر گر سی گئی جیسے حقیقتاً پیروں
نے مزید بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا ہو۔ اپنی بے بسی، بے اختیاری پر اسے بھر بھر کر رونا آنے
لگا۔

شاہ دل خان کے اس رویے اور ان جملوں نے اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی چھین
لی تھیں۔ اسے رونا آئے جا رہا تھا۔ غصہ آئے جا رہا تھا۔
وہ کیوں اتنی بے اختیار ہو گئی کہ پلٹ کر اس کا منہ نہ نوچ سکی۔ اونہہ اپنی غلطی پر اب کوئی

خوش رنگ پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے مگر میں کوئی موم کی گڑیا یا کھلونا تو نہیں ہوں کہ
سے مجھ سے کھیلنے کی کوشش کرے۔ کیا سمجھ کر اس نے ایسی باتیں کیں مجھ سے اور کیوں؟
وہ تھکے ذہن اور اضمحلال کے ساتھ آنسو پونچھنے لگی اور جو سر اٹھایا تو مانی اور شہریار کو
کے ساتھ اپنی طرف تکتے پا کر وہ جلدی سے سنبھل گئی اور بے مقصد مسکرانے کی کوشش
لگی۔

"مس! آپ کو چاچو نے ڈانٹا ہے؟" مانی اس کے آنسوؤں پر دکھی ہو رہا تھا۔

"مس! آپ رو رہی تھیں نا؟" شہریار نے آہستگی سے کہا تو اس نے دونوں کو خود سے
تر کر لیا۔

"نہیں بھئی میں بالکل نہیں رو رہی تھی۔ وہ تو آنکھ میں یونہی کچرا چلا گیا تھا۔ چلو
کتابیں نکالو اور شیری تم جلدی سے ٹیبل یاد کر کے مجھے سناؤ۔"

اس نے تھوڑی کوشش سے دونوں بچوں کو مطمئن کر دیا مگر باوجود کوشش کے دل کے
الاؤ کو نہ بجھا سکی جو وہ شخص نئے سرے سے روشن کر گیا تھا۔

○☆○

"دیکھو شہلا، مجھے تم صرف ایک ڈاکٹر ہی نہیں اپنی فرینڈ بھی سمجھتی ہو نا۔ یا نہیں؟"
شکیلہ رشید نے اوور آل کی جیب سے اسٹیتھسکوپ نکال کر میز پر رکھا اور کرسی سنبھالتے
بغور اسے دیکھا۔ "ایک ڈاکٹر کی نصیحتوں، اس کی باتوں کو عموماً لوگ نظر انداز کرتے ہیں کہ
ڈاکٹرز کی تو عادت ہی ہوتی ہے نصیحتیں کرنے کی ہے۔"

شہلا نے ایک گہری سانس لے کر کرسی کی پشت پر کمر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"ڈاکٹر شکیلہ! میں تو وہ بد نصیب لڑکی ہوں جس نے کبھی اپنی ماں، اپنی بڑی بہن کی کوئی
ہی مانی۔ صرف اپنے دل کی آواز سے قدم ملا کر چلی۔ دل کی بات نہ مانی۔ خواہشوں کی ز
میں جکڑی رہی۔ ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے جیسے تم کسی بات کی تمہید باندھ رہی ہو۔" شہ
مسکرا کر ڈاکٹر شکیلہ کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی اور پھر اسے چشمے کے پیچھے سے گھورتے ہوئے

"تمہاری یہی عادت بری ہے فوراً جرح کرنے لگتی ہو۔ بھلا تمہید کی کیا بات ہے
پاس آج بھی وہی باتیں ہیں، وہی ایڈوائز ہیں جو میں پہلے بھی تمہیں دے چکی ہوں۔
پارسا میں بھی نہیں ہوں بلکہ میں تو۔" ڈاکٹر شکیلہ کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر جیسے دور خلا
گھورنے لگی۔ "میں اتنی ہی گناہ گار ہوں جتنی اور لڑکیاں جو یہاں آتی ہیں۔ میں بھی
لڑکیوں کے ساتھ برابر گناہ کی مرتکب ہوتی رہی ہوں مگر شہلا۔" اس نے شہلا کو دیکھا

کر کہہ رہی ہوں کہ تم جن راستوں پر چل رہی ہو وہ نہ صرف گناہوں سے پر راستہ
ہے، بن بن کر
سوائے دوزخ کی دل دوز تاریکی کے کچھ نہیں۔ وہیں تم اپنی زندگی سے بھی لمحہ بہ
ہے، جن کا انجام
تمہارا جسم، تمہاری روح بہت بیمار ہے شہلا۔ جسم کا علاج ہم ڈھونڈتے
لمحہ دور ہوتی جاؤ گی۔
مگر روح کی بیماریوں سے چشم پوشی کرتے ہیں حالانکہ یہی وہ مہلک بیماریاں ہیں جو ہماری
پھرتے ہیں
جسمانی بیماری کی آبیاری کرتی ہیں۔"

ڈاکٹر شکیلہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر شہلا کے قریب چلی آئی۔ "شہلا، کبھی تمہارے دل،
تمہارے ضمیر نے ان کاموں کی مذمت نہیں کی؟ کبھی کوئی خلش محسوس نہیں کی یا تم ہی آواز سننے
سے انکار کر رہی ہو۔"

شہلا کے دل پر جیسے ڈاکٹر شکیلہ کے الفاظ چابک کی طرح لگ رہے تھے۔

"مجھے بہت دکھ ہوتا ہے شہلا جب تم جیسی لڑکیوں کو یوں اپنے ہاتھوں برباد ہوتے دیکھتی
ہوں، اپنی ہی جڑوں کو کھوکھلا کرتے، اپنے ہی وجود میں زہر بھرتے۔"

"شکیلہ۔" شہلا کے چہرے پر بے پناہ کرب سمٹ آیا۔ "میں کبھی کبھی خود کو بدلنے کی بہت
کوشش کرتی ہوں مگر پتا نہیں کیوں ایسا لگتا ہے جیسے میں ایک دلدل میں گر گئی ہوں اور اس سے
جتنا نکلنے کے جتن کرتی ہوں، اتنی ہی اندر دھنستی جاتی ہوں۔ کبھی کبھی دم گھٹنے لگتا ہے۔ سنبھلنے
اور گرنے کے عمل کے درمیان خود کو پنڈولم کی طرح جھولتا ہوا پاتی ہوں۔ اپنے سامنے دھند یا
تاریکی دکھائی دینے لگتی ہے تو کبھی زنیرہ کی باتوں سے کوئی کرن چمکتی دکھائی دیتی ہے مگر پھر وہی دھند!
یقین کرو شکیلہ، میں ایسے میں خود کو ان دو طرفہ احساسات کے درمیان ہوا میں معلق کوئی شے
محسوس کرنے لگتی ہوں اور تب خود کو تھک کر حالات کے دھارے پر چھوڑ دیتی ہوں۔"

"یعنی فرار۔"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ فرار کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ جھوٹے کمزور سہاروں پر انحصار
کی عادت آخر کار آدمی کو ہوائی زد میں آئے تنکے کی طرح بے سہارا بے کس کر دیتی ہے۔ یہ جو تم
نے اپنے ارد گرد زندہ رہنے کے سہارے ڈھونڈ رکھے ہیں نا۔ یہ سہارے نہیں ہیں بلکہ یہ فنا کے
راستے ہیں، زندگی کی فنا، صحت کی فنا، روح کی فنا جیسے فانوس کے نیچے کھڑی ہو کر تم اپنے بیمار سراپے
کو آئینے میں دیکھو تو وہ بھی جگمگاتا محسوس ہو گا مگر جب ان مصنوعی روشنیوں سے نکل کر دیکھو گی
تو اپنی صورت سے خوف آئے گا۔ ہاں شہلا یہ مصنوعی روشنیاں در حقیقت وہ اندھیرے ہیں جو
ہماری ہی کم نگاہی سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ سراب آخر تک سراب ہی رہے گا۔"

ڈاکٹر شکیلہ نے خود کو دوبارہ اپنی کرسی پر گرا کر شہلا کو دیکھا جو میز کی چکنی سطح پر سر رکھے بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے خاموشی سے اسے رونے دیا۔ کوئی مداخلت نہیں کی اور بہت رو چکنے کے بعد اس نے سر اٹھایا تو ہنوز ڈاکٹر شکیلہ اسے دیکھ رہی تھی۔ مطلع صاف ... مسکرائی۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔ مجھے بتاؤ میری رپورٹس میں کیا آیا ہے؟" پرس سے ٹشو نکال کر ... پونچھتے ہوئے بولی۔

"رپورٹس میں کیا آنا ہے؟"

"پلیز شکیلہ۔" اس کے انداز میں التجا تھی۔ خفیف سا احتجاج تھا۔

"بابا۔ اچھی بھلی ہو تم اور یوں بھی ابھی رپورٹس آئی نہیں ہیں۔ یو ڈونٹ وری۔ میں تم سے بھلا کیوں چھپاؤں گی۔"

"فرینڈ بھی کہتی ہو اور دھوکا بھی دیتی ہو۔ یہ جو تم اتنی تمہیدیں باندھ رہی تھیں، تمہاری آنکھوں میں میرے لیے اتنا رحم دکھائی دیتا ہے۔ یہ بار بار کیئر کرنے کی ایڈوائز، یہ ٹا... ٹیبلیٹس۔ نہیں شکیلہ میں اتنی احمق ہرگز نہیں ہوں۔"

"خوب۔" ڈاکٹر شکیلہ کی ہنسی بڑی عجیب تھی۔ شہلا زچ ہو کر رہ گئی۔ "تمہارا کیا ... ہے۔ تمہیں کوئی خطرناک بیماری ہو گئی ہے اور میں چھپ کر تمہیں بتائے بغیر صرف ... سے تمہارا علاج کرتی رہوں گی۔ ارے بابا میں ہوں صرف ایم بی بی ایس اور گائناکولوجسٹ ... صرف تمہاری اچھی دوست۔ وہ بھی تمہاری نظر میں ہوں شاید۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ... میرے پاس تمہاری بیماری کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے خدا نا خواستہ کچھ ہوتا تو بتاتا ... ہوتا۔"

"اوکے۔" شہلا ایکدم اپنا پرس اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے بیٹھو نا۔"

"نہیں۔ یہ بتاؤ کب تک آجائیں گی رپورٹس؟"

"بس ایک دو دن میں اور سنو۔"

وہ دروازے تک بڑھتے ہوئے پلٹی۔ ڈاکٹر شکیلہ دونوں ہاتھ میز کی سطح پر رکھے ذرا جھکی ... دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

"مجھے یقین ہے تمہاری رپورٹس بے حد کلیئر ہوں گی اور ہاں وعدہ کرو خود کو بدلنے کی کو... کرو گی اور آئندہ کسی....."

"ڈاکٹر شکیلہ۔" شہلا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایک باد صرصر کی زد میں آئی شاخ سے تم کیا وعدہ لے سکتی ہو کہ وہ شاخ پر جڑی رہے گی یا یہ کہ وہ زمین پر گر جائے گی، نہ اسے علم ہے کہ آندھی چلنے پر شاخ پر قائم رہ سکے گی۔ نہ حتمی کہہ سکتی ہے کہ نیچے ہی گر جائے گی۔" وہ یہ کہہ کر پلٹ گئی۔

"شہلا۔ بات سنو۔" ڈاکٹر شکیلہ اسے پکارتی ہی رہ گئی مگر وہ دروازہ بھی اپنے پیچھے بند کر گئی ...

ڈاکٹر شکیلہ رشید کے ذاتی وسیع و عریض کلینک کی لمبی راہداری عبور کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر شکیلہ باوجود اس کی اچھی دوست ہونے کے۔ اس سے بہت کچھ چھپا رہی ہے۔ چلو یونہی سہی۔ وقت خود ہی اس کے سامنے سب کچھ کھول دے گا۔

اس نے ایک گہری سانس سینے کی تہ سے آزاد کر کے فضا میں اچھال دی اور ہوا کی طرح دوڑتے بھاگتے رکشہ کو ہاتھ دے کر روک دیا۔

○☆○

"لو بھئی مظفر کو کیا اعتراض ہو گا۔ یوں بھی میں نے آج تک کون سا فیصلہ غلط کیا ہے؟" عشرت بیگم نے پاندان بند کرتے ہوئے ایک نظر کرسی پر بیٹھے مظفر شاہ پر ڈالی پھر رئیسہ آپا کو دیکھا۔

"کیوں مظفر پھر کیا خیال ہے؟" رئیسہ آپا پھر بھی اطمینان کر لینا چاہتی تھیں۔

"بالکل۔ اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ خرم ماشاءاللہ ہر لحاظ سے اچھا لڑکا ہے۔"

"ہاں اور سب سے بڑی بات گھر کا لڑکا ہے دیکھا بھالا ہے۔" عشرت بیگم نے لقمہ جوڑا اور ذرا سا جھک کر اگال دان میں پیک مار کر کمرے میں داخل ہوتی صباحت پھوپو کو دیکھا اور ناک سکوڑ کر بولیں۔

"اے صباحت تمہیں بھی کچھ فکر ہے یا نہیں اپنی اولاد کی؟" انہوں نے اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ تھام کر تخت پر ایک طرف رکھا۔

"جی... میں سمجھی نہیں۔" صباحت میاں اور رئیسہ آپا کو چائے تھما کر اپنا مگ لے کر تخت پر بیٹھتے ہوئے ساس کو حیرت سے دیکھا۔

"لو اور دیکھو۔ اے بی بی میں تو کہتی ہوں کہ تم نے تو بس اولاد کو جنم دے کر ہی جیسے ہم پر احسان کر ڈالا ہے۔ ذرا دیکھو رئیسہ، اگر میں نہ ہوتی تو ان معصوم بہن بھائی کی فکر کون کرتا؟"

"اوہو آپا۔ آپ تو بات کو کہاں سے کہاں لے کر جا رہی ہیں۔" رئیسہ آپا نے عشرت بیگم کو ٹوکا پھر صباحت کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ "دراصل ہم لوگ خرم اور سائرہ کے رشتے کی بات کر رہے تھے۔ اب میرے جانے میں چند دن ہی رہ گئے ہیں۔ سوچا آج بتا کر پھر انشاءاللہ بہو بیٹیوں کے ساتھ آ کر چھوٹی موٹی رسم کر جاؤں گی۔ یوں بھی مجھے چٹ منگنی پٹ بیاہ ہی کرنا ہے۔ دو ماہ سے زیادہ رکھوں گی نہیں۔ یہ زبانی بات چیت ہاں نہیں تو۔"

رئیسہ آپا کے الفاظ نہیں دھماکے تھے جو صباحت کی سماعت کو جھلسا کر رکھ گئے تھے۔ اپنے وجود پر سناٹا طاری ہوتا محسوس ہونے لگا۔

"اے بی بی جب سے رئیسہ آئی ہے۔ یہی بات کیے جا رہی ہے۔ میں نے سوچا چلو تم بھی کان دھرو گی مگر تم تو ٹھس بیٹھی رہیں جیسے بیٹی بیاہنی ہی نہیں۔ باپ کام دھندوں میں الجھا ہوا ہے اور یوں بھی مردذات کو ان جھمیلوں کی کیا خبر مگر تم تو ماں ہو۔ پہلی فکر تمہیں ہونی چاہیے دن رات جوان بیٹی آنکھوں کے سامنے رہتی ہے مگر ہائے۔" عشرت بیگم نے ہمیشہ کی طرح موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کی اور کامیاب بھی رہیں۔ مظفر شاہ نے بڑی جلتی نظروں سے بیوی کی سمت دیکھا تھا۔ گویا یہ جتانا مقصود تھا کہ واقعی اگر اماں نہ ہوتیں تو تم بے فکری سے رہتیں۔ گویا یہ میدان بھی اماں نے ہی مار لیا۔

مگر صباحت کو یہاں شوہر کی نگاہوں کا احساس ہی کہاں تھا؟ ان کے اعصاب تو اس ... خبر پر ہی بکھر کر رہ گئے تھے۔ وہ خرم کو ناپسند نہیں کرتی تھیں مگر ان کی ہیرے جیسی بیٹی کے ... بھی نہیں سمجھتی تھی اور پھر وہ زیادہ نہ سہی کچھ تو سائرہ کے دلی جذبات سے آگاہ ہو چکی تھیں ... ان کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ شاہ پیلس میں زیادہ خوش رہ سکتی تھی۔ رئیسہ آپا کے گھر کے ماحول میں ان کی پھول جیسی بچی تو کملا کر رہ جائے گی۔ یوں بھی یہاں اس نے کون سا سکھ ... تھا۔ ان کی خواہش یہی تھی کہ وہ اب باقی ماندہ زندگی اس گھر سے نکل کر خوش و خرم گزارے ... ماضی کے دکھوں کا کچھ تو ازالہ ہو جائے۔

مگر یہ کیسی قیامت کی گھڑی تھی وہ انکار کرنے یا احتجاج کی پوزیشن میں بھی نہ تھیں ... ماں کے ہر حکم کی طرح اس حکم پر بھی آنکھیں بچھا چکا تھا اور اب ان کا زبان کھولنا رئیسہ ... ساس کے سامنے ذلیل ہونے کے مترادف ہی تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اٹھ کر ... سے نکل گئیں۔

"بس مظفر میاں مجھے آج ہی مٹھائی کھلا دو۔ آج رات ہی میں یہ انگوٹھی سائرہ کی انگلی میں ڈال دیتی ہوں۔" رئیسہ آپا کھلکھلاتی ہوئی بولی اور اپنی انگلی سے رنگ اتارنے لگیں۔

"ارے خالہ۔ کون سی آج ہی آپ بھاگی جا رہی ہیں؟ مٹھائی بھی کھا لیجئے گا اور انگوٹھی بھی پہنا لیجئے گا اب سائرہ آپ ہی کی امانت ہے۔"

"ارے ہاں، ہاں جانتی ہوں پہلی خوشی ہے یہ تمہاری دھوم دھام تو کرو گے ہی۔ چلو جو دل چاہے کرو تم ہم روکنے والے کون ہوتے ہیں۔ یوں بھی اللہ نے ماشاءاللہ تمہیں دیا بھی بہت کچھ ہے بیٹی پر ہی خرچ کرو گے نا؟"

رئیسہ آپا تخت سے نیچے اتر گئیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ عشرت بیگم کا چہرہ بگڑا تھا۔ انہیں یہ دھوم دھام اور خرچ والے لفظ کچھ بھائے نہیں تھے مگر اس خوشی میں انہوں نے کچھ کہہ کر بدمزگی پیدا نہ کی۔ بس مسکراتی رہیں۔

"مصدق! بھئی کہاں ہو بیٹے۔" مظفر شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مصدق کو پکارنے لگے۔

"مصدق اس وقت کہاں ہو گا ٹیوشن گیا ہو گا۔"

"اچھا۔ میں نے کہا خالہ کو مٹھائی کھلا ہی دوں بلکہ محلے بھر میں بھی بانٹ دوں۔ چلو میں خود چلا جاتا ہوں۔" انہوں نے پیروں میں چپل اُڑسے۔

"تم دیکھ رہے ہو مظفر۔ اپنی چہیتی بیوی کے انداز؟" عشرت بیگم نے بیٹے کو کمرے سے جاتے دیکھ کر پکارا۔ انہیں پھر کچھ سوجھا تھا۔ بہو کے خلاف زہر اگلنے کو۔

"ایسی خوشی کے موقع پر کمرے سے یوں نکل گئی جیسے اس کی اپنی بیٹی کا ذکر ہی نہ ہو۔ کسی ایرے غیرے کی بیٹی کا رشتہ طے پا رہا ہو، ارے ذرا نہ ہوا کہ اندر سے کچھ میٹھا لا کر منہ ہی سب کا میٹھا کروا دیتی۔ ارے اولاد سے محبت ہو، اس گھر سے، میاں سے محبت ہو تو کرے بھی نا۔"

اور مظفر شاہ سر ہلا کر کمرے سے نکل گئے۔

"مظفر۔ خدا کے لیے کچھ تو سوچئے ہماری ایک ہی بیٹی ہے اسے بھی نگاہوں سے دور دوسرے شہر بھیج دیں گے۔" بیٹی کے آنسوؤں کا بوجھ دل پر لیے بیٹھی صباحت بیگم نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے میاں کو دیکھا۔

"سیدھی طرح کہو تم اماں کی مخالفت میں اس رشتے کو مسترد کرنا چاہتی ہو۔" انہوں نے دروازہ ٹھوکر سے بند کیا اور الماری کی طرف بڑھ گئے۔

"مجھے بھلا اماں سے کیا دشمنی۔ وہ بزرگ ہیں ہماری، ان کی عزت میری عزت ہے۔ میں نے کبھی ان کی حکم عدولی کی ہے کبھی مگر میں اپنی اولاد پر اتنا تو حق رکھتی ہوں کہ....."

"تم کوئی حق نہیں رکھتیں سمجھ گئیں۔" مظفر شاہ نے قہر برساتی نظروں سے بیوی کو دیکھا اور اپنا سلیپنگ سوٹ نکال کر باتھ روم میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد باہر نکلے تو صباحت بیڈ کے

کنارے بیٹھی بے آواز رو رہی تھیں۔
"کیسی ماں ہو تم۔ بیٹی کا رشتہ طے ہونے پر بجائے خوش ہونے کے آنسو بہا رہی ہو
ٹھیک کہتی ہیں تمہیں اس گھر سے مجھ سے محبت ہوتی تو تم آج ہماری خوشیوں میں
ہوتیں۔" انہوں نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بناتے ہوئے اپنے کاٹ دار لفظوں
وار سے صباحت کا کلیجہ چھلنی کر کے رکھ دیا کہ وہ تڑپ کر کھڑی ہو گئیں۔
"مجھے صرف اپنی بیٹی کی خوشی عزیز ہے اور اس کی خوشی سے ہماری خوشیاں وابستہ
آپ کیسے باپ ہیں کہ بیٹی کے آنسوؤں پر خوشیاں منا رہے ہیں؟" ان کی بات پر مظفر شاہ
چونک کر ان کا چہرہ دیکھا۔
"کیوں؟ اسے کیا تکلیف ہے؟ خرم میں کیا خرابی ہے جو وہ لاڈلی صاحبہ کو رونا آ رہا ہے؟"
"بات سنیں آپ میری۔" انہوں نے ایک اور کوشش کرنے کی ٹھانی اور میاں کا بازو
کر بیڈ پر آ کر بیٹھ گئیں۔ "ہر ماں باپ کی طرح ہماری بھی یہی آرزو ہے نا کہ سائرہ جہاں
خوش رہے۔ کوئی دکھ کوئی آزار اس تک نہ پہنچے۔ بے شک رئیسہ آپا اچھی ہیں' خرم میں
خرابی نہیں مگر میرے بھائی کے بیٹے غالب میں کیا کمی ہے وہ خرم سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔
آپا کے گھر سے کہیں زیادہ میرے بھائی بھاوج کا گھر مناسب ہے اور پھر سائرہ...؟"
"صباح۔" مظفر شاہ زور سے دھاڑے۔ صباحت سہم کر پیچھے ہٹ گئیں۔
"تو یوں کہو کہ تم شاہ پیلس والوں کی طرف داری میں یہ مخالفت کر رہی ہو۔ وہ بیڈ سے کھڑے
ہو گئے۔ "کان کھول کر سن لو صباحت۔ میں اپنی بچی کو اپنے سے اونچے گھرانے میں نہیں
چاہتا کہ میرا سر جھک جائے اسی اونچی ناک والے خاندان کی ایک نشانی تم ہی کافی ہو۔ میں اب
دے کر جھک جاؤں ہرگز نہیں' وہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ اس طرح وہ تمہارا حساب بے باق
سکیں۔"
"میرے خدا۔" صباحت بیگم بے بسی اور بے اختیار سے رو دیں۔ یہ شخص اتنی
کیوں رکھتا ہے خدایا۔ انہوں نے دکھ کے ساتھ انہیں کمرے سے جاتے دیکھا اور پھر
تھکن کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئیں۔
اس بے حس اور شقی القلب مرد کے رویوں نے انہیں بری طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔
میں اب میاں سے مزید یہ جنگ لڑنے کا یارا تھا نہ سائرہ کے آنسو پونچھنے کی ہمت۔

○☆○

وہ اپنے اور شہلا کے بکھرے ہوئے میلے کپڑے' تولیہ غلاف اٹھا کر باتھ روم کے اندر
بالٹی میں ڈال کر بال سمیٹ کر ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھا کر شہلا کے پاس آئی جو کسلمندی سے
بیڈ پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔
"چلنا نہیں ہے کیا؟"
شہلا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر جیسے کچھ یاد آگیا۔
"آں۔ ہاں۔ بازار جانا تھا نا؟"
"تھا نہیں' ہے۔" وہ اپنے ڈھیر سارے ریشمی بالوں کو دو حصوں میں کر کے ان پر برش
پھیرنے لگی۔ "کچھ چھوٹی موٹی چیزیں لینی ہیں اور کچھ کتابیں وغیرہ خریدنی ہیں۔ عرصہ ہو گیا ہے
اپنے ٹیسٹ کی کتابیں پڑھے ہوئے۔"
"کتابیں و تابیں کیا پڑھنی ہیں زندہ چہرے پڑھو زندہ چہرے۔" شہلا کروٹ لے کر اس کے
قریب آگئی اور اس کی مہکتی ریشمی زلف کو انگلی میں لپیٹتے ہوئے بولی۔ "زینو تم نے مجھے دل سے
معاف کر دیا ہے نا؟"
"کس بات پر؟" وہ حقیقتاً حیران ہوئی۔
"جو باتیں میں کمال سے کہہ رہی تھی یا تم پھر شاہ پیلس گئیں تو وہاں کسی نے کچھ پوچھا' سدرہ
بھابی وغیرہ نے؟"
اس نے ایک گہری سانس لے کر شہلا کو دیکھا اور دھیرے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے
بولی۔
"نہیں' تم نہیں جانتیں شہلا۔ شاہ پیلس کے مکینوں کو۔ وہ خلوص محبت کے دریا ہیں۔ شاہ
پیلس میرے لیے ایسے درخت کی مانند ہے جو ہر وقت میری دھوپ کم کرنا چاہتا ہے' بڑھانا نہیں۔
بہت اعلیٰ ظرف ہیں وہ لوگ۔"
اس کے لہجے میں شاہ پیلس والوں کے لیے چاشنی ہی چاشنی تھی۔ اس نے تو بہت عام سے
انداز میں یہ آخری جملہ بھی ادا کیا تھا مگر نہ جانے کیوں شہلا اس سے نگاہیں چرا گئی۔
"چلو اب اٹھو نا۔ کیا پوستی کی طرح پڑی ہو۔" اس نے برش اسے جڑ دیا اور اٹھنے لگی تو شہلا
نے اس کی زلفوں کو ذرا سا کھینچ لیا۔

کس نے کھولا ہے ہوا میں گیسوؤں کو ناز سے
نرم رو برسات کی آواز آتی ہے مجھے

وہ اسے گھور کر دیکھنے لگی تو شہلا مسکراتے ہوئے اس کی کلائی تھام کر بولی۔
"زینی! تم بہت حسین ہو تمہیں احساس ہے؟"

شہلا کا انداز کچھ ایسا پر شوق محبوب جیسا تھا کہ وہ جھینپ کر رہ گئی۔

"کیا بد تمیزی ہے۔" اس نے کلائی چھڑالی اور رخ موڑ کر برش سے ٹوٹے ہوئے بال ...
ڈسٹ بن میں پھینکنے لگی۔

"میں سوچتی ہوں کہ شاہ پیلس میں کیا ابھی تک کسی کا دل نہیں دھڑکا' سچ بتاؤ زینی ...
کے دل کا ناس تو نہیں مارا ابھی تک؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" شہلا یہ کہتے ہوئے ...
تھی۔

اور ادھر اس کا دل سینے کی دیوار سے ٹکرانے لگا۔ اس کی رگوں میں مچلتے خون میں ...
گئی۔

"ویسے وہاں بندہ ایک سے ایک زبردست تھا۔ خاص کر وہ بلیک شلوار سوٹ میں جو ...
نہیں نام کیا تھا۔ سب شاید اسے شاہ شاہ کہہ رہے ہیں۔ اف زینی کیا زبردست پرسنالٹی ...
اس بندے کی۔ ایمان سے مجھے تو اپنا دل سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ زینی مجھے ایسا شک ہوا ہے ...
مسلسل تمہیں نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوئے تھا۔ پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے ...
کے دل میں کچھ گڑبڑ ہے اور اس دن تو تم لگ بھی تو آفت رہی تھیں۔ اس بے چارے کا ...
بھی۔"

"شہلا۔" اس نے قدرے برہمی سے شہلا کو دیکھا تو شہلا قہقہہ مار کر رہ گئی۔ اس بے ...
خبر کہ وہ زنیرہ خان کے دل میں کیسی دھکم پیل ہو رہی تھی۔ اسے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"ان خرافات کو چھوڑو۔ تمہیں تو فضول میں ایسی بد تمیزی سوجھتی رہی ہیں' اٹھو اب ..."

وہ شہلا سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی نہ اس کی سمت دوبارہ دیکھ رہی تھی اور آئینے ...
سامنے سے بھی ہٹ گئی تھی کہ مبادا اس کے چہرے کے بدلتے رنگ شہلا کو دکھائی نہ ...
جائیں۔ وہ اپنی ذات پر کسی افسانے کی تعمیر افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ خاص کر شہلا تو ...
سامنے۔ وہ اپنی دلی کیفیت کو ہر ممکن طریقے سے مخفی رکھنا چاہتی تھی۔

"اٹھتی ہوں' بابا اٹھتی ہوں۔ مر کیوں رہی ہو؟ ایسا کون سا وقت ہو گیا ہے؟" وہ بیڈ ...
بیٹھی اور پاؤں لٹکا کر سلیپر پہننے لگی۔

"ایسے کون سے ہزار کام پڑے ہیں محترمہ کو جو آ کر نمٹانے ہیں۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے ...
اٹھ کر غسل خانے میں گھس کر دروازہ بند کر دیا۔

اس کی نظروں سے اوجھل ہونے پر زنیرہ نے برش ایک طرف ڈال دیا اور خود کو کرسی پر ...
لیا۔

شہلا نے نادانستگی میں اس کے اندر کی آگ بھڑکا دی تھی جسے اس نے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا تھا جو شاہ دل خان نے سلگائی تھی۔

شہلا باتھ روم سے باہر نکلی تو کپڑے بھی چینج کر چکی تھی۔ اس نے شکریہ ادا کیا اور خود بھی کرسی سے اٹھ کر اپنے چپل پہنے اور چادر اٹھا کر جسم پر ڈال کر الماری کے پٹ کے اندر وال پر لٹکا پرس اٹھایا تو شہلا ہنس رہی تھی۔

"توبہ ہے زینی' تمہاری تو ٹرین چھوٹ رہی ہے۔" وہ کمال اطمینان کے ساتھ آئینے میں کھڑی ہو کر چہرے کی ڈریسنگ کرنے لگی۔

"ذرا دیکھو تو اتنے دنوں سے فیشل نہیں کیا تو چہرہ کس قدر رف ہو رہا ہے۔"

"یہ چہرہ فیشل نہ کرنے کی وجہ سے نہیں' تمہاری کمزوری' گرتی صحت کے باعث رف لگ رہا ہے۔ تم خود کو میک اپ میں لتھیڑ کر مطمئن ہو جاتی ہو۔ پتا نہیں تم اپنی ہیلتھ کی طرف سے اتنی لاپروا کیوں ہوتی جا رہی ہو؟"

زنیرہ نے کی بورڈ سے چابیاں اٹھاتے ہوئے اسے حسب عادت لتاڑا جبکہ شہلا کا حرکت کرتا ہاتھ رک گیا۔ وہ آئینے میں اپنا بے رونق چہرہ دیکھتی رہ گئی جس میں تازگی' سرخی' رمق نام کو نہ تھی۔ آنکھوں کے گرد سلیٹی حلقے نمایاں تھے۔ لمحہ بھر کو وہ خود اپنی صورت کو غور سے دیکھنے پر لرز اٹھی مگر دوسرے ہی لمحے بے نیازی سے شانے اچکا کر پف کرنے لگی۔

شاپنگ سینٹر پر حسب معمول انسانوں کا ہجوم تھا۔ وہ دونوں اپنی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں خرید کر آخر میں بک شاپ پر آ گئیں۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تمہیں یہ اتنا بھاری بھرکم فلسفہ ہضم کیسے ہو جاتا ہے؟" شہلا اسے خلیل جبران کی کتابوں میں اتنی دلچسپی لیتے دیکھ کر کوفت سے بولی۔

"ہو جاتا ہے صرف دو کارمینا کی گولیوں کے ساتھ۔" اس نے بھی شگفتہ انداز میں جواب دیا تو وہ حسب عادت بلند بانگ قہقہہ لگا کر رہ گئی اور پھر اسے چھوڑ کر شاپ کا چکر لگا کر شیلف میں سجی چمکدار رنگین جلد والی کتابوں کا معائنہ کرنے لگی۔ تبھی اس کی نظر شاپ میں داخل ہوتے شاہ دل پر پڑی تو وہ بڑی بے اختیار اس طرف بڑھ گئی۔

ادھر زنیرہ خلیل جبران کی "تخلیقات جبران" کو پیک کروا کر پلٹی اور شاہ دل کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ شہلا اس سے بے خبر شاہ دل سے باتوں میں لگی ہوئی تھی۔

"آپ کو بھی اس پاگل زینی کی طرح کتابوں کا شوق ہے؟"

شہلا کو کسی بھی اجنبی سے بے تکلف ہونے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگتا تھا جبکہ شاہ

دل کو تو وہ پہلے ہی شاہ پیلس میں دیکھ چکی تھی بلکہ اس کے قصیدے بھی پڑھ چکی تھی۔
"اچھی کتابوں کا شوق بہرحال ہے مگر اس وقت میں پینٹنگز میٹریل کے لیے آیا ہوں۔" ا
نے زنیرہ کو رخ موڑے دیکھ لیا تھا۔ اس پر بس ایک اچٹتی نظر ڈال کر کاؤنٹر کی دوسری طرف م
شاپ کیپر کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"خوب.... تو یہ شوق بھی رکھتے ہیں آپ؟" شہلا حیران تو بالکل نہ ہوئی مگر یونہی ایکٹنگ کی
"جی بس تھوڑا بہت۔" وہ بھی شہلا کی ہر بات کا جواب دینا شاید اخلاقی فرض سمجھ کر ادا کر
تھا۔

"سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے۔"

شہلا کی اس بے تکلفی پر ذرا حیران ہوا مگر ظاہر نہ ہونے دیا اور سر جھکا کر کاؤنٹر پر ر
میٹریل کو دیکھنے لگا۔
"کمال ہے زنیرہ نے تو کبھی بتایا ہی نہیں کہ شاہ پیلس میں ایسے ایسے فنکار بھی موجود ہیں
ہائے سچ زنی تو بالکل بدتمیز لڑکی ہے۔" وہ زنیرہ کی طرف پلٹی جو شہلا کی اس بے تکلف ہو جانے
عادت سے سخت خائف دکھائی دے رہی تھی۔ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس کی طرف آ گئی
"چلو شہلا۔" اس کا لہجہ دھیمہ مگر کڑا تھا مگر شہلا سُنی اَن سُنی کر کے شاہ دل سے کہہ رہی
تھی۔
"آرٹسٹ تو ہمہ وقت حُسن کی تلاش میں رہتے ہیں پھر تو آپ کو بھی حسین چہروں کی کھوج
رہتی ہو گی۔" اس کا انداز معنی خیز تھا۔
"چہروں کی نہیں چہرے کی کہہ سکتی ہیں آپ۔" اس نے حُسن کے زندہ مجسمے پر ایک نگا
ڈالی جو اس سے بے نیاز گلاس ڈور سے باہر دیکھ رہی تھی۔ "ویسے بہت مشکل ہوتا ہے زندہ وجو
کو اپنے خیالوں اور اپنی مرضی سے ڈھالنا۔" اس کا انداز دھیما اور لُو دیتا تھا۔ زنیرہ خان کے دل کی
دنیا بکھرنے لگی۔
"مدت سے ایک وجود کو ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دعا کیجیے کامیاب ہو جاؤں۔"
"شہلا! اب چلو بھی۔" وہ اچانک ہی پلٹ کر شہلا کی کلائی پکڑ کر اسے تقریباً گھسیٹتی ہوئی باہر
نکال گئی۔
"زنی۔ زنی یہ کیا پاگل پن ہے۔" باہر نکل کر شہلا نے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑایا۔
"بدتمیز ہو تم وہ کیا خیال کر رہا ہو گا۔"

"آخر ضرورت کیا ہے تمہیں ہر آئے گئے سے بے کار کی باتیں کرنے لگتی ہو۔"
"کیا مطلب وہ کوئی آیا گیا نہیں تھا۔ تمہارے شاہ پیلس کا فرد تھا تم نے پہچانا نہیں کیا
اُسے؟"
"میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے اس سے کہ پہچان کے مراحل طے کر کے باتیں بگھارنے
لگیں۔ اب کیا یہیں کھڑی مجھے گھورتی رہو گی یا گھر بھی چلو گی۔" وہ بے اختیار ہنس دی۔ شہلا
کے گھورنے کا انداز ہی کچھ ایسا تھا۔
"مجھے تو تمہارے دماغ کے اسکرو ڈھیلے لگتے ہیں۔ پتا نہیں وہ بیچارا کیا سوچ رہا ہو گا۔ میرا تو
خیر اس سے کیا رابطہ ہے مگر تمہارے بارے میں کیا خیال کرے گا؟ اور دیکھو ذرا ابھی گھر سے نکلتے
وقت میں نے اسی بندے کا ذکر کیا تھا اور ابھی ملاقات بھی ہو گئی۔ ویسے کیا زبردست پرسنالٹی ہے'
ہے نا' یوں تھوڑا سا مغرور سا لگتا ہے مگر غرور سجتا بھی ہے اس پر' کیا خیال ہے۔"
وہ دونوں روڈ کراس کر کے دوسری طرف آ گئیں۔ شہلا کی زبان مسلسل چلتی رہی مگر اس
نے اس کی بکواس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔
"تم اب گھر سدھارو' مجھے ذرا ڈاکٹر شکیلہ کی طرف جانا ہے۔" شہلا نے کہا تو اس نے چونک
کر اسے دیکھا۔
"کیوں؟"
"یونہی ذرا چیک اپ کروا لوں۔ تم ہی تو کہتی ہو میں اپنی صحت کی طرف سے لاپروا ہو گئی
ہوں۔"
"ہاں یہ تو ٹھیک کہتی ہوں چلو پھر میں بھی ساتھ ہی چلتی ہوں۔ تمہاری ڈاکٹر صاحبہ سے بات
کرتی ہوں اور تمہاری لاپرواہیوں سے اسے آگاہ کرتی ہوں۔"
"نہیں زنی پلیز تم جاؤ۔" شہلا کے لہجے میں قطعیت تھی۔ وہ دم بخود رہ گئی۔
"اچھا' بائے۔ میرا خیال ہے یہ بس میرے ہی روٹ کی ہے۔" وہ اسے یونہی ہکا بکا چھوڑ کر
قریب آ کر رکتی بس میں چڑھ کر اسے ہاتھ ہلانے لگی۔ اس نے بھی ہاتھ ہلا دیا۔ وہ جانتی تھی شہلا
کی اس ضدی طبیعت کو۔ وہ اپنی سی کر کے رہتی ہے چاہے اسے کتنا ہی گھاٹا کیوں نہ ہو۔ شاید وہ
خود بھی ایسی ہی تھی۔ کبھی اپنی ضد کے ہاتھوں کئی نقصان اٹھا چکی تھی۔
شہلا کی بس نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ وہ اپنی مطلوبہ بس کا انتظار کرنے لگی کہ ایک
سفید گاڑی کے ٹائر اچانک اس کے نزدیک چرچرائے۔ وہ اپنے خیال میں تھی لیکن آواز پر گھبرا کر
پیچھے ہٹی گو کہ کار اتنے نزدیک بھی نہ تھی مگر خوف فطری تھا مگر یہ خوف شاہ دل کو ڈرائیونگ سیٹ

پر دیکھ کر اور بھی پھیل گیا مگر دوسرے ہی لمحے وہ لاتعلق بن کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
"آئیں پلیز۔ اچھا نہیں لگ رہا یہاں آپ کا تنہا کھڑا رہنا۔" وہ شائستگی سے کہہ رہا تھا۔ وہ سُنی اَن سُنی کر گئی مگر اندر ہی اندر اس کا دل بکھر رہا تھا۔ آخر یہ شخص کیوں ہر موڑ پر اس کے سامنے آجاتا ہے۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں زنیرہ۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اب کے اس کے لہجے میں درشتگی تھی۔ جو زنیرہ کی رگوں میں سرائیت کر گئی مگر بظاہر وہ خود کو مضبوط بناتے ہوئے بولی۔

"شکریہ۔ آپ کی اس مہربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں بھی میں بسوں میں سفر کرنے کی عادی ہوں۔"

"اپنی بات منوانے کا میں بھی عادی ہوں۔" وہ گھوم کر اس کے نزدیک چلا آیا۔ اس کے اتنے قریب آنے پر وہ وحشت زدہ سی ہو کر پیچھے ہٹی۔

"آؤ بیٹھو۔" وہ اس کی سمت کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اس کے قطعی انکار کا کوئی نوٹس نہ لیتے ہوئے بولا تو وہ جھلس کر رہ گئی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟ کس بات کا رعب ڈالنا چاہتے ہیں مجھ پر؟ اپنی امارت کا؟ اپنی آزادی کا یا اس نئے ماڈل کی کار کا؟"

اس کی بات پر وہ یوں ہنسا گویا کسی بچے کی بچکانہ بات پر کوئی ہنستا ہے۔ تاہم ہنسی بڑی دلفریب تھی کہ زنیرہ خان نے رخ موڑ لیا۔

"رعب میں تم پر ضرور ڈالوں گا مگر ان مادی چیزوں کا نہیں۔" وہ اس کی نرم کلائی شائستگی سے تھام کر گاڑی کے قریب لے آیا۔ "یہ جگہ تکرار کی ہرگز نہیں ہے۔ سب لوگ دیکھ رہے ہیں بلاوجہ تماشہ بن جائے گا کیا سوچیں گے تمہارے بارے میں؟" اس نے اسی اطمینان کے ساتھ اسے سیٹ پر دھکیل دیا۔ وہ اس کے مضبوط ہاتھ کے دباؤ میں کسی نرم لچکدار شے کی طرح سیٹ پر آ ٹکی مگر دوسرے پل بپھر اٹھی۔

"آخر آپ میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں، کوئی حق نہیں پہنچتا آپ کو میرے ساتھ یہ انداز اپنائیں۔"

اسے سخت طیش آرہا تھا اس شخص پر جو اطمینان سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"آپ کی وہ دوست کہاں چلی گئیں آپ کو تنہا چھوڑ کر؟" اس نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا جیسے اس کے غصے کا کوئی نوٹس ہی نہ لے رہا ہو۔

"آپ کو اس سے کیا مطلب؟ بس آپ گاڑی روک دیں اور ابھی اور اسی وقت۔" وہ چیخی۔

"زنیرہ کیا بچکانہ پن ہے آخر اعتبار بھی کوئی چیز ہے۔" جواباً وہ بھی برہم ہو گیا۔

"بچکانہ حرکت میں نہیں آپ کر رہے ہیں۔" اسے بھی طیش آ گیا۔ "آخر کیا رشتہ ہے میرا آپ سے؟ میرے اور آپ کے درمیان یوں بھی اعتبار کا رشتہ نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔"

وہ یہ کہہ کر چہرہ شیشے کی طرف کر کے باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی فل اسپیڈ سے دوڑ رہی تھی۔ ہر چیز تیزی سے پیچھے کی سمت بھاگ رہی تھی۔ بس ایک دل تھا جو جہاں رُکا تھا وہیں رُکا تھا مگر کبھی کبھی وہ بھی آگے دوڑنے کی خواہش کرنے لگا تھا۔ ایک نئی مسافت کا خواہش مند ہونے لگا تھا۔

"اعتبار قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے سے ملنا، اسے جاننا اور اس کی بات سننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ تم اس کی روادار نہیں ہو۔ تم جان کر اعتبار کرنا نہیں چاہتی۔"

"پلیز، آپ گاڑی روک دیں۔ میں کوئی بات سننا نہیں چاہتی۔ میری زندگی ویسے بھی آسان نہیں جو آپ اور بھی مشکل بنانے پر تل گئے ہیں۔" اس کا لہجہ رندھ گیا تھا۔ اس کی قربت میں ایک عجیب سی وحشت تھی جو اس کی رگ رگ کو چھید رہی تھی۔ ایک آنچ تھی جو اس کے حواس بکھرائے دے رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ گاڑی سے اتر کر بھاگ جائے۔ دُور اس کی نظروں سے دُور۔

"ہر انسان کی زندگی آسان اور مشکل دونوں راستوں سے گزرتی ہے مگر تم نے اسے مشکل راستے پر ہی روک رکھا ہے۔"

"اسے مشکل آپ ہی نے بنایا ہے۔" وہ طنز سے ہنسی۔

"تو اب آسان بھی میں ہی بنانا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ یک لخت جذبوں سے پُر اور دھیما ہو گیا۔

"میں جانتی ہوں بڑی اچھی طرح کہ آپ اپنے انہی لفظوں سے بہلا کر کوئی نیا گیم کھیل کر درحقیقت خود کو پارسا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ازالہ نہیں بلکہ نیا فریب دے رہے ہیں مجھے۔ محبت کا ڈھونگ مت رچائیں۔ مت کریں میرے سامنے یہ اداکاری۔" وہ تحقیر آمیز انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

جواباً اس نے انتہائی غصے کے عالم میں گاڑی کو روکا تھا اور اس کی سمت گھوما دوسرے پل اور اس کا بازو اپنے ہاتھ کی سخت گرفت میں لے کر اسے آگ بھری نظروں سے دیکھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو میں تمہارے ساتھ کوئی گیم کھیل رہا ہوں یا ازالہ کی کوشش کر رہا ہوں۔

اپنے ضمیر کی ملامت سے بچنے کے لیے محض کوشش۔" اس کا سفید چہرہ لال انگارہ رہا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر اتنے زور سے اس کا بازو جھٹکا کہ وہ دروازے سے جا لگی۔

اس کے دل کی دیواریں لہولہو ہو گئی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو اس کی اس سوچ پر اٹھا کر باہر پھینک دے۔ احساسِ تذلیل سے اسے اپنی کنپٹیوں پر آگ لگتی محسوس ہو رہی تھی کیا کاری وار کیا تھا اس نے۔

"تم درحقیقت محبت کے لمس سے آشنا ہی نہیں ہو۔ میں ہی اب تک غلط فہمی کا شکار رہا کہ شاید میرے جذبے تمہیں جیت لیں گے۔ میری سچی چاہت تمہیں زندگی سے قریب لے آئے گی۔" اس نے ہونٹ سکوڑ کر اس کی سمت سے رخ موڑ کر اگنیشن میں لٹکتی چابی ڈال دی۔ دوسرے لمحے گاڑی اچھل کر دندنانے لگی۔

"میں ہی بے وقوف تھا برسوں اپنی غلطی پر کڑھتا رہا۔ احمق تھا جو تمہاری انفرادیت، تمہاری پارسائی کا اسیر ہو کر آرزوؤں کے ایوان سجاتا رہا۔ جبکہ تم کسی ان گداز جذبات سے آگاہ ہی نہیں ہو۔ یہ لطیف احساس تمہارے اندر ہی نہیں ہیں۔ تم صرف مجھ سے ہی نہیں خود اپنی محرومیوں سے عمر بھر لڑنا چاہتی ہو۔"

غصے اور تذلیل کے احساس سے وہ پاگل ہو رہا تھا۔ اسے یکدم اپنا آپ خالی خالی محسوس ہونے لگا تھا جیسے زنیرہ خان نے اس کی آنکھوں کے وہ سارے خوش رنگ خواب نوچ لیے ہوں۔ اسے کسی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا ہو۔

"تمہاری چاہ کرنا شاید میری سب سے بڑی غلطی ہے جس کی سزا مجھے عمر بھر کاٹنی پڑے گی۔" وہ آگ بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اور وہ سن سی اپنے شکستہ دل کے ٹوٹنے کی صدائیں خود سن رہی تھی۔ احساسِ تذلیل اور دلی دلی تھکن نے اسے نڈھال کر دیا۔ شاہ دل خان کے منہ سے نکلنے والے یہ انگارے اس کا وجود جھلسائے دے رہے تھے۔

"ہاں میں ایک بے حس اور پتھر دل لڑکی ہوں۔ مجھ سے کسی قسم کی توقعات نہ رکھیں۔" اس نے حتی الامکان لہجے میں سختی سموتے ہوئے کہا۔ یہ اور بات ہے کہ دل اندر ہی اندر ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا تھا۔

"پلیز گاڑی روک دیں آپ۔" اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار رکھنا مشکل ہو رہا تھا مگر وہ غصے سے پاگل جانے کن راستوں پر گاڑی بھگا رہا تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں گاڑی روکیں ورنہ میں چھلانگ لگا دوں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے چیخی تو

وہ استہزائیہ ہنسا۔

"شوق سے، تم جیسی دل توڑنے والی لڑکی کو زندہ رہنا بھی نہیں چاہیے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر تم یہ کام اپنے ہاتھوں سے انجام دو گی تو۔"

وہ انتہا سے زیادہ سفاک ہو رہا تھا۔ زنیرہ کا دل سینے کی چاردیواری میں پرزے ہو کر رہ گیا۔ اتنی سنگدلی، اتنی سفاکی اور اپنی ذات کی بے بسی پر وہ کٹ کر رہ گئی۔ اپنی پوزیشن پر اس کی آنکھوں میں آنسو لہرا گئے۔ غم و غصے میں اسے اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ دروازے کا ہینڈل گھما ڈالا مگر اس سے پہلے کہ وہ اس دھواں دھواں بھاگتی گاڑی سے چھلانگ لگا کر سڑک پر ڈھیر ہوتی وہ پھرتی کے ساتھ اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچ چکا تھا۔ گاڑی زور سے لہرائی تھی اور الیکٹرک پول سے چند انچ کے فاصلے پر رک گئی۔

"زنیرہ۔ یہ کیا پاگل پن ہے؟" وہ دھاڑا۔ حیرت، خوف اور غصے سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

خود اس کا دل بھی پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے کی دیوار توڑ کر باہر آگرے گا۔ چند لمحے اس کی آنکھوں تلے اندھیرے کی چادر سی تنی رہی۔ اطراف گزرتی گاڑیوں کا شور اور اپنے دل کی دھک دھک گڈمڈ محسوس ہوئی۔

اگر اسے کھینچ لینے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ یقیناً سڑک پر ہوتی اور پیچھے سے آتی گاڑیاں اسے کچل کر گزر جاتیں۔

"میرے خدا۔" اسے جھرجھری آ گئی۔ اس نے آہستہ آہستہ خود کو سنبھالتے ہوئے پلکیں اوپر اٹھائیں تو جیسے اس کی پوری ہستی ڈول کر رہ گئی اس کا سر اس کے مضبوط بازو پر رکھا تھا اور بھوری آنکھیں اس کے چہرے پر تھیں۔

اسے اپنا سارا بدن سن ہوتا محسوس ہوا مگر دوسرے لمحے وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی مگر دل کی بے ہنگم دھڑکن قابو سے باہر رہی۔ پلکوں پر منوں بوجھ آن گرا تھا۔

"اگر کچھ ہو جاتا تو؟" وہ بھی چونکا تھا۔ لہجہ برہم بھی اور تھا پریشان کن تھی۔ وہ خود ایسی نوبت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ یہ حرکت کر گزرے گی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی طرف کا دروازہ بند کیا اور لاک دبا کر ڈیش بورڈ پر سے ٹشو بکس سے ٹشو کھینچ کر اس کی طرف بڑھا دیا جو روانی سے بہتے آنسوؤں پر کسی قسم کا بند باندھنے کے بھی قائل نہیں رہی تھی۔

شاہ دل کو حقیقتاً اس کی حالت پر رحم آ گیا۔

"کس قدر بے وقوف لڑکی ہو تم۔" اس کا لہجہ دھیما تھا جیسے اب اس کے پاس بھی لفظ ختم ہو
گئے ہوں۔ بس دو دل پوری تیزی سے دھڑک کر ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس دلا رہے
ہوں۔ وہ یوں چپ چاپ تھی جیسے قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی ہو۔ اس کی نگاہوں کا حصار وہ
بھوری آنکھوں کا فسوں خیز طلسم' اس کے اندر ہیجان خیز احساسات جگا رہا تھا۔

رگ و پے میں وحشت زدہ ہوائیں سنسناتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کے کانپتے ہاتھوں
میں اتنا دم بھی نہیں تھا کہ اس کا دیا ہوا ٹشو گود سے اٹھا کر بھل بھل بہتے بے آواز آنسوؤں کو پونچھ
لیتی۔ نہ اتنی ہمت کہ پلکیں اٹھا کر اسے ایک نظر دیکھتی۔

وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا مگر پھر راستہ بھر دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔

بہت جلد وہ شمشاد بیگم کی عمارت کے سامنے گاڑی روک چکا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر
اپنا پرس کانپتے ہاتھوں سے سنبھالتی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتری تو وہ بے تابی سے اسے
پکار بیٹھا۔

"زنیرہ! کیا یہ سفر عمر بھر تنہا ہی طے کرنا پڑے گا؟" اس کے لہجے میں پھر اسی جذبے کی تپش
تھی۔ وہ پگھل جاتی مگر کسی احساس نے اسے جھنجوڑ دیا۔

"شاید۔" وہ سرد مہری سے بولی۔ "ویسے کوئی ساتھی ڈھونڈ سکتے ہیں میری طرف سے ممانعت
تو نہیں ہے۔" پھر دروازہ بند کرتے ہوئے بولی "ایسی خواہشات نہیں پالنی چاہیے جو پوری نہ
ہو پائیں۔ ریگزاروں میں چشمے سیراب نہیں ہوتے اور نہ ہی اڑتے پھرتے بگولوں کو پکڑنا عقل
مندی ہے۔ جھلستے بگولے آپ کو بھی جھلسا دیں گے۔"

وہ اس بے مہر لہجے میں بولی اور اپنے دل کی بکھرتی حالت کو پوشیدہ رکھ کر پلٹ کر سرعت سے
شمشاد بیگم کے کھلے گیٹ میں داخل ہو گئی۔

انا کی جنگ میں ہم جیت تو گئے لیکن
پھر اس کے بعد بہت دیر تک نڈھال رہے

اس میں اب دو قدم چلنے کا یارا نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا جیتا جاگتا وجود ہوا کی زد
میں آئے تنکے کی طرح بے حال ہو گیا ہو۔ جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔ اس نے سوچا یہ سرد مہری
تو اس کی مجبوری تھی کہ وہ جہاں کھڑی تھی جن راستوں پر چل رہی تھی وہاں کسی کی محبت اس کے
لیے کوئی خوش نما پھول نہیں بن سکتی تھی جسے وہ ہاتھ بڑھا کر اپنی مٹھی میں جکڑ لیتی۔

وہ جنگل کی آزاد فضا نہیں تھی کہ راستوں کی خوشبوئیں اپنے دامن میں سمیٹتی پھرتی۔ اس
کے لیے تو محبت کسی خوفناک خواب کی مانند تھی جو بند آنکھوں کے پیچھے بھی خوف زدہ کرتا ہے؟

اور آنکھ کھلنے کے بعد دیر تک اس کا احساس ڈرائے رہتا ہے۔

اس کے لہجے میں کس قدر بے تابیاں تھیں' التجائیں تھیں مگر کتنی عجیب بات تھی اس لمحے
بے شک اس کے اندر نفرت دم توڑ چکی تھی مگر دور تک شدید قسم کی ناامیدی چھائی ہوئی تھی۔
شاہ دل خان کے بے ریا جذبوں سے بھی نہ کٹ سکی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ جو آگ شاہ دل اس
کے دل میں بھڑکا چکا تھا وہ پور پور اس میں جل رہی تھی۔

وہ تھک کر نڈھال سی سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئی۔

"مجھے کسی نئی آزمائش میں مت دھکیلو شاہ دل۔ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔"

اس نے گھٹنوں میں سر جھکا لیا۔

"زنی۔" شہلا کے ہاتھ کا لمس اسے اپنے شانے پر محسوس ہوا تو وہ چونک گئی۔

○☆○

"کیا مصیبت ہے آج بھوکا مارنے کا ارادہ ہے کیا؟" غالب نے کوئی تیسری بار کچن کا طواف
کیا تو نیلی کو ہنسی آ گئی۔

"چچی نے تمہیں آج کچن سونپ کر تو ہم پر تو ظلم ہی کیا ہے۔"

"توبہ ہے ایک ذرا سا صبر نہیں ہوتا اور بھی تو سب انتظار کر رہے ہیں۔" نیلی پودینہ باریک
کاٹتے ہوئے جواباً بولی۔ "ایسا کرو آپ عشاء کی نماز پڑھ لو۔" نیلی مزید مشورے سے نوازا۔

"زیادہ بہلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جماعت ہونے میں ابھی بہت دیر ہے۔"

"کس ڈش پر مشق ستم ہو رہا ہے ذرا مجھے بھی پتا لگے۔" عمیر نے بھی اندر جھانکا۔ گویا سب
ہی کا بھوک سے برا حال تھا۔ نیلی سخت بوکھلا اٹھی حالانکہ ابھی اتنا زیادہ وقت بھی تو نہ ہوا تھا۔

"کیا بن رہا ہے آج؟"

"چکن چاؤمنگ۔" غالب نے طنزیہ انداز میں بتایا۔

"مگر فی الحال یخنی ہی بن رہی ہے۔" فارحہ نے شرارت سے کہا۔

"اف' یہ ٹرائی آج ہی ضروری تھی۔" غالب کراہ کر رہ گیا۔

"ہر طرف شور تھا یخنی یخنی
مرغا پھر رہا تھا زخمی زخمی"

عمیر نے برجستہ شعر مارا تو غالب کا قہقہہ نکل گیا۔

"اوہو کیا مصیبت ہے آپ لوگوں کو۔ صبر تو نام کو نہیں ہے۔ اچھی ڈش نہ ہو تو منہ بھی آپ
سب کا پھول جاتا ہے اب سیدھا سادہ سالن بنا کر کھلاؤں تو مجھے ہی پھوہڑ کہتے ہیں۔" نیلی جھلا کر

بولی۔

"یہ اشارہ عمیر تمہیں دیا جا رہا ہے۔" غالب کی بات پر بھر مسکراہٹ نہ روک سکا۔

"بے فکر رہو۔ کم از کم تمہیں یہ الزام ہرگز نہیں دوں گا۔ یوں بھی مجھے پھوہڑ لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔" عمیر صاحب بھی پھیلنے لگے۔ سینے پر ہاتھ کر بھرپور نظروں سے مصروف نیلی کو دیکھا۔

"اللہ رے۔ جب جلا ہوا سالن' ٹوٹے بٹنوں والی شرٹ اور پھٹے پرانے موزے ملیں گے تو پتا لگ جائے گا پھوہڑ لڑکیاں پسند کرنے کا۔ یہ ابھی کا خمار ہے۔"

بھابی فریج سے دودھ نکالتے ہوئے عمیر کی بات پر بولیں۔

"پلیز آپ لوگ باہر جا کر بیٹھئے۔ مجھ سے اس طرح کام نہیں ہوتا۔ فاری پلیز ایک گلاس بھر کر دینا۔" نیلی کا مقصد عمیر کو منظر سے ہٹانا تھا جس کی پُرشوق نگاہیں اسے سخت الجھن میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"لیجئے یہ بہادر بھی تشریف لے آئے۔ آیئے آیئے آپ کو بھی اس برے رفیق نے بلایا ہے" شاہ دل کو ڈائننگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر غالب مسکرا کر بیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"نیلی ذرا ایک گلاس پانی دینا۔" وہ غالب کی بات سُنی اَن سُنی کرتا ڈائننگ ٹیبل کی چیئر کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"خیریت تو ہے' دشمنوں کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے؟" غالب ذرا چونکا تھا۔ اتنی بیزاری اتنی اداسی اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔

"پلیز بی سیریس۔" اس نے بھابی کے ہاتھ سے ٹھنڈے پانی سے بھرا گلاس لیتے ہوئے غالب پر برہم سی نظر ڈالی۔

"جو حکم۔" غالب نے کچھ اس طرح سر خم کر دیا کہ وہ بے ساختہ اُمڈنے والی مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔ کچھ اپنے لہجے کی تندہی کا بھی فوراً احساس ہو گیا تھا۔

اسی لمحے مصدق اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ اس وقت خیریت؟ پھوپی جان بھی آئی ہیں۔" غالب کو اس وقت دیکھ کر حیران ہوا۔

"یہ پوچھو سائرہ بھی آئی ہے۔" بھابی فیڈر کا کیپ لگاتے ہوئے ہنسیں غالب کی اس بے تابی پر جو مصدق کو دیکھ کر چہرے پر ٹپک آئی تھی۔

"میں ابو کے ساتھ آیا ہوں۔ سائرہ آپی کی منگنی کی مٹھائی دینے' بس جا ہی رہا ہوں۔ آپ سب لوگوں کو یہاں دیکھ کر سلام کرنے چلا آیا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا مٹھائی کا ڈبہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس کے انداز میں کوئی گرم جوشی' کسی خوشی کا شائبہ تک نہ تھا۔

"اب میں چلوں گا' ابو اندر نہیں آ رہے ہیں۔ دراصل انہیں دوسری جگہ بھی جانا ہے۔ اچھا شاہ دل بھائی۔ خدا حافظ۔" وہ پلٹ کر باہر نکل گیا۔

ایک دھماکہ کر کے۔

کمرے میں موجود ہر دل کو توڑ کر۔

نیلی کے ہاتھ سے کٹی ہوئی پیاز کی پلیٹ ایک چھناکے سے گر چکی تھی۔

بھابی فریج کے پاس یونہی دم سادھے کھڑی رہ گئی تھیں۔

شاہ دل نے غالب کی سمت دیکھا تھا جس کا ہنستا مسکراتا چہرہ آنِ واحد میں دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ نہ جانے وہ ضبط کے کن مراحل سے گزر رہا تھا۔ پھر آہستہ سے پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

❂✲❂

آنکھوں کی پتلیوں میں سجا کر وہ خوابِ وصل
پھر ہجر کو نوشتہ دیوار کر گیا

شاہ دل نے غالب کے کمرے میں قدم رکھا تو وہ سامنے کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔

گھٹن اور گرمی کے باوجود کمرے کا اے سی بند تھا اور پنکھے کا بٹن بھی آف تھا۔ نیم اندھیرے میں گرمی سردی کے احساس سے بے نیاز وہ آنکھیں موندے جیسے اپنے آپ سے لڑ رہا تھا۔ اس پر عجیب سی بے بسی طاری تھی۔ شاید اس لیے کہ اتنا ہی اس کے بس میں تھا۔

شاہ دل کے رگ و پے میں دکھ دوڑنے لگا۔ وہ اس کی موجودگی محسوس کر چکا تھا۔ تپتی لال آنکھیں اوپر اٹھائیں تو شاہ دل کے سینے میں تیر پیوست ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو وہ کرسی جھٹکے سے چھوڑ کر بولا۔

"پلیز شاہے! نہ مجھے بھوک محسوس ہو رہی ہے اور نہ مجھے خود کو اس وقت سمیٹنے کا یارا ہے۔" وہ اضطرابی انداز میں چلتا ہوا کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہوا جو لان کے خوش نما حصے میں کھلتی تھی۔ وہ اندر آتے جھونکوں میں یوں سانس لینے لگا جیسے شدید حبس میں ان جھونکوں کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہو۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہیں بھوک نہیں لگ رہی ہو گی' نہ میں تمہیں ان لمحات میں پیٹ بھرنے کی آفر کرنے آیا ہوں۔ تم ہی کیا اس وقت ہر کوئی کھانے کی میز پر بیٹھا رسم نبھا رہا ہے۔ ہاں

مگر خود کو سمیٹے رکھنے کا مشورہ میں تمہیں ضرور دوں گا۔" وہ اس کے قریب چلا آیا اور اپنا
ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔" موجودہ حالات میں یہ کام بھی حوصلہ مند کر سکتے ہیں اور
تمہارے حوصلوں اور مضبوطی پر آج بھی فخر ہے۔"

اس نے لب بھینچ کر بس ایک نظر شاہ دل پر ڈالی اور باہر دیکھنے لگا۔ شاہ دل کا دل رنج
گیا۔ موجودہ حالات سے چھوٹی چھوٹی خوشیاں کشید کرتے ہوئے گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ
والے لمحات اپنے پنجوں میں ناقابلِ تلافی دکھ دبائے ہوئے آئیں گے۔ کون کہہ سکتا تھا
وقت قبل یہ ہنستا مسکراتا شریر لڑکا یوں ناقابل تلافی دکھ سے جھولی بھر لے گا۔ ہر شخص کو
والے کے لبوں سے خود ہنسی چھن جائے گی۔ وہ سب ایک لڑی کی صورت میں جڑے ہوئے
ان میں سے ایک موتی بکھر جائے تو پوری لڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ جیسے ستار کا ایک تار ٹوٹ جائے
سارے ساز دم توڑ دیتے ہیں۔

"غالب! تم نے کبھی چٹان کو ٹوٹتے دیکھا ہے؟" شاہ دل کی آواز چھائے سناٹے اور
روشنی میں عجیب سی محسوس ہو رہی تھی۔ "نہیں نا۔ لاکھ طوفان سمندر میں آتے ہیں مگر
ہنوز قائم رہتی ہے۔ مرد بھی چٹان کی طرح ہوتا ہے۔ اتنی جلدی ٹوٹ جانے اور بکھرنے
نہیں۔ یہ چٹان تو طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتی ہے اور ممکنہ سیلاب کو روک
ہے۔"

وہ تڑپ کر پلٹا۔

"شاہے! مگر میرے اندر ایک انسانی دل ہے۔"

"ہاں مگر مرد کا۔" اس نے اس کے شانے پر تھپکی دی جیسے اس کے زخموں کو ہولے
سہلایا ہو۔ وہ بے بسی اور بے اختیاری سے ٹہلنے لگا۔

"مجھ میں تمہارے جیسا حوصلہ نہیں ہے۔ میں تمہاری طرح مضبوط نہیں ہوں شاہ دل
دکھ تو مجھے اس بات کا ہے کہ میں نے خود اپنے راستوں پر یہ دکھ پھیلایا ہے۔ ایک بزدل کم ہمت
لڑکی کو چاہ کر۔" اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا جو سارا کا سارا شاہ دل کو اپنے مضبوط سینے
اترتا محسوس ہونے لگا۔

"وہ ظلم سہہ کر جانے کون سا تمغہ پہننا چاہتی ہے۔ اونہہ نفرت ہے مجھے اس کی بزدلی
اس کی اس کم ہمتی اور اس بے چارگی سے، ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کو 'اپنا حق' ما
بغاوت خیال کرتی ہے۔"

شاہ دل اس کا عم زاد ہی نہیں اس کا اچھا دوست بھی تھا جس کے سامنے وہ کھل کر اپنا

...نکال رہا تھا۔ اپنی پہلی شکست، پہلی محبت کا اعتراف کر رہا تھا۔ سخت بے بسی بے اختیاری کے غلبے
نے اس پر جھنجلاہٹ طاری کر دی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے شاہے میں اسے شوٹ کر دوں۔ ایسی ظالم، ایسی بزدل لڑکی کو زندہ رہنے کا
کوئی حق نہیں جو پلکوں پر آنسو سجا کر خود کو مظلوم ترین ہستی ثابت کرتی رہتی ہے آئی ہیٹ ہر۔"
حقیقتاً اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کمرے کی ہر چیز تہس نہس کر ڈالے اپنی اس خواہش کو عملی جامہ
پہنا دے۔ اچانک وہ فون کی طرف بڑھا مگر شاہ دل اس کے درمیان آ گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ خوش ہو گی، مطمئن ہو گی اس فیصلے سے وہ اس کا ارادہ بھانپ کر
جلدی سے بولا؟" اس کے تصور میں سائرہ کا ملول اداس چہرہ لہرا گیا تو کرب دگنا ہو گیا۔ "کیا وہ اس
طرح کی باتیں سن کر دل برداشتہ نہیں ہو گی۔ اسے بھی اس وقت تسلی تشفی کی ضرورت ہے۔"

"میں نے اس سے محبت کی ہے شاہ دل۔ کوئی ہمدردیوں سے اس کی جھولی بھرنے کی خواہش
نہیں پال رکھی۔" اس کا لہجہ بے حد کڑوا تھا۔ جواباً وہ اسے دیکھ کر رہ گیا پھر پُرخیال انداز میں
بولا۔

"ابھی صرف گھر میں ہی بات چیت ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہم بھی اتنے بے اختیار نہیں
ہیں، میں تائی ماں کو....."

"ہرگز نہیں۔" وہ تپائی پر لات مار کر اس کی بات کو کاٹتے ہوئے چیخا۔ "کوئی ضرورت نہیں
ہے بھیک کا کشکول اٹھا کر وہاں جانے کی۔ امی کو کہہ دینا اگر انہوں نے پھوپی جان یا مظفر انکل سے
اس موضوع پر اب بات کی تو میں یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔" وہ اس لمحے سخت ضدی
ہو رہا تھا حالانکہ وہ اتنا غصہ ور تو کبھی نہ رہا تھا۔ نہ اتنی جلدی ہمت ہار دینے والوں میں سے تھا۔
شاہ دل اسے اتنا شکستہ اور حزین دیکھ کر سخت دکھی ہوا تھا مگر اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا
تھا۔

"میں ہی بے وقوف تھا شاہ دل جو ریت کے سمندر میں نخلستان لہراتے دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی
خوش فہمی میں رہا کہ میری بے لوث چاہت بھی کوئی خوبصورت راستہ ڈھونڈ لے گی، مگر....." اس
نے لبوں کو دانتوں میں دبا کر کرسی پر بیٹھ کر جلتی آنکھیں موند لیں۔ "ریت میں بھلا کب ناؤ چلی
ہے۔ محض آرزوؤں کے ایوان سجانے سے کون منزل پر پہنچا ہے محض خوش فہمی سے۔ سب کچھ
پا تو نہیں سکتا کوئی۔"

وہ شاید تنہائی کا خواہش مند تھا۔ خود اپنے آپ سے الجھنا اور خود کو ہی تسلی دینا چاہتا تھا۔ شاہ
دل خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔

یوں بھی جذبے ریت کی طرح بکھر جائیں، جب امید و آس بھی دم توڑ جائے، جب …
آگ اندر پھیل گئی ہو تو کسی کے دو لفظ اس حدت کو ٹھنڈا نہیں کر سکتے یہ تو وقت کا مرہم …
ہے جو آہستہ آہستہ اس گھٹن کو کم کرتا جاتا ہے۔

○☆○

ادھر تائی ماں انتہائی غصے میں بھری بیٹھی تھیں۔

"ارے عمر بھر تو ہونے اپنی سی کی ہے اب اولاد کی اولاد پر بھی اس کے حکم چلے گا۔ … خرم میں کیا سرخاب کے پر دیکھ لیے مظفر نے کہ کھٹ سے ایسی لائق فائق پری جیسی … دی۔ ارے ناک بھی رگڑتی رئیسہ بیگم تب بھی اس کے بیٹے کے لیے رشتہ نہ ملتا۔ دیکھو ذرا مظفر کو۔ ماں کی اندھی عقل پر کیسے خود بھی اندھا بنا چل رہا ہے۔ ایک بات کبھی بیوی کی … لیتا۔"

"صباحت نے کوئی احتجاج تو کیا ہو گا نا۔" منجھلی چچی آزردگی سے بولیں۔ کتنی شدید خواہش تھی سب کی کہ سائرہ شاہ پیلس کی بہو بن کر اترتی۔

"اونہہ احتجاج۔ دو لفظ تو بولنے کی ہمت نہیں ہے۔ اس کی اس بزدلی نے تو آج یہ دن دکھایا ہے۔ عشرت بیگم نے یہ کارنامہ انجام دے کر جانے کس جنم کا ہم سے بدلہ لیا ہے۔" تائی … سلگ رہی تھیں۔

"لیجیے ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔" چھوٹی چچی اون سلائیوں سے خود کو نکال کر برا سا منہ بنا … بولیں۔

"یہی تو دکھ ہے کہ کچھ بگاڑا نہیں ہے اور وہ پنجے گاڑ کر پیچھے پڑ گئی ہے۔ اس سے تو اچھا تھا … بگاڑ ہی لیا ہوتا تو آج شاید حالات مختلف ہوتے۔" تائی ماں کی بات پر بے ساختہ سب کے لبوں … ہلکی مسکراہٹ کوندی تھی جو جلد ہی معدوم بھی ہو گئی تھی۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اب ان باتوں کا حاصل کیا ہے؟" نبیل چچا اندر داخل … ہو کر برہمی سے گویا ہوئے۔

"حاصل کیا ہونا ہے، نہ کبھی پہلے ہوا نہ اب ہو گا۔" تائی ماں ہنوز غصے کے عالم میں تھیں … پاندان کھٹ سے بند کیا اور ایک طرف پٹخ دیا۔ "یہ سب تم ہی بھائیوں کی کرم نوازیاں ہیں … اکلوتی بہن کو اتنی سی عمر میں ایسی موٹی عقل والے مرد سے بیاہ دیا عمر بھر رونے کے لیے۔"

"لیجیے اس میں ہمارا کیا دوش۔" نبیل چچا ہنس دیے اس الزام پر۔ "یہ سب تو تقدیر کی بات … ہے۔"

"بالکل اور آپ لوگ تو یوں پریشان ہیں کہ خدانخواستہ آپ کو غیب سے علم ہو گیا ہے کہ … رئیسہ بیگم کی بہو بن کر ناخوش ہی رہے گی۔" کمال چچا نے بھی پہلی بار لب کشائی کی۔

"ہائے خدا نہ کرے۔ ہم یہ کیوں خیال کرنے لگے۔" چھوٹی چچی تڑپ کر بولیں۔ "خدا اسے … خوش و خرم رکھے سارے جہاں کی خوشیاں اسے نواز دے۔"

"آمین" سب کے دل نے ایک ساتھ اس دعا پر آمین کہا تھا۔

غم کسی کو سائرہ کی منگنی ہو جانے پر نہیں بلکہ غالب سے نہ ہونے پر تھا۔ سائرہ اور غالب کے … جذبوں سے ینگ جنریشن تو مکمل آگاہ تھی مگر وہ بے بس تھی۔ نہ وہ سائرہ کے حق میں لڑ سکتی … تھی نہ غالب کے جذبوں کو بزرگوں کے سامنے آشکار کر سکتی تھیں۔ سب کے دل پر ایک بوجھ … [illegible] تھا۔

"میں فون کروں گی مظفر کو۔ پہلا حق میرا بنتا تھا خاندان میں۔ میں نے کون سی ڈھکے چھپے بات … کی تھی باقاعدہ رشتہ لے کر گئی تھی وہاں مگر اس عشرت بیگم نے کیسا ٹکا سا جواب دے دیا کہ ہم … سائرہ کو خاندان میں نہیں دیں گے اور اب جو رئیسہ کے شتر بے مہار بیٹے میں کیا سرخاب کے پر … لگے دیکھ لیے۔ اے سدرہ، ذرا فون دینا میرے قریب۔"

سدرہ بھابی اپنی جگہ سے اٹھیں اور فون اٹھا کر ساس کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"کوئی فون ودون نہیں ہوں گے۔" ثاقب بھائی اندر آ گئے تھے اور تائی ماں کے ہاتھ سے … ریسیور لے کر کریڈل پر رکھ کر فون اٹھا لیا۔ "آپ کی ان کوششوں سے سائرہ کی تقدیر نہیں بدل … سکتی۔" انہوں نے فون اسٹینڈ پر رکھتے ہوئے شائستگی سے سمجھایا۔ وہ غالب کے مزاج سے اچھی … طرح واقف تھے کہ خود کو اتنا ارزاں کر کے وہ کسی قیمت پر کوئی خوشی حاصل کرنے کے حق میں … نہیں تھا۔

"اگر ایسا ہونا تو پہلے ہی ہو جاتا۔ یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ باقاعدہ رشتہ طے پا چکا ہے … اب کچھ حاصل نہیں ہو گا اور ضروری تو نہیں کہ صباحت پھوپو اس رشتے پر ناخوش ہوں۔" اس … نے یہ کہہ کر گویا سب کو خاموش کر دیا۔

○☆○

مسلسل روکتی ہوں اس کو شہرِ دل میں آنے سے
مگر وہ کوہ کن رکتا نہیں دیوار ڈھانے سے

اس نے اس بے کیف زندگی سے سمجھوتہ کر لیا تھا پھر اب یہ دل کیوں کسی انقلاب کا خواہاں … تھا۔ یہ کیسے شوریدہ سر جذبے ساحل دل پر سر اٹھا رہے تھے ایک ہی سمت دیکھتے دیکھتے یہ یکایک دل

کیوں نئے رخ کی جانب دیکھنے کو مچل رہا تھا۔

وہ اپنی سوچوں اور دلی کیفیت سے سخت ڈپریس ہو رہی تھی۔ ساری رات بے چینی کروٹیں بدل کر گزار دینے کے باوجود دن بھر وہی بے کلی مسلط تھی مگر وہ اپنے تیئں اپنی یہ کیفیت شہلا سے چھپائے چھپائے پھر رہی تھی۔ نہ اضمحلال میں کمی ہو رہی تھی' نہ وحشت اور اضطراب کو قرار تھا۔

"بہرحال' یہ سراسر آگ ہے جو شاہ دل خان تم نے میرے اردگرد دہکا کر مجھے جھلسانے کو تنہا چھوڑ دیا۔ اس نے گملوں میں سجے موسمی پھولوں کو اپنی اضطرابی کیفیت میں بے دردی سے مسل دیا جیسے یہ شاہ دل ہی تو ہو۔

جتنا وہ اس شخص کی ذات کو فراموش کرنے کے جتن کر رہی تھی' اتنا ہی وہ اس کے دماغ پر چھائے جا رہا تھا۔

کاش۔ اے کاش وہ شہلا کے ہمراہ کل مارکیٹ ہی نہ جاتی یا اس شخص کو کوئی سخت جواب دے کر کسی بھی روٹ کی بس میں چڑھ جاتی۔ کم از کم اس اذیت سے کم ہی ہوتی وہ اذیت۔

مسکراتیں' جذبے لٹاتیں' التجا کرتیں' یہ غصے سے لال ہوتیں دو آنکھیں ہر روپ کے ساتھ تصور میں بجی جا رہی تھیں اور جیسے اس کی انا' خودداری اور نفرت کی چادر چرچرا کر پھٹنے لگی تھی۔ اضطراب میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

بھلا ایسا کہاں ممکن ہے۔

وہ کیونکر اس محبت پر ایمان لے آتی کہ وہ جہاں کھڑی ہے' جو زندگی گزار رہی ہے وہاں تمناؤں کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

ایسی آرزوؤں کا انجام کوئی منزل نہیں ہے۔

نہ اس کا کوئی خوش رنگ ماضی تھا' نہ ممکنہ خوشحال مستقبل' نہ کوئی بہتر حال پھر شاہ دل خان ایسا کیوں چاہتا تھا اور شاید اس کا اپنا دل بھی۔

"نن.... نہیں۔ اسے شاہ دل کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔"

وہ بے کلی کے ساتھ فرش سے اٹھ کر بالکنی کی گرل سے لگ کر نیچے جھانکنے لگی۔ وہ دماغ کی اس مستقل جنگ سے وہ بری طرح تھک گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ خلاؤں میں بھٹک رہی ہو جہاں اس کا وجود مسلسل دائروں میں چکر کاٹ رہا ہو۔

کوئی تو ہو جو اسے تھام لے۔ ہاں اس کے ٹوٹے تھکے وجود کو پیار سے سمیٹ لے۔

"یہ تم نمکین چائے کب سے پینے لگی ہو؟" شہلا چائے کا مگ تھامے اس سے کہہ رہی تھی۔ وہ چونک کر پلٹی اور خالی خالی نظروں سے شہلا کو دیکھنے لگی۔

"یہ چائے غالباً تم نے بنائی ہے نا۔ یا شمشاد بیگم نے دشمنی میں بنا کر بھیجی ہے؟" وہ ذرا سا ہنسی۔ "ذرا چکھ کر دیکھو' چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ ہاضمہ الگ سسک اٹھے گا۔" شہلا کا انداز شگفتہ تھا جبکہ وہ اپنی اس حد تک ذہنی خستہ حالی کا سوچ کر سخت شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔

"نمک۔ بے شک سستا ہے مگر اب ہر چیز میں تو ہم اسے استعمال نہیں کر سکتے نا۔" اس نے پلٹ کر سنک میں مگ الٹ دیا تھا۔

"سوری۔ پتا نہیں یہ کیسے ہو گیا؟" وہ خفت سے بولی تو شہلا اس کے قریب چلی آئی۔ کل کی بندھی چوٹی' شکن آلودہ لباس اور سرخ انگارہ بے خواب آنکھیں اور اس پر نمکین چائے۔ وہ چونک ہی گئی تھی۔

"کیا بات ہے زینی؟ اتنی ڈسٹرب کیوں ہو؟" اس نے آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ ٹٹولا۔ کوئی غیر معمولی پن صاف واضح تھا۔

"کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔" وہ چونک کر سنبھل کر بولی۔

"کچھ بھی نہیں میری جیسی لڑکی چائے میں نمک مرچ انڈیل سکتی ہے مگر تمہارے جیسی لڑکی غائب دماغی اور ڈپریشن میں ہی ایسا کچھ کر سکتی ہے۔

اس نے لب دانتوں میں جکڑ کر پلکیں جھکا دیں۔ شہلا کی آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز اسے اندر سے پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"تم کیا سمجھتی ہو اس ایک کمرے کے گھر میں تم میری نظروں سے چھپی ہوئی ہو۔ ارے زینی یار تم تو خود سے بھی نہیں چھپ سکتیں۔ ایسی طراری کب ہے تم میں۔"

"شہلا پلیز۔" اس کی آنکھوں میں دھند کا غبار چھانے لگا وہ شہلا کے قریب سے گزر کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

"شاہ پیلس کیوں نہیں گئیں تم؟" شہلا اس کے پیچھے آئی اور پیچھے سے اس کا بازو تھام لیا۔

"نہیں جاؤں گی میں شاہ پیلس' کبھی نہیں جاؤں گی وہاں۔" وہ جیسے پھٹ پڑی۔ "تنگ آ گئی ہوں میں خود اپنی زندگی سے' اپنی سوچوں سے' اپنی بے بسی اور اس بے اختیاری سے۔"

شہلا ششدر رہ گئی۔

وہ سخت منتشر دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے تکیہ اٹھا کر دیوار پر مارا اور بیڈ کے کنارے بیٹھ کر گھٹنوں میں سر جھکا لیا۔

"زینی!" شہلا نے اس کے قریب بیٹھ کر آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "کل ہی

مجھے تم میں تبدیلی محسوس ہو گئی تھی مگر یہ سوچ کر چپ رہی کہ کوئی مسئلہ ہو گا تم خود ڈسکس کر لو گی مجھ سے مگر یہاں صرف مسئلہ نہیں کوئی بڑی ذہنی خلش محسوس ہو رہی ہے مجھے تو۔"

اس نے بے بسی سے لب چباتے ہوئے آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے سر اٹھایا۔

"میں تھک گئی ہوں حالات سے لڑتے لڑتے۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ آنسوؤں کا بڑا سا گولہ جیسے حلق میں پھنس گیا ہو۔ اسے شہلا کے غمگسار کندھے کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی۔

"تو پھر خود کو حالات کے بہتے دھارے پر چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟"

"چھوڑ ہی تو دیا ہے مگر۔" اس نے آہستگی سے نظریں چرالیں۔ "شاہ دل خان میری زندگی کی جھیل میں بار بار پتھر ڈال کر اسے منتشر کر دیتا ہے شہلا۔ کوئی اسے کچھ کیوں نہیں کہتا۔ پہلے اس شخص نے مجھے دربدر کر دیا اور اب' میری سوچوں کو میرے دل کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ میرے وجود سے میرا اختیار چھین رہا ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے شہلا؟"

وہ شہلا کے کندھے پر سر رکھ کر بلک اٹھی۔ اپنا درد اس پر عیاں کر بیٹھی۔

"وہ شخص مجھے لمحہ بہ لمحہ نئی آزمائش میں دھکیل رہا ہے میرے لیے کیا یہ عذاب کم نہیں تھا جس سے میں گزر رہی ہوں جسے اب وہ اور مشکل بنا رہا ہے۔ میری زندگی۔"

شہلا اس انکشاف پر کتنی ہی دیر دم بخود رہی۔ زنیرہ کی ذہنی پراگندگی کا جواز عیاں ہو گیا تھا۔

یکایک اسے بے تحاشہ ہنسی آ گئی۔ اسے زنیرہ علی اس لمحے انتہائی احمق اور معصوم لڑکی دکھائی دی۔ وہ رُو کر جی کا غبار ہلکا کر کے شہلا سے الگ ہوئی۔

"میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ سخت بزدل اور احمق لڑکی ہو تم۔"

"اس میں بزدلی کی کیا بات ہے؟" وہ آنسو پونچھتے ہوئے اس الزام پر برا مان گئی۔

"تمہارے یہ آنسو تمہیں بزدل ثابت کر رہے ہیں اور تمہاری سوچیں احمق۔" شہلا نے کہا تو وہ شکوے کے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"پہلی بات تو یہ کہ تمہیں اس شخص کی خطا معاف کر دینی چاہیے۔" شہلا بیڈ سے اٹھ کر بڑے سرور میں بولی۔

"تو میں کون سا انتقام لے رہی ہوں اس سے۔" وہ جل ہی تو گئی۔

"انتقام ہی تو لے رہی ہو۔"

"شہلا۔" وہ زچ ہو کر چیخی۔

"تو اور کیا' ایک شخص اپنی محبت میں اتنا ثابت قدم ہے اپنی خطا پر شرمسار اور تم ہو کہ اس

رہی ہو۔"

"میں نے کیا بگاڑا ہے اس کا۔ چاہتے ہوئے بھی تو انتقام نہیں لے سکی۔" وہ دکھی لہجے میں بولی۔

"بگاڑ ہی تو رہی ہو اس کا' اس کا دل اس کی پوری زیست کی خوشیاں اپنی مٹھی میں قید کر کے اب اسے کچھ دینے کی روادار نہیں ہو۔"

"بی سیریس شہلا۔ تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"میں کوئی مذاق نہیں کر رہی بالکل سنجیدہ ہوں سمجھیں۔" شہلا نے اسے گھور کر دیکھا۔

"مجھے دیکھو۔ اوہ کیا دانیال ملک کی کہانی اس کا جرم تم سے چھپا ہوا ہے۔ ایسے مرد بھی ہیں بلکہ ایسے ہی مردوں سے یہ دنیا بھری ہے جو کسی کی عزت کو پیروں میں روند کر گزر جاتے ہیں اور ملال تک نہیں ہوتا' ان کے ضمیر پر بوجھ نہیں آتا۔ شاہ دل خان جیسا مرد صدیوں میں پیدا ہوتا ہے زنی۔"

اس کے دل کی دنیا میں جیسے طوفان سا اٹھ آیا۔ اس نے شہلا سے نظریں چرالیں اور رخ موڑ کر دھیرے سے بولی۔

"وہ شاہ پیلس کا مکین ہے شہلا اور میں نہیں چاہتی کہ وہ ٹوٹ جائے' عمر بھر کے لیے میری طرح بے منزل ہو جائے۔ میں فائزہ آنٹی یا اس گھر کے کسی شخص کو بھی دکھ نہیں دینا چاہتی۔ میں اس کی منزل نہیں ہوں۔ میں تو ایک حقیر ذرہ ہوں اور وہ آبدار موتی ہے۔ اس کے راستے میری طرف نہیں کسی خوش نما منزل کی جانب ہونے چاہییں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے' تمہارے ان رویوں سے وہ اپنے قدم پیچھے ہٹا لے گا؟ کیا ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچ جائے گا؟ نہیں زنیرہ۔ یہ راستے اپنی منزل پر پہنچ کر دم لیتے ہیں۔ یا فنا کے راستے کی جانب نکل جاتے ہیں' تم ہی اس کی منزل ہو مگر اس سے منہ موڑ کر اسے فنا کے راستے پر ڈالنا چاہتی ہو تو یہ جرم ہو گا' ظلم ہو گا۔ اس طرح تم انتقام لے کر بھی تشنہ رہو گی۔"

شہلا کے جملوں نے اسے سر تا پا لرزا دیا۔ اس کی روح چیخ چیخ گئی۔ اس نے شدتِ کرب سے لبوں کو دانتوں میں جکڑ لیا اور جذبوں کی لو نیچے کرتے ہوئے بولی۔

"زندگی کوئی سرائے نہیں ہے۔ کوئی آئے ذرا دیر ٹھہرے اور چلا جائے۔ نہیں' رفاقت میں آدمی ہمہ جان شامل نہ ہو تو وہ سراب ہے۔"

"تو وہ کون سا ذرا دیر ٹھہرنا چاہتا ہے۔" شہلا نے اس کا رخ اپنی سمت موڑ لیا "اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ تم یہ بڑے بڑے ڈائیلاگ بول کر محض مجھے بہلا اور خود کو دھوکا دے

رہی ہو۔ ادھر دیکھو میری طرف۔ ہمہ جاں ہونے سے ڈرتی ہو نا۔ خود پر ظاہر ہونے سے خوفزدہ ہو، ورنہ تم بھی اس کے جذبوں کی آنچ اپنے دل پر محسوس کر رہی ہو۔" وہ اس کا بازو اپنی گرفت سے آزاد کر کے بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"زنیرہ۔ جذبے تو مثلِ مہتاب ہوتے ہیں اور بھلا ابھرنے والے مہتاب کا راستہ کون روک سکا ہے۔ یہ تو پھول ہے اور پھولوں کو مہکنے سے کوئی نہیں روک سکتا اگر ایسا ہوتا تو تم اتنی ڈسٹرب نہ ہوتیں۔ اسے پیچھے دھکیل کر مطمئن ہوتیں یہ ذہنی اذیت نہ اٹھا رہی ہوتیں۔"

شہلا جانے اور بھی کیا کہتی رہی وہ شل اعصاب کے ساتھ کھڑی رہی۔ اسے اپنا پورا جسم دل کی طرح دھڑکتا محسوس ہونے لگا جیسے رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہو۔ اس میں شہلا کی باتوں کو جھٹلانے کا یارا نہ تھا پھر بھی کچھ کہنا چاہا مگر زبان جیسے ٹھٹھر کر رہ گئی۔ لفظ گرفت میں نہ آنے پائے۔ وہ جھٹکے سے پلٹ گئی۔

"میرے پاس اسے دینے کو کچھ نہیں ہے۔" اس کی آواز بے حد دھیمی اور لرزتی ہوئی تھی۔ اس نے باتھ روم میں گھس کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔

کتنے آنسو تھے جو پلکوں کی باڑھ سے نکل کر بہہ کر اس کی شکست کا اعتراف کرنا چاہتے تھے۔

"زینی جان۔ لاکھ تم چھپاؤ مجھ سے مگر تم اتنی بھولی معصوم سی لڑکی ہو کہ مجھ سے چھپ کر رہ ہی نہیں سکتیں یہ جو تمہاری بڑی بڑی سرمہ سی آنکھیں ہیں نا۔ ان میں تو مجھے پورا کا پورا شاہ دل خان سمایا ہوا نظر آ رہا ہے۔ بڑا زبردست اور خوش قسمت جوہری ہے شاہ دل خان بھی جس نے تم جیسے ہیرے کو پہچان لیا ہے اور اپنے دل کے تاج پر سجا لیا۔

اور بے وقوف زنیرہ! میں تمہیں انا کے زعم میں ان راستوں سے پلٹنے ہرگز نہیں دوں گی۔"

شہلا نے اونچے تکیے پر کمر ٹیک کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ جب وہ باتھ روم سے نکلی۔ منہ سرخ چہرے کو تولیے سے رگڑ کر مزید سرخ کر رہی تھی تو شہلا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

وہ اس پر ایک خفگی بھری نگاہ ڈال کر کچن میں چلی گئی تھی۔ چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ سامنے ہی کیتلی میں بھری نمکین چائے اس کو منہ چڑا رہی تھی وہ خفیف سی ہو گئی ناحق اتنی پتی بھی ضائع ہوئی اور شرمندگی الگ اٹھانی پڑی۔ اس نے کیتلی سنک میں الٹ دی اور صاف پتیلی میں چائے کا نیا پانی رکھا۔

"سنو تم شاہ پیلس کل ضرور جاؤ گی۔" شہلا کی آواز ابھری تو اس کے چہرے پر سختی نمودار ہو گئی۔

"یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔"

"یہ سراسر بزدلی ہے فرار ہونے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ حالات کو فیس کرنا سیکھو۔ ایک شخص کی وجہ سے اتنے محبت کرنے والوں کو چھوڑ دینا سراسر احسان فراموشی ہے۔

"شہلا! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔" اس نے کچن کے دروازے کے فریم میں فٹ شہلا کو دیکھا۔ "بزدلی میں مسائل کا حل نہ سہی، عافیت تو ہے۔"

"بکو مت۔" شہلا کا انداز جارحانہ تھا۔ "اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ فرار ہونے پر عافیت مل جائے گی۔ دیکھو زینی، شاہ پیلس واقعی پناہ گاہ ہے تمہارے لیے۔ ایک سایہ دار شجر۔ اس اندھی، منہ زور دنیا میں واحد سہارا۔" اس کا انداز مہربانہ ہو گیا۔ "اور تم جانتی ہو خود کیا ہو۔ ایک بزدل، کم ہمت، کمزور اور معصوم لڑکی۔ پتا نہیں میں کب تک تمہارا ساتھ دے سکوں۔ آج ہوں، کل نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب؟ کہاں جا رہی ہو تم؟" وہ خوف زدہ سی اس کے پیچھے لپکی۔

شہلا نواز خفیف سا مسکرائی مگر اس کی مسکراہٹ میں زندہ دلی یا تازگی نہیں تھی بس ایک بے رونق مسکراہٹ لبوں سے پھوٹی تھی جیسے خشک اور بنجر زمین پر بے موسم کوئی کونپل پھوٹ آئی ہو۔

"جانا کہاں ہے۔ موت بھی تو سفر ہی ہے نا، جدائی ہی ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی تو زنیرہ تڑپ گئی۔

"اتنی فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے تم کون سی سو سال کی بڑی بی ہو گئی ہو کہ اب موت کا ذکر لے بیٹھی ہو۔" اس کا انداز سرزنش کرنے والا تھا مگر شہلا نواز کسی خیال میں گم رہی۔

"موت، عمر، وقت، کب دیکھتی ہے۔"

"شہلا پلیز۔" وہ جیسے زچ ہو گئی۔ "ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو تمہیں پتہ ہے میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔ تم کوئی بیمار تو نہیں جو ایسی دل دہلانے والی باتیں کرتی ہو۔" اس کے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں بزدل لڑکی کہ شاہ پیلس سے ناطہ مت توڑو۔ محبتیں اس دنیا میں ناپید ہیں زینی۔ کہیں قطرہ قطرہ مل رہا ہو تو سمیٹ لو۔ چاہے جانے کا فخر جینے کا بڑا سہارا ہوتا ہے، محبت کی قدر کرنا سیکھو، ورنہ تم بھی شہلا نواز بن جاؤ گی۔"

شہلا کی آواز میں ہلکی لرزش واضح تھی اور پلکوں کے پار نمی، جو وہ پلکیں جھپک جھپک کر زنیرہ خان سے چھپاتی گئی مگر اس کے لہجے کا خالی پن زنیرہ کی رگ رگ کو چھید گیا۔ وہ ایک اداس نگاہ

اس پر ڈال کر دوبارہ کچن میں آئی اور چائے کا چولہا آہستہ کرتے ہوئے بولی۔

"تم ڈاکٹر شکیلہ کے پاس گئی تھیں؟" پیالیوں کی کھڑکھڑاہٹ' چائے کی مہک اور زبیدہ کی آواز جیسے کچھ گڈمڈ ہونے لگا۔

شہلا کے اپنے دل کی دھک دھک موت کی آہٹ مگر اس وحشت میں ضبط کا ساتھ پھر بھی نہ چھوٹتا۔ "ہوں۔"

"کیا ہوں؟" وہ کچن سے جھانک کر پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں بھئی شکیلہ کو کیا کہنا ہے اور رپورٹس میں بھی کیا آنا ہو گا؟" وہ الماری کھول کر کپڑوں میں ناموجود شے تلاش کرنے لگی۔

❂✲❂

کیسے چپ چاپ ہی مرجاتے ہیں کچھ لوگ یہاں
جسم کی ٹھنڈی سی
تاریک سیاہ قبر کے اندر
نہ کسی سانس کی آواز' نہ سسکی کوئی'
نہ کوئی آہ' نہ جنبش' نہ ہی آہٹ کوئی'
ایسے چپ چاپ مرجاتے ہیں کچھ لوگ یہاں
ان کو دفنانے کی زحمت بھی نہیں اٹھانا پڑتی

سائرہ کا دوپٹہ مونا نے اس کے چہرے سے ذرا اوپر کھسکایا۔ "تم تو یوں گھونگٹ ڈالے بیٹھی ہو جیسے بس ابھی قاضی آتا ہو گا۔"

مونا کی ہنسی برچھی کی طرح اس کے رگ و پے میں اتر گئی مگر وہ دکھاوے کو مسکرا دی۔ بے تحاشا رونے کو چاہنے کے باوجود رو نہ پائی تھی بس کسی روبوٹ کی طرح سب کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ امی اسے پکڑ کر کمرے میں لائیں۔ دادی نے اپنے تخت پر بٹھایا۔ مونا شرارتیں کرتی رہی۔ خرم میاں باچھیں کھولے بار بار دروازے کے گرد پھیرے لگاتے رہے۔ رئیسہ بیگم نے ماشاء اللہ کہتے ہوئے اس کی انگلی میں اپنی اتاری ہوئی انگوٹھی ڈال کر گویا اسے ہمیشہ کے لیے اس سے چھین لیا۔

مگر۔ محض خالی مکان کی حیثیت ہی کیا تھی۔ بے دل جسم خالی ویران مکان کی مانند تھا' جس میں کسی آرزوؤں کا نہ رنگ نہ خواہشوں کا شور۔ ایک ہیبت ناک سناٹا۔

ماں باپ کے اس فیصلے پر سر اس نے جھکا لیا تھا کہ یہ احترام تھا مگر دلی اختلاف اس کی نظر کا حق تھا۔ یوں بھی کسی کی بات مان لینا' احترام میں' زبردستی میں' انسان کے بس میں ہے مگر مان کر خوش اور مطمئن ہو جانا تو بس میں نہیں۔

منجھلی چچی' نیلی اور فارحہ اندر داخل ہوئی تھیں۔ ڈھیر ساری مٹھائی اور گلابوں کے ہار کے ہمراہ کہ یہ رسم بہرحال نبھانی ہی تھی۔ تعلقات کی نوعیت بھی ایسی ہی تھی۔ رشتوں کے تقاضے بہرحال پورے کرنے تھے۔

منجھلی چچی نے مٹھائی صباحت پھوپو کے ہاتھ میں دے کر' عشرت بیگم کو مبارک باد دی۔

"خیر مبارک۔" عشرت بیگم کا وسیع و عریض سراپا خوشی اور فخر سے تھرک رہا تھا۔

سائرہ نے دادی کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر اپنے دل کے خالی ہونے کو شدت سے محسوس کیا۔

کہیں کوئی معمولی سی رمق.... بھی تو نہ پھوٹی تھی خوشی کی۔ خرم کے نام پر کسی گداز احساس نے سر نہ اٹھایا تھا۔ جذبے مرجائیں تو دل صحرا کی مانند ہو کر رہ جاتا ہے۔ ویران' بنجر' بے آب و گیاہ۔

"مبارک ہو سائرہ' بہت بہت مبارک ہو۔" نیلی اس کے قریب بیٹھ گئی اور اس کا سرد ہاتھ تھام کر زبردستی مسکرائی۔

"اسے کمرے میں لے جاؤ نیلو فر بیٹی۔" صباحت بیٹی کے پتھر جیسے وجود کو دیکھ کر اندر ہی اندر گھل رہی تھیں۔ آہستگی سے بولیں۔

"ہاں۔ ہاں لے جاؤ۔ بچی تھک گئی ہو گی۔" رئیسہ آپا بھی اس کی طرف متوجہ ہوئیں تو سائرہ یوں کرسی سے اٹھ گئی جیسے اسے زنجیروں سے آزاد کر دیا گیا ہو۔

"بس گھر کا ہی معاملہ ہے خیر سے باقاعدہ رسم تو پوری کریں گے ہم۔" رئیسہ بیگم' منجھلی چچی سے مخاطب ہوئیں۔ "دراصل میرا واپس جانا ہو رہا ہے سو ایک نیک شگون کے طور پر انگوٹھی پہنا دی بچی کو۔ آپ لوگوں نے بلاوجہ اتنا تکلف کر ڈالا۔ ان کی نگاہیں منجھلی چچی کی لائی چیزوں پر جم گئیں۔

"ارے تکلف کی کیا بات ہے' یہ بھی گھر ہی کا تو معاملہ ہے سائرہ ہماری ہی بچی ہے۔" منجھلی چچی رسان سے بولیں۔ "سنا ہے بہت جلد سوچ رہی ہیں آپ شادی وغیرہ کا۔"

"ہاں' بس دو تین ماہ کے اندر اندر ہیں تو اپنی امانت لے جاؤں گی۔ کیوں صباحت' مظفر کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟ ہاں بھلا ماں' باپ تو یہی چاہیں گے جتنی جلد اولاد کے فرض سے سبکدوش ہوں۔ اب بھلا ایسا ہیرے جیسا داماد مل رہا ہے کیوں اعتراض ہو گا۔" رئیسہ بیگم پلیٹ

سے گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔
"مگر یہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی بات ہوئی۔" منجھلی چچی بظاہر خوش دلی سے بولیں م
صباحت کے چہرے نے انہیں دکھی کر دیا تھا۔
"اے لو۔ تو کون سا مظفر میاں کو بیٹی کے بیاہنے کے لیے پیسہ جوڑ کر اکٹھا کرنا ہے۔ بہت
ہے۔ منٹوں میں ہر تیاری ہو جائے گی۔"
"نہیں خدا ناخواستہ میرا یہ مطلب نہیں تھا وہ تو سائرہ کے ذہنی طور پر تیار ہونے
کہہ رہی ہوں۔"
"بیٹیاں تو آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں' آج اڑیں یا کل۔ اڑنا ان کا مقدر ہے اور آنگن کا
رہ جانا اس کا مقدر۔" صباحت غمزدہ لہجے میں بولیں۔ "آپ یہ مٹھائی تو لیں نا بھابی۔ مظفر کھانے
آرڈر دے آئے تھے لینے ہی گئے ہیں بس آتے ہی ہوں گے۔ آپ لوگ رات کا کھانا کھا کر
جائیے گا۔"
"نہیں صباحت کھانے وانے کا تکلف نہ کرنا۔ خوشی کی مٹھائی کھالی یہی بہت ہے۔" منجھلی
چچی جلدی سے بولیں۔
"اے بی بی' اب آہی گئی ہو تو بغیر کھائے جانے نہیں روانگی۔ یوں بھی یہ برا شگون ہو
ہے۔" عشرت بیگم چھالیہ کترتے ہوئے بولیں۔ منجھلی چچی کا انکار انہیں ناگوار محسوس ہوا
تھا۔ "رشتہ داریاں یوں تو نہیں نبھائی جاتیں۔"
منجھلی چچی لمحہ بھر چپ سی رہ گئیں پھر صباحت کو دیکھا تو انہوں نے آنکھوں کے اشارے
سے انہیں ٹھہر جانے کی تنبیہہ کی۔
یہ شگون والی بات خود منجھلی چچی کا دل بھی دھڑکا گئی تھی۔ خدا ناخواستہ پھر کچھ ہو جاتا
سارا الزام ہی شاہ پیلس والوں پر آجاتا انہوں نے ٹھہر جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

○☆○

"تم نے تھوڑا سا بھی احتجاج نہیں کیا سائرہ؟" مونا کے کمرے سے جاتے ہی نیلی اور فارحہ
اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ فارحہ کے لہجے میں ہلکا شکوہ بھی تھا جو فطری تھا۔ غالب اس کا سگا اس
ماں جایا تھا جس کا دکھ وہ اپنے سینے میں بوجھ کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ "تم کم از کم پھوپی جان
کو کچھ آگاہ کر دیتیں۔"
"مقدر سے کوئی نہیں لڑ سکتا فاری۔" اس نے بے خواب بنجر آنکھیں اوپر اٹھا کر فارحہ کو
دیکھا جس میں دل کا لہو سرخیاں بکھیر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شکستگی کا دھواں تھا مگر اب اس کی

آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے۔
"میری خاطر' امی' دادی جان یا ابو کے سامنے ذلیل ہوں یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ میری خوشی
ان کی مسکراہٹ ان کی عزت ہی ہے۔ یہاں کچھ کہہ کر عمر بھر کے لیے پچھتاوے ملتے ہیں سو
پاپیت اور عزت خامشی سے لٹ جانے میں ہے۔ نیلی مجھے امی اور ابو کا ساتھ منظور ہے بس اور
کچھ نہیں یہ بندھن اب بھی اتنا ہی کمزور ہے میں نہیں چاہتی کہ......" اس نے کرب سے لبوں کو
بھینچ لیا۔ اس کی آنکھیں شدت غم سے دہکنے لگی تھیں۔ نیلی نے اس کی کمر کے گرد
اپنا بازو حمائل کر لیا۔ وہ جس کرب سے گزر رہی تھی وہ دونوں انجان نہ تھیں۔ نہ اس گھر کی کہانی
ان سے ڈھکی چھپی تھی۔ سائرہ کا غم زدہ لہجہ اس کی ضبط کی حدوں کو چھونا ان دونوں کو شکستہ کر
گیا۔
کتنے ہی لمحے ان تینوں کی موجودگی کے باوجود کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ جیسے اب کہنے کو
کچھ نہ رہا ہو۔ سارے لفظ ختم ہو گئے ہوں۔ بس اب کھو دینے کا احساس آگ بن کر لہو میں دوڑتا
پھر رہا تھا۔
"غالب نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرایا ہو گا...... ہے نا؟" کئی
لمحوں کی خامشی کے بعد سائرہ کی پر شکستہ لرزتی آواز ابھری۔ "ہاں' اسے کیا خبر کہ بیڑیاں وہی تو
نہیں جو دکھائی دیتی ہیں ہزاروں زنجیریں ہوتی ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتیں مگر ایک شریف گھرانے
کی عزت دار لڑکی کو چاروں طرف سے جکڑے ہوئے ہوتی ہیں۔ خود غرض بن کر اپنے لیے جینا نہ
ہوا ایسا تو ہر شخص کر سکتا ہے۔ میں جانتی ہوں فارحہ' وہ ٹوٹ گیا ہو گا۔ مجھے جو جی چاہے کہہ دے
اسے حق رکھتا ہے' ایک بزدل' کمزور اور رشتوں کی زنجیر میں جکڑی لڑکی کو چاہ کر اس نے شاید بہت
بڑی غلطی کی ہے۔"
"نہیں سائرہ۔ اس نے کچھ نہیں کہا' وہ بالکل خائف نہیں ہے تم سے۔" فارحہ نے اس کا
لرزتا ہاتھ تھام لیا۔
"واقعی نیلی؟" اس نے اس کی تسلی کے لیے جیسے نیلی سے تصدیق چاہی تو نیلی نے سر ہلا دیا۔
"ہاں۔ وہ کہہ رہا تھا سائرہ جہاں رہے خوش رہے۔"
سائرہ ان دونوں کے درمیان سے اٹھ کر اضطرابی انداز میں جا کر دیوار کے پاس جا کھڑی
ہو گئی۔
"وہ جاپان جا رہا ہے' ثاقب بھائی اسے بھیج رہے ہیں مشینری وغیرہ کے سلسلے میں۔"
تھوڑے توقف کے بعد نیلی نے آہستہ آواز میں اسے اطلاع دی تو اس نے نیلی کو خالی خالی نظروں

سے دیکھا۔

"ثاقب بھائی چاہ رہے ہیں کہ وہ بہل جائے۔ ایک ماہ کے لیے جا رہا ہے۔"

وہ کسی مجروح پرندے کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔

"ایک ماہ کے لیے۔" وہ آہستگی سے بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی جیسے مزید کھڑا ہونا مشکل ہو اچانک ہی بہت سے آنسو اس خشک سوتے سے ابلنے کو مچل اٹھے۔

"کب جا رہا ہے؟" اس نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"کل' شاید شام تک....."

"بات کرو گی اس سے...." فارحہ نے جانے کیا سوچ کر کہا تھا۔ نیلی نے بھی چونک کر شکل دیکھی۔

سائرہ کے اندر کسی خوشی نے سر نہ اٹھایا بلکہ لبوں پر ٹوٹی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا فائدہ۔ یادوں میں اضافہ کرنے سے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور شانوں سے والا دوپٹہ اتار کر اسے الماری میں لٹکا کر سادہ سی چادر اوڑھ لی۔ اسے ہلکے بناؤ سنگھار اور کرتے کپڑوں سے بھی وحشت ہونے لگی تھی۔ رئیسہ آپا کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اپنی انگلی پر انگارہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے اتار کر دراز میں ڈال دی۔

اسی دم فون کی گھنٹی نے تینوں کو بیک وقت چونکا دیا فارحہ تیزی سے فون کی طرف دوسری سمت غالب تھا جس کی آواز سن کر فارحہ نے سائرہ کو دیکھا۔

"غالب بھائی بات کرنا چاہتے ہیں تم سے۔" فارحہ کی آواز کسی دھماکے کی طرح ابھری سائرہ کے اعصاب کو منتشر کر گئی۔ وہ وحشت زدہ سی دو قدم پیچھے ہٹی جیسے ریسیور سے غالب نکل کر آیا ہو۔

"آؤ سائرہ۔"

"نن' نہیں فاری اسے کہہ دو۔ میرے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں ہے" رندھی آواز میں بولی۔

"پھر بھی بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" فارحہ نے اصرار کیا۔

"ہاں سائرہ۔" نیلی اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"اب کیا باتیں کرنے کو رہ گئی ہیں۔ نہیں فارحہ۔ اسے منع کر دو۔" اس کے لہجے میں انکار تھا۔ فارحہ مایوس ہو کر ریسیور سے کان لگا کر ہیلو بولی۔ تب غالب کی آواز ابھری۔

"اسے صرف اتنا پوچھ لینا فارحہ کہ اتنی پارسا' اتنی عزت دار اور پھونک پھونک کر

ختم ہونے والی با ضمیر لڑکی اب منافقت کی زندگی گزارتے ہوئے کچھ محسوس نہیں کرے گی؟"

فارحہ سنانے میں رہ گئی۔ دوسری طرف غالب فون پٹخ چکا تھا۔ گویا وہ سائرہ کا انکار سن چکا تھا اور اس ہتک پر برافروختہ ہو گیا تھا۔

"کیا کہہ رہا ہے۔" نیلی' فارحہ کے قریب چلی آئی۔

"لائن ہی کٹ گئی۔" اس نے کندھے اچکا دیے اور ریسیور رکھ دیا۔

✪✪✪

اس نے شاہ پیلس میں قدم رکھا تو پہلی نظر شاہ دل پر پڑی اور وہ ایک اذیت کے عالم میں اس نے آنکھیں میچ لیں مگر اس عمل سے موجود غائب نہیں ہو سکتا۔ یہ محض کبوتروں کی سی بزدلانہ سوچ تھی۔

اس نے پکا قصد کر لیا تھا کہ اب وہ شاہ پیلس میں ہرگز ہرگز قدم نہ رکھے گی' خود کو سنبھالنا' ہر روز ایک نئی اذیت میں گرفتار ہونے سے بہتر تھا کہ کنارہ کشی اختیار کر لی جائے مگر شہلا نے اس کی ایک نہ چلنے دی تھی اور پھر شہلا نے بھی جاب چھوڑ رکھی تھی۔ یہ بات' رات ہی کو شہلا نے اسے بتائی تھی اور وہ چپ رہ گئی تھی۔

حالات نے اسے ہتھیار پھینکنے پر ایک بار پھر مجبور کر دیا تھا مگر یہاں آ کر پھر وہی اذیت کا سامنا تھا۔

"لگتا ہے میرے لگائے ہوئے زخم مندمل ہو گئے ہیں شاید۔ وہ استہزائیہ ہنسا تھا گویا اس کے ...دن بعد آنے پر چوٹ کر رہا تھا۔ وہ رخ پھیر کر جلدی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"زنیرہ۔"

اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔

"پتا نہیں ہمارے نصیب میں اتنی اذیت کیوں لکھ دی گئی ہے۔ کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے ہم لوگوں کو؟"

وہ لمحہ بھر کی ضرور تھی مگر پلٹی نہیں تھی مگر اس جملے نے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا کیا کچھ نہ تھا اس ایک لہجے میں۔

اس نے بے بسی سے لب کچل کر تیزی سے بقیہ راستہ پورا کیا اور اندر چلی گئی سامنے ہی بھابی اسے دکھائی دیں جن کا چہرہ زنیرہ کو دیکھتے ہی چمک اٹھا تھا۔

"زنیرہ۔" وہ لپک کر اس کے پاس آئیں۔ "بدتمیز لڑکی..... یہ فون پر کیا بکواس کی تھی تم کہ اب شاہ پیلس نہیں آؤ گی؟" وہ بھابی سے نظریں کترا گئی۔ کچھ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

یہ جذباتی حرکت وہ اسی روز کر چکی تھی جب شاہ دل پر اسے بے تحاشہ غصہ آیا تھا
بے بسی پر جو اذیت ہوئی تھی۔ یہ بات اس نے شہلا سے بھی چھپائی تھی کہ اس نے شاہ دل پہ
کر دیا ہے۔

"میں کتنی ڈسٹرب ہوئی جب فارحہ نے تمہارے فون کا بتایا۔ سچ میں خود تمہاری طرف
کا سوچ رہی تھی مگر پھر دوسری پریشانیوں میں ٹائم ہی نہیں ملا۔"

وہ بھی بھابی کے ساتھ کامن روم میں چلی آئی۔

"کیا بات ہے۔ کیسی پریشانی؟" اس نے ذرا حیران ہو کر پوچھا۔

بھابی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔ ان کے چہرے پر کبیدگی اور رنجیدگی
تھی۔ وہ خود بھی پریشان سی ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"سائرہ کی منگنی خرم سے ہو گئی ہے۔" بھابی نے آہستہ آواز میں کہا۔

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

"او۔۔۔ غا۔۔۔ لب؟" اس کی آواز حیرانگیوں میں ڈوب کر ابھری۔ سائرہ سے غالب کی
اور اس گھر کے مکینوں کی سائرہ کو بہو بنانے کی خواہش اس سے ڈھکی چھپی تو نہ تھی۔ "کب
یہ۔"

"دو تین دن ہی ہوئے ہیں۔"

اف خدایا' اس کا دل رنج سے بھر گیا۔ معاً ذہن میں شاہ دل کا جملہ ٹکرایا۔ پتا نہیں
گناہوں کی سزا مل رہی ہے ہم لوگوں کو۔

"تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے زنیرہ' بہل جائے گا وہ بھی۔ مرنے والوں پر بھی تو صبر آ
ہے۔"

"یہی تو المیہ ہے' یہی تو غم ہے بھابی کہ مرنے والوں پر صبر آ جاتا ہے مگر زندہ' بچھڑے
راہوں میں جدا ہو جانے والوں پر نہیں۔ راہ دیکھنے والی آنکھیں عمر بھر بھیگتی رہتی ہیں۔"
آنکھوں کے سامنے اپنا' شہلا نواز کا غم نمایاں ہو گیا۔

بھابی نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔

"یہ بتاؤ تم نے اس طرح کا فون کیوں کیا تھا؟" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا
سیدھی ہو بیٹھی مگر فوری جواب نہ دے پائی۔

"تمہارا کیا خیال تھا میں تمہیں بخش دیتی' تم میرے بیٹے کی ٹیچر ہی نہیں ہو ہمیں تو اس
فرد ہی محسوس ہوتی ہو۔ پتا ہے اس دن فائزہ چچی (منجھلی چچی) کہہ رہی تھیں یہ لڑکی۔ بڑی

لینے والی ہے اسے دیکھ کر خود بخود آنکھوں میں ٹھنڈک سی اتر آتی ہے۔ حیرت ہے کہ ابھی تک غیر
شادی شدہ ہے' ایسی لڑکیوں کو بھلا کون چھوڑتا ہے۔ شاید اس کی ماں شش و پنج میں پڑ گئی ہو
کہ۔" بولتے بولتے بھابی اچانک چپ ہو گئیں۔

کمرے میں جامد سناٹا چھا گیا مگر اس سے کہیں زیادہ سناٹا زنیرہ کو اپنی روح میں اترتا محسوس ہوا
لمحے وہ خود پر قابو پا کر زور سے ہنسی مگر یہ ہنسی ایسی تھی جیسے خالی برتن میں کسی نے ڈھیر
سارے پتھر ڈال دیے ہوں۔

"تم نے مذاق کیا تھا نا۔" بھابی بھی ہولے سے ہنس کر یکسر اس موضوع سے ہٹ کر بولیں۔

"یہی سمجھ لیں۔ شہری اور رمائی نظر نہیں آ رہے ہیں۔ خیریت؟" اس نے پوچھا۔

"ہوں۔ یہ دونوں شریر تیمور کے ساتھ چکر لگانے گئے ہیں کسی نزدیکی پارک میں' آؤ کچھ دیر
باتیں کر لیں۔ نیلی بھی تمہارے فون پر خاصی پریشان تھی۔"

وہ دونوں کامن روم سے باہر نکل آئیں۔

"شاہ دل! ذرا دیکھنا تیمور بچوں کو لے کر گیا ہے پارک میں اب تک آیا نہیں ہے۔" شاہ دل
اسٹڈی روم سے نکلا تو بھابی نے اسے پکار لیا۔

سفید شلوار سوٹ' پیروں میں سادی سی چپل اور ہاتھ میں کی رنگ تھی۔ شاید کہیں جانے کو
تیار تھا۔

"میرا خیال ہے آپ لوگ خود بھی اس پارک میں چلے جائیے ذرا دل بہل جائے گا۔" اس
نے ایک اچٹتی نظر دائیں طرف ڈال کر مسکراہٹ دبائی تھی۔ وہ نیلی اور فارحہ کی طرف متوجہ
تھی یا ایسا پوز کر رہی تھی۔

"دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔" نیلی شریر انداز میں جواباً بولی۔ "آپ بھی آ
جائیے پھر تو۔"

"نہیں خیر۔ یہ بہلاوے اور تسلی کے طریقے آپ کے لیے ہیں میں ان کمزور بہلاووں سے
نہیں بہلتا۔ تسلی تشفی کے لیے مجھے ٹھوس مواد کی ضرورت رہتی ہے۔"

وہ ذرا سی چونکی مگر بظاہر لاتعلق سی کھڑی رہی۔ وہ پلٹ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

"ویسے شاہ کا آئیڈیا اچھا ہے۔ کیا خیال ہے ڈرائیور بھی موجود ہے ذرا آؤٹنگ بھی ہو
جائے گی۔" بھابی نے ان تینوں کی طرف دیکھا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔ چلیے چلتے ہیں۔" نیلی نے باقی سب کی طرف سے بھی گویا اقرار کیا تھا۔
ڈرائنگ روم فون کی گھنٹی بجی۔

"شاید غالب بھائی کا فون ہو۔" فارحہ تیزی سے فون کی طرف لپکی تو زنیرہ نے اسے دیکھا۔

"غالب کل ہی جاپان گیا ہے مشینوں کے سلسلے میں۔" بھابی نے اسے بتایا۔

"بلکہ سمجھو بھیجا گیا ہے۔" نیلی نے مزید ٹکڑا لگایا۔

"فون عمیر کے کسی دوست کا تھا۔" فارحہ پلٹ آئی۔ "مجھے پتا ہے وہ ایک زحمت نہیں کریں گے۔" وہ دل گرفتہ سی بولی۔

"نہ سہی۔ ثاقب بھائی خود کرلیں گے۔ ہوٹل کی ریزرویشن تو انہوں نے ہی کروائی کے پاس نمبر ہے اس کا۔" بھابی نے اسے خود سے لگا کر تسلی دی پھر چاروں تائی اماں سے اجازت لے کر قریبی پارک چلی آئیں۔

"چلیں اس پارک کے بھی نصیب جاگے ورنہ عموماً نزدیک کی چیزیں لوگوں کو نظر نہیں آتیں۔" تیمور انہیں دیکھتے ہی بولا۔

"دور کے ڈھول سہانے جو ہوئے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے نیلی کی بات کی تائید کی۔

"یہاں آنے کا مشورہ ہمیں شاہ دل بھائی نے دیا۔" وہ روش پر چلتی ہوئی ایک خوشنما گئیں۔

بھاگتے دوڑتے بچوں کا ہجوم تھا تو کہیں ٹولیوں کی شکل میں بڑے بچے شام کا مزا لے رہے تھے۔ کہیں لڑکے ورزش کر رہے تھے تو کہیں بچوں کے ساتھ بچے بنے اچھل کود کر رہے تھے۔

"ابھی شاہ دل خود بھی آیا تھا یہ پیغام دینے کے لیے کہ بچوں کی ذہین زنیرہ مس تشریف لا رہی ہیں۔ سو فوراً اسے پیشتر بچوں کو روانہ کرو۔ ورنہ دوسری صورت میں بچوں کو سخت سزا کا اندیشہ ہے؟" تیمور نے کہا تو سب ہنسنے لگیں۔ زنیرہ کا چہرہ لال ہوگیا۔

"کیا بک رہے ہو اتنی فضول بکواس شاہ کر ہی نہیں سکتا۔" بھابی نے ایک دھموکا تیمور پر جڑ دیا۔

"کیوں انہیں کیا بکواس کرنے کی ممانعت ہے۔ ویسے آپ لوگوں کی آمد کی وجہ؟"

"بس کچھ دیر کے لیے آئے ہیں یہ مشورہ بھی شاہ دل نے دیا ہے۔" بھابی ٹھنڈی نرم پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"اور آپ کو بھی؟" اچانک تیمور نے زنیرہ کو مخاطب کیا۔ عجیب معنی خیز تبسم اس کے کھیل رہا تھا وہ سٹپٹا کر بھابی کو دیکھنے لگی۔ وہ تیمور کی ہنسی سمجھ پائی تھی نہ اس کی یہ شرارت

بری طرح دھڑک کر رہ گیا تھا۔

"بھابی کو ہی کہہ رہے تھے وہ۔" وہ جلدی سے بولی تو تیمور کے ساتھ باقی سب نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی کو روکا تھا۔ وہ بری طرح خجل ہو کر رہ گئی۔

سادے سے سوٹ میں امبرائڈری والی سیاہ چادر اوڑھے اس کا دلفریب چہرہ گلابی گلابی ہو رہا تھا بھابی نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تو پھر تیمور کو آنکھیں دکھا کر ہی مزید شرارت سے منع کیا۔

وہ سب خاصی دیر اس پُرفضا جگہ پر چہل قدمی کرتے رہے۔ تیمور گاہے بگاہے پھلجھڑیاں چھوڑ کر ان سب کو ہنساتا رہا۔

"مجھے تو تم مستقبل کے ڈاکٹر کم اور مسخرے زیادہ لگتے ہو۔" فارحہ نے اسے چھیڑا تو اس نے بادام کے درخت پر پتھر مارنے کا سلسلہ روک کر اسے گھورا۔

"تین بادام کھا چکی ہو اور اسی تھالی میں چھید رہی ہو' آگے بڑھو اب ایک بھی نہیں ملے گا۔"

"ہائے۔ نہیں نہیں۔ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔" فارحہ جلدی سے معافی مانگنے لگی۔

"کسی کتاب کے صفحے میں لکھا ہے کہ مستقبل کے ڈاکٹر کو انتہائی سنجیدہ' رنجیدہ ہونا چاہیے' ہنسنا ہنسانا سخت ممنوع ہے اس کے لیے۔"

"اوہو تو اس میں اتنا سڑنے کی کیا بات ہے۔" فارحہ نے اسے زیادہ ہی اکڑتا دیکھ کر سوری کرنے کا ارادہ بھی ملتوی کردیا اور تیمور مزید کچھ کہتا کہ اچانک کسی نے تیمور کو پکارا۔ وہ چاروں جو تیمور کے ہمراہ بیٹھی تھیں اس پکار پر پلٹیں جیسے ان سب کا نام ہی تیمور ہو۔

ادھر زنیرہ کا پلٹنا گویا قیامت ہوگیا۔ اسے لگا جیسے اس کے سامنے کتنے ہی سنسناتے تیر گزر گئے ہوں اور وہ بغیر جنبش کے کھڑی کی کھڑی رہ گئی ہو ہلنے کی طاقت سلب ہو کر رہ گئی — تیمور بڑے بڑے ڈگ اٹھاتا ہوا آگے بڑھ کر پکارنے والے سے بغل گیر ہو چکا تھا۔

"احمر" اس کا دل سینے کی دیواروں سے ٹکرا کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا اس نے جلدی سے خود کو پیچھے کیا اور پلٹ کر قریبی درخت کا سہارا لے لیا۔

بلیک ٹراؤزر اور وہائٹ شرٹ میں وہ دبلا پتلا احمر کتنا مختلف لگ رہا تھا۔ اتنے مختصر وقت نے اسے خاصا بدل ڈالا تھا مگر.... وہ یہاں؟ کیا اس کی تلاش میں آیا ہے؟ دل خوش فہم نے دھڑک کر پوچھا مگر دوسرے ہی لمحے خود ہی نفی کر ڈالی۔

وہ اتنی خوش بخت کب رہی تھی۔

وہ احمر کے لیے ایسی شے کب رہی تھی جس کے کھو جانے کا ڈر رہتا اور کھو جانے پر وہ دیوانہ

وار اسے تلاش کرتا۔ وہ تو سرد۔ مہر بہ لب۔ اس پر لگے الزام کو دل سے قبول کر چکا تھا… خوف اس پر حاوی سا ہونے لگا۔ اس میں اب بالکل بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ رخ پلٹتی… بھی قیامت بن سکتا تھا۔ اسے طشت ازبام کر سکتا تھا۔
اور وہ یہ حماقت کرنے کے بالکل حق میں نہیں تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی اور… سے نکل آئی۔

○☆○

”مجھے تو اس لڑکے کی کوئی کل سیدھی نظر نہیں آئی۔ کہاں جانے سے انکاری تھا اور… ہے تو پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ اے ثاقب اس کا فون آیا یا نہیں؟“
”ہوں۔“ ثاقب بھائی کسی خیال میں گم تھے۔
”کیا ہوں؟“ تائی ماں جھنجلا گئیں۔
”ہاں۔ آیا تو تھا سب خیریت ہے۔“
”آئیں۔ کب؟“ ساریہ آپی نے حیرت سے پوچھا۔
”دو تین بار بات ہو چکی ہے۔ میرے آفس کرتا ہے وہ۔“ ثاقب بھائی نے بتایا تو… کے چہرے پر تکلیف دہ رنگ پھیل گیا۔
”آفس میں کیوں؟ کہا نہیں تم نے، ہم سب یہاں پریشان ہیں۔“
”تو اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔ کوئی جنگ پر تو نہیں گیا وہ آجائے گا۔“
تائی ماں ثاقب بھائی کا منہ دیکھتی رہ گئیں پھر بولیں۔ ”دیکھ کہا ہے آنے کا؟ اب… تو نیلی اور عمیر کی باقاعدہ رسم بھی ہو جائے۔ لوگوں کو پتا ہی نہیں ہے کہ یہ رشتہ ہو چکا ہے… ذرا اس روز بھی زہرہ کی بڑی بھاوج اپنے بیٹے کا رشتہ لیے آگئیں اپنی نیلوفر کے لیے۔… بی بی اس کا رشتہ طے کر دیا ہے تو منہ پھاڑ کر رہ گئی۔ ایسی لاعلمی کا اظہار کر رہی تھیں۔
”ہاں، کل نیلی کی سہیلی بھی تو اپنی امی کے ساتھ آئی تھی اپنے بھائی کے سلسلے میں…“ بھابی نے مزید معلومات میں اضافہ کیا اور پھر طوبیٰ کو تھپکتے ہوئے مسکراتی نظروں سے… جو سرخ ہو گئی تھی۔
”اچھا کب؟“ تائی ماں حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔
”کل کوئی مغرب کے قریب۔“ چھوٹی چچی کروشیے کی بیل میں الجھی ہوئی تھیں… اسی طرف تھا۔ ”مجھ سے کہنے لگیں ہمیں نیلوفر بہت پسند ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی پسند ہے… لیے اسے بہو بنا لیا ہے۔“ چھوٹی چچی کا انداز شگفتگی لیے ہوئے تھا۔

”لو دیکھو ذرا۔“ تائی اماں بھی زور سے ہنس دیں۔ ”بچی کا رشتہ طے پا گیا ہے اور ادھر کسی کو خبر نہیں۔ تم بھی نری بے وقوف ہو اپنی سہیلیوں تک کو بتایا نہیں۔“ انہوں نے نیلی کو دیکھا تو وہ سٹپٹا گئی۔
”م، میں کیا بتاتی۔“ مارے شرم کے وہ گڑ کر رہ گئی۔
”ارے ہاں رشتے پر یاد آیا میری بڑی جٹھانی اپنی رابعہ کے سلسلے میں بات کر رہی تھیں۔ وہ اپنے بھائی کا رشتہ چاہ رہی ہیں میں نے کہا چچی سے بات کر کے جواب دوں گی۔“ ساریہ کو جیسے اچانک یاد آگیا۔
”ہاں کیوں نہیں باقاعدہ پیام لے کر آئیں تو ہم لڑکے کی چھان بین کر کے ہی جواب دیں گے۔ نصیب کا ہوا تو کون روک سکتا ہے۔ راضیہ کو بھلا کیا اعتراض۔ بیٹیوں کے تو پیام آتے ہی رہتے ہیں۔“
”کیوں؟“ تائی اماں نے منجھلی چچی کو دیکھا جو ابھی آکر ان کے تخت پر بیٹھی تھیں۔
”آپ چچی سے بات کر لیں تو میں انہیں آنے کا کہہ دوں گی۔“ ساریہ آپی چھالیہ کا نہایت باریک ٹکڑا منہ میں رکھ کر چوسنے لگیں پھر قالین پر بیٹھ کر طوبیٰ سے کھیلنے لگیں۔
”پوچھنا کیا ہے، پیام آئے گا تو سوچ اور دیکھ لیں گے۔ کیا بات ہے۔ فائزہ کچھ پریشان ہو؟“ تائی ماں کی نظر منجھلی چچی پر ذرا دھیان سے پڑی تھی اس بار، جو تخت کی چادر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔
انہوں نے کمرے میں دیکھا چھوٹی چچی موجود نہیں تھیں ان کے آنے سے قبل ہی وہ کسی کام سے اٹھ کر گئی تھیں۔ وہ تائی ماں کے قریب کھسک آئیں۔
”میرا بڑا ارمان تھا بھابی کہ رابعہ میری بہو بنتی مگر.....“ انہوں نے لب بھینچ کر جیسے حسرت بھری آہ کھینچی۔
”ہاں، یہ لڑکا بھی تو کسی طور مانتا نہیں ہے شادی کے نام پر تو یوں بدکتا ہے جیسے سانپ کی پٹاری ہی کھول دی ہو ہم نے اس کے آگے۔“ تائی اماں کی بھی ٹھنڈی آہ نکل گئی اور نیلی تخت سے اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی۔ کتنی خواہش تھی اس کی بھی کہ شاہ دل بھائی کی شادی ہو اس کا بھائی دولہا بنے اور وہ بہن ہونے کے سارے ارمان پورے کرلے۔ امی کے لہجے میں کتنی حسرتیں پنہاں تھیں۔
”کہتا ہے عادل کی کر دیں اتنا شوق ہے ساس بننے کا تو۔ میں نے کہا ساس بننے کا نہیں تمہارا گھر بسانے کا ارمان ہے اور عادل کی ابھی عمر کیا ہے۔ ڈھنگ سے پڑھ لکھ لے۔ بس ٹالتا رہتا

ہے۔"

"مجھے تو لگتا ہے شاہ دل کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے۔" ساریہ آپی نے بھابی کے کان میں سرگوشی کی تو بھابی ہولے سے ہنسیں۔

"تمہیں کیا غیب سے علم ہوا ہے؟"

"خیر غیب سے تو نہیں اللہ نے آنکھیں اور کان بھی دیے ہیں۔" ساریہ آپی لاپروائی سے شانے اچکا کر ہنسی۔ اب کہ بھابی نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"تمہاری آنکھوں نے ایسا کیا کچھ دیکھ لیا؟"

"یقین سے تو کچھ نہیں کہہ سکتی مگر کچھ کچھ لگتا ہے کہ یہ اپنی پیاری سی زنیرہ سے تو....."

"شش....." بھابی نے زور سے اس کا بازو دبایا تو ان کی آواز دھیمی ہو گئی۔

سدرہ بھابی' ساریہ آپی کی شکل دیکھ کر رہ گئیں۔ کچھ ایسا ہی محسوس ہو تو انہوں نے بھی کیا تھا۔

زنیرہ کو دیکھ کر اس کی بھوری خوش نما آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہونا یونہی بے سبب مسکرانا۔ زنیرہ کے نام پر ٹھٹک جانا۔ انہوں نے اسے اپنے ذہن کا فتور سمجھ کر جھٹک دیا تھا مگر اب ساریہ کا بھی یہی خیال تھا تو۔ ویسے اگر ایسا ہو بھی جائے تو کیا خوب ہی تھا۔ زنیرہ کیوٹ بھی تو کس قدر تھی اور منجھلی چچی کو تو بھائی بھی بہت تھی۔

مگر ضروری تو نہیں۔ کہ۔ یوں ہو سکے۔ ان کی آہ دل ہی دل میں گونج کر رہ گئی۔

"پھر کیا سوچا فائزہ تم نے بھی؟" چھوٹی چچی اندر داخل ہوئیں اور اپنا سامان بھی ایک طرف رکھا۔ دوپٹہ اوڑھ کر دھاگے اٹھا کر شروع ہو گئیں۔

"بھئی میری بہو کے رشتے آنے لگے میں تو ڈرنے لگی ہوں۔" انہوں نے پر مزاح انداز میں کہا تو تائی ماں اور منجھلی چچی دونوں ہنسنے لگیں۔

"کہ کہیں عمیر سے کوئی بہتر نہ آجائے۔" ساریہ آپی نے انہیں چھیڑا۔

"خیر۔ یہ تو ممکن ہی نہیں۔"

"اللہ خیر۔" سدرہ بھابی ہنسی۔ چھوٹی چچی ہنس مکھ سی تھیں اور ان سے ہر کوئی ہنسی مذاق کر لیتا تھا۔

"بھئی مجھے تو بالکل اعتراض نہیں ہے۔ بھابی جو مناسب سمجھیں تاریخ رکھ لیں۔" منجھلی چچی نے قطعی اطمینان ظاہر کیا۔

نیلی پھر اپنا موضوع بنتا دیکھ کر جھٹ سے تخت سے کھڑی ہو گئی۔

"تمہاری سہیلیوں کو تو پتا چل گیا ہو گا اب تو۔" اسے دروازے کی جانب بھاگتے دیکھ کر ساریہ آپی نے اس کا اڑتا آنچل کھینچا۔

"جی ندا صاحبہ کو علم ہو گیا تو سمجھو پورے لاہور میں یہ خبر نشر ہو جائے گی بلکہ ہو چکی ہو گی۔" سدرہ بھابی اس کی دوست ندا کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں سو یقین سے بولیں۔

"کوئی نہیں' میں منع کر دوں گی اسے۔" نیلی جھینپی جھینپی باہر لپکی کہ اندر داخل ہوتے عمیر سے ٹکرا گئی۔ یہ ایک اور ہو گئی۔

"یا وحشت۔ کیا اندر فائرنگ ہو رہی ہے؟" وہ خود بھی گھبرا کر ایک طرف ہو گیا تھا اور پھر بھرے پرے کمرے کو دیکھ کر مزید کوئی شرارت کرنے سے باز رہا۔ وہ تو سرعت سے اس کی بات سنی ان سنی کرتی نکل بھاگی تھی۔

سدرہ بھابی اور ساریہ آپی تصادم کا منظر دیکھ کر نیلی کی بوکھلاہٹ پر ہنس رہی تھیں۔

○☆○

"اے' یہ تم کل اچانک پارک سے کیوں بھاگ گئی تھیں؟" بھابی اس کے سر پر کھڑی ڈپٹ رہی تھیں۔ اسے زور سے ہنسی آگئی۔ کیا حافظہ تھا کل کی بات آج یاد آ رہی تھی۔

"رات گئی بات گئی۔" اس نے سر جھکائے جھکائے جواب دیا تو بھابی نے قالین پر ہی اس کے قریب دھیرے سے بیٹھ کر کشن کو گود میں دبوچتے ہوئے اسے گھورا۔

"بکومت زیادہ۔ یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا' اچانک خیال آیا کہ موصوفہ کل پارک سے یوں غائب ہو گئیں جیسے گدھے کے سر پر سے سینگ۔ کیا کوئی بھوت دیکھ لیا تھا۔"

اس کا دل بے ترتیب ہونے لگا۔

"بس یونہی ذرا چکر آنے لگے تھے' آپ لوگ انجوائے کر رہے تھے اس لیے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"کہاں انجوائے' وہ احمر کے آجانے پر تیمور تو اسی سے لگ گیا باتوں میں۔"

احمر کے نام پر ایک تکلیف دہ رنگ چہرے کو چھو گیا' ماضی کے کئی دریچے ذہن میں کھل کر انجانا سا درد بکھیرنے لگے۔

"اچھا۔ کون احمر؟ تیمور کا دوست ہو گا۔" اس نے سر جھکائے جھکائے لہجے کو عام سا بناتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں۔ خاصی دوستی رہی ہے۔ یہ لوگ پہلے لاہور ہی میں رہتے تھے اب تو کئی سالوں سے کراچی میں شفٹ ہو گئے ہیں۔ ثاقب بھائی کے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔ خاصا آنا جانا رہتا تھا۔ اس کی

امی اور بہنیں بھی ایک آدھ بار آچکی تھیں۔ ٹھیک ٹھاک فیملی ہے۔ شاہ دل کا ایک دوست
رضوی' اس کا کزن بھی ہوتا ہے۔ اس کی شادی ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے اس سلسلے میں
ہو گا۔"

بھابی پوری تفصیل اسے سنا رہی تھیں اور زنیرہ کرب سے دوچار تھی۔

بہت بڑا پتھر پڑا تھا اس کی زندگی کی سنبھلتی جھیل میں۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر
اس کے اختیار میں کب تھا؟ اپنے تئیں وہ اپنے ماضی سے کٹ چکی تھی مگر ماضی کوئی نظر
والی رسی تو نہیں جسے حقیقتاً کاٹ کر الگ کر دیا جاتا۔ یہ تو خیال کے ساتھ بندھی وہ مضبوط ڈور
جو جب چاہتی' ذہن کو جکڑ لیتی تھی۔

"ارے ہاں' مانی کی اسکول ٹیچر' مانی کی بڑی تعریفیں کر رہی تھی کہ اس نے بڑا امپروو کیا ہے
میں نے کہا امپرو کیوں نہ کرے گا کہ۔ زنیرہ۔" بھابی یکدم چونک کر زنیرہ کو دیکھنے لگیں جو
جھکائے سادے کاغذ پر بال پین سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اس کا ذہن کہیں اور
رہا تھا۔

"زنیرہ۔" انہوں نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ یوں چونک گئی جیسے بھابی اچانک اس کے قریب
آ گئی ہوں نظریں ملیں تو وہ خفیف سی ہو کر ہنس دی اس کا چہرہ' اس کی دل فریب آنکھیں' بہت
چھپا رہی تھیں۔ یوں بھی آنکھیں اپنے اندر کے حبس' اپنے خلفشار' سے مشروط ہی تو ہوتی ہیں

"ایک بات پوچھوں زینی؟" بھابی اس کے قریب آئیں تو اس کا دل دھڑک کر رہ گیا۔ وہ
کبیدگی اپنی خلش خود تک محدود رکھنی چاہتی تھی اور یوں بھی شہلا نواز نے اسے اتنا تو کھول کر
تھا۔ وہ خوف زدہ ہوئی بھابی کے کھوجتے لہجے اور سنجیدگی پر..... کہیں آشکار ہونے کے لمحات تو نہ
آ گئے۔

مگر اس دم نیلی اندر داخل ہوئی تھی کچھ ہانپتی ہوئی اور دھیرے سے کنارے والے صوفے
بیٹھ گئی وہ دونوں ہی اپنے اپنے خیالوں سے نکل کر اس کی طرف بیک وقت متوجہ ہوئی تھیں۔

"خیریت تو ہے؟ کیا پیچھے عمیر بھائی بھاگے تھے؟" اس کے گلابی گلابی چہرے کو دیکھ کر اس
شرارت سے چھیڑا تو اس نے کشن اٹھا کر زنیرہ کو کھینچ مارا۔

"ہمت ہے ان کی۔ قتل نہ کر دوں۔"

"وہ تو ہم ہو ہی چکے ہیں۔" عمیر نے پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ نیلی اچھل کر رہ گئی۔

"بھابی! آپ سمجھالیں انہیں۔" وہ منہ پھلا کر بولی تو زنیرہ اور بھابی کی ہنسی نکل گئی۔

"نہیں نہیں مجھے۔" عمیر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "لوگ بلاوجہ ہی اپنی اہمیت

چاہ رہے ہیں۔"

"ارے واہ۔ اس میں اہمیت بڑھانے والی کون سی بات ہے؟" نیلی یکدم کھسک کر کھڑی ہو
گئی۔

"ارے ارے...... بات کیا ہے؟" بھابی گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"ٹھیک ہی تو ہے جب تک غالب نہیں آجائے گا کوئی بڑی دعوت نہیں ہو گی۔"

"اوہ۔" بھابی کو اب مسئلہ سمجھ میں آیا تو بے اختیار ہنس دیں۔

"ادھر ہم بھی مرے نہیں جا رہے ہیں آپ کو انگوٹھی پہنانے کو۔ ہزار تیار ہیں اس بندے
کی انگوٹھی پہننے کے لیے۔" عمیر نے ہنسی دبا کر اسے چڑایا۔

"تو پہنا دیجیے۔ میں بھی یہاں مری نہیں جا رہی۔"

"یونہی تائی ماں کی ہر بات پر ہاں میں ہاں ملائے جا رہے ہیں۔" اس نے عمیر کی طرف سے
رخ پھیر لیا۔

"بھابی! دیکھیں اسے۔" نیلی کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ عمیر کی ہنسی بڑی شرارتی تھی۔

"اچھا زیادہ پھیلو مت اور نکلو یہاں سے۔" بھابی نے اسے باہر کا راستہ دکھایا۔

"آپ تائی ماں اور امی کو صاف کہہ دیجیے گا۔ ابھی منگنی ونگنی کی کوئی رسم نہیں ہو گی جب
تک غالب نہیں آجاتا۔"

نیلی کا انداز روہانسا تھا۔ وہ بھابی کے نزدیک چلی آئی۔

"بالکل پاگل ہو تم وہ کوئی روٹھ کر تھوڑی گیا ہے کہ آئے گا نہیں۔ ثاقب سے روز بات
ہوتی ہے۔ مشینوں کا سودا ہو گا اور وہ آجائے گا۔" انہوں نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا۔

"تم کیوں فکر کر رہی ہو؟ جوں ہی ڈیٹ فکس ہو گی ثاقب یا انکل اسے خود فون کر کے ڈانٹ ڈپٹ
کر بلوائیں گے۔"

"کچھ بھی ہو' غالب کو آنا ہو گا ورنہ میں انگوٹھی نہیں پہنوں گی۔" نیلی منہ پھلا کر کمرے سے
باہر جانے لگی۔

"وہ تو تم پہن چکی ہو۔" زنیرہ نے اسے چھیڑا تو وہ شرما کر کچھ خفا خفا سی کمرے سے نکل گئی۔

"بالکل پاگل لڑکی ہے یہ بھی۔ آجائے گا غالب بھی کون سا اسے وہاں مستقل رہنا ہے۔
ثاقب بھائی کا خیال ہے مہینہ دو مہینے رہ لے تو ذہن بٹ جائے گا۔"

زنیرہ نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا۔

اس کے دل میں بھی شاہ پیلس کے اس ہنستے' کھلکھلاتے لڑکے کی ناآسودگی کا دکھ ٹھہر گیا

تھا۔

"چلو دیکھیں اس بے وقوف لڑکی کو بھی۔ کہیں بیٹھی آنسو تو نہیں بہا رہی۔" بھابی کا رخ پھر نیلی کی طرف گیا۔ وہ بھی فارغ ہی تھی۔ دونوں کامن روم سے باہر آ گئیں کہ شاہ دل نے انہیں گھیر لیا۔

سیاہ رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ کچھ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ وہ باہر سے آیا تھا۔

"بھابی! پلیز کافی بنا کر لان میں بھیج دیجیے۔" اس نے زنیرہ کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے بھابی کو مخاطب کیا۔

"دوست آیا ہے کیا؟"

"ہاں، کچھ یار دوست ہیں۔" وہ کہہ کر پلٹ کر لان کی طرف نکل گیا۔

"ایک غلط فیصلے سے کتنے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔" بھابی اسے دور تک جاتا دیکھتی رہیں پھر ایک گہری سانس لے کر زنیرہ کے ساتھ کچن میں آ گئیں۔

"اس گھر کے ہر فرد کے چہرے سے لگتا ہے ہنسی چھن گئی اور جیسے ہر کوئی ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پتا نہیں غالب خود کو کیسے سنبھال پایا ہوگا۔ اوہ سائرہ۔ وہ لڑکی میرے اندازے سے کہیں زیادہ باہمت نکلی۔ شاید وقت اور حالات انسان کو بہادر بنا دیتے ہیں۔" بھابی کا لہجہ دل گرفتہ سا تھا۔

وہ سب ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے تھے جیسے ایک جسم جس کا کوئی عضو تکلیف میں ہو تو پورا بدن درد محسوس کرتا ہے۔

طوبیٰ کے رونے کی آواز پر بھابی اپنے خیال سے نکل آئیں۔ چھوٹی چچی بھی انہیں آوازیں دے رہی تھیں۔ ملازمہ لڑکی نسرین بھاگ کر آئی۔ "وہ جی طوبیٰ بے بی رو رہی ہے۔"

"آپ جائیں بھابی میں بنا لیتی ہوں۔" زنیرہ نے دودھ کا پوٹ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"شاید بھوک لگی ہوگی۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے شور تو اسی طرح مچا رہی ہے۔" بھابی کچن سے نکلیں۔ "نسرین صبح تم نے طوبیٰ کے کپڑے دھوئے نہیں تھے؟" انہوں نے جاتے جاتے نسرین کی بھی کھنچائی کی۔

"جی وہی تو دھو رہی تھی۔" نسرین جلدی سے بھاگ گئی۔

نظر کے سامنے حسنِ بہار رہنے دے
جمالِ دید کو پروردگار رہنے دے
سوالِ شوق کا کوئی جواب ہو کہ نہ ہو
ہمارے دل میں امیدِ یار رہنے دے

شاہ دل... کچن کے دروازے پر ٹھٹک کر مبہوت سا کھڑا رہ گیا تھا۔ وہ بھابی کو کہنے آیا تھا کہ کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس بھی دے دیجیے گا اور اب اسے تنہا دیکھ کر اس کے دل کی حالت پھر سے بے ترتیب ہونے لگی تھی۔ دوپٹہ ڈھلک کر شانے پر پڑا تھا اور اس کے غیر معمولی گھنے لمبے بال چوٹی کی صورت میں پشت پر پڑے تھے۔ وہ خود میں گم دودھ میں کافی ڈال کر چمچہ ہلا رہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا۔

دل کے ساحل پر مانوس جذبے سر اٹھانے لگے۔ شوریدہ سر جذبے جسے وہ اس کی سرد مہری کے باعث لاکھ بار سلانے کی کوشش کر چکا تھا مگر بے سود پھر سے یوں توانا ہو گئے جیسے بجھتے دیے میں تیل ہی تیل پڑ گیا ہو۔

وہ پیالیاں ٹرے میں سجائے ہوئے ذرا سا مڑی تو کسی کی موجودگی کا احساس کر کے دھیرے سے ایڑیوں کے بل پلٹی اور شاہ دل کو محویت سے اپنی ہی سمت دیکھتا پا کر اس کا وجود گویا زلزلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ چینی کی نازک سی پیالی اس کے ہاتھ میں لرز کے رہ گئی۔

"یہ کوئی ستم سمجھوں یا اپنے لیے اعزاز۔" اس کے پلٹتے ہی وہ اپنی محویت سے نکل آیا تھا۔ بلکہ احساسات کی لو بھی نیچی کر لی تھی۔ اندر آ کر ٹرے میں نفاست سے سجے کپس کو دیکھ کر ایک اچٹتی نظر اس کے چہرے پر بھی ڈالی۔ لہجے میں چھپی کاٹ زنیرہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے اپنی فسوں خیز آنکھیں اٹھائیں مگر دوسرے لمحے گھبرا کر جھکا لیں۔ ایسا محسوس ہوا جیسے برقی لہریں اس کی نس نس میں اترتی چلی گئی ہوں۔

"طوبیٰ۔ رو رہی ہے۔ بھابی اندر ہیں۔" اس نے بے ربط انداز میں اپنے یہاں ہونے اور اس "نوازش" کا جواز پیش کرنا چاہا۔

"جی ہاں مجھے بھی اب کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ یوں بھی اتنا تو محبتوں کے احسان کا بدلہ ہر کوئی چکا سکتا ہے۔"

اس نے کیبنٹ کی تلاشی کے بعد بسکٹ اور چپس وغیرہ کے ڈبے نکالے۔ وہ اپنی جگہ ششدر سی کھڑی رہ گئی۔ اتنی سفاکی سے وہ اس کے سینے میں تیر اتار کر بے پرواہی سے ہنس رہا تھا۔

✪✪✪

"میرا خیال ہے کافی تو تیار ہو گئی ہو گی یا یہ بھی تمہاری طرح ضدی ہے ابھی اور وقت لے گی؟" اس نے نہایت اطمینان سے پلیٹوں میں بسکٹ سجاتے ہوئے اس کے اعصاب کو ایک بار

پھر منتشر کر دیا۔ اس کی پیشانی عرق آلودہ ہو گئی۔ کیا حق پہنچتا ہے اسے یہ بدتمیزی کرنے کا اور لہجہ اپنانے کا؟

وہ اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی مگر اس وقت اپنی حالت خود اس کے قابو سے باہر ہو رہی تو کچھ کہنے یا جوابی حملے کی ہمت نہ رہی بلکہ گھبراہٹ میں کیتلی بھرتے ہوئے گرم گرم کافی اس انگلیوں کو سلامی دے گئی اور مارے تکلیف کے وہ "سی" کر کے رہ گئی۔

ایک تو اس کی غیر متوقع آمد نے اسے بوکھلا دیا تھا اوپر سے ایسے کڑے جملوں کا حملہ اور اس کی قربت کی آنچ جو ساری کی ساری اس تک پہنچ کر اس کے حواس بکھرائے دے رہی تھی۔

"لگتا ہے پہلے کبھی کچن کی شکل نہیں دیکھی؟" وہ اس کی بوکھلاہٹ کو واضح محسوس کر رہا تھا۔ استہزائیہ ہنسا تو وہ پوری جان سے جل گئی اور کیتلی پٹخ کر رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ خود ہی بسکٹ اور چپس وغیرہ کی پلیٹوں کو ٹرے میں رکھنے لگا۔

"بہت بہت شکریہ اس حقیری نوازش کا' ویسے مس میں اسے اپنے کس احسان کا بدلہ سمجھوں؟"

وہ غصے سے پلٹی تھی مگر اسی اثنا میں وہ ٹرے اٹھائے خاصا آگے بڑھ چکا تھا۔ اس کا دل چاہا کوئی وزنی سی شے اٹھا کر اسے دے مارے۔

اس کے اس رویے نے اسے بری طرح شاک پہنچایا تھا' وہ نہ جانے کتنی دیر یونہی دلگرفتہ کھڑی رہی کہ نیلی کی آواز پر چونکی۔

"اخاہ۔ کیا زبردست پوز ہے ذرا یونہی رہنا میں کیمرا لائی۔"

وہ جھینپ گئی۔

"ایمان سے بالکل اداس مورتی لگ رہی تھیں ایک آدھ پوز ہو جاتا تو اچھا ہوتا ویسے خیر آج ہمارے کچن کے نصیب کیونکر جاگے' کیا رات کی ڈیوٹی تم پر لگی ہے۔"

"بھابی صاحبہ نے لے کر مجھے پھنسا دیا۔ تمہارے بھائی وغیرہ کے کچھ فرینڈز آئے ہیں شاید میں اب چلوں گی۔" وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر کچن سے نکل آئی۔

"کچھ دیر تو بیٹھو نا یار۔ یہ فارحہ اور رابی کی بچیاں ابھی تک آئی نہیں ہیں فرزانہ کے یہاں سے؟"

"بھئی وہ تو جانے کب آئیں۔"

"ہاں۔ چیک ہی جاتی ہیں وہ دونوں تو کہیں بھی جائیں مگر ایمان سے میں آج بہت بور ہو رہی ہوں۔" نیلی حقیقتاً بے زار اور اکتائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ رابعہ اور فارحہ اپنی مشترکہ

سہیلی کے یہاں چلی گئی تھیں' رابعہ کو کچھ نوٹس وغیرہ بھی لینے تھے۔

"وغیرہ بھائی تو ہیں کمپنی دینے والے۔" اس نے کامن روم میں آ کر اپنا شولڈر بیگ اٹھاتے ہوئے اسے چھیڑا تو وہ بلش ہو گئی۔

"انتہائی فضول کمپنی ہے یہ تو' بندہ خواہ مخواہ میں......"

"شرماتا ہی رہے۔ ہے نا؟" اس نے اس کا جملہ مکمل کیا اور دروازے کی جانب بھاگ لی' نیلی نے اس کی دراز چوٹی کھینچنے میں ناکام ہو کر اسے دور سے مکا دکھانے پر ہی اکتفا کر لیا۔

وہ ہنستی ہوئی باہر کی جانب چل دی۔

لان کے راستے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم بری طرح ٹھٹکے۔ جیسے چلتے چلتے ٹھوکر لگی ہو۔ گو کہ وہ سب خاصے دور درخت کی چھاؤں میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے اور وہ روش پر تھی۔ وہ بلو پینٹ اور نیلے شرٹ رنگ کی میں بلاشبہ احمر ہی تھا جس کی نظریں سامنے ہی تھیں اور اس کی طرف اٹھی تھیں اس نے اچانک اسے کرسی سے جھٹکے سے اٹھتا دیکھ کر اپنے قدم تیز کر لیے اور تقریباً بھاگ کر نہ صرف روش پار کر گئی بلکہ پورچ کا بڑا سا گیٹ بھی عبور کر گئی۔

اتنا سا فاصلہ طے کرتے ہوئے وہ بری طرح ہانپ گئی تھی۔ دل کسی سہمے ہوئے پرندے کی طرح خوفزدہ ہو کر دھڑ دھڑ کیے جا رہا تھا۔

اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی جسارت بھی نہ کی۔ مبادا اس کا ایک لمحہ ٹھہر جانا قیامت نہ بن جائے اور احمر ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو پکڑ لے۔

گو کہ یہ بھی نری خوش فہمی تھی کہ وہ اسے پہچان کر اس کے پیچھے لپکتا اسے ہر ممکنہ طریقے سے روکنے کی کوشش کرتا۔

اگر اسے روکنا ہی ہوتا تو وہ گھر سے قدم ہی کیسے نکال پاتی۔

شمشاد بیگم کے گیٹ کے سامنے رکشہ اسے اتار کر پھر سے پھڑپھڑاتا گلی سے نکل گیا مگر وہ یونہی گیٹ سے لگی گہرے گہرے سانس بھرنے لگی۔ جیسے ایک طویل سفر طے کر کے یہاں تک پہنچی ہو پھر دروازہ کھول کر بوجھل قدموں سے اندر آ گئی۔

شاہ پیلس میں احمر کی موجودگی نے اسے ذہنی طور پر مفلوج سا کر کے رکھ دیا تھا۔

اب نہ جانے قدرت کو کون سا امتحان لینا منظور ہے اس کے دل نے دہائی دی۔

"ارے تم کب آئیں۔" شمشاد بیگم کی بھاری آواز پر وہ اپنے خیال سے نکل آئی اور بے اختیار سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا شمشاد بیگم اپنے رہائشی حصے کے باہر شفاف فرش پر بیٹھی تھیں اور شہلا ان کے شانے سے لگی نڈھال سی پڑی تھی۔ وہ لپک کر اسی طرف

آئی۔

○☆○

"کیا ہوا احمر؟" شاہ دل اسے کرسی سے اچانک یوں اٹھتے اور سامنے گھورتے دیکھ کر
گیا۔

"اوئے کیا کرسی کے نیچے بم نکل آیا ہے۔" رضوی نے اس کا بازو کھینچ کر اسے دوبارہ
پٹخ دیا۔ "بے فکر رہو تمہاری عمر بہت لمبی ہے پوتے نواسے کے نواسے کھلا کے مرو گے۔"

"بی سیریس یار رضوی۔" شاہ دل نے احمر کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتے
رضوی کو غیر سنجیدگی پر اسے گھر کا جو اس کے یوں مشینی انداز میں ایک دم کھڑے ہو جانے
تک ہنس رہا تھا۔

"اوئے گھامڑ، بات کیا ہے؟ بتا بھی دو۔ یہ اپنا شاہ بلاوجہ تمہارے چہرے سے خوف
ہے ویسے سامنے دیکھ کر اسے یہ شاک لگا ہے ذرا دیکھنا شاہ اس سامنے والے درخت پر کوئی
پاؤں والی حسینہ لٹک تو نہیں رہی۔"

شاہ دل نے زچ ہو کر اسے صرف گھورنے پر اکتفا کیا جبکہ احمر نے ترچھی نظروں سے
کو دیکھا اور پھر چہرے پر ہاتھ پھیر کر شاہ دل کو اپنی طرف پر تشویش انداز میں دیکھ کر بلا مقصد
دیا۔

وہ یقین بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ سامنے سے گزرتی لڑکی اس کی عم زاد زنیرہ علی ہو مگر ذرا
کر اسے خود ہی اپنے ذہن کو جھٹکنا پڑا۔

زنیرہ اور یہاں؟ بھلا یہ کیونکر ممکن تھا۔ اس کا یہاں کیا کام؟ اسے جہاں تک یاد پڑتا تھا
ماضی میں بھی زنیرہ کا ان لوگوں سے تعلق براہ راست یا بالواسطہ نہ تھا۔

اس گھر میں بہت سی خواتین تھیں جو باپردہ تھیں، یوں بھی ایک لڑکی کے بارے میں پوچھ
بھی، جواب موجود نہیں تھی، کسی ہوا کے جھونکے کی مانند گزر چکی تھی۔ کچھ معیوب سی
تھی۔

شاہ دل کو ذرا سا رخ موڑ کر رضوی کے اصرار پر روش کی سمت دیکھتے پا کر خجل سا ہو کر
پڑا۔

"یہ رضوی کی تو بکواس کی عادت ہے ایسی الٹے پاؤں والی حسینائیں اسے ہی درختوں پر
دکھائی دیتی ہیں، دراصل مجھے یونہی کچھ یاد سا آ گیا تھا۔" اس نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے

لیا۔ "بڑا انوکھا طریقہ ہے کچھ یاد آجانے کا۔" رضوی زور سے ہنسا۔ "اور کزن دوسری بات یہ
کہ مجھے الٹے پاؤں والی حسیناؤں کے دیدار کا قطعی کوئی شوق نہیں میرے لیے سیدھے پاؤں والی
ایک ہی کافی ہے اور وہی ہر وقت دکھائی دیتی ہے۔"

"یعنی اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔"

"بالکل۔ بالکل۔" اس نے سرہلا کر شاہ دل کے اس مصرعے پر خوب لطف اٹھایا۔

"فکر مت کرو اب وہ حسینہ بہت جلد خطرناک بیوی کے روپ میں منظر عام پر بھی آجائے گی
بس چند ہفتوں کی بات ہے۔" احمر نے اسے چڑایا۔

"ویسے محترم خوش فہمی ہے آپ کی، ابھی آپ وفا کے امتحان میں پورے نہیں اترے۔"
شاہ دل نے بھی اسی شگفتگی سے کہا اور میزبانی کا حق ادا کرتے ہوئے دونوں کی پلیٹوں میں نمکو
ڈالنے لگا۔

"ارے ایسی وفا کریں گے کہ وفا کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا ہمارا نام۔"
رضوی نے کالر جھاڑے۔

"سن رہے ہو احمر۔" شاہ دل نے احمر کو دیکھا اور ذرا سا چونک کر کہا۔ وہ بظاہر انہی کی طرف
توجہ تھا مگر اس کی نظریں اب مین گیٹ پر تھیں گویا وہ لاشعوری طور پر اسی دھیان میں تھا۔

"ہوں نہ صرف سن رہا ہوں بلکہ دیکھ بھی رہا ہوں موصوف زیادہ ہی اکڑ رہے ہیں ابھی
تڑی سے دور ہے نا لمبی لمبی چھوڑ سکتے ہیں۔ بھٹی میں پکیں گے تو کندن بننے کا خواب بھک سے
اڑ جائے گا۔"

احمر ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں۔ بیٹھو نا ابھی۔" شاہ دل اسے اٹھتے دیکھ کر بولا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔" اس نے جھک کر ٹیبل سے بائیک کی چابی اٹھا کر رضوی
کی سمت اچھال دی۔ "دراصل ہاسپٹل جانا ہے نا اور تمہیں تو پتا ہے نا۔"

"ہاں۔ ہاں۔" شاہ دل مزید اصرار نہ کر سکا، رضوی بھی کھڑا ہو گیا۔

"اچھا یار۔۔۔ یار زندہ صحبت باقی۔" اس نے شاہ دل کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"اب تو ہم آپ کو فضائی سیڑھی پر پہلا قدم رکھتے ہی دیکھنے آئیں گے۔" شاہ دل کی بھوری
آنکھوں سے شرارت آمیز مسکراہٹ ابھرنے پر رضوی سراسیمہ سا ہو کر ہنس دیا۔

"یعنی عین نکاح والے دن۔" احمر نے گویا وضاحت کی۔

"ارے رے۔ کیا مہندی شسندی میں نہیں آرہے۔"
"او۔ ہو۔ تو کیا آپ اب مہندی بھی لگائیں گے ہاتھوں پر۔ اب یہ بھی نہ کہہ دینا کہ بھی جاؤں گا اور شرارہ بھی اور پھرٹیکہ اور تابوت کی آخری کیل گھونگھٹ بھی۔"
"لعنت تمہاری شکل پر۔ میری ساری مردانگی صفر کر کے رکھ دی۔" رضوی نے ار۔۔۔ جل کر پوری طاقت سے احمر کے بازو پر مکا جڑ دیا۔
"مہندی سے مطلب ہے یونہی رسم وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے نا کیا ہوتا ہے وہ کہ۔"
"جی۔ جی۔ زیادہ معصوم مت بنئے۔"
"تم چپ ہی رہو' میں شاہ دل سے بات کر رہا ہوں۔" اس نے احمر کو آنکھیں دکھا۔۔۔ دل کو دیکھا جو دلچسپی سے احمر کے ہاتھوں رضوی کی درگت بنتے دیکھ رہا تھا پھر سنجیدگ۔۔۔ ہوا۔"
"سوری یار...... یہ مہندی وہندی خالص زنانہ رسمیں ہیں میں آکر کیا کروں گا ہاں۔۔۔ ولیمے میں ضرور آؤں گا۔"
"یار شاہ' تم ذرا بھی نہیں بدلے۔" رضوی نے اس کے بھرپور سراپا کو بغور دیکھا۔۔۔ سے بولا "یار احمر یہ اپنا شاہ دل کالج لائف میں بھی ایسا ہی تھا جہاں دس بارہ لڑکیاں جمع۔۔۔ موصوف بدک کر بھاگ لیتے اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ جتنا بھاگتا یہ کم بخت صنف نازک۔۔۔ سے پیدل اسی پر اتنا ہی مرتیں شاید یہ ہے کہ بقول شاعر کہ......"
"کیا فضول بکواس شروع کر دیتے ہو تم پر بھی نعیم کا اثر ہو گیا ہے۔ اب جاؤ بھی۔۔۔ نے اسے مزید گل افشانی سے روک دیا۔ رضوی قہقہہ مار کر رہ گیا۔
"ایمان سے پورے اسٹون مین ہو میری تو دعا ہے کوئی پتھر آئے اور کھٹ سے تمہار۔۔۔ کے اس بند دروازے پر لگے اور اندر وہ قفل کھٹاک سے ٹوٹ جائے۔" رضوی نے۔۔۔ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر دعا مانگی۔ احمر نے ہنستے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔
"اوئے دعائیے۔ پہلے اپنی بیس تاریخ کو نازل ہونے والی بلا سے تو نمٹ لو پھر ا۔۔۔ مانیں ہم۔"
احمر اسے گھسیٹتا ہوا لے گیا اور وہ جھنجلاتا ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کرتا رہ گیا۔
شاہ دل انہیں مسکراتا ہوا جاتا دیکھتا رہا پھر کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا اور۔۔۔ آرام دہ پشت پر کمر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔
ان دونوں کی بائیک باہر نکل گئی تھی اور اب چوکیدار مین گیٹ بند کر کے بڑا سا تالہ۔۔۔

۔۔۔ اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا اور سگریٹ کے مرغولے پر نظریں مرکوز کر کے جیسے کسی ۔۔۔ شے کو گھورنے لگا۔
۔۔۔ بڑی آہستہ روی سے پھر ذہن کے دریچوں میں زنیرہ کا سراپا جھلملانے لگا۔
۔۔۔ رضوی تم کیا جانو۔ یہ قفل تو کب کا ٹوٹ چکا ہے۔
بڑی نرم روی سے۔
بے حد حیرت انگیز طور پر۔
اور یہ ناقابلِ تسخیر نظر آنے والا بندہ تسخیر ہو چکا ہے۔
بظاہر اسٹون مین نظر آنے والا شاہ دل اب خود ایک سنگ دل صفت لڑکی سے جنگ میں مصروف ہے۔ جو دیکھنے میں نرم لچکتی شاخ کی مانند ہے۔
کسی ٹھنڈے میٹھے چشمے کی مانند۔
بظاہر ریشم کی مانند دکھائی دینے والی۔
مگر نہ جانے اس کے لیے چٹان سے بھی سخت ثابت ہو رہی ہے۔
وہ ایک کش لے کر دھوئیں کے غول کو نیم وا آنکھوں سے دیکھتے ہوئے زنیرہ کے بارے میں سوچتا رہا۔
بے اختیار اسے اپنا سخت رویہ یاد آگیا۔
اتنا ستایا ہے تم نے زنیرہ خان۔ اب یہ رویہ میرا حق بنتا تھا۔
اس کی عرق آلودہ صبیح پیشانی۔
اس کا بوکھلایا ہوا انداز۔
اس کے تپے تپے گلابی رخسار اس کے چشم تصور میں لہرا گئے۔
اس نے جھک کر سگریٹ پیروں میں ڈال کر مسل دی اور کھڑا ہو گیا۔

○☆○

شہلا کو اس حالت میں دیکھ کر اس کی اپنی پریشان سوچیں بھک سے اڑ گئیں۔
"کیا ہوا اسے۔" وہ بیگ اور ڈائری ایک طرف ڈال کر شہلا پر جھکی۔
"میں یہاں کیاری میں پانی دے رہی تھی یہ گیٹ سے اندر آئی اور گیٹ سے لگ کر کچھ گہرے گہرے سانس لینے لگی پھر چلتی ہوئی یہاں تک پہنچ کے لڑکھڑائی میں نے بھاگ کر اسے تھاما تو میرے بازوؤں میں ہی جھول گئی۔" شمشاد بیگم اسے تفصیل بتانے لگی۔

"اومائی گاڈ۔ کس قدر بے پرواہ ہے یہ لڑکی خود سے۔" زنیرہ نے اس پر ایک تشویش بھری نظر ڈالی تب اس نے آنکھیں کھول دیں۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں زینی۔" اس نے شمشاد بیگم کے شانے پر سے وردت بانا سر بامشکل اٹھایا۔
"خاک ٹھیک ہو۔ چہرہ کیسا پیلا ہو رہا ہے۔ اس پر بھی چند دن چھٹی نہیں کر لیتیں یہ۔" شمشاد بیگم کے لہجے میں جھلکتی پریشانی اور ہمدردی شہلا کو ہی نہیں زنیرہ کو بھی محسوس ہو گئی۔
"تم اس کے پاس بیٹھو میں ابھی گلوکوز بنا لاتی ہوں۔ تھوڑا پی لے گی تو فوراً طاقت آ جائے گی۔ یوں تو چلا بھی نہیں جائے گا۔"
"نن...... نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں پلیز۔ زحمت نہ کریں۔" اس نے شمشاد بیگم کو دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "آپ کو پہلے ہی تکلیف دے چکی ہوں۔ وہ تو بس ذرا گرمی کی وجہ سے چکر آ گئے تھے۔" اس نے زنیرہ کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے اس نے فوراً تھام لیا۔
"لو۔ اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔" شمشاد بیگم بولیں اور زنیرہ کے ساتھ مل کر کھڑا کیا۔ وہ زنیرہ کے سہارے کھڑی ہو گئی مگر اس کے بدن کا بوجھ اس کے پیر اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے تھے تاہم وہ اپنی قوتِ ارادی سے نہ صرف کھڑی تھی بلکہ زنیرہ کے ہمراہ چلنے لگی۔
"آج اتنی گرمی تو تھی نہیں بلکہ موسم خوشگوار تھا اور پھر شام کو گرمی کا کیا سوال۔ تم کمزور ہو گئی ہو۔ صورت دیکھو اپنی ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔" وہ سہارا دیتے ہوئے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ساتھ ساتھ فہمائشی انداز میں ڈپٹ بھی رہی تھی۔ شہلا مسکرا دی۔
"جب جاب بھی چھوڑ چکی ہو تو پھر باہر نکلنے کی ضرورت کیا تھی۔ تم نے خود ہی کہا تھا شکیلہ نے اسٹرونگ بیڈ ریسٹ کا کہا ہے۔ آخر تم اپنی جان کی دشمن کیوں بن گئی ہو؟"
"جب دوسرا خیال رکھنے والا ہے تو بندہ خود سے بے پرواہ ہو جاتا ہے جب تم نہیں تھیں میں اپنا خیال رکھتی تھی اب دل چاہتا ہے کہ تم میرا خیال رکھو۔" وہ زور سے ہنسی تو زنیرہ اس کی غیر سنجیدگی اور اس ٹالنے والے انداز پر کڑھ کر رہ گئی۔
اسے بیڈ پر لٹا کر دروازہ دھکیل کر وہ خود بھی اس کے قریب بیٹھ کر چپل اتارتے ہوئے بولی۔
"دل چاہتا ہے یہ سینڈل تمہارے سر پر بجا دوں۔ یہ بتاؤ کہاں گئی تھیں؟"
"ہاسپٹل یار، اور کہاں جانا تھا۔ لگتا ہے اب تو وہیں صبح ہو گی وہیں شام ہو گی اور زندگی تمام" یہ کہہ کر زنیرہ کو دیکھتے ہوئے زور سے ہنسنے لگی۔
"اچھا۔ اچھا۔ بابا زیادہ گھورنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"بہت ہی بدتمیز ہو تم۔" وہ چپلوں کو پیروں سے بیڈ کے نیچے سے گھسیٹ کر کھڑی ہو گئی اور کچن میں جا کر اس کے لیے گلوکوز بنانے لگی۔
"زینی! شاہ ولی سے سامنا ہوا تمہارا پھر؟" اس کے ہاتھ سے گلاس تھامتے ہوئے شہلا نے اچانک پوچھا تو لمحہ بھر اس کا ہاتھ کانپا اور شہلا کے لبوں کی تراش میں مدھم مسکراہٹ پھیل گئی۔
"نہیں۔"
"کیسے نہیں؟" اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "مجھ سے چھپاؤ گی۔ ادھر بیٹھو شرافت سے۔"
"تم سے کب کچھ چھپایا ہے۔" وہ دونوں پیر سمیٹ کر اس کے قریب بیٹھ کر اضطرابی انداز میں انگلیاں مسلنے لگی۔
"کوشش تو کر رہی ہو آج۔"
اس نے سر اٹھا کر شہلا کو دیکھا اور دوبارہ پلکیں جھکا دیں۔ "احمر کا میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔ شہلا وہ آج پھر نظر آیا۔"
وہ شہلا کی حالت قدرے بہتر دیکھ کر اپنا غم چھیڑ بیٹھی۔ اسے اس وقت غم گساری کی شدید طلب ہو رہی تھی۔
"کہاں۔ کب؟" شہلا بری طرح چونکی۔ "بتاؤ زینی؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔
زنیرہ نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا جس دن احمر اسے پارک میں دکھائی دیا تھا اس رات اس نے اپنے ماضی کی کتاب کا ایک ایک ورق اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔
اس لیے پے در پے واقعات اور حادثات نے اس کی عقل کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا اور اسے ایسے میں شہلا کے سہارے کی، اس کے مشوروں کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔
"شاہ پیلس میں۔" اس کی آواز میں خود کلامی کا سا رنگ تھا اور شہلا ہکا بکا رہ گئی۔
"شاہ پیلس میں۔ احمر...... مگر کیوں؟"
"شاہ پیلس! اس گھر کے دوسرے لڑکوں سے اس کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ مجھے ایسا لگا شہلا جیسے وہ بھی مجھے شاید دیکھ چکا ہے آج۔"
"اوہ۔ مائی گڈنیس۔" شہلا نے خالی گلاس جھک کر بیڈ کے نیچے رکھا اور اس کی سمت رخ کر

کے بیٹھ گئی۔

"تم لیٹ جاؤ۔"

"نہیں، ٹھیک ہوں۔ تمہیں کیا سو فیصد یقین ہے وہ تمہیں دیکھ چکا ہے؟"

"سو فیصد تو نہیں کہہ سکتی اور پھر ضروری تو نہیں دیکھ کر پہچان بھی لیا ہو یوں بھی کرسی پر بیٹھا تھا میں خاصے فاصلے سے گزری تھی مگر مجھے کچھ شبہ ہے اس کی نظریں تھیں۔ میں نے پلٹ کر پھر دیکھا ہی نہیں۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا شہلا میں کیا کروں سے چھپ کر رہوں ..... یا اس سے مل کر جی بھر کر روؤں۔"

وہ بے بسی سے لب کچلتی رہی اور گھٹنوں میں سر جھکا لیا۔

شہلا چپ چاپ اسے دیکھتی رہی خود اس کا ذہن بھی حالات کے اس رخ پر دنگ رہ گیا احمر سے اس کا ملنا سود مند بھی ہو سکتا تھا اور نقصان دہ بھی۔ کیا خبر وہ اس کی زندگی ایک سے اجیرن کر دے اور ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ کوئی بہتر حل مل جائے۔

مگر یہ سراسر رسک لینا تھا اور اس کے ماضی کے حالات کے پیش نظر کسی اچھی امید کی ذرا کم ہی تھی۔

"ہمت ہارنے کی نہیں ہو رہی زینی۔ تم تو اب خاصی بہادر ہو گئی ہو میرے ہمراہ رو کر اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولی "اچھا یہ بتاؤ شاہ دل سے سامنا ہوا پھر

زنیرہ نے بے اختیار پلکیں اٹھائی تھیں اور ایک نادیدہ بوجھ کے حصار میں آکر جھکا بھی اس کے تصور کے ساتھ دل دکھ سا گیا۔ اس کا ہتک آمیز رویہ اور کھردرا لہجہ یاد آکر حالانکہ وہ خود ہی اس کے از خود رفتہ، اپنائیت اور بے تاب لہجے کی فراوانی سے خائف رہی مگر۔

اب اس کی یہ لاتعلقی، اس کا تلخ رویہ اسے بری طرح توڑ پھوڑ گیا تھا۔

شاید وہ لاشعوری طور پر اس کے التفات کی عادی ہو چکی تھی یا پھر اس کا رویہ ہی اتنا دینے والا تھا۔

"اس کا مطلب ہے ٹھیک ٹھاک قسم کا ٹاکرا ہوا ہے۔" شہلا کی ہنستی آواز اسے خیال کھینچ لائی۔

"کوئی نہیں۔" وہ جھینپ کر جلدی سے بولی۔ "فضول کے سوال مت کیا کرو۔ میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے کہ سامنا ہو بھی تو کوئی کہانی کوئی افسانہ بنے۔" وہ دل کی دھک مخفی رکھتی بظاہر بگڑ کر بیڈ سے اتر گئی۔

"آہ۔ آہ۔ محبت اب نہیں ہو گی......"

یہ کچھ دن بعد ہو گی......!

گزر جائیں گے جب یہ دن......!

یہ ان کی یاد میں ہو گی......!"

"شہلا کی بچی۔" زنیرہ نے پلٹ کر اسے ایک ہاتھ جڑ دیا مگر وہ کمالِ ڈھٹائی سے ہنستی رہی اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"ایمان سے مجھے تو شاہ دل پر بڑا ترس آرہا ہے ہائے ہائے چچ...... چہ۔"

شہلا اسے اپنی طرف کھینچ کر مزید چڑانے لگی اس کا گلابی گلابی غصے سے ستا چہرہ بڑا ہی دلفریب لگ رہا تھا۔

بڑے بے مروت ہیں یہ حسن والے
انہیں دل لگانے کی کوشش نہ کرنا
ہائے ہائے بڑے بے مروت ہیں!

دروازے پر دستک نے دونوں کو چونکا دیا۔ شہلا کے لبوں کی تراش میں ابھی تک مسکراہٹ تھی اس نے اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑا کر اسے گھورا۔ "تمہیں تو میں ابھی دیکھتی ہوں بچو۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی اس دھمکی پر شہلا ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی تھی۔

"شمشاد بیگم اگر ہوں تو اندر بلا لینا۔" شہلا نے پیچھے سے ہی ہانک لگائی تھی۔ اس نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا تھا پھر مسکرا کر دروازے کے باہر جھانکا۔

"م... مجھے شہلا سے ملنا ہے۔" دروازے کے باہر خوبصورت کپڑوں اور...... ہلکی پھلکی گولڈ کی جیولری سے آراستہ ایک پر کشش سی لڑکی کھڑی تھی۔ کچھ اضطرابی انداز میں ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ہوئے۔

"ش..... شہلا یہیں رہتی ہیں نا؟"

زنیرہ نے سر ہلاتے ہوئے اس کی شکل دیکھی اور آہستگی سے سامنے سے ہٹ کر اسے اندر آنے کی اجازت دی اس نے پہلے زنیرہ کو دیکھا پھر احتیاط سے اندر قدم رکھا مگر ذرا سا لڑکھڑا گئی جو ایک طرح کی گھبراہٹ کی نشان دہی تھی مگر چند قدم اندر آنے کے بعد وہ پتھر کی طرح ساکت رہ گئی تھی اس کی نظریں بیڈ پر نیم دراز شہلا پر تھیں اسی لمحے شہلا نے بھی اس کی طرف دیکھا اور جیسے اس کے وجود سے جاں ہی نکل گئی ہو۔ وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں جیسے بنا سانس لیے آنے والی کو دیکھتی رہ گئی۔

"آ...... آپو' یہ...... یہ تم ہی ہو نا؟ شہلا آپی۔ میری بہن تم ہی ہو نا؟؟"

اس اجنبی لڑکی کے ساکت وجود میں جیسے پھر سے جان پڑ گئی تھی۔ وہ دوڑ کر بیڈ کے پاس اور دوسرے لمحے شہلا سے لپٹ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

"مونا۔ میری میمونہ۔" شہلا کے لرزتے بازو اس کی کمر کے گرد حائل ہو گئے تھے۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا مونا کہ تم یہاں میرے پاس ہو۔" شہلا کی حیرانگی اور اس کے لاتعداد سوالات کے اپنے ہی آنسوؤں میں ڈوب گئے۔

زنیرہ دروازے کے پاس ہی دم بخود کھڑی رہ گئی تھی۔

○☆○

خواب کی مسافت سے
وصل کی تمازت سے
روز و شب ریاضت سے
کیا ملا محبت سے؟
ایک ہجر کا صحرا
ایک شام یادوں کی
ایک تھکا ہوا آنسو

آئینے کے سامنے بیٹھی اسے اپنا عکس بڑا اجنبی اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا آنکھیں اس قدر ویران دکھائی دے رہی تھیں جیسے لاتعداد محرومیوں کا عکس ایک ساتھ اتر آیا ہو۔

جب جذبے ہی مر جائیں تو زندہ رہنا ایسا ہی ہوا جیسے برف میں سویا ہوا سرد یخ بدن۔

اس کے خیالوں کے نرم پردوں پر غالب کا مسکراتا چہرہ جھانک رہا تھا مگر ماہ و سال کے منظر اس کی آنکھوں میں آکر پلٹ رہے تھے۔

اس نے اپنی مغموم پلکیں جھکا دیں۔

یادیں پاگل کر دیتی ہیں
باتیں پاگل کر دیتی ہیں
دن تو خیر گزر جاتا ہے
راتیں پاگل کر دیتی ہیں

اس نے شاہ ول کی گاڑی کا ہارن سنا مگر پھر بھی یونہی بیٹھی اپنے گیلے بالوں سے ٹپکتی بوندوں کو ٹپ ٹپ کرتے دیکھتی رہی۔ وہ سب کتنے جشن کر رہے تھے اسے زندگی کی حقیقی خوشیوں کی رونقوں کی طرف کھینچنے کی۔

وہ خود بھی بہلاؤں اور تسلیوں کے ہزار طریقے ڈھونڈتی پھر رہی تھی مگر روح کی پہنائی میں جو ویرانی چھا گئی تھی اس میں ہلچل ہی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

مایوسی کے اندھیرے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ ساری امنگیں سارے ولولے چھن گئے تھے۔

کوئی ہنگامہ۔
کوئی شور۔
کوئی آواز۔
کوئی ولا سا بھی نشاطِ روح کا سامان نہ بن سکا تھا۔

"سائرہ۔" امی کی آواز نزدیک سے ابھری تو وہ چونک گئی اور گھبرا کر آئینے کے سامنے سے یوں ہٹ گئی جیسے کوئی قبیح جرم کر رہی ہو یا یہ خوف کہ اس میں نظر آتا غالب کا عکس امی کو دکھائی نہ دے جائے۔

"کہاں گم ہو جاتی ہو بیٹھے بیٹھے۔ وہ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"امی۔" اس نے اضطرابی انداز میں لب کچل ڈالے اور کچھ کہنا چاہا کہ امی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"نہیں سائرہ۔ تم ان کے ساتھ جاؤ۔ میں جانتی ہوں تمہارا دل نہیں چاہ رہا۔"

"نہیں امی۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں دل کی بات نہیں ہے۔ شاید میں تھک گئی ہوں۔" اس نے امی سے نگاہیں چرالیں امی کے دل پر گھونسا پڑا۔ وہ ماں تھیں اس کا یہ اضطراب...... یہ اداس چہرہ کیونکر نہ محسوس کرتیں اس کے دل کا حال...... لاحاصلی اور ٹوٹی خواہشوں کی کرچیاں اس کے چہرے پر رقم تھیں۔ جسے ماں کی آنکھوں سے بہتر اور کون پڑھ سکتا تھا۔

انہوں نے اس کے شانے پر پیار سے ہاتھ رکھا۔

"نیلی کی منگنی کے لیے کچھ شاپنگ نہیں کرو گی۔ ان کی خوشیاں ہماری خوشیوں سے الگ ہیں کیا؟ جاؤ شاباش۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ پہلے ہی ان سب کو دیر ہو رہی ہے۔ تین بار سدرہ فون کر چکی تھی مگر تم کمرے میں بند ہی تھیں میں نے کہہ دیا تم لوگ آجاؤ۔ وہ بھلا کیوں نہیں آئے گی۔ بہن کی خوشی میں بھلا شامل کیوں نہ ہو گی۔ ٹھیک کہا نا میں نے؟"

اس نے ذرا سی آنکھیں اٹھائیں پھر جھکا دیں۔ ہم شاہ پیلس والوں کی محبت سے تو زندہ ہیں۔ دنیا تو روشنی ہے اجالا ہے وگرنہ اتنے اندھیرے ہیں ہمارے گرد کہ...... اگر یہ روشنی بھی دکھائی نہ دیتی تو دم گھٹ جاتا ہمارا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"اچھا آپ انہیں اندر تو بلالیں۔ میں بس تیار ہی ہوں۔ صرف بال باندھ کر چادر اوڑھنی ہے۔" وہ برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگی اور امی کو کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھ کر اسے کچھ یاد آگیا۔

"امی سنئے۔"

"ہوں۔"

"وہ۔ دادی جان۔ میرا مطلب ہے ان سے اجازت۔"

"ہاں' ہاں۔ ان سے میں نے بات کرلی ہے۔ انہوں نے اجازت دے دی ہے تم تسلی سے جاؤ۔"

امی نے اس کی تسلی کردی تو وہ الماری سے اپنا بیگ اور چادر نکال کر ہیئر بینڈ یونہی ہاتھ میں لے کر باہر آئی تو وہ سب گاڑی میں ٹھس ٹھسا کر اس کا انتظار کر رہے تھیں۔

"کیا مراقبے میں چلی گئی تھیں؟" فارحہ اسے دیکھتے ہی بولی اور پیچھے ہو کر اس کے لیے جگہ بنائی۔

"تین فون کرچکی ہوں مگر محترمہ کمرے میں بند ہو کر کون سا مسئلہ حل کر رہی تھیں۔" بھابی کا انداز شگفتہ سا تھا۔ وہ آہستگی سے مسکرا دی۔

شاہ دل نے ایک نظر اسے دیکھا' بڑی بڑی آنکھوں کے نیچے حلقے نمایاں تھے چہرے پر گہری سنجیدگی کی چھاپ تھی اور ان میں افسردگی کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ کاش غالب تم ایک موقع تو دیتے سب کو۔ ایک کوشش کرنے دیتے۔ اس نے کرب سے سوچا اور اگنیشن میں جھولتی چابی گھما دی۔

بازار میں ہمیشہ کی طرح انسانوں کا ہجوم تھا۔ شام اتر آئی تھی۔ شیشوں کے اندر کی روشنیاں جگمگ کر کے ہر شے کو اور زیادہ پرکشش اور خیرہ کن بنا رہی تھیں۔

"میں نے اور چچی جان نے عمیر کے ساتھ کل آکر نیلی کے لیے جوڑا پسند کیا ہے انہوں نے کہا' نیلی اور سائرہ کو بھی دکھا کر ان کا مشورہ لے لوں۔" گاڑی سے اترتے ہوئے بھابی نے کہا تو سائرہ نے مسکراتی ایک نظر نیلی پر ڈالی جو جھینپ گئی تھی۔

"خواہ مخواہ ہی یہ جھنجٹ پال رہی ہیں چچی جان بھی۔ ان کی اپنی پسند ہی کافی تھی اور پھر عمیر بھی خاصی باذوق ہیں۔"

"خیر تم مجھے اور چچی کو تو رہنے دو اصل پسند تو عمیر کی ہے۔" بھابی ہنس کر بولی۔

شاہ دل انہیں چھوڑ کر ایک گھنٹے بعد لے جانے کا کہہ کر چلا گیا تھا۔ وہ باتیں کرتیں بھابی کی ہمراہی میں چلنے لگیں۔

چچی اور بھابی کی چوائس جو درحقیقت عمیر کی زیادہ تھی بے حد حسین تھی سی گرین اور ریڈ کنٹراس کا لہنگا سوٹ تھا جس پر کٹ ورک کے ساتھ زری موتیوں اور تلے کا نفیس کام کیا گیا تھا۔

"بھابی! یہ تو بہت ہیوی سوٹ ہے۔ صرف انگیج منٹ میں تو۔" نیلی کچھ پریشان ہوگئی بلاشبہ سوٹ اپنی دلفریب بہار دکھا رہا تھا اور اسے بھی بے حد پسند آیا تھا مگر پہن کر سنبھالنے کا سوچ کر ہی پریشانی ہو رہی تھی یوں بھی وہ سادگی پسند رہی تھی۔

"جناب منگنی صرف ایک بار ہوتی ہے بار بار نہیں۔ یہ بتاؤ کیسا ہے؟"

"فنٹاسٹک۔ اس سے زیادہ اچھا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔" رابعہ تو اس جوڑے پر لٹو ہو گئی۔ "ہائے مجھے کیا خبر تھی عمیر اتنا باذوق ہے۔ اتنی زبردست پسند ہے اس کی۔ ایمان سے نیلو جان۔ تجھ پر تو یہ اچھا بھی بہت لگے گا۔ پوری ملکہ عالیہ لگو گی تم تو۔" وہ نیلی سے لگ کر کچھ اس انداز سے بولی کہ نیلی نے شرما کر اسے پرے دھکیلا۔

"بدتمیز ہو پوری۔ دکان میں فضول گوئی سے پرہیز کرو۔" اس نے گھرکا' پھر آہستگی سے سائرہ سے بولی۔

"تمہیں کیسا لگا سائرہ؟"

"اب کتنی تعریفیں سننی ہیں۔ عمیر بھائی کی پسند بری ہو سکتی ہے بھلا۔" سائرہ ہلکے سے مسکرا کر اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔ یہ بتاؤ تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟ ناپسند تو نہیں ہے نا؟" وہ اس کی سمت ذرا سا جھکی۔

"ارے برا ہوتا تب بھی ان صاحبہ کو دل و جان سے پسند آتا کہ آخر چوائس عمیر بھائی کی جو ہے۔" رابعہ نے ٹکڑا جوڑا۔

"توبہ ہے۔ تم لوگ ذرا خیال ہی کرلو۔ ہم بازار میں کھڑے ہیں۔" نیلی ان کی بکواس پر بری طرح خجل ہو رہی تھی۔

"یہ چاہتی ہے بازار میں نہیں گھر میں ضرور چھیڑو۔" فارحہ کی بات پر ان سب نے اپنی ہنسی بامشکل روکی تھی اور نیلی منہ پھلا کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔

اس کا جوڑا پیک کروا کر اور میچنگ کے سینڈل لے کر وہ سب اپنی شاپنگ کرنے لگیں۔ سائرہ کے لیے ان سب نے مل کر بڑا خوبصورت سوٹ پسند کیا تھا۔ جسے دیکھ کر سائرہ افسردہ سی پریشانی میں گھر گئی۔

"میں اتنا بھاری سوٹ نہیں پہنوں گی۔ پلیز نیلی' اسے واپس کردو اور کوئی لے لیتے ہیں۔"
اس نے التجائیہ انداز میں کہا تو نیلی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
"بکو مت زیادہ۔ کوئی بھاری نہیں ہے بہت سوٹ کرے گا تم پر۔" وہ اس کا ہاتھ دھیرے سے تھام کر تھپکنے لگی۔
وہ سب جانتی تھیں کہ سائرہ دلی طور پر بہت اداس اور بوجھل ہے مگر وہ سب اسے تنہا چھوڑ دینا نہیں چاہتی ہیں۔
"چلو دنیاداری کے لیے سہی۔ تمہیں یہ سب کرنا ہوگا۔" نیلی دھیرے سے بولی۔
"نہیں۔ نیلی۔ دنیاداری کی بات نہیں ہے تمہاری محبت تمہاری خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں مگر نیلی' مجھ میں اب ہمت نہیں ہے اتنا بن سنور کر غالب کا سامنا کرنے کی۔" اس نے سچائی سے کہہ دیا تو نیلی لمحہ بھر دم بخود رہ گئی۔
شاہ دل آچکا تھا اور بھابی رابعہ اور فارحہ گاڑی میں سامان رکھ رہی تھیں نیلی نے رک کر سائرہ کو دیکھا۔
"غالب بھائی۔ جاپان سے واپس نہیں آئے وہ نہیں آئیں گے۔ اس نے دکھے دل کے ساتھ اطلاع دی تو سائرہ نے بے اختیار سر اٹھا کر نیلی کو دیکھا جس کے چہرے پر بھی کرب بکھرا ہوا تھا۔" کیسی خوشی ہے کہ ہمارے چہروں پر مسکراہٹیں ہیں مگر دل رو رہے ہیں' ہمارے گھروں میں اجالا ہے قمقمے جل رہے ہیں مگر اس کے اندر گھٹاٹوپ اندھیرا ہے۔"
اس نے نیلی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔
"کیا اتنا ظرف بھی نہیں ہے اس میں کہ اپنوں کی خوشیاں شیئر کر سکیں؟" اس کا لہجہ جانے کیوں تلخ ہو گیا۔
"وہ کہہ رہا تھا مجھے جھوٹا دکھاوا نہیں آتا۔ میں آکر خوشی کی محفل میں اپنی اداسی سے بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا' منافقت کرنی نہیں آتی مجھے اور پتا نہیں کیا کچھ کہہ رہا تھا وہ۔" نیلی کی آواز رندھ گئی۔ اس نے پلکیں جھپک کر نمی کو جھٹکا تھا۔
"وہ درحقیقت منافقت کا طعنہ مجھے دینا چاہتا ہے۔ وہ مجھے منافق سمجھتا ہے نیلی۔ میں جانتی ہوں۔ بے شک وہ حق بجانب ہے مگر اسے بھی کیا خبر کہ ہم لڑکیاں بسا اوقات منافقت کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ اسی سہارے ہم کتنی عزتوں کا بھرم رکھ لیتے ہیں' کتنے گھروں کو تباہ ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ پر وہ کیا سمجھے گا۔ مرد تو صرف محبت کرنا جانتے ہیں' محبت کی راہ میں آنے والے کانٹے تو عورت ہی چنتی ہے۔" سائرہ کے لہجے میں گہری تھکن اتر آئی۔

"کیا کچھ اپنے لیے بھی آپ لوگوں نے خریداری کی یا صرف نیلی کے کپڑوں کے لیے ہی خوار ہوتی رہیں" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے شاہ دل نے ازراہ مذاق پوچھنے لگا۔
"جی نہیں میرا کیا تھا چوائس کیا ہوا ہی سوٹ تھا ان سب نے اپنے لیے جی بھر کر شاپنگ کی ہے۔" نیلی جھٹ سے بولی تو شاہ دل رش میں سے گاڑی نکالتے ہوئے بے اختیار ہنس دیا۔
"اچھی بات ہے یہ تو۔"
"اس کی شاید یہ خواہش تھی کہ سب ہم ایک اسی پر فدا ہوتے رہیں اور اپنے لیے کچھ نہ لیں۔" فارحہ نے ہاتھ آگے کر کے اگلی سیٹ پر بیٹھی نیلی کے بازو پر چٹکی بھری تو وہ بلبلا اٹھی۔
"سائرہ گھر جانا ہے نا؟" شاہ دل نے شیشے سے باہر جھانکتی سائرہ کو مخاطب کیا تو وہ چونک گئی۔
"جی ضرور۔"
"ارے۔ آئے گی کیسے نہیں۔" بھابی نے اس کے گرد اپنا بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کر لیا۔ "اب تو یہ نیلی کی منگنی سے ایک روز پہلے ہی ٹھہرنے آئے گی اور ایک دن بعد تک رہے گی۔"
"جی۔۔۔" سائرہ نے پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔
"جی۔ میں نے پھوپو جان سے اور تمہاری دادی صاحبہ سے اجازت لے لی ہے انہیں قطعاً اعتراض نہیں ہے۔"
وہ لمحہ بھر کے لیے سناٹے میں رہ گئی کہ خوش آئند بات تھی کچھ انقلابی سی بھی' مگر جانے کیوں وہ خوش نہ ہو سکی۔
دادی کی یہ عنایت اس کے دل میں خوشگواری پیدا نہ کر سکی۔ ہاں اب انہیں شاہ پیلس والوں سے نہ دھڑکا تھا اور نہ شکایت' یوں بھی کسی پرندے کو پنجرے میں ڈال کر اسی پنجرے کو کسی کھلے میدان میں بھی رکھ دیا جائے اس سے اس پرندے کو کیا فرق پڑے گا۔
وہ ان سب کی خوشی میں شعوری طور پر خوش تھی یہ سوچ کر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔
"شاہ دل کیوں نہ چائنیز ہو جائے۔" بھابی نے فرمائشی انداز میں کہا تو سب ہی کھل اٹھیں۔
"ہاں زبردست آئیڈیا' چکن سوپ' پھر پراونز چلی' پھر آئس کریم اور۔"
"اور۔۔۔ اور۔۔۔ یہ۔" رابعہ نے فارحہ کے پیر پر بھرپور ہاتھ مارا تھا وہ اچھل کر رہ گئی۔
"کیوں نہ بھابی زنیرہ کو بھی لے لیں۔" نیلی پلٹ کر بھابی سے بولی تو شاہ دل کے لب بے اختیار بھینچ گئے اور مسکراتا چہرہ تن گیا تمام ناخوشگوار منظر اس کے تصور میں لہرا کے رہ گئے۔

"خیال تو بہت اچھا ہے یوں بھی زینی کل تو آئے گی نہیں اور مجھے اس سے کچھ بہت ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔ چلو اسی بہانے۔" بھابی بولتے بولتے ایک دم رک گئیں۔ شاہ دل کے چہرے پر بے اختیار نگاہ اٹھی تھی اور وہ بری طرح چونک گئیں۔

"زنیرہ کا گھر بھی تو اسی راستے پر آتا ہے نا؟" نیلی رخ موڑے ہی بھابی سے مخاطب تھی۔

"سوری آج میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہے۔ یہ سارا پروگرام آپ کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیے۔" شاہ دل نے اچانک انتہائی روکھے اور سرد مہر لہجے میں کہا تو نیلی سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیوں؟"

"اگر آپ کہیں تو میں یہ سب پیک کروا دیتا ہوں گھر جا کر کھا لیجیے گا۔ مجھے دراصل ضروری کام سے جانا ہے۔" اس نے اسٹیئرنگ پر رکھے ہاتھ میں بندھی واچ پر نظر ڈالی۔

"مگر آپ تو کہہ رہے تھے فارغ ہی ہیں۔" نیلی پروگرام بگڑتا دیکھ کر منمنائی اور ادھر شاہ دل کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"بحث مت کرو مجھ سے۔ کام اچانک یاد آ سکتے ہیں ضروری نہیں میں تمہیں اپنا پورے دن کا شیڈول بتاؤں۔"

وہ ایک دم اس قدر تلخ ہو گیا کہ وہ سب دم بخود رہ گئیں حالانکہ نیلی نے بڑا ہلکا سا احتجاج کیا تھا اور اس پر اس قدر سخت رویہ اسے ششدر کر گیا وہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔

وہ بڑے رش انداز میں گاڑی بھگا رہا تھا۔

"چلو کوئی بات نہیں پھر کبھی سہی۔" بھابی نے یونہی ذرا سا ہنس کر ماحول پر چھائی کبیدگی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

وہ گاڑی ایک جگہ پارک کر کے نیچے اتر گیا اس کے اترتے ہی جیسے ان سب کے وجود میں بھی ہلچل مچی تھی۔

"یہ شاہ دل بھائی کو اچانک کیا ہو گیا؟" نیلی پیچھے مڑ کر بھرے بھرے لہجے میں بولی۔ "اچھے خاصے موڈ میں تھے۔"

"بھئی کوئی کام یاد آ گیا ہو گا! یوں بھی ہم نے پہلے ہی اس کا بہت سا وقت برباد کر دیا ہے۔" بھابی نے بات کو سرسری لیتے ہوتے اسے تسلی دی۔

"اتنا زیادہ وقت بھی نہیں لیا۔" نیلی بڑبڑا کر سیدھی ہو کر شیشے کے باہر جھانکنے لگی جہاں شاہ دل اتر کر گیا تھا۔

"مجھے تو کچھ بدلے بدلے سے محسوس ہوئے ایک دم جیسے زنیرہ کے نام۔" سائرہ کی آواز ہلکی تھی۔ جو نیلی اور فارحہ تک بھی نہ پہنچی تھی سوائے بھابی کے اور جملہ بھی ادھورا رہ گیا بھابی نے جلدی سے اس کے پیر پر اپنا پیر رکھ دیا تھا۔ وہ حیرت مگر خاموش نظروں سے انھیں دیکھتی رہ گئی۔

یہ تھی تو خود بھابی کی بھی ابھی سمجھ میں نہ آئی تو یہ حیرانگی بھی نئی دریافت ہوئی تھی۔

شاہ دل واپس آیا تو مختلف پیک کی ہوئی چیزیں نیلی کو تھما دیں۔ نیلی نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تو اس کی عنابی لبوں کے تراش پر مدھم مسکراہٹ تھی۔ وہ بھی ہولے سے مسکرا دی۔

شاہ پیلس کے پورچ میں گاڑی روک کر شاہ دل نے اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر سیٹ کی پشت پر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ سب اپنی اپنی شاپنگ کی ہوئی چیزیں سمیٹ کر اندر چلی گئیں بس بھابی دانستہ رک گئیں اور شاہ دل کی طرف آئیں۔

"اندر نہیں آؤ گے؟"

اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر بھابی کی طرف دیکھا جو فرنٹ ڈور کو تھامے کھڑی تھیں۔ اس نے نگاہیں دوبارہ سامنے کر لیں۔

"مجھے پتا ہے تمہارا کوئی اہم کام اس وقت نہیں ہے۔ ویسے یہ اچانک آنے والا غصہ میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ ہنسیں تو شاہ دل لمحہ بھر خفیف سا ہو گیا۔

"چلو اترو اتنی ڈھیر ساری چیزیں تمہارے بغیر ہمیں ہضم نہیں ہوں گی۔"

"نہیں بھابی۔ مجھے ذرا کام ہے۔" دوسرے لمحے اس کے چہرے پر وہی سنجیدگی در آئی۔

"تو پھر جلدی آ جانا۔" بھابی اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر مزید کوئی اصرار نہ کر سکیں۔

"جی کوشش کروں گا۔ ویسے آپ لوگ ڈنر پر میرا انتظار نہ کیجیے گا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور پورچ سے نکل گیا۔

بھابی کچھ دیر کھڑی گاڑی کو دیکھتی رہیں پھر دھیرے دھیرے چلتیں اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

○☆○

"امید تو بندھ جاتی' تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے' وعدہ تو کیا ہوتا"

عمیر کچھ خائف تھا جبکہ دوسری طرف غالب کی تیز ہنسی ابھری تھی۔

"بھئی خوب بڑا عمدہ ذوق ہے۔ ابھی تو منگنی ہوئی ہے اور یہ حال ہے اس کا مطلب ہے شادی کے بعد تو خاصے بلند پائے کے شاعر بن جائیں گے۔"

"غالب! ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہیں اپنے ذوق کی داد لینے کے لیے بکواس نہیں

کر رہا۔ تم پر خفا ہو رہا ہوں۔" عمیر جھنجلا گیا۔

"آخر تمہیں اب آنے میں کیا رکاوٹ پڑی۔ مشینیں بھیج دی ہیں۔ اب کیا تم مشین میں فٹ ہو گئے ہو جو آنے کا نام ہی نہیں لے رہے۔" عمیر کا دل خون ہو رہا تھا یہ ریسیور ہی اس کے سر پر مار دے۔

"بھائی میرے، ہم فی زمانہ عاشق اتنے آسائش پسند ہو چکے ہیں کہ صحرا کی خاک چھاننے کی طاقت نہیں ہے اس لیے جاپان کی رنگین فضا میں اپنا غم مجنوں کی طرح غلط کر رہا ہوں" اس کا انداز ہنستا ہوا شگفتہ سا تھا مگر عمیر کی روح میں تیر سا پیوست ہو گیا۔

غالب خود آزاری کی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے ہی زخموں پر ہنس کر ظاہر کر رہا تھا کہ زندگی کی طرف لوٹ رہا ہے اور اس سانحہ کو فراموش کر رہا ہے مگر در حقیقت اس کی یہ کھوکھلی ہنسی جس میں شگفتگی نام کو نہ تھی اس کا پول کھول رہی تھی۔ نہ جانے وہ ضبط کے کن مراحل سے گزر کر ہنستا تھا۔ کاش تھوڑا سا رو بھی لیتا۔

"ہیلو...... کیا کھڑے کھڑے سو گئے؟" اس نے ریسیور پر انگلیاں بجائیں تو عمیر چونکا اور ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"یہ بتاؤ کب آ رہے ہو؟ ایمان سے تمہیں تو ثاقب بھائی نے بھیج کر غلطی کی ہے تم تو بھی ان سے الٹی سیدھی بکواس کر رہے تھے۔"

"تمہیں تو پتا ہے میری بکواس کی عادت ہے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا عمیر اس کو گھور کر رہ گیا۔

"اچھا یہ بتاؤ شاہ دل کہاں ہوتا ہے آج کل؟ میری بات نہیں ہوئی اس سے۔ دو ایک بار فون کیا تھا اس کے آفس مگر محترم غائب۔" غالب نے بڑی خوبصورتی سے موضوع بدل ڈالا۔

"مت پوچھو یار۔ پتا نہیں شاہ دل کو کیا ہو گیا ہے۔ اس قدر بد دماغ اور چڑچڑا ہو رہا ہے بات بات پر غصہ کرنے لگا ہے۔ اب کل کی بات ہے، میں بھی اس کے پاس ہی آفس میں تھا۔ اس نے شبیر صاحب کو بری طرح جھڑک دیا حالانکہ بات بھی معمولی سی تھی جسے اس نے ہمیشہ سے زیادہ طریقے سے ڈیل کیا ہے۔ یقین کرو چچا جان بھی حیرت زدہ ہو گئے۔ اپنے شائستہ بیٹے کا یہ روپ دیکھ کر۔" غالب شاہ دل کے بارے میں یہ سب سن کر حیران رہ گیا۔

"ویسے اس کے اعصاب بڑے مضبوط ہیں کنٹرول بھی لمحوں میں کر لیتا ہے خود کو۔ مگر پرابلمز شیئر نہیں کرتا۔"

"ہاں یہ تو ہمیشہ سے اس کی عادت رہی ہے۔" غالب جیسے کسی گہری سوچ سے نکل کر

ہنس دیا۔ "چچی جان سے کہو کہ اب اس کے بھی نکیل ڈال دیں تمہارے ساتھ ہی۔ یعنی شادی۔"

"ارے توبہ کرو توبہ۔" عمیر نے جلدی سے کان کو یوں ہاتھ لگایا جیسے واقعی غالب اس کے سامنے ہو اس کی یہ بے ساختہ حرکت دیکھ رہا ہو۔ "شادی کے نام پر موصوف یوں کرنٹ مارتے ہیں جیسے ہم نے اسے جنس بدلنے کو ہی کہہ دیا ہو۔"

اس کی بات پر غالب کا بے اختیار قہقہہ ابل پڑا۔ وہ کتنی دیر ہنستا رہا۔

"اب تو اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے چچی جان یا تائی ماں کو بلٹ پروف پہننا پڑے گا۔ خیر یہ بتاؤ کب آ رہے ہو تم؟" عمیر کی تان پھر اسی بات پر ٹوٹی۔

"عمیر۔" غالب کا لہجہ یکدم گہری سنجیدگی میں ڈھل گیا۔ کچھ دیر لائن پر گہری خاموشی رہی پھر دھیرے سے بولا۔ "میری چھوڑو۔ یہ بتاؤ تم منگنی پر خوش ہو بلکہ یقیناً ہو گے اور باقی سب اور نیلی؟" وہ اور بھی کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر زبان جیسے ٹھٹھر کر رہ گئی۔

"دیکھنا چاہتے ہو تو آ کر دیکھ لو ہمیں۔ ہم کتنے خوش ہیں۔ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟" عمیر ...ت برافروختہ ہو گیا۔

"پلیز عمیر، سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس کے لہجے میں تھکن در آئی۔ "خود کو قطرہ قطرہ ...ڑنے کا عمل وہاں آ کر پھر سے بکھر جائے گا اور میں بکھرنا اور ٹوٹنا نہیں چاہتا۔ بے شک میں ایک ...زور بشر ہوں۔ فطری جذبوں اور بشری کمزوریوں کے آگے شکست کھا چکا ہوں مگر اس شکست پر ...ٹ کر عمر بھر کے لیے تماشا بن کر زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ یہ میری مردانگی کی توہین ہے۔ مجھے اپنی ...پور مردانگی اور ان کے ہمراہ زندہ رہنا ہے، اندر سے بے شک طوفان کا مقابلہ کر کے ٹوٹا ہوا مگر ...ہر مضبوط دکھائی دینے والا۔ کیا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دو گے۔ مجھے خود کو سنبھالنے اور ...ڑنے اور پھر سے اسی غالب میں ڈھلنے کے لیے وقت چاہیے۔ مجھے کچھ وقت دو عمیر۔ تم کیا ...تے ہو میں لوٹ کر نہیں آؤں گا پاگل۔ تم کیا جانو تم سب سے جدائی تو میرے لیے سم قاتل ...ہے۔"

عمیر سن سا بیٹھا رہ گیا۔ دوسری طرف لائن کٹ چکی تھی۔ ساری آوازیں دم توڑ چکی تھیں عمیر کی رگ رگ میں غالب کا لہجہ گونجتا رہ گیا۔

اس نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"کس کا فون تھا؟" سائرہ اور نیلی اس طرف آئیں تو عمیر کو فون اسٹینڈ پر گہری سوچ میں گم ...سے دیکھ کر حیران ہوئیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں خاص قسم کی تبدیلی تھی۔

"ہوں۔" وہ نیلی کی آواز پر سیدھا ہو کر پلٹا پھر دونوں کو دیکھ کر بلا مقصد مسکرایا۔
پیاری آواز والی حسینہ، مجھ سے دوستی کرنا چاہتی تھی۔" وہ قریبی صوفے پر بیٹھ کر بولا
دیکھا جہاں رد عمل حسب توقع ہی نظر آ گیا۔

"وہ کیا چاہتی ہو گی۔ آپ نے ہی پیش کش کی ہو گی۔ بلاوجہ لڑکیوں کو بدنام کرنے
اس کی جان ہی تو سلگ گئی۔

"ارے واہ۔ مجھے کیا ضرورت پڑی اسے دوستی کی آفر کرتا۔ وہ بھی فون پر صرف
رشتے کا کیا لطف۔ یہ کوئی دوستی ہوئی؟" اس نے اسے مزید سلگایا اور نیلی کا چہرہ بگڑ گیا۔

"تو ملاقات کر لیجیے۔ ہوٹلوں میں گھوم پھر لیں۔ میں خوب جانتی ہوں اس کمینی لڑ
یہی تمنا ہو گی۔" وہ انتہائی غصے کے عالم میں جانے لگی تو عمیر جلدی سے اس کے سا
سائرہ بہ مشکل اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھی۔

"تمنا وہ تمنا ہے جو دل کی دل میں رہ جائے۔" وہ اس کے آنچل کا کونا پکڑ کر گنگنانے لگا۔

"پوری کر لیجیے تمنا پوری۔ میں کون ہوتی ہوں روکنے والی۔" اس نے جھٹکا دے
چھڑایا تھا۔

"آ..... چھا۔" وہ بے ساختہ ہنس دیا پھر اس کی سمت جھکا اور اس کی کاجل سے
آنکھوں میں جھانکا۔ "تو کر لوں تمنا پوری۔" اس کا لہجہ بڑا گھمبیر ہو گیا اور نگاہوں کی
اضافہ جس کی تاب نہ لا کر نیلی بری طرح سٹپٹا گئی اور اسے دھکیل کر نکل بھاگی۔ اس کا
عمیر کو بے حد خوبصورت لگا۔ اس نے پلٹ کر سائرہ کو دیکھا اور سائرہ کے ساتھ ہنسنے لگا۔

○☆○

"آپی! میری آپی۔ میں بھلا تمہیں کیونکر نہ پہچان پاتی۔ خون بھی بھلا خون کو نہ پہچانے
دونوں کے بدن شدت گریہ سے لرز رہے تھے۔ شہلا کی تو قوت گویائی آنسوؤں میں
گئی تھی۔ رواں رواں حیرت، مسرت اور بے نام اذیت سے بلک رہا تھا۔

یہ اس کی ماں جائی میمونہ تھی۔

اس کی چھوٹی پیاری سی بہن مونا۔ آج اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ جس کی ایک
دیکھ کر وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہی تھی۔ آج قدرت کی مہربانی سے اس تک پہنچ
سوکھے بنجر وجود کو سیراب کر رہی تھی۔ اس میں تو کوئی سوال کرنے کا بھی یارا نہ تھا۔
کچھ بولنا چاہتی تو بس لب کانپ جاتے اور آنسو رواں ہو جاتے۔

مونا ہی بول رہی تھی۔

"آپی! تم اسپتال سے نکلیں میں گاڑی سے اتر رہی تھی۔ پہلے تو شک ہوا پھر جیسے دل رک
گیا۔ پھر دل نے صدا لگائی کہ یہ تم ہی ہو آپی پھر تمہیں میں نے رکشہ میں بیٹھتے دیکھا اور جیسے مجھے
ایک دم ہوش آ گیا میں نے گاڑی تمہارے پیچھے بھگائی مگر تمہاری گلی میں پہنچ کر کتنی دیر تک اس
عمارت کے باہر یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں ڈوبی رہی۔ شدت کرب اور شدت شوق نے
میرے اعصاب کو شل کر دیا تھا۔ یہ سوچ کر قدم بھاری ہو جاتے کہ اگر مجھے دھوکہ ہوا پھر اور کبھی
[illegible] تا کہ اگر آپ ہی ہوئیں تو پھر۔"

مونا کی آواز پھر آنسوؤں میں ڈھل گئی۔

زینہ سکتے کی کیفیت سے نکل آئی تھی اور دروازہ بند کر کے قریبی اسٹول پر بیٹھ کر ملاپ کا یہ
دکھا آنسوؤں سے بھیگا منظر دیکھتی رہی۔

اسے خود احساس نہیں تھا کہ ایک جھرنا خوشی کا اس کی آنکھوں سے بھی رواں تھا جو بے
آواز بہہ رہا تھا۔

"مونا! میری جان مجھے تو اب تک یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم میرے پاس ہو، مجھ سے اتنے
قریب ہو، میں تمہیں چھو سکتی ہوں، چوم سکتی ہوں، سینے سے لگا سکتی ہوں۔"

"آپی۔" مونا اس کے شانے سے ایک بار پھر لگ گئی اور وہ پاگلوں کی طرح اس کے بالوں کو
چومنے لگی پھر اس کا سر اٹھا کر ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بڑی محبت سے بھیگی بھیگی مسکراہٹ
لیے یہ چہرہ تکنے لگی۔

"اسپتال تم کیا کرنے آئی تھیں اور یہ لاہور میں کیسے آ گئیں اور اس دن وہ آئس کریم پارلر
میں کون تھا تمہارے ساتھ؟"

"آئس کریم پارلر؟" مونا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں بہت دن ہو گئے جب میں نے تمہیں دیکھا تھا کسی بہت پیارے ساتھی کے ہمراہ۔
مسکراتے ہوئے پراعتماد اور خوشحال، تم اس دن بہت پیاری لگ رہی تھیں مونا۔ اتنی زیادہ پیاری
۔ مگر میں باوجود چاہنے کے تمہیں چھو نہ سکی۔ تمہیں پکار نہ سکی۔"

شہلا نے کرب سے لب بھینچ لیے مونا کا دل غم سے پھٹنے کو ہو گیا۔

"کیوں، کیوں مجھے نہیں پکارا۔ اگر..... اگر..... آپی میں تمہیں آج نہ دیکھ لیتی تو تم مجھے کبھی
نہ ملتیں ہے نا۔" شہلا نے نظریں جھکا لیں۔

"شاید۔"

"مونا کتنی دیر اس کا چہرہ تکتی رہ گئی پھر دھیرے سے بولی۔

”عالیہ باجی سے پتا چلا تھا کہ تم دوسرے دن آئی تھیں اس کے پاس اور۔۔۔ اور۔۔۔
مونا کے بقیہ الفاظ اس کے اپنے سینے میں گھٹ کر رہ گئے۔ وہ نظریں اٹھا کر شہ
سکی اور شہلا کا ہاتھ اس کے وجود پر لرزنے لگا۔ ندامت کی اذیت اس کی روح پر کچو
لگی۔

”تم۔۔۔ تم پھر واپس گھر کیوں نہیں آ گئیں آپی، بولو تم پلٹ کیوں گئیں اور یہ۔۔۔
بنالی ہے۔ مجھے بتاؤ آپی تم پر کیا کچھ بیت گئی؟“
مونا اسے جھنجوڑنے لگی اس نے نرمی سے اس کے ہاتھوں کو ہٹا دیا اور بیڈ
ایک نظر زنیرہ پر ڈالی پھر اس کی طرف منہ کر کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔
”وہ سب کچھ سن کر کیا کرو گی مونا۔ خوشی کا بس ایک لمحہ تھا جو دبے پاؤں گز
پچھتاوے جھولی میں ڈال کر۔“ اس نے الماری کو تھام کر اس پر سر ٹکا دیا۔ دل چاہ رہا
ٹکرا ٹکرا کر اسے اپنے ماضی کے ایک لمحے کی روداد سنائے کہ وہ کس کس طرح جلی ہے
”مونا شکستگی کا عذاب موت سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پچھتاوے انگارے
عمر بھر سلگتے رہتے ہیں اور روح کو سلگائے رکھتے ہیں۔ میں بھی اس دن سے مسلسل ایک
جل رہی ہوں۔“
”ایک آگ میں تو ہم سب ہی جلتے رہے ہیں آپی اور یہ آگ بابا کو اور اماں کو تو جلا
کر گئی۔“
شہلا کی روح میں جیسے نوکیلا نشتر چبھ گیا۔
”ہم نے بھی دکھوں میں گھر کر دکھوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پایا ہے آپی۔ آپ
ہوتیں تو اماں ابا کی روح کو بھی قرار آ جاتا۔ وہ بھی صبر کر لیتے مگر جب یہ خبر ہوئی کہ آپ
عالیہ کے پاس آئی تھیں۔ بس وہ کانٹا ان کے سینوں میں گڑ کر انہیں مار ہی گیا آپی۔“
”یوں راہ چلتے ہوئے بھی خوشیاں یا محبتیں ملی ہیں کسی کو؟“ اس نے رخ موڑ کر مو
سے لپٹا لیا۔ ”یہ راہ چلتی محبتیں سکھ کی نہیں دکھ کی گھنگھور گھٹائیں لے کر آتی ہیں۔ ا
بے غرض محبتیں بہت کم ہیں۔ بے لوث چاہنے والے ناپید۔ اگر راہ چلتے محبتیں مل ج
چاہتوں اور محبتوں کے قمقموں سے جگمگا رہا ہوتا۔ یہ دنیا اتنی خوفناک نہ ہوتی۔ ہما
اور کتنی نفس کی کمزور جذباتی لڑکیاں جہنم میں گر چکی ہوں گی اور کتنی ہوس کو محبت
نفس پرستی کے ہاتھوں اجڑیں گی۔“
زنیرہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دونوں کو تھام کر بیڈ پر بٹھا دیا اور کولر سے ٹھنڈا پانی بھر

۔۔۔ نے ایک سانس میں خالی کر دیا جیسے برسوں کی پیاسی ہوں۔
”ڈاکٹر شکیل ہمایوں شوہر ہوتے ہیں میرے۔ ہم ایک سال سے ہی یہاں شفٹ ہوئے
پانی پی کر مونا کی حالت قدرے سنبھلی تھی۔ وہ اب اطمینان سے بول رہی تھی۔ شہلا بیڈ
کے پٹی پر کمر لگا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی شادی کا سن کر وہ مسرت سے کھل اٹھی۔
”خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔“
اور نہ جانے کیوں مونا اس دعا پر اداس ہو گئی۔ ”تم کیوں اجڑ گئیں آپی۔ تمہارے راستوں
میں اتنا بہت سا اندھیرا کیوں پھیل گیا؟“ وہ دانتوں میں لبوں کو جکڑ کر شکن آلودہ چادر پر انگلیاں
پھیرنے لگی پھر جیسے گھبرا کر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھنے لگی۔
”شکیل میرا مطلب ہے تمہارے میاں کو خبر ہے کہ تم یہاں ہو؟“ شہلا اس کے چہرے کے
اثرات سے اس کی اچانک کھلنے والی پریشانی محسوس کر کے بولی۔
”نہ۔۔۔ نہیں آپی۔ انہیں خبر کیسے ہو گی؟“
”اب تم جاؤ مونا۔ ظاہر ہے وہ تمہیں گھر نہ پا کر پریشان بھی ہو گا اور۔۔۔۔۔۔“ شہلا کی آواز بھرا
گئی۔ مونا کا دل بھی سینے کے اندر جیسے دب کر رہ گیا۔
”آپی۔“ اس نے اپنے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھ دیے جسے شہلا نے تھام کر اپنے سلگتے
لبوں سے لگا لیا۔
”ابھی تو بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ ابھی تو کچھ پوچھا ہے نہ کچھ کہا ہے۔ تمہیں غور سے دیکھا
بھی نہیں ہے۔ ایک عرصے کی پیاس بجھانی ہے آپی اور میں چلی جاؤں۔“
شہلا افسردگی سے مسکرائی۔
”پگلی۔۔۔ پھر کیا آؤ گی نہیں؟“
”کیوں نہیں، میں کل ہی آؤں گی۔ میں مُنّی آپا کو بھی اطلاع کروں گی۔ کراچی میں۔“
”نن۔۔۔ نہیں مونا۔ ایسا مت کرنا خدا کے لیے۔“ وہ لرز اٹھی۔ اس کا دل تیزی سے
دھڑکنے لگا پھر جیسے چونک کر بولی۔
”منی آپا۔ وہ، وہ کیسی ہیں؟ ٹھیک تو ہیں نا؟“ اس کے تصور میں منی آپا کا مہربان وجود لہرا گیا۔
”وہ میٹھی میٹھی نصیحت آمیز باتیں۔
وہ دھیما دھیما فلسفہ۔
تنبیہی انداز۔
”ان کا بہت پیارا بیٹا ہے۔“ مونا بولتے بولتے اچانک کچھ سوچ کر رک گئی۔ شہلا نے اسے

دیکھا وہ شہلا کے پیروں پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔

"جاؤ مونا۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے وجود سے میری ذات سے ایک بار پھر تمہارے بستے گھر کو آگ لگ جائے۔"

"شہلا آپی یہ کیا کہہ رہی ہو؟" وہ تڑپ کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب تھا۔ شہلا آہستگی سے ہنسی۔

"میں خوابوں میں رہنے والی لڑکی اب بہت زیادہ حقیقت پسند ہو گئی ہوں مونا۔ ... نا۔ اگر ممکن ہو سکے تب ہی۔ اپنے شوہر کی اجازت سے اور ہاں مونا اسے میرے بارے میں بھی نہ بتانا۔"

مونا بیڈ سے اتر کر بیسن کے نل سے منہ دھونے لگی۔ زنیرہ نے اسے تولیہ دیا مگر وہ دھیانی میں اپنے دوپٹے کے کنارے سے ہی منہ رگڑتی رہی۔ اس کا ذہن شہلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہیں رہ جانے کو چاہ رہا تھا۔ شہلا سے اب جدائی گوارا نہ تھی۔

دوسری طرف اپنے شوہر کا خیال تھا۔ کتنی مجبور ہوتی ہیں عورتیں۔ گھر کی ایک ایک عمر بھر چنتی رہتی ہیں پھر بھی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی روزن، کوئی شگاف نہ رہ جائے کوئی آندھی سے گھر نہ ڈھے جائے۔

اپنا غم اسے اپنے ہم سفر سے چھپانا تھا۔ وہ ماضی جو بے حد اذیت ناک تھا مگر اس کی ایک سانس سے بندھا ہوا تھا۔

کاش منی آپا اور سکندر یہاں ہوتے تو وہ ان سے لگ کر شہلا کا غم تو رو سکتی۔

"میں کل آؤں گی آپا اور ضرور آؤں گی۔" اپنی چادر اوڑھتے ہوئے وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔ ایک بار پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں مگر گہری خاموشی دونوں کے درمیان رہی اور اس خاموشی میں ایک آنسوؤں کی زبان جاری رہی۔

"ارے۔ میں نے تمہیں زنیرہ سے تو ملوایا ہی نہیں۔" شہلا اس سے الگ ہو کر زنیرہ کی طرف مڑی۔ "یہ زنیرہ ہے مونا مگر اتنی جلدی اس کا تعارف ممکن نہیں ہے۔ یوں سمجھو یہ موتی ہے جس نے مجھے اس گندی دنیا میں روشنی کا احساس بخشا ہے۔"

مونا نے بھیگی بھیگی مسکراہٹ کے ساتھ پوری دلچسپی سے زنیرہ علی کو دیکھا جس کے رخسار پر ابھی تک نمی کا احساس تھا اور سیاہ خوش نما آنکھوں میں چمکتا ہوا پانی کسی طلسماتی چراغ سا دکھائی دے رہا تھا۔

"تمہیں دیر ہو رہی ہے مونا۔" وہ شہلا کو مزید اپنی تعریف میں بولتا دیکھ کر جلدی سے مونا خوش دلی سے مسکرانے لگی پھر شہلا کو میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھا۔

"اللہ حافظ آپی۔" وہ پلٹی اور سرعت سے دروازے سے نکل گئی۔ یوں جیسے ابھی مزید کھڑی رہی تو پھر دل بکھر بکھر جائے گا۔ وہ واپس نہ شاید جا سکے گی۔

شہلا بھاگ کر دروازے تک آئی اور دور تک اسے سیڑھیاں اترتے دیکھتی رہی پھر اس کے اوجھل ہوتے ہی بالکنی میں جا کر کھڑی ہو گئی۔

وہ نیچے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی اور کار آہستگی سے چلتی ہوئی گلی سے نکل کر اس کی نظروں سے گم ہو گئی مگر وہ یوں ہی کھڑی اڑتی دھول کے غول کو دیکھتی رہی جیسے اس غول کے اندر مونا کا ہیولا ابھی تک نظر آ رہا ہو۔

"خود کو سنبھالو شہلا۔" زنیرہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ گہری سے سانس کھینچ کر اس کا نرم ملائم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پلٹی۔

"کتنی عجیب بات ہے زنی۔ وہ ملی بھی تو کب۔ جب زندگی میرے لیے بے کار شے ہو کر رہ گئی ہے۔ جب زندگی کی کشتی موت کے ساحل سے ٹکرانے کو بے تاب ہے۔"

"شہلا پلیز۔" وہ برا مان گئی۔ "ہر وقت ایسی فضول باتیں سوچتی رہتی ہو۔ آؤ۔" وہ اسے زبردستی تھامے کمرے میں لے آئی۔ "کتنا بخار ہو رہا ہے اندازہ ہے تمہیں کچھ؟" اس نے بالکنی کا دروازہ بند کیا اور چادر کھول کر اسے اوڑھا دی۔

"وہ کل پھر آئے گی زنی۔ بالکل اسی وقت۔"

زنیرہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"کل شام ہونے میں کتنے گھنٹے رہتے ہیں۔ ٹھہرو میں خود ہی حساب کرتی ہوں۔"

وہ انگلیوں سے حساب لگانے لگی۔ زنیرہ اس پر ایک نظر ڈال کر کچن میں چلی آئی۔ آج بڑے دنوں بعد وہ شہلا کے چہرے پر خوشی کی رمق دیکھ رہی تھی۔ ایک اطمینان جیسے بہت کچھ پانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

وہ خود بھی بے حد خوش تھی۔

اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خامشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے

تنہائی میرے چپکے سے کہے
اے عمرِ رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھ کو
رفتار کو اپنی دھیما رکھ
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
اے عمرِ رواں آ پاس میرے

زنیرہ نے کچن سے سر ذرا سا باہر نکال کر دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دی۔ شہلا آنکھ
موندے دھیرے دھیرے پیر ہلاتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔

○☆○

"لو دیکھو ذرا اس لڑکی کی عقل پر ماتم نہ کریں تو کیا کریں؟" تائی اماں نے اسے بڑ
خشمگیں نظروں سے دیکھا جو ایک طرف بیٹھی سڑ سڑ آنسو بہا رہی تھی۔ بالکل بھی تو دل آمادہ نہ
تھا غالب کے بغیر اتنا بڑا فنکشن ہوا اور پھر غالب بھی جس وجہ سے گیا تھا وہ غم اس سے بھلا
نہیں بھولتا تھا۔

"اچھا اب بس کرو بہت ہو گیا ہڑ کا۔ حد کرتی ہو کون سی رخصتی ہے تمہاری۔ یہ تو چھو
رسم ہے جو محض خاندان کے لوگوں کے ہونے کی وجہ سے رونق لگے گی۔" منجھلی چچی نے ا
فہمائشی انداز میں گھر کا اور آدھ کٹی ہوئی پیاز اور چھری فارحہ کو پکڑا کر کھڑی ہو گئیں۔

"عقل تو پہلے ہی اس لڑکی میں نام کو نہیں ہے کیا سمجھے گی۔ چھوٹی بھابی کہ بلا وجہ خو
کے دنوں میں بد شگونی پھیلا رہی ہو۔"

"اس میں بھلا بد شگونی کی کیا بات ہے؟" نیلی سخت برا مان کر دوپٹے کے کنارے سے آ
رگڑنے لگی۔

"بد شگونی کی ہی تو بات ہے۔" چچی جاتے جاتے پلٹ کر غصے سے بولیں اور کام من
نکل گئیں۔

"اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا ہے تائی ماں کہ گھر کا ایک فرد موجود نہ ہو اور اتنا بڑا فنکشن ہو
وہ اٹھ کر تائی ماں کے پاس جا بیٹھی۔

پیاز کے توسط سے فارحہ کو بھی آنسو بہانے کا موقع مل گیا تھا۔

تائی ماں بھی بیٹے کی جدائی اس کی آزردگی پر آبدیدہ سی ہو گئیں۔ انہوں نے نیلی کو اپنا

"اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تو کیا ہوا؟" وہ لڑکا خود سے نہیں آ رہا نا کوئی ہم نے پابندی

ے اس پر۔ بہن کی خوشی نہیں ہے اسے تو نہ سہی تم کیوں اس کے لیے دل جلا رہی ہو۔ خود ہی
دماغ درست ہو جائے گا تو آ جائے گا۔" تائی ماں نے کہا تو نیلی کا دل کٹ کر رہ گیا۔

انہیں کیا خبر کہ وہ بد تمیز لڑکا اس کا پیارا کزن اور بھائی ہی نہیں اس کا دوست بھی تھا۔ اس
کی شرارتوں سے وہ تنگ بھی تھی اور مسرور بھی۔ کتنا آزردہ ہو کر رہ گیا تھا۔

کتنا ویران ہو کر رہ گیا تھا شاہ پیلس اس کے بغیر جیسے ساری رنگینیاں، ساری مسکراہٹیں،
ساری روشنیاں وہ اپنے ہمراہ سمیٹ کر لے گیا ہو۔

مگر.....

وہ تو خالی ہاتھ ہی گیا تھا

"تائی ماں کیا یہ تاریخ آگے نہیں بڑھ سکتی؟"

"ارے۔" بھابی مانی کے پھیلائے ہوئے کھلونے سمیٹتے سمیٹتے ذرا ہنس دیں اور اس کے پاس
چلی آئیں۔ "تاریخ کیسے آگے بڑھے بے وقوف، دعوت نامے تقسیم ہو چکے ہیں۔"

"تو کیا ہوا، منسوخ بھی ہو سکتے ہیں۔ میں خود غالب سے بات کروں گی۔ وہ آئے گا تو ہی یہ
فنکشن ہو گا ورنہ۔" وہ صوفے سے اٹھ گئی اور پردے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ تائی اماں نے اپنا سر
پیٹ لیا۔

"ایک اسی گدھے لڑکے کی وجہ سے اتنے دعوت نامے منسوخ ہوں گے، دماغ درست ہے
تمہارا؟ اے سدرہ سمجھاؤ اسے۔ پاگل سمجھ رکھا ہے اس نے ہم سب کو۔"
تائی اماں انتہائی غصے میں آ گئیں۔

"ایک بات سمجھ میں آ کے نہیں دے رہی۔ لو یہ دیکھو ذرا یہ گڈے گڑیوں کا کھیل سمجھ لیا
ہے ساری دنیا کو اپنی حرکتوں سے نچا کر رکھ دیں۔" فارحہ اور بھابی نے بے ساختہ مسکراہٹ
چھپائی تھی۔

"میرا دل نہیں مانتا بھابی۔" وہ پھر سے بڑبڑائی تھی اور اپنے تئیں وہ ہلکی آواز میں بولی تھی مگر
آواز تائی ماں تک پہنچ چکی تھی۔

"جاؤ سدرہ۔ ذرا شاہ دل کو بلاؤ۔ اس لڑکی کا دماغ تو وہی ٹھیک کرے گا اور سنو اب کل کے
آوارہ لڑکوں کے نخرے سمیٹتے پھریں ہم۔ خاندان بھر میں بھلے ناک کٹ جائے یہاں دل کی مانتے
ہو۔ حد ہو گئی ہے ہم بزرگوں کے سامنے سر جھکا دیا کرتے تھے مجال ہے جو ایسے نخرے دکھائے
ہوں۔"

بھابی نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔ اس نے رخ پھیر لیا۔

"ہر شخص ہی تو یہاں اپنی کر رہا ہے میری چلی کون سی ہے۔" وہ پیر پٹخ کر کمرے سے
گئیں۔

"مجھے تو ہول اٹھ رہا ہے اب یہ طوفان قابو میں آجائے تو اچھا ہے۔" تائی اماں سر پکڑ کر
گئیں۔

"ارے نہیں امی۔ آپ فکر مت کریں۔ ویسے یہ واقعی شاہ دل کے قابو میں آ
بھابی انہیں تسلی دے کر کمرے سے نکل گئیں۔

○☆○

ہم بھی کیا لوگ ہیں خوشبو کی روایت سے الگ
خود پہ ظاہر نہ ہوئے تجھ کو چھپانے کے لیے
ترکِ دنیا کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ شخص
آگیا خواہشِ دنیا کو جگانے کے لیے

بڑے دنوں بعد شاہ دل نے اسٹڈی میں قدم رکھا تھا۔ سامنے رنگ' برش پھیلے پڑے تھے
اس کی نظر ایزل پر چسپاں تھیں۔ لائٹ براؤن کلر کے پردے کے پیچھے چھپی تصویر اس کے لیے
راحت جاں بھی تھی اور کرب جاں بھی۔

درد بھی تھی اور درد کا مرہم بھی
ظالم بھی تھی اور مسیحا بھی
اس سے سخت خفا اور متنفر بھی تھا
مگر
اسی کے خواب دیکھ رہا تھا

یہ خواب جو جانے کب ہماری بند پلکوں کے پیچھے چپکے سے دوڑتے چلے آتے ہیں اور زندگی کا
حصہ بن جاتے ہیں۔

اس نے پردہ اٹھایا!

اس کے اپنے ہاتھوں پینٹ کی ہوئی وہ دلفریب صورت سامنے تھی۔ جسے بناتے بناتے وہ
بار اذیت کی راہ میں گم ہوا۔ احساسِ جرم کے پاتال میں اترا۔

کتنی تلاش تھی اس چہرے کی کہ مل جائے تو ضمیر کا بوجھ ہلکا کرلوں۔
وہ درد جو دل پر لیے پھرتا رہا وہ کم ہو جائے
مگر

کیا خبر تھی
اس کا ملنا اس درد میں اضافے کا سبب بن جائے گا۔
وہ نا آسودگی کے جال میں عمر بھر کے لیے گرفتار ہو جائے گا۔ ایک انوکھا لذت آمیز درد کسک
بنا کر مل جائے گا۔

اس کی بھوری آنکھوں میں اس تصویر کو دیکھتے ہوئے شکووں کا رنگ بھی تھا اور پانے کی جستجو
بھی توانا ہوئی تھی۔

جب شوق سے بھولا ہے تو کیا بھول سے نکلے
مشکل ہے یہ قافلہ اس دھول سے نکلے
اک عمر سے عادت ہے میرے شام و سحر کی
اب کون تیری یاد کے معمول سے نکلے

"شاہ دل۔" بھابی نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا اور جیسے دم بخود رہ گئیں۔ ایزل پر
چسپاں زنیرہ کی دلفریب تصویر اور اس کے قریب کھڑا محویت سے اسے تکتا شاہ دل دونوں ہی ان
کے لیے حیرت کا سامان بنے تھے۔

○☆○

شاہ دل نے اپنے تئیں بہت سرعت کے ساتھ ایزل کا پردہ گرایا تھا اور رخ موڑ کر بھابی کو
دیکھا۔

"جی کوئی کام ہے؟" اس نے بغور ان کا چہرہ ٹٹولا۔ اپنے دل کا چور کچھ خفیف سا کر رہا تھا کہ
کہیں یہ راز آج طشت از بام تو نہیں ہو گیا مگر بھابی کے انداز میں بے پرواہی سی تھی۔ اسے
اطمینان سا ہوا۔

"کام بھی اہم بڑا کام۔" وہ مسکراتی اندر آگئیں۔

شاہ دل کا اعتماد لوٹ آیا۔ وہ بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے مسکرا دیا۔

"اچھا' فرمائیے کیا کام آ سکتا ہوں؟" اس نے بڑی آہستگی سے ایزل کا رخ ذرا سا موڑ دیا۔
مبادا ہوا کے زور سے پردہ اٹھ نہ جائے۔

بھابی دل ہی دل میں اس کے اعتماد کو سراہے بغیر نہ رہ سکیں اور ساتھ اپنے آپ کو بھی کہ وہ
کمال ضبط سے اپنی حیرت اور خوشی کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

"تم فارغ ہو تو امی جان (تائی اماں) یاد فرما رہی ہیں اور ذرا نیلی کو بھی سمجھاؤ بے کار کی ضد
پکڑے ہوئے بیٹھی ہے۔

"کیسی ضد؟" اس نے چونک کر پوچھا۔
"یہی کہ۔ غالب آئے گا تبھی منگنی وغیرہ کی رسم ہو گی ورنہ نہیں اور انگوٹھی نہیں پہنے گی۔"
"یہ تو بہت بری بات ہے۔" وہ برا مان گیا۔ "چچی اور عمیر کی تو پہلی خوشی ہے یہ' اسے ا... فضول اور بچکانہ سوچ نہیں رکھنی چاہیے۔ چلیں میں دیکھتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکلنے لگا پھر یہ... سوچ کر رک کر پلٹا بھابی ہنوز وہیں کھڑی تھیں اسے رکتا دیکھ کر چونکیں۔
"آپ' ایسا کریں۔ اسٹڈی کو لاک لگا دیجیے۔ میں تائی اماں کے کمرے میں جا رہا ہوں۔" اس نے جیب سے چابی نکال کر ان کی سمت اچھال دی۔
"کیا بہت اہم خزانہ دفن ہے یہاں کہ اس کی ضرورت پیش آئی ہے؟" انہوں نے چابی کیچ کرتے ہوئے معنی خیز تبسم کے ساتھ کہا۔
"یہی سمجھ لیجیے۔ یوں بھی خزانہ صرف زر اور زیور ہی نہیں ہوتا۔" وہ شانے اچکا کر اٹھا... کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔
"بالکل۔ زن بھی تو ایک خزانہ ہے۔" بھابی اس کے جانے کے بعد بے اختیار ہنس دیں... دل میں عجیب سی گدگدی ہو رہی تھی کہ انہوں نے جو دیکھا ہے وہ صحیح ہے یا محض ان کا واہمہ اور اس وہم کو یقین میں بدلنے کے لیے وہ بھاگ کر ایزل کے پاس آئیں اور پردہ اٹھا کر دیکھا... رگ رگ میں انوکھی خوشی لہریں لینے لگی۔
وہ بلاشبہ زنیرہ کا بڑا خوبصورت پورٹریٹ تھا جسے شاہ دل نے نہ جانے کن جذبوں میں ڈوب کر تشکیل دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ معصوم لبوں سے مسکراتی اپنی خوش نما آنکھوں میں ... جاگتی ان کے سامنے ہو۔ ہوں تو سار یہ اور میرا شک درست ہی تھا۔
انہوں نے جلدی سے پردہ دوبارہ گرا دیا اور کمرہ لاک کر کے چابی ملازمہ سے 'شاہ دل کو بھجوا کر خود اپنے کمرے میں آگئیں۔
اتنی بے پایاں مسرت اور حیرانگی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ ہائے شاہ ہے تم تو بڑے چھپے رستم نکلے' انہوں نے بیڈ پر بیٹھ کر پاؤں سمیٹ لیے۔ ایک خوشگواری سی روح میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔
وہ کھوئی کھوئی ساحر آنکھوں والی زنیرہ اپنے تمام تر جلوؤں سمیت ان کے تصور میں لہرانے لگی۔
میٹھے میٹھے چشمے کی مانند اس پیاری سی لڑکی نے شاہ دل کے پتھر دل میں شگاف ڈال دیا تھا۔ کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سوچا' مگر یہ نہیں جانتی تھیں کہ زنیرہ اپنے اس کارنامے سے خود بھی واقف ہے یا نہیں یا اس نے انجانے میں ہی اس چٹان کو توڑ ڈالا ہے کچھ بھی ہے۔ زبردست کام کیا ہے زینی تو نے۔
بھابی کے لبوں کی تراش میں بڑی خوبصورت مسکراہٹ ہلکورے لینے لگی۔
"یہ اکیلے اکیلے کسے یاد کر کے مسکرایا جا رہا ہے' کیا میرا تصور آپ کو اتنا حسین بنا رہا ہے؟"
ثاقب بھائی کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونک پڑیں۔
"جناب میں زندہ جاوید آپ کے سامنے ہوں تصور سے بہلنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ دراز ہوتے ہوئے مسکرائے۔
"اوہو۔ خوش فہمی دیکھیے لوگوں کی۔" بھابی نے رخ ان کی سمت کر کے کہا "میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔"
"بھئی میری موجودگی میں کچھ اور سوچنے کی کیا ضرورت ہے' مجھے دیکھو' مجھے سوچو۔" وہ ایک خاص انداز سے بولے۔
"اُفوہ۔ بات تو سنیے نا۔" وہ دانستہ ان کے موڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔
"سنایئے جناب۔ ہم تو اس کمرے میں آکر صرف سنتے ہی رہتے ہیں۔"
"اب اتنا جھوٹ مت بولیے۔" انہوں نے برا مان کر کہا تو ثاقب بھائی پر زور انداز میں ہنسنے لگے۔
"خیر۔ یہ تو اتنا ہی سچ ہے جتنا آپ کا میری بیوی ہونا' مانی اور طوبیٰ کی اماں حضور ہونا اور۔"
"بس۔ بس۔" سدرہ بھابی نے ہنسی روکتے ہوئے جلدی سے انہیں روک دیا اور پھر ذرا ان سے دور ہوتے ہوئے بولیں۔
"ثاقب! ایک حیرت انگیز' بلکہ مسرت آمیز انکشاف ہوا ہے آج۔"
"ماشاءاللہ۔ یہ تمہاری اردو خاصی سدھار دی ہے غالب نے۔ ذرا پھر سے کہنا مسرت آمیز۔ ویسے کیا انکشاف ہوا ہے جو اتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو۔ کہیں آج یہ انکشاف تو نہیں ہوا کہ میں یعنی ثاقب خان تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔" ثاقب نے ان کا نازک ہاتھ تھام کر کہا۔ تو وہ ان کے اس مجنونانہ انداز پر شرما گئیں اور کچھ بے وقت پٹڑی سے اترنے پر برا بھی مان گئیں۔
"سنتے ہی نہیں آپ تو' پھر بدنام مجھے کرتے ہیں کہ میری موجودگی میں آپ صرف سامع

ہوتے ہیں۔"

"اچھا' اچھا۔ کہو کیا انکشاف ہوا ہے آپ پر۔" وہ تکیہ گود میں دبا کر ہمہ تن گوش ہو

"ثاقب...... شاہ دل ہے نا۔ وہ زنیرہ سے..... بہت متاثر ہے۔"

ثاقب بھائی نے سر اٹھایا تو وہ گڑبڑا گئیں۔

"ہاں۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" انہوں نے بیک وقت سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا تو بھابی نے زنیرہ کے پورٹریٹ کا بتا دیا۔ جسے سن کر وہ واقعی دم بخود رہ گئے۔

"ہے تو واقعی حیرت انگیز انکشاف۔"

"اور مسرت آمیز بھی۔" بھابی کی باچھیں پھر کھل اٹھیں۔ خاصے سمجھدار ثابت ہو ثاقب بھی کہ انہیں سمجھانے کے لیے زیادہ لفظوں کی ضرورت بھی نہ پڑی تھی۔

"مسرت آمیز تو خیر ابھی میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ یکطرفہ بھی ہو سکتا ہے۔"

ثاقب بیڈ سے اتر گئے۔

"چلیں' یکطرفہ ہی سہی شکر ادا کیجئے۔ شاہ دل کے دل کا قفل کسی طرح تو ٹوٹا۔ مجھے تو رحم آتا رہتا تھا۔ شادی کے نام پر تو یوں بھاگتے ہیں جیسے کرنٹ لگا ہو۔"

"وہ تو اب بھی کرنٹ لگتا ہے۔" ثاقب بھائی نے انہیں یاد دلایا۔ "ابھی ہفتہ بھر پہلے اور تائی ماں نے اس سے بات کی تھی تو وہ برہم ہو گیا تھا اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل کہ 'اس موضوع کو اب بھول جایئے اور میری شادی کی خواہش کو بھی ختم کر ڈالیے۔"

بھابی کا ذہن بھی اسی طرف گیا تو لبوں کی مسکراہٹ دم توڑ گئی۔

"تو آپ کے خیال میں میری یہ خوش فہمی یا غلط فہمی ہے؟"

"کم فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" ثاقب بھائی ہنسے پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔ "میں سو ہوں اگر تمہاری بات درست ہے کہ اسے زنیرہ پسند ہے تو وہ اس موضوع پر بات کرنا تو شادی کے نام پر اتنا برہم ہونا کچھ سمجھ نہیں آتا۔"

"تو پھر! آپ کے خیال میں وہ فلرٹ کرنا چاہتا ہے محض زنیرہ کے ساتھ؟" بھابی کی آواز ہزار اندیشے تھے۔ ثاقب بھائی انہیں گھور کر دیکھنے لگے۔

"انتہائی احمق ہو تم۔"

"تو آپ باتیں ہی ایسی الجھی الجھی کر رہے ہیں۔ میری تو ساری خوشی ہی اڑا دی آپ نے" وہ بیڈ سے اترنے لگیں۔ ان باتوں نے حقیقتاً ان کی خوشی ملیامیٹ کر دی تھی۔

"اب میں تمہاری باتیں سن کر بریک ڈانس تو کرنے سے رہا۔ ویسے بریک ڈانس نہ سہی کوئی اپنی قسم کا کر سکتا ہوں بھنگڑا و نگڑا تمہارے ساتھ۔"

"بہت برے ہیں آپ۔ آپ کو تو بتا کر پچھتائی۔"

"ارے۔ رے۔ جا کہاں رہی ہو؟" انہیں دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر ثاقب بھائی سامنے آ گئے۔

"ذرا شاہ دل کو واچ تو کرنے دو۔"

"اوہو۔ یہ تم عورتیں بہت جلد باز اور بے صبری ہوتی ہو۔ وہ شاہ دل ہے جناب کوئی سدرہ نہیں کہ ایک نظر میں کھل جائے گی۔" انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اس چھوٹی سی عقل پر ماتم کیا۔

○☆○

تم واقعی اچھی لڑکی ہو یا مجھ کو اچھی لگتی ہو

چہرے کو ذرا اٹھاؤ تو

آنکھیں بھی چار کر دیکھو

غم چھوڑو دل کی بات کہو

تم ہنستی اچھی لگتی ہو

اسے کبھی کبھی بالکل یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے ابھی کہیں سے غالب آ نکلے گا اور ہنستا اپنے پر بازو لپیٹے گنگنائے گا اور وہ اس کی شرارتوں پر خفا ہوتے ہوئے بھی ہنس دے گی۔

اس نے وارڈ روب سے سارے کپڑے نکال کر بیڈ پر پھیلا رکھے تھے اور بے دلی سے ان کے سامنے بیٹھی تھی۔ خالی بیگ ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ جو اسے شاہ پیلس بھر کر لے جانا تھا۔ وہ نیلی کی منگنی سے ایک دن پہلے شاہ پیلس جا رہی تھی۔ جہاں وہ شاہ پیلس والوں کو اس خوشی میں شریک کرنے والی تھی۔ وہیں اس گھر جانے کا سوچ کر ہی اس کے دل میں مانوس درد ہلکورے لینے لگے تھے۔ اسے لگتا جیسے شاہ پیلس کی ہر ہر دیوار میں غالب کی شراتوں کے رنگ سجے ہوں۔ ہر شے میں اس کی مسکراتی آنکھیں ابھرتی دکھائی دیتیں۔ ہزار حوالوں سے اس کا ذکر آ جاتا اور وہ جڑتے جڑتے بکھرنے لگتی۔

اف خدایا' یوں بھی زندگی گزر سکتی ہے اس نے اچانک بیگ میں تین چار جوڑے ڈال کر اسے ایک طرف پٹخ دیا۔

یہ بھی شکر تھا کہ غالب نیلی کی منگنی میں شامل نہیں ہو رہا تھا ورنہ..... اس نے سوچا وہ

دکھاوے کو بھی مسکرا نہ سکتی۔ اپنی خوشی کسی بھی رویے سے ظاہر نہ کر سکتی۔ تم۔
موت مار دیا ہے غالب بے موت۔

باوجود سلیقہ مند ہونے کے اس نے سارے کپڑے یونہی وارڈروب میں ٹھونس
دوبارہ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ اسے آج غالب پر بے طرح غصہ آ رہا تھا جس
ساری خوشیاں خود سے وابستہ کر رکھی تھیں اور تاعمر تڑپنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا تھا۔

"تم ظالم ہو غالب۔ ظالم انسان۔ جب جانتے تھے کہ میں ہزار زنجیروں میں جکڑی
بس لڑکی ہوں' بے اختیار ہوں' پھر میرے اندر طلب کیوں جگائی؟ اور اب سارا الزام
دھرتے ہو۔ جبکہ خود میرے جذبوں کو ابھار کر تماشا بھی دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے
انسان' خود کو سمیٹنے کے لیے سب سے ناتا توڑ کر جا چھپے۔

اونہہ بزدل

کم ہمت

فرار اور بزدلی کا راستہ خود اپنایا ہے اور بزدل مجھے کہتے رہے ہو۔ مجھے دیکھو
بہادری سے اپنی عزت کی بقا کی جنگ لڑ رہی ہوں سب کے درمیان ناآسودہ ہونے کے با
بول رہی ہوں بکھر بکھر کر پھر جڑتی ہوں اور جڑ کر پھر ٹوٹتی ہوں۔ تم سات سمندر پار۔ ا
سے چھٹکارا پانے چلے گئے۔ بزدل ظالم اور خود غرض تم ہو غالب۔ صرف تم۔"

وہ انتہائی دکھ سے اسے برا بھلا کہتی رہی یہ اور بات کہ وہ پھر بھی دل کے اندر بستا رہا
رہا دھڑکن بن کر اس نے کرب سے لبوں کو بھینچ لیا۔

بے بسی جب حد سے زیادہ بڑھ جائے تو وہ آدمی کو اندر سے جھلسانے لگتی ہے اور سا
بھی جھلس رہی تھی۔

"جا رہی ہو آپی؟" مصدق نے کمرے کے اندر جھانکا تو وہ اپنی سلگتی سوچوں سے نکل
سر اٹھا کر مصدق کو دیکھا۔

"ہاں۔" زبردستی لبوں کو مسکراہٹ سے سجا لیا۔ وہ بیڈ سے اتر گئی۔

"واہ آپی' آپ کے تو عیش ہیں میرا تو..... یہ اسکول اُف۔" وہ اس کے بیڈ پر بیٹھ گیا ا
حسرت بھری آہ کھینچی۔ "کاش۔ آپی یہ اسکول وسکول کے چکر ہی نہ ہوتے۔

وہ بے اختیار مسکرا دی۔ "اگر اسکول وسکول نہ ہوتے تو تم انجینئر کیسے بن سکتے ہو
سلجھے سلجھے انسان کیسے بنتے۔" اس نے پیار سے اس کے بال بگاڑ دیے اور بیگ کی
کرنے لگی۔

"میں بزنس مین بنوں گا آپی۔" مصدق جلدی سے بولا۔

"تو جناب اس کے لیے بھی پڑھنا ازحد ضروری ہے اور جناب آپ تو' کل تک انجینئر بننے
کے خواب دیکھ رہے تھے یہ یکایک بزنس مین ہونے کی کیا سوجھی۔"

"میں اس روز شاہ دل بھائی کے آفس گیا تھا۔ آپی کیا آفس ہے ان کا۔ واہ۔ زبردست۔ بس
بیٹھے بیٹھے فائلوں پر سائن کرتے رہو اور سب پر حکم جماتے رہو۔" مصدق کی آنکھوں میں
... بھری تھی۔ سائرہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔

"اور کافی پر کافی پیتے رہو۔"

"کوئی نہیں' آفس میں یہ لوگ صرف یہی کام نہیں کرتے رہتے۔ دماغ بھی چلانا پڑتا ہے۔"

"چلو اٹھو۔" وہ اسے چپت مار کر ہنسی اور اس کے ساتھ کمرے سے نکل کر دادی کے کمرے
کی طرف بڑھی مگر ان کے دروازے پر لمحہ بھر ٹھٹک گئی۔ اندر سے خاصی تیز تیز بولنے کی آوازیں
آ رہی تھیں۔

"آپ کی ساس یعنی رئیسہ آنٹی کا فون آیا تھا کچھ دیر پہلے' اب دادی حضور انہیں ہی برا بھلا
کہہ رہی ہیں۔" مصدق نے اسے تشویش میں دیکھ کر بتایا تو وہ چونکی۔

"لگ۔ کیوں۔ کیا ہوا کوئی بات ہوئی تھی ایسی؟"

"پتا نہیں۔" وہ شانے اچکا کر دوسری طرف چلا گیا اور وہ سنبھل کر دروازہ کھول کر اندر

امی اور ابو بھی اندر ہی موجود تھے اور دادی اپنے بیڈ پر بیٹھی جانے کس بات پر اتنی برافروختہ
ہو رہی تھیں۔ اس کا دل اندر ہی اندر لرز کے رہ گیا۔

"اور دیکھو۔ ایسا کبھی دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ یہ تو بالکل انوکھی ہی کرنے چلی ہے۔ بہن ہے تو کیا
جو دنیا میں ہو رہا ہے وہی دستور اسے بھی کرنا چاہیے۔"

"فاصلے ہی اتنے زیادہ ہیں اماں' اس پر وقت کی کمی' ہزار مصروفیات' پھر یہ ساری شرائط
ممکن نہیں۔" مظفر شاہ اخبار ایک طرف ڈال کر بولے۔

"تو ایسے کون سے فاصلے ہیں' مانسہرہ کسی اور دنیا میں ہے کہ وہاں سے آنا جانا مشکل ہے اور
ایک بات ہے۔ دیکھو ذرا۔ اس بچی کی انگلی میں ایسی اپنی اترن باسی انگوٹھی ڈال کر چلتی
شرم نہیں آئی اسے۔ کیا لاہور میں زیورات کی دکانوں کی کمی ہے۔ ایک چھوڑ دس خرید سکتی
دادی نے سائرہ کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی کو بغور چشمے کے اندر سے دیکھا۔ "ایک نگینہ بھی نکلا
ان کے اس انداز اور جملے پر مظفر شاہ ذرا سا چڑ گئے جبکہ سائرہ نے مسکراہٹ چھپانے

کے لیے چہرہ جھکا لیا تھا۔
"چلو میں تو اس پر بھی چپ رہی مگر وہ تو خمیر لگے آٹے کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ اگر
اس کا مطلب ہے جوتے مارے ہمارے سر پر۔ کیا صاف ٹکا سا کہہ دیا صباحت سے کہ اب
ونگنی کی کوئی رسم نہیں کروں گی۔ اصل بات تو زبان کی ہوتی ہے۔ اے بی بی میں خوب
رسم ہوتی تو بہو کی انگلی میں نئی انگوٹھی پہنانی پڑتی' جوڑے دینے پڑتے اور کچھ نہیں تو
یہاں تک آنے والوں کا کرایہ۔"
صباحت نے سر اٹھا کر ایک نظر ساس کو دیکھا پھر دوبارہ جھکا کر میاں کے شرٹ کا بٹن
لگیں۔ وہ ان معاملات میں اب بھی زبان کھولنے سے خوفزدہ تھیں عشرت بیگم کا کچھ
تھا۔ آج وہ رئیسہ بیگم کو کوس رہی تھیں۔ کل پھر گن گانے لگتیں۔
"واہ رے مظفر میاں' تمہارے چار پیسے اسے دکھائی دے گئے اور اپنا ڈھیر سارا
نظر آتا۔ وہ خون پسینے کی کمائی ہو گی۔ تم نے درخت سے لٹکے نوٹ توڑے ہیں کیا؟"
"اوہو۔ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں اماں آپ بھی۔ یہ تو بتائیے۔ فون پر ان
بات ہوئی۔ شادی کے سلسلے میں؟" مظفر شاہ اکتا کر بولے۔ ان میں بیوی جتنا صبر کہاں تھا۔
"شادی کی تاریخ رکھ دی تھی۔" دادی نے پاندان ایک طرف پٹخا اور سخت ناراضی کے
میں اطلاع دی۔ "سن لو اب فون پر موا ان تاروں سے شادی کی تاریخیں طے ہونے لگیں
نے تو برا بھلا کہا اسے' مگر اس نے میری ہر بات کو مذاق سمجھ لیا ہے۔ خاندان کی ہی بات ہے
نکلا بے غیرت خاندان ہے ہمارا جس کے نہ طور' نہ طریقے۔"
"چھوڑیں اماں۔ اب وقت بہت بدل چکا ہے' بات بات کو عزت کا مسئلہ نہ بنا لیا کریں۔"
صباحت بیگم نے بے اختیار نظریں اٹھا کر مظفر شاہ کو دیکھا۔ جیسے یقین نہ آیا ہو یہ جملہ
کے منہ سے ادا ہوا ہو۔ ناک کے نیچے نہ دیکھنے والا شخص۔
"اے لو۔ عزت کا مسئلہ کیسے نہ بناؤں۔ زمانے کو رہنے دو ایک طرف۔ کیا آج کے
میں ایسے بے ڈھنگے طریقے ہیں کہ بہو کی انگلی میں دو ٹکے کی اپنی اترن پہنا کر چلتی بنے
لیے منہ پھاڑے بیٹھی ہے۔ شادی کی تاریخ موئی ان تاروں کے ذریعے رکھی جائے
اس رئیسہ کو بھی۔ دو منٹ میں دماغ درست نہ کر دوں تو۔"
"نہیں اماں۔ آپ کچھ نہ کہیے گا بے کار ہے۔" مظفر شاہ برہمی سے بولے۔
"لو۔ کیوں نہ کہوں۔ میں تو ضرور کہوں گی' سمجھ کیا رکھا ہے اس نے' ہیرے جیسی
رہے ہیں کوئی ٹھیکرا تو اٹھا کر نہیں دے رہے۔" دادی بھی ضدی لہجے میں بولیں تو صباحت

میاں کی صورت دیکھی جہاں پہلے ہی دادی کے لہجے کی سنگینی نے تشویش بھر دی تھی۔
"آپ بھی بات سمجھتی نہیں ہیں۔ ہم بیٹی والے ہیں یہ اکڑ دھکڑ نہیں چلے گی اب۔"
دادی نے چونک کر بیٹے کی شکل دیکھی۔
"اب زمانہ بہت بدل گیا ہے اور پھر یہ سب فون کی سہولیات' وقت اور پیسے کی بچت کے لیے
ہی ہوئی ہیں۔ حرج ہی کیا ہے کہ یہاں دس لوگوں کو لے کر آئیں اور تاریخ طے ہو یا فون پر
بات ہو جائے' ہوئی تو آپ کے اور ان کے درمیان ہی ہے بات چیت۔"
مظفر شاہ کی باتوں نے صباحت بیگم کو ششدر کر دیا۔ اس قدر تبدیلی اس چٹان صفت انسان
انہیں یقین نہیں آیا تھا پھر ان کا دل ہنس دیا۔ چلو بیٹی کا باپ بن کر ہی تم نے بھی نیچے تو
لیا۔
آدمی خود کو ہمیشہ کبھی نہ جھکنے والا خیال کرتا رہتا ہے مگر حالات اسے کسی نہ کسی موڑ پر جھکنے پر
مجبور کر دیتے ہیں اور آج مظفر شاہ کے لہجے کا لوچ' ہر بات میں درگزر کرنے کا خیال بڑا دلچسپ مگر
اذیت ناک بھی محسوس ہو رہا تھا' صباحت شاہ کو۔
دلچسپ اس لیے کہ یہ بالکل انوکھا' اور نیا نیا تھا اور اذیت ناک شاید اس لیے کہ انہوں نے
زندگی کے بہت سے قیمتی سال اس خواہش میں گزار دیے تھے۔
انہوں نے بٹن لگا کر شرٹ تہ کی اور کھڑی ہو گئیں تب نظر سائرہ پر اٹھی۔
"ارے تم گئیں نہیں ابھی تک؟"
"جی۔ وہ بس عادل کا ہی انتظار کر رہی تھی۔" سائرہ نے جواب دیا۔
"کہاں جا رہی ہے یہ؟" دادی نے چونک کر پوچھا۔
"آپ کو بتایا تو تھا نا' کل نیلوفر کی منگنی ہے۔ یہ شاہ پیلس جا رہی ہے۔" صباحت نے ساس کو
یاد دہانی کرائی تو وہ سر ہلا کر رہ گئیں مگر ان کے چہرے پر کچھ عجیب سا تاثر ابھر آیا۔
وجود میں بے نام سی جلن ہونے لگی۔
"بڑے ہی نصیب۔ گھر ہی گھر کے لوگ ہیں مگر رسمیں کیسی شان سے کر رہے ہیں۔ ایک یہ
جیسی ہے اپنی ہی اترن پہنا کر اکڑ رہی ہے۔" ان کا ماتم پھر شروع ہو گیا۔ مظفر شاہ اخبار
کمرے سے نکل گئے۔
"بھی تو آپ ہی کا فیصلہ تھا' صباحت ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گئیں۔ دل الگ کڑھ رہا تھا
مگر ساس کو ان کی غلطی کی طرف توجہ دلانا ایسا ہی تھا جیسے کانٹوں میں دانستہ الجھ

سائرہ' عادل کی گاڑی کا ہارن سن کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس کا دل البتہ داؤ
باتوں پر بالکل بھی اداس نہ ہوا تھا نہ صباحت کی طرح حسرتوں سے بھر گیا تھا۔ اس کا
دونوں عورتوں کے دکھ سے مختلف تھا۔ یوں بھی وہ ابھی تک رئیسہ آنٹی کی شکر گزار تھی
نے ان روایتی رسموں کو رونق نہ بخشی تھی۔ آسان تھا جلتے دل کے ہمراہ مسکراتے ہو
لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا۔

○☆○

"دیکھو روسٹ تیار ہے اور دوپہر کے چاول بھی بچے ہوئے ہیں۔ میں نے چند روٹیاں
کر رکھ دی ہیں اور ہاں ناشتے کے لیے بکس میں ڈبل روٹی بھی رکھی ہے۔" وہ اپنے بیگ
ضرورت کی چیزیں ٹھونستے ہوئے شہلا سے مخاطب تھی۔

"اوہو۔ میں سب دیکھ لوں گی تم فکر مت کرو۔"

"فکر کیسے نہ کروں۔ تم بالکل خود سے غافل ہو گئی ہو۔" اس نے سر اٹھا کر ایک نظر
ڈالی اور شہلا کی ہنسی کی ساتھ خود بھی ہنس دی۔

"فضول ہو پوری' اور ہاں یہ ٹیبلیٹ ڈنر کے بعد ضرور کھا لینا۔ بلکہ شام کی چائے کے
پی لینا تو بخار اتر جائے گا اور دیکھو صبح ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا۔" اس نے اس کی ٹیبلیٹ
رکھی اور الماری سے اپنی چادر نکال کر پلٹی مگر اسی وقت پیروں کے پاس ایک فائل آگری۔

"ارے' یہ کیا ہے بھئی...." اس نے جھک کر فائل اٹھائی اور بکھرے پرچوں پر نگاہ
شہلا لپک کر قریب آئی اور چیل کی طرح فائل اس کے ہاتھوں سے جھپٹ لی ساتھ ہی
کاغذ بھی جلدی سے اٹھا لیے۔

"تمہاری ہے؟"

"ہوں۔ بس یونہی کچھ کاغذات ہیں کوئی خاص نہیں۔" وہ پلٹ کر سنگھار میز پر فائل
کاغذ اسی میں رکھنے لگی۔ زنیرہ کچھ دیر اسے حیرانگی سے دیکھتی رہی مگر وقت کی کمی اور شہلا
چہرے پر کوئی خاص تبدیلی محسوس نہ کر کے وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔
شہلا نے فائل اپنے بیڈ کے ساتھ دراز میں ڈال کر لاک لگا دیا تھا۔
تمہاری رپورٹس وغیرہ تو نہیں تھیں یہ؟" اس نے چادر اوڑھتے ہوئے کچھ سوچ کر
شہلا نے سر ہلا دیا۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں؟"

"بھئی کلیئر تھیں' کیا بتاتی۔ ارے بابا اب گھورو تو مت' ایک تو تمہیں کسی بات

ہے۔ وہ بے چارہ شاہ دل بھی خوار ہو رہا ہے۔"
شہلا اچانک شاہ دل کا ذکر لے آئی تو وہ جھینپ کر پیچھے ہٹ گئی چہرے پر ایک رنگ آکر گزر

ہو سکے تو مونا کے ساتھ آج شام ہی کلینک چلی جانا۔" اس نے اپنا شولڈر بیگ اٹھاتے
ایک بار پھر اپنے اطمینان کے لیے اسے تاکید کی تو شہلا نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ کھسیا کر

کیا کروں۔ تم ہو ہی اتنی فضول لڑکی۔ اچھا اندر سے دروازہ بند کر لو اور ہاں۔"
اب کچھ نہیں' بس نکلو یہاں سے۔" اسے دروازے پر ٹھٹکتا دیکھ کر شہلا نے اسے باہر کی
دھکیل دیا تو وہ ہنستی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی۔
شاہ پیلس جا رہی تھی اور سب کے بے حد اصرار پر اسے آج رات یہیں رکنا تھا۔ کل نیلی
تھی اور سب لڑکیوں کا خیال تھا کہ وہ مل کر رت جگا کریں گی اور وہ سب کے اصرار پر اور
محبتوں کے آگے ہار گئی تھی۔ یوں بھی وہ بے حد خوش تھی۔ نیلی کی خوشی اس کی خوشی تھی۔
طور پر خود کو ان میں شامل کرنا چاہتی تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی کافی عرصے بعد خود اس کا
اس فنکشن کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتا تھا۔
زنیرہ" آخری سیڑھی پر قدم رکھا تو شمشاد بیگم کی آواز کہیں قریب سے ہی آئی۔ اس نے
سمت دیکھا وہ کچھ دور کھڑی اسے اشارے سے بلا رہی تھیں۔
"ذرا بات سننا۔" ان کا انداز خاصا رازدانہ سا تھا وہ حیران سی ان کے پاس چلی آئی۔ شمشاد
چھوٹی چھوٹی آنکھیں بڑی متجسس سی اور کچھ کھوجتی دکھائی دے رہی تھیں۔
"جی' خیریت؟" اس کے لبوں پر آپوں آپ مسکراہٹ رینگ گئی۔
"یہ دو دن سے جو لڑکی گاڑی میں آتی ہے اس کا شہلا سے کیا رشتہ ہے میرا مطلب ہے وہ
جو آتی ہے وہ کون ہے؟"
دنگ رہ گئی شمشاد بیگم کی اس قدر جاسوس طبیعت اور تجسس پر' پھر کچھ سوچ کر بولی۔
بہن ہے وہ شہلا کی۔" اس نے سچ بتانے میں قطعی کوئی عار محسوس نہ کیا اور شمشاد بیگم
کو دیکھا جہاں ردِعمل حسبِ توقع دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سناٹے کا شکار تھیں اور ٹکر ٹکر
دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ہنس کر اس کے بازو پر ہلکا سا ہاتھ مارا۔
"چلو چھوڑو مذاق مت کرو۔"
"مذاق نہیں ہے شمشاد آنٹی۔ سچ ہے یہ میمونہ شکیل ہمایوں شہلا کی سگی بہن ہے۔" اس

نے سنجیدگی سے کہا اور بس ایک نظر شمشاد بیگم پر ڈال کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ یہ تجزیہ
عورت کے اندر کس قدر ہوتا ہے وہ باہر نکل کر سر جھٹک کر ہنس دی۔ شمشاد بیگم کا چہرہ ایسا
تھا ہنسی تو آنی ہی تھی۔

○☆○

شاہ پیلس میں خوب رونق لگی تھی۔ دائیں اور بائیں طرف کے دونوں لان کے حصے
کل کے فنکشن کے مطابق انتظامات ہو رہے تھے۔ ادھر وہ سب بھابی کے کمرے میں ادھر ادھر
بیٹھی تھیں اور نیلی سے الجھ رہی تھیں۔
"میں پارلر وارلر نہیں جاؤں گی۔" نیلی کی یہی ضد تھی۔ فارحہ کو سب سے زیادہ غصہ
تھا اس پر۔
"بھوتنی بن کر بیٹھ جانا اتنے بہت سے لوگ دیکھیں گے مووی الگ بنے گی اور تمہیں
سا میک اپ کرنا آتا ہے۔"
"جی نہیں ابو نے کہہ دیا ہے مووی شووی نہیں بنے گی۔"
"چلو فوٹو تو ہوں گے نا۔" فارحہ نے زور دے کر کہا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے
لیا۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ مجھے حسین بنانے پر کیوں تُل گئے ہو؟"
"بھئی سچی بات ہے، عمیر کے لیے۔"
بھابی کی بات پر نیلی گلگوں ہو گئی۔
"بکیں نہیں۔"
"اور کیا نہیں تو وہ اتنا ڈیسنٹ بندہ اور تم لگو گی بالکل چغد آخر کچھ تو مقابلے پر آؤ کہ
وہی مقابلہ نہ جیت جائے۔" بھابی نے اسے چھیڑا اور کچھ مقابل پر آنے کا جذبہ بھی ابھارا
"اونہہ، اب وہ بھی کوئی اپالو نہیں ہے۔" وہ جل کر بولی تو اس کے اپالو کہنے پر وہ سب
ہنسی نہ روک سکیں۔
"تو تم بھی کوئی وینس نہیں ہو۔" فارحہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
"اچھا بس، اب سب کی بات مان لو نیلی۔" زنیرہ نے بحث سمیٹتے ہوئے اسے اپنے
سمجھانا چاہا۔ "ہم سب اتنی محبت سے کہہ رہے ہیں اور سب تمہیں وینس ہی بنانا چاہتے
تمہیں ایک ساتھ اتنے دل نہیں توڑنے چاہئیں۔"
گویا تیر نشانے پر لگا تھا وہ چپ سی ہو گئی پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"اچھا، ایک شرط پر جاؤں گی، کہ پارلر میں میرے ساتھ تم جاؤ گی ورنہ یہ لوگ وہاں بھی
میری ایک نہیں چلنے دیں گی۔" اس کی اس شرط پر بھلا کسے اعتراض ہوتا، سب نے رضامندی
دے دی۔
"شکر ہے اونٹ کسی کروٹ تو بیٹھا۔" فارحہ نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اوپر اٹھایا تو نیلی نے
جھنپ کر اسے زور سے دھکا دیا اس نے بیڈ سے گرتے گرتے جلدی سے زنیرہ کو پکڑ لیا اور سب
ایک ساتھ کھلکھلا دیں۔
دلہنیا روتی مت جانا
اپنے آنسو اپنی آہیں
ہم سکھیوں کو دے کر جانا
دلہنیا ہائے دلہنیا۔
"یہ کیا بے سرا پن ہے۔" نیلی نے فارحہ کو بری طرح گھورا ہاتھوں میں لگی مہندی کی وجہ
سے اسے ایک دھپ رسید نہ کر سکی تھی۔ وہ نہ صرف بے سرا ڈھول بجا رہی تھی بلکہ بے سرا گا
بھی رہی تھی۔
"میں کون سا کہیں جا رہی ہوں۔"
"کیا اسی بات کا دکھ ہے۔" سائرہ نے سر اٹھا کر اسے چھیڑا تو وہ جھینپ کر ہنس دی۔
"کوئی نہیں۔" وہ جلدی سے بولی اور جھک کر اپنے پیر دیکھنے لگی جس پر سائرہ مہارت سے
مہندی کا نفیس ڈیزائن لگا رہی تھی۔ اس کے دونوں شفاف سبک پیر تپائی پر دھرے تھے اور سائرہ
قالین پر بیٹھی تھی۔ اس سے ذرا فاصلے پر بھابی اور رابعہ اپنی مہندی سکھانے کے لیے عین پنکھے
کے نیچے دھرنا مارے بیٹھی، فارحہ کے بے سرے گانوں کو بھی یوں دلچسپی سے سن رہی تھیں، جیسے
کسی مشہور مغنیہ کی غزلیں۔ جبکہ زنیرہ اپنے دوپٹے کے کناروں کے بقیہ موتی پورے کر رہی تھی۔
"اب بس کرو بھی زنی۔ مہندی لگا لو تم بھی۔"
"رات کو لگا لوں گی۔ ابھی جلدی کیا ہے اور پھر آپ کی طرح مجھے کون سی بچوں کی فکر
ہے۔"
"اچھا ادھر آؤ۔ کوئی اچھا سا گانا بتاؤ بلکہ گاؤ بھی یہ فارحہ تو ڈھول جیسی آواز والی ہے، لگتا ہے
ڈھول ایک ساتھ بج رہے ہوں۔" بھابی نے فارحہ کو دیکھ کر شرارت سے کہا تو اس نے ڈھول
مارا نہیں ڈرایا تو وہ چیخ کر پیچھے ہٹیں۔
"خبردار۔ خبردار۔ میری مہندی خراب ہو گئی تو تمہاری خیر نہیں۔"

"ڈبل مار لگے گی' ثاقب بھائی سے بھی۔" زنیرہ نے ہنسی کے ساتھ کہا تو بھابی جھینپ گئیں
"مار کھاؤ گی۔"
"آں' ہاں' مشکل ہے' مہندی آپ کو بہت پیاری ہے۔" وہ سوئی ریل میں ڈال کر ہنسی اور
کھول کر معائنہ کرنے لگی۔
"زبردست لگ رہا ہے زینی۔" نیلی کی نظریں بھی اس کے پھیلائے ہوئے دوپٹے پر
گئیں۔ سائرہ نے بھی پلٹ کر دیکھا۔
"تمہارا اس سے بھی پیارا ہے۔" اس نے نیلی کو دیکھا تو وہ شرما کر ہنس دی۔
زنیرہ دوپٹہ تہ کر کے شاپنگ بیگ میں رکھ کر فارحہ کے پاس آ بیٹھی جو شادی بیاہ کے گانوں
کتاب پر جھکی ہوئی سروالا گیت ڈھونڈنے میں سرگرداں تھی۔
"اے سکینہ! تم بھی یہاں بیٹھ جاؤ کم از کم تالی پیٹنے کے تو کام آؤ گی۔ ان سب نے تو تھوپا
ہے اپنے ہاتھوں پر مہندی۔ جیسے کل برات ہی تو آنی ہے سب کی۔" فارحہ نے سکینہ کو پکڑ
لیا جو چائے اور ان سب کے کھانے کو' نمکو اور کباب سب ٹرے میں سجا کر لائی تھی جو چھوٹی چچی
نے بھیجی تھی۔
"نہ جی' وہ بڑی بی بی ناراج ہوں گی۔ ابھی دو کمرے صفائی کے رہتے ہیں چھوٹی آئی نہیں ہے
نا آج۔ برتن بھی اس کے حصے کے مجھے دھونے ہیں۔" وہ دامن چھڑا کر جھپاک سے کمرے
نکل بھاگی۔
"عمیر بھائی کے دوست ایسا اودھم مچا کر گئے تھے رات کو کہ اللہ کی پناہ۔ میں تو ان کے کمرے
کا حشر دیکھ کر چکرا کر رہ گئی۔"
رابعہ مہندی سوکھ جانے کے بعد زنیرہ کے برابر بیٹھ گئی۔
"بھنگڑا ونگڑا ڈالا تھا شاید۔" سائرہ نے مہندی کی کون کی نوک دباتے ہوئے دلچسپی لیتے
ہوئے پوچھا۔
"ایسا ویسا۔" رابعہ بولی۔ "یوں لگ رہا تھا جیسے جنگل کے سارے بادشاہ اسی کمرے میں جمع
ہو گئے ہوں۔"
"ہائیں۔ تم بھی اسی کمرے میں تھیں کیا؟" بھابی حیرت سے بولیں۔
"پتا تھا مجھے کیا۔ میں نے لان والی کھڑکی سے ذرا جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ سب عمیر بھائی کو پکڑ
کر بھی نچا رہے تھے' ہائے ایسی درگت بنائی تھی ان کی۔"
"ابھی تو منگنی ہے اور یہ عالم۔ شادی پر تو بے چارے عمیر بھائی کا کیا حشر کریں گے' دولہا بنے

دو گے یا نہیں۔" فارحہ کون اٹھا کر ہاتھوں میں ڈیزائن بناتے ہوئے یوں بولی تو
کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ نیلی خواہ مخواہ میں شرما کر رہ گئی۔
"اچھا اب کوئی اچھا سا گانا ہو جائے' کیوں زینی؟" سدرہ بھابی کی تان پھر گانے اور زنیرہ پر
ٹوٹی۔
"ہوں۔ گانا وانا۔ خود تو مہندی تھوپ کر بیٹھ گئیں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے انہیں دیکھا
تو وہ منہ پھاڑ کر ہنسنے لگیں۔
"تمہیں تو پتا ہے دو بچوں والی ہوں' پھر موقع ملے نہ ملے گانے کا۔ ذرا رنگ چڑھ جائے تو
اچھا ہے۔ اسے دیکھو یہ بھی تو ہاتھ پیر سجا کر بیٹھی ہے۔" انہوں نے رابعہ کی طرف اشارہ کیا۔
"ارے واہ۔ میں تو خوب لگاؤں گی۔ آخر کو میرے بھائی کی منگنی ہے۔" وہ اترا کر جلدی سے
بولی تو سب اس کی ادا پر "اوئے ہوئے" کرنے لگیں۔
"تم تو ایسا کرو بالٹی بھر مہندی میں ڈبکی لگا لو۔ آخر بھائی کی منگنی ہے اور اس روز نمایاں بھی لگو
گی۔" فارحہ نے اسے چھیڑا تو سب ہنسنے لگیں۔ زنیرہ کتاب سے کوئی ڈھنگ کا گیت چوائس
کرنے لگی کہ فارحہ جھٹ بولی۔
"ظالم نظروں سے نہ یوں دیکھو' یہ والا کیسا رہے گا۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے ظالم والم نظروں سے دیکھنے کی۔" نیلی نے رد کرتے ہوئے کہا۔
"دیکھو ذرا۔ کیسی مچل گئی۔ ٹھیک ہے بھئی ایسا گانا گائیں گے جس میں عمیر کا ذکر ہو اور محبت
بھری نظریں ہوں۔ یوں بھی ابھی سے ظالم نظروں کا وقت نہیں آیا۔"
"ہائے اللہ بھابی آپ تو بس۔" نیلی نے شرما کر بے اختیار دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔ سائرہ
چیختی رہ گئی۔ "مہندی خراب ہو جائے گی۔" شکر تھا مہندی صبح کی لگی تھی۔
"کس نام سے پکاروں کیا نام ہے تمہارا۔" زنیرہ نے مسکرا کر گانا شروع کیا تو بھابی ہنس دیں
اور معنی خیز نظروں سے نیلی کو دیکھا۔
"ہاں یہ ٹھیک رہے گا' یوں بھی اسے یہ گانا پسند بھی بہت ہے۔" انہوں نے زنیرہ کی
خوبصورت آواز کے ساتھ' آواز ملائی۔ نیلی شرما کر مسکرا دی۔

کس نام سے پکاروں کیا نام ہے تمہارا
کیوں تم کو دیکھتے ہی دل کھو گیا ہمارا

اس کی آواز بھی اس کے سراپا کی طرح اتنی ہی دل آویز تھی یا شاہ دل کو ہی دل میں اترتی
محسوس ہوئی تھی کہ وہ کامن روم میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹک کر رک گیا۔

تم خواب زندگی کی تعبیر بن کے آئے
میرے تصوروں کی تصویر بن کے آئے
آ ہی چکے ہو جب تم جانا نہیں دوبارہ
کس نام سے پکاروں، کیا نام ہے تمہارا"

سرخ اور بلیک پرنٹیڈ سوٹ پر ریڈ کلر کا بڑا سا دوپٹا اوڑھے جو شانے سے ہوتا ہوا قالین پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کی شرارت آمیز نظریں نیلی پر تھیں اور لبوں پر وہی دل موہ لینے والا تبسم جو شاہ دل کو شاذونادر ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ ازخود رفتہ سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ جبکہ وہ آیا تھا طوبیٰ کو بھابی کے سپرد کرنے مگر اب دل کے ہاتھوں اور محض اسے دیکھتے رہنے کی خواہش پر ذرا سا پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ اس کی بالکل غیر اختیاری حرکت تھی۔

دیکھو حسین کتنے چاہت کے سلسلے ہیں
محسوس یہ ہوا پہلے بھی ہم ملے ہیں
دنیا میں پیار کرنے ہم آ گئے دوبارہ
کس نام سے پکاروں، کیا نام ہے تمہارا

وہ ان حسین پر کیف لمحوں کے طلسم میں مکمل جکڑ گیا تھا۔ دل بھی تمناؤں کے سیل شوق میں بہنے لگا۔ وہ اس قدر دلربا تھی یا اسے اس وقت ہی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ یکدم اندر چلا آیا اور زنیرہ خان کی آواز بند ہو گئی جیسے کسی نے خوبصورت ساز کا گلا کاٹ دیا ہو مگر شاہ دل خان کے دل کے تاروں پر اس نے جو مضراب لگایا تھا اس سے نکلا ہوا گیت اب تک اس کے رگ و پے میں گونج رہا تھا مگر وہ بظاہر اس سے بے پروا نظر آنے کی کوشش کرتا ہوا بھابی سے مخاطب ہوا۔

"سمجھایئے اپنی دختر نیک اختر کو۔"

"ارے۔ اسے کہاں اٹھا لائے۔ میری تو مہندی بھی سوکھی نہیں ہے ابھی۔" طوبیٰ کو دیکھ کر بھابی پریشان نظر آنے لگیں۔ "ذرا لینا زنیرہ۔" انہوں نے زنیرہ سے کہا ایک وہی تھی جس کے ہاتھ مہندی سے خالی تھے۔ بھابی کے کہنے پر وہ لمحہ بھر کو سٹپٹا کر بھابی کو دیکھنے لگی پھر ناچار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ ایسا بھی کیا تھا وہ قالین پر بھی تو لٹا سکتا تھا اسے اس نے دل میں کڑھ کر سوچا اس کے سامنے جا کر دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ جن میں خفیف سی لرزش تھی۔

اس نے بڑی گہری نظر اس پر ڈال کر طوبیٰ کو اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں دیتے ہوئے اس کی نازک سبک انگلیاں اپنی گرفت میں لے لیں۔

بس ایک لمحہ لگا مگر زنیرہ کے دل پر قیامت بن کر گزر گیا۔ اس نے ہاتھ جھٹکے سے پیچھے

"اوہ ہوں، ذرا سنبھل کر۔" اس کے ہاتھ یوں پیچھے ہٹانے پر اس نے لب بھینچ کر جلدی طوبیٰ کو گرنے سے سنبھالا۔ اپنی شعوری حرکت کا رد عمل اس کے چہرے پر اتنا گلابی دیکھ کر اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ کوند گئی تھی۔

اتنا بھرا پرا کمرہ تھا، اس پر مستزاد بھابی کی نظریں بھی یہیں تھیں۔ اس نے سنبھل کر، طوبیٰ کو بیٹے کے انداز میں لے کر بھابی کے قریب قالین پر لٹا دیا۔

اس کے دل کی وحشت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

دل چاہا پلٹ کر یہاں سے بھاگ جائے۔

"آج آپ کی اولاد کو فٹ بال کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔" تیمور نے اندر داخل ہوتے ہوئے طوبیٰ کی طرف اشارہ کیا اس کے پیچھے عادل اور عمیر بھی تھے۔

"شکر کیجئے۔ میں بچا کر لے آیا۔" شاہ دل کا لہجہ بڑا شگفتہ سا تھا۔ ہولے سے وہ ہنس بھی دیا تھا۔

"عمیر کے دوستوں کے بقول یہ دنیا کی موٹی ترین بچی ہے۔" عادل نے بھی مزید گل افشانی کی بھابی کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔

"ہائیں۔ ایسی درگت بنائی ہے میری کانچ جیسی بچی کی۔" بھابی نے سب کی باتوں پر تڑپ کر قالین سے طوبیٰ کو اٹھا لیا۔ "دیکھوں ذرا۔ کیا حشر کیا ہے؟" انہوں نے اسے بازوؤں میں بھر کر ...تو سب کا برجستہ قہقہہ نکل گیا۔

ان لڑکیوں کی ہنسی بھابی کے ہاتھوں کا حشر دیکھ کر ابلی تھی جو اس ممتا بھری جذباتی حرکت پر اٹھا۔

بھابی کی ممتا بھی ٹھنڈی پڑ گئی، طوبیٰ بی بی تو بے نیاز ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھیں۔

"بے وقت کی محبت دکھانے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جایئے اب ہاتھ دھو آیئے۔" فارحہ نے ہنستے ہوئے جھک کر ان کے ہاتھوں کا حشر دیکھا۔

"یہ سب ان بدتمیزوں کی وجہ سے ہوا ہے۔" بھابی کا موڈ بگڑ گیا۔ وہ طوبیٰ کو اٹھا کر اسی تیوروں ...کمرے سے نکل گئیں۔

"آپ لوگوں کو ایسی زیادتی نہیں کرنی چاہیے تھی ان کے ساتھ۔" نیلی کا دل بھی بھابی کے ...تڑپنے لگا۔

"...ہم نے کیا کیا ہے؟" عادل نے شانے اچکائے اور نیلی اسے گھور کر رہ گئی۔

"لاؤ یہ ڈھول ادھر دو۔ تم لوگ بے کار میں اتنے فضول گانے گا گا کر خود خواہ مخواہ کی رو
بڑھانے کی کوشش کر رہی ہو۔" عادل نے ڈھول ایک طرف رکھا اور وہیں بیٹھ گیا۔

"تو اب فضول سے گانے گا کر تم رونق بڑھاؤ گے۔" یہ تیر فارحہ کو ہی لگا تھا چونکہ وہی
سے ڈھول پر مختلف گانے گا گا کر رونق بڑھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ارے ہم تو بلند پایا گلوکار ہیں۔ سنو گی تو عش عش کر اٹھو گی۔" اس نے کالر جھاڑے
تیمور بھی ڈھول لے کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا جبکہ عمیر اور شاہ دل بھی براجمان ہو گئے تھے۔
دل کی نظریں یونہی براؤن صوفے پر اٹھیں جو ان سب سے بے نیاز نظر آنے کی کوشش کر رہی
تھی اور خواہ مخواہ مہندی کی کون اٹھا کر اس کی نوک کا معائنہ کر رہی تھی مگر درحقیقت وہ اپنی
قرار دھڑکنوں کو گن رہی تھی۔ اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔
کے ہاتھ کا لمس اب تک انگارے کی طرح اس کی نرم انگلیوں پر دہک رہا تھا۔ اسے لگا جیسے کو
طوفان اسے چھوتا ہوا گزر گیا ہو۔ رگ رگ میں ہیجان خیز احساسات بیدار ہو کر ساحل دل پر
پٹخنے لگے تھے۔

ان سب کے اچانک کمرے میں ڈیرا ڈال کر ہنگامہ مچانے پر اسے خاصی تقویت ملی تھی
جبکہ شاہ دل یوں بے نیاز نظر آ رہا تھا جیسے ابھی کچھ دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ زنیرہ کے دل کو ام
نے نہیں جیسے کسی اور نے طوفان سے ہمکنار کیا تھا۔

"ہمارے دل کے سب ارمان دولہا بن کے نکلیں گے
رچے گی اپنی بھی شادی تو ہم بن ٹھن کے نکلیں گے"

تیمور کے ڈھول پر نکالے بے ہنگم سر پر عادل انتہائی بھونڈے انداز میں لہک لہک کر گا
لگا۔ لڑکیوں کی طرف سے "فضول۔ فضول۔" کا شور بلند ہوا مگر وہ دونوں ہمت ہرگز نہ ہارے او
مسلسل گاتے رہے بلکہ بجاتے رہے۔

"شادی کا آج ہم کو پیغام مل گیا
بے کار پھر رہے تھے کوئی کام مل گیا۔
اوئے اوئے شادی۔

نیلی اور سائرہ بے تحاشہ ہنس رہی تھیں جبکہ رابعہ اور فارحہ ان پر مسلسل ہوٹنگ کر رہی
تھیں مگر ان کی مہین سی آوازیں اتنی بھاری آوازوں تلے دب کر رہ جاتیں اب تو عمیر بھی تالیاں
پیٹ رہا تھا۔

"دنیا سمجھ رہی تھی کنوارے پھریں گے ہم
ہر بوجھ اپنے سر سے اتارے پھریں گے ہم
اوئے اوئے شادی"

"تمہاری شادی نہیں ہو رہی ہے جو اتنے خوش ہو رہے ہو۔" رابعہ نے آخر تیمور کے آگے
سے ڈھول کھینچ ہی لیا مگر وہ بدستور تالیاں پیٹ پیٹ کر گاتا رہا۔

"ہائے ہائیں۔ لو دیکھو ذرا۔ یہ پوری نااہل قوم یہاں دھری بیٹھی ہے۔" تائی اماں کی آواز
ابھری تو عادل اور تیمور کا ٹیپ بند ہو گیا۔ عمیر تو اتنا بوکھلایا کہ جلدی سے پردے کی طرف ہو گیا۔

"امی! آپ بے حد موقع پر آئی ہیں۔" لڑکوں پر یوں افراتفری مچتے دیکھ کر فارحہ کھلکھلا
اٹھی۔

"یہ کیا تماشا ہو رہا ہے یہاں۔ ہائیں۔ یہ تم بھی یہیں پر ہو۔" تائی اماں کی نظر عمیر پر پڑی تو
کھسیا کر چھپنے کی کوشش ترک کر کے پردے کی اوٹ سے نکل آیا۔

"تائی اماں ہم سب لڑکیوں سے پوچھنے آئے تھے کہ 'بازار وازار سے کچھ منگوانا تو نہیں تھا۔"
عادل نے ادب سے سفید جھوٹ بولا جس پر لڑکیاں اچھل پڑیں۔

"کیا کہنے سعادتمندی کے۔" سائرہ نے عادل کے جھکے سر پر ایک نظر ڈال کر مسکراہٹ
دبائی۔

"چلو' نکلو یہاں سے۔ یہ کام تمہارے ہیں ڈھول ڈھپوں کے۔" تائی ماں نے عادل کے کان
پکڑ لیے۔ "خوب جانتی ہوں تمہیں میں۔ اتنے سیدھے نہیں ہو تم۔"

"اُف۔ تائی امی۔" وہ بلبلا کر چیخنے لگا۔ "یقین کریں یہ میرے اپنے کان ہیں کرائے کے
نہیں ہیں تائی حضور۔ پکڑنا ہے تو عمیر کے پکڑیے یہ زبردستی یہاں لایا ہے ہمیں۔"

"کیا؟" عمیر نے اس کے صاف جھوٹ پر اسے مکا جڑ دیا۔

"اچھا بس۔ سب کو جانتی ہوں۔ ارے لو جس کام سے آئی تھی وہ تو بھول ہی گئی۔ کہاں ہے
زنیرہ بچی؟" انہوں نے اپنی یادداشت کو کوستے ہوئے زنیرہ کو پکارا "جانا' فون ہے تمہارا۔ ان
کمبختوں کی اوٹ پٹانگ باتوں نے تو بوکھلا ہی دیا مجھے۔"

زنیرہ مسکرا کر کمرے سے نکلتی ہوئی لاؤنج میں آئی۔ یہاں ریسیور ہولڈر پر رکھا تھا۔
دوسری طرف شہلا تھی خوب خوب چیخ رہی تھی چابیوں کا گچھا کہاں رکھ دیا ہے۔

"کولر کے پاس۔" اس نے اتنے اطمینان سے بتایا کہ شہلا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"ایمان سے زنی۔ دل چاہتا ہے تیرے سر پر یہی ریسیور بجا دوں۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آدھی رہ
گئی ہوں۔ یہ کولر کے پاس رکھنے کی کیا تک تھی۔"

""تک تو کوئی نہیں. تھی بس بے خیالی میں رکھ دی تھی اور ہاں تم ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا۔"
"اچھا بابا۔ ویسے یہ تم کس کے خیال میں تھیں؟" شہلا کی کھنکتی آواز ابھری تو اس نے ڈر
بھینچ کر ریسیور رکھ دیا۔ بدتمیز۔
"کیا ہوا خیریت۔" بھابی اسے دیکھ کر یہیں آگئیں۔
"ہوں۔ ہاں خیریت ہی ہے۔ شہلا کا فون تھا۔ ارے۔ آپ نے ہاتھ دھو لیا۔" اس کی
نظریں بھابی کی ہتھیلیوں پر گئیں جہاں آتشی رنگ بڑا دیدہ زیب لگ رہا تھا۔
"اسی طوبیٰ کی وجہ سے ناس ہو گیا۔ چلو خیر اب رنگ تو چڑھ آئے گا' کون سی اصل مہندیاں
ہیں آج کل سارا کیمیکل ہوتا ہے گھنٹہ بھر میں رنگ آجاتا ہے۔" بھابی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو
دیکھا پھر ہنس دیں۔
"ایک وقت تھا مہندی کا بہت جنون تھا' سارا سارا دن ہاتھ نہیں دھوتی تھی کہ کہیں رنگ
ہلکا نہ ہو جائے۔ اب اولادان چونچلوں سے زیادہ پیاری ہے..... کیوں؟"
زنیرہ مسکرا دی۔
"زینی۔" لاؤنج سے نکلتے ہوئے بھابی یکدم سنجیدہ ہو گئیں۔ کامن روم سے اب تک شور
اٹھ رہا تھا۔
"سب کتنے خوش ہیں. کتنی رونق لگی ہے شاہ پیلس میں مگر غالب کی کمی یونہی کی یونہی ہے۔
ہے نا؟"
زنیرہ کا مسکراتا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس نے بھابی کا چہرہ دیکھا اور ان کے پیچھے کھڑی سائرہ کا دل
جیسے سینے کی دیواروں میں پرزے پرزے ہو گیا۔ وہ اپنے کسی کام سے آئی تھی اور بھابی پکارتے
غالب کے نام پر درد کی اتھاہ میں ڈوب گئی۔
ہاں۔ اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے۔
وہ جتنا اس نام کو' اس شخص کو بھلانے کے جتن کر رہی تھی اتنا ہی وہ کسی نہ کسی حوالے سے
سامنے آجاتا۔
"لگتا ہے وہ سارے کے سارے وہیں دھرنا مار کر بیٹھ گئے ہیں۔" بھابی سائرہ کو دیکھ کر ذرا سا
چونکیں پھر مسکرانے لگیں۔
"جی' ممانی جان نے تو بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ یہ عادل اور تیمور کے آگے کسی کی چلی ہے؟
اوپر سے ثاقب بھائی بھی شامل ہو گئے ہیں۔" سائرہ خوش دلی سے بولی اور یہی تاثر دیا کہ اس نے
غالب کا ذکر سنا ہی نہیں ہے۔ فائدہ بھی کیا تھا' یوں بھی اس کا اور غالب کا رشتہ کچھ ایسا تھا کہ وہ

تنہا دد مرے فرد کی طرح اس کا ذکر کر کے اپنے دل بوجھ ہلکا نہیں کر سکتی تھی بلکہ اس شخص
کی یاد اس کے درد میں اضافے کا سبب بنتا تھا۔
اور اب تو تین ماہ بعد۔ وہ مکمل اس کی دسترس بلکہ اپنی بھی دسترس سے دور جانے والی تھی۔
بس تو خود کو تھا ہی۔ ماں باپ کی عزت کو' اپنے وقار کو' اور اپنے کردار کو بچانا تھا۔
"چلو دیکھیں ذرا کیا تماشا مچا رکھا ہے' آؤ زینی۔" بھابی اس کا ہاتھ تھامے کامن روم میں چلی
گئیں۔
عادل اور تیمور اشعار سنا سنا کر اور گانوں کا حشر نشر کر کے ثاقب بھائی کو مسلسل تڑپا رہے
تھے۔
"وہ دیکھو وہ دیکھو گلاب آگیا۔"
"ہاں۔ بس آگے کچھ نہ کہنا۔" ثاقب بھائی چلائے۔
"گلاب آگیا۔"
اور کمرہ قہقہوں سے گونجنے لگا۔
"ایمان سے تم لوگوں نے دماغ پچی کر کے رکھ دیا ہے اور میری طبع نازک پر الگ اتنے تابڑ
توڑ حملے۔" ثاقب بھائی نے ایک کشن عادل کو کھینچ مارا اور دوسرا اطمینان سے صوفے پر پھیلے شاہ
پر پھینکا۔ "تم ہی کچھ اچھی چیز سنا دوں یہ دونوں تو سوائے شاعروں کی روح تڑپانے کے اور کچھ
نہیں کر سکتے۔ یہ اپنے وقت کی انتہائی بھونڈی چیزیں ہیں۔"
"میں سناؤں گا تو بہت سے لوگوں کو دل تھامنا پڑے گا اور اپنا غصہ بھی۔" اس نے ثاقب
بھائی کی طرف سے پھینکا ہوا کشن پشت پر لگا لیا اور دروازے کے اندر قدم رکھتی زنیرہ کو دیکھا۔
"کیوں۔ ایسا کیا سنانے کا ارادہ ہے اور کس کو؟" بھابی نے اس کی بھوری آنکھوں کا تعاقب
کیا۔ معنی خیز انداز میں مسکرا کر ثاقب بھائی کی طرف دیکھا۔ جیسے انہیں بھی چونکانا چاہا تھا۔
"کس کو سے کیا مطلب ہے؟" ظاہر ہے آپ لوگوں کو ہی سنانا ہے۔" وہ بھابی کے چہرے پر
تبسم کو دیکھ کر سنبھل کر سیدھا بیٹھ گیا۔ زنیرہ کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر بڑے دلنشین
اشعار خوبصورت گیت خود بخود ذہن میں اترنے لگے تھے پھر وہی انا کا خول چٹخنے لگا تھا اور
بصورت اعتراف محبت کا جنون اڈنے لگا۔

ہم نے دیکھا نہیں زندگی کی طرف
رات ڈھلتے جب ان کا خیال آگیا
ٹکٹکی باندھ گئی چاندنی کی طرف

اس کی بھاری آواز میں اتنا جذبہ تھا اور ایک طرح کی شگفتگی تھی کہ زنیرہ خان خود سر
کر رہ گئی اور جلدی سے فارحہ کے پاس ذرا پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ گویا اس کی نشیلی آنکھوں کے
سے چھپنے کی ادنیٰ سی کوشش، مگر وہ تو لہجے اور لفظوں سے اس کے دل کی دنیا کو زیر و زبر کر رہا

جانے وہ ملتفت ہو کدھر بزم میں
آنسوؤں کی طرف. چاندنی کی طرف

کمرے میں موجود سب ہی اس کی سحر انگیز آواز اور لب و لہجے کے طلسم میں جکڑ گئے
صرف ایک زنیرہ خان تھی جس کا دل چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر یہاں سے بھاگ جائے۔ دل تھا کہ
کی چار دیواری میں دیوانوں کی طرح ٹکرا رہا تھا۔ جذبوں کی ساری نوخیز ندیاں اس کی آنکھوں
سمندر میں غرق ہونے کو مچل مچل رہی تھیں۔

کون سا جرم ہے کیا ستم ہو گیا
آنکھ گر اٹھ گئی آپ ہی کی طرف

اس نے یہ شعر دو مرتبہ گایا تھا اور دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ براہ راست اسے دیکھا
لمحہ بھر تو زنیرہ بھی ان مقناطیسی آنکھوں کے سامنے لوہے کا ٹکڑا بن کر رہ گئی۔ پلکیں بھی نہ
سکی۔ اسے لگا جیسے برقی لہریں اس کی نس نس میں اترتی چلی جا رہی ہوں۔ اس کے آتشیں
رخساروں پر اس کی ریشمی پلکیں دھیرے سے ایک بوجھ سمیٹتیں جھک گئیں۔ اس نے دونوں
ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر لیں اور اضطرابی انداز میں کھولنے اور بند کرنے
لگی۔

شاہ دل کی اتنی ڈھیر ساری چاہت اور محبت سے دامن چھڑاتے جیسے تھکنے
تھی۔ وہ سب کی داد سمیٹ رہا تھا اور زنیرہ کا دل بہت سارا رونے کو چاہ رہا تھا۔ شاہ دل میرا
تمہارے شدت احساس سے آگاہ ہے لیکن میں ان ہزاروں اندیشوں' بے نام خوف اور ان
کے آکٹوپس میں جکڑی ہوئی ہوں۔ بے شک محبت وہ تابندہ ستارہ ہے جس کی تنویر سے فضا
ہستی روشن منور ہے مگر۔ میرے لیے یہ صرف اذیت کے سوا کچھ نہیں ہے۔
اسی کی محبت کے وسیع اور منہ زور سمندر میں پھر کسی تنکے کی مانند ڈوبنے لگی تھی۔ اب
اسے اپنے بچاؤ کے سارے ہتھیار بھی کند ہوتے محسوس ہونے لگے تھے۔
"بھئی تند خو محبوب سے ٹاکرا لینے میں مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے" ثاقب بھائی کہہ رہے
سب ہی اس کے گانے پر تبصرے کر رہے تھے۔ ثاقب بھائی کی معنی خیز نظروں سے شاہ دل کترا
کر اسے گھیرنے کے موڈ میں لگ رہے تھے۔

میرا خیال ہے لڑکیاں بور ہو رہی ہیں انہیں انجوائے کرنے دیجئے۔" وہ رسٹ واچ پر ایک
ثاقب بھائی پر ایک نظر پھینکتا کھڑا ہو گیا اور طشت از بام ہونے سے پہلے ہی رفو چکر ہو
ثاقب بھائی اور عمیر پکارتے ہی رہ گئے پھر ایک ایک کر کے سارے لڑکے کمرے سے نکل

بھابی زنیرہ کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔
"یہ شاہ دل بھی بس۔ ویسے بہت پیارا بندہ ہے۔ ہے نا زینی؟" انہوں نے بظاہر سرسری
انداز میں اس سے پوچھا مگر زنیرہ کا چہرہ بغور ٹٹولا۔
"ہوگا۔ آپ بہتر جانتی ہوں گی۔" وہ قالین پر بیٹھی فارحہ کے ہاتھ پر بنتے مہندی کے ڈیزائن
دیکھتے ہوئے جان بوجھ کر عام سے انداز میں بولی تو بھابی مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھتی رہ گئیں۔ "تم دونوں کو
کیا لگتا ہے میرا نام بھی سدرہ نہیں ہے۔ بہت بنتے ہو' بھابی بھی اس کے اس طرح محتاط ہو جانے
کے انداز میں پر دل ہی دل میں ہنس دیں۔ عموماً زیادہ احتیاط پسندی بھی تو تشہیر بن جاتی ہے۔
چھپانے کی کوشش میں بندہ اور کھل جاتا ہے۔

○☆○

"تم کیا پاگل پن کی باتیں مت کرو مونا۔"
"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے؟ میں آپ کی بہن ہوں کوئی غیر تو نہیں۔"
"کہہ دیا نا یہ بالکل بھی مناسب نہیں ہے' بلکہ ممکن ہی نہیں ہے۔" شہلا کا لہجہ قطعی تھا۔
اس نے دونوں مگ ٹیبل پر رکھ دیے اور مونا کو دیکھا جو کمرے کے ایک سرے سے دوسرے
سرے تک اضطرابی انداز میں ٹہل رہی تھی۔
"اچھا ادھر تو بیٹھو۔ یہ چکر پھیریاں پھر کھانا۔" اس نے پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا اور کافی کا
مگ تھما کر خود اس کے پاس نیچے فرش پر بیٹھ گئی۔
"تم بہت ظالم ہو آپی۔ بہت ظالم۔" مونا نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا۔ "میں تمہارے
بارے میں جا کر تمہارے ہی دھیان میں رہتی ہوں۔ ایک پل قرار نہیں ملتا آپا۔ چلیں اگر ہم
آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتے تم کم از کم منی آپا' سکندر بھائی سے تو مجھے بات کرنے دیں۔ آپ ان
کے ساتھ تو رہ سکتی ہیں یہ یہاں پر' اس حال میں بالکل تنہا۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔ یہ سب
مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اور شکل دیکھی ہے آپ نے اپنی پہچانی نہیں جاتیں۔"
شہلا دھیرے دھیرے کافی کی چسکیاں لیتی رہی۔ اس کے پاس جیسے مونا کو قائل کرنے کے
لیے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔

"دیکھو مونا! میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارا ہنستا بستا گھر جھگڑوں کی نذر ہو جا...
شکیل جتنے بھی اچھے انسان ہوں مگر....."

"چلیں۔ سکندر بھائی اور منی آپا کے ساتھ کیا مسئلہ ہے آپ کو؟" مونا نے اس کی...
کاٹ دی۔

"وہی جو تمہارے ساتھ ہے' ظاہر ہے منی کے شوہر کے لیے میرا وجود بھی ناگوار ہو...
رہی سکندر کی بات تو۔" شہلا نے ایک لمحے لبوں کو دانتوں میں دبا کر چھوڑ دیا پھر آہستگی...
بولی۔" وہ اپنے بیوی بچوں میں بہت خوش اور مطمئن ہوگا۔ اس کی بیوی کو میرے ماضی...
میری ذات سے بھی اس نے بے خبر رکھا ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کی زندگی کی پرسکون...
میں کوئی پتھر گرے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے سر جھکا لیا اور مگ ایک طرف رکھ دیا۔ اچانک...
دل شدت سے چاہا کہ مونا جلدی سے کہہ دے۔ نہیں آپی۔ سکندر بھائی نے تو شادی ہی نہیں...
ہے مگر دوسرے لمحے اس کا دل ہنس دیا۔ اس نے سر اوپر اٹھایا تو مونا ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی...
ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"سکندر بھائی اور منی آپا کا گھر الگ الگ تو نہیں ہے۔ وہ دونوں۔ میرا مطلب ہے...
بھائی نے منی آپا سے شادی کر لی تھی۔"

مونا نے یہ کہتے ہوئے اپنی نظریں کافی کی بھاپ پر جما دیں شہلا اس انکشاف پر شا...
بیٹھی رہ گئی۔ اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے سینے کی چار دیواری سے نکال کر مسل ڈالا...
اف بھی نہ کر سکی۔ اس نے مونا کا چہرہ خالی خالی نظروں سے دیکھا پھر یکدم زور سے ہنسی مگر...
اتنی ملال اور محرومی سے پر تھی کہ مونا کا دل بھی اندر ہی اندر پھٹنے جیسا ہو گیا۔ اس نے بڑا...
کر کے شہلا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اب تک مسکرا رہی تھی مگر اس کی آنکھیں شدت...
سے یوں سرخ ہو رہی تھیں جیسے سورج کے ڈوبنے کا کوئی لمحہ ان آنکھوں میں ٹھہر سا گیا ہو...

"ہا..... مونا..... یہ۔ یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے اور تم اب مجھے بتا رہی ہو۔" وہ فرش...
گئی اور دیوار سے پشت لگا کر چھت کو تکنے لگی۔ لبوں پر مسکراہٹ جیسے منجمد سی ہو کر رہ گئی...

"مجھے خیال ہی نہیں رہا۔" مونا کی آواز کٹہرے میں کھڑے مجرم کی طرح ہلکی تھی۔

مگر..... مونا..... وہ منی کی منگنی تو۔" اس نے کھڑکی کھولنے کے بہانے رخ موڑ لیا اور...
موٹے موٹے قطروں کو انگلی کے پوروں سے اڑا دیا۔

"وہ تو حالات کی نذر ہو گئی تھی آپا۔ مصیبت اور دکھ۔ جب رستہ دیکھ لیں تو پھر کچھ...
بچتا۔ انہوں نے تو بہت بری بری باتیں منی آپا کو سنائیں کہ۔ خیر۔ سکندر بھائی اگر ان...

...بنتے تو شاید ہو سکتا تھا کہ اس طوفان میں ہم سب بھی تنکے کی طرح بہہ جاتے۔" مونا
...پشت پر اپنا سر ٹکا دیا۔

...منی آپا اس دن بہت روئی تھیں۔ انہیں یہ احساس کچوکے لگا رہا تھا کہ سکندر بھائی
...ہمدردی کی ہے اور وہ۔ وہ شہلا کے حق پر ڈاکا ڈال رہی ہیں۔ پاگل تھیں منی آپا
...ملول سی ہو کر ہنسی۔ "اب کہیں جا کر سنبھلی ہیں اور اس میں بھی سکندر بھائی کا ہاتھ
...انہوں نے کس کس طرح سے منی آپا کو سنبھالا ہے آپی کیا بتاؤں بس یوں سمجھیے کہ خود کو مٹا
...منتشر اعصاب کو اکٹھا کیا ہے۔ کہاں ہوتے ہیں ایسے لوگ۔ خاص کر مرد۔"

شہلا کا دل چاہا وہ مونا کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے بولنے سے روک دے۔

احساس جرم

احساس محرومی

اپنی تشنہ لبی کا خیال روح پر بھاپ کی طرح پڑ رہا تھا۔ اپنی محرومی کا احساس کچوکے لگا رہا تھا۔
اسے لگا جیسے وہ یکدم خالی خالی ہو گئی ہو' اندر' باہر ہر طرف سے۔
ذہن سلیٹ ہو گیا ہو اور ساری سوچیں سارے خیالات دھل گئے ہوں' وہ بہت کھل کر رونا
چاہتی تھی مگر۔ آنکھیں یکدم خشک اور بنجر ہو گئی تھیں۔ اندر ایسی آگ لگ گئی تھی جیسے کسی
...میں لگی ہو' تڑ تڑا تڑ ہر چیز آگ کی نذر ہوتی جا رہی تھی۔
اور وہ بھی جانتی تھی یہ آخری آگ ہے' اس کے بعد۔ کچھ بھی نہ ہوگا نہ جلے گا۔ بس
...ویران میدان اور اڑتی پھرتی راکھ رہ جائے گی۔

بند مٹھی سے جو اڑ جاتی ہے قسمت کی پری
اس ہتھیلی میں کوئی چھید پرانا ہوگا

...دیر چپ کی دہکتی بھٹی میں سلگتی رہی۔ منی آپا کے گھر بننے کی خوشی اور اپنے خالی ہو...
احساس اسے جکڑے رہا پھر جیسے ان دو طرفہ احساسات سے نکل کر مونا کی طرف پلٹی۔
"مونا! یہ تو بہت اچھی خبر ہے بہت زیادہ اچھی۔" اس نے مونا کے شانوں پر اپنی لرزتی
... "منی آپا نے میری وجہ سے بہت دکھ اٹھائے ہیں' بہت کرب سہے ہیں اور میں۔
...بھی نہ کر سکی۔ جو خود ہی اپنی محرومیوں کا ازالہ نہ کر پائی ہو۔ تم لوگوں کا کیا کر سکوں گی۔
...لیے میں نے اپنے پیاروں کو۔ اپنا سر ڈھانپنے کے لیے میں نے تم لوگوں کے سروں
...کھینچ لیں' اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے تم سب کی آنکھوں سے خواب نوچ لیے مگر
...کرنے کے بعد میرے ہاتھ خالی کے خالی رہ گئے یہ دیکھو بالکل خالی ہیں کچھ نہیں ہے

ان میں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ مونا کے سامنے پھیلائے تو مونا تڑپ کر اس سے لپٹ
"نہیں۔ نہیں آپی۔ اب یہ ہاتھ خالی نہیں رہیں گے۔ آپ نے بہت سزا سہہ لی۔ اب
آپ کے لیے بھی ہوں گی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی مگر شہلا ساکت وصامت کھڑی
سسکیاں سنتی رہی۔

"کہیں تو روشنی کی کوئی کرن آپ کے لیے بھی ہوگی آپی۔"

"پاگل۔" شہلا نے اسے خود سے جدا کیا اور اس کے آنسو اپنے دوپٹے سے پونچھے
بہت ظالم ہوں، تمہیں رلا دیا۔ پتا نہیں ایسا کیوں ہے؟ میں اپنی ذات سے کسی کو کوئی خوشی
مسکراہٹ دے ہی نہیں سکتی۔ چلو آؤ۔ ہم منی آپا کی، سکندر کی باتیں کرتے ہیں۔ اس
پیارے بیٹے کی۔" وہ مونا کو پچکار کر پیار سے بولی۔

"نہیں آپی۔ اب منی کی یا سکندر کی بات نہیں ہوگی۔ چلیں باہر چلتے ہیں، کہ
پارک میں پھر ہوٹل میں لنچ کریں گے۔" مونا اپنا پرس اٹھا کر بولی تو شہلا نے اسے دیکھ
کر سکی۔ اسے بھی اس وقت کھلی ہوا کی اشد ضرورت محسوس ہو

○☆○

منگنی والے دن ایک افراتفری کا عالم تھا۔ ہر کوئی مصروف نظر آ رہا تھا۔ خاص
تیاریاں تو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔ سکینہ بے چاری نے سب کے کپڑے ا
ہینگر کر دیے تھے، مگر فارحہ پھر بھی مطمئن نہیں تھی وہ اپنے سوٹ پر خوب رگڑ رگڑ کر
رہی تھی۔

"لو دیکھو ذرا۔ صرف منگنی ہے اور یہ عالم ہے، شادی ہوگی تو تم لوگ تو رات
بازی میں جتی رہو گی۔" منجھلی چچی نے نیلی کے کمرے میں جھانکا جہاں سب ڈیرا جما
تھیں۔

"بے فکر رہیے ممانی جان، ہم وقت پر باہر آ جائیں گے۔" سائرہ بالوں کی چوٹی کر
روم کی راہ لیتے ہوئے بولی۔

"خدا کرے۔ اچھا لو ذرا یہ سنبھالو، یہ سدرہ اور ساریہ تو دکھا ہی نہیں رہے...
ہیں جو آج پہننے ہیں اسے۔ ذرا سنبھال کر رکھ دو الماری میں۔" انہوں نے مخملی ڈبہ
رابعہ کو تھما دیے۔

"یہ نیلی نظر نہیں آ رہی؟" انہوں نے یہاں وہاں نظریں دوڑائیں۔

"وہ صاحبہ پارلر گئی ہے۔"

"اچھا۔ مان گئی۔"
بھلا پھسلا کر لے گئی ہے بچاری شرائط کے ہمراہ۔" فارحہ بولی تو چچی مسکرا دیں۔
"زنیرہ بھلا ... پیاری بچی ہے زنیرہ بھی۔ اپنی اپنی سی لگتی ہے۔"
"بڑی پیاری ... بھی بڑی اپنی اپنی سی لگتی ہے کیوں نہ اسے اپنا ہی بنا لیں۔" سدرہ بھابی کلائیوں میں
چوڑیاں پہنتی، کمرے میں داخل ہوتے ہوئے چچی کے جملے کے جواب میں بولیں تو چچی
... کر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"
"لیجیے۔ جوان بیٹے کی اماں حضور کو اب مطلب ہم سمجھائیں گے۔ ہائے چچی اتنا چھ فٹ کا
دکھائی نہیں دیتا آپ کو۔" ساریہ آپی بھی پیچھے تھیں، چہک کر بولیں تو کمرے میں موجود وہ
منجھلی چچی کچھ دیر سدرہ اور ساریہ کی طرف دیکھتی رہ گئیں پھر وہیں صوفے پر بیٹھ
گئیں۔

ان کا چہرہ یکدم بجھ سا گیا۔
"وہ تو شادی کے نام پر بدکتا ہے، اتنی پیاری بچی ہے زنیرہ تو اس کے ماں باپ بھلا ہمارے
... کب تک بٹھائے رکھیں گے اسے۔"
"ارے رے۔ آپ تو دل برداشتہ ہونے لگیں۔" سدرہ بھابی کا قہقہہ بکھر گیا پھر ان کے
... جھکتے ہوئے بولیں۔
"فکر مت کریں، بس یہ فنکشن ذرا نمٹ جانے دیجیے پھر میں اسے کیسا تیر کی طرح سیدھا
... ہوں۔"
منجھلی چچی ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں اور کمرے سے نکل گئیں۔
"یہ کیا شوشا چھوڑا ہے آپ نے؟" ان کے جاتے ہی فارحہ، بھابی کے پاس لپک کر آئیں۔
"ارے ابھی کہاں چھوڑا ہے۔" ساریہ آپی زور سے ہنسیں۔ سدرہ بھابی بھی معنی خیزی سے
... نے لگیں۔
"چلو ... تیاری کرو، پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔" فارحہ کو کچھ زیادہ ہی متجسس دیکھ کر بھابی
... کے شانے پر ہاتھ مار کر اس کی توجہ اس موضوع سے ہٹا دی۔

○☆○

... کے ہمراہ گاڑی سے اتر کر زنیرہ نے لان میں قدم رکھا تو شام ڈھل گئی تھی، لان کے برقی
... جھلمل کرتے ماحول کو دلفریب بنا رہے تھے۔

"ہائے شکر ہے ابھی کوئی آیا نہیں ہے' کوئی ایسے میں مجھے دیکھ لے تو۔" نیلی کرسیوں کو خالی دیکھ کر اطمینان بھری سانس کھینچ کر بولی۔ اس نے شرارے کی قمیض پہن رکھی تھی اور شرارے کے بجائے ابھی شلوار میں تھی اوپر سے بڑی سی چادر اوڑھ کر خود کو ڈھانپ رکھا تھا جبکہ زنیرہ وقت کی کمی کی وجہ سے کپڑے بھی چینج کر کے پارلر گئی تھی اور نیلی کی شرارت کے مطابق ہلکا ہلکا میک اپ بھی کروایا تھا۔

سبز اور میرون کنٹراسٹ کے کرنکل جارجٹ کے کرتے اور ہلکے کام والے لہنگے سوٹ میں اس کا سراپا بڑا متناسب اور خوبصورت لگ رہا تھا۔ بال پشت پر رکھے تھے اور ماہر بیوٹیشن کے اپ نے اس کے چہرے کو انتہائی خیرہ کن بنا دیا تھا کہ وہ خود آئینے میں خود کو دیکھ کر شرما گئی تھی پر نیلی کی بے لگام تعریفیں۔

ستون کے پاس ڈیک کو تیمور سے سیٹ کرواتے ہوئے شاہ دل کا دل پسلیوں میں دبا دھڑک رہا تھا۔ وہ ایک مکمل روپ میں اس کے سامنے تھی۔ وہ تو عام حالت میں ہی اس کے لیے کسی سے کم نہ ہوتی تھی۔ اس وقت تو اسے اپنا دل سینے کی چہار دیواری سے نکلتا محسوس ہوا تھا۔ بڑی آزمائش سے وہ بھی کسی مرد کو گزارنا ستم نہیں تو اور کیا ہے۔ دیکھو ذرا۔ میری طرح کون آزمائش سے اتنے تحمل سے گزر سکتا ہے۔ اس نے اپنے جذبوں کو مضبوط زنجیروں سے جکڑتے ہوئے جیسے دل ہی دل میں اسے جتایا۔

"اوہو۔ یہ تو صورت ہی بدل کے آ گئیں۔" تاروں کو لپیٹتے ہوئے تیمور شرمائی لجائی بھابی کو دیکھ کر اسے چھیڑے بغیر نہ رہ سکا۔

"جی نہیں۔ یہ میری اوریجنل ہی شکل ہے۔" وہ نہ جھجکے یہ کیسے ممکن تھا۔

"ہاں بس ذرا ڈینٹ پینٹ درست ہوئے ہیں۔" تیمور نے برجستہ کہا تو نیلی مزید اس کی افشانی سنے بغیر تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بھاگ لی۔

"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ویسے ہی پیاری شکل کی ہے۔" زنیرہ اس کے جاتے ہوئے ذرا سا رک کر اس کی سائڈ میں بولی۔

"یہ آپ اپنے بارے میں ضرور کہہ سکتی ہیں۔" تیمور نے تار کا رول ایک طرف شرارت سے اسے دیکھا۔ شاہ دل جو اس کے قریب آنے پر رخ پھیر کر ڈیک کے بٹن وغیرہ کر رہا تھا۔ درحقیقت اپنے دل کے تاروں کو کنٹرول کر رہا تھا پلٹ کر اس کے چہرے پر نظریں

"یہ پہلے ہی اپنے بارے میں خاصی خوش فہم ہیں ان کا مزاج اب مزید تم اور نہ اس کا لہجہ تضحیک آمیز اور کڑوا تھا اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔ تیمور نے بھی شاہ دل

تھی مگر پھر مذاق پر محمول سمجھ کر مسکرا دیا اور دور کھمبے پر چڑھے بجلی والے لڑکے کی آواز پر اس طرف چلا گیا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اپنی تعریفوں سے خوش نہیں ہوتی۔" وہ اس کے لہجے کی تلخی کو پی کر خود بھی تلخ ہو گئی تھی۔

"اچھی بات ہے۔" وہ ہنس دیا "تو آج یہ بتا ہی دیں کہ آپ کس بات پر خوش ہوتی ہیں؟" وہ اس کے قدم اٹھاتے ہی دو قدم چل کر اس کی راہ میں آ گیا اور ہلکے پھلکے رنگوں سے سجی اس کی خوش نما آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔ وہ سٹپٹا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ویسے بے فکر رہنا۔ میں تمہیں خوش کرنے کے جتن نہیں کروں گا۔" وہ بولا تو زنیرہ کی رگ رگ تک جیسے بھبک اٹھی۔ اس نے لب بھینچ لیے اور اس کا آگے کی طرف پھیلا ہوا ہاتھ جھٹکے سے ہٹا دیا۔

"میرا اور آپ کا ایسا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں ہے کہ میں بھی ایسی فضول سی خواہش رکھوں۔" اس نے قدم بڑھا دیے۔

"کچھ نہ کچھ تو تعلق ہے ہی۔ ورنہ آج اتنے اہتمام سے تیار نہ ہوتیں۔" وہ اس کی پشت پر کالی مخمل کی طرح پھیلے بالوں کے آبشار کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ ٹھٹک کر پلٹی اور استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی جیسے اپنی سماعت پر شک ہو کہ جو سنا ہے جملہ یا اس کا مفہوم جو سمجھا ہے وہ غلط ہو۔

شاہ دل کے عنابی لبوں کی تراش میں کھلتی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"یا یہ سمجھوں کہ یہ سارا اہتمام تم نے میرے لیے کیا ہے۔"

"اف۔" وہ اپنی جگہ سن سی رہ گئی' اسے لگا جیسے کتنے ہی سنسناتے تیر اس شخص نے اس پر برسا دیے ہوں۔ اس کا سارا بدن یوں جلنے لگا جیسے وہ کھولتے شعلوں میں دھکیل دی گئی ہو۔

"آ۔۔۔ آپ۔" غصے اور حیرت کے غلبے نے اسے گنگ کر دیا۔ کچھ کہنا چاہا کہ زبان جیسے ٹھٹھر کر رہ گئی۔ وہ غصے سے لبوں کو باہم جوڑتی جھٹکے سے پلٹی اور بھاگتی اندر چلی گئی۔

شاہ دل کے لبوں کی تراش میں پھیلی مسکراہٹ لہرا کر منجمد ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ کھڑا اسے جاتے ہوئے نہارتا رہا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر قریبی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اسے دکھی کرنے کی یہ اس کی بالکل غیر اختیاری حرکت تھی۔ پتا نہیں کیوں اس نے اتنا پست ہونے کا ثبوت دے دیا۔ کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر خود کو سرزنش کرنے لگا مگر دوسرے لمحے اس کے ستم یاد آنے لگے۔

"جتنا تم نے میرے جذبوں اور ضبط کو آزما رہی ہو زنیرہ۔ اتنا تو میں نے تم سے انتقام بھی

نہیں لیا۔ یہ تو چند بے ضرر تیر ہیں ان سے کیا زخمی ہو گی تم۔" وہ لب بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

بیسن کے پانی میں سارا میک اپ بہاتے ہوئے اس کی آنکھوں نے بھی اتنا ہی پانی بہا دیا۔ اسے اس شخص سے اتنے گھٹیا پن کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

کتنی خوش تھی وہ آج صبح ہی سے۔ دل بھی جانے کیوں بن سنور کر یونہی ستائش کا خواہاں مگر شاہ دل نے جو پتھر پھینکا تھا یہ خواہش کسی نازک آبگینے کی مانند ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔ راکھ کا ڈھیر بن کے رہ گیا۔

کمینہ۔ ذلیل انسان۔

وہ دل میں اسے جی بھر کے صلواتیں دیتی رہی اور رگڑ رگڑ کر منہ دھو لیا۔ وہ سب اس کے یوں منہ دھو لینے پر چیختی رہ گئیں مگر اس نے چہرے میں جلن کا بہانہ کر کے سب کو منا لیا مگر اب آپ نہ بہلا سکی جسے اس ظالم نے آن واحد میں توڑ کے رکھ دیا تھا۔ وہ لان میں آئی تو وہ کیمرا سیٹ کر رہا تھا اس پر نگاہ اٹھی تو وہ چونک کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ میک اپ کے ہلکے ہلکے نشان اب بھی چہرے پر محسوس ہو رہے تھے۔ بالوں کو لپیٹ کر اس نے بینڈ میں جکڑ لیے تھے۔ خوبصورت لینے سوٹ میں۔ ہلکی ہلکی جیولری دھلے چہرے کے ساتھ وہ اب بھی اتنی ہی دلکش لگ رہی تھی مگر اس دلکشی میں حزن کی آمیزش بھی شامل ہو چکی تھی۔

وہ بظاہر سب سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اس پر نگاہ اٹھی تو اس نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔ دل راکھ ہو کے رہ گیا۔ کیا ہو جاتا۔ وہ اس کی تعریف میں دو لفظ نہ بولتا تو نہ سہی خاموش ہی رہ لیتا۔ اتنے گھٹیا پن کا مظاہرہ نہ کرتا۔ اسے وہ اس وقت زہر سے بھی برا لگ رہا تھا۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ شخص اس کی ساری خوشیوں کو یوں بے رنگ کر کے رکھ دے گا۔

"اس کا تو یہی مطلب ہے کہ تم نے واقعی وہ سارا اہتمام میرے لیے ہی کیا تھا۔" کھانے کا دور شروع ہوا تو وہ موقع پا کر اس کی طرف آ گیا۔ وہ کولر سے ٹھنڈا پانی بھرنے آئی تھی پشت پر اس کی آواز سن کر ہاتھ سے گلاس پھسلتے پھسلتے بچا اور اس سے پانی چھلک کر دامن پر موتیوں کی طرح بکھر کر پھسل گیا۔ اس نے پلٹ کر ایک جلتی نظر اس پر ڈال کر رخ پھیر لیا۔

"آپ کی کسی بھی خوش فہمی کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔" وہ رومال سے چھینٹے صاف کرتے ہوئے جھنجلا کر بولی۔ بڑی شوخ نظروں سے وہ اس کے سبک ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں تو یہی سمجھوں گا میری طرف سے ستائش نہ ملنے پر تم اتنی ہرٹ ہوئی ہو۔"

"آپ انتہائی پست گھٹیا اور بدتمیز انسان ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس قریبی میز پر پٹخا۔ "میں نہیں سمجھتی تھی کہ آپ اتنا نیچے بھی گر سکتے ہیں، اتنے گھٹیا پن کا ثبوت بھی دے سکتے ہیں۔ چھوڑ دیں میرا راستہ۔" وہ سلگ کر کڑے لہجے میں بولی مگر آواز بھرا گئی۔ حلق میں جیسے نمکین گولا سا اٹکنے لگا۔

"تم تو بڑی بزدل نکلیں زنیرہ علی۔ ارے تم نے میرے ساتھ جتنا ظلم کیا ہے یہ تو اس کے پاسنگ بھی نہیں۔"

وہ بجائے اس کے سامنے سے ہٹنے کے اور پھیل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنا سفاک لگ رہا تھا اس کی روح تک گھائل ہو گئی۔

"آپ مرد ہیں نا ذرا سی انا کو ٹھیس پہنچی فوراً انتقام پر اتر آئے۔ عورت سے بس التفات کی بھیک مانگتے ہیں، جب دل چاہا کسی عورت کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنے لگے مگر جب عورت نے دامن بچانا چاہا وہاں انتقام پر اتر آئے۔ بس یہی مردانگی ہے اور یہی اس کا ثبوت ہے۔ ہٹیں میرے راستے سے۔ چھوڑ دیں میرا پیچھا آپ۔ آپ انتہائی برے انسان ہیں۔" وہ بچوں کی طرح مچل اٹھی، اسے دھکیل کر جانے لگی۔

"آئی ایم سوری زنیرہ۔" وہ یک بیک پزل سا نظر آنے لگا۔ اسے اس کا یوں جلبلانا بڑا دلکش لگا کسی معصوم بچے کی مانند۔

"مت کریں سوری آپ۔" جلبلا کر بولی "آپ قطعی بے رحم اور سفاک انسان ہیں، آپ کو پہچانا۔ میرے دکھ کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہے۔ آج تک میں اتنے بڑے امتحان سے نہیں گزری جتنا سخت امتحان آپ نے لیا ہے میرا۔ اتنی بڑی شکست تو مجھے کبھی نہیں ہوئی جتنی آپ کے سامنے۔" وہ بولتے بولتے یکدم چپ ہو گئی اور بے ساختہ لبوں کا کونا دانتوں میں دبا گئی۔

شاہ دل نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔ جیسے کوئی جرم کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ اسے یکلخت اپنا آپ اس کے سامنے انتہائی احمقانہ لگا، وہ ثبوت دے چکی تھی۔ پس پردہ اپنی شکست کا اعتراف بھی کر چکی تھی۔

دل کوئی سادہ لوح تو بہرحال نہیں تھا کہ پلکوں کے پرے بھیگتے اعتراف شکست کا مفہوم نہ سمجھ پاتا۔ اس کا جھینپا جھینپا بھرایا ہوا چہرہ تو خود ترجمان تھا اس کے ادھورے جملے کا۔

وہ کسی خزانے کے پا لینے کے احساس سے دوچار ہوتا ہوا اس کی طرف بڑھا تو وہ پلٹی اور تیز تیز قدموں سے ہجوم میں گم ہو گئی۔

کیا واقعی جو میں نے سمجھا ہے، جو دیکھا ہے، جو سنا ہے وہ سچ ہے۔ وہ دم سادھے
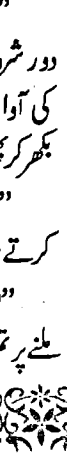
مسرور کن احساس کے ساتھ کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔

ادھر وہ ٹھنڈے مشروب سے اپنے دل کے منتشر حالات کو سنبھالا دے رہی تھی۔ خود کو اس قدر احمق' مغرور اور اپنے جذبوں کے آگے بے بس تو کبھی محسوس جتنا آج اس سے کیا تھا۔

شاہ دل کی آنکھوں میں پھیلتے رنگ اس بات کے غماز تھے کہ وہ اس کے دل کے اندر چکا ہے۔ اس کے بے ربط جملے کا مفہوم سمجھ چکا ہے۔

اف خدایا۔

یہ کیا ہو گیا؟ ایسا تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ پھوٹ نکلا۔ اس نظروں سے یہاں وہاں دیکھا۔ مہمان دھیرے دھیرے رخصت ہو رہے تھے۔ اس نے اندر نیلی کے پاس چلا جانا چاہیے۔ اس میں اب شاہ دل کی نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

وہ اپنے تئیں نظریں بچاتی اندر جانے لگی کہ ایک درخت کے قریب اسے کسی لیا۔

"زنیرہ۔" پکارنے والے کے لہجے میں عجیب بے تابی تھی وہ ٹھٹکی ایک لمحے تو اپنی سا میں اٹکتی محسوس ہوئی۔ رکنے والے نے پشت سے اس کا آنچل تھام لیا تھا۔ وہ لامحالہ پوری ہستی ہی تلاطم کا شکار ہو گئی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا زنیرہ...... یہ...... یہ تم ہی ہو۔" احمر اس کے آنچل کا کونا تھا بے یقینی کی کیفیت میں اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

❁✲❁

یقین تو اسے بھی نہیں آ رہا تھا کہ یوں اچانک اس کا اپنے عم زاد احمر سے سامنا ہو گا۔ وہ بھی شاہ پیلس میں۔ وہ سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ میں گنگ وجود لیے بلاشبہ احمر ہی تو کی اس ستم ظریفی پر ایک لمحے اس نے اذیت کے عالم میں آنکھیں میچ لیں مگر وہ کوئی خواب تھا کہ آنکھ کھلنے پر گم ہو جاتا' نہ کوئی دھواں تھا کہ بس لہرا کر فضا میں تحلیل ہو جاتا۔ وہ انسان' حیرت کی تصویر بنا اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ دنیا کا حیرت انگیز عجوبہ ہو۔

"زنیرہ۔ میرے خدا' یہ...... یہ تم ہو۔" کتنی مشکل سے وہ حلق سے اپنی آواز کھینچ پایا۔ ایک اذیت آمیز رنگ زنیرہ علی کے چہرے پر پھیل گیا' ایک نادیدہ سا درد دل سے پورے بدن میں سرائیت کر گیا۔

یہاں دیکھ کر خوش ہونا چاہیے تھا یا دکھی۔ فوری طور پر اس کے ذہن نے کوئی تاثر نہ دیا تھا مگر آہستہ آہستہ اسے لگا جیسے یہ جو ہوا ہے...... نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"ہاں میں زنیرہ علی ہی ہوں۔" اس نے آہستگی سے اپنا آنچل اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ لہجہ ٹھنک اور جذبات سے عاری تھا۔ "شکر ہے تم نے پہچان تو لیا ورنہ دل اور نگاہیں بدل جائیں تو برسوں کی پہچان بھی معمہ بن جاتی ہے۔" اس کا بکھرا ہوا اعتماد ہولے ہولے لوٹنے لگا۔

"مگر...... تم یہاں اور؟" احمر کا دھیان نہ اس کی سرخ ہوتی آنکھوں پر گیا نہ ہی بنجر لہجے پر۔ وہ تو اب تک اپنی حیرانگیوں کو ہی نہ سمٹ سکا تھا۔ اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ چودہ ماہ قبل نکل جانے والی زنیرہ علی اسے شاہ پیلس میں آج دکھائی دے گی۔

"ہم...... میرا مطلب ہے' یہاں کس رشتے سے آئی ہو؟ کیسے جانتی ہو ان لوگوں کو؟ لاہور کب آئیں تم؟" وہ احمقوں کی طرح ایک ساتھ کئی سوال کر کے بھی ابھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔ کئی سوال اب بھی نوک زبان پر مچل رہے تھے۔

اس نے گھائل نظروں سے اسے دیکھا کہ آیا وہ اسے دیکھ کر صرف حیران تھا یا کسی کھوئی شے کے اچانک مل جانے پر خواہش مگر اس کے چہرے پر اتنا تحیر رقم تھا کہ اگر کوئی جذبہ بھی تھا تو اس حیرانگی تلے دبا ہوا تھا۔

"کیا مجھے پہلے بھی دھوکا نہیں ہوا تھا۔ اس روز وہ' تم ہی تھیں جولان کے راستے سے گزر رہی تھیں۔" احمر کی نظریں حیرانگی کو آہستہ آہستہ سمیٹتیں اس کے دلفریب سراپے میں الجھنے لگیں۔

"میں تمہاری کسی بھی حیرانگی اور سوال کے سامنے جواب دہ نہیں تم لوگ اگر مجھے بھول چکے ہو تو بھولا ہی رہنے دو۔" وہ سرد مہری سے کہہ کر جانے لگی مگر وہ اس کے سامنے آ گیا اور راستہ اس کا راستہ روکتے ہوئے بولا۔

"کیا کہہ رہی ہو زنیرہ؟ رشتے ناتے کوئی تحریر یا کہانیاں نہیں ہوتیں کہ اسے سن کر یا پڑھ کر بھلا دیا جائے۔ یہ زنجیریں ہوتی ہیں جن کی کھنک ہی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کوک کی بوتل کو قریبی ٹیبل پر رکھ دیا اور نئے سرے سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ آج اسے پہلے سے کہیں زیادہ ہوش ربا اور دلفریب لگ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے یوں سجا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اب اس کے چہرے پر وحشی ہرنی کا سا خوف نہیں تھا بلکہ ایک روٹھا روٹھا ناراضی اور ہٹیلا پن دکھائی دے رہا تھا جو اس کو اور بھی جاذب نظر بنا رہا تھا۔

"مجھے رشتوں ناتوں پر تمہارا کوئی لیکچر نہیں سننا۔ یہ سارا فلسفہ کم از کم میرے لیے بے حد

اذیت ناک ہے اور اگر ذرا سا اپنا بھی احتساب کرتے ہوئے غور کرو تو' تمہارے لیے بھی شرمندگی ہو گا۔ ہٹ جاؤ میرے راستے سے' میں نے اپنے راستے الگ کر لیے ہیں' میرا لوگوں کے لیے سوائے شرمندگی' ذلت اور رسوائی کے کچھ نہ تھا۔"

اس کی آواز میں بے پناہ کڑواہٹ تھی آنسوؤں کی آمیزش بھی۔ "اس طرح بھاگ کر تم نے ہمارے لیے اور بھی پریشانیاں پیدا کی ہیں۔" احمر نے اسے بغور دیکھا۔

"حیرت ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ میرا وہاں مزید رہنا آپ سب کے لیے پریشانی کا باعث نہیں احمر' میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرے اس اقدام سے کسی کو صدمہ نہیں پہنچا ہو ......" وہ کوئی سخت جملہ کہتے کہتے رک گئی۔

"زنیرہ۔" احمر نے اس کا بازو دھیرے سے پکڑا۔ "کیا یہ ساری باتیں ہم کہیں بیٹھ کر نہیں کر سکتے۔ یقین کرو مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر صرف حیرت ہی نہیں بلکہ خوشی بھی ہو رہی ہے کہ

"کہ میں زندہ ہوں۔ تمہارے خیال کے خلاف۔" اس نے اپنا ہاتھ آپ چھڑایا مگر [illegible] مقابلے میں وہ انتہائی نازک تھی اور اس کی ساری کوششیں اس مردانہ ہاتھ کے سامنے دھاگے کی مانند تھیں۔

"پلیز زنیرہ۔ مجھے بتاؤ تو کہ تم نے اتنا عرصہ کہاں گزارا اور یہاں تک......"

"کس رشتے سے تم یہ سب پوچھ رہے ہو؟" وہ چراغ پا ہو گئی۔ "جس طرح وہ دن میں گزارے تھے اسی طرح اس کا بھی خود ہی اندازہ لگا لو اور چاہو تو پھر کوئی الزام تھوپ دو۔" [illegible] دل سے اٹھنے والی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں بولی۔

"اونہہ...... اب بھی اتنا گھمنڈ ہے تمہیں اپنی پارسائی پر؟" وہ اسے گھورتے ہوئے استہزائیہ ہنسا۔

"ہاں' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔" اس کا لہجہ پر اعتماد تھا کہ یہی اعتماد اس کی پارسائی کی [illegible] تھی۔ یوں بھی حالات نے اسے خاصا مضبوط اور پر اعتماد بنا دیا تھا اور پھر احمر کے سامنے وہ [illegible] طرح خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"دیکھو زنیرہ' تم شاید اس بات سے بے خبر ہو کہ اس گھرانے سے میرے تعلقات بہت پرانے ہیں۔ میرا منہ کھولنا یا ایک لفظ کہنا' تمہیں کھڑے کھڑے بے آبرو کر سکتا ہے۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ تم معقولیت سے مجھ سے بات کر لو۔ میرا مقصد تمہیں دھمکی دینا نہیں سمجھانا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم پہلے سے زیادہ سمجھدار ہو چکی ہو۔ آخر حالات نے تو سکھایا ہو گا۔" وہ اس کے جانے کی راہیں روک کر ٹھنڈے مگر زہریلے لہجے میں بولا۔

زنیرہ کی روح میں جیسے آگ سی بھر گئی اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا لیا جس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی تھی۔

"بہت اچھا کیا احمر خان تم نے۔ بہت اچھا کیا کہ میرے دل سے رہی سہی خوش فہمی کی رمق بھی ختم کر دیا۔ اب کم از کم مجھے اپنے اس اقدام پر کبھی پچھتاوا تو نہ ہو گا۔" وہ اسے دھکیل کر بڑے بڑے قدم اٹھاتی پر رونق حصے کی طرف چلی گئی۔

○☆○

نیلی اور فارحہ کا مشترکہ کمرہ خالی پڑا تھا۔ نیلی تائی اماں کے کمرے میں تھی۔ وہ خالی بیڈ پر بکھرے کپڑوں پر ہی گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

احمر کو دیکھ کر اس کے دل نے جس طرح خود کو سنبھالا تھا یہ اس کا دل ہی جانتا تھا' سر کتے اعصاب شکن لمحات نے اسے بری طرح ہراساں کر دیا تھا۔ ایک انجانا خوف اس کے سینے کی دیواروں سے لپٹنے لگا تھا۔

اپنے اس سگے عم زاد کو دیکھ کر خون نے جو فطری مسرت محسوس کی تھی اس کے دل آزار لہجے نے یوں ختم کر دی جیسی جلتی لو کو ہوا کا زوردار جھونکا بجھا دے۔

بیڈ سے اٹھ کر وہ بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ حالات نے جو پلٹا کھایا تھا اس کا تو تصور بھی اس کے پاس نہ تھا۔ وہ احمر سے بچ بچ کر چل رہی تھی۔ کیا خبر تھی کہ یوں اچانک اس کی ساری احتیاط کی چادر وقت کھینچ لے گا وہ دامن بھی نہ بچا سکے گی۔

احمر کے تیور اور دھمکی نے اسے بہت ہی خوف زدہ کر دیا تھا۔ اس کے شاہ پیلس والوں سے بڑے تعلقات تھے۔ وہ چاہے تو اس بارے میں غلط باتیں منسوب کر سکتا تھا۔ اس کی زبان بھلا وہ کب روک سکتی تھی۔ اس کی حیثیت ہی کیا تھی شاہ پیلس میں۔

اپنی عزت کو سینت سینت کر رکھنے والی زنیرہ علی کا دل بے ترتیب ہونے لگا اسے اپنے گرد ایک اعصاب شکن اندھیرا پھیلتا محسوس ہونے لگا۔

احمر خان بھی زلزلے کی طرح اس کی زندگی سے پھر ٹکرایا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اب سب کچھ تہس نہس ہو جائے گا...... کچھ بھی قابلِ شناخت نہ رہے گا۔

میرے خدا۔ کہاں تک یہ آزمائش ہوتی رہے گی۔

آخر کہاں ختم ہو گی یہ درد کی سلگتی رات۔

کب طلوع ہو گا امید کا سویرا۔

وہ شدید گھٹن محسوس کرتے ہوئے لان میں کھلنے والی کھڑکی کھول کر کھڑی ہو گئی۔ ٹھنڈی ہوا

کے جھونکوں کے ساتھ گانے کی آواز بھی اس کی سماعت سے ٹکرانے لگی۔

کون سا جرم ہے کیا ستم ہوگیا
آنکھ گر اٹھ گئی آپ ہی کی طرف

ڈیک کے پاس شاہ دل کرسی پر بیٹھا اور بار بار یہی گانا ریوائنڈ کر کے سن رہا تھا۔

اس کے دھیان کی رو احمر سے ہٹ گئی اور اس سراپے پر ٹھہر گئیں۔ دل میں بے نام سی ہلچل مچ گئی۔ مسکراتے عنابی ہونٹ، بھوری آنکھیں، یوں دکھائی دے رہی تھیں جیسے ان میں سب کچھ پالینے کا نشہ ہلکورے لے رہا ہو۔ وہ کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چھوٹی سی کرسی پر چھ فٹ کا مرد عجیب سا لگ رہا تھا۔ پیشانی پر براؤن بالوں کا گچھا پڑا تھا۔ وہ براؤن واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے کسی بڑے خوبصورت خیال میں گم محسوس ہو رہا تھا۔

اس کے دل پر بوجھ سا آگرا اور دل کی وحشت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ انوکھی مسرت، یہ چمک جو اس کے سراپے کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہ اس کی حماقت بھری اس کمزور لمحے کی گرفت میں آکر ادھورے اعترافِ شکست کی مرہونِ منت ہے، کرب سے لب کاٹ کر اس نے کھڑکی کا پردہ کھینچ لیا اور وہیں دیوار سے ٹیک لگالی۔

''تم دو مردوں نے میری زندگی کو اس نہج پر پہنچا دیا ہے جہاں آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کا میرے لیے کوئی راہ نہیں رہی، میرا مستقبل اڑتے تنکے کی طرح دکھائی دے رہا ہے اور میرا ماضی؟''

میرا ماضی ایک اندوہناک، ایک ہیبت ناک سرنگ ہے۔ جس کی اندھیری گلی سے میں ڈرڈر کر گزری ہوں۔

اس نے رخ موڑ کر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کھڑکی کا پردہ ذرا سا اٹھا کر خوش کن سراپے کو دیکھا۔

''شاہ دل خان۔ تمہارے آگے تو ایک خوبصورت روشن زندگی پھیلی ہوئی ہے، تم اسے چھوڑ کر میری طرف ایک اندھیری شاہراہ پر کیوں سفر کرنا چاہتے ہو؟ کچھ نہیں ہے تمہیں خوابوں کو آنکھوں میں سجانے سے۔ ایک مایوس، اعصاب شکن لڑکی تمہارے لیے اچھا ہمسفر کیسے بن سکتی ہے۔ جس کی خوشیاں، جس کے نصیب کی روشنیاں خود کسی اور کی مٹھی میں ہوں وہ تمہاری زندگی کو کیسے منور کر سکتی ہے۔ جو خود کو حالات کے بہتے دھارے پر تنکے کی طرح محسوس کر رہی ہو وہ تمہاری ڈولتی ہوئی ناؤ کو ساحل پر کیسے لاسکے گی۔''

اس کا دل شاہ دل خان کی اس مسرور اور طمانیت آمیز مسکراہٹ پر ٹوٹ پھوٹ گیا۔

والے دانستہ کوئی دکھ پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی مگر ہر بار وہ شخص اس کی بے بسی اور ان کے ہاتھوں زخم کھاتا تھا اور اب وہ جس خوش فہمیوں کے موتی پرو رہا تھا وہ ڈر رہی تھی کہ یہ لڑی پھر کہیں اس کے ہاتھوں سے ٹوٹ نہ جائے۔

آج احمر سے ملاقات، اس کی دھمکی نے اسے اس طرح ہراساں کر دیا تھا کہ وہ اندر سے ڈری ہرنی کی مانند خوف زدہ ہوگئی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر پردہ کچھ اور اٹھا لیا اور دریچے سے لگ کر ازخود رفتگی سے اسے دیکھتی رہی۔ اپنی بوجھل سلگتی آنکھوں میں اسے سموتی رہی یہ شخص نہیں جانتا تھا کہ میری رگوں میں دوڑتے خون کے ساتھ اس کی چاہت بھی گردش کرنے لگی ہے۔

''ارے۔ آپ یہاں ہیں، باہر انجوائے نہیں کر رہی ہیں؟'' تیمور کی آواز ابھری تو وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ دل کے چور نے یکلخت سراسیمہ سا کر دیا۔ وہ جلدی سے پردہ کھینچ گئی۔

''خیریت تو ہے؟'' تیمور اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے ذرا سا چونکا۔

''ہاں، ہاں بالکل۔ بس ابھی تو آئی ہوں۔ میرا خیال ہے اب تو مہمان رخصت ہو رہے ہیں۔'' اس نے بدقت خود کو سنبھال کر اعتماد کا دامن تھاما۔ بالوں پر یونہی ہاتھ پھیر کر پھیکی سی مسکراہٹ سے لبوں کو سجالیا۔

''خدا خدا کر کے ہو تو رہے ہیں۔'' وہ ہنستا ہوا اندر آکر دراز میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ اسی دم سائرہ اندر داخل ہوئی۔

''تو تم یہاں ہو اور میں تمہیں جہان بھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔''

''اتنے مبالغے سے کام مت لو کزن۔ پانچ منٹ میں تم سارا جہاں پھر آئیں اتنی کوئی تک ہوں تو ابھی تو فضائیہ کی بھی نہیں ہوئی، تمہیں کون سا جادوئی قالین مل گیا؟'' تیمور کیمرے میں ریل فٹ کرتے ہوئے قہقہہ لگا کر بولا تو سائرہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''فضول بولتے ہو۔ یونہی ایک بات کہہ رہی ہوں۔ آؤ زینی تمہیں میں امی سے ملواؤں۔ بہت اشتیاق ہے تم سے ملنے کا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ زنیرہ کا دل اندر ہی اندر لرزنے لگا۔ باہر جانے کا سوچ کر ہی اس کا دم اٹکنے لگا۔

''تیمور! ایک تصویر ہم دونوں کی ہو جائے۔'' سائرہ اسے تھامے تیمور سے کہہ رہی تھی جو فرصت میں آنکھ لگا کاسیٹ کر رہا تھا۔ اس کی بات پر کیمرہ چہرہ کے آگے سے ہٹایا۔

''کیا تمہاری اور میری؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہنسی روکی تھی سائرہ کا بھڑکنا لازمی تھا۔

''منہ دھو رکھو۔ میں اپنی اور زنیرہ کی بات کر رہی ہوں۔''

"جناب! میں نے صرف منہ ہی نہیں دھویا۔ نہایا بھی ہوں۔ سنا ہے مانسہرہ والوں کو
دھونے کی ضرورت ہے۔" اس نے کیمرا سیٹ کرتے ہوئے اسے چھیڑا تو جانے کیوں سائرہ
پھیکا پڑ گیا۔ ایک تاریک سا رنگ اس کے چہرے پر چھو کر گزر گیا مگر دوسرے لمحے وہ مسکرا
"تمہیں سب کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ زنیرہ کا ہاتھ تھام کر لے جانے
وہ جلدی سے سامنے آ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی سمیت دیکھنے لگیں پھر ہنس دیں اور
دوسرے سے لگ کر کھڑی ہو گئیں۔ تیمور نے کھٹ سے یہ منظر کیمرے میں قید کر لیا۔

"شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ ہنسا اور چھپاک سے کمرے سے نکل بھاگا۔

"آؤ چلیں باہر۔ وہ دونوں کمرے سے نکل آئیں۔ زنیرہ نہ چاہنے کے باوجود اس کے ہم
کھینچی چلی آئی کہ اس کے پاس انکار کا کوئی جواز نہ تھا پھر سائرہ بھی اتنے اصرار سے اسے اپنا
سے ملوانا چاہ رہی تھی۔ وہ اپنی بکھری ہمتیں مجتمع کرتی' اس کے ہمراہ لان کی رنگین کھلی فضا
چلی آئی۔

○☆○

بہار کیا اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے
میں برگ صحرا ہوں' ہوا بھی مجھ کو اڑائے تو دیکھ نہ پائے
اسے گنوا کے پھر اس کو پانے کا شوق دل میں یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی میں دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

مونا کے جانے کے بعد وہ کسی بے قرار روح کی مانند کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اسے لگ رہا
جیسے مونا نے اسے اندر سے تشنہ کر دیا ہو۔ ایسی تشنگی جو عمر بھر کے لیے ہو۔ کسی سوکھی بنجر زمین
مانند دل ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح اپنی یادوں' خیالوں کے کھنڈر میں تہی دست اور آبلہ
پھر رہی تھی۔

آج پھر اپنے تمام خوابوں کی کرچیاں رلا رہی تھیں۔

اجڑے دل کے در و دیوار پر ایسا سناٹا چھا گیا تھا۔ اتنی ویرانی چھا گئی تھی شاید پہلے کبھی نہ
ہو۔ بس ایک احساس تشنگی روح پر کچوکے لگا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مٹی آلود
چہرے بننے اور مٹنے لگے پھر سکندر کا چہرہ اور ایک ٹیس دل سے اٹھ کر پورے بدن کو لپیٹ
لے گئی۔ وہ زمین پر دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔

اسے گنوا کے پھر اس کو پانے کا شوق دل میں یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

اس نے دونوں ہاتھوں سے درد سے پھٹتے سر کو تھام کر سلگتی آنکھیں موند لیں۔ اسے اپنی
ذہنی حالت سے خوف آ رہا تھا۔ اسے زنیرہ کی شدید طلب محسوس ہونے لگی۔ اس کے مہربان وجود
کی اس کی تسلیوں کی۔ وہ آہستگی سے اٹھی اور کولر سے پانی پیا' الماری کھول کر دروازے کے
نچلے حصے سے سیاہ جلد والی ڈائری نکالی۔

یہ اس کی ان چند چیزوں میں سے ایک تھی جو وہ اپنے ساتھ اس گھر کی نشانی لائی تھی۔ وہ
ڈائری کو تھامے ہوئے ایک دباؤ سا اپنے دل پر محسوس کرنے لگی اور بیڈ تک پہنچتے پہنچتے بری طرح
ہانپ گئی۔ جیسے اس ڈائری کا وزن کسی بھاری سل کی مانند ہو اور اس کے شانوں پر دھر دیا گیا ہو۔
بیڈ پر بیٹھ کر کتنی ہی دیر تک ڈائری کو گود میں رکھ کر گھورتی رہی۔ جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہو کہ
اسے کھولا جائے یا بغیر کھولے پھاڑ دیا جائے پھر میکانکی انداز میں اس کے ہاتھ ڈائری کی چکنی جلد
کو سہلانے لگے۔ جیسے وہ اس کی قیمتی متاع ہو۔

ہاں ماضی...... یادوں کا خزانہ ہوتا ہے۔ اس کے پاس بھی اپنے ماضی کے خوش رنگ عذابوں
کا ایک خزانہ تھا جو اس کے لیے قیمتی بھی تھا اور جاں سوز بھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسے کھول دیا اور ورق پلٹنے لگی ایک جگہ اس کی انگلیاں لرز کر
تھم گئیں۔ سیاہ حرف اس کی آنکھوں کے آگے دھندلا سے گئے۔

"تیری شکل بصارت آنکھوں کی
تیرا لمس ریاضت آنکھوں کی
تیرا نام لبوں کی عادت ہے
میری اک اک سانس گواہ پیا
میرا شام سلونا شاہ پیا
ہمیں مار گئی تیری چاہ پیا

صرف تمہارا سکندر"

اس نے دھند کے غبار کو آستین سے صاف کرتے ہوئے صفحہ پلٹا۔

"تجھ سے کچھ' دیکھا نہ ہم نے بجز جفا
پر وہ کب کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

تمہارا پاگل سکندر"

"تم نہ ملو تو جاں شبستاں شام ہماری شام نہیں
آنکھیں، دو ویران دریچے، دل کو کہیں آرام نہیں
تم ساگر ہو، تم سورج ہو، تم جنگل ہو، تم خوشبو
میں وہ روح تماشی ہوں جس کا کوئی نام نہیں
تمہارا دیوانہ سکندر"

کاش، کاش سکندر مجھے تمہارے ان لفظوں پر یقین آ جاتا۔ میں اسے محض تمہارا شعری ذوق سمجھ کر مذاق نہ اڑاتی۔

کاش میری آنکھوں میں اتنے اونچے خواب نہ بسے ہوتے۔ میں اپنے گرد اپنی خواہشوں کی اتنی اونچی اونچی دیواریں نہ بنا کر رکھتی تو شاید مجھے تمہاری بے لوث چاہت دکھائی دیتی۔

کئی قطرے اس کی آنکھوں سے پھسل کر سیاہ حرفوں پر گر کر اور بھی سلگنے لگے۔

اس نے ورق پلٹا۔ یہ اس کی آخری تحریر تھی جو جانے کب اس نے چپکے سے لکھ دی تھی۔

دانیال کے آئے رشتے اور پھر اس کے احتجاج نے اسے کتنا مضمحل کر دیا تھا۔

مگر وہ کیسی کٹھور ہو گئی تھی ان لمحات میں۔

دکھ بچھڑنے کا نہیں ہوتا بلکہ ان رشتوں کے ٹوٹنے کا ہوتا ہے جو برسوں کی رفاقت کے بعد ایک پل میں ٹوٹ جاتے ہیں اور ہم تہی دامن رہ جاتے ہیں۔

شکستہ سکندر

اس کی آنکھوں سے ٹپکتے قطرے حرفوں کو مٹاتے گئے۔

وہ آج سکندر کی خوشبو کو، اس کی باتوں کی مہک کو شدت سے محسوس کر کے بکھر رہی تھی۔ وہ ایک ایسی سچی انمول خوشبو تھا جس کی مہک عمر بھر محسوس کی جاتی ہے۔ اس نے ڈائری ایک طرف ڈال دی۔ اس کا دل اپنے ہی سلگتے آنسوؤں سے بھر گیا تھا۔

"تم.... تم اتنے دعوے کرنے والے سکندر۔ منی آپا سے شادی کر لی میرے پلٹنے کا انتظار تو کر لیتے۔" اس کے درد سے پھٹتے ذہن میں خود غرض سی سوچ ابھری مگر دوسرے لمحے اس نے کرب سے نچلا ہونٹ دانتوں سے کچل ڈالا۔ "میں نے کب کوئی راستہ، کوئی روزن، کوئی در کھلا چھوڑا تھا۔ میں تو اپنی ساری کشتیاں جلا کے آگے بڑھی تھی اور جس سفر پر چلی تھی وہاں پلٹنے کو پھر کوئی راستہ نہیں ہوتا۔"

گھر نہیں رہتا۔

صرف چاروں طرف اندھیرا، گھپ اندھیرا رہ جاتا ہے اور سارے چہرے گم ہو جاتے ہیں۔

وہ اٹھ کر برآمدے میں آ گئی۔ بالکنی سے باہر فضا میں پھیلا ہوا سکوت اور سناٹا اسے بہت

بہت محسوس ہونے لگا۔ شام کا سرمئی دھندلکا قدم رکھ چکا تھا۔ وہ سرسراتی ہوا میں درختوں کے پتوں کو جھولتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"نہیں شہلا، دل کوئی سرائے نہیں ہے کہ کوئی آیا، ذرا دیر ٹھہرا اور چلا گیا۔ نہیں رفاقت میں آدمی ہمہ جاں شامل نہ ہو تو وہ سراب ہے۔" زنیرہ علی کی ملائم آواز اس کے اندر سے گونجی۔

وہ گرل پر تھوڑی ٹکا کر گزری باتوں، گزرے منظروں کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس کی اور دانیال ملک کی رفاقت بھی تو ایک سراب تھی اور کمال احمد کے ساتھ گزرے شب و روز بھی سراب۔

زنیرہ اور شہلا نواز میں یہی تو فرق ہے کہ زنیرہ علی تم نے اپنے دل کو سرائے نہیں بننے دیا اور میں شہلا نواز۔ دل کو بازار بنا بیٹھی۔ ایک رنگا رنگ بازار اور اس میں خود ہی بکتی رہی۔

عورت کا دل مکان تو نہیں ایک گھر ہوتا ہے۔ جسے وہ ایک مرد کے نام سے سجاتی ہے، بساتی ہے، اس کے لیے ہزار قربانیاں دیتی ہے۔ ایک ایک اینٹ اعتبار کی اپنے لہو سے سینچ سینچ کر رکھتی ہے تب کہیں سرخرو ہوتی ہے۔

اور مرد اس گھر کی ٹھنڈی چھاؤں میں اپنی ساری تھکن اتارتا ہے۔ عمر بھر کے لیے ٹھہر جاتا ہے اس ٹھنڈی چھاؤں میں، اس پناہ میں۔ بازار میں کون ٹھہرتا ہے شہلا نواز۔ یہاں تو آنے والے دم بھر ٹھہرتے ہیں، سودا کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

ایک بار پھر سارے پچھتاوے، سارے درد ایک ایک کر کے روح پر کچوکے لگانے لگے تھے اس نے تھک کر تمام سوچوں سے چھٹکارا پانے کے لیے سر جھٹک دیا اور زنیرہ کے بارے میں سوچنے لگی۔

آج تو وہاں فنکشن ہو گا، خوب رونق ہو گی۔ یقیناً زنیرہ اپنے لہنگے سوٹ میں بے حد، بے حساب پیاری اور دل موہ لینے والی لگ رہی ہو گی۔ اس نے کہا تھا وہ پارلر سے ہلکا میک اپ بھی کروائے گی۔ اف پھر تو کتنی قاتل لگے گی۔ شاہ دل کی خیر نہیں۔ اس کے تصور میں شاہ دل کا خوب صورت سراپا ابھرنے لگا اور نازک سبک سی زنیرہ علی شرمائی شرمائی اس کے ساتھ دکھائی دینے لگی۔

"خدایا تو اس بے وقوف لڑکی کے دل میں اس پیارے بندے کی محبت ڈال دے۔" اس کا دل بے اختیار دعا دینے لگا پھر خود ہی مسکرانے لگی اپنی اس دعا پر۔

اسی دم بائیک کی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کر لی۔ وہ سر اٹھا کر آواز کی سمت دیکھنے لگی تو اس کے رگ رگ میں آگ چٹخنے لگی۔ کمال احمد مسکراتا بائیک سے اتر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک

اجنبی لڑکی بیٹھی تھی جس سے جھک کر وہ کچھ کہہ رہا تھا اور وہ سر ہلا رہی تھی پھر اس نے دکھاوا کا
گیٹ دھکیل کر اندر چلا آیا اور لان کا حصہ بڑے بڑے قدموں سے عبور کر کے اپنے رہائشی حصے
میں گم ہو گیا۔

شہلا کی آنکھیں اسی لڑکی پر جم گئیں' وہ بیس بائیس سال کی عمر تک کی لڑکی دکھائی دے رہی
تھی۔ ہلکے بادامی اور بلیک کڑاہی کے دوپٹے سوٹ اور اسی میچنگ کی کوٹی میں وہ خاصی پرکشش
لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے دہکنے لگیں۔ اچانک اس کا ذہن الٹ کر رہ گیا۔
ہر چیز' ہر شے تہس نہس کرنے کو دل چاہا۔
اپنی شکستگی کا احساس بڑھ گیا۔

وہ تیزی سے دروازہ کھول کر سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتری۔ اسی دم کمال اپنے رہائشی حصے
سے نکلتا' لان میں آیا مگر شہلا نواز کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ لبوں پر مچلتی پرشوخ دھن دم توڑ گئی۔
دوسرے لمحے اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ چہرے پر زمانے بھر کی بیزاری اور تندہی دکھائی دینے
لگی۔ وہ اسے نظرانداز کرتا ہوا آگے بڑھا مگر وہ اس کے سامنے آ گئی تپے رخساروں پر نفرت کی
تمتماہٹ پھیل گئی تھی۔

"کیا بات ہے؟" وہ انتہائی کھردرے لہجے میں استفسارانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا مگر زیادہ
دیر تک نہ دیکھ سکا۔

"زیادہ غصہ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے' کون سی تمہاری پارسائی مجروح ہوئی ہے۔ جو چیز
ہو ہی نہ اس پر کیا آنچ آئے۔ یوں بھی شریف کو کمینہ کہو تو وہ پروا نہیں کرتا لیکن کمینے کو کمینہ کہو تو
وہ بھبک اٹھتا ہے۔"

"جس طرح کتوں کو ہڈی مل جاتی ہے اسی طرح تم جیسے ہوس پرست کو لڑکیاں مل جاتی
ہیں۔" وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی "کون سا والا شکار ہے۔"
"شہلا۔" وہ بھبک اٹھا چابک جیسا وار جو ہوا تھا۔
"اونہہ۔ تو تمہیں کس بات پر فخر ہے شہلا صاحبہ؟" وہ اپنے اشتعال کو قابو کرتا ہوا اس پر
ہنسا۔

"تم بھول رہی ہو کہ جب تم مجھ تک پہنچی تھیں تو خود ایک گندگی کا ڈھیر تھیں۔"
"ہاں اور تم بھول رہے ہو کہ گندگی کے ڈھیر پر کیڑے مکوڑے حشرات ہی منڈلاتے ہیں۔"
"شہلا۔ اپنی حد میں رہو۔" کمال نے قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھ کر دوسری طرف سے
نکلنا چاہا مگر وہ پھر اس کی راہ کو روک گئی۔

"...نے پوچھا تھا۔ یہ لڑکی کون ہے؟ تمہارا کون سا شکار۔"
"...پورا اوتھ۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"
"...واہ' مجھے غرض نہیں ہو گی تو کس کو ہو گی۔ آخر تم میرے مقروض ہو۔ تمہیں اتنی
...معاف نہیں کروں گی جتنا کھویا ہے اتنا وصول تو کروں گی ہی۔"
"...تم کوئی نادان یا نابالغ لڑکی نہیں تھیں اپنے سود و زیاں کے خود ذمے دار تھیں' ہٹ جاؤ
...اپنے سے ورنہ۔"
"...ورنہ۔" شہلا کا رواں رواں استہزائیہ ہنسنے لگا۔ "تم کیا بگاڑ سکتے ہو میرا مگر میں آج
...پول کا پول کھولوں گی اور اس لڑکی کو تمہارے مکروہ جذبوں کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں
...کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ پلٹ کر گیٹ کی طرف بڑھی کہ کمال لپک کر اسے
...عقب کر پیچھے کرنے لگا۔
...اگر تم نے میرے اور اس کے معاملے میں اپنی ٹانگ اڑائی۔ تم چیز کیا ہو شہلا نواز۔
...لڑکیوں سے نمٹنا میں خوب جانتا ہوں۔" وہ اسے پیچھے گھسیٹتا دھاڑتا گیا۔ شہلا نے اپنا
...لگا کر اسے ایک ہاتھ سے دھکا دیا۔ یہ دھکا اتنا غیر متوقع اور زوردار تھا کہ کمال لڑکھڑا کر
...گیا۔

"...تمہیں مار ڈالوں گا اگر..... اگر تم نے فائزہ سے کچھ کہا تو۔" وہ بپھرے ہوئے شیر کی
...اس کی طرف لپکا۔
"...جاؤ۔ بہت دیکھے ہیں میں نے تم جیسے گیدڑ بھبکیاں دینے والے۔ یوں بھی مجھے مرنے
...تمہیں مار کر مرنا زیادہ پسند کروں گی۔ تاکہ ایک نیکی کر جاؤں۔" وہ دوبارہ پلٹ کر
...طرف بڑھی مگر رک گئی۔
...اس شور شرابا کو سن کر گیٹ کے اندر آ کر حیرت کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ صرف یہی
...بھی کئی بالکونیوں سے چہرے جھانک رہے تھے۔
...نے زور سے پیر پٹخا۔ "فائزہ تم چلو باہر۔" وہ اس کی طرف بڑھا مگر شہلا تیر کی طرح اس
...کے درمیان آ گئی۔
"...یہ باہر کیوں جائے۔ اسے بھی پورا حق ہے تمہارے بارے میں جاننے کا۔ اسے
...اندھیرے میں رکھنا چاہ رہے ہو تم؟"
...دل چاہا وہ کہیں سے گولیوں بھرا ریوالور لے آئے اور پورا برسٹ شہلا پر خالی کر
...شہلا کے سامنے خود کو کسی پر کٹے پرندے کی طرح بے بس اور مفلوج محسوس کر رہا تھا۔

فائزہ نامی لڑکی کی آنکھوں میں حیرانگی اور خوف کا ملا جلا تاثر تھا۔ وہ کبھی کمال کو دیکھ رہی تو کبھی شہلا نواز کو۔

"غور سے دیکھ لو لڑکی' اس انسان کو جو انسان کے چولے میں درحقیقت ایک سفاک غیرت درندہ ہے وہ میری اور میری جیسی کئی لڑکیوں کا مقروض ہے' بے غیرتی اس پر ختم نہیں بلکہ اس سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی ہے۔ یہ اپنی ماں کا اکلوتا ہے مگر اس قابل ہے کہ اس کا منہ کالا کر کے اسے گدھے پر بٹھا کر پورے شہر میں گھمایا جائے۔ یہ جذبوں کا بیوپاری بھنورا صفت ہے' بھنورا صفت۔" اس کی آواز بھرا گئی مگر وہ اب بھی چیخ چیخ کر کمال احمد کی کو بے نقاب کر رہی تھی۔

"اور تم...... تم کیا ہو؟" کمال مٹھیاں بھینچتا اس کے قریب آیا۔

"میں۔" شہلا کی دہکتی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے ایک نظر کمال کے انگارہ اور نفرت سے بھرے تمتماتے چہرے کو دیکھا۔

"میں' تم جیسے نفس پرست مردوں کا وانہ۔"

لمحہ بھر کو سناٹا چھا گیا۔ ایسا ہی خوفناک سناٹا اس لڑکی کے دل میں بھی پھیل گیا۔ اس کی رگ رگ میں نادیدہ خوف سرائیت کر رہا تھا۔

وہ کمال احمد کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی خوفناک صورت والا مکروہ جانور ہو۔

"فائزہ یہ...... یہ پاگل لڑکی ہے۔ دیکھو اس کی بات پر توجہ مت دو چلو آؤ تم۔" کمال خود کو سنبھال کر اس کی طرف بڑھا اور ایک نیا ترپ پھینکا۔ "اسے کبھی کبھی ایسے دورے اٹھتے ہیں" اس نے مجسم حیرت بنی لڑکی کا ملائم ہاتھ تھام کر تھپتھپایا۔

"کیا...... کیا؟" شہلا بھبک کر اس تک پہنچی۔ "میں...... میں پاگل ہوں۔"

"ہاں' جاؤ' جا کر آرام کرو۔ میرا خیال ہے فائزہ میں اسے خود اندر چھوڑ کر آتا ہوں۔ ایسا نہ ہو یہ خود کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھے۔" کمال' کمال ڈھٹائی سے جھوٹ بولتا شہلا کے بازو کو پکڑ کر تھاما یوں جیسے حقیقتاً وہ پاگل لڑکی ہو اور اسے معصوم بچے کی طرح بہلا پھسلا کر لے جا رہا ہے۔

شہلا اس ہتک پر غصہ سے بھر گئی اور کمال پر جھپٹ پڑی۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے؟" اچانک شمشاد بیگم کی آواز گونجی تو شہلا کا حرکت کرتا ہاتھ رک ہو گیا۔ البتہ کمال کا گریبان اس نے نہیں چھوڑا۔

کمال نے رخ موڑ کر اپنی ماں کو دیکھا پھر شہلا کے ان ہاتھوں کو جو اس کے گریبان پر تھے

"یہ کیا بدتمیزی ہے کمال۔" شمشاد بیگم دونوں کے قریب آ چکی تھیں۔ ان کی قہر برساتی نگاہوں کا مرکز کمال تھا۔

"جی" کمال کو جیسے شاک لگا۔ وہ بجائے شہلا کو اس کے گریبان جھنجوڑنے پر کچھ کہتیں وہ اس سے مخاطب تھیں۔

"جاؤ شہلا تم اوپر۔" انہوں نے سپاٹ نظروں سے شہلا کو دیکھا تو وہ اس کے گریبان جو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر پلٹ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

"لڑکی! تم بھی جاؤ۔" اب انہوں نے اس اجنبی لڑکی کی طرف توجہ دی جو ہراساں سی پہلے ہی بت سے لگ گئی تھی۔ شمشاد بیگم کے حکم پر یوں بھاگی جیسے کوئی پرندہ پنجرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر پھر سے اڑ جائے۔

کمال نے اضطرابی انداز میں کچھ کہنے کو منہ کھولنا چاہا کہ شمشاد بیگم کی آواز نے اس کے لفظوں کا گلا گھونٹ دیا۔

"تم میرے ساتھ اندر چلو۔" ان کی آواز میں ایسی برفیلی گونج تھی جو کمال کی سماعت سے ہوتی ہوئی اس کے سینے کو بھی یخ بستہ کر گئی وہ خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑا۔

○☆○

"ارے تم نے کپڑے چینج کیوں کر لیے۔" بھابی اپنے بھاری دوپٹے سے پنیں نکالتے ہوئے لونگ روم میں داخل ہوئیں اور زنیرہ کو دیکھا "تیمور کہہ رہا تھا ابھی کچھ تصویریں بنانی ہیں ذرا دیر کو ٹھہر جاتیں۔"

"آپ لوگ بنا لیں' میں تو ایزی ہونا چاہ رہی تھی۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ سب تھکن سے چور ہو رہی تھیں۔ لونگ روم میں ہی سب کی سب دھرنا مار کر بیٹھ گئی تھیں کچھ تیمور کا اصرار تھا کہ ریل مکمل ہو جائے تو دھلنے دی جا سکے۔

"بھئی مجھے ابھی کوئی تصویر نہیں کھنچوانی۔" نیلی اپنا شرارہ سنبھالتی صوفے سے اٹھتے ہوئے بیزاری سے بولی۔ "پہلے ہی کمر اکڑوں بیٹھے بیٹھے تختہ ہو گئی ہے اور اوپر سے جماہیاں لے لے کر اب تو جبڑے دکھنے لگے ہیں۔"

"کہاں روکی تھیں تم نے جماہیاں اس وقت بھی۔" سائرہ سینڈل سے پیر آزاد کر کے قالین پر بیٹھتے ہوئے یہ کہتے ہوئے زور سے ہنسی۔ "منہ پھاڑے اتنی تو لی تھیں تیمور نے ایسے ویسے پوز کیمرے میں قید کر لیے ہیں صاحبہ۔"

"ہائے نہیں۔" وہ کمرے سے نکلتے نکلتے سائرہ کی بات پر پلٹی۔ "سچ کہو اس بدتمیز نے ایسا کیا

ہے؟"

"لو میں کوئی جھوٹ بول رہی ہوں۔ دھل کر آجائیں تو دیکھ لینا۔"

وہ سب کھی کھی کرنے لگیں۔ نیلی کا چہرہ اتنا کھسانا ہو گیا تھا۔

"پورا جنگلی ہے وہ۔ خیر آلینے دو تصویریں میں پھاڑ دوں گی۔ اس کی عادت ہے سر ہنسانے کی۔ کبھی اس کے جوکر جیسے چہرے کا فوٹو کھینچ لینا کسی نے تو پتا چلے گا۔"

"بس بس زیادہ دکھی ہونے کی ضرورت نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ ہم سب ہنسیں گے ہی یوں بھی دوسروں کو ہنسانا نیکی کا کام ہے۔"

"آپ تو چپ ہی رہیں۔" نیلی نے بھابی کو گھور کر دیکھا۔

"سنو سنو نیلی۔ ذرا اپنا رنگ تو دکھانا۔" فارحہ نے اسے کمرے سے جاتے دیکھ کر کہا۔

"ذرا غور سے دیکھیں تو یہ عمیر بھائی نے تو ہم سب سے چھپا کر رکھی تھی۔ کتنا کہا مگر صاف کہہ کہ اسی روز نیلی کی انگلی میں دیکھ لینا۔ ایسے ہی شو مار رہے تھے۔" فارحہ نیلی کا حنائی ہاتھ تھامے انگیج منٹ رنگ دیکھنے لگی۔

"واہ زبردست۔ یہ عمیر بھائی کی پسند تو بہت لاجواب ہوتی جا رہی ہے۔" اس نے سر اٹھا کر نیلی کے خوب صورت چہرے پر معنی خیز تبسم پھینکا تو اس نے شرما کر اسے ایک دھپ رسید کر دی۔ سب کو ہی رنگ بے حد پسند آئی تھی۔

"بندہ باذوق ہے۔" زنیرہ نے بھی ریمارکس دیا۔ بھابی نے مسکراتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

"ہمارے خاندان کے سارے ہی لڑکے باذوق ہیں' خاص کر شاہ دل تو بے حد' بے حساب اس کی پسند تو ہمیشہ سے منفرد اور زبردست رہی ہے۔"

"بالکل۔" نیلی بھابی کی معنی خیز مسکراہٹ کو قطعی نہ سمجھی تھی۔ بس بھائی کی تعریف کا ساتھ دینا ضرور سمجھا۔ زنیرہ کے دل کی دھڑکن لمحہ بھر کو تیز ہوئی اس نے بھابی سے نظریں چرالیں۔

"لیڈیز...... لیڈیز۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ کیمرا فل ہو چکا ہے۔" تیمور نے سر اٹھا کر اندر جھانکا اور سب کو انہی کپڑوں میں دھرنا مارے بیٹھا دیکھ کر اس کو ہنسی دبانی مشکل ہو گئی۔

"اے کیا مطلب ہے؟" بھابی کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف مڑیں۔

"مطلب یہ مسز ثاقب کہ جو ریل بچی کھچی تھی وہ ہم نے خود پر ضائع کر دیں اب مزید ضائع ہونے کے لیے کچھ نہیں رہا۔"

"یہ تو نری بدتمیزی ہے' ہم لوگوں نے تمہارے کہنے پر کپڑے بھی چینج نہیں کیے اب تک۔ پھوپی کو بھی بٹھائے رکھا ہے۔" وہ انتظار کی اتنی کوفت اٹھانے کے بعد تیمور کی اس بکواس پر بھڑک گئیں۔ زنیرہ اور سائرہ نے بے ساختہ ہنسی دبائی تھی۔

"ہم ہوئیں۔ اتنا جھوٹ تو مت بولیے بھابی جان۔ کپڑے تو آپ نے ثاقب بھائی کے انتظار میں نہیں بدلے جو پھوپی جان کو ڈراپ کرنے گئے ہیں آخر ان سے بھی تو داد وصول کرنی ہے اس محنت کی بلکہ شکل بدلنے کی۔"

بھابی کا سینڈل فضا میں اچھل کر اس طرف آیا مگر اس نے مہارت سے کیچ کر لیا۔

"بس۔ بس دوسرا سنبھال کر رکھیے۔ ثاقب بھائی اب آتے ہی ہوں گے۔" اس نے بھابی کو جھک کر دوسری سینڈل اٹھاتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ بھابی نے بھی دکھا نہ تاؤ۔ دوسرا سینڈل بھی اچھال دیا مگر وہ اڑنچھو ہو چکا تھا۔

"بدتمیز ہو تو۔" بھابی جھنجلا گئیں۔ "میں جا رہی ہوں کپڑے بدلنے' بدتمیز نے ایسے ہی پریشان کیا۔" وہ روٹھی روٹھی سی دروازے کی طرف بڑھیں تب نیلی جلدی سے بولی۔

"میرا خیال ہے اب تو ثاقب بھائی آتے ہی ہوں گے۔"

کمرہ ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔ بھابی پلٹے بغیر سرعت سے دروازے سے نکل گئیں۔

○☆○

رات بھر کی تھکن نے صبح سب کو ایسا نڈھال رکھا تھا کہ تائی ماں کی ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود بستر سے نکلنے کو کوئی بھی تیار نہ تھا۔ چونکہ چھٹی کا دن بھی تھا لڑکے بھی گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

ادھر زنیرہ رات بھر جاگی' صبح اپنا بیگ تیار کیے جانے پر مچل رہی تھی مگر تائی ماں اسے تنہا بھیجنے پر تیار نہیں تھیں وہ کسی لڑکے کے اٹھ جانے کا انتظار کر رہی تھیں۔

"رات کے فنکشن پر مزہ آیا تمہیں؟" منجھلی چچی نے اس سے پوچھا تو وہ تائی اماں کو چائے دیتے ہوئے مسکرا دی۔

"جی کیوں نہیں بہت مزہ آیا۔"

ذہن کی سطح پر چند ناخوشگوار منظر ابھرے مگر اس سے قطع نظر فنکشن کو اس نے ٹھیک ٹھاک انجوائے کیا تھا۔

"تم نے ناشتا کیا یا نہیں؟" تائی ماں نے تسبیح تکیے کے نیچے ڈال کر چائے کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔"

"کیا جی۔ صرف چائے تو پی ہے۔" منجھلی چچی نے جھٹ سے اس کا جھوٹ کھول دیا تو وہ مز
دی۔

"موڈ بالکل نہیں ہے ناشتے کا۔"

"سب کے سب تو گھوڑے بیچ کر سوئے پڑے ہیں۔ اسی لیے کہتی ہوں اس طرح کی دعوتیں شام کو ہی نمٹا دینی چاہیے تاکہ رات جلدی فراغت مل جائے مگر میری سنتا کون ہے' پتا نہیں یہ نئی نسل کو الو کی طرح رات رات بھر جاگتے رہنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ خود بھی ہلکان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی کرتے ہیں۔ جاؤ تم ناشتا کرلو' اس طرح صبح صبح صرف چائے پینے سے صحت خراب ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ کل تو تم بہت پیاری لگ رہی تھیں میری تو نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔ یہ ساجد کی دادی تو کرید کرید کر تمہارے بارے میں پوچھے جا رہی تھیں مجھ سے۔" تائی ماں بڑی محبت سے اسے تکتے ہوئے بولیں تو وہ سٹپٹا گئی اس تعریف پر۔

"ارے بھابی۔ آپ نے اسے پہلے دیکھا ہی کہاں تھا بعد میں تو اس نے سارا میک اپ چھڑا لیا تھا۔" منجھلی چچی جلدی سے بولیں تو وہ ان دونوں خواتین کی نظروں اور تعریفوں پر جھینپ کر رہ گئی اور جھٹ سے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر کلیجہ دھک سے رہ گیا دروازے کے عین وسط میں شاہ دل خان کھڑا تھا پھر اندر آگیا۔ سفید شلوار سوٹ میں خاصا فریش موڈ کے ساتھ دکھائی دے رہا تھا۔

"اتنا کون پیارا لگ رہا تھا امی کہ آپ دونوں خواتین یوں فریفتہ ہو رہی ہیں؟" اس نے ایک مسکراتی پر معنی نظر دائیں طرف کھڑی اس کے سرخ چہرے پر پھینکی۔

"زنیرہ کی بات کر رہی ہوں۔ کل ماشاء اللہ کیسی سج رہی تھی۔ خود کو تھوڑا بہت سجا سنوار کر رکھا کرو بیٹی کیوں چھڑا لیا تھا میک اپ سارا؟"

اف یہ تائی ماں' وہ شاہ دل کی موجودگی میں اپنی ذات کو موضوع گفتگو بنتا دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس پر مستزاد اس کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ۔

"ہیوی بہت کر دیا تھا اس نے۔ اس لیے دھونا پڑا۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

کل کا سارا منظر اور اپنی حماقت ذہن میں تازہ ہو گئی۔ وہ اندر ہی اندر خجالت کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اس کمرے سے بھاگ جانے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ دونوں خواتین اس کے دل کی حالت سے بے خبر اپنی سادہ دلی کا ثبوت دے رہی تھیں۔

"کبھی کبھی تو ایسے دن آتے ہیں جن میں سجنا سنورنا اچھا لگتا ہے یوں بھی مجھے تو زیادہ ہوی

تما نا تھا۔"

صرف مسکرا دی۔ منجھلی چچی کی ایسی محبت بھری بات کے جواب میں کہتی بھی کیا۔

"یہ آپ خواتین کی عادت ہوتی ہے کیا کہ ایک دوسرے کی خود ہی تعریفیں کرتی رہیں۔" شاہ نے تائی ماں کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا تو منجھلی چچی جلدی سے بولیں۔

"چل ہٹ' کوئی نہیں۔ اس میں عادت وادت کی کیا بات ہے۔ جو چیز اچھی ہو گی اسے اچھا ہی کہیں گے۔"

"بالکل' بالکل۔ میرا بھی نقطہ نظر یہی ہے کہ جو اچھا لگے اسے کھل کر اچھا کہنا چاہیے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے تائیدی انداز اختیار کیا۔ زنیرہ کے دل کی دنیا میں طوفان سا آ گیا۔

"تم نے ناشتا کیا یا نہیں یا صرف زنیرہ کی طرح چائے پی ہے۔"

"بھرپور ناشتہ کیا ہے۔ صحت کے اصولوں کے مطابق۔ یوں بھی مجھے چائے پی پی کر دل بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"چلو اٹھو اور زنیرہ کو ذرا چھوڑ کر آؤ۔ کب سے بچی تیار بیٹھی ہے اور ادھر کوئی لڑکا اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ آج چھٹی کی وجہ سے ڈرائیور بھی نہیں آئے۔" منجھلی چچی' شاہ دل سے بولیں زنیرہ خان کا دم اٹکنے لگا۔ وہ کمرے سے نکلتے ہوئے رک کر بولی۔

"آنٹی آپ بلاوجہ زحمت نہ دیں کسی کو۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" اس کا لہجہ خفیف سا تجا آمیز تھا۔

"یہ زحمت' میں رحمت کی طرح اٹھاؤں گا۔" وہ تائی ماں کے بیڈ سے اٹھتے ہوئے براہ راست اس سے مخاطب ہوا۔ "کہ یہ میری امی کا حکم ہے۔"

وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔ اس کی اس مکاری اور اپنی بے بسی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔ اس کے پاس شاہ دل کے ساتھ نہ جانے کا ایسا کوئی جواز نہ تھا منجھلی چچی کے سامنے پیش کرتی۔

"براہ مہربانی آپ آگے بیٹھئے ورنہ میں اس طرح خود کو ڈرائیور محسوس کروں گا۔" اسے بیک ڈور کھولتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔

"تو نہ کیجئے۔ کوئی زبردستی تو آپ کو محسوس نہیں کرا رہا۔" اس کا لہجہ ذرا غصیلا ہو گیا مگر وہاں اطمینان ہنوز قائم تھا۔

"احساسات پر تو اختیار کسی کا تو کیا اپنا بھی نہیں چلتا اگر مجھے تم اچھی لگتی ہو تو کوئی میرے یہ احساسات مٹا نہیں سکتا لاکھ ذہن منکر ہو مگر دل کہاں مانے گا۔"

"افوہ۔ یہ بات کو آپ کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔" اس نے جھنجلا کر بیک ڈور بند کر کے فرنٹ سیٹ پر خود کو گرا لیا کہ اسی میں عافیت تھی۔ وہ اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھی اور مزید پورچ میں کھڑے رہ کر اپنا تماشا نہیں بنانا چاہ رہی تھی۔

"شکریہ۔ میرے جذبوں کے احترام کا۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ "یہ فرمانبرداری تم پر بہت سوٹ کرتی ہے۔" وہ اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے بے اختیار ہنسنے بھی لگا۔

اس نے سلگ کر ایک نظر ڈالی مگر جلد ہی نظروں کا رخ پھیرنے پر مجبور ہو گئی۔

میرے اللہ۔ یہ شخص صبح صبح بھی اتنا جذبوں سے پر ہے۔ وہ اس کی مقناطیسی آنکھوں سے بچنے کے لیے سامنے دیکھنے لگی۔

گاڑی شاہ پیلس کے پورچ سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔ اس نے اسپیڈ بے حد ہلکی رکھی تھی اسے الجھن ہونے لگی۔ یہ روز روز امتحان سے گزرنا کوئی آسان تو نہ تھا۔ وہ اس شخص کی موجودگی میں خود کو بے حد کمزور اور نازک ڈال کی مانند محسوس کر رہی تھی جو تیز ہوا کے جھکڑ میں گرفتار ہو۔ کچھ یوں شاہ دل کے سچے جذبوں کی ہوائیں اسے کمزور سے کمزور تر کر رہی تھیں۔ اسے یقین سا ہونے لگا تھا کہ وہ اب سنبھل نہیں پائے گا بلکہ اس کے قدم تو اکھڑ ہی چکے تھے۔

گاڑی کا شیشہ اٹھا کر اس نے اے سی کھول دیا تھا۔ ساتھ میں ایک کیسٹ ٹیپ میں ڈال کر اس کا بٹن آن کر دیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی میں خنکی کے ساتھ ایک خوبصورت آواز کا رس بھی دوڑنے لگا اور زنیرہ کی رگوں میں بھاگتا دوڑتا خون تند ہی اختیار... کر کے چہرے پر سمٹنے لگا۔

وہ مضطربانہ انداز میں گود میں رکھے بیگ کی زپ کھولنے اور بند کرنے لگی۔ اتنے خوشگوار ماحول میں بھی اس کے ماتھے پر ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ نکلا۔ یہ شخص ہر طرح سے اس آزمانے اور ہرانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ آہستگی سے پلکیں اٹھا کر اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی مگر اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی تھیں وہ غزل کے بولوں میں گم تھا یا کچھ اور سوچ رہا تھا۔

اس نے اسے مکمل ونڈ اسکرین کی جانب متوجہ دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر ٹیپ کا بٹن آف کرنا چاہا مگر اس کا بھاری ہاتھ اس کے نرم ٹھنڈے ہاتھ پر ٹھہر کر اس کوشش کو ناکام بنا گیا۔

روح کو شاد کرے دل کو جو پر نور کرے
ہر نظارے میں یہ تنویر کہاں ہوتی ہے
کون کہتا ہے محبت کی زباں ہوتی ہے

دونوں کے دل کی حالت سے بے خبر غزل گو اپنی آواز کا جادو جگا رہا تھا۔

شاہ دل کے ہاتھ کے بھاری لمس نے اس کا دل جیسے سینے کی دیواروں میں دبا کر رکھ دیا تھا۔

سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی وہ بھی خالی سڑک کا فائدہ اٹھا کر اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بے اختیار دھڑکتے نازک لمحے سرعت سے گزرنے لگے۔ اچانک اس کی لمبی لمبی سیاہ گھور پلکیں سحر انگیز آنکھوں پر یوں جھک گئیں جیسے کسی چشمے پر بید مجنوں کی شاخیں۔

شاہ دل کی فسوں خیز آنکھوں کا طلسم اس کی نس نس میں برقی لہروں کی مانند اتر گیا تھا۔ اس کا دل تمناؤں کے سیل شوق میں بہنے لگا مگر سنبھل بھی گیا۔

"یہ میں نہیں گا رہا یہ تو کسی شاعر کے اپنے دل کی آواز ہے۔" اس کے لبوں کی تراش میں مدھم مسکراہٹ ابھر آئی۔

اس نے جلدی سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور رخ موڑ لیا۔ خفت کا رنگ رخساروں کو چھو گیا تھا۔

"کیا آپ گاڑی کی اسپیڈ بڑھا نہیں سکتے۔ میرا خیال ہے کہ اتنا آہستہ تو آپ نہیں چلاتے۔" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔

"اس سفر کو طویل کر کے میں اس ادھورے اور خوب صورت اعتراف شکست کو مکمل کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اس کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔

اس نے اسپیڈ اور بھی ہلکی ہو گئی۔

وہ لبوں کا کونا دانتوں میں دبا کر بے چین نظر آنے لگی۔

"کیا یہ سچ ہے زنیرہ جو میں نے کل تمہاری آنکھوں میں دیکھا تھا؟"

خود کو مضبوط بنانے والے سارے ہی ہتھیار جیسے زنیرہ کو اپنے ہاتھوں سے پھسلتے محسوس ہوئے۔

"کک..... کیا دیکھا تھا؟" اس نے ذرا سا چہرہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"شکست۔" اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں اپنی بھوری آنکھیں گاڑ دیں کہ وہ کتنے ہی پل تو پلکیں نہ جھپک سکی۔ جیسے وہ طلسمی آنکھوں کے اندر مچلتے اعتماد اور جذبوں نے سحر طاری کر دیا ہو۔

"دو آنکھیں ہمارا سچ ہیں زنیرہ علی۔ جو دل سے مشروط ہوتی ہیں اگر آنکھیں انسان کے چہرے سے نکال دی جائیں تو یہ دنیا بہت بدصورت، بدرنگ اور دھوکے باز نظر آنے لگے۔" وہ گہرے اطمینان سے بول رہا تھا اس کا اطمینان غارت کرتے ہوئے۔

اس کی انگلیاں بیگ پر مضبوطی سے جم گئیں اور پلکیں رخساروں پر جھک آئیں۔

"پتا نہیں آپ کس شکست کی بات کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے میں نے کبھی خود کو کمزور

نہیں سمجھا ہے۔" وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی مگر اس لہجے میں اعتماد مفقود تھا جس کا احساس خود اسے بھی ہوا۔

وہ گاڑی ایک خوب صورت پارک کے کنارے روک کر اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ کہنیوں تک پھیلا کر اس کی جھکی جھکی لرزتی پلکوں کو دیکھنے لگا۔

وہ جس شکست کے اعتراف سے گریزاں تھی وہ شکست تو اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اس کے ہاتھوں کی اضطرابی جنبش اور لرزتی پلکوں میں واضح دکھائی دے رہی تھی۔

"خود کو مضبوط ظاہر کرنا اور مضبوط ہونا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ شیر خود کو بہادر سمجھتا ہے اس لیے کہ وہ ہوتا ہے مگر چڑیا بھی خود کو اتنا ہی مضبوط سمجھتی ہے مگر ہوتی نہیں ہے۔ محض سمجھنے سے وہ ہو بھی نہیں سکتی۔"

"شاہ... دل..... آ...... آپ۔"

"اپنی شکست کا اعتراف بھی بہادر اور مضبوط لوگ کرتے ہیں۔" اس نے سرعت سے اس کی بات کاٹ دی۔ "میرا خیال ہے زنیرہ۔ ہم دونوں کو صلح کر لینی چاہیے اور اس جھوٹی انا کے خول سے باہر صاف ستھری فضا میں نکل کر سچائی کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے اپنی اپنی ہار کا تمغہ وصول کر لینا چاہیے۔" وہ اس پر ایک نظر پھینک کر گاڑی سے باہر نکل آیا اور گنگنانے لگا۔

خوش حال سے تم بھی لگتے ہو
یوں افسردہ تو ہم بھی نہیں
پر جاننے والے جانتے ہیں
خوش ہم بھی نہیں، خوش تم بھی نہیں
خاموش سے تم ہم مہر بہ لب
جگ بیت گئے تک بات کیے
سنو کھیل ادھورا چھوڑتے ہیں
بنا چال چلے بنا مات کیے
جو بھاگتے بھاگتے تھک جائیں
وہ سائے رک بھی سکتے ہیں
چلو توڑو قسم اقرار کرو
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں

زنیرہ پہلے ہی پارک کو دیکھ کر چکرا گئی تھی۔ اس پر مستزاد وہ بڑے اطمینان سے بیک ڈور

...گنگنا رہا تھا۔ وہ کوئی نادان نہ تھی۔ وہ صاف اسے ہی سنا رہا تھا۔

"آپ کہاں لے آئے ہیں؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"...وہاں جہاں راحت ملتی ہے، خوش گوار فضا ذہن و دل کی گھٹن کم کرتی ہے۔" وہ جھک کر ...اندر منہ کر کے جواباً بولا۔ "میرا خیال ہے یہاں بیٹھے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم بھی

"میرے ذہن میں کوئی گھٹن نہیں ہے۔" اس کا دل چاہا وہ یہ خوب صورت چہرہ نوچ لے۔

"مگر میرے دل میں تو بہت زیادہ گھٹن ہے۔ جسے تم تو کم کر نہیں سکتیں کم از کم قدرت ہی کر..." اس نے یہ کہہ کر یوں گہری سانس لی جیسے حقیقتاً خوشبو دار ہوا اور روشنی کو پھیپھڑوں ...بھر رہا ہو۔

...جھنجلا کر باہر آئی۔

"پلیز شاہ دل۔ یہ کیا بچکانہ حرکت ہے، یہ کوئی وقت ہے پارک میں آنے کا۔"

"...وقت ہوتا ہے اس میں تمہارا ساتھ نہیں ہوتا۔" وہاں سے کمالِ اطمینان سے جواب ...سن کے رہ گئی۔

"یہ تھرڈ کلاس عاشقوں والے انداز مجھے سخت ناپسند ہیں۔" وہ بگڑتے تیوروں سے دوسری ...دیکھنے لگی۔

"اچھا... ایسے کتنے تھرڈ کلاس عاشقوں سے واسطہ پڑا ہے تمہارا؟" وہ اس کی ...بات سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ اڑتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بھنا کر اس کی سمت پلٹی۔

"میرا خیال تھا آپ بہت سلجھے ہوئے انسان ہوں گے مگر۔" اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ شاہ ...خوب صورت قہقہہ گونج اٹھا اور وہ بے بسی کی انتہا تک پہنچ گئی۔

"شکریہ۔ میرے لیے یہ بالکل انوکھا انکشاف ہے ورنہ میں تو اتنا جانتا ہوں اپنے بارے میں ...بہت ضدی ہوں، اپنے ارادوں میں بے حد مستحکم، جو چیز میں اپنے لیے منتخب کر لوں آخر ...اس کے لیے لڑتا ہوں۔" شاہ دل کا لہجہ ہی نہیں چہرہ بھی سنجیدگی میں ڈھل گیا۔

...ریڑھ کی ہڈی تک میں نامانوس سی سنسناہٹ دوڑ گئی وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ کر ...لگی۔

"...آپ کو جہاں جواباً مل رہی ہو وہیں سے حاصل کر لینی چاہیے۔ غلط راستوں کا تعین ...منزل سے دور کر دیتا ہے۔" اس کا لہجہ بے لچک تھا۔ وہ شاہ دل چند لمحے اسے بڑی ...نظروں سے دیکھتا رہا پھر دو قدم بڑھ کر اس کے قریب آیا۔

"محبت کوئی کاروبار نہیں ہے کہ دوسری طرف سے کہیں مل رہی ہو تو وہاں سودا کر جائے۔ نہیں زنیرہ علی۔ میرے یہ جذبے مجھے میری زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ انہیں بہت سنبھال کر اور سینت سینت کر رکھتا ہوں۔ جذبے' خواہش' کوئی کھیل نہیں ہیں ان پر خرچ ہوتا ہے اور یہ اشتعال انگیز بات ہے کہ تم میرے جذبوں کو' میری خواہش کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہو حالانکہ خود تم بھی اسی سفر پر گامزن ہو۔ محض دھوکا دے رہی ہو۔ خود کو اور مجھے بھی بولو۔ جواب دو۔ میں غلط کہہ رہا ہوں۔ بولو۔" وہ اس کا بازو جکڑ کر اس کا رخ اپنی سمت کرتے ہوئے دھاڑا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔

اس کا یہ بالکل انوکھا اور خوفزدہ کر دینے والا روپ اس کے سامنے تھا۔ اس کا چہرہ یکدم مشتعل دکھائی دینے لگا تھا۔ جیسے بہت کچھ کھو دینے کا غم غصے میں بدل کر چہرے پر سمٹ آیا ہو۔ آہستہ آہستہ خود کو سنبھال بھی رہا تھا۔ جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"میں غالب نہیں ہوں کہ خاموشی سے اپنی شکست کا تماشا دیکھتا رہ جاؤں گا۔ وہ بھی عورت سے شکست' جو جان بوجھ کر محض اپنی انا کے زعم میں مجھے شکستہ اور خالی ہاتھ کر دینا چاہتی ہو۔ نہیں زنیرہ علی نہیں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کا وزن گاڑی کے فرنٹ ہڈ پر ڈال کر اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑ دیں۔ "میرے قدم تمہارے کسی بھی اقدام سے پیچھے ہٹنے کے بجائے اور تیزی سے آگے بڑھیں گے۔ میں تمہیں اپنے جذبوں سے کھیلنے' انہیں دھتکارنے کی کبھی اجازت نہیں دوں گا یاد رکھو۔"

وہ خوفزدہ سی اسے دھکیل کر پیچھے ہٹی۔ وہ اس لمحے اسے ایک جنونی دکھائی دے رہا تھا۔ آس پاس کے ماحول سے بے گانہ تھا۔ صرف اسے نظر میں رکھے ہوئے غم و غصے سے بھرا ہوا۔ خوف کی لہر اس کی رگ رگ کو چھو گئی۔ وہ پلٹی اور سامنے سڑک کی طرف بھاگنے لگی۔

"ز...... نیرہ۔" اس کا یوں بھاگ جانا اسے ششدر کر گیا۔ وہ چند ایک قدم اس کی طرف بڑھا مگر پھر اسے سڑک کے کنارے پر رکشا میں جاتا دیکھتا رہ گیا دوسرے ہی لمحے وہ ٹریفک کے ہجوم میں گم ہو گئی۔

وہ لب بھینچ کر بینچ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

اسے کہو کہ بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

پیپل کے درخت کے پتوں سے چھن چھن آتی دھوپ کی کرنوں سے بے نیاز ہو کر اس نے جلتی آنکھیں بند کرلیں۔

○☆○

"تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تمہارا یہ روپ بھی ہو گا کمال۔" شمشاد بیگم کمال کو دکھ سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں غصے کے ہمراہ ایک درد بھی ہلکورے لے رہا تھا۔

"آپ بھی بس اس شہلا کی ایکٹنگ سے متاثر ہو گئیں آپ نہیں جانتیں کہ یہ کس قماش کی لڑکی ہے وہ ایک......"

"جس قماش کی بھی تھی یا ہے مجھے اس سے غرض نہیں مگر تم۔ کتنے غلیظ اور گھٹیا ہو۔ بڑے کرب کی بات ہے۔ میری ناک کے نیچے تم سارے کھیل' تماشے کرتے رہے اور میں اپنا خون سمجھ کر پارسا' نیک اور ایک بے پروا سا لڑکا سمجھتی رہی۔ کتنی بڑی بھول ہو گئی مجھ سے۔ دوسروں کے گھروں کی کھوج اور تاک جھانک میں ہی رہی اور اپنے ہی گھر' اپنی ہی اولاد کے کرتوتوں سے بے نیاز رہی جو کسی بدنما داغ کی مانند میری پیشانی سے چپکا ہوا ہے۔" شمشاد بیگم ہانپ رہی تھیں۔

"امی! آپ ہوش میں تو ہیں۔ وہ...... وہ دو ٹکے کی لڑکی نے میرا گریبان تک پکڑ لیا۔ اس کی حمایت کر رہی ہیں آپ' ہنہ بازاری عورت۔" اس نے نفرت اور حقارت سے سر جھٹکا۔ شمشاد بیگم کا ہاتھ چٹاخ سے اس کے رخسار کو گرم کر گیا۔

"عورت اگر بے راہ ہو جائے تو بازاری ہے اور مرد؟"

کمال ششدر سا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اپنی ماں کا یہ رویہ اس کے لیے دھماکے سے کم نہ تھا۔

"تم نے ایک بیوہ عورت کو کہیں کا نہیں رکھا کمال۔ میری ساری عزت خاک میں مل گئی۔ سب کی نظروں میں گر گئی ہوں یہ دیکھو۔" انہوں نے الماری سے ایک لفافہ نکال کر اس کے منہ پر پھینکا۔ "اس میں تمہارے گھناؤنے کردار اور مسخ صورت کا ثبوت ہے۔ دیکھو اسے جھٹلا سکتے ہو تو جھٹلاؤ۔" وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئیں۔ ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

اس نے حیران پریشان سا ہو کر لفافے کو کھولا تو اس میں لاتعداد تصاویر تھیں اور وہ سارے اس کے گھٹیا پن کا آپ ثبوت تھے۔

"یہ پڑھو۔ دیکھو یہ۔ تمہارا ضمیر کبھی نہیں جاگا کمال۔" انہوں نے ایک اور خط اٹھا کر اس کے منہ پر پھینکا۔ "یہ خط میرے ہاتھ اتفاقاً لگ گیا اور اسی کے بعد میں نے یہ سارا کچھ تمہارے [illegible] تلاشی کے بعد حاصل کیا ہے۔"

"یہ..... یہ کیا ہے؟" کمال احمد کے ماتھے پر ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ نکلا۔ اس کی پارسائی کا ڈراما آج کلائمکس پر تھا۔

"ایسے تو بہت سے خطوط تمہاری الماری میں بھرے پڑے ہیں خود پڑھ لو۔" شمشاد بیگم کے زرد پڑتے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے دکھ سے بولیں۔ "تمہیں تو میں نے بہت سنبھال کر پھر یہ اتنا غلیظ مکروہ کردار کیسے ابھر آیا۔ شاید کہیں میری ہی تربیت میں کوتاہی رہ گئی ہو۔"

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگیں۔ کمال نے کانپتے ہاتھوں سے وہ خط کھولا۔ یہ شہلا کا آخری خط تھا جسے اس نے بغور پڑھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی نہ پھاڑنے کا تردد کیا تھا۔

"کمال احمد۔ میں اپنی تقدیر خود بنانے چلی تھی اس کی سزا مجھے دانیال ملک نے تو اس دے دی تھی پھر تم پر تو میں نے بہت بھروسا کیا تھا۔ صرف ایک گھر بنانے کی خواہش ہی تو کی تھی ایک ٹھنڈی چھاؤں کی تو تمنا کی تھی۔ شاید ایک خواہش نے مجھے اتنا جھکا دیا کہ تم بھی کچل کر بڑھ گئے سوچتی ہوں مجھ جیسی عورت کو گھر بنانے کے خواب دیکھنے نہیں چاہئیں۔ تم مرد گناہ سے لبریز ہونے کے بعد بھی اپنے آنگن کو ان چھوٹی پاکیزہ لڑکی سے سجانے کے خواب دیکھتے ہو دکھ کی بات بھی یہی ہے کہ تمہاری مائیں تم کو اتنا ہی معصوم اور پاکباز جان کر کسی نیک لڑکی کی زندگی میں زہر گھول دیتی ہیں۔

تم نے مجھے لاکھ بار بازاری عورت کا طعنہ دیا تم بھول رہے ہو کہ بازار حسن اگر ہم عورتوں سے سجتے ہیں تو تم ہی جیسے مردوں سے آباد بھی ہوتے ہیں۔"

اس نے خط مزید پڑھنے کی بجائے مٹھی میں بھینچ لیا اور پیشانی پر انگلیاں پھیرنے لگا۔ وہ الفاظ تلاش کرنے لگا جو اپنی صفائی میں پیش کر سکے مگر شمشاد بیگم کا انگارہ چہرہ اس کے الفاظ گھونٹ رہا تھا۔

"اس میں شہلا کا جتنا قصور ہے وہ ہے مگر تم..... تم نے اسے خواب دکھا کر لوٹا ہے کمال جانتے ہو دل اور جذبوں سے کھیلنے والے کتنے کمینے، کتنے سفاک اور گھٹیا انسان ہوتے ہیں انسان نہیں درندے ہوتے ہیں۔ مجھے نفرت ہونے لگی ہے تمہاری صورت سے۔ جاؤ، یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"امی..... امی، پلیز آپ میری بات تو سنئے۔" وہ ان کے قریب آیا انہیں شانوں سے وہ زور سے اسے دھکیل کر پیچھے ہٹیں۔

"مت کہو مجھے امی۔ بیٹا تمہیں سمجھتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے۔ میری برسوں ریاضت کا یہ ثمر دیکھنا میرے نصیب میں لکھا تھا۔ آہ جانے کتنی بددعائیں تمہارا پیچھا کر

کمال! کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا، کچھ تو اپنے مسلمان ہونے کا بھرم رکھ لیا ہوتا، کچھ ان سفید بالوں کا خیال کر لیا ہوتا۔ اس سے بہتر تھا خدا مجھے تم جیسے بیٹے سے محروم رکھتا۔ جیسے جوانی تپتے جھلتے کاٹ ڈالی وہیں بڑھاپا بھی گزر جاتا۔" وہ زمین پر بیٹھ کر زار زار رونے لگیں۔

کمال اپنی ماں سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس نے بچپن سے لے کر اب تک ایک ماں کو دیکھا تھا، چاہا تھا، اس کی گود سے ہمکتا ہمکتا اپنے پیروں پر کھڑے ہونے تک پہنچا، کس طرح نہ لاڈ اٹھائے تھے اس بیوہ عورت نے اس کے۔

"مجھے معاف کر دیں امی۔" وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر دل گرفتگی سے بولا تو شمشاد بیگم نے آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تم شہلا سے شادی کر لو کمال۔" انہوں نے ایک جذب سے کہا تو کمال یوں بدک کر پیچھے ہٹا جیسے انہوں نے اس کے آگے سانپ پھینک دیا ہو۔

"تم نہیں جانتے میں کس کرب سے گزر رہی ہوں اتنے دنوں سے تمہاری زندگی گناہوں میں پڑی ہے، جانے کس طرح بیتے۔ شاید شہلا کو آسرا دے کر تمہارے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا ہو جائے۔ یہ کب چاہا تھا میں نے بھی کہ....."

"نہیں امی یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ سر کو جھٹک کر تلخ سا ہو گیا۔ اس کے لہجے میں غصہ سا بھر آیا، آنکھوں میں حقارت ٹپکنے لگی۔ جیسے شمشاد بیگم نے کسی گھٹیا شے کا نام لے لیا ہو۔

"تب امی کے ساتھ منگنی کا ڈھونگ رچایا۔ اتنے دھوکے دیے اسے۔ اپنے شب و روز اس سے رنگین کرتے رہے۔ تب یہ تلخی تمہارے وجود میں کیوں نہیں تھی۔ بولو۔ تب کیوں نہیں تھی جواب دو۔" شمشاد بیگم اپنی جگہ سے اٹھیں۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی سرخی تھی۔

"سنو کمال۔ یہ میرا حکم ہے۔ میرا آخری فیصلہ ہے۔" وہ اسے مزید انکار کا موقع دیے بغیر باہر نکل گئیں۔

○☆○

وہ ایک سرخ بتی کے نشان پر جہاں رکی تھی وہیں ذرا فاصلے پر ایک رکشا اس کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس میں گم صم چپ چاپ پراگندہ سی زنیرہ بھی بیٹھی تھی۔ ٹریفک کے اژدہام کو خالی نظروں سے گھور رہی تھی۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر شہلا کے سینے میں سما کر اپنا غم ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ جانتی تھی کہ وہ یہ سب نہیں کر سکے گی۔ گھر پہنچ کر اپنا دل مضبوط کر لے گی۔ خود پر

خول چڑھا کر مسکرا کر شہلا کا حال پوچھے گی مگر شہلا اس سے بہت کچھ پوچھے گی۔ یقیناً شاہ دل کے بارے میں بھی اور اس کا چہرہ شہلا کو سب کچھ سمجھا دے گا۔

آنکھیں ہی تو دنیا کا سب سے بڑا سچ ہے۔ یہ دل سے مشروط ہوتی ہیں۔ آہ۔ شاہ دل تو اس کی آنکھوں سے اس کی شکست کو پہچان گیا تھا۔ اسے کب یقین تھا کہ ہونٹوں سے ادا ہونے والے لفظوں اور اس انکار سے 'شاہ دل کا دھیان آتے ہی دل پھر بکھرنے لگا۔ اس نے بے اختیار پیچھے دائیں بائیں کھڑی گاڑیوں کو دیکھا۔ جیسے وہ اس کا پیچھا کرتا ہوا تو نہیں آیا۔

آج پھر بری طرح وہ خود ہی ہرٹ ہوئی تھی اس کے جذبوں کو پذیرائی نہ بخش کر۔ اس نے رکشے کی بے آرام سیٹ پر کمر ٹکالی۔ سرخ بتی بجھ گئی تو ہر طرف سے پھر سے گاڑیاں سڑک پر پھسلنے لگیں وہ اس سے لاعلم تھی کہ احمر کی بائیک آہستہ روی سے اس کے پیچھے چل آرہی تھی۔ وہ شمشاد ہاؤس اتر کر ادھ کھلے گیٹ کو دھکیل کر اندر چلی گئی جبکہ بائیک اس بڑے گیٹ سے دور روکے احمر اس عمارت کے سامنے کتنی دیر عجیب سے احساسات سے دوچار کھڑا رہا۔

یہ اس کی عم زاد زنیرہ علی کی رہائش گاہ تھی۔

بہت سے سوالات اس کے ذہن کی سطح پر ابھرے مگر ان کے جوابات اس کا اپنا ذہن نہ دے سکتا تھا۔ نہ فی الوقت اس نے زنیرہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ کچھ دیر اس عمارت کو بغور دیکھتا رہا پھر گلاسز آنکھوں پر چڑھا کر بائیک گلی سے باہر نکال لے گیا۔

○☆○

"میری بچی، تم بہت باہمت ہو۔ مجھے تم پر فخر ہے بیٹا، مجھے اپنی اولاد پر 'اپنی تربیت پر ناز ہے اور ہمیشہ رہے گا۔" صباحت کا ہاتھ قریب بیٹھی سائرہ کے جھکے سر پر دھرا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم کبھی میرا سر جھکنے نہ دو گی۔ تمہاری یہی فرمانبرداری 'یہی سعادت تو میرے لیے بڑا سہارا ہے۔"

"مگر امی۔" پانچ منٹ کی اذیت ناک خاموشی کے بعد اس نے سر اٹھایا۔ اس کا سوال رواں فریادی ہو گیا تھا۔ "یہ تین ماہ بہت کم نہیں ہیں۔ اتنی جلدی' اتنا سب کچھ۔" دل والی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے وہ بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔

"تین ماہ ہوں یا تین سال۔ کیا فرق پڑتا ہے میری جان۔" صباحت نے اسے خود سے لگایا۔

"جب یہ سب کچھ یونہی ہونا ہے ہماری خواہش اور رضا کے خلاف تو پھر دیر سویر کو کیا کرنا۔ میں جانتی ہوں تم میری طرح بہت حوصلہ مند ہو۔ زبان سے اف نہیں کرو گی۔ تقدیر کے فیصلے قبول کرلو گی۔"

اٹھی ہے ان سے الگ ہو گئی۔

"ابا نے تمہاری تاریخ کی مٹھائی شاہ پیلس میں بھجوا دی ہے۔" صباحت خود بھی اٹھتے ہوئے مگر سائرہ سے نظریں ملیں تو جیسے اندر ہی اندر بکھر گئیں۔

"تمہاری دادی کو بہت جلدی تھی۔ ورنہ کیا میں نہیں جانتی کہ وہاں کون انتظار میں ہے اس کی گڑیا۔"

انہوں نے پیار سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھاما۔ "بہت سے دکھوں اور مشکلوں سے گزر کر ہی آدمی سرخرو ہوتا ہے۔ حوصلہ' حالات اور وقت اتنا ہی دیتا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی درد بھی دوا بن جاتا ہے۔ بہت زیادہ دکھ درد آدمی کو مضبوط بنا دیتے ہیں کہ وہ پھر نامساعد حالات کا مقابلہ کر لیتا ہے۔ چلو شاباش اب زیادہ سوچ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔ ہو سکتا ہے خدائی مصلحت میں تمہاری خوشیاں' تمہاری بہتری پوشیدہ ہو۔"

"آپ بے فکر رہیں امی۔ جہاں اتنا کچھ ہو گیا اور سہی۔" وہ کھڑکی کے باہر صحن کے پودوں پر آنکھیں گاڑھے دھیرے سے بولی۔ صباحت کو اس کے رخساروں پر پھسل کر آنے والے آنسوؤں کی خبر ہی نہ ہوئی۔ وہ کچھ دیر اس کی پشت کو دیکھتی رہیں پھر کمرے سے نکل گئیں۔

ایک مجروح مسکراہٹ اس کے نازک ہونٹوں پر پھیل کر منجمد ہو گئی۔ وہ کھڑکی کا پٹ تھامے ترتیب سے رکھے گملوں میں اگے پودوں کے سایوں کو دیوار پر ابھرتا دیکھتی رہی۔ صحن میں سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے 'اداس' زرد اور معمولی سے یہ پتے اسے اپنے دل کی مانند لگے ہوئے۔ صبح ماسی کے جھاڑو لگانے کے بعد بھی وہ شام کو صحن میں ضرور جھاڑو لگاتی۔ اسے چڑ ہوتی تھی سوکھے پتوں کے انبار سے مگر دو دن سے اس نے ایک پتا بھی نہیں اٹھایا تھا۔ وہ باہر نکل کر صحن میں آ گئی۔ گلاب کے تین پھول اکٹھے کھلے تھے۔ وہ اسی پودے کے پاس ان کی نرم نرم پتیوں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

"ہم بھی کتنے بے وقوف تھے غالب۔ محبت کو ایک خوش نما پھول ہی سمجھ بیٹھے تھے 'خوابوں میں ہاتھ بڑھا کر جب چاہا مٹھی میں جکڑ کر زندگی کو خوشبو بنا لیں گے مگر یہ ہماری سوچ تھی اور خوش فہم محبت تو زندگی کے منہ زور سمندر میں ڈولتی ناؤ ہے 'کب ہاتھ آ جائے کب ساحل سے دور لے جائے۔"

اس کے دل پر یخ بستہ اداسی پھیلنے لگی۔ جس میں آنے والوں دنوں کے لیے نہ کوئی امید تھی

"مصدق کے ہاتھ کے لمس نے اسے چونکا دیا۔ "آپ کا فون ہے۔" اس نے بے

جان نظروں سے مصدق کو دیکھا پھر پیروں میں چپل ڈال کر اندر آ گئی۔

بڑا کمرہ خالی تھا۔ اس نے ہولڈر رکھا ریسیور اٹھالیا۔ اسے یقین تھا کہ شاہ پیلس سے نیا [illegible] گا۔

"ہیلو۔" اس نے زبردستی اپنی آواز میں بشاشت بھرنے کی کوشش کی۔

تھا منیر آغاز ہی سے راستہ اپنا الگ
اس کا اندازہ سفر کی رائیگانی سے ہوا

"کیسی ہو؟"

سائرہ مظفر شاہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبا ڈالا ہو۔ وہ ریسیور سے ابھری اس آواز پر سن سی کھڑی رہ گئی۔

"سوچا مبارکباد دے دوں۔ مکمل دسترس سے دور اور غیر ہو جانے کی تاریخ جو طے ہو [illegible] ہے۔ شاہ پیلس تک تو مٹھائی بھجوا دی۔ میرا خیال ہے یہاں تک بھیجنے کی زحمت نہیں کرو گی، چلو وہ میں خود ہی خرید کر کھالوں گا۔" وہ ہنس رہا تھا یا اپنے درد کو مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سائرہ کے دل کی دنیا میں جیسے کرب آمیز ہوائیں سنسنانے لگیں۔

تاہم سنبھلنے میں چند لمحے ضرور لگے تھے۔

✪✪

"حیرت ہے۔ آپ کے اندر اتنا حوصلہ کیسے آ گیا؟ ایک مفرور اور بزدل شخص میں کیسے ہمت آئی۔" اس نے اپنی دل گرفتگی کو چھپاتے ہوئے ہلکا سا احتجاجی شکوہ کیا تھا۔

"حالات نے دی ہے۔" وہ کچھ دیر توقف کے بعد اپنے لہجے کو مضبوط رکھ کر بولا۔

"حالات نے نہیں۔ اس فرار نے۔" وہ جیسے بھڑک اٹھی دوسری سمت ایسا سناٹا چھا گیا جیسے میدان جنگ کے بعد ہارے ہوئے لشکر پر ہوتا ہے۔

"حالات کا مقابلہ ہی کہاں کیا ہے غالب تم نے؟ تم تو فرار ہوئے حالات سے" مشکل [illegible] سے، اپنی کمزوری کو چھپانے، اپنی شکست کے آنسو چھپانے کے لیے تم فرار ہو گئے۔" اس کا جی چاہا وہ غالب کو جھنجھوڑ ڈالے۔ اس کا گریبان پھاڑ دے۔ اس کا منہ نوچ لے اور اس کے [illegible] پر سر رکھ کر اور بھی بہت سے شکوے کر کے اپنا جی ہلکا کر لے۔

"ہاں سائرہ۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں شاید بہت بزدل نکلا۔ بہت بے ہمت۔ اس کا ادراک مجھے پہلی بار ہوا ہے۔ خود کو بہت سخت جان، بہادر سمجھنے والا غالب درحقیقت بے حد کمزور [illegible] ہے مگر سائرہ، اپنے اردگرد کے ماحول سے فرار کوئی فرار تو نہیں ہوتا۔ یہ تو محض اپنی ہی کو [illegible]

نہیں انسان اپنے دل، اپنے خیالوں اور سوچوں سے کیسے فرار حاصل کرے جو ہمہ وقت رہتی [illegible]

اس کا لہجہ شکستہ تھا۔ وہ اپنے دل کو سنبھالے خاموش کھڑی دیوار کو گھورتی رہی۔

لمحے خاموشی سے سرکنے لگے۔ غالب بھی یوں چپ ہو گیا تھا جیسے سارے الفاظ ایک دم ختم ہو چکے ہوں۔ بہت کچھ کہنے کی کوشش فانی ہو گئی۔ اس کے تصور کے پردے پر بس جو عکس تھا وہ ہی دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا۔

"غالب۔" کئی ویران اور خاموش لمحے گزرنے کے بعد سائرہ نے اپنے اعصاب کو سنبھالتے ہوئے اسے پکارا۔ "پلیز آپ پاکستان آ جائیے ورنہ میں خود کو بڑی ممانی کا مجرم سمجھتی رہوں گی۔ پلیز غالب مجھ پر رحم کریں۔ میرے دل کا بوجھ تو اتار دیں جو آپ کے اختیار میں ہے۔ ورنہ یہ بوجھ لے کر یہاں سے جا کر بے چین رہوں گی۔ جب فرار کسی مسئلے کا حل نہیں۔ فرار کوئی حل نہیں کوئی راستہ نہیں تو پھر فائدہ خود کو دھوکا دیتے رہنے کا، جب ہم اپنے لیے خوشیاں نہیں پا سکے تو کم از کم دوسروں کو خوشیاں دے سکتے ہیں۔ آپ آ جائیں پلیز۔ ممانی جان، فارحہ، ثاقب [illegible] شاہ پیلس میں سب ہی آپ کے منتظر ہیں۔"

"حوصلہ ہے تم میں میرا سامنا کرنے کا؟" بات کے اختتام پر وہ استہزائیہ ہنسا۔ سائرہ کی رگ رگ میں دکھ خون کے ساتھ گردش کرنے لگا۔

"ضروری ہے ہمارا سامنا ہو؟"

"سائرہ۔" غالب کے لہجے میں تڑپ اور جلن تھی۔

"پلیز غالب..... پلیز..... میں خود کو تنکا تنکا جوڑ کر مضبوط بنا رہی ہوں۔ مجھے بار بار بکھرنے کے لیے دوچار مت کرو۔" وہ سراپا التجا بن گئی۔

"مضبوط۔" وہ تلخی سے ہنس پڑا۔

"زندگی صرف اپنی ہی خواہشوں کے حصول میں تو نہیں کاٹ دینی چاہیے۔ ہمارا وجود بہت [illegible] کے لیے بھی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں کی اس سے خوشیاں، سکون اور وقار وابستہ [illegible]" وہ تحمل سے گویا ہوئی۔

"[illegible] کا مطلب؟"

"[illegible] مجھ کو غالب کہ میں نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔"

[illegible] تھا۔ "یوں کہو منافقت کی راہ اپنا لی ہے۔ یہ سراسر منافقت ہے۔"

"[illegible] یوں ہی سہی۔" اس نے فائل پر انگلیاں پھیرتے ہوئے پژمردگی سے اپنا جرم مان لیا کہ

اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ کوئی راستہ نہیں تھا۔ امید کی ذرا سی بھی لو تھرتھراتی اسے دکھائی
دیتی تو وہ یقیناً ہاتھ بڑھا کر اسے پالینے کے جتن کرتی مگر اس کے اطراف ننھا سا دیا تک نہیں دکھائی
دے رہا تھا۔

کسی جگنو تک کی روشنی کا آسرا اس نے نہیں دیکھا تھا۔

یاس کی تاریکیوں میں ہی ایک راہ رہ گئی تھی۔

جیسے وہ سمجھوتا اور غالب کی نظر میں منافقت تھی۔

"بہت کچھ کھو دینے کے بعد بھی خالی ہاتھ رہ جانا ہی تھا غالب پھر والدین کی عزت کا پاس اپنے
وقار کا دامن ہاتھ سے کیوں چھوڑ دیتی۔ بس یہی کچھ تو رہ گیا ہے میرے پاس اسے کھو کر میں
تمہیں نہیں پا سکتی تھی نا۔" اس نے اپنی سسکی روکنے کی کوشش نہ کی۔

دوسری سمت غالب رابطہ کاٹ چکا تھا۔ وہ ریسیور تھامے کھڑی رہ گئی۔

یہ غم اس کی رگ رگ میں اتر چکا تھا کہ اب وہ غالب کو کبھی نہیں دیکھ سکے گی۔

اسے مکمل کھو دینے کا احساس روح پر کچوکے لگانے لگا۔

○☆○

بارش کی بوندیں بے داغ کانچ پر موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ملگجے اندھیرے میں
بارش کا ہلکا ہلکا شور پرکیف لگ رہا تھا۔ ماحول میں طراوت کا احساس چھایا ہوا تھا مگر اسے یہ موسم
بڑا اداس لگ رہا تھا۔

پتا نہیں یہ آج سب کو کیا ہو رہا ہے یا ہر کوئی آج اداس اور دل گرفتہ سا ہے۔ اس نے کھڑکی
کا پٹ پورا کھول دیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خنک ریز ہواؤں کے ساتھ نمی کا احساس اس کے چہرے
چھو گیا۔ صبح بارش کے آثار تک نہ تھے بس ابھرتی دوپہر کو اچانک موسم بدلا اور دیکھتے ہی دیکھتے
بارش شروع ہو گئی جو مسلسل برس رہی تھی کبھی ہلکی ہو جاتی تو کبھی بادل آپس میں ٹکرا کر
دھار پانی جیسے نچوڑتے۔

"ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ ہم لوگ سیدھی سادی اچھی بھلی زندگی کو خود ا
پیچیدہ اور گھمبیر کیوں بنا ڈالتے ہیں؟" ثاقب بھائی کی آواز کمرے کے سکوت کو چیرتی اس کی
سماعت سے ٹکرائی تو اس نے پلٹ کر دیکھا ثاقب کمرے کے دروازے کے عین وسط میں کھڑے
اسے ہی دیکھ رہے تھے بلکہ ایک طرح سے اس کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہے تھے۔

"خیریت؟" اس کے لب مسکراہٹ کو چھو گئے۔

"میری طرف سے تو خیر خیریت ہی ہے۔ الحمد اللہ میں نے کوئی کھٹ راگ نہیں

ہیں" وہ اسے نگاہوں کے حصار میں رکھے اندر آگئے اور اس کے قریب آ کر کھڑکی سے باہر
ایک نظر ڈالی۔

"اس چھوٹی سے کھڑکی سے تم اتنے دلفریب موسم کو انجوائے کر رہے ہو حالانکہ کبھی تم ہی
ایسے موسم میں کمرے میں بند رہنے کو حماقت کہتے تھے یعنی بند رہنے والے کو احمق۔ مجھے ایک
شعر یاد آ رہا ہے۔" انہوں نے شاہ دل کو دیکھا تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"ارشاد"

"ایک اکیلا میں ہی گھر میں خوف زدہ سا بیٹھا تھا
ورنہ شہر تو سارا بھیگ رہا تھا پہلی پہلی بارش میں"

اس کے مسکراتے لب یکدم بھینچ گئے۔ بھوری آنکھوں میں سنجیدگی اتر آئی۔

"وقت ہماری سوچوں میں بہت سی تبدیلیاں لے آتا ہے۔" اس نے باہر نگاہیں جما دیں۔
"یونہی ہوتا ہے جب کبھی پیچھے پلٹ کر دیکھتے ہیں تو ہنسی بھی آتی ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے کہ
کبھی ہم چھوٹی چھوٹی بے مقصد باتوں پر اتنے زیادہ خوش ہو لیا کرتے تھے۔ کیسے کیسے اوٹ پٹانگ
شغل پال کر فخر کرتے تھے اور اب۔"

"میں اتنی دور کی تو بات نہیں کر رہا ہوں۔" ثاقب بھائی نے اس کی بات کاٹ دی۔ جانے
کیا تھا کہ ان کے لہجے میں اور ان کے چہرے پر۔ وہ نگاہوں کا زاویہ بدلنے پر مجبور ہو گیا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میرے کہنے کا مقصد ہے بہت کم عرصے میں تم بہت زیادہ بدل گئے ہو ابھی پچھلے سال کی تو
بات ہے تم۔"

"ثاقب! تبدیلی سوچ سے آتی ہے اور سوچ پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ لمحوں میں بدلتی
ہے۔" اس نے مسکرا کر بشاش ہونے کا مظاہرہ کیا۔ "کیا خیال ہے اگر میں تھوڑا سا چینج ہو گیا
ہوں تو یہ خوش آئند بات نہیں ہے۔ تغیر ہی تو زندگی کا نام ہے۔ روٹین آدمی پر جمود طاری کر دیتی
ہے یا دوسرے الفاظ میں جمود موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔" اس نے کھڑکی کا ایک پٹ بند کر دیا۔

"بات کو کہاں سے کہاں بھگا لے گئے؟" ثاقب بھائی ہنس پڑے مگر دوسرے لمحے سنجیدگی
اوڑھتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک ثانیے کچھ سوچنے لگے جیسے جو کہنا چاہ
رہے ہیں اس کے لیے لفظ تلاش کرنے لگے۔ ان کے انداز میں بڑا دوستانہ پن تھا۔

"شاہ! زنیرہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اتنی اچھی کہ اس سے متاثر ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔
زنیرہ ایک مکمل اور عمدہ لڑکی مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس خوشگوار تبدیلی کے باوجود تم

خوش دکھائی نہیں دیتے۔"

ثاقب بھائی کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اس کے راز میں شریک ہو رہے ہوں۔ ادھر شاہ دل کے لیے یہ دھماکہ خاصا متاثر کن تھا۔ وہ یوں بیٹھے بیٹھے بے نقاب ہو جائے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بس حیرت کی تصویر بنا کھڑا رہا۔

اس کی اپنی دانست میں تو اس نے کہیں بھی ایسی غلطی نہیں کی تھی جو اسے زنیرہ علی کے معاملے میں مشکوک کرتی پھر یہ ثاقب۔

وہ اس قدر اعتماد کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے تھے کہ وہ یکدم انہیں جھٹلا بھی نہ سکا۔ بہرکیف ایک کوشش ضرور کی۔

"میں سمجھا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟" اس نے ان کی نظروں سے بچنے اور اپنے تاثرات مخفی رکھنے کی ادنیٰ سی کوشش کی۔

"یہ تم اتنے نالائق کب سے ہو گئے ہو کہ اتنی آسانی سے بات سمجھ نہیں سکتے۔ میرا خیال ہے تمہیں سمجھانے کے لیے آج سے پہلے کبھی زیادہ لفظوں کی ضرورت بھی نہیں پڑی تھی۔"

وہ اضطرابی انداز میں دریچے سے باہر دھند کو دیکھنے لگا۔ اس کے اعصاب یکدم منتشر ہو کر یوں بکھر گئے جیسے وجود کے اندر کہیں بم بلاسٹ ہوا ہو اور اس دھماکے کے بعد ہر شے بکھری بکھری نظر آئے۔

"آپ اتنی بڑی بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں جبکہ....."

"پلیز شاہ دل۔" ثاقب بھائی نے اسے بڑی ناراض نظروں سے دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ بولنے سے روک دیا۔ وہ لمحوں میں اس کے یوں سنبھلنے اور اعتماد حاصل کر لینے پر دل ہی دل میں اس کے اعصاب کو سراہے بغیر نہ رہ سکے مگر اب یہ پتا وہ ہاتھ سے ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس کے بہت اچھے دوست تھے اور آج اس کا ثبوت بھی دینا چاہتے تھے۔

"تم بھول رہے ہو شاید کہ ہم برسوں سے ایک ساتھ رہے ہیں۔ مجھے کوئی خاص بلا ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے رویے، تمہارا چہرہ تمہاری ظاہری تبدیلیاں از خود شاہدی کر رہی ہیں کسی انقلاب کی اور آج تو تم بس ایک لمحے میں ہی ٹریپ ہو چکے ہو مسٹر۔" جملہ کہہ کر انہوں نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔ وہ خجل سا ہو گیا مگر رخ پلٹے رہا۔

"شاہ دل، یہ بہت بڑی زیادتی ہے میرے ساتھ کہ تم مجھے دھوکا دے رہے ہو۔ ادھر دیکھو۔"

ثاقب بھائی کی نرم آواز پر وہ پلٹا۔ اس کی بھوری بھوری آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے ساتھ ایک اداسی بھی ہلکورے لے رہی تھی۔

دل ایک نئے امتحان سے گزر رہا تھا۔

وہ ہونٹ بھینچے کچھ دیر ثاقب بھائی کو دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"پتا نہیں میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں یا اپنے آپ کو۔ میرے سامنے صرف دھندلاہٹ ہے ثاقب۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کچھ بھی تو واضح نہیں ہے۔ میں جن راستوں پر سفر کر رہا ہوں وہاں بے یقینی کی ہوائیں چل رہی ہیں۔"

"تو اس سفر کو یقینی بناؤ نا۔" ثاقب بھائی کی مدھم آواز قریب سے ابھری۔ اس کے لبوں کی تراش میں مدھم مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر معدوم ہو گئی۔

"کیوں کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟" ثاقب اس کے قریب بیٹھ گیا۔ "مجھے تو بظاہر یہ سیدھا سادا راستہ نظر آ رہا ہے۔ اتنا الجھاؤ جو تمہاری باتوں میں ہے۔ یقین کرو میری تو سمجھ سے باہر ہے۔ مسئلہ کیا ہے؟"

"لیجئے آپ یہاں بیٹھے ہیں۔" سدرہ بھابی نے دروازے سے جھانکا تھا۔ وہ دونوں سنبھال

"بھئی بڑی محبتیں جتائی جا رہی ہیں۔" ان کا اشارہ ثاقب بھائی کی طرف تھا جو شاہ دل کے قریب اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ہولے ہولے تھپتھپا رہے تھے۔

"آپ کی بے وقت آمد کی وجہ؟" وہ جھینپ کر صوفے سے کھڑے ہو گئے۔ ساتھ ہی شاہ دل کھڑا ہو گیا۔ اسے سدرہ بھابی کی موجودگی اس وقت قطعی ناگوار نہ گزری تھی۔

"غالب کا فون آیا تھا۔"

"کیا غالب کا؟" شاہ دل دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے کئی روز سے غالب کے فون کا شدت سے انتظار تھا۔ اس لاپرواہ لڑکے نے بھی اس سے کنٹیکٹ نہیں کیا تھا۔

"ہوں، بند ہو چکا ہے امی سے بات ہوئی۔" بھابی جلدی سے بولیں۔ "انہیں تو خبر نہیں دونوں حضرات کمرے میں بند ہیں اور شاہ دل کی تو کچھ خبر ہی نہیں ہوتی کہ کب گھر آتے ہیں کب چھپ چھپاتے باہر نکل جاتے ہیں۔ میں نے تو غالب سے بھی کہا تو وہ میں مبتلا ہو گیا۔ کہنے لگا یہ شاہ دل کو بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا ہے۔ میں تو اسے ٹھیک ٹھاک کر گیا تھا۔"

ثاقب نے پلٹ کر انہیں گھور کر دیکھا۔

"یہ تو آپ کی آنکھوں کا قصور ہے کہ آپ کو ہم چھ چھ فٹ کے بندے نظر نہیں آتے۔"

آنکھیں ٹیسٹ کروا لیجیے گا۔" وہ دروازے سے نکلتے نکلتے بولا۔ "سات آٹھ نمبر تو ضرور ہوگا۔"

"کیا کیا؟" وہ بھی اس کے پیچھے کمرے سے نکلیں۔ "جناب میری آنکھیں بہت روشن ہیں۔ مجھے تو وہ کچھ نظر آتا ہے جو شاید ہی کسی کو آتا ہوگا۔" انہوں نے یہ کہہ کر ثاقب بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے پھر ان کی لمبی چوٹی پکڑ کر انہیں کھینچا۔

"بہت زیادہ فضول بولنے لگی ہو تم۔"

"تو آپ کو آج پتا چلا؟" ڈائننگ روم کا پردہ اٹھاتے ہوئے شاہ دل ہلکی ہنسی کے ساتھ بڑبڑا بولا اور جواباً بھابی اور ثاقب بھائی دونوں ہنس پڑے۔

"کیا کہہ رہا تھا غالب؟ کچھ آنے کا کہہ رہا تھا؟" اس نے قدرے توقف کے بعد کرسی کھینچتے ہوئے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"امی (تائی ماں) سے بات ہو رہی تھی ان کی۔ میرے خیال سے کچھ اس سلسلے میں ہو رہی تھی۔"

"کیا کہہ رہی تھیں امی نیلی؟" انہوں نے سموسے پلیٹ میں سجاتی نیلی سے پوچھا۔

"ہاں۔ تائی ماں خاصی برہم تو ہو رہی تھیں ان کے نہ آنے پر۔ لگتا ہے اب تو آتے ہی گی۔"

"اسے جاپان بھیج کر میں نے بڑی غلطی کی ہے۔" ثاقب بھائی بھی وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے اور چائے کا کپ ٹیبل سے اٹھا کر اپنے قریب کر لیا۔

"نہیں میرا خیال ہے ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہو۔ اس کا دل ذرا بہل گیا ہوگا۔ ذہن بٹ جائے تو ٹینشن خاصا کم ہو جاتا ہے۔" شاہ دل کے خیال میں یہ ثاقب کی غلطی نہیں تھی بلکہ سائرہ اور غالب کے حق میں سود مند ہی تھا۔"

غالب کی غیر موجودگی نے یقیناً سائرہ کو بھی سنبھلنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

"اخاہ چائے۔ سموسے' برگر سے برسات کی شام کا مزہ لوٹا جا رہا ہے اور ہمیں بھولے سے کسی نے پکارا تک نہیں۔" عمیر ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ اس کی پہلی نظر نیلی پر دو سری نظر ٹیبل پر سجے لوازمات اور بھاپ اڑاتی چائے پر پڑی تو نیلی کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔ وہ چاری حقیقت میں گڑبڑا گئی۔

"بس ابھی تو آئے ہیں میں خود تائی ماں اور چچی کے لیے چائے بھر رہی تھی۔"

"غیر اہم لوگوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہمیں۔" ثاقب بھائی نے اسے چڑایا۔

"آپ کے لیے ہوں گا غیر اہم۔ ورنہ تو......"

"یہ مٹھائی لیجیے نا ثاقب بھائی۔" نیلی جلدی سے بیچ میں مٹھائی کا ڈبہ اٹھائے بول اٹھی۔ بڑا عمیر کے منہ سے کوئی شرارتی یا ذو معنی جملہ نہ پھسل پڑے۔ ایک تو شاہ دل کی موجودگی میں اس کا یوں سر پر سوار ہو جانا اسے بوکھلا گیا تھا۔

"یہ مٹھائی کس خوشی میں ہے؟" شاہ دل نے ڈبے کے اندر جھانکا۔

"پھوپی جان کی طرف سے آئی ہے۔ کل کی آئی رکھی ہے۔" بھابی فریج سے کیچپ نکالتے ہوئے آزردگی سے بولیں تھیں۔ "سائرہ کی شادی کی تاریخ رکھی گئی ہے نا' اسی سلسلے کی ہے۔"

"زبردست تو کل سے کیوں چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔" عمیر نے پورا ڈبہ اپنی طرف کھسکا لیا۔ "یقیناً مزے دار ہوگی سنا ہے شادیوں کے نام کی مٹھائیوں میں خود بخود لذت اتر آتی ہے۔ یہ کیا' لگتا ہے کسی نے چکھی تک نہیں ہے۔" اس نے رنگ برنگی خوبصورت مٹھائیوں پر نظر ڈالی جو ابھی چھوئی تک نہیں گئی تھیں۔

"ہاں۔" بھابی قدرے اداسی سے گہری سانس لے کر اپنے کپ میں چائے بھرنے لگیں۔ ثاقب بھائی نے سر اٹھا کر دونوں خواتین کو دیکھا۔

"بہت بری بات ہے یہ تو۔ بہرحال یہ خوشی کا تحفہ ہے۔" انہیں سخت برا محسوس ہوا۔

"ارے جیلس ہو گئی ہیں' دراصل یہ عورتیں کسی کی خوشی کو تو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔" عمیر قہقہہ مار کر اور پھر چائے کے بہانے کچن کے دروازے تک آیا۔

"تم فضول مت بکو سمجھے۔" بھابی بگڑ گئیں۔

"ارے سچ ہی تو ہے۔" اس نے نیلی کو بغور دیکھا۔ "ویسے فکر مت کرو۔ اتنا رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری بھی ایسی کسی تاریخ کی مٹھائی جلدی بٹے گی۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور نیلی کے چہرے پر پھیلنے والی یک بیک سرخی کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ نیلی تو اس غیر متوقع حملے پر مارے شرم کے کٹ کر رہ گئی۔

"آپ... تو بس......" وہ شاہ دل کی طرف ایک نظر ڈال کر گھبرا کر کچن میں مزید گھس گئی۔ کس قدر بدتمیز ہیں یہ عمیر بھی۔" وہ اب بڑے مزے سے چائے کا کپ تھامے شاہ دل کے ساتھ آ بیٹھ گیا تھا۔

"ویسے مٹھائی واقعی اچھی اور تازہ ہے۔" ثاقب بھائی گلاب جامن کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے بولے۔ انہیں بھابی کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

"ہاں بہت سوں کے دل جل کر تیار ہوئی ہے نا۔" جواب ان کی طرف سے ہی آیا جس کا ثاقب بھائی کو یقین تھا۔

"سب سے پہلے اس کی دادی نے مٹھائی شاہ پیلس میں ہی بھجوائی ہے۔ مصدق کہہ رہا تھا دادی کہہ رہی تھیں سب سے پہلے ڈھیر ساری مٹھائی آپ کے یہاں پہنچا آؤں۔" آخری جملہ بھابی بڑبڑانے کے انداز میں بولتی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

اسی دم زنیرہ اندر داخل ہوئی تھی۔ بدحواس، ہراساں سی۔ اس کا رخ سدرہ بھابی کی طرف ہی تھا۔ بھابی کے ساتھ سب کی نظریں اس پر اٹھی تھیں۔ اسی حیرانگی کے ساتھ۔

"زنیرہ۔ زنی تم۔ اس وقت؟" وہ ایسے موسم میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گئیں جلدی سے اس کی طرف بڑھیں۔ سر سے پیر تک بھیگی ہوئی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے۔ ہولے ہولے کانپتی وہ ان کے بازوؤں میں سما گئی۔

○☆○

اس نے آئینے میں ایک نظر خود کو دیکھا۔ آج اس زرد ویران چہرے پر اس نے میک اپ کی تہیں لگانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ ہونٹوں پر انگلی پھیر کر ذرا سا مسکرائی۔ سخت اور سفید ہونٹوں کے لیے اس نے کریم کو چھوا تک نہیں۔

جب ہنسی گم ہو جائے تو صرف ہونٹوں کو سجانا کیا۔

مکان ہی جب خالی ہو۔ بے آباد ہو تو رنگ روغن کس کے لیے کیا جائے۔ اسے دلکش آراستہ کس لیے کیا جائے۔ اس نے بالوں میں سادہ سا بینڈ ڈالا اور سنگھار میز کے سامنے سے ہٹ کر کھڑکی کے پاس آئی اور مضبوطی سے بند چٹخنی کو کھول کر باہر جھانکا۔ بارش قدرے تیز ہو گئی تھی۔ پچھلی گلی کا یہ حصہ سنسان پڑا تھا۔ شاید سب لوگ ہی گھروں میں دبکے پڑے تھے البتہ ہلکی ہلکی آوازیں کہیں سے آ رہی تھیں۔ ایک گھر میں کوئی باذوق ریڈیو بھی کھولے بیٹھا تھا۔ اسے بارش سے قطعی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ البتہ وہ کچھ دیر فریدہ خانم کی آواز کو سنتی رہی جو کسی گھر کے ریڈیو سے ابھر رہی تھی۔

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا اب اس کا حال سنائیں کیا
کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں پھر سچا شعر سنائیں کیا
اک آگ غمِ تنہائی کی جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو تو دامنِ دل کو بچائیں کیا

برسات کے موسم میں عموماً ریڈیو والوں کا ذوق بھی عمدہ ہو جاتا ہے۔ اسے یاد آگیا کہ وہ برسات کے موسم میں کتنی دیوانی اور چلبلی ہو جایا کرتی تھی اور خوب اچھے اچھے گانے سنتی تھی اور ریڈیو تو ضرور کھولتی تھی۔

کھڑکی سے ہٹ گئی اور سادہ سی چپل کو پیروں میں ڈال کر الماری کی طرف بڑھی اور دراز سے چابیاں نکال کر تکیئے کے نیچے ڈال دیں پھر اپنا شولڈر بیگ نکال کر اس میں سیاہ جلد والی ڈائری اور زنیرہ کی ہنگر میں لٹکتی چادر نکال کر خود پر ڈالی۔ اس نے ایسا پہلی بار کیا تھا ورنہ پہلے تک اس نے چھوٹے سے دوپٹے کے علاوہ کچھ استعمال نہ کیا تھا۔

اگلی دروازہ کھول کر باہر آئی تو بھیگی سیڑھیوں پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسا ہی سناٹا شمشاد بیگم میں بھی تھا۔ بھیگے بھیگے زرد زرد پتے تیز ہواؤں سے یہاں وہاں بکھر رہے تھے۔

...نے میں حزن محسوس ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ بارش میں بھی۔ وہ شمشاد ہاؤس کے گیٹ تک کسی حد تک بھیگ چکی تھی۔ اس نے شولڈر بیگ کو احتیاط سے چادر کے اندر کر لیا ...قیمتی شے ہو اور خود سے زیادہ اس کے بھیگ جانے کا ڈر ہو اور اس کی حفاظت ہی ...اہم ہو۔

...کے کنارے گڑھوں میں جمع پانی میں بچے اچھل کود کر کے لطف اٹھا رہے تھے۔ چند ...میں ہی یوں لگ رہا تھا جیسے سارا شہر جل تھل ہو کر اب بہہ جائے گا۔ سڑک پر اکا دکا ...رینگ رہی تھیں۔ اسے سڑک کراس کرنے میں دقت نہیں ہوئی۔ یوں بھی اس کے قدم ...اٹھ رہے تھے جیسے وہ کسی سڑک پر نہیں اپنے لان میں چہل قدمی کر رہی ہو۔ اکیلی اطراف ...سے بیگانہ۔

...راستوں کا ہوش نہ برستی بارش کا خیال۔

اس کے اندر ایک ہو کا عالم تھا۔ ایک جامد سناٹا سینے کی تہ سے لپٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا ...کی طرح ٹوٹ ہی نا پا رہا تھا۔

مخصوص راستوں سے گزر رہی تھی کہ ڈسکو آڈیو کیسٹ کے سعد اللہ نے اسے پکارا۔

...مس شہلا جی۔"

...رک گئی۔ رسمی سی مسکراہٹ لبوں پر ابھر آئی۔

...ہوتی ہیں، آپ نظر ہی نہیں آئیں پھر تو؟" وہ شناسائی کا دعویدار تھا سو بے تکلفی سے ... ایسا کوئی تکلف شہلا نواز نے بھی تو کبھی نہ رکھا تھا۔

...مصروفیت رہی۔"

...بارش میں پیدل جا رہی ہیں۔"

...مجھے کوئی مشکل نہیں ہے۔" اس نے ہلکی مسکراہٹ سے جواب دیا حالانکہ اس ...مفہوم وہ بھی نہیں جانتی تھی۔ بس میکانکی انداز میں اس کے لب کھل گئے تھے۔

"آپ نے تو ادھر کا رخ کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اس عرصے میں تو ایسے زبردست البم آئے ہیں۔ آپ کے ٹیسٹ کے مطابق شاید آپ کسی دوسری شاپ......"

"ارے نہیں۔ میں نے دراصل اب سننا ہی چھوڑ دیا ہے۔" وہ شیلٹر کے نیچے جھک کر شوکیس کے اندر سجی رنگ برنگے کور میں لپٹی کیسٹوں کو دیکھنے لگی۔

"نکال کر دکھاؤں۔ اس سال کے زبردست سونگ آئے ہیں۔" وہ اسے دلچسپی سے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور پھر مستعدی سے کھٹ کھٹ کئی کیسٹ نکال کر اس کے سامنے شیشے پر رکھ دیے۔

"ایک سے ایک ہیں زبردست۔ آپ کا ذوق تو ویسے بھی لاجواب ہے اور یہ ساری آپ کو پسند آئیں گی۔"

"میرا ذوق۔" اس کے لبوں پر آزردہ سی مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہو گئی۔ کسے خبر تھی اس کا ذوق کس قدر گھٹیا تھا۔ اس کے تصور میں کئی چہرے بنے تھے اور مٹے تھے۔

"یقیناً سب اچھی ہوں گی۔ صرف ایک شخص کے نہ لینے سے کسی شعبے میں ٹھہراؤ تو نہیں آ جاتا۔" اس نے ایک سرسری نظر کیسٹوں پر ڈالی اور ہاتھ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے بولی۔

"سعد صاحب۔ کوئی بہت فاسٹ، بہت ہی ہنگامہ پرور والیوم ہو گا، کوئی ایک گانا جو ہر طرح کی خاموشی کو توڑ ڈالے۔ ہلچل مچا دے۔"

"کیوں نہیں۔ ابھی دکھاتا ہوں۔" وہ سر ہلاتا ہوا سامنے بنے شیلف سے ایک کیسٹ نکال لایا۔ "یہ اس سال کا سب سے تیز میوزک ہے۔"

"اسے ذرا پلیئر پر لگائیں۔" وہ وہیں رکھی اسٹول پر بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت ان تمام باتوں سے بے نیاز تھی کہ وہ بارش میں مکمل بھیگی ہوئی تھی۔ سیاہ چادر بھی بدن سے یوں چپک گئی تھی کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اس کے پاس سے گزرے من چلے بڑے بے باکی سے اس کے سراپے کو دیکھ رہے تھے۔ کئی ایک تو اسی شاپ پر کھڑے ہو کر بلا ضرورت کیسٹوں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ ساری توجہ اور نگاہیں شہلا پر جمی ہوئی تھیں۔

پلیئر پر لگائی گئی کیسٹ واقعی دھماکہ خیز تھی جو کسی بھی معقول بندے کے اعصاب ہلا سکتی تھی مگر شہلا کی سماعت پر کوئی ضرب نہیں پڑی تھی۔

اعصاب پر ٹھٹھرتا سناٹا ہنوز قائم رہا۔ ذرا بھی ہلچل نہ مچی۔

"کیا اس سے تیز میوزک نہیں ہے؟" اس نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے پوچھا۔ تو سعد اللہ اسے ٹکر ٹکر دیکھتا رہ گیا۔

"یہ سب سے بھی تیز۔" اس نے یوں شہلا کو دیکھا جیسے وہ اس سے مذاق کر رہی تھی مگر وہاں مذاق کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"اس سے بھی فاسٹ۔ ایسا کہ میرے اندر کا سکوت ٹوٹ جائے۔" وہ ہولے سے ہنسی۔

"کوئی ایسی کیسٹ؟" وہ اسٹول سے کھڑی ہو گئی۔

"نہیں ہوگی۔ میرا خیال ہے اب کوئی شور میرے اندر کا سناٹا نہیں کاٹ سکے گا۔ رہنے دو۔ اب کا موسم بھی نہیں رہا۔ یخ بستہ ہواؤں کے جھکڑ میں بھلا برف کیا پگھلے گی؟" وہ یوں بولی جیسے آپ سے بات کر رہی ہو۔ اس نے چمکتے شیشے پر ہاتھ پھیرا اور پلٹ کر شیلٹر سے نکل کر باہر ہو گئی۔

"مجھے تو لگتا ہے کوئی پاگل واگل تھی۔" شاپ پر کھڑے منچلے نے ہنستے ہوئے کہا۔ سعد اللہ جو شہلا کو بے یقینی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس ریمارکس پر کچھ دیر سن کھڑا رہا پھر کندھے اچکا کر اپنے دوسرے گاہکوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"دل بس ریت نہیں ہے کہ اسے روند کر آگے بڑھ جائیں
دل صحرا ہے
دہکتا ہوا ظالم صحرا
پاؤں پڑ جائے جو اک بار تو جیوان جل جائے
رات کسی بیتے ہوئے عشق کی یادوں میں گزار آئے ہو
کم ویران بھی ایسے تو نہ تھے
کم خالی ایسے تو نہ تھے
کم بکھرے بھی ایسے تو نہ تھے
اے دل عشق زدہ

اس نے چادر کا ایک کونا نچوڑا اور اسے چہرے پر پھیرا۔ آنکھوں کے آگے دھند ہی دھند تھی جیسے دھند کا ایک طوفان اٹھ آیا ہو۔

بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اب ہلکی ہلکی پھوار کی صورت میں برس رہی تھی مگر دکانوں کے اوپر بنے کئی چھتوں کے پائپ سے پانی دھار دھار بہہ رہا تھا۔ وہ اس پانی سے سنبھل کر چل رہی تھی کہ اچانک کسی فلیٹ کے اوپر سے چھپاک سے ڈھیر سارا پانی اس کے اوپر گرا کہ وہ گھبرا کر پلٹی۔ پیچھے بچوں کے کھلکھلانے کی آواز پلٹی۔ وہ تین بچے تھے۔ خاصے محظوظ ہو رہے تھے اس منظر سے۔ وہ خود بھی ہولے سے مسکرا دی اور دوبارہ بے نیازی سے آگے چلنے لگی۔

وہ کتنے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی تھی۔

کتنی آنکھوں میں حیرانیاں سمیٹیں تھیں۔

وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز تھی۔

"سنئے، سنئے، پلیز۔" وہ اچانک چلتے چلتے چونک کر آگے بڑھتے شخص کو بے تابی سے پکار بیٹھی
اور بھاگ کر اس تک پہنچی تھی۔

"جی! وہ اس پکار پر رک کر پلٹا تھا اور شہلا نواز کے چہرے پر بجھے دیئے کا سا دھواں پھیل گیا

"سوری میں آپ کو سکندر سمجھ بیٹھی تھی۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

"کوئی بات نہیں ایسا دھوکا ہو جاتا ہے اکثر۔" وہ اس کی معذرت قبول کرتا اپنی راہ ہو لیا
شہلا نواز وہیں آئس کریم کے ایک بڑے اشتہاری بورڈ سے لگ کی کھڑی رہ گئی۔

ہر ایک چہرے پہ دل کو گمان اس کا تھا
بسا نہ کوئی یہ خالی مکان اس کا تھا

اسے لگ رہا تھا اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔ شاید سامنے سے آتی گاڑی کی
لائٹ کی وجہ ہی ہو سکتی تھی۔ بارش کی وجہ سے سڑکوں پر ناکافی اجالا تھا جس کے باعث گاڑیوں
دن میں بھی لائٹس آن کرنا پڑی تھیں۔

پتا نہیں وہ گاڑی کی روشنی اتنی تیز تھی بے حد قریب آنے کی وجہ سے آنکھیں چندھیا
تھیں یا پھر یونہی۔ اس نے جلدی سے آنکھوں پر ہاتھ دھر لیا۔

"شہ..... شہ لا۔" گاڑی سے اتر کر کسی نے بے تابی سے اسے پکارا تھا۔ اس نے بند ہو
پلکوں سے پہلے اپنے قریب کسی قدموں کی دھمک محسوس کی تھی۔

❁✯❁

"کیا ہوا زنیرہ۔ زینی جان کیا بات ہے؟" بھابی اسے بازوؤں میں بھر کر تشویش سے پو
لگیں۔ آؤ ادھر بیٹھو۔" وہ اسے لیے کرسی کے پاس آئیں مگر وہ یونہی اس سے لپٹی کھڑی
رہی۔

کمرے میں یکدم جو سکوت چھا گیا تھا۔

اور سب اپنی اپنی جگہ ششدر رہ گئے۔ سب کی نظریں بھابی کی بانہوں میں بلکتی زنیرہ پر
تھیں۔ نیلی کے ہاتھ میں دہی کا پوٹ جوں کا توں تھا۔ وہ فریج میں رکھنے کو کچن سے نکلی تھی
دم بخود کھڑی تھی۔

زنیرہ کا یوں اتنی بارش میں آنا اور اب رونا حیرت اور تشویش کا باعث تھا سب کے لیے۔

"بھابی نے نرمی سے اس کا سر اوپر اٹھایا۔ "کیا ہوا یہاں بیٹھو پہلے۔"

زنیرہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر بھابی کی طرف دیکھا۔ یک لخت ہی اسے کمرے میں موجود
لوگوں کا احساس ہوا تو خجل سی ہو کر جلدی سے ان سے الگ ہو گئی۔ اس کی سرمئی چادر
بھیگ چکی تھی اور سر سے ڈھلک کر شانوں پر پڑی تھی۔

آنکھیں اور سرخ ناک رگڑتی اضطرابی انداز میں بھابی کے قریب آئی۔

"شہلا کہیں چلی گئی ہے۔ مجھے..... مجھے چھوڑ کر بھابی۔" وہ بہ مشکل بول پائی۔

نے بڑھ کر اسے تھام کر کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ پوری ٹھنڈی ہو رہی تھی اور قدرے حواس

"کیا کہہ رہی ہو زینی؟"

"بھابی..... یہ دیکھیے۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے مٹھی کھول کر ایک مڑا تڑا پرچا بھابی کی
بڑھا دیا۔ "اس نے یہ سب کیوں لکھا ہے؟" وہ رو دینے کے انداز میں بولی۔ نیلی نے اس
کے شانے پر ہاتھ رکھے اس پرچے کی طرف جھکی جو بھابی نے اس کی کانپتی ہتھیلی سے اٹھایا تھا۔
بھیگا ہوا تھا مگر اس کے اندر لکھے حروف چونکہ بال پین سے لکھے گئے تھے اس لیے مٹے نہیں

"زینی کتنا ٹھیک کہتی تھی کہ دل ایک گھر ہے پاکیزہ اس کے دروازے ہر دستک پر نہیں
کھلنے۔ اسے بازار نہیں بنایا کرتے۔ نہ کوئی سرائے ہے کوئی ذرا دیر ٹھہرے اور چلا جائے۔
جذبوں اور چھوٹے احساسات کا ایک ... نہ ہے مگر آہ۔ زینی جان میں اسے سرائے
سمجھ کر ہر آنے والے کے لیے دروازہ کھولتی چلی گئی اور آج..... یہ ایک سرائے کی مانند ہی
سنسان اور اجاڑ پڑا ہے۔ جیسے ہر مسافر راستہ بھول گیا ہو یہاں کا۔

میں خوشبو کی تلاش میں نکلی تھی مگر کیا خبر تھی کہ اتنے کانٹے مل جائیں گے۔ میری
روح پر اتنے آبلے ہیں پچھتاوؤں کے کہ میں گن نہیں سکتی۔ میں تھک گئی ہوں ہاں میں شہلا
خواہشوں کا ماتم کر کے تھک چکی ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے بہت اونچائی سے مجھے
نیچے پھینک دیا ہو اور میں ایسی عمیق گہرائیوں میں اترتی چلی جا رہی ہوں ایسی فضاؤں
میں جہاں تاریکی ہے جہاں صرف خلا ہے ہولناک اور نہ ختم ہونے والا خلا۔

دل رستے کی سرائے ہوں جسے ہر کوئی چھوڑ کے جانا چاہیے
چل کی اذیت طلبی پھر اسی شہر کو جانا چاہیے"

بھابی آواز میں پڑھ رہی تھیں۔ زنیرہ نے اذیت سے لبوں کو دانتوں میں جکڑ لیا تھا۔ اس

نے بھی یہ خط سرسری پڑھا تھا مگر اس وقت سب کی موجودگی میں یہ الفاظ اسے بے حد
رہے تھے۔ ایک طرح سے شہلا نواز کا کردار' اس کی ذات بے نقاب ہو رہی تھی۔ اس کا
ہی اندر بکھر گیا تھا مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ شاہ پیلس والوں کے علاوہ اس کا اور کوئی سہارا
تھا کہ وہ خدا کی ذات کے بعد جس سے مدد مانگتی۔ اس کی کالی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو
تھیں۔ شاہ دل کی نظریں اس کے اداس ملول چہرے پر اور ان آنکھوں پر جمی تھیں جن میں
ستارے جگمگا رہے تھے۔

خط پڑھ کر بھابی نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا۔

کمرے میں سکوت ہنوز قائم تھا۔

کچھ لمحے اسی خاموشی سے سرک گئے پھر خاموشی کا سینہ ثاقب بھائی کی آواز نے چیرا۔

"اس میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جس سے پتا چلے کہ وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکی ہے۔"

اس نے سر اٹھایا ایک نظر ثاقب بھائی پر ڈالی جو اپنی کرسی سے اٹھ کر اس سے ذرا فاصلے پر
کھڑے تھے۔

"ہاں زینی ہو سکتا ہے۔ اس نے بس ایسے ہی لکھ ڈالا ہو کسی پریشانی کے عالم میں۔" بھابی
نے تسلی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں بھابی۔" اس نے کرسی سے کھڑے ہو کر اضطرابی انداز میں بھابی کے ہاتھ تھام لیے۔
"وہ بہت مشکل لڑکی ہے اسے سمجھنا بہت مشکل ہے بھابی۔ اس نے آج تک تحریر کا سہارا نہیں
لیا۔ اپنا ڈپریشن ہمیشہ ہنسی میں اڑاتی رہی ہے۔ آج پہلی بار اس نے قلم کا سہارا لیا ہے۔ آپ
نہیں جانتیں وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔" اس کی پلکوں کے ساتھ
کا لہجہ بھی بھیگ گیا تھا۔ وہ اندر سے جتنی پریشان اور خوفزدہ تھی اس کا اظہار وہ کر نہیں سکتی
اس کے دل کی تہہ میں خوف سمٹا جا رہا تھا۔ وہ اپنا دل چیر کر نہیں دکھا سکتی تھی کہ وہ شہلا کے
اقدام سے کس قدر ہراساں تھی کہ شہلا کو وہ جتنا جانتی تھی وہ سب نہیں جانتے تھے۔ اس
رگ وپے میں ایک وحشت اترتی جا رہی تھی۔

"ٹیک اٹ ایزی زینی۔" بھابی نے اس کے گرد اپنے بازو پھیلا دیے۔

"یہی تو مصیبت ہے کہ یہ مشکل لوگ نہ سمجھ میں آنے والے لوگ خود بھی دکھ اٹھاتے
اور دوسروں کو بھی ہمہ وقت دکھی رکھتے ہیں۔" شاہ دل نے کی بورڈ سے چابی اٹھاتے ہوئے
ایک نظر ڈالی۔

ثاقب بھائی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ زیر لب مسکرا بھی دیے تھے اور ادھر

چونک گئی۔ کچھ اس جملے کے پس منظر کو محسوس کر کے اور کچھ اس شخص کی
موجودگی پر' اسے تو اب پتا چلا تھا کہ وہ بھی یہیں موجود تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اسے تلاش کرنا چاہیے۔" وہ بھابی کی طرف

بھابی نے سر ہلا دیا۔

"آؤ زینیرہ۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں کہیں مل جائے۔ بارش بھی رک چکی ہے۔"

کمرے سے نکل گیا تھا۔ بھابی بھی اسے لیے باہر آ گئیں۔

"اسے کچھ ہو گیا تو مر جاؤں گی بھابی۔" وہ گاڑی میں بیٹھ کر اداسی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ تم کیوں دل چھوٹا کر رہی ہو۔ انشاء اللہ خیریت سے ہو گی۔" انہوں نے
اس کے بال سہلائے۔

کپڑوں پر اس نے اپنی چادر اچھی طرح پھیلا رکھی تھی۔ نم نم چہرہ اس وقت گلابی پھول
دھلا مگر ملول اور اداس دکھائی دے رہا تھا۔

شاہ دل نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کا یہ روپ
تھا۔ وہ اسے اتنی دکھی اور اداس کبھی نظر نہ آئی تھی مگر اس حزن میں بھی جاذبیت تھی۔
اس کا ذہن بھی سخت پریشان تھا۔ شہلا نواز کسی معمہ کی مانند تھی۔ اس کا ذہن ہی کیا
پیلس میں کسی کا ذہن بھی اس بات کو ماننے کو تیار نہیں تھا کہ شہلا اس کی سگی بہن ہو سکتی
تیز طرار' فیشن ایبل لڑکی اور کہاں زینیرہ علی جیسی نرم نرم شنیل اور ٹھنڈے آب کی

"کچھ اندازہ ہے کہ وہ کتنے بجے سے گھر سے نکلی تھیں اور کہاں کہاں جا سکتی ہیں؟" گاڑی
سڑک پر ڈالتے ہوئے شاہ دل نے پوچھا۔

"ٹھیک سے تو نہیں ہے مگر اتنا ہے کہ بارہ بجے اسکول سے واپس آئی تو وہ موجود نہیں تھی۔
آدھے گھنٹے پہلے اسکول آف ہو چکا تھا اور گھر آتے آتے خاصی بارش ہو چکی
یونہی موسم کو انجوائے کرنے نکل گئی ہو گی۔ یوں بھی اس کی عادت ہے وہ
جاتی ہے مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا مجھے پریشانی لاحق ہونے لگی' میں نے نیچے جا کر
سے پوچھا مگر انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔" وہ لمحہ بھر رکی پھر انتہائی مغموم انداز میں
کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہوئی تب میری نظر اس پرچے پر پڑی اور تکیے کے نیچے
پیسے۔" وہ اتنا کہہ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رو دی۔ پتا نہیں یہ تقدیر کے
جتنا اسے سکھی اور ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا تھا۔ اتنا وہ اسے آزردہ ملی تھی۔ کبھی

اس کے اپنے رویے پر اور کبھی حالات کی ستم ظریفی پر۔

اس نے گاڑی کنارے روک کر رخ موڑ کر اسے ایک نظر دیکھا اس کا دل شدت سے چاہا کہ اس بکھرے بکھرے وجود کو سمیٹ لے۔

"اتنے بڑے شہر میں کسی ایک فرد کو ڈھونڈنا تو بہت مشکل ہے۔ کچھ اندازہ تو ہو گا کہاں ہو سکتی ہے وہ۔ اس کے رشتہ دار' اس کے فرینڈ' میل جول والوں کو اس کے بارے میں کچھ علم ہو۔" اس کے لہجے میں نرمی اور بلا کی سنجیدگی مستور تھی۔

اس نے بھیگی آنکھوں سے اس پر ایک نظر ڈالی پھر پلکیں جھکا دیں۔ وہ اس کے لیے ازحد پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں تقویت سی ملی۔ کل تک وہ اس شخص کے سائے سے ایسی خوفزدہ تھی کہ اس کی موجودگی سے بھی کتراتی تھی مگر اس وقت اس کے ذہن پر صرف شہلا سوار تھی پھر اس کے لہجے کی نرمی اور اپنائیت کا احساس تھا جو اس کا خوف اس کی دہشت ختم کر چکا تھا۔

"وہ کہاں کہاں کس کے پاس جاتی رہی ہے۔ تم اتنا تو جانتی ہو گی' ہو سکتا ہے وہ اپنی کسی فرینڈ کے پاس چلی گئی ہو' یونہی موسم کو انجوائے کرنے۔" بھابی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ سوچنے لگی مگر اسے مایوسی ہی ہو رہی تھی۔ وہ شہلا کے کسی معاملات میں مداخلت کی مجاز نہیں تھی۔ معاً مونا کا خیال ذہن میں بجلی کی طرح کوندا مگر دوسرے لمحے پھر مایوسی نے آگھیرا۔ وہ مونا کے اتے پتے سے بے خبر تھی نہ کبھی شہلا نے اسے بتانے کی زحمت کی تھی۔

"نہیں' میں کسی کو نہیں جانتی۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ کہاں جا سکتی ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" اس نے دل گرفتگی سے جلتے لبوں کو دانتوں سے دبالیا۔

تقریباً شہر کی سڑکوں کو چھان کر وہ مضمحل اور مایوس لوٹ کر آئے تو شاہ پیلس میں سب شدت سے ان کے منتظر تھے۔ کسی اچھی نوید کے لیے۔ زنیرہ تائی اماں کی گود میں سر ڈال کر پھوٹ پھوٹ کر روئی جیسے اب شاید کبھی شہلا کو نہ دیکھ پائے گی۔ ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو گئی ہو۔

"نہ میری بچی نہ' خدا کی ذات سے ناامید نہیں ہوتے۔" تائی ماں اسے شفقت سے بانہوں میں بھر کر تسلیاں دینے لگیں۔ اسے اس وقت کسی ایسے ہی ہمدرد اور غمگسار کی ضرورت تھی۔

"آپ اسے نہیں جانتی تائی اماں۔ بلکہ کوئی بھی نہیں جانتا وہ بہت انتہا پسند ہے۔"

"میں ثاقب اور عادل کو بھیج رہی ہوں وہ سارے اسپتال بھی دیکھ آئیں گے ایک شہر ہی تو ہے نا۔ کہاں جا سکتی ہے دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں بیٹی۔ کہتے ہیں نا ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے یہ تو بشر ہے۔ چلو تم دل چھوٹا مت کرو۔"

اسے حقیقتاً تائی ماں کی تسلیوں سے ڈھارس مل رہی تھی۔ شاہ پیلس کے مکینوں کا اسے بڑا پیار اور خلوص یاد آیا۔ ایک بار شہلا نے اسے کتنا ڈانٹا تھا جب وہ شاہ پیلس والوں سے منہ موڑ رہی تھی۔

سب اسے ساتھ لونگ روم میں لے آئی تھیں اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دل بہلانا چاہ رہی تھیں' مگر اسے تو لگ رہا تھا کہ اب یہ دل شاید کبھی نہ بہل پائے گا۔ شہلا نے اس کا دل ایسا توڑا ہے کہ شاید ہی جڑ پائے۔

سدرہ بھابی نے شمشاد بیگم کو فون کر کے کہہ دیا تھا اگر شہلا آجائے تو وہ انہیں شاہ پیلس میں فوراً اطلاع دے دیں۔ چونکہ تائی اماں نے باوجود اصرار کے زنیرہ کو شاہ پیلس سے جانے نہیں دیا تھا۔ ثاقب بھائی اور شاہ دل بھی مایوس واپس آ چکے تھے۔

"بھابی میں نے تو کبھی شہلا سے جدائی کا سوچا بھی نہیں تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا بھابی جبکہ وہ مجھے اچھی طرح جانتی تھی۔ میں کس قدر بزدل اور اس کے بغیر کمزور ہوں۔"

جانے رات کا کون سا پہر تھا وہ بھابی کے کندھے پر سر رکھے' ہولے ہولے آنسو بہا رہی تھی۔ سدرہ بھابی اس کا کندھا تھپک رہی تھیں۔

یہ نازک سی معصوم سی لڑکی انہیں اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوتی تھی۔ وہ اسے بے انتہا چاہنے لگی تھیں۔ تبھی اس کے لیے یہ آنسو ان کے دل پر پگھلے سیسے کی مانند گر رہے تھے۔ وہ اس کے ریشمی لمبے بالوں پر انگلیاں پھیر رہی تھیں پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

"زنیرہ۔" وہ ایک تذبذب سے پکار کر رہ گئی۔

"زنی..... یہ شہلا کون ہے۔ میرا مطلب ہے تمہارا اور اس کا رشتہ ہے کیا وہ سگی؟" وہ چپ ہو گئیں اور زنیرہ کو دیکھنے لگیں۔ "تم برا مت ماننا۔ میں نے یونہی پوچھ لیا ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔

○☆○

"آیا لاڈے ... نی۔

تم اسہراں والا دیا ہون آیا'

"یہ تم کون سا سبق یاد کر رہے ہو۔" سائرہ نے لہک لہک کر گاتے مصدق کی پیٹھ پر زور دار دھپ رسید کی۔ ساتھ ہی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں تو ... سی کتاب ہی تھی مگر وہ گنگنانے کو گا رہا تھا۔

"آپ کی شادی کا پیشگی گیت گا رہا ہوں۔" وہ اطمینان سے بولا اور رخ سائرہ کی طرف کر لیا۔ "کچھ تو یاد ہونے چاہئیں مجھے بھی۔"

"نہوں یاد ہونے چاہئیں۔ مت بھولو کہ میری شادی سے پہلے جناب کے امتحانات ہونے والے ہیں اور اس میں ہمیں یہ فضول سے گانے وانے نہیں لکھنے....." وہ اس کے کان پکڑ کر ہنسی۔

"اوں ہوں۔ کاش آپی امتحانات سے کسی کو گزرنا ہی نہیں پڑتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ یہ امتحان وامتحان نہ ہوتے تو زندگی کتنے مزے سے گزرتی۔" مصدق ہاتھ میں پکڑی کتاب بیگ میں رکھتے ہوئے منہ بگاڑ کر بولا۔ اس سے بے نیاز کہ اس کا جملہ کسی چھری کی طرح سائرہ کے دل پر لگا تھا۔ وہ معصومیت سے سادہ سی بات کر رہا تھا مگر سائرہ مظفر کی رگ رگ میں ایک تکلیف سمٹ آئی۔ ہاں کتنا اچھا ہوتا امتحان سے گزرنا نہ پڑتا مگر کب ایسا ہوا ہے۔ یہ امتحان ہی تو جان لیتے ہیں۔ فیل ہو کر بھی اور پاس ہو کر بھی رلاتے ہیں۔

"آپی آپ کی شادی میں کتنا مزہ آئے گا۔ نیلی آپا کہہ رہی تھیں۔ وہ سب بہت پہلے سے ہمارے یہاں آ جائیں گی۔ کتنی رونق ہو جائے گی ہمارے گھر میں۔ غالب بھائی تب تک تو آ جائیں گے نا؟"

اس نے ایک نظر اس کے پرجوش چہرے کی طرف دیکھا اور اپنے دل کی اداسی پر ہنسی کا پردہ گرا لیا۔

"بہت باتیں کرنے لگے ہو۔ بس اب کتاب نکالو اور بتاؤ کیا کچھ یاد کر لیا ہے۔"

"اوہو آپا مٹی پاؤ۔" اس نے سائرہ کے ہاتھ سے اپنی کتاب جھپٹ لی۔ "ابھی امتحان میں بہت دن ہیں اور ویسے بھی امی نے تاکید کی ہے کہ اپنی سائرہ آپا کا دماغ مت چاٹنا۔ کیونکہ اب وہ....." وہ یہ کہہ کر ہنسنے لگا۔

"پتا ہے آپ کی ساس اس جمعہ کو تشریف لا رہی ہیں۔" یاد آنے پر جلدی سے اسے اطلاع دی تو وہ چونک گئی۔

"کک..... کیوں۔ تمہیں کس نے بتایا؟"

"ارے ہمیں تو مواصلاتی سیارے کے ذریعے براہ راست اطلاع ملتی ہے کہ سائرہ کی ساس بقول دادی کے کنجوس سمدھن مع اہل و عیال بروز جمعہ دس بج کر پندرہ منٹ پر مظفر ہاؤس میں اپنا وزنی قدم رنجہ فرما رہی ہیں۔ ہوشیار خبردار۔"

"بقول دادی حضور کے۔" "آ رہی ہوں گی کچھ بٹورنے۔" مصدق نے آخری جملہ دادی کے انداز ہی میں ادا کیا تھا۔ وہ بے اختیار ہنسی کو نہ روک سکی تھی۔

"بہت بدتمیز ہو گئے ہو۔ سچ بتاؤ آ کس سلسلے میں رہی ہیں؟"

"یہ تو مجھے علم نہیں ہے آپ خود امی سے پوچھ لیجئے۔ ویسے خرم بھائی نہیں آ رہے۔ وہ تو یہاں بیٹھ گئے ہوں گے ابھی سے آخر کچھ تو روپ آ جائے ان پر..... ویسے مشکل ہی ہے۔"

"کیا؟" وہ قطعی نہ سمجھی۔

"روپ آنا۔" مصدق کا جملہ اور سائرہ کی ہنسی بے ساختہ تھی اس نے مصدق کا کان پکڑ کر کھینچ ڈالا۔

"ارے دیکھو ذرا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ کمرہ بند کر کے یہ لڑکا پڑھائی کر رہا ہو گا مگر یہاں تو ٹھٹھول ہو رہا ہے۔" صباحت دروازے سے جھانکا تھا پھر دروازہ پورا کھول کر اندر آ گئیں۔

"امی۔ رئیسہ آنٹی آ رہی ہیں کیا؟" سائرہ فرش سے اٹھتے ہوئے صباحت کے پاس چلی آئی۔

"ہاں۔ تمہیں کس نے بتایا؟" انہوں نے ذرا حیران ہو کر پوچھا۔ ایک نظر مصدق پر بھی ڈالی جو جلدی سے منہ کتاب میں گھسیڑ چکا تھا۔

"تو آپ چھپانا چاہ رہی تھیں مجھ سے کیا؟" اس نے شکوہ کناں نظروں سے امی کو دیکھا تو وہ ہولے سے ہنسیں۔

"ویسے ہی آ رہی ہیں رئیسہ آپا۔ حسنہ اور حفصہ دونوں بھی ساتھ ہوں گی تمہارے کپڑوں کا ناپ اور کچھ دوسرے معاملات کے لیے۔"

"دوسرے کیا معاملات؟" اس نے چونک کر صباحت کو دیکھا۔ پتا نہیں کیوں دل سخت ہولا سا ہو رہا تھا۔

"اوہو بیٹا' ہزار بکھیڑے ہوتے ہیں شادی بیاہ میں' تم تو باؤلی لڑکی ہو۔ اب ان کا آنا جانا تو لگا ہی رہے گا۔" وہ رخ بدل کر الماری کھولنے لگیں اور جانے کیوں سائرہ کو لگا جیسے یہ معاملات یقیناً دوسرے ہی ہیں دادی کا موڈ بھی خراب ہے۔ یہ انہوں نے لفظ "بٹورنے" یونہی استعمال نہیں کیا گیا۔

"امی۔" اس نے بڑے مضمحل انداز میں آگے بڑھ کر صباحت کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ جسے انہوں نے بڑے پیار سے سہلا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"کتنی اذیت ہوتی ہے یہ سوچ کر ہی کہ ایک بیٹی شادی کے نام پر باپ کی عمر بھر کی کمائی لے جائے۔ امی' ابو کے پاس اگر جو کچھ ہے وہ صرف اور صرف میرے لیے نہیں ہے۔

ان کی دن رات کی محنت کا ثمر' میرے اکیلے کے لیے نہیں ہے۔ اس میں میرا حصہ بہت ہی تھوڑا سا ہے۔"

"یہ کیا باتیں کر رہی ہو۔ پاگل ہو گئی ہو کیا۔" صباحت نے اس کی بات کاٹ دی اور خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا وہ کرب سے دانتوں سے لبوں کو کچل رہی تھی۔ ایک اذیت اس کے چہرے پر رقم تھی۔

"جانے کیا کیا سوچیں آتی ہیں تمہارے دماغ میں۔"

"یہ صرف سوچیں نہیں ہیں حقیقت ہے' اور یہ حقیقت صرف میرے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس معاشرے کی ہر لڑکی' ہر بیٹی کے ساتھ ہے۔ ہر لڑکی اسی اذیت سے گزرتی ہے' مجھے پتا ہے رئیسہ آنٹی۔ وہ فہرست لے کر آ رہی ہیں جو ان کے خیال میں آپ دینا نہ بھول جائیں۔۔۔ یا وہ بتانے آ رہی ہوں کہ آج کل کیا رسم و رواج چل رہا ہے اور لڑکی کیا کچھ جہیز کے نام پر لے کر اور یہ سب لا کر ہی بہو سسرال میں سرخرو ہو سکتی ہے۔ یہی کچھ دادی جان نے بھی آپ کے ساتھ کیا تھا اور رئیسہ آنٹی بھی ان کی ہی بہن ہیں امی۔ یہ آپ مت بھولیں۔

"ہٹو۔ کیا فضول بکواس لے کر بیٹھی ہو۔" صباحت نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے سخت ہو گئی تھیں وہ۔

"وہ کوئی فہرست دینے نہیں آ رہی ہیں۔ ان لوگوں نے تمہیں ایک عرصے سے دیکھا نہیں ہے اسی لیے بس ملنے آ رہی ہیں چونکہ منگنی تو باقاعدہ ہوئی نہیں تھی اور دوسرے چھوٹے موٹے کام ہیں۔ لاہور میں بھی شاید شاپنگ وغیرہ کا ارادہ ہے تم جانے کیا سوچ بیٹھیں۔"

وہ چپ کی سلگتی نظروں سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی پھر ہونٹ بھینچ کر مصدق کے بیڈ کی ٹھیک کرنے لگی۔

وہ کوئی ناسمجھ' نابالغ نہیں تھی کہ جیسے بہلا دیا جاتا' بے شک امی پر زور انداز میں اس ذہن سے اٹھنے والی سوچوں کی نفی کر رہی تھیں مگر وہ بہت کچھ محسوس کر رہی تھی۔

"پاگل لڑکی۔ ماں باپ لڑکی کو جہیز کے نام پر جو کچھ دیتے ہیں وہ تحفہ ہوتا ہے۔" اس کے جھکے سر پر ہاتھ رکھا۔

"تحائف ٹرک بھر کر نہیں دیے جاتے۔" وہ سلگ کر بولی۔

"تم جو بھی کہو۔ میں تو کہتی ہوں یہ خوشی ہوتی ہے والدین کی تمہیں پتا ہے تمہارے لیے جو کچھ تیار کر رہے ہیں اس تیاری میں ان کو کتنی مسرت مل رہی ہے۔ ارے بے وقوف رئیسہ آپا نے کچھ مانگا کب ہے بھلا اور رہی رسم و رواج تو یہ چلتا رہتا ہے پھر ہماری

بیٹیاں ہیں۔ ہمارا جو کچھ ہے تم دونوں بہن بھائی کا ہی تو ہے۔" انہوں نے اسے تھاما تو وہ بے اختیار ان کے سینے سے لگ گئی۔ کتنے نمکین قطرے آنکھوں سے پھسل گئے مگر جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

اس نے امی سے وعدہ کیا تھا نہ رونے کا اور وہ اب کوئی نئی اذیت انہیں نہیں دینا چاہتی تھی ان کی زندگی میں یوں بھی خوشیوں کا کال تھا۔

"چلو شاباش۔ تمہاری دادی تمہیں کب سے یاد کر رہی ہیں۔" صباحت نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تو وہ مسکرا دی۔ اس مسکراہٹ کو لبوں پر لانے تک اس کا دل کتنا زخمی ہوا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔

"ارے ہاں چھوٹی بھابی (چھوٹی چچی) کا بھی فون آیا تھا۔ کچھ کہہ رہی تھیں زنیرہ کے بارے میں" دروازے سے نکلتے نکلتے صباحت کو کچھ یاد آ گیا۔ سائرہ بھی زنیرہ کے نام پر رک گئی۔

"زنیرہ کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟"

"اس کی بہن وہن کا کوئی ذکر تھا۔ پتا نہیں کچھ ایسی بات کر تو رہی تھیں دراصل تمہارے ابو آ رہے تھے مجھے تو ٹھیک سے میری ان سے بات ہی نہیں ہو پائی۔ اس کے بعد مجھے بھی فون کرنا یاد نہیں رہا۔ ایسا کرنا تم شاہ پیلس فون کر کے پوچھ لینا۔"

"ہاں۔ چلو ابھی کرتی ہوں۔"

"ماشاء اللہ یہ زنیرہ بڑی پیاری بچی ہے۔ اسے دیکھ کر آنکھوں سے دل تک ٹھنڈک اتر آتی ہے۔ صرف روپ کی نہیں سیرت کی بھی بڑی پیاری ہے۔"

"ہاں' امی واقعی' اگر اپنا مصدق بڑا ہوتا نا تو میں اسے بھابی بنا کر دم لیتی۔" سائرہ مصدق پر ایک نظر ڈال کر ہنسی تو وہ بے چارہ خواہ مخواہ میں جھینپ کر رہ گیا۔ اس کی معصوم شرم نے صباحت کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"ویسے امی۔" وہ کمرے سے نکل کر امی کی طرف رازداری سے جھکی۔ "شاہ پیلس میں شاہ ویسے خاصے بھائی ہیں اور منجھلی چچی تو اس پر بڑی فریفتہ نظر آتی ہیں۔"

"اچھا۔" صباحت کے لیے خوشگوار انکشاف تھا۔ "شاہ دل کے لیے۔"

"ہوں۔ ظاہر ہے مگر۔۔۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر زور سے ہنسی۔ "شاہ ویسے بھائی تو ذرا اسٹون مین ہیں۔"

"ہماری نصیبوں کی باتیں ہیں۔ ویسے بھابی کو پھر تو تھوڑی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ لڑکا تو ہے کیا اب اس کے کہے پر چلتی رہیں گی۔ اچھا چلو تم فون کر لو اور دادی کو جواب دے دینا

اس وقت تو وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔" صباحت کو اچانک اپنے دوسرے اٹکے کام یاد آ گئے وہ سائرہ کو تاکید کرتیں' دوسری طرف نکل گئیں۔ سائرہ کچھ دیر اپنی جگہ کھڑی رہی۔

"ہاں واقعی۔ یہ ساری نصیبوں کی باتیں ہیں۔ قسمت سے بھلا کون لڑ سکتا ہے اور قسمت سے کون چھین سکتا ہے۔" اس کے اندر کی اداسی آہستہ آہستہ ابھرنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

○☆○

وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر برس گئیں
دلِ بے خبر میری بات سن' میرے ساتھ آ' اسے بھول جا
نہ وہ آنکھ ہی تیری آنکھ تھی نہ وہ خواب ہی تیرا خواب تھا
دل منتظر تو یہ کس لیے' تیرا جاگنا اسے بھول جا

وہ خود آزاری کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ اچھا بھی لگ رہا تھا اور بے حد تکلیف دہ بھی مگر پھر بھی وہ کتاب آنکھوں کے سامنے رکھے اپنی مدھم بھاری آواز میں پڑھتا رہا۔

یہ تو کس لیے شبِ ہجر کے اس ہر ستارے میں دیکھنا
وہ فلک کہ جس پہ ملے تھے ہم' کوئی اور تھا اسے بھول جا
تجھے چاند بن کے ملا تھا جو تیرے ساحلوں پر کھلا تھا جو
وہ تھا ایک دریا وصال کا' سو اتر گیا اسے بھول جا

اس نے کتاب بند کردی اور کتنی دیر سینے پر رکھے یونہی لیٹا رہا۔ اس کے اندر کا حزن الم اس کمرے کی پوری فضا کو جیسے بوجھل کر رہا تھا۔

"بھول جانا اتنا ہی مشکل ہے جیسے سلگتے الاؤ سے بخیریت گزر جانا۔ بھلا آگ سے کوئی سلامت نکلا ہے۔" وہ اٹھ کر شفاف شیشے کے باہر تھرکتی دنیا اور اس کی رنگینی کو دیکھنے لگا۔ ٹوکیو پہاڑوں کے درمیان گھرا ایک خوبصورت نگر تھا۔ دور اونچے اونچے خوش نما پہاڑ بڑے بھلے لگ رہے تھے اور اس وقت لش لش کرتی شفاف سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام تھا' گاڑیوں میں دوڑتے سائیکلوں پر بھاگتے اور فٹ پاتھ پر چلتے لوگ اپنے آپ میں مگن زندگی کی دوڑ میں ایک مقام حاصل کرنے میں سرگرداں دکھائی دے رہے تھے۔ ہر کوئی اپنی زندگی میں مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن یہ محض اس کا اپنا خیال تھا اس نے سوچا یقیناً ان میں کتنے لوگ اندر سے دکھی ہوں گے۔ کوئی کس پریشانی سے نمٹ کر باہر نکلا ہو گا۔ کوئی کسی مسائل میں گھرا ہو گا۔ زندگی سیدھی سڑک کی مانند ہوتی تو شاید ایک جمود ہوتا۔ دنیا اتنی رنگ برنگی نظر نہ آتی۔ ایک سا رنگ چھایا رہتا' نہ اتنی ...

یونہی نہ دختیں۔
نہ خواہشیں جنم لیتیں۔
نہ امیدیں۔

باغ میں صرف ایک ہی قسم کے پودے ہوں تو باغ اتنا دلکش نہیں لگے گا جتنا رنگ بہ رنگ پودوں کی انواع واقسام کے پھولوں سے لگ سکتا ہے۔

ہاں یہی زندگی ہے۔ انہی میں کسی کے لیے خوشیاں بھی ہیں اور دکھ بھی چھپے ہیں۔ وقت پردہ اٹھاتا جاتا ہے اور سب کے حصے کی خوشیاں اور رنج ان کی جھولیوں میں بھرتا جاتا ہے

تو پھر اس دلیل سے بھی یہ دل بہل کیوں نہیں جاتا۔

یہ غالب کے پراگندہ ذہن سے اٹھنے اور معدوم ہونے والی سوچیں تھیں وہ زندگی کو آج کل بڑے مختلف انداز میں برت رہا تھا کبھی کبھی اپنی شکست پر بہت سا رونے کو دل کر رہا تھا تو کبھی اونچے اونچے قہقہے لگانے کی خواہش کرتا۔

اور آج سائرہ مظفر سے یہ حکم ملا تھا کہ اسے واپس آ کر بھی تشنہ ہی رہنا پڑے گا۔ آؤ تو اپنے جذبوں پر برف گرا کر آجاؤ۔

ہاں سمجھوتہ کہ اب اسے بھی منافقت کا انداز اپنانا ہو گا۔

"بہت ظالم ہو سائرہ شاہ۔ بہت ظالم۔" وہ زور سے ہنسا' مگر اس کی ہنسی ایسی تھی جیسے خالی برتن میں ڈھیر سارے پتھر لڑھکا دیے ہوں۔ اس یاسیت اور خالی پن کا احساس اسے بھی تھا مگر یہاں اس تنہا کمرے میں اس کے سوا تھا ہی کون اور وہ اپنے آپ کو بالکل بھی دھوکہ نہیں دے رہا تھا' وہ یہاں کمرے میں کھل کر رو بھی چکا تھا اور اپنی بے بسی اور بے مائیگی پر قہقہے بھی لگا چکا تھا۔

کئی بار جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑکوں اور پارکوں میں گھومتے ہوئے خود کو سخت بزدل' کم ہمت اور احمق تصور کرتا اور کبھی جی بھر کر سائرہ مظفر شاہ کو برا بھلا کہہ چکا تھا کہ اس کے دل کی بستی کو اجاڑنے والی وہی تو تھی اسے بزدل اور کم ہمت بنانے والی بھی وہی۔ اگر وہ اپنی التجاؤں اور معذرتوں کی بھاری زنجیریں اس کے پیروں میں نہ ڈالتی تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ہاں کیا کچھ۔

مگر...... اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور ایک گہری سلگتی سانس سینے کی تہہ سے خارج کی۔ ہاں مگر۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔

وہ سائرہ شاہ کو بھگا کر نہیں لے جا سکتا تھا۔

اسے اغوا نہیں کر سکتا۔
اسے پستول کی نال پر اپنا نہیں بنا سکتا تھا۔
بھلا وہ کر ہی کیا سکتا تھا
"ہم اور تم۔
اپنی اپنی زندگی کے دائروں میں
اپنی اپنی گردشوں میں
اس طرح الجھے ہوئے ہیں
جس طرح دشت فلک میں ساتھ چلتے
وہ ستارے
جو بظاہر پاس لگتے ہیں مگر ان کی رفاقت میں
کروڑوں میل کی تنہائی کا دریا بھی ہوتا ہے
یہ دریا پار کیسے ہو
نہ تم ہو اس کنارے پر
نہ ہم ہیں اس کنارے پر
سو بہتر ہے
ہم اپنے اپنے دائروں کے اس خلا میں گھومتے جائیں
ستاروں کی طرح ایک ساتھ چمکیں اور دیکھیں تو یہی
لیکن یہ اپنے بیچ میں جو فاصلوں کا سرخ دریا ہے
اسے تسلیم ہی کر لیں
کہ اس بے پل کے دریا میں نہ تم ہی تیر سکتے ہو
نہ ہم ہی تیر سکتے ہیں!"

اسے کمرے میں اچانک حبس بڑھتا محسوس ہوا حالانکہ کھلی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے مگر وہ کیا کرتا کہ ایک حبس اس کے اندر تھا بے حد و بے حساب۔

وہ کھلی فضا میں نکل کر پیدل چلنے لگا۔ باوجود خنکی کے اس نے جیکٹ نہیں پہنی تھی۔ بس کریم شرٹ اور بلیک ٹراؤزر، پیروں میں بوٹ کے بجائے پشاوری چپل تھے جو گزرتے کئی لوگوں کی توجہ کا مرکز بن رہے تھے۔

"ہیلو گالب۔" (غالب) اپنے چھوٹے سے لان کے پودوں میں پانی دیتی۔ ماریہ نے اسے پکارا اور اس کے پلٹنے پر تازہ اور دلکش تبسم اچھالا۔

وہ اس کی پڑوسی لڑکی تھی جو نسلاً جاپانی تھی مگر مذہبی طور پر عیسائی تھی چونکہ اس کے والدین اس کی پیدائش کے سال بھر بعد عیسائی مذہب اپنا چکے تھے۔ وہ چونکہ لندن میں کئی برس اپنے

...کے ساتھ رہی تھی اس لیے روانی سے انگریزی بول لیتی تھی۔
...موسم بہت اچھا ہو رہا ہے شاید اس لیے واک پر نکلے ہو۔" وہ شستہ انگریزی میں بات ...تھی۔
...اپنی سوچوں میں گم تھا۔ اس کی آواز پر رک گیا وہ پانی کا پائپ کیاری میں رکھ کر ہاتھ ...اس کے پاس چلی آئی تھی۔
...اچھا۔ موسم کی آج اچھا ہے؟" غالب نے حیرت سے یوں پوچھا جیسے وہ کمرے میں پردے ...کے بے نیاز جب تیر بیٹھا ہو پھر کھلی فضا میں ایک سانس کھینچا۔ "مجھے تو ہمیشہ جیسا ہی لگ رہا ...

...اس لیے کہ تم پر ایک سا موسم ٹھہر گیا ہے۔" ماریہ یہ کہتے ہوئے ہنسی' غالب نے چونک کر ...طرف دیکھا تھا۔ اس کے انڈے جیسے چمکتے چہرے پر چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ہنسی ہلکورے ...تھی۔ "اندر آؤ نا۔" وہ بے تکلفی سے بولی جو اس معاشرے کا خاصہ تھا۔

...نہیں کھلی فضا اچھی لگ رہی ہے۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے معذرت کر دی۔

"تو پھر یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔" اس کے لہجے میں التجا تھی اس نے اپنے چھوٹے سے لان میں ...بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ غالب کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر سر ہلا کر بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ یوں بھی ...بے وجہ باہر نکل آیا تھا۔ اس کی کوئی منزل نہیں تھی اور چلتے رہنے کا بھی فائدہ نہیں تھا۔ مگر ...کے خیال میں یہ بینچ بھی اس کی منزل نہیں تھا۔

○☆○

"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں ہے زینی۔" بھابی اسے گم صم دیکھ کر اپنے کیے گئے سوال ...ہماری ہو گئیں۔ "نہ میں تم سے پوچھنے کا حق رکھتی ہوں یہ تو میں نے یونہی پوچھ لیا۔ تم نہ ...تو میں ہرگز اصرار نہیں کروں گی۔" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "تم نے برا تو ...محسوس کیا زینیرہ۔"

...بھابی۔" اس نے تڑپ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ "میری جھلستی زندگی میں ...پر آپ لوگ ہی ہیں جس میں مجھے امان ملی۔ اس سائے کی مانند ہیں آپ جس نے ...تپش کم کر دی ہے۔"

...زینیرہ امان اور پناہ تو خدا رب العزت کی ذات میں ملتی ہے وہی سایہ اور سائبان ہے۔ ...وسیلہ کسی نہ کسی کو بنا دیتا ہے۔ تم نے اتنی دکھی کر دینے والی بات کیوں کی؟" بھابی نے ...اور اس کا چہرہ دیکھا اس کی ناک کے کناروں پر سرخی کی تہ دبیز ہوتی جا رہی تھی جیسے اندر

ہی اندر ایک الاؤ کو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی انگلیاں اضطرابی انداز میں بھابی کے ہاتھ سے لپٹ رہی تھیں۔

"شہلا سے میرا خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔" وہ کچھ دیر بعد اپنی حالت سنبھالتی ہوئی بولی اور سامنے دیوار پر نگاہیں جما دیں۔ بھابی ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں ان کے لیے یہ بولنا بات یا انکشاف ہرگز نہیں تھا۔ انہیں اپنے سوال کے اسی جواب کی توقع تھی۔

"مگر ہم مختصر عرصے میں ایک ایسے رشتے میں بندھ گئے تھے جیسے برسوں سے ساتھ رہ رہی ہوں۔ دلوں کے درمیان ایک ڈور بندھ گئی تھی ایسا لگتا تھا جیسے کبھی نہ ٹوٹے گی اور ہم عمر بھر ایک چھت تلے ساتھ ساتھ زندگی کی دھوپ چھاؤں کو گزارتے چلتے رہیں گے مگر..." اس نے آنکھیں موند لیں۔ "میں شہلا کی بے وفائی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں اس کے بغیر کچھ نہیں ہوں۔ یہ بات وہ بھی جانتی تھی پھر بھی اس نے ایسا کیا۔"

"نہیں زنیرہ۔ یہ سب وقتی سہارے ہوتے ہیں جو انسان ڈھونڈتا پھرتا ہے ان سہاروں پر انحصار انسان کو کم ہمت، بزدل اور اعتماد سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیتا ہے۔ تم تو بہت باصلاحیت لڑکی ہو پھر اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو۔"

زنیرہ کے لبوں پر ایک مجروح مسکراہٹ بکھر کر ٹوٹ گئی۔ کمرے کی مدھم روشنی میں دیوار کو بدستور گھورتی رہی پھر مدھم آواز میں بولی۔

"میں اس بزدل چڑیا کے بچے کی مانند تھی جس نے گھونسلے کے باہر کی دنیا دیکھی ہی نہ ہو۔ حالات نے مجھے اس گھونسلے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ ہمتیں پیدا ہوتیں مگر وہ پھر بکھر جاتیں اگر شہلا سمیٹ نہ لیتی۔ ہاں بھابی وہ لاکھ خود کو بری کہتی تھی مگر میں جانتی تھی اچھی بھی تھی ہے۔" اس کے لہجے میں شہلا کے لیے بے حد محبت تھی۔ سدرہ بھابی اس پر نظریں مرکوز کیے بیٹھی تھیں۔ ان کا ہاتھ اس کے شانے پر تسلی آمیز انداز میں جما تھا وہ اس کی آنکھوں کے کناروں کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کے دل کے اندر مچلتے اس طوفان کو محسوس کر رہی تھیں۔ انہیں آج ہی نہیں ہمیشہ ان حسین جھیل جیسی آنکھوں کے پار حزن اور بہت یاسیت دکھائی دیتی تھی کئی بار انہوں نے استفسار کا سوچا مگر پھر ترک کر دیا۔ یہ سوچ کر کہ کہیں وہ بے خبری میں کوئی زخم تازہ نہ کر دیں مگر آج ان کے ایک سوال پر اس کی سیاہ دلکش آنکھوں کے پار کچھ مچلنے لگا تھا۔

وہ بھی شاید اپنا غم ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

وہ سارے آنسو جو اس کے اندر ٹپک رہے تھے بہا دینا چاہتی تھی۔

"میں کراچی سے لاہور آئی تھی تو یہیں مجھے شہلا ملی تھی۔ اسٹیشن کے باہر۔"

"کیا۔ تم؟" بھابی بھونچکا سی رہ گئیں کم از کم یہ انکشاف ہی تھا ان کے لیے۔

"ہاں۔ میں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی ہوں۔" اس نے رخ موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ "وہ گھر نہیں قید خانہ تھا، وہ محض چار دیواری کا وہ قید خانہ تھا جہاں مجھے روٹی، کپڑا اور پانی مل جاتا تھا۔" اس نے لبوں کا کونا ایک اذیت کے ساتھ دانتوں سے کاٹا اور صوفے سے پشت پر سر ٹکا کر دکھ اور پچھتاوے کی آگ میں سلگتی ہوئی بولی۔

"کبھی سوچتی ہوں، مجھے ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا، میرے لیے وہیں مرجانا بہتر تھا مگر پھر سوچتی ہوں وہاں روز مرنے اور جینے سے بہتر فرار تھا۔ میں اب دو طرفہ سوچوں کے گرداب میں اس کشتی کی مانند ہوں جو ہوا کے زور سے یہاں وہاں ڈولتی اپنا وجود کبھی مضبوط نہیں کر پاتی، ہوا کو شکست دینے کی طاقت نہیں رکھتی ہے۔ میرے ماضی میں اندھیرا تھا اور میرا مستقبل بھی دھند میں لپٹا دکھائی دے رہا ہے۔ میں کیا کروں بھابی؟" وہ ذہنی طور پر بری طرح تھکی ہوئی دکھائی دینے لگی۔

"کیا تم مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا غم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔ مجھے اپنے دکھ دے دو زنیرہ۔ میں نہیں تو کچھ تو سمیٹ سکتی ہوں۔ مجھے سناؤ ان سارے تپتے دنوں کی روداد، شاید تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے۔" بھابی کا لہجہ اس کے دل پر مرہم کی طرح تھا۔ اس کے سلگتے آبلوں پر ٹھنڈی پھوار پڑی۔

اس نے سر اٹھا کر ان کا مہربان چہرہ دیکھا وہاں تسلی آمیز چاندنی چٹکی ہوئی تھی وہ اس کے گود میں رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے اسے اپنائیت کے تمام تر احساس کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔ زنیرہ کا دل عقیدت اور محبت سے بھر گیا۔ اسے اپنا یہ بوجھ جو شانے پر دھرا محسوس ہو رہا تھا اسے اتار دینے کی خواہش جاگ اٹھی۔ یوں بھی احمر کے نئے خوف سے چھٹکارا پانے کا بھی یہی راستہ تھا کہ اپنی ذات کم از کم بھابی کے سامنے کھول دے۔

اس نے ایک تھکی تھکی سانس سینے سے خارج کی اور پھر سر جھکا کر صوفے کے ہتھے پر انگلی پھیرتے ہوئے سوچنے لگی کہ وہ کہاں سے شروع کرے؟ وہاں سے جب وہ تتلی کی مانند آنگن میں اڑتی پھرتی تھی۔ جب ہنسی خوشی کے سارے موسم اس کی مٹھی میں تھے جب وہ صبح کی الھڑ ہوا کی مانند تخلیق فطرت تھی۔ اس کے اطراف صرف محبت اور چاہت کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ دس سالہ زندگی کا قطرہ قطرہ خوشبو میں بسا ہوا تھا۔

یا پھر وہاں سے آغاز کرے جب امی اور ابو کے سرد اور منجمد وجود سفید کپڑوں میں لپٹے اس

کے سامنے رکھے تھے۔

یا وہاں سے جب شدید دھوپ میں احمر اور چچا جان اس کے لیے کبھی کبھی سایہ بن جایا کرتے تھے۔

اس کے ماضی میں بہت سا خزانہ دفن تھا۔

محدود خوشیوں کا۔

لاحاصل خواہشوں کا عذاب کا' نفرتوں کا اور کہیں کہیں رقم عنایتوں کے چھینٹوں کا۔

"اپنی دس سالہ زندگی میں' میں نے دکھ اور غم کی ہلکی آنچ بھی محسوس نہ کی تھی۔" وہ دھیرے سے بولی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا ماضی جاوداں ہو گیا اور ایک فلم کی مانند چلنے لگا۔ "وہ حادثہ بڑا روح فرسا اور ہیبت ناک تھا۔ امی اور ابو کی گاڑی ایک قوی ہیکل ٹرک سے ٹکرا گئی تھی وہ مجھے چچا جان کے پاس چھوڑ کر اپنے بہت ہی اچھے دوست کی شادی میں امی کو لے گئے تھے۔ امی نے اپنا میرون لہنگا سوٹ پہنا تھا جس میں وہ بے حد بے حساب پیاری لگ رہی تھیں۔ وہ سوٹ ابو نے عید پر گفٹ کیا تھا۔ آہ وہ عید۔ میری زندگی کی ہنستی آخری عید تھی۔ میں نے سفید نیٹ کی میکسی پہنی تھی اور اترائی اترائی پھرتی رہی تھی۔ چچا جان کے ساتھ گھوم پھر کر واپس آئی تو امی میرون لہنگے سوٹ میں گھر آئے مہمانوں کی خاطر مدارت کر رہی تھیں۔ کانوں میں بڑے بڑے آویزے جھول کر ان کے چہرے پر انوکھی بہار دکھا رہے تھے۔ ناک میں چمکتی لونگ اور سفید چمکتی گردن میں سیاہ موتی کی مالا کے ساتھ "A" والی گولڈن تختی جھول رہی تھی جو ابو نے عید کی صبح ان کے گلے میں خود پہنائی تھی۔ ان کے دراز بال شانوں سے پھسلتے پشت پر سیاہ مخمل کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔

میں کچن میں آئی تو ابو نے پہلے سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور جانے کیا کہہ رہے تھے۔ امی کا چہرہ سرخ انار کی مانند دہک رہا تھا اور لبوں پر شرمیلا تبسم پھیلا ہوا تھا۔ میں ایک طرف کھڑی ان دونوں کو دیکھتی رہی وہ اس وقت مجھے اتنے پیارے لگ رہے تھے کہ بتا نہیں سکتی تھی پھر اچانک امی کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے ابو کے ہاتھوں سے اپنے ریشم جیسے بال چھڑا لیے۔

"کیا کر رہے ہیں علی۔ زینی کھڑی ہے۔"

ابو جلدی سے پیچھے ہٹ گئے اور پھر مٹھائی کی پلیٹ اٹھا کر بولے۔ "ہماری زونی بیٹی تو بہت پیاری لگ رہی ہے اپنی امی کا رنگ چرا لیا ہے۔ لو بیٹا یہ چچا کو دے آؤ شاباش۔" انہوں نے وہ پلیٹ مجھ کو پکڑا کر چلتا کر دیا۔ مجھے دور تک امی کی ہنسی سنائی دی تھی۔

...بھابی نے دیکھا اس کے چہرے پر ایک دھیما دھیما تبسم کھیل رہا تھا اور آنکھوں کے ...پانی کی باریک لکیر نکل کر اس کے نرم تپتے رخسار پر لڑھکتی آرہی تھی۔ ...ختم ہو گئی تھی اسی خوبصورت منظر میں پھر اچانک ایک سسکی اس کے لبوں سے آزاد ہو

...ٹھر دو ہفتوں بعد وہ دونوں مسکراتے وجود سفید کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ ہمارے گھر میں ...وں کا ہجوم تھا' رونے کی بولنے کی آوازیں آرہی تھیں ایک ہنگامہ برپا تھا مگر اس شور اور آہ بکا ...امی اور ابو اطمینان اور گہرے سکوت کے ساتھ آنکھیں موندے لیٹے رہے۔

"یہ آنگن میں آئی دھوپ میں کیوں سوئے ہیں؟" میں نے ان سے لپٹنا چاہا کہ چچی کے ...وں نے مجھے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ میں مچل مچل گئی مگر وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئیں۔ اور شاید یہی موڑ تھا جس نے میری زندگی کی خوشیوں کی نازک تتلیوں کے پر نوچ ڈالے۔ ...ہنسنا بھول گئی۔ امی اور ابو میری ہنسی اپنے ساتھ لے گئے اور ایک شہرِ خموشاں میرے اندر ...آباد کر گئے اور اس خموشی کو اس اداسی کو کسی نے کاٹنے کی کوشش ہی نہ کی۔ کسی نے بھی مجھے ...بارہ کھل کر ہنسنا نہیں سکھایا۔

وہ خوب صورت چھوٹا سا گھر بھی مجھ سے چھن گیا اور میں چچا کے ساتھ چلی آئی۔ ...ت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے احساس ہونے لگا کہ مجھے بھی امی ابو کے ساتھ چلے جانا چاہیے ...اور ممکن تھا میں ان کے پاس پہنچ جانے کی کوئی کوشش کر لیتی اگر چچا جان کا وجود نہ ہوتا۔ وہ ...رے لیے اندھیرے میں مدھم سی کرن بن آیا کرتے تھے۔ وہ مجھے ہمیشہ باہر سے آ کر پکارتے اور ...میں ان کی پہلی پکار پر ہی لبیک کہتی دوڑ پڑتی۔

⭘✯⭘

چچا جان کی آواز پر وہ بھاگ کر آئی تھی۔

"جی چچا جان۔"

"کیا کر رہی ہو؟"

"کچن میں تھی سلاد بنا رہی تھی۔ کوئی کام ہے کیا؟" وہ سلیقے سے دوپٹہ جماتے ہوئے ان کے ...جب چلی آئی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کچھ آرام بھی کر لیا کرو۔ جب دیکھتا ہوں باورچی خانے سے برآمد ہوتی ہو۔ یہ فرزانہ اور ...بینہ کیا کرتی رہتی ہیں۔ فرزانہ تو کالج سے بھی فارغ ہو چکی ہے۔" ان کے لہجے میں ناراضگی ...کہ وہ کچھ جواب دیتی چچی پھنکارتی چلی آئیں۔ اتنا بڑا گھر تو تھا نہیں کہ چچا جان کی بھاری اونچی

آواز ان کی سماعت کو نہ چھوتی۔

"وہ دونوں بھی پورے گھر کے کام نمٹاتی رہتی ہیں اس کی طرح نہیں کہ آپ گھر میں
ہوں تو دکھاوے کے لیے باورچی خانہ سنبھال لیا۔ مشین کی طرح دونوں بچیاں کام کر کے تھ
ذرا دیر بستر پر گرتی ہیں تو وہ بھی آپ کو کھٹکتا ہے۔"

ان کے ایسے رویے کے زنیرہ ہی نہیں چچا جان بھی عادی ہو چکے تھے۔ تحمل کا مظاہرہ کر
ہوئے ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا لفافہ زنیرہ کی طرف بڑھا دیا۔

"بھئی تمہاری کتاب تو بڑی مشکل سے ملی ہے کوئی کہہ رہا تھا انٹرمیڈیٹ کا کورس تبدیل
گیا ہے کوئی کہہ رہا ہے کورس کی کتابوں کی شورٹیج ہے۔ بس یوں سمجھو تمہارے نصیب ا
تھے ایک جاننے والے سے بات ہوئی تو اس کی بیٹی نے اسی سال امتحان دیا تھا سو اس کے پاس
تمہاری اکنامکس کی بک تو مل گئی۔"

"او تھینک یو چچا جان۔" وہ مارے خوشی کے کھل اٹھی۔ کتنا حرج ہو رہا تھا اس کا۔ م
اسی ایک کتاب کے نہ ملنے کی وجہ سے۔ وہ خوشی سے کتاب کو سینے سے دبائے کمرے سے بھاگی

"اب ایک کتاب کے لیے اتنا خوار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ میری بات مان کیوں نہ
لیتے۔ اب اسے آگے پڑھنا ضروری ہے کیا۔ کون سا اس کے باپ نے ہمارے پاس جائیدا
چھوڑی ہے؟"

دروازے سے نکلتے ہوئے چچی کی جھنجلائی بے زار آواز اس کے دل میں خنجر کی طرح گ
گئی۔

"تم تو بس۔ کیا علی کا گھر اور اس کی دکان میرے پاس نہیں ہے۔ جانتی ہو گھر اور دکان کی
قیمت ہو گی؟"

"اچھا بس بس رہنے دیں۔" چچی جلدی سے بولیں۔ احمر دروازے سے اندر داخل ہو
تھا۔ وہ بھی جلدی سے احمر کی مسکراہٹ کے جواب میں مسکراہٹ اچھالتی کمرے سے نکل گئی۔

اسے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ اس کے باپ کی جائیداد میں کیا کچھ تھا۔ وہ تو بس
جان کے سائے میں زندگی عافیت سے گزار دینا چاہتی تھی اور سب کے ہمراہ ہنستی مسکراتی زند
بسر کرنے کی خواہاں تھی۔ اسے تو اس وسیع دنیا میں پھیلی خواہشوں کے سمندر میں بس قطرے
خواہش تھی جو اس کے ننھے سے دل کو سیراب کر سکے مگر......

وہ چچی کی باتوں کو بغیر برا مانے حلق سے شہد کی طرح اتار لیا کرتی تھی۔ اب ان کا مزاج ہی
ایسا ہے کیا کرے کوئی۔ احمر بھی اسے یہی کہتا تھا اور وہ سر ہلا دیتی تھی۔ کبھی جرح نہ کی اور نہ

سمجھا کیا کہ یہ کڑوا کسیلا مزاج فرزانہ باجی، شبانہ باجی کے ساتھ مختلف کیوں تھا۔ کڑکتی
ٹھنڈی چھاؤں کیسے بن جاتی ہے۔ ساری دھوپ اسی کے حصے میں کیوں آجاتی ہے۔
ایف اے کے امتحانات سے وہ فارغ ہوئی تو چچی نے اسے آگے پڑھنے کی اجازت نہ دی۔
بولے تو گویا انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔
حمایت میں بولے
غضب خدا کا۔ میں نے ماں بن کر پالا ہے مگر میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اس کی
دیکھو آپ اس کے حمایتی بن کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جیسے میں اس کی دشمن
فیصلے کرتی ہوں اس کے بارے میں، دیکھتے نہیں ہیں شبانہ نے بھی کالج چھوڑ دیا

آگے پڑھنے کا شوق نہیں تھا امی۔" احمر کے منہ سے بس یہ پھسلا تھا اور چچی کی قہر
آنکھوں نے اسے ایک طرف دبکا دیا۔ چچا جان تو کان لپیٹ کر کمرے سے ہی نکل گئے۔
"ہاں یہ پڑھ لکھ کر ہم سبھوں کے سر پر تاج رکھے گی۔ ہماری عزت بڑھ جائے گی۔" انہوں
ملے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر ایک طرف پٹخ دیا۔ "تم اب اپنے باپ کے جانشین بن گئے ہو۔ اس
حمایت میں اتنے بڑھ گئے۔"

"میں تو یونہی ایک عام سی بات کر رہا تھا۔" وہ کھسیا کر کولر سے پانی نکال کر پینے لگا۔
"اور تم بھی سن لو زنیرہ۔ تم ہمارے پاس امانت ہو۔ ایسے حالات میں لڑکیوں کو اتنی دیر باہر
ممکن نہیں رہا۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے۔ جب شادی ہو جائے تو سسرال جا کر جی بھر کر
ان کی اجازت سے۔" وہ اس پر ایک نظر ڈال کر اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔
ان کے کمرے سے جاتے ہی احمر گلاس رکھ کر اس کی طرف آیا۔ سبزی صاف کرتے ہوئے
ہاتھ سست پڑ گئے تھے۔ وہ بڑی آزردہ سی ہو رہی تھی۔
کچھ دیر اس کی دراز پلکوں کی مغموم جھالروں کو تکتا رہا پھر اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے

میرا خیال ہے تمہارے لیے یہی بہت ہے۔ گریجویشن کر کے بھی تم رہو گی تو وہی بدھو سی،
اس نے جھک کر تھالی سے مٹر کے دانے اٹھا کر منہ میں ڈالے۔
شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
ویسے امی کا مشورہ عمدہ ہے۔" وہ ذرا سا ہنسا۔ "شادی کے بعد جتنا دل چاہے پڑھ لینا۔ اگر
اچھا سا بندہ میرے جیسا مل گیا تو ڈاکٹر بھی بنا دے گا۔"
"رہنے دیں۔ بعد کی کس نے دیکھی ہے۔" وہ مایوسی سے سبزی کی تھالی اٹھا کر کھڑی ہو

گئی۔ ”صرف دو سال کی تو اور بات تھی۔ خیر یوں ہے تو یونہی سہی۔“ وہ چولہا جلا کر اس پر
کڑاہی رکھتے ہوئے سر جھٹک کر رہ گئی۔
”تم اگر تھوڑا سا احتجاج کر لیتیں تو شاید کام بن جاتا۔“ وہ اندر آ گیا اور دروازے سے
اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس کی سیاہ دلنشیں آنکھیں بڑی اداس اداس سی ہو رہی تھیں جیسے جھیل
سطح پر سورج غروب ہونے کا منظر ٹھہر گیا ہو۔
”احتجاج وہاں کیا جاتا ہے احمر جہاں اپنائیت کا احساس ہو۔ جہاں رد کیے جانے کا
ہو۔“ وہ پلٹ کر بولی۔ ”آپ شاید ٹھیک کہتے ہیں دو سال مزید میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھ
گے۔“ وہ جبراً ہنسی اور کٹی ہوئی پیاز گرم تیل میں ڈال کر سرخ کرنے لگی۔
”ایمان سے زینو۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے تمہیں بہت ماروں اور کبھی دل چاہتا
تمہاری اس فرمانبرداری پر تمہیں....“ اس نے جلدی سے لبوں کو باہم بھینچ لیا۔ کوئی شوخ
کہنے سے خود کو باز رکھا۔ اسے فرزانہ باجی آتی دکھائی دی تھیں۔ ان کا رخ کچن کی طرف
خاصے برے زاویے ہو رہے تھے چہرے کے۔
”یہ فرزانہ باجی کے چہرے کا گھنٹا بارہ پر ہی کیوں اٹکا رہتا ہے۔“
”کیا ہو رہا ہے؟“ انہوں نے ہمیشہ کی طرح ابرو چڑھا کر پہلے احمر کو باقاعدہ گھورا پھر زینو کو
کے بعد اندر داخل ہو کر کچن کا معائنہ کرنے لگیں۔
”آپ کے خیال میں کیا ہو سکتا ہے اس چھوٹے سے کچن میں؟“
”اچھا فضول ہانکنے کی ضرورت نہیں ہے باہر جاؤ۔ ابو بلا رہے تھے تمہیں۔ گھر جلدی
جاتے ہو تو دو گھڑی ان کے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔ پتا نہیں اس سڑی گرمی میں کچن میں ہی کیوں
نظر آتے ہو؟“ انہوں نے ٹیڑھی نظر زینو پر ڈالی جو چہرہ موڑے باریک سنہری پیاز کو اخبار پر
رہی تھی۔
”میرا خیال ہے ایک میں ہی انسان نہیں ہوں اس سڑی گرمی میں آپ لوگ بھی
ہیں۔“ اس نے نکلتے ہوئے ”آپ لوگ“ کا جملہ تو یونہی بولا تھا فرزانہ باجی کی دہشت سے
وہ تو صرف زینو کا نام ہی لینا چاہتا تھا جو ہمہ وقت ہی اس گرمی میں ڈربے میں دکھائی دیتی تھی
سفید رخسار سرخ سرخ انار جیسے ہو جاتے۔ آنکھیں شربتی سی اور ایسے میں احمر خان
بہت اچھی لگتی۔ اس پر سادگی اور معصومیت وہ نہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتی تھی نہ اس
ذو معنی جملوں کی گہرائی میں اترتی تھی کبھی۔

جو دل کی بات ہی سمجھے نہ دل لگی جانے
وہ بے وفا تو نہیں بے مثال لگتا ہے

اس نے زینو کے چہرے پر مسکراتی نظر ڈالی اور فرزانہ باجی کی خرانٹ نگاہوں سے نظریں بچا کر
جلدی سے باہر نکل گیا۔

○☆○

”ماں باپ مر گئے مگر ساری مصیبت ہماری جان پر چھوڑ گئے۔ کوئی ننھیال سے ہے نہیں
ورنہ میں اس مصیبت کو اپنے سر کیوں لیتی۔“
”آخر تم اس بچی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟“ چچا جان کی جھنجلائی آواز ابھری اور اپنے کمرے
میں بند زینو کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔
زندگی کے آٹھ سال گزر گئے۔ وہ چچی کے رویوں کی عادی ہو جانے کے باوجود تھک سی گئی
تھی۔
ہر صبح ایک نیا خوف دل میں لے کر بیدار ہوتی تھی۔ باوجود احتیاط کے سج سج کر قدم رکھنے
کے وہ چچی کے غصے کا ان کے تیروں کا ہدف بن جاتی۔ اس نے تو اپنی ساری کوششیں کر ڈالی تھیں
ان کا دل جیتنے کی۔ ان کی چاہت حاصل کرنے کی مگر جو درخت سوکھ چکا ہو۔ جس کی ٹہنیاں نفرت
اور حسد سے ٹنڈ منڈ ہو گئی ہوں وہ شجر کیسے سایہ دار ہو سکتا ہے وہ بھلا اپنے سائے میں بیٹھنے والے
کی دھوپ کیسے سمیٹ سکتا ہے۔
چچی بھی اس کے لیے ایک ایسے ہی درخت کی مانند تھیں اور یہ چچا جان۔ ہر بار خفیف سا
احتجاج کر کے رہ جاتے تھے اس کے لیے۔
اور احمر جو کبھی کبھی پھاہے رکھنے کی کوشش کر ڈالتا تھا۔ اس کے زخموں پر مگر......
وہ ڈائری کے سادہ صفحے پر بال پین سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی احمر کے بارے میں سوچنے
لگی۔
چچی شبانہ، فرزانہ باجی اتنے لوگوں سے ڈرنے والا شخص باوجود ہزار دعووں کے اس کے لیے
لیکن کچھ نہ تھا۔ ایک تھرتھراتی لو جیسی تسلی کے سوا اس کے پاس کیا تھا۔ وہ اس کے لیے اس جگنو
کی مانند تھا جو دبیز اندھیرے میں کبھی کبھی منور ہو جاتا مگر ایک جگنو کی بساط کیا نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا۔
”زینو۔ زینو۔“ فرزانہ باجی دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر آئیں۔ اس نے جلدی سے
ڈائری بند کر دی۔ اس کی سوچوں کا ریشم پھسل کر بکھر گیا۔
”جی.... جی.... باجی۔“ اس نے لبوں پر مسکراہٹ سجا کر جیسے ان کے آنے کا خیر مقدم کیا
حالانکہ اس کمرے میں اس سے زیادہ انہی کا عمل دخل تھا اس کے اپنے مصرف میں تو صرف ایک

بیڈ اور ایک چھوٹی سی الماری ہی تھی باقی سارا سامان الم غلم چیزیں انہی کی تھیں۔

"کیا ہو رہا تھا؟" خلافِ عادت وہ دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"کچھ نہیں بس یونہی بیٹھی تھی۔ کوئی کام ہے کیا؟"

"ہوں کام ہے مگر کچھ اور طرح کا۔" انہوں نے اپنے ہاتھ پر نگاہیں جماتے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر ان کی شکل دیکھی جہاں دھیمی دھیمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ سنوری تھیں۔ آنکھوں کے اوپر لائنز کی دبیز تہہ لگی ہوئی تھی۔ چہرے پر ہلکا سا پف اور ہونٹوں پر لائٹ پنک لپ اسٹک کا ٹچ دیا ہوا تھا۔ اپنے بالوں کو مہنگے اور خوبصورت ملٹی کلر کے بینڈ میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ عام دنوں سے یکسر مختلف اور بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"میں اپنی فرینڈ کے یہاں جا رہی ہوں مگر یہ احمر فضول سا لڑکا بائیک پر تو بیٹھاتا ہی نہیں ہمیں مگر کل وہ اپنی دوست کی گاڑی لایا ہے اور اس پر گھومتا شو مارتا پھر رہا ہے۔ کم از کم آج مجھے گاڑی میں ہی پک اینڈ ڈراپ کروے۔ بائیک ہوتی تو چلو میں بھی زیادہ اصرار نہ کرتی۔"

"جی۔" اس نے سرہلا دیا مگر اسے سمجھ نہیں آئی اس تمہید کی وہ اسے کیا بتانے اور اس سے کیا کام لینے آئی تھیں۔

"اچھی لگ رہی ہیں آپ۔" اس نے بے ساختہ تعریف بھی کر ڈالی تو ان کے چہرے پر اس تعریف سے پھول کھل اٹھے۔

"تھینک یو۔ تم ایسا کرو زینی کہ میرے ساتھ چلی چلو۔" انہوں نے آخر مدعا سنا دیا۔ وہ بھونچکا رہ گئی۔ خلاف معمول اور بالکل غیر متوقع بات جو تھی۔

"میں..... مگر.....؟"

"یہ احمر بڑا کمینہ ہے۔ میں جانتی ہوں مجھے ہرگز ہرگز نہیں لے جائے گا حالانکہ دیتا بڑا ہے مجھ سے مگر انکار نہیں کرے گا اور "ہاں ابھی آتا ہوں" کہہ کر اڑنچھو ہو جائے گا پھر رات سے پہلے گھر میں نہیں گھسے گا۔ سنو تم ساتھ ہو گی تو وہ چلنے کو فوراً راضی ہو جائے گا۔ سنا ہے تم پر بڑا مہربان ہے۔" آخری جملہ انہوں نے آنکھوں کو ذرا معنی خیز انداز میں ٹیڑھا کر کے ادا کیا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئی۔ وہ اتنی بڑی بات بے ثبوت کتنی آسانی سے کہہ گئیں۔

اس نے بے حد رنج سے ان کی طرف دیکھا۔ اس جملے سے زیادہ ان کا انداز کٹیلا تھا۔

"پتا نہیں آپ نے کہاں سے سن لیا۔ میں نے تو کوئی ایسی اضافی مہربانی اپنے لیے کرتے نہیں دیکھا انہیں۔" وہ چپ نہ رہ سکی۔

فرزانہ باجی نے ایک اونچا، کھسیایا ہوا قہقہہ لگایا۔

کا مطلب ہے خاصی بڑی ہو گئی ہو تم مگر جانو۔ تم وہ باتیں اب بھی نہیں سمجھ سکتیں جو ... ہیں۔" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "خیر چھوڑو میں تو مذاق کر رہی ہوں تم ... اچھا سنو تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ میں امی سے بات کر لیتی ہوں۔" وہ کھڑی ہو گئیں۔

"مگر فرزانہ باجی میں وہاں کیا کروں گی؟" اس نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"بھئی کچھ کرنے میں بھی نہیں جا رہی۔ میں انجوائے کروں گی تم بھی کر لینا۔ کیا میری خاطر ... نہیں کرو گی؟" انہوں نے ناراض نظریں اس پر ڈالیں تو ناچار اسے سرہلانا پڑ گیا۔

"تھینک یو کزن۔ دیکھنا میں احمر سے کہوں گی تو پٹ سے تیار ہو جائے گا۔ اب بابا میں نے ... بہت سی باتوں کو تم ابھی نہیں سمجھو گی ابھی تم صرف اٹھارہ سال کی ہو۔" وہ اٹھلائیں۔

... بس ہنسی نہیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

چچی کی طرف سے اجازت مل جانا اس کے لیے اچنبھے کی بات نہیں تھی کہ فرزانہ باجی کی بات وہ رد نہیں کرتی تھیں اور ظاہر ہے وہ صرف فرزانہ باجی کی خوشی اور اپنا وقت برباد کرنے کے لیے جا رہی تھی۔

احمر نہ صرف انہیں لے جانے پر راضی تھا بلکہ سیٹی کی دھن پر شوخ گانا گنگنا بھی رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فرزانہ باجی نے ایک نظر احمر پر ڈال کر مسکراہٹ اچھالتے ہوئے زنیرہ کو ... اسے ان کی یہ معنی خیزی اور سوچ کے اس انداز میں سخت غصہ آیا۔

وہ بہت فضول سے انداز میں مسکرائی تھیں۔ اسے برا محسوس ہوا تھا۔ وہ بے دلی سے ان کے ساتھ پچھلی سیٹ پر گر گئی۔

بہت دوغلی تھیں یہ فرزانہ باجی بھی۔ آج اپنا مطلب نکالنے کے لیے اسے آلہ کار بنا رہی ... انہیں اس وقت احمر کی خوشی بھی بری نہیں لگ رہی تھی مگر یونہی فرزانہ باجی عام دنوں ... احمر کو اس سے باتیں کرتے دیکھ کر سب سے زیادہ بگڑ جاتی تھیں۔

اسے احساس ہوا کہ وہ کتنی اوچھی حرکت کر چکی ہیں اس کے ساتھ اور صرف اسے ہی نہیں ... بے وقوف بنا رہی تھیں مگر احمر ان باتوں سے ان کی چالاکی سے بے نیاز تھا۔ اسے تو ... گرین سوٹ اور اسی رنگ کے نکھرے دوپٹے میں نکھری نکھری شفاف جھیلوں جیسی آنکھوں کی چمک سے مہکتے رخساروں والی زنیرہ سے صرف اور صرف دلچسپی تھی۔ اس نے ویو ... سیٹ کر رکھا تھا جس میں اس ہی کا سراپا بولتا نظر آ رہا تھا۔ لاکھ وہ یہاں وہاں کھسکتی مگر گاڑی میں وہ کتنا چھپ سکتی تھی۔ نازک سی بیل والا دوپٹہ پیشانی پر اور جھک جاتا تو جیسے ... بہار ہی بہار کا سماں بندھ جاتا۔ اس نے ایف ایم ریڈیو آن کر رکھا تھا اور آواز تیز کر

دی۔

تو ہولے ہولے رکھنا قدم ہو بلم
الفت کی راہوں میں ہیں پیچ و خم، صنم
تو ہولے ہولے رکھنا.....
آنکھیں تمہاری رس کی ہیں جھیلیں
جی چاہتا ہے تھوڑی سی پی لیں
تیری قسم مر جائیں گے ہم، ہمدم
تو ہولے ہولے رکھنا قدم ہو بلم
الفت کی راہوں میں ہیں پیچ و خم، صنم
تو ہولے ہولے۔ . . . .

زنیرہ کا دل اچانک ہی وحشت سے دھڑکنے لگا۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں۔ یہ اس کی اٹھارہ سالہ زندگی میں پہلا واقعہ تھا اسے ہر طرف احمر کی کچھ کہتی سناتی آنکھیں دکھائی دینے لگیں اور اس پر یہ گانا۔ اسے لگا جیسے احمر خود یہ گانا جھوم جھوم کر گا کر اسے سنا رہا ہو۔ اس کے چہرے پر جو رنگ وارفتگی اور جذبے پھیلے ہوئے تھے وہ بہت واضح تھے۔

اسے کچھ اچھا بھی لگا اور کچھ برا بھی محسوس ہوا مگر جو چور نظروں سے فرزانہ باجی کو دیکھا تو دل میں ڈھیر سارا خوف دبے پاؤں سمٹ آیا۔ ان کے مسکراتے چہرے کے زاویے آہستہ آہستہ بگڑ رہے تھے جیسے احمر کے مسکراتے لب یہ گانا اور اس کے ساتھ گنگنانا کچھ آئینے میں گاہے گاہے مخمور نظروں سے زنیرہ کا جائزہ لینا۔ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ان کی ساری خوش مزاجی پھر سے اڑ گئی تھی اور چہرے کے نقوش تن گئے تھے۔

باد بہاری کلیوں سے کھیلے
ہر سو پھیلے خوشبو کے میلے
ہم بھی رہیں کیوں اکیلے صنم ہو بلم
تو ہولے ہولے . . . .

"کیا فضول گانے لگا رکھے ہیں احمر، بند کرو یہ ریڈیو۔" آخر کار وہ چیخ ہی پڑیں۔ ایک چبھتی نظر زنیرہ پر ڈال کر احمر کو گھورنے لگیں۔

"راستوں میں یہ چھچھورا پن مجھے انتہائی برا لگتا ہے۔"

"کون سا چھچھورا پن؟" احمر نے فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ریڈیو بند کر دیا مگر زرا سا

کے ساتھ پوچھا۔

"یہی راستے میں ریڈیو اونچی آواز میں سننا۔" وہ باقاعدہ پھنکاریں۔

ادھر زنیرہ نے ریڈیو بند ہو جانے پر کلمہ شکر ادا کیا۔ اسے گانے کے بولوں سے بڑی وحشت تھی۔ احمر کی بھی ساری شوخی تحلیل ہو گئی تھی اور منہ پھول گیا تھا اسے بے اختیار ہنسی آئی مگر روکتے ہوئے چہرہ کھڑکی کی طرف کر کے باہر دیکھنے لگی۔

وہ جہاں رہتی تھی جو زندگی گزار رہی تھی ان میں ایسے جذبوں کی پذیرائی کی گنجائش نہیں تھی اور ایسے جذبوں کی آبیاری کر کے وہ کوئی ناقابل تلافی نقصان افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ بے شک عمر کے جس چمن میں اڑ رہی تھی وہاں پھولوں کی طرح مہکنا، کلیوں کی طرح شرمانا اپنی جگہ ہے کسی کو مہکانا بڑا دل گداز اور فطری خواہشیں تھیں مگر اپنی فطری خواہشوں کو دبانا تھا وہ اس عمر میں سیکھ چکی تھی۔ یہ اور بات کہ ایسی خواہشوں کو روندنے کے عمل نے اسے ہمہ وقت خوف میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس کی ذرا سی بھی لغزش ناقابل معافی گردانی جائے گی جب بلا تقصیر کے بھی وہ مجرموں کی طرح زندہ تھی تو پھر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ جرم کیسے معاف کیا جائے گا۔

گاڑی فرزانہ باجی کی بتائی ہوئی جگہ پر رک گئی تو وہ جلدی سے یوں نیچے اتریں جیسے کوئی پنجرہ میں قید ہی پرندہ آزاد ہونے کے لیے کھپر سے نکلے۔

"کتنے بجے لینے آؤں؟" احمر گاڑی سے نکل کر پوچھنے لگا اور ایک پھسلتی نظر اس پر ڈالنے سے خود کو باز نہ رکھ سکا۔ اس کی نگاہوں کی یہ بے لگامی فرزانہ باجی کی نظروں میں اتر کر دل میں کانٹا بن کر چبھ گئی۔ انہیں اب زنیرہ کے یہ کپڑے بھی چبھنے لگے جو انہوں نے خاص طور پر اپنی سہیلی کے گھر جانے کی مناسبت سے اسے پہننے کو دیے تھے۔

"تم مت زحمت کرنا ہم رکشے میں واپس آ جائیں گے۔" انہوں نے خاص موڈ کے ساتھ کہا۔

"ارے نہیں جب چھوڑنے آیا ہوں تو لینے کا کیا ہے اور یوں بھی میرا یہاں سے دوبارہ گزر ہے۔ اوکے میں دو گھنٹے بعد لے جاؤں گا۔ آپ جائیے گا نہیں۔" وہ چابی اچھالتا گاڑی میں جا بیٹھا۔ فرزانہ باجی اس کا بازو دبوچ کر اپنی فرینڈ کے گھر کی پوری تین سیڑھیاں ایک ہی وار میں پھلانگ گئیں۔ ایسا کرتے ہوئے وہ نہ صرف لڑکھڑائی تھی بلکہ ان کا پیر مڑا بھی تھا۔ ایڑی پر بھی ٹھیک ٹھاک چوٹ بھی لگی جو پی گئیں مگر چہرے پر کڑے تیوروں کا جال سا بن گیا تھا۔ اسے کچھ محسوس ہونے لگا کہ اتنے کھلکھلاتے موڈ میں وہ اپنی سہیلی سے ملنے آئی تھیں۔ اب خاک موڈ

ہو رہا تھا۔ ساری خوشی چہرے سے غائب تھی مگر اس کی عقل اور فہم کس کو مجرم گردانتیں۔
اس کے خیال میں نہ وہ خود ان کے موڈ بگاڑے کی ذمہ دار تھی اور نہ شاید احمر۔
وہ چپ چاپ ان کے ساتھ اندر چلی آئی جہاں سہیلی ہی نہیں اس سہیلی کا بھائی بھی ان کے انتظار میں آنکھیں بچھائے ہوئے تھا۔

○☆○

"زنیرہ۔ شش زینی۔" وہ رات سونے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی کہ فرزانہ باجی نے اسے اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے پکارا۔
نیند اور تھکن سے اس کا برا حال تھا۔ وہ بہ مشکل آنکھیں کھولتی ان تک آئی۔ وہ اسے اندر لے آئیں۔ شبانہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔
"بہت نیند آ رہی ہے کیا؟" انہوں نے اس کی خمار آلودہ آنکھوں پر نظریں ڈالیں۔ "ایک تو تمہیں نیند بہت آتی ہے اچھا ادھر بیٹھو۔"
وہ فرمانبرداری سے ان کے بیڈ پر ٹک گئی۔ دوسری طرف وہ تکیہ گود میں بھینچ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئیں پھر وہ اس کی طرف جھک کر بولیں۔
"تمہیں ندیم کیسا لگا؟"
"جی۔ کون ندیم؟" اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔
"اوہو وہی۔ نازیہ کا بھائی جو کمرے میں آیا تھا جہاں ہم لوگ بیٹھے تھے۔" وہ کہتے ہوئے شرما سی گئیں۔ زنیرہ نے ان کی شکل دیکھی۔ وہ کمرے سے نکلے ہی کب تھے۔ ابتدا سے انتہا تک جس صوفے میں گھسے بیٹھے تھے۔ اسے خندق بنا کر ہی اٹھے تھے۔
"جی۔ ٹھیک ہیں جیسے مرد ہوتے ہیں۔" اس نے ایک لمبی جماہی کے ساتھ جواب دیا۔
"نہیں وہ دوسروں سے بہت مختلف ہیں۔" فرزانہ باجی حیا آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولیں پھر اوندھی گر کر تکیہ پر دونوں کہنیاں ٹکا کر کسی حسین خیالوں میں گم ہو گئیں۔
زنیرہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔
"وہ آج کل بے روزگار ہے۔ تمہیں تو پتا ہے اچھی جاب ملنا اس قدر مشکل ہے۔ ... مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے زینی۔ جیسے ہی اسے جاب ملے گی وہ پرپوزل بھیجے گا۔"
انہوں نے آہستگی سے بتایا جیسے کوئی چوری کرتے پکڑی گئی ہوں اور زنیرہ دم سادھے رہ گئی۔
اس کی نگاہوں تلے چچی جان، چچا جان کے چہرے اور اس گھر کا پورا ماحول گھوم گیا۔ چچا جان کی شرافت، چچی کا محض اسلئے اس کالج سے اٹھوا دینا کہ شریف لڑکیوں کو بلا ضرورت گھر سے نکلنا معیوب ہے۔ ان کی نظر میں، چادر اور چاردیواری پر اسے لیکچر دینا۔ احمر سے اس کی بے تکلفی کو ناپسند کرنے والی چچی کی یہ بیٹی خود اپنا بر تلاش کیے بیٹھی تھی۔
"دیکھو یہ بات احمر یا کسی اور کو پتا نہ چلے۔" وہ اسے تاکید کرنے لگیں۔ "وہ دیوانہ ہے میرا۔ اے زنیرہ۔ تجھے کیا خبر محبت کرنے میں کتنا لطف ہے۔" وہ چت لیٹ کر آنکھوں میں آرزوؤں کے دیپ جلائے دھیرے دھیرے مسکرانے لگیں۔ اور پنکھے کو مخمور نظروں سے یوں گھور رہی تھیں جیسے وہیں ندیم بھی لٹکا ہوا نظر آ رہا ہو......!
شبانہ کے کمرے میں داخل ہونے پر وہ سیدھی ہو بیٹھیں۔
"اوہو تو مہارانی یہاں بیٹھی گپیں لڑا رہی ہیں۔ میں سمجھی سو گئی ہوں گی۔ بہانہ تو یہی کر کے اٹھی تھیں۔" زنیرہ پر نظر ڈالتے ہی شبانہ کے نتھنے پھول گئے۔ وہ گویا اسے کاٹ کھانے کو دوڑی۔ "فضول ہی بیٹھ کر باتیں بگھارنا تھیں تو احمر کا ایک جوڑا ہی دھو دیتیں اسے صبح پہننا ہے۔ میری جان کو آ گیا تھا۔"
وہ گھبرا کر فرزانہ باجی کے پاس کھڑی ہو گئی۔
"لائیں میں ابھی دھو دیتی ہوں۔"
"اب کیا وہ تو میں نے دھو لیا۔ ہاں صبح اٹھ کر پریس کر دینا ورنہ پھر جان کھائے گا۔ اچھا سنو۔" وہ جانے کو مڑی تو پیچھے سے شبانہ کی پھر آواز آئی۔ "یہ تیل کی شیشی لے کر جاؤ۔ امی کے سر میں مالش کرنی ہے۔ انہیں نیند ہی نہیں آ رہی سر درد کے مارے۔ اب تم جاگ رہی ہو تو انہیں مالش ہی کر دو۔"
وہ خاموشی سے ان کے ہاتھ سے شیشی لے کر کمرے سے نکل گئی۔ تب باہر احمر سے ٹکراؤ ہو گیا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے اسے دیکھ کر اسی طرف آ گیا۔
"آج تم بہت اچھی لگ رہی تھیں ان کپڑوں میں مگر یہ فرزانہ باجی نے سارا موڈ غارت کر دیا۔" وہ چھوٹتے ہی بولا۔ "ویسے اچھی تو تم ہر روپ میں لگتی ہو۔" وہ اس کی بڑی بڑی جھیل سی آنکھوں میں نیند کے خمار کو ہلکورے لیتا دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی ابھر آئی تھی۔
"پلیز احمر بھائی آپ ایسی باتیں مت کیا کریں۔" اس کا لہجہ خفیف سا احتجاجی تھا۔ اسے احمر کا گھور گھور کر دیکھنا برا لگ رہا تھا۔ دوسرا کسی کے آ جانے کا دھڑکا تھا۔
"کیسی باتیں؟" وہ مزید پھیلنے لگا۔ یہ گھبرایا گھبرایا حسن اسے کائنات کی ہر شے سے کہیں دلکش لگ رہا تھا۔
سچ ہی کہتے ہیں حسن میں شرمیلا پن اور حیا کے رنگ مل جائیں تو وہ حسن لامحدود ہو جاتا

ہے۔ دل کی دیواروں میں سمیٹے نہیں سمٹتا بس پھیلتا ہی جاتا ہے۔ اس کی کشش کی لہریں رگ رگ میں اتر کر خون کے ساتھ دوڑنے لگتی ہیں۔

"آپ شبانہ اور فرزانہ باجی سے تو اس طرح بات نہیں کرتے۔" وہ جھنجلا سی گئی۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے اس لیے۔ ویسے بتاؤ کہ میری باتیں تمہیں اچھی لگتی ہیں یا بری؟"

"جو باتیں سمجھ ہی میں نہ آئیں۔ انہیں اچھی یا بری کیا کہیں۔" وہ دامن بچا گئی اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

"ہوں بڑی ہی نہیں ہو گئیں خاصی ذہین بھی ہو گئی ہو۔" احمر کی ہنسی اسے دور تک سنائی دی۔ وہ مارے گھبراہٹ کے چچی کے کمرے میں آن گھسی۔ وہ خاصی ناراض ہو رہی تھیں۔

"اتنی دیر لگا دی۔ میرا سر مارے درد کے پھٹا جا رہا ہے۔" انہوں نے سر پر بندھا رومال کھول دیا۔ وہ ان کے سر پر مالش کرنے لگی۔ "بہت درد ہو رہا ہے چچی؟" انہیں ہائے ہائے کرتے دیکھ کر اس کا دل دکھ گیا۔ "آپ لیٹ جائیے نیند بھی آ جائے گی۔" اس نے تکیہ اونچا کر کے سیٹ کیا اور نرمی سے ان کے بالوں میں تیل لگا کر انگلیاں پھیرنے لگی۔ درد تو چاہے کوئی بھی ہو مندمل ہونے تک بڑی اذیتیں دیتا ہے۔ اسے یاد تھا ایک بار اس کی امی کو اس نے سر درد کے مارے ساری رات بے حال دیکھا تھا۔ اسے چچی سے ہمدردی ہونے لگی۔ اس کا نرم دل پگھل پگھل کر رہ گیا اور کتنا درد ہو رہا ہو گا چچی جان کو۔

جو بھی تھا اس کے دل میں اپنی ان بزرگ کا بے حد احترام تھا۔ وہ انہیں ماں کی طرح ہی سمجھتی تھی اور اس گھر کے ہر فرد کا خود کو مقروض خیال کرتی تھی۔ جنہوں نے اس منہ زور اندھی دنیا میں اس کے لیے سائبان مہیا کیا تھا ایک پناہ دی تھی۔ وہ احسان مند تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح وہ تھوڑا تھوڑا ہی سہی ان کا قرض ادا کرتی رہے تو بھی اس کے خیال میں وہ یہ سارے احسانات کا بوجھ نہیں اتار سکتی تھی۔

اس نے دیکھا چچی گہری نیند سو چکی تھیں۔ ہلکے ہلکے خراٹے پورے کمرے میں گونجنے لگے تھے۔ وہ ان کی گہری نیند کا اطمینان کر لینے کے بعد وہاں سے اٹھ گئی۔

○☆○

احمر کو بہت اچھی جاب مل گئی تھی وہ بڑا خوش تھا اور ڈھیروں مٹھائی لے کر آیا تھا۔ خود چچی کے پاؤں مارے خوشی کے زمیں پر نہیں ٹک رہے تھے۔

"دعا کرو ایسی ہی نوکری ندیم کو بھی جلد از جلد مل جائے۔" فرزانہ باجی کے بیٹے ...

...سانس کے ساتھ برآمد ہوئی تو گوشت کاٹتے ہوئے وہ بے ساختہ امڈنے والی ...مہری ...چھپا گئی مگر دل ہی دل میں آمین ضرور کہا تھا۔ اسے بڑی خواہش تھی کہ فرزانہ باجی کی ...بیٹ ...اس گھر میں بھی شادیانے بجیں۔ وہ سب شوق پورے کرے۔ بننے سنورنے کے' ...ہو ...گانے' زور و شور سے گیت گانے کے۔

...ب تیار رہنا میں شام کو دوست کی گاڑی لے کر آؤں گا تو آئس کریم کھانے چلیں گے۔" ...کے دروازے پر آ کر سب کو مطلع کر رہا تھا۔ اس کا اشارہ سب کی طرف تھا مگر نظریں زنیرہ پر ...

"...زنیرہ گھر میں رہ لے گی تو میں بھی چلی جاؤں گی۔" چچی نے کہا تو ایک لمحے کے لیے احمر کا چہرہ ...مگر وہ ماں کا احترام میں بولا۔

"بالکل آپ آئیں گی یہ تو اور بھی اچھی بات ہے اور گھر میں رہنے کی بات ہے تو ہم تالا لگا ...گے ویسے بھی تو لگاتے ہیں۔"

"یہ بھئی اب وقت وہ نہیں رہا۔ تالا والا میں نہیں لگاؤں گی گھر میں۔"

"ہاں ویسے بھی زینی کو اتنا شوق کہاں ہے گھومنے پھرنے کا۔" شبانہ نیل پالش سے ناخن ...تے ہوئے بولی تو احمر کا دل چاہا اس کے سر پر اپنا وزنی جوتا بجا دے مگر اس کی کم ہمتی اور بزدلی ...نے ایسی خوفناک حرکت سے باز رکھا۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہاں سے ہٹ گیا۔

"امی ہم سب لاہور جائیں گے تو گھر کو تو تالا ہی لگا رہے گا نا؟" فرزانہ باجی کچھ سوچتے ہوئے ...ہنستے ہوئے بولیں۔

"وہ تو مجبوری ہے۔ ارے ہاں تمہارے ابا سے بھی بات کرنی ہے ٹکٹ وغیرہ کا انتظام بھی ...ہے۔" چچی اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر بولیں۔

"جہاز میں جائیں گے امی یا ریل میں۔ ویسے ریل میں جائیں تو زیادہ مزا آئے گا۔" شبانہ ...پھونکیں مارتے ہوئے ایک سرخوشی سے بولی۔

...اسے اپنے کزن صامد اور اس کی شادی سے زیادہ لاہور دیکھنے کی خوشی تھی۔

"...سنا ہے لاہور میں بہت سی گھومنے کی جگہیں ہیں۔"

"ارے بہت سی۔ گارڈن ہے' جلو پارک ہے' بادشاہی مسجد' گلشن پارک۔" فرزانہ باجی ...شبانہ نے چونک کر بہن کو دیکھا تھا۔ زنیرہ نے بھی گوشت دھوتے دھوتے ایک نظر ان پر ...ان کی اتنی معلومات پر حیران بھی ہوئی۔

"...آپ تو یوں کہہ رہی ہیں جیسے لاہور گھوم پھر کر آئی ہوں۔ آپ کو کیسے پتا چلا اتنی جگہوں

کے ناموں کا؟" شبانہ منہ بنا کر بولی۔

"وہ ندیم۔ میرا مطلب ہے نازیہ کے بھائی ہیں نا وہ لاہور جاتے رہتے ہیں۔ سو ناز...
رہتی ہے اور تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے میں تمہیں لاہور کے نہیں جاپان یا سوئزرلینڈ کے...
میں بتا رہی ہوں۔ آخر ہمیں ملک کے چپے چپے کے بارے میں معلومات رکھنی چاہیے۔...
دیکھا تو کیا ہوا خبر تو ہونی چاہیے کہ کون سی جگہ کس شہر میں ہے؟" فرزانہ باجی بری طرح...
گئیں۔ انہیں شبانہ کا یوں منہ ٹیڑھا کر کے بولنا سخت برا لگا تھا۔

"ایویں ہی خبریں رکھیں اتنا فالتو میں دماغ کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تمہیں تو ہر کام ہی فالتو لگتا ہے بس کون سا فیشن چل رہا ہے کون سی جیولری مارکیٹ میں
آئی ہے یہی خبریں رکھنا۔"

"تو ظاہر ہے جو ضرورت ہو گی اس کی ہی خبر رکھوں گی آپ کی طرح غیر ضروری معلو...
اکٹھی نہیں کرتی پھرتی یہاں وہاں سے بے کار کی کھوج آس پڑوس کی ٹوہ۔ اونہہ۔" شبانہ...
بولی۔

منٹوں میں ہی دونوں بہنوں نے محاذ قائم کر لیا تھا۔

فرزانہ باجی ایک چلچلاتی نظر اس پر ڈال کر رہ گئیں۔ انہیں خود ہی حملے کے لیے جواب
سوجھا تھا اور پھر چچی کے قریب تخت پر ہی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے ایک دھموکا ان کی پیٹھ پر
دیا تھا۔

"یہ کیا بچوں کی طرح لڑنے بیٹھ گئی ہو۔"

"تو اسے سمجھائیں نا۔ بڑی بہن کا لحاظ اٹھ گیا ہے اس پر سے۔ سارا سارا دن ان...
علاوہ کچھ کام نہیں ہوتا۔" دھموکا کھا کر فرزانہ باجی کی عزت نفس بری طرح مجروح ہو گئی تھی...
اترا اترا کر اپنے کمرے کا راستہ ناپتی شبانہ کو قہر برساتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اچھا بس ذرا سی دیر میں دماغ پکی کر کے رکھ دیا۔ زنیرہ لاؤ ذرا ٹھنڈا پانی بھر کے اور...
ہنڈیا چڑھائی یا نہیں۔" ان کے غصے کا رخ زنیرہ کی طرف ہو گیا۔ جلدی سے ان کی...
کے ساتھ کولر سے پانی بھر کے لائی تھی۔

"جی بس مسالا ہی تیار کر رہی تھی آج نئی ترکیب سے روسٹ بنا رہی ہوں۔" وہ...
گلاس دیتے ہوئے بولی۔ چچی نے گلاس لیتے ہوئے اسے نظر بھر کر دیکھا۔

سلک کے میرون رنگ کے سوٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ کچن کی گرمی...
کے اٹھے ہوئے مخملی رخساروں کو سرخ ٹماٹر بنا ڈالا تھا۔ بالوں کی لمبی چوٹی آگے جھول کر...

...سراپا کو قیامت بنا رہی تھی۔

...ہو بہو اپنی ماں کی تصویر پر تھی۔ ویسی ہی مہکتی، البیلی، معصوم چہرے سے دل موہ لینے

چچی جان کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ اچھا خاصا موڈ خاک ہونے لگا۔

"جاؤ جا کر جلدی سے کام نمٹاؤ۔" انہوں نے کڑے لہجے میں کہا اور پانی پینے لگیں۔

فرزانہ باجی یونہی رسالے کی ورق گردانی کرتے کرتے رک گئیں۔ زنیرہ پر ایک نظر ڈالی پھر
...طرف جھک کر آہستگی سے بولی۔

"...لاہور اسے بھی لے جائیں گے کیا' صامد بھائی کی شادی میں؟"

"ہوں، مجبوری ہے۔" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ "تمہارے ابا جان کو بھی تو آ جائیں گے اور
...اسے تنہا بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہاں سنو تم اپنے دو تین جوڑے اسے دے دینا ورنہ
...ابا کہیں گے کہ اس کے لیے بھی خرید لو۔ جیسے ہمارے پاس تو گنگا بہہ رہی ہے اور ہاں
...

انہوں نے تخت سے اٹھتی فرزانہ باجی کا بازو دبوچ لیا۔

"...اسے جانے سے پہلے ذرا اچھی طرح سمجھا بجھا دینا کہ وہاں زیادہ کسی سے بے تکلف نہ ہو'
...تمہاری بڑی خالہ کو کھوجنے کی بڑی عادت ہے۔"

"آپ بے فکر رہیے۔ اسے تو میں اچھی طرح ٹرینڈ کر دوں گی۔"

مسالا گوشت پر لگاتی زنیرہ کے دل پر رنج سا پھیل گیا۔ آہستہ آواز میں ہوتیں یہ باتیں اس
...کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ یوں بھی وہ کچن سے زیادہ فاصلے پر نہ تھیں نہ ہی وہ اتنا آہستہ بول
...رہی تھیں۔

...ایسی چھوٹی موٹی ہزار باتوں کو وہ ہنس کر پی لیا کرتی تھی۔ زبان کا ہر زخم چپ چاپ تحمل سے
...سہ لیا کرتی تھی مگر کبھی کبھی تنہائی میں یہی سارے زخم بولنے لگتے۔ وہ تڑپ تڑپ کر رہ جاتی۔
...دو بولوں کے لیے اس کی ساری ہستی ترس کے رہ جاتی۔

...اگر چچی کہہ دیتیں کہ ہاں زنیرہ کو بھی لے جائیں گے۔ اس کا بھی حق ہے گھومنے
...یہ مجبوری اور سرد آہیں اس کا دل جلا گئیں۔

...آج احمر سب کو آئس کریم کھلانے لے جا رہا تھا تو پھر اس کا حق کیوں مارا جا رہا تھا۔

...اگر احمر اس سے ہنس بول لیتا تھا تو یہ بھی کسی کو گوارہ نہیں تھا۔ چچا ابا کی معمولی حمایت چچی
...کے گلے میں پھانس بن کر چبھتی تھی۔

کڑوے جملے، ڈانٹ ڈپٹ، اترن۔ ہر چیز اس کے حصے میں آتی تھی۔ کیوں آخر؟ کیا فرزا
باجی یا شبانہ کی طرح جیتی جاگتی لڑکی نہیں تھی۔ اس کے سینے میں دل نہیں تھا۔ ذرا سی ڈانٹ
فرزانہ باجی کا منہ پھول جایا کرتا۔ کمرہ بند کر کے واویلا مچا دیا کرتی تو ان دونوں کو گھنٹوں منایا جا
تھا۔ بلکہ وہ بلا تقصیر کڑے لہجے، جملوں کے کانٹے سے ہر روز زخمی ہوتی۔ اس کے آنسو اس کی
رنجیدگی کسی کو دکھائی نہ دیتی تھی۔ آخر یہ بے انصافی کیوں؟

وہ لنچ تیار کر کے باتھ روم میں گئی تھی خود بخود آنکھوں سے گرم گرم آنسو ابل پڑے۔

آج تو بہت سا بھل بھل رونے کو دل چاہا اور وہ رو بھی دی۔ کتنی دیر روتی رہی پھر بیسن پر
اوپر لگے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر ایک افسردہ سی ہنسی ہنس دی۔

پتا نہیں اتنا رونا اچانک کیوں آ گیا۔ وہ خود بھی حیران رہ گئی۔ شام احمر کے ساتھ گاڑی میں
آئس کریم کھانے نہ جانے پر یا پھر صادر بھائی کی شادی میں فرزانہ باجی کے اترن جوڑے پہننے
شاید بے تحاشا تھکن کی وجہ سے۔

وہ خود ہی جواز ڈھونڈتی اور نفی کرتی منہ پر پانی کے چھپکے مار کر باہر آئی تو فرزانہ باجی ا
کھانے پر بلانے چلی آئی۔

"اب مہارانی کو بلانے آنا پڑتا ہے چلو بھی اب۔ ایک تو ابو کو جانے کیا گھول کر پلا دیا
تمہاری فکر میں رہتے ہیں۔" وہ بڑبڑانے لگی۔

"بھوک نہیں لگ رہی مجھے باجی۔" وہ تولیہ ہینڈل پر لٹکاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"سر میں درد ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ کمرہ بند کر کے بستر پر گر جا
اور آنکھیں بند کیے پڑی رہے۔

"کیا یہ بتانا چاہ رہی ہو کہ کھانا تیار کر کے تھک گئی ہو؟" فرزانہ باجی اس کا چہرہ غور سے
رہی تھیں۔ اس کے انکار پر استہزائیہ ہنسی اور کندھے اچکا کر کمرے سے نکل گئیں مگر جا
جاتے تیر ضرور گھونپ گئیں۔ اس کا دل رنج سے بھر گیا۔ اس نے دھاڑ سے بند کیے درواز
دیکھا۔

یہ کون سا انوکھا کام کیا پتا نہیں کہ میں نے میٹرک کرتے ہی کچن سنبھال لیا ہے۔
غصہ آیا مگر یہ غصہ وہ کسی پر نہیں نکال سکتی تھی۔ سوائے اپنی جان کے۔ وہ باوجود لیٹنے کی خو
کے کمرے سے نکل آئی۔ مبادا چچی جان اسے ڈپٹنے نہ چلی آئیں۔ ان کے خیال میں وہ نخ
رہی تھی۔

"واہ روسٹ تو بہت زبردست بنا ہے۔" چچا جان کی آواز آئی تو بڑے کمرے میں

ے ہی جیسے اس کی روح پر ٹھنڈک سی پڑی۔ دوسرے پل ہی یہ ٹھنڈک آگ بن کر
اٹھی۔

"ہاں ماشاءاللہ شبانہ نے بنایا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بڑی لذت ہے۔" چچی جلدی سے بولی

"اچھا.... شانو نے بنایا ہے۔" چچا جان کا ہاتھ ایک لحظہ رکا پھر سراہا کر شبانہ دیکھ کر
تے ہوئے بولے۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"ابھی تو کالج میں ہوم اکنامکس لی تھی نا۔ ماشاءاللہ بڑی سگھڑ ہے اپنی شانو۔"

چچی کے لفظوں کی آگ اپنے اندر بھرتی چپ چاپ دسترخوان کے ایک کنارے ٹک گئی۔

واہ جی زنیرہ علی۔ پکی پکائی تعریف سے بھری ڈش شبانہ صاحبہ کے کھاتے میں لکھ دی گئی ہے۔
مضمحل اعصاب ہو رہی تھی۔ پلیٹ میں تھوڑا سا سالن نکال کر بے دلی سے روٹی
نے لگی۔ اس نے محسوس کیا احمر اسے دیکھ رہا تھا۔ بڑی شکوہ کناں نظروں سے۔ وہ شاید یہ چاہ
کہ وہ بول دیتی کہ لنچ ہمیشہ کی طرح میں نے ہی تیار کیا ہے۔ شبانہ نے نہیں مگر وہ جانتی تو ہے
ما ایسا نہیں کہہ سکتی آخر وہ خود کیوں اس کی تھوڑی طرف داری نہیں کر لیتا۔

بزدل، کم ہمت، ہنہ، مرد ایسے ہوتے ہیں۔

اس نے نظر اٹھا کر احمر کی طرف دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔ پتا نہیں کیوں آج صبح ہی سے دل بھر
رہا تھا اور اسے رونے کے مواقع بھی ملتے جا رہے تھے یا آج شاید وہ زیادہ حساس اور زود رنج
تھی ورنہ یہ تو معمول کی باتیں تھیں۔

ہر اس کی بنائی اچھی چیز پر شبانہ تعریف وصول کر لیا کرتی تھی۔ ہر بار فرزانہ باجی اور چچی کی
طرف سے کڑوی گولیوں کی طرح نگلنی پڑتی تھیں اور احمر ہمیشہ سے بزدلی کا ثبوت دیتا تھا اور بے خبر
بھی باخبر رہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

○☆○

ر تیرا نام
ں کتنے ملتے جلتے ہیں
نام نہیں لوں گا
ما لوں گا
تجھ کو شام کہوں گا"

سر جھکائے جوڑے استری کر کے بیگ میں رکھ رہی تھی جو لاہور لے کے جانے تھے۔

فرزانہ باجی اور چچی بھی جتی ہوئی تھیں۔ ضرورت کی چیزیں نکال نکال کر رکھ رہی تھیں جبکہ احمر
گنگنا رہا تھا۔ فرزانہ باجی کو صرف اس کی یہ گنگناہٹ ہی نہیں اس کی آنکھیں بھی کھٹک رہی
تھیں جو مسلسل زنیرہ پر مرکوز تھیں۔ ایک محبت بھرا تبسم جو صرف اور صرف اس کے لیے
ہونٹوں سے پھوٹ رہا تھا۔

پتا نہیں کیوں زنیرہ کو یہ سب اچھا بھی لگ رہا تھا اور برا بھی۔ چاہنے سے زیادہ چاہے جانے
احساس دلنشیں اور طمانیت انگیز ہوتا ہے۔ ایک دھکڑ پکڑ سی اس کے دل کے جہان میں مچی ہوئی
تھی۔

احمر کی آواز بے شک اتنی خوبصورت نہیں تھی۔ نہ وہ لے اور نہ ٹھیک دھن پر گا رہا تھا مگر
پھر بھی اسے سب اچھا لگ رہا تھا' نیا نیا سا۔ وہ چچی کے دوپٹے پر مسلسل استری پھیرے جا رہی
تھی۔ دوپٹہ بھی اکڑ گیا تھا مگر اس کا دھیان یہاں تھا ہی کب۔ وہ کہیں اور ہی پرواز کر رہی تھی۔ احمر
چچی کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھا تھا اور گانے کے ساتھ بیڈ کے سرہانے انگلیاں مار مار کر میوزک بھی
نکال رہا تھا۔

"یہ جو تیری آنکھیں سوچتی رہتی ہیں
جانے کس کے سپنے دیکھتی رہتی ہیں
میں ان پر گیت لکھوں گا
یہ شام اور تیرا نام......"

"بس بس۔ جلا ڈالو گی اب تو بچاؤ دوپٹے کو۔" فرزانہ باجی کی آواز قریب سے سنائی دی تو وہ
یوں چونکی جیسے سلیپنگ بیوٹی گہری نیند سے بیدار کر دی گئی ہو۔ فرزانہ باجی اس سے کچھ فاصلے پر
اپنے بیگ کا معائنہ کرتے چھوڑ کر اب اس کا معائنہ کر رہی تھیں۔ وہ خفیف سی ہو کر جلدی سے
دوپٹہ تہ کرنے لگی۔

"اپنی یہ دوری تجھ کو راس نہیں ہے
یا پھر تو خود اپنے پاس نہیں ہے
میں تیرے پاس رہوں گا"

"اوفو احمر کیا مصیبت ہے تم تھوڑی دیر زبان بند نہیں رکھ سکتے۔ دماغ کی چولیں ہلا ڈالی ہیں۔
پتا نہیں کیا کچھ رکھنا تھا بیگ میں سارا بھلا دیا۔"

انہوں نے اس سے نظریں ہٹا کر احمر کو لتاڑا۔

"اے ہے بچہ ہے خوشی سے گا رہا ہے گانے دو تمہارا کیا جاتا ہے۔" چچی الماری کا پٹ بند کر

کے ناگواری سے چہرے کو دیکھا۔ ان کے خیال میں وہ لاہور جانے کی خوشیاں منا

نہیں اس کا ذرا سا گنگنانا بھی چبھ رہا ہے۔" احمر کے لبوں سے پھوٹتی مسکراہٹیں اور
بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ ان کی ممتا مسرور ہوئی جا رہی تھی۔ اس لیے کہ وہ احمر کی خوشی
نہیں جان سکی تھیں جبکہ فرزانہ باجی کی تاڑی نظریں اس کی بے وقت کی
گنگناہٹوں کے راز سے خوب واقف ہو چکی تھیں۔

اپنے کمرے میں جا کر گائے بلکہ ناچے میری بلا سے۔ ہمیں یہاں کام کرنے دے۔" وہ
ماں کی اس بے وقت حمایت پر۔

تم کیا استری پر ہی چپک کر بیٹھ گئی ہو۔ دو تین جوڑے ہیں اور پورا گھنٹا لگا دیا ہے۔
ہو جاتی ہو۔ جاگتے میں خواب دیکھنے لگی ہو۔" ان کے لہجے میں طنز آمیز ہنسی بھی شامل ہو
کا چہرہ لال ہو گیا۔

ایک سوٹ رہتا ہے۔" وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔

فرزانہ باجی اس کے دل کے اندر کسی امر جذبے کے پھول کو کھلنے سے پہلے ہی روند دیا
تھا۔

○☆○

بار کراچی سے باہر جا رہی تھی۔ اس سے پہلے چچی فرزانہ شبانہ کا اپنی خالہ کے یہاں
ہونا رہتا تھا۔ ان کی دونوں خالائیں لاہور میں ہی رہتی تھیں۔

سفر اس کے لیے بڑا پر لطف رہا۔ اسٹیشن پر انہیں لینے آنے والے دو لڑکے تھے جسے
تھی۔

بہار رہا؟"

شاہد بھائی زبردست۔ اللہ اتنا مزا آیا کیا بتاؤں۔" شبانہ اپنے اسی کزن کے پہلو سے
ہٹا کر چلتی ہوئی کھنک دار لہجے میں بولی۔

مزا آیا۔ میری تو کمر بیٹھے بیٹھے اکڑ گئی۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں پورا ایک دن
گزارنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔" چچی جان کی حالت حقیقتاً پتلی ہو رہی تھی۔ ان
تھکن اور بے زاری لپٹی پڑی تھی۔ آنے والے دونوں لڑکے ہنسنے لگے۔

کہا بھی تھا کم بختوں کو کہ جہاز میں چلتے ہیں۔ ایک دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے مگر نہ
میری۔ انہیں تو وہ کیا کہتے ہیں ایڈوچر کرنا تھا۔"

"ایڈوچر نہیں امی ایڈونچر۔" احمر تصحیح کرتے ہوئے ہنسا۔ وہ منہ بنا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔
"لعنت ہو تمہارے ایسے ایڈونچر پر۔ میرا تو جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ بات سنیں۔ واپسی
جہاز میں جاؤں گی۔ ان کی مرضی ہے احمر کے ساتھ چاہے ریل گاڑی میں آئیں یا گدھا گاڑی
میں۔" انہوں نے چچا جان کو مخاطب کر کے کہا۔

"ارے خالہ جان۔ ابھی گھر پہنچ کر ساری تھکن دور ہو جائے گی۔ ابھی سے واپسی کی باتیں
کر رہی ہیں۔ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔" چچی کے بھانجے دلاور نے ان کے
شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپکا تو وہ مسکرا دیں۔

"بہت بڑبڑ کرنے لگے ہو شریر۔ چلو یہ بیگ تو اندر رکھو۔" انہوں نے اس کے بازو پر
چپت رسید کی تو وہ ہنستا بیگ اٹھانے جھکا۔ تب اس کی نظر زنیرہ پر پڑی جو فرزانہ باجی کے پاس
تھی۔

"یہ.... یہ تمہاری وہی کزن تو نہیں ہے۔" اس نے جھک کر فرزانہ سے آہستگی سے پوچھا
ڈگی میں اپنے ماموں زاد سلطان سے سوٹ کیس رکھوا رہی تھی۔ شاہد کی نگاہوں کا مرکز
نے بے اختیار نگاہ ڈالی۔ سیاہ چادر کے ہالے میں اس کا دلفریب چہرہ اجالے بکھیر رہا تھا۔

"ہوں زنیرہ ہے۔" انہوں نے سرسری انداز میں جواب دیا اور گاڑی کا بیک ڈور کو
لگیں۔

"زبردست۔"

"اے۔" انہوں نے بیٹھتے ہوئے باقاعدہ اسے گھورا تو وہ سر کھجا کر ہنس دیا۔

"اللہ کی تخلیق کردہ شاہکار کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہے۔" وہ ہنستا ہوا ڈرائیونگ سیٹ
سنبھال کر بیٹھ گیا۔

وہ دو بڑی گاڑیوں میں لد کر بڑی خالہ کے یہاں پہنچے تو وہاں مہمانوں سے بھرا گھر استقبال کو
موجود تھا۔ بڑے ماموں کی آل اولاد بھی پنڈی سے آئی تھی۔ چھوٹی خالہ اور خود بڑی خالہ کی بہو
اور ان کی بیٹیاں وغیرہ۔

زنیرہ ان سب سے پہلی بار مل رہی تھی۔ اجنبی لوگ اور اشتیاق بھری آنکھیں۔ وہ نروس
ہوئی جا رہی تھی۔ اس پر ریمارکس بھی دیے جا رہے تھے۔

"ہائے یہ زنیرہ ہے اتنی بڑی ہو گئی ہے میرے اللہ اور پیاری بھی۔" پتا نہیں کون تھی
دار لڑکی تھی اسے باقاعدہ بازو سے پکڑ کر بغور دیکھتے ہوئے بولی تو وہ جھینپ کر چچی کے پیچھے ہو گئی
"بھئی فرصت میں بنایا گیا ہے۔" کسی منچلے نے شرارت سے کہا اور سب ہنس دیں۔

"ویسے کہاں چھپا رکھا تھا" بڑی خالہ کی بیٹی یثمین باجی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"چھپا کر کہاں رکھنا تھا اسے۔" فرزانہ باجی کے چہرے کے نقوش تن گئے تھے۔ یہی حال چچی
کا بھی تھا مگر وہ کچھ بول کر اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔ انہوں نے تو ان سبھوں
کے سامنے زنیرہ کو بڑے لاڈ سے تھام کر اندر لا کر اپنے پہلو سے لگا رکھا تھا۔

"کہیں احمر کے لیے تو نہیں سنبھال رکھا۔ ہاں بھئی چیز ہی ایسی ہے گھر چمک چمک جائے۔"
بڑا با فرزانہ باجی صرف ہنسنے اور کندھے اچکانے پر اکتفا کر کے فرداً فرداً سب سے علیک سلیک
کرنے لگیں۔ زنیرہ چپ چاپ ایک جگہ کھڑی رہ گئی۔ کسی کو جانتی نہیں تھی پھر زبان بندی کا حکم
بھی کرا دیا گیا تھا سو وہ صرف مسکرانے پر یا خاموش رہنے پر اکتفا کر رہی تھی۔ یوں بھی اتنے بہت
سے اجنبی چہروں میں وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی اوپر سے سب اسے ہی گھیرے میں لے کر
اور بھی حواس باختہ کیے دے رہے تھے۔ وہ شرم سے بھیگ گئی تھی۔

"اب بچی کو اتنا تنگ بھی مت کرو۔ ادھر آ جاؤ زنیرہ۔" بڑی خالہ اسے اس شریر ٹولے سے
نکال کر لے گئیں جہاں بڑی عمر کی عورتیں دری بچھائے بیٹھیں دنیا جہاں کی باتیں کر رہی تھیں۔
صامد بھائی وہاں سے گزرے تو بے ساختہ ایک شعر صادر کر گئے جس پر خواتین میں ہلچل مچ گئی۔

جمی ہے دیر سے کمرے میں غیبتوں کی نشست
فضا میں گرد ہے' ماحول میں کدورت ہے

"کوئی نہیں ہم غیبت تو نہیں کر رہے ہیں کسی کی۔" ممانی جلبلا کر بولی تھیں۔ صامد بھائی کے
ساتھ کھڑے لڑکے ہنس دیے تھے۔

"بھئی سنا ہے جہاں چند عورتیں مل کر بیٹھیں وہاں ناموجود کے گناہ دھڑا دھڑ دھلتے جاتے
ہیں۔"

"کوئی نہیں۔ ہم اپنی باتیں کر رہے ہیں۔" چھوٹی خالہ ذرا جھینپ گئی تھیں۔ وہ اپنے
سسرالی خاندان کے عیب گنوا رہی تھیں۔ موجود اور ناموجود سارے ہی۔

"ٹھیک۔ ہے ٹھیک ہے جاری رکھیے اپنی باتیں میں تو ایک شعر پڑھ گیا تھا۔" صامد بھائی
شرارت سے ہنسے پھر وہاں سے ہٹ گئے۔

"دیکھو ذرا دو دن رہتے ہیں شادی میں اور کیسا پٹر پٹر بولے جا رہا ہے۔ یہ صامد بھی۔"

"ہاں اسے تو زارا ہی نکیل ڈالے گی۔" اب صامد بھائی کی ذات پر تبصرے شروع ہو گئے۔
زنیرہ ہنس دی۔ حقیقت تھی عورتوں کو مسلسل بولنے کے لیے کوئی نہ کوئی موضوع درکار رہتا ہی
تھا۔ اسے بڑی خالہ نے کسی رابعہ نامی لڑکی کے ساتھ کمرے میں بھیج دیا۔

"تھک کر چور ہو رہی ہو گی بچی۔ نہانا دھونا بھی ہو گا انہیں۔ کیوں زنیرہ۔ تم لوگ پہلے کھانا کھاؤں گی یا نہاؤ گی۔" بڑی خالہ چچی سے پوچھنے لگیں۔ چچی نے انہیں کیا جواب دیا۔ یہ نہیں۔ اس نے تو ایک آرام دہ کمرے میں آکر سکون کا سانس لیا تھا۔

جب وہ نہا کر فارغ ہوئی تو فرزانہ باجی، شبانہ اور لڑکیاں کمرے میں موجود تھیں۔ شبانہ بھی نہا چکی تھی اور اب گیلے بالوں میں برش پھیر رہی تھی جبکہ فرزانہ باجی بیڈ پر چڑھے سوٹ کیس میں منہ گھسیڑے ہوئے تھیں۔

"جناب۔ آج مہندی آنی ہے تم لوگ اس طرح ٹھس کر پڑی رہو گی تو کیا مزا آئے گا؟"

"توبہ فریحہ۔ ذرا دم لیں گے نا۔ اتنا لمبا سفر کر کے آئیں ہیں۔" فرزانہ باجی نے اپنی ماموں زاد فریحہ کی بات پر سوٹ کیس سے سر اٹھا کر اسے لتاڑا تو وہ ہنسنے لگی۔

"ایسے کون سے سفر میں پہاڑ توڑے تھے۔"

"زیادہ بک بک مت کرو۔ ابھی رات ہونے میں بہت دیر ہے۔ زنیرہ لو یہ اپنے کپڑے پریس کر لینا اور پلیز میرے کپڑے بھی پریس کر دینا۔ بڑی مہربانی ہو گی۔ میں تو ابھی باتھ لوں گی اور میرے بالوں کا تو تمہیں پتا ہے کتنے الجھتے ہیں انہیں سلجھانے میں ہی گھنٹا لگ جاتا ہے۔"

فرزانہ باجی عام دنوں سے بالکل مختلف انداز میں اس سے ہمکلام ہوئیں اسے اچھا بھی لگا اور اس منافقت پر ہنسی بھی آئی۔

وہ چپ چاپ کپڑے اٹھا کر ان پر آئرن پھیرنے لگی۔

شادی والے گھر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ہر طرف آوازوں کا شور۔ کوئی آ رہا تھا کوئی جا رہا تھا۔ کوئی کسے پکار رہا تھا اور جواب کسی کونے کھدرے سے آ رہے تھے۔ کہیں اونچی آواز میں ڈیک بج رہا تھا تو کسی طرف لڑکیوں کا غول اپنی آوازوں کا جادو جگا رہا تھا۔ کہیں لڑکے صاحب بھائی کو گھیرے میں لیے ہلہ گلہ کر رہے تھے۔ شام ہوتے ہی گھر کے باہر دیواروں پر سجائے گئے ننھے ننھے جل اٹھے تھے اور روشنی سے نہایا ہوا یہ گھر بڑا رنگین نظارہ پیش کر رہا تھا۔ گلی میں ہی شامیانہ لگا کر رات مہندی کی تقریب کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔

زنیرہ کے لیے یہ سب بے حد دلچسپ اور انوکھا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار اتنے اہتمام سے کسی شادی کی رسموں میں شرکت کر رہی تھی۔ اس سے پہلے چچی کے خاندان میں بہت سی شادیاں ہوئیں مگر وہ چچا جان کے ساتھ گھر پر ہی رہ جاتی۔ اس بار چچا جان کے آنے کے باعث اسے بھی ساتھ لانا پڑا تھا چچی جان کو۔

وہ شام فرزانہ باجی کی عنایت کیے گئے سلک کے زرد سیاہ کڑھائی والے سوٹ میں بڑی جاذب

نمائی دے رہی تھی۔ بالوں کو اس نے پہلی بار کھلا چھوڑا جس پر فرزانہ باجی نے ناگواری کا ... کیا۔

"کیا اسے باندھ لو۔ سنبھال نہیں سکو گی۔" اپنی رشتہ دار لڑکیوں کی موجودگی میں انہوں نے بڑی ہی شائستگی کے مظاہرہ کے ساتھ ناگواری کا اظہار کیا۔ زنیرہ "جی اچھا" کہہ کر پلٹنے لگی ... ثمین باجی نے اسے روک دیا۔

"ارے رہنے دو۔ یونہی کھلے اچھے لگ رہے ہیں۔ یہ فرزانہ کو خواہ مخواہ چبھ رہے ہیں۔ ... ہیں تو اس کی وجہ سے کہہ رہی تھی اسے کہاں اتنا سلیقہ ہے اتنے ڈھیروں بال سنبھال پائے ...

"تو اسے کون سا اٹھا کر پھرنے ہیں۔" ثمین شرارت سے بولی اور لڑکیوں کی ہنسی بکھیر ... بہرکیف زنیرہ نے اپنی دلی خواہش پہلی بار پوری کی تھی۔ یہاں چچی بھی مروت میں روک نہیں کر رہی تھیں اور فرزانہ باجی کو بھی اپنی ناگواری شائستگی میں دبانی پڑ رہی تھی۔

"لاؤ تمہیں تھوڑا سا آئی شیڈ لگا دوں۔" فریحہ اپنا میک اپ کٹ بند کر کے پلٹی تو نظر زنیرہ پر ... وہ دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ ہلکی جیولری اور سیاہ گولڈن ذری ... دوپٹے میں وہ دل موہ لینے والی لگ رہی تھی۔ میک اپ کے نام پر گھبرا گئی۔

"نہیں رہنے دیں۔ میں نے کبھی میک اپ نہیں کیا۔"

"تو آج کر لو۔" فریحہ نے بیوٹیشن کا کورس کر رکھا تھا اسے بڑا شوق تھا سب کے چہروں پر طبع ... کا۔ خاص کر آئی شیڈ لگانے میں وہ جتنا شوق رکھتی تھی اتنی ماہر بھی تھی اور پھر زنیرہ کی جھیل ... نما ... پپوٹوں والی آنکھیں تو اس کی آئیڈیل آنکھیں تھیں۔ اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اس ... ہلکے گولڈن شیڈ کا ٹچ دے دیا اس کی آنکھوں پر۔

"زبردست۔" وہ برش ٹشو سے صاف کرتے ہوئے اپنی محنت پر خود ہی داد وصول کرنے لگی۔ "... زنیرہ جی ایسا لگتا ہے جیسے جھیل کی سطح پر چودھویں کے چاند کی روشنی پھیل گئی ہو۔" ... ایسے شاعرانہ انداز میں بولی کہ زنیرہ بالکل اسکول گرل کی طرح جھینپ کر رہ گئی۔ اس کے ... گالوں پر گرمی پھیلنے لگی جیسے فریحہ کی نظریں ایک محبت لٹاتے محبوب کی نظریں ہوں۔ وہ ... آئینے میں خود کو دیکھ کر شرمانے کے ساتھ گھبرا بھی رہی تھی۔ یہ تو وہ باقاعدہ اہتمام سے سج گئی ...

اتنا اہتمام تو کبھی بھی نہیں کیا تھا سوائے کاجل کے اس نے کوئی میک اپ استعمال نہیں کیا ... فرزانہ باجی دیکھیں گی تو پتا نہیں کتنا ناراض ہوں گی۔ وہ پریشان سی کمرے سے نکلی تو فرزانہ

باجی اور شبانہ کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ وہ پیلے اور سرخ کنٹراسٹ کے لہنگے سوٹ میں فل میک اپ
ہیوی جیولری کے ساتھ اچھی بھی لگ رہی تھیں اور ۱۰۰ واٹ کے بلب کی طرح بھڑک رہی
اسے کچھ ڈھارس سی ملی۔ ان کے مقابلے میں اس کا اہتمام کم ہی دکھائی دے رہا تھا
چونکہ وہ عادی نہیں تھی۔ اس لیے خواہ مخواہ جھینپ رہی تھی۔

شامیانے کے داخلی حصے پر اسے بھی پھولوں سے لدی چھڑیاں پکڑ کر دلہن والوں کے
استقبال کے لیے کھڑا کر دیا تھا۔ ثمین باجی نے اس کی خوب تعریفیں کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ
سب سے آگے کی رو میں رکھا تو دور بیٹھی چچی پہلو بدل کر رہ گئیں۔ وہ اتنی دلکش اور پیاری لگ
رہی تھی کہ سب کی نظریں خود بخود اس شرمیلے حسن پر اٹھ جاتیں۔ قریب بیٹھیں بڑی بوڑھی
عورتیں بھی کچھ دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور چچی اندر ہی اندر انگاروں پر لوٹ
اس کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھیں۔

"اے لڑکیو! یہ شاہد کدھر چلا گیا ہے۔ توبہ ہے ایک تو اس کی مجھے سمجھ نہیں آتی۔ دلہن
والے آنے کو ہیں اور یہ لڑکا غائب۔" بڑی خالہ شاہد بھائی کو ڈھونڈتی لڑکیوں کی طرف آئیں۔

"پتا نہیں امی ابھی آدھے گھنٹے پہلے تک تو تھے یہیں پر۔" ثمین اپنے دوپٹہ کا کونہ چھڑا
نکالتے ہوئے بولی۔

"یہی تو کہتی ہوں ابھی ہوتا ہے اور ابھی چھلاوے کی مانند غائب، اوپر سے اس کے
دوست الگ اجیرن کیے دیتے ہیں ہمیں۔ گھر پر ہو گا تب بھی فون پر چپکا رہے گا۔ فرحان! اے
فرحان ذرا دیکھنا باہر شاہد ہو تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔" بڑی خالہ واپس گیٹ کے اندر
گئیں۔

"یہ سیاست نے ان کو کہیں کا نہیں رکھا۔ پڑھنے کے بجائے یہ لڑکے فضول میں ا
کاموں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔" ثمین باجی بڑبڑائیں۔ "آج تو شاہد بھائی کو موجود ہونا چاہیے
پتا نہیں امی کا کیا کام ہو گا۔"

"کیا شاہد بھائی یونین کے انتخابات لڑ رہے ہیں، صدر وغیرہ بننا ہے کیا؟" فریحہ
پوچھنے لگی۔

"ارے کہاں صدر ودر۔ آنا نہ پائی نری پاؤں گھسائی۔" ثمین باجی کے موقع محل کے
اور انداز پر موجود ساری لڑکیاں کھلکھلا دیں۔ اسی دم دلہن والوں کی گاڑیاں آ کر رکنے لگیں
وہ جلدی جلدی اٹینشن ہو گئیں۔

"اوئے جلدی سے گانا شروع کر دو۔" فریحہ نے سب کو خبردار کیا۔ اس کے ساتھ ہی

کر آنے والیوں کا استقبال کرنے لگیں۔

ابٹن سہانی گھڑیاں اے ری بنو آج کی رتیاں
آئیں سہانی گھڑیاں اے ری بنو آج کی رتیاں

دلہن کی طرف سے آئی خواتین کے گلے میں ہار پہناتیں انہیں شان سے اندر لے
کے بعد وہی گہما گہمی، 'تیز مقابلے' اور کیمرے کی لائٹیں۔
کے لیے یہ سب بے حد دلچسپ تھا مگر وہ خود اس گہما گہمی میں شامل نہ ہو پائی ایک تو
مزاج بھی اس کا ایسا ہلڑ بازی کرنے والا نہیں تھا۔ دونوں فریقین ایک دوسرے
کر رہے تھے پھر تو گانے بھی ہوٹنگ والے شروع ہو گئے۔ پہلے تو بڑی لے سے اور چن
گئے تھے مگر اب جس میں زیادہ شور ہو سکتا تھا اور سامنے والے پر ہوٹنگ ہو سکتی وہ
پٹے جا رہے تھے۔ فرزانہ باجی اور شبانہ اپنی پارٹی کو مضبوط بنائے ہوئے تھیں۔

ماریں گے یا مر جائیں گے
ہم دھماکہ کر جائیں گے

"دہشت گرد، دہشت گرد۔" دوسری طرف سے ہوٹنگ ہونے لگی۔
"تو دہشت گرد کو بٹی کیوں دے رہے ہو پھر۔" جواب ان کی طرف سے بھی حاضر تھے۔
کرنے کے لیے۔" کسی منچلے نے فقرہ کسا اور ہو ہو کا شور مچ گیا۔
اس جملے بازی کو انجوائے کر رہی تھی تبھی احمر اس کے قریب آ گیا۔
زمین پر چاند اتر آیا ہے۔" اس نے سرگوشیانہ انداز میں کہا تو وہ جو کرسی پکڑے کھڑی
پلٹی تو کھٹ سے روشنی کا جھماکا ہوا اور احمر کے کیمرے میں ایک خوبصورت پوز ہمیشہ
قید ہو گیا۔

"اللہ احمر بھائی۔ آپ نے تصویر کیوں لی۔" وہ گھبرا گئی۔ "آپ کو پتا ہے میں تصویر
اتی۔"

کب تم سے اجازت لے کر کھینچ رہا ہوں۔ میرا تو کام ہے آج کہ جو خوبصورت منظر
اسے ہمیشہ کے لیے قید کر لوں۔" وہ اس کی طرف جھک کر نشیلے پن سے بولا۔ وہ بلش ہو

احمر بھائی آپ بہت برے ہیں پلیز اب بالکل مت لیجیے گا۔" اس نے التجا کی اور احمر
سے کچھ پریشان ہو کر سامنے دیکھنے لگی۔
ہے دلہن والے بھی تیاری کر کے آئیں ہیں۔" اس نے اس کی نگاہوں کی محویت

توڑنے کی غرض سے کہا۔ ماتھے پر پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔ اسے بھرے پورے شامیانے میں اِدھر
اس طرح دیکھنا خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔

"ارے کہاں کی تیاری۔ تم میدان میں اترو پھر دیکھنا کیسے ہار جاتی ہیں۔" وہ ہنوز مخمور رہا

"اچھا میری طرف دیکھو ایک اور تصویر لے لوں۔"

"نہیں پلیز۔" وہ گھبرا کر آگے جا کر جلدی سے خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اس کی حرکت
محظوظ ہو کر زور سے ہنس دیا۔

○☆○

مہندی کا یہ فنکشن بہت جلدی ختم ہو گیا تھا چونکہ بڑی خالہ کے شوہر وقت کے بے حد پابند
تھے انہیں اول تو ایسی رسمیں جو خالص ہندوانہ تھیں اور شرعی لحاظ سے بالکل ناجائز تھیں ناپسند
تھیں دوسرے ان کے خیال میں یہ سب وقت اور پیسے کا زیاں ہی تھا۔ وہ ان کے خلاف تھے مگر
رشتہ داروں نے زور دے کر انہیں راضی کیا تھا اور انہوں نے یہ کہہ کر اجازت دی کہ ایک تو
فنکشن سر شام ہی شروع ہو جائے گا اور جلدی ختم، دوسرے ان رسموں کا سارا گناہ آپ سب پر
میں تو پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔ وہ کچھ بذلہ سنج بھی تھے یوں دامن بچا گئے۔ "بھئی مجھے تو خدا کے آگے
منہ دکھانا ہے اور منہ بھی کالک بغیر کا دکھانا چاہتا ہوں۔" اور یوں ان کی شرط کا مان رکھا گیا تھا۔
سب جلدی فارغ ہو گئے تھے مگر تھکن سب پر حاوی تھی لڑکیاں بھی ادھم مچا کر اب جہاں جگہ ملی
وہاں تھکی ہاری پڑ کر سو گئی تھیں۔

شادی والے دن کے لیے فرزانہ باجی نے پارلر میں جا کر تیار ہونے کو ترجیح دیا تو سب لڑکیاں
راضی ہو گئیں۔

"بھئی سب اپنی اپنی جیب سے ادا کریں گی خرچ، ہماری تو اتنی طاقت نہیں۔" ثمین باجی نے
واشگاف الفاظ میں کہا تو لڑکیاں ہائے ہائے کرنے لگیں۔

"آخر آپ کے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے سج سنور رہے ہیں۔ لیں آپ نے
دامن ہی بچا لیا۔" شوخ و چنچل فریحہ نے انہیں غیرت دلانی چاہی۔

"بھائی کے لیے تو نہیں سج رہی نا۔ اپنے لیے ہی سج رہی ہو۔" وہ کہاں کم تھیں۔ لڑکیوں کے
زبردست قہقہے پڑے۔

"ان کے لیے تو سجی سجائی آئے گی۔" پھر شرارت آمیز جملہ پڑا۔

"ہاں تبھی تو بے فکر ہیں۔" فریحہ ہنسی۔

"تم کیوں فکر کرتی ہو۔ تمہاری شادی پر میں خود اپنے خرچے پر تمہیں مہنگے ترین پارلر لے
جاؤں گی۔" ثمین باجی نے اس کی کمر تھپکی تو وہ بچاری شرم سے سرخ پڑ گئی۔ وہ منگنی شدہ
تھی اور سال کے آخر میں اس کی شادی ہونے والی تھی جو سب کے علم میں تھی۔

ان سب لڑکیوں کو پارلر والی نے ڈھائی بجے کا ٹائم دیا تھا۔ وہ جانے کے لیے لڑکوں کی منتیں
کرنے لگیں جس میں سے کوئی بھی ٹس سے مس نہ ہو رہا تھا۔ "یہ کیا تک ہے۔ دعوت رات کو
ہے اور ڈھائی بجے تیار ہونے جا رہی ہو۔ اس وقت تو پوری مخلوق اونگھ رہی ہوگی۔"

"کوئی نہیں۔ آپ جیسے چند نکھٹو ہی اونگھ رہے ہوں گے۔" شبانہ، سلطان کی بات کے جواب
میں چٹ سے بولی۔

"آپ کہیں نا شاہد بھائی ان لوگوں کو کہ ہمیں لے جائیں۔" لڑکیوں نے اب دلہا کو بیچ میں
...کر لڑکوں کو منانے کا حربہ آزمایا جو کامیاب رہا۔

"پلیز شاہد۔ انہیں لے جاؤ یار۔" انہیں لڑکیوں پر رحم آ گیا۔

"نہ بھائی مجھے تو معاف رکھو، میں ویسے بھی اپنے ضروری کام سے جا رہا ہوں پہلے ہی پریشان
ہوں۔" وہ واقعی جلدی میں لگ رہا تھا الماری میں کھٹر پٹر کرتے جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

"جاؤ یار۔ سلطان تم ہی جاؤ۔ کم از کم انہیں چھوڑ کر آؤ پک احمر کر لے گا۔" اور سلطان
ناگواری سے کھڑا ہو گیا۔ وہ سب لڑکے قالین پر دھرنا مار بیٹھے تھے۔ اس گرمی اور بھری دوپہر میں لڑکیوں
کو پارلر لے جانا سب کو ہی سوہانِ روح لگ رہا تھا۔

"چلو مرو۔ پارلر سے آ کر بھی ایسی ہی شکلیں رہیں گی۔ بس زیادہ سے زیادہ پیسٹریاں لگو گی۔"
اس نے چڑ کر کہا تو لڑکے ہنسنے لگے جبکہ لڑکیاں اس کے جملے کو تحمل سے سہہ گئیں۔ بقول فرزانہ
باجی کے کام نکل جائے پھر ٹھیک کریں گے بکواس کرنے والوں کو۔

وہ سب چلی گئیں زنیرہ کو چچی نے سختی سے منع کر دیا تھا اور خود فرزانہ باجی بھی اسے لے
جانے کے حق میں نہیں تھیں بڑی خالہ نے پوچھا تو زنیرہ نے خود ہی شائستگی سے معذرت کر دی۔
یوں بھی اسے بہت زیادہ میک اپ سے وحشت ہوتی تھی۔ اسے یوں لگتا جیسے مختلف رنگوں کے
تھال میں منہ ڈال کر نکال لیا ہو۔

لڑکیوں کے جاتے ہی گھر میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ سارا شور وغل، گہما گہمی، ہلچل معدوم ہو
گئی۔ زنیرہ اپنے اور فرزانہ اور شبانہ کے کپڑے پریس کر کے کمرے سے نکل گئی۔ عورتیں ساری
خراٹے لے رہی تھیں اسے اس سناٹے سے وحشت سی ہونے لگی۔ کہاں کل گہما گہمی تھی کہ
کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی اور اب اتنا ویران سناٹا۔

"سنو۔ ذرا۔ دروازہ بند کر دینا۔" پیچھے سے شاہد نے پکارا تو وہ پانی پیتے ہوئے پلٹی۔ "آپ

نہیں گئیں سب کے ساتھ۔" اس نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"جی نہیں۔ موڈ نہیں تھا۔" وہ تکلف سے بولی۔

وہ بڑی خالہ کا دوسرا سپوت تھا ثمین اور سبین کا بھائی۔

"اچھی بات ہے یہ لڑکیاں اتنے میک اپ سے لڑکیاں کم مٹھائی کی دکان زیادہ لگتی ہیں۔" وہ بائیک کی چابی جھلاتا ہنستا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا وہ بھی دروازہ بند کرنے پیچھے چلی آئی۔ اس کے جانے کے بعد باہر کا گیٹ بند کر کے وہ صحن میں لگے پودوں کا جائزہ لینے لگی کسی کسی اونچے پودے پر برقی بتیاں لٹک رہی تھیں جو شام ہوتے ہی جلتی بجھتی دلکش نظارہ پیش کرنے لگتی تھیں۔

بڑی خالہ کے بیٹے کی شادی بڑے روایتی انداز میں ہو رہی تھی۔ ہر ارمان پورا کیا جا رہا تھا۔ وہ اس گھر کا پہلا بیٹا تھا اور پہلی پہلی خوشی تھی اس گھر کی۔

اسے دلہا صاحد بھائی بڑے سلجھے ہوئے اور نفیس انسان لگے تھے خود بڑی خالہ اور ان کی بیٹیاں بھی ملنسار اور با اخلاق تھیں۔

اسے صحن کے ایک گوشے میں بیٹھے بیٹھے جانے کتنی دیر ہو گئی دستک پر وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

ارے اتنی جلدی آ گئیں وہ سب' وہ سمجھی سب پارلر سے واپس آ گئی ہوں گی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دوسری دستک پر دروازہ کھول دیا مگر اس کے سامنے دو لڑکے کھڑے تھے۔

"جج.... جی فرمائیے۔" وہ جلدی سے دوپٹہ سر پر ڈال کر ذرا پیچھے ہو گئی۔ پتا نہیں یہ اس گھر کے لڑکے تھے یا ایسے ہی کسی کا پوچھنے آئے تھے وہ خود یہاں اجنبی تھی سمجھ نہیں سکی۔

"شاہد ہو گا۔" ایک لڑکے نے دو قدم دروازے کے اندر آ کر پوچھا اور منہ اندر کر کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ "نہیں شاہد بھائی تو چلے گئے ہیں۔ آپ.... کون......" اس کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ دو ہاتھوں نے سرعت سے اس کا منہ دبا کر اسے گھسیٹ کر باہر نکالا اور اسی تیزی سے باہر کھڑی گاڑی میں ڈال کر خود بھی ساتھ بیٹھ گئے دوسرے ہی لمحے گاڑی فراٹے سے گلی سے نکل گئی۔

اس کا منہ مردانہ ہاتھ کے شکنجے میں اس طاقت سے بند تھا کہ اسے ہلکی چیخ کی بھی مہلت نہ ملی تھی۔ ایک دو پل تو خود اسے بھی سمجھ نہ آیا کہ یہ کیا ہو گیا نہ سنبھلنے کا موقع ملا تھا۔

✪✫✪

اس کے حواس ذرا بحال ہوئے تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے گاڑی میں موجود لڑکوں کو دیکھنے لگی۔ یہ روح فرسا خیال جسم و جاں میں خنجر کی طرح اتر گیا تھا کہ وہ اغوا ہو چکی ہے۔

اعصاب پر ہلکا سا ارتعاش طاری تھا۔

"پلیز" اس نے وزنی ہاتھ کے اپنے منہ سے ہٹتے ہی احتجاج کے لیے پیر ... مجھے پلیز چھوڑ دیں۔" اس کی آواز خوف سے کپکپا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا ... طرف لڑھک کر اسی ہیبت اور دہشت سے بے ہوش ہو جائے گی۔ اسے اپنے ... محسوس ہو رہے تھے مگر وہ بے ہوش ہو کر ان کا کام آسان بنا دینے کے خوف ... رہی تھی۔ اسے اپنے پہلو میں ریوالور کی نال کی چبھن بھی محسوس ہو رہی تھی۔

پہلی بار اس نے آتشیں اسلحے کو اتنے قریب سے دیکھا اور محسوس کر رہی تھی۔ ... بیٹھا وہ لمبا تڑنگا لڑکا جو ایک ہاتھ میں یہ اسلحہ اس کے پہلو میں ٹکائے ہوئے تھا اور ... ٹکائے ہوئے تھا جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا لڑکا ونڈ اسکرین کو گھورتے ہوئے ... گاڑی بھگا رہا تھا۔ وہ دونوں پر ہجوم سڑک پر گزرتے ہوئے چہرے کو بالکل نارمل ... تھے۔ اپنے چہرے سے وہ بالکل عام اور شریف لڑکے ہی دکھائی دے رہے تھے مگر وہ ... اور مہذب تھے یہ صرف اور صرف زنیرہ علی ہی جانتی تھی۔

... ایک بڑے گھر کے پورچ میں آ کر ٹھہری تو وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ کر ... طرف لپکی۔

... خدا کے لیے مجھے جانے دیں' چھوڑ دیں مجھے 'اللہ کا واسطہ' رسول کا واسطہ۔ رحم ..."

... کرو۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا لڑکا سرعت سے اتر کر اس کی طرف آیا اور اس کی ... دروازہ کھول کر اسے باہر کھینچ کر نکالا تو وہ بلک اٹھی۔

... لڑکی۔ ہم نے تمہیں کسی غلط مقصد کے لیے اغوا نہیں کیا ہے۔ بس تم دو دن ہماری ... رہو گی۔"

... کیوں؟" وہ لڑکھڑا گئی۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

... جیسے یکلخت پھانسی کے پھندے پر لٹکائے جانے کا حکم دے دیا گیا ہو وہ بھی بلا تقصیر۔ ... تھی۔

... کسی سے زیادہ ہولناک سزا تھی' اس کی عزت کا قتل جو موت سے کہیں زیادہ وحشت ...

... نہیں' خدا کے لیے رحم کریں۔ مم...... میں مر جاؤں گی۔" وہ گڑگڑانے لگی۔

"ہم نے صرف تمہارے بھائی کو سبق سکھانے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے انہوں نے ہمارے ایک لڑکے کو اپنی کسٹڈی میں رکھا ہے۔"

"اوہو۔ اب کیا ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے کرو گے۔ اندر لے جاؤ۔ میں شاہد کو فون کر کے آتا ہوں ابھی۔"

"نعیم! میرا خیال ہے ابھی ٹھہرو۔" دوسرا لڑکا زنیرہ کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھتے ہوئے بولا "الٹے دماغ کا لڑکا ہے۔ کوئی گڑبڑ کر دے گا۔ اسے ذرا ٹھہر کر فون کرنا۔ ایسا نہ ہو وہ سارے کرائے پر پانی پھیر دے۔"

"مگر جواد۔"

"تم چلو تو۔ ہاں بس فیاض کو اطلاع کر دو۔"

"ہاں اسے تو بلانا ہی ہے۔ کیا خیال ہے سکندر خواجہ کو فون نہ کریں مجھے سو فیصد یقین ہے فیصل کو اس نے اپنی رہائش گاہ پر رکھا ہو گا پہلے اسے دھمکی دیں پھر اس رضوی کے بچے کو دیکھتے ہیں۔ سالا تیس مار خان بنتا ہے۔"

وہ دونوں لڑکے آپس میں باتیں کرتے اسے ایک کمرے میں لے آئے۔ وہ تو جیسے گھُ... رہی تھی اور رو رو کر منتیں کر رہی تھی مگر وہ دونوں تو جیسے بہرے بنے ہوئے تھے اور اسے کمرے میں لا کر ایک کرسی پر پٹخ کر سرعت سے کمرے سے نکل کر باہر سے دروازہ لاک کر گئے۔

اس کا سارا وجود ایک' دو لمحے کے لیے پتھر کا ہو گیا۔ دہشت نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی۔

اس کی روح خوف کے دلدل میں دھنس کر رہ گئی مگر دوسرے ہی لمحے وہ دیوانوں کی طرح بھاگ کر دروازہ تک آئی اور اسے زور زور سے پیٹنے لگی۔

"کھولو مجھے...... خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو' میں وہ...... وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ اس سے تو بہتر ہے مجھے گولی مار ڈالیں مگر خدا کے لیے۔ باہر نکالیں۔ کھولو۔ کھولو پلیز۔ لوگوں کو اللہ اور رسول کا واسطہ۔ مجھے یوں زندہ در گور نہ کرو...... اُف...... امی' چچا جان' کوئی تو مجھے بچائے۔" وہ چکرا کر فرش پر بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کی زندگی اس قدر خوفناک موڑ لے گی اس کا تو تصور بھی نہیں کیا تھا کبھی۔ آہ... فرزانہ باجی' شبانہ' احمر چچا جان۔

کہاں ہیں آپ سب لوگ۔ خدا کے لیے میری مدد کو آئیں۔ میں مرجاؤں گی۔" وہ گھٹنوں میں سر دے کر ہچکیاں لینے لگی۔ اسی دم دروازہ دھڑ سے کھلا۔ اس نے سہم کر سر اٹھایا تو

...تھے جس میں سے ایک بگڑے تیوروں کے ساتھ آگے بڑھا۔

"زیادہ واویلا مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سنو لڑکی۔ ہم تمہیں کوئی تکلیف نہیں دیں گے بس ایک دن تمہیں اس کمرے میں تنہا بند رہنا پڑے گا۔" اس کا لہجہ قدرے نرم ہو گیا۔ ...کے آنسوؤں کو دیکھ کر۔

"مگر میں نے کیا بگاڑا ہے تم لوگوں کا؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہم نے کچھ نہیں بگاڑا اسی لیے تو ہم بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔ بس اب خاموش اور ... چیخ پکار مچائی تو پھر نتیجے کی خود ذمے دار ہو گی۔" اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا وہ خود میں سمٹ ...

...کو جسم پر لپیٹنے لگی مگر آنکھیں بدستور اشک برساتی رہیں اس نے کچھ کہنے کی کوشش ...لب کپکپا کر رہ گئے۔ دروازہ پھر بند ہو گیا اور کلک کی آواز کے ساتھ لاک بھی۔

اس کا سر بے جان سا ہو کر اپنے گھٹنوں پر گر گیا۔ بظاہر ان دونوں لڑکوں کے چہروں پر ...ن دکھائی دے رہی تھی۔ اپنی گفتگو سے' لباس سے بھی مہذب دکھائی دیتے تھے اور کہنے کے مطابق وہ اسے کسی بری نیت سے لے کر نہیں آئے تھے۔

تو پھر؟ تو پھر ان کا کیا مقصد تھا؟ بھلا اس سے کوئی کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ اس کی اپنی دانست میں اس کی بھی کسی سے کوئی دشمنی تو کجا جھگڑا تک نہ ہوا تھا اور نہ ہی احمر اور چچا جان کسی سے ...کرنے والے تھے۔ بالفرض اگر احمر سے کسی کی دشمنی بھی ہوتی تو وہ اس کے بجائے فرزانہ یا شبانہ کو اپنا شکار بناتے۔

خوف اور ذہنی انتشار نے اسے بری طرح تھکا ڈالا۔ پہلے ہی رو رو کر وہ نڈھال ہو گئی تھی۔ ...اور اس تکلیف دہ احساس نے اس کی ساری توانائی کو چوس لیا تھا۔ وہ بہ مشکل خود کو ...کر دروازے تک لائی مگر پھر اسے دھڑ دھڑانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ان کی دی گئی دھمکی کا ...آ گیا۔ وہ دونوں لڑکے شاید باہر ہی موجود تھے' ان کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے ...لب کچل ڈالے اور دروازے سے ٹیک لگا کر بے آواز روتے ہوئے ان کی آوازیں سنیں۔

"جواد! میرا خیال ہے اب تک تو شاہد کے علم میں آ گئی ہو گی اغوا کی رپورٹ۔" ایک کی ...ابھری۔

"ہوں۔ تم نے شجاع کو بھی فون کر دیا تھا' یقیناً اسی نے سکندر خواجہ تک خبر پہنچا دی ہو گی۔ ...بنے پھرتے ہیں طرم خان اگر وہ ایسی سیاست کر سکتے ہیں تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس

بھی عقل ہے۔ ہاتھ پیر سلامت ہیں ان کی ہڈیاں تک توڑ سکتے ہیں۔ خیر یہ بتاؤ فیاض کو فون کیا تھا کیا
کہہ رہا تھا؟"

"ہاں..... کہہ رہا ہے بس گھر سے سیدھا ادھر ہی آؤں گا۔ وہ آ جائے تو اسے یہاں بٹھا کر
جائیں ہم بھی۔ ویسے فکر کی بات نہیں ہے' میں نے ملازموں کو سختی سے منع کر دیا ہے انیکسی کی
طرف آنے سے مگر یار جواد۔ سوچ رہا ہوں کہ یہ معاملہ کل تک ہی نمٹ جائے تو اچھا ہے پرسوں
صبح' ممی' پاپا واپس آ رہے ہیں خانیوال سے اور پروین باجی کا بھی بھروسہ نہیں وہ بھی ٹپک پڑیں گی
اپنے شوہر یا مراد کے ساتھ۔"

"یہ تو یار اچھا خاصا مسئلہ ہو جائے گا۔ کیا وہ انیکسی تک آئیں گی؟" جواد کے لہجے میں
اندیشے لرزنے لگے۔

"اوں ہوں۔ اس طرف تو نہیں آئیں گی کبھی مگر آ بھی سکتی ہیں انہیں میری سرگرمیوں کی
بڑی کھوج رہتی ہے ان کے خیال میں' میں انیکسی میں پڑھائی نہیں کرتا کچھ اور کرتا ہوں۔"
قہقہہ مار کر بولا "ویسے فکر کی کوئی بات نہیں ہے وہ ممی پاپا کے آ جانے کے بعد ہی آئیں گی مگر یار
جواد مجھے بس پریشانی شاہ دل کی طرف سے ہے۔ یہ لڑکا ذرا دوسرے ٹائپ کا ہے۔ پہلے ہی کھینچ
کھانچ کر اسے اس میدان میں اتارا ہے اور اب۔"

"مگر یہ اغوا والا آئیڈیا تو اسی کا ہے نا؟"

"ہاں مگر شاہد کے بھائی کا۔ میرے خیال سے فیاض آ گیا۔" وہ دونوں کرسیاں چھوڑ کر کھڑے
ہو گئے۔

"ادھر آ جاؤ فیاض۔ ادھر ہیں ہم۔" بھاری مردانہ آواز گونجی اور اندر بیٹھی' زنیرہ کا نازک
دل کانپ کر رہ گیا۔

"اللہ دو سے تین ہو گئے۔ پتا نہیں کیا ارادے ہیں ان کے؟" وہ خود میں سمٹ گئی اور ہچکیاں
لیتے ہوئے قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی' اس وقت اس کے ذہن میں صرف اور صرف باہر کھڑے
ان لڑکوں کی دہشت چھائی ہوئی تھی' دروازے پر ہلکا سا کھٹکا بھی ہوتا تو اسے اپنی روح جسم سے
نکلتی محسوس ہونے لگتی۔ مردانہ جوتوں کی دھمک سے دم فنا ہونے لگتا۔

اسے لڑکوں کی گفتگو خاک پلے نہ پڑی تھی مگر اتنا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سب کا تعلق
کچھ نہ کچھ چچی کے بھانجے شاہد بھائی سے ضرور ہے۔ اغوا سے پہلے بھی انہوں نے شاہد کا ہی پوچھا
تھا اور اب بھی ان کی باتوں میں ان کا ذکر تھا۔

"تو کہیں وہ۔ اسے شاہد بھائی کی بہن کے دھوکے میں تو اغوا نہیں کر لائے؟"

اس کے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوندا۔

"مگر شاہد بھائی تو اتنے نائس انسان لگتے ہیں ان کا ایسے خطرناک لڑکوں سے کیا تعلق؟"
اونہہ۔ بھلا میں شاہد بھائی کو کتنا جانتی ہوں۔ ایک دو بار صرف دیکھنے سے کون پرکھا جاتا ہے پھر
پر کسی کے لکھا ہوتا نہیں ہے اس کا کردار' جو کچھ بھی ہے یہ معاملہ ان کا ہے مگر وہ ان کی
غلط فہمی کا ہدف بن چکی ہے۔

اس کے ذہن میں یہ سوچ زور پکڑ گئی اور اس کے ہاتھ پیروں میں بجلی بھر گئی۔ وہ اٹھ کر
تک آئی اور ایک بار پھر دھڑ دھڑ' مضبوط لکڑی کا دروازہ پیٹنے لگی۔

"سنو..... پلیز سنو' میں شاہد کی بہن نہیں ہوں' پلیز یقین کریں۔ میں تو اس کی فرسٹ کزن
ہوں۔ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے..... کھولو خدا کے لیے دروازہ کھولو..... میری بات
"

مگر باہر کے سناٹے میں دروازے کی دھڑ دھڑاہٹ اور اس کی آواز پھیل کر دم توڑ گئیں۔
اس نے کی ہول سے باہر جھانکا مگر راہداری میں سکوت اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ تھک کر
ے سے لگ کر بلک اٹھی۔

○☆○

زنیرہ کی یہ گمشدگی بڑی خالہ کے شادی والے بھرے پرے گھر میں بم کی طرح پھٹی تھی اور
کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ سب ہکا بکا رہ گئے تھے۔ پورا گھر چھان مارا تھا۔ پہلے تو کسی کو
نہیں آیا' چچی سو کر اٹھیں تو زنیرہ کو آوازیں دینے لگیں مگر جواب نہ پا کر کسی بچے کو بلانے بھیجا
اس نے آ کر اطلاع دی کہ وہ گھر کے کسی کونے کھدرے میں بھی نہیں ہیں۔

"لگتا ہے یہ بھی لڑکیوں کے ہمراہ پارلر چلی گئی ہو گی۔" چھوٹی خالہ اپنے نواسے کو تھپک
کر سلاتے ہوئے بولیں۔

"ارے کہاں' میں نے تو منع کر رکھا تھا اسے۔" چچی کی تیوریاں چڑھ گئیں مگر پھر یہ معمہ بھی
کے آنے پر حل ہو گیا۔ زنیرہ ان کے ہمراہ نہیں گئی تھی پھر تو گھر میں افراتفری پھیل گئی۔

"تو پھر کہاں گئی؟" سب کے لبوں پر یہی سوال تھا مردوں کو اطلاع ملی تو چچا اور احمر گھبرائے
آئے۔

"میں نے انہیں صحن میں بیٹھے دیکھا تھا۔" ایک نے اطلاع دی وہ پودوں کو دیکھ رہی تھیں
بیٹھ کر پتا نہیں کیا سوچ رہی تھیں۔"

"تو صحن میں کیا کوئی آسیب ہے جس نے اسے چڑیا بنا کر اڑا دیا۔ اے میں پوچھتی ہوں

جوان جہاں لڑکی۔ ایسے کیسے غائب ہو گئی؟ چچی اب بین کرنے لگیں۔ آخر زنیرہ ان کی ذمے
تھی اور پھر سب کو یہ دکھانا بھی مقصود تھا کہ وہ اسے سگی اولاد کی طرح چاہتی ہیں۔
"نری بدشگونی ہو گئی یہ تو۔" بڑی خالہ کا دل ہولنے لگا۔ آج ان کے بیٹے کی شادی تھی
ایسی بری خبر سننے کو مل رہی تھی۔ آخر جوان لڑکی کی یہ گمشدگی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔
"میں دیکھتا ہوں' ہو سکتا ہے آس پڑوس میں گئی ہو۔" احمر گھبرایا ہوا باہر نکل گیا۔ پیچھے
چچا جان بھی نکلے۔
"محلے میں معلوم کرو' ہو سکتا ہے کسی نے آتے جاتے دیکھا ہو۔"
مرد سارے باہر نکل گئے۔ عورتیں ایک کمرے میں بیٹھ کر اپنی بولیاں بولنے لگیں۔
لڑکیاں ادھر ادھر بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔
ثمین باجی تو درود شریف کا ورد کرنے لگیں۔ جانے کیوں ان کا دل اندر ہی اندر ڈوبا
تھا۔ معصوم سی زنیرہ ان کی نظروں میں پھر رہی تھی؟
"کیا اس کے کوئی جاننے والے ہیں لاہور میں؟" فریحہ نے شبانہ سے پوچھا تو اس نے نفی
سر ہلا دیا۔
"تو پھر۔ کہاں جا سکتی ہے؟"
"مجھے خبر ہوتی تو اسے لے نہ آتی۔ عجیب مصیبت ہے اسے آج کے دن کا ناس مارنا تھا
بدشگونی پھیلانی تھی۔" شبانہ انتہائی بیزار ہو کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔
"اسے ہم ساتھ نہ ہی لاتے تو اچھا ہوتا اس قدر غیر ذمے دار لڑکی ہے وہ کہ بس کیا بتاؤں
کبھی نہ کسی طریقے سے بس تنگ کرنا ہے اسے۔"
فرزانہ باجی کا چہرہ بھی کم و بیش شبانہ کے سے ہی زاویے سے بھر گیا تھا۔
"گہنے فریج میں میں رکھ دیے ہیں یا نہیں۔" انہیں اپنے کاغذ میں لپٹے گہنوں کا خیال آیا
رات کے فنکشن میں پہننے کے لیے خریدے تھے۔
"ہوں' رکھ دیے ہیں۔ پتا نہیں کیوں مرا دل ہول رہا ہے۔" ثمین باجی اٹھ کر ٹہلنے لگیں
فرزانہ ناک سکوڑ کر رہ گئیں۔
لڑکے' مرد مایوس اور نامراد واپس آ گئے تھے اور اسی اداسی و پریشانی سے وقت گزرتا رہا
سب بجھے بجھے' پریشان دل کے ساتھ ہال میں پہنچنے لگے۔ ہر صورت میں صامد بھائی کی برات
ہی تھی۔ ہاں چچا جان نے تاکید کر رکھی تھی کہ ہال میں زنیرہ کی گمشدگی کا کوئی ذکر نہیں ہو گا۔
ڈنر کر کے چچا اور احمر تو چھوٹی خالہ کی گاڑی لے کر پھر زنیرہ کو تلاش کرنے نکل گئے۔

رپورٹ لکھوانے سے منع کر دیا تھا۔ اس طرح بدنامی کا اندیشہ تھا اور وہ بڑے
تھے۔ وہ بدنامی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔
دلہن گھر آ چکی تھی۔ اس سے بھی مخفی رکھا گیا تھا مگر یہ بات چھپنے کی نہیں تھی۔
تھی اور زنیرہ کا پتا نہیں تھا اب سب کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اغوا ہو چکی ہے۔
بیٹھے بیٹھے اسے کون اغوا کر سکتا ہے؟" بڑی خالہ کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
نہیں۔
میں تو کہتی ہوں بھاگ گئی ہے۔" بڑی خالہ کی نند نے چہک کر کہا تو سب دم بخود رہ
ایک دو لمحے ان کا منہ دیکھتی رہ گئیں گویا اس نے ان کے دل کی بات کہہ دی تھی پھر
سانس لے کر رونے بیٹھ گئیں۔
ایسا کون سا ظلم ٹوٹ گیا تھا اس پر' ماں بن کر پالا ہے' سب گواہ ہیں کہ ہتھیلی کا
رکھا تھا اسے' بن ماں باپ کی بچی سمجھ کر' آنچ نہیں آنے دیتی تھی' اب یہ صلہ دیا
محبتوں کا۔" چچی سینہ کوبی کرنے لگیں۔
نہ بولو زہرہ' اندر صامد کی دلہن ہے' ابھی یہ بات کھلی نہیں ہے۔" بڑی خالہ چچی کے
ہاتھ رکھ کر بولیں۔ ان کے تئیں ابھی یہ خبر پھیلی نہیں تھی جبکہ یہ بھرا پرا گھر' ان کے
میکے والے اسی پر تبصرہ کر رہے تھے۔
میں کہتی ہوں جوان جہان لڑکی کی گمشدگی کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ اسے اگر
نہیں تھا تو ہمارا ہی خیال کر لیتی۔ اپنے ماں باپ جیسے چچا چچی کے سفید بالوں کا ہی
کرتی۔" وہ زار زار رونے لگیں۔ سب کو ہی ان سے ہمدردی ہونے لگی۔
بگڑ گئی ہیں لڑکیاں آج کی۔ موئی فلموں نے ناس مار دیا ہے۔"
بھی تو بچیاں ہیں آج کی نسل کی۔ کیا بگڑی ہیں۔" غرض پھر باتوں کا سلسلہ شروع

اندر داخل ہوا' اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے کمرے میں
پھر پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی سلطان محلے کی ایک
داخل ہوا تھا۔ اس کے پیچھے چچا جان تھے جو بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے جبکہ
کے پاس ٹک گیا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔
زنیرہ کو دیکھا تھا شام کو۔" سلطان نے گویا دھماکا کیا۔
اترے ہوئے چہرے کے ساتھ قریبی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

"یہ بتا رہی ہے کہ دو لڑکے گاڑی میں آئے تھے اور زنیرہ کو دروازے سے گھسیٹ کر
میں ڈال کر چلے گئے۔ اس نے اپنی چھت سے یہ دیکھا تھا مگر ڈر کر کسی کو نہیں بتایا۔"
چپ ہوا تو کمرے میں سکوت طاری ہو گیا۔ سب کے دل پر ایک خوف سا پھیل گیا۔

○☆○

ہر گزرتے لمحے کا سکوت بھرا خوف اس کی رگ رگ میں اتر رہا تھا۔ آہنی گرل سے
ویران لان کا اندھیرا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس اندھیرے کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔
اب تو اس کے آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ کچھ رو رو کر اور کچھ اس نئی سوچ کے
بڑی خالہ کے گھر آج شادی کی رات تھی اور اس کی گمشدگی نے جہاں سب کو ہراساں
وہاں خود اس کی عزت کی دھجیاں بھی بکھیر دی ہوں گی۔ اسے اغوا ہوئے نو گھنٹے ہو چکے تھے۔
نو گھنٹوں میں چچا جان نے یقیناً اسے کہاں کہاں نہ ڈھونڈا ہو گا پھر تھک ہار کر بیٹھ گئے ہوں گے۔
"نو گھنٹے۔" اس کی ٹھٹھری ہوئی، پھنسی ہوئی سسکاری نکل گئی۔ وہ کھڑکی کی گرل سے
اٹھا کر ایک نئی اذیت کے احساس سے لمحہ لمحہ گزر رہی تھی۔

کسی بھی لڑکی کے لیے نو گھنٹے اغوا رہنا اس کی پاکبازی اور پارسائی کی چادر کا ٹانکا ٹانکا ادھیڑ دیتا
ہے۔ چاہے اسے چھوا گیا ہو یا نہیں۔ نہ جانے کون کون اس کو شک کی نگاہ سے دیکھے گا، کون
اعتبار کرے گا اس کے پاک دامن پر کوئی چھینٹا نہیں۔ وہ نوخیز کلی کی طرح دھلی ہوئی اور ان چھوئی
ہے۔

اگر یہ لڑکے اسے بری نیت سے نہیں لائے تھے تب بھی وہ معتوب و رسوا ہو چکی تھی۔
بس اب فرق یہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنی بے گناہی اور پارسائی کی تنہا گواہ رہ گئی تھی۔
ثبوت۔

اچانک ہی اس کی خشک آنکھیں جل تھل ہو گئیں اور نمکین پانی کی دھاریں اس کی
آنکھوں سے بہہ نکلیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔
آج تک اس نے سہج سہج کر قدم رکھا تھا، پھونک پھونک کر لمحات بتائے تھے۔
مگر آج اس کی عمر بھر کی ریاضت کو ان ظالموں نے بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ وہ بلا قصور سب
کے سامنے قصوروار ٹھہرائی جاتی۔
تو اب.....
اف خدایا۔
اس کے آگے کا سوچ کر اسے جھرجھری آ گئی۔ اچانک چچا جان اور احمر کی صورت نگاہوں
میں چمکنے لگی۔
کیا چچا جان اور احمر میری پارسائی پر یقین نہ کریں گے؟ ہاں ضرور، احمر تو مجھے جانتا ہے۔
وہ میرے لفظ لفظ پر ایمان لائے گا۔ محبت تو دلوں کو گداز کر دیتی ہے اور احمر کا دل اس کے لیے بڑا
گداز تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی مگر پھر بھی ایک خوف کہیں دل سے اٹھ کر یوں پورے بدن
میں پھیل رہا تھا۔ یہ ایسی امید تھی جو تیز ہوا میں رکھے چراغ کی مانند تھی۔
رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا یا پو پھٹنے کا وقت دروازہ
آواز کے ساتھ کھل گیا۔ وہ فرش پر بیٹھی تھی اور کرسی پر سر رکھے نڈھال سی پڑی تھی۔ اب
تو اس میں نہ رونے کا یارا تھا نہ کچھ سوچنے کا مگر اس کے باوجود ذہن خالی نہیں تھا۔
اس نے کھلتے دروازے کو ویران بے نور آنکھوں سے دیکھا۔ وہی کل والے لڑکے اندر
داخل ہوئے تھے۔ اس کی حالت کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے پھر ایک دوسرے کا منہ دیکھتے
ہوئے نظریں چرا کر اس کی طرف بڑھے۔
ان کا انداز کچھ مضطربانہ تھا۔
"سنو..... تم شاہد رضوی کی کون ہو؟ مطلب ہے کہ کیا رشتہ ہے اس سے تمہارا؟" اس میں
سے ایک نیلی جیکٹ والا لڑکا پر تشویش لہجے میں پوچھنے لگا تو زنیرہ کا دل چاہا آگے بڑھ کر اس کا منہ
نوچ لے، اس کے سینے میں خنجر گھونپ دے یا پھر خود کو گولی مار لے۔
یہ سوال اب پوچھا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔
"کیا رشتہ ہے تمہارا شاہد سے؟ بتاؤ۔" سوال پھر دہرایا گیا۔
"اب اس سوال کا فائدہ۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔
"کیا مطلب؟" دونوں نے اس کی شکل دیکھی پھر نگاہیں جھکا لیں۔ وہ گہری نظروں سے دیکھ
رہی تھی۔
"میں، شاہد کی بہن تو کیا کزن بھی نہیں ہوں۔ اس کے گھر آئی ایک مہمان تھی اور..... اور
تم لوگوں نے مجھے اغوا کر لیا۔ بتاؤ..... بتاؤ کہ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ کیا دشمنی ہے تمہیں مجھ
سے؟ تم میری زندگی میں یہ طوفان لے آئے ہو۔ جواب دو؟" وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر
جنونی انداز میں اس کا گریبان پکڑ کر چلانے لگی۔ وہ لڑکا گڑبڑا کر جلدی سے اس کے ہاتھ سے
اپنا گریبان چھڑا کر پیچھے ہٹا۔
"کیا..... کیا، تم شاہد کی بہن نہیں ہو؟ او مائی گاڈ۔" وہ پلٹا۔
"جواد! یہ کیا ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے شجاع کی اطلاع درست تھی، ہم سے زبردست غلطی

سرزد ہو گئی ہے۔"

"نہ صرف غلطی بلکہ جرم بھی۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

دوسرا لڑکا بھی اتنا ہی پریشان دکھائی دینے لگا اور وہ وحشت کا شکار زنیرہ کو دیکھنے لگے۔

"تم..... تم نے پہلے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ تم شاہد کی بہن نہیں ہو۔" وہ اضطرابی انداز میں پوچھنے لگا۔ گویا ساری غلطی ہی اس کی تھی جواباً اس نے اپنے جلتے لبوں کا ایک کونا دانتوں میں دبا کر گہری نظروں سے دونوں کو دیکھا کہ ایک لمحے وہ دونوں ہی گڑبڑا کر رہ گئے۔

وہ کوئی پیشہ ور مجرم نہیں تھے، نہ کبھی اس سے پہلے ایسا تجربہ کیا تھا، سو یہ پہلا تجربہ تھا، جو ناکام، جس نے دونوں کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس پر مستزاد اس لڑکی کی آنسو بھری نظریں معصوم سراپا۔

"آئی ایم سوری۔ دیکھو..... دیکھو پلیز ہم سے زبردست چوک ہو گئی ہے۔ تم دھوکے میں اغوا ہوئی ورنہ ہمارا مقصد تمہیں اغوا کرنا نہیں تھا۔ بھلا تم سے ہماری کیا دشمنی؟"

زنیرہ علی کی روح تک تڑپ اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں چھایا گھنا اداس سایا اور بھی گھنا ہو گیا۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"تم لوگوں کا مقصد جو بھی تھا مگر میری زندگی کے ساتھ بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔ جس نے میرے اندر سے ساری توانائیاں کھینچ لی ہیں۔ بولو..... بولو اب تمہاری غلط فہمی، میرے لیے کیا ہو گی، سوچ سکتے ہو تم لوگ؟" اس کا لہجہ بھیگا ہوا مگر انداز سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ان دونوں لڑکوں کو پھانسی پر چڑھا دے۔ کھڑے کھڑے زمین میں دفن کر دے مگر بے بسی سے لب کچل کر رہ گئی۔

غم کا پہاڑ تھا جو اس پر ٹوٹا تھا۔ اس کی روح غم کے بوجھ تلے دب کر رہ گئی تھی۔

اب وہ دونوں اپنے کیے پر شرمندہ معافیاں مانگ رہے تھے، خود کو بے قصور اور بے گناہ (ثابت کر) رہے تھے۔ چلو وہ مان لیتی کہ یہ غلط فہمی میں ہوا۔ ان کا مقصد اسے اغوا کرنا نہیں تھا مگر اب تو اغوا ہو چکی تھی۔

جو طوفان آیا تھا وہ گزر چکا تھا مگر اپنے پیچھے بہت سی تباہیاں چھوڑ گیا تھا اور اب ساری تباہیاں صرف اس کے حصے میں آنے والی تھیں۔ ان کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔ ان کے لیے یہ صرف کھیل تھا، ایسا کھیل جس میں مات ہو بھی گئی تو کچھ نہیں بگڑتا تھا۔ بس معمولی افسوس کے۔ مگر یہ کھیل اس کی زندگی کو لامتناہی عذاب سے دوچار کر گیا تھا۔ ناقابل تلافی نقصان (دے گیا) تھا۔

"بولو، میرا یہ نقصان کون پورا کرے گا۔ وہ لمحے واپس کون لائے گا جو میری بے گناہی کا ثبوت دیں گے۔" اس نے دہکتی نگاہوں سے دونوں کو دیکھا۔ اس کا جھلستا لہجہ دونوں کو نادم کر رہا تھا خود اس کے اپنے ہی آنسو کسی آتش سیال کی مانند اس کے رخساروں کو جھلسا رہے تھے۔

"نعیم! میرا خیال ہے شاہ بھی آ گیا ہے۔" فاصلے پر کھڑا لڑکا ہارن کی آواز سن کر چونکا مگر جسے وہ نعیم کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ وہ ہنوز دلگرفتہ سا کھڑا رہا جیسے سنا ہی نہ تھا۔ اس لڑکے کے کمرے سے جانے پر ذرا سا رخ موڑا پھر سر اٹھا کر زنیرہ کی طرف دیکھا۔

"پلیز، ہمیں معاف کر دو، یقین کریں ہم غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔" اس کی آواز میں ہلکی شکست تھی اور اس کے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔

"ہم ابھی آپ کو باحفاظت گھر پہنچا دیتے ہیں۔ آپ اب بھی ویسی ہی پاک دامن اور آلودگی سے پاک ہیں جیسی تھیں۔ خدا کے بعد ہم گواہ ہیں۔" وہ بولا تو جیسے وہ پھٹ پڑی۔

"آپ کے یہ ڈائیلاگ میرے لیے اب کوئی تسلی نہیں رکھتے۔ مجھے اب گھر واپس چھوڑنے کے بجائے تھوڑا سا زہر ہی لا دیجئے تاکہ میں اس بے عزتی کی زندگی سے نجات پا لوں۔ بس یہی احسان رہ گیا ہے کرنے کو کر سکتے ہیں؟"

وہ سٹپٹا کر اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

"کیا حق پہنچتا ہے آپ لوگوں کو کسی کی زندگی سے کھیلنے کا اگر میری جگہ شاہد بھائی کی بہن بھی ہوتی تو کیا وہ لڑکی نہیں ہوتی؟ کیا اس کی عزت آپ کے کھیل سے سستی تھی؟ کیا اسے رسوا کر کے آپ کو کوئی ندامت نہیں ہوتی اگر قصوروار اور آپ کا مجرم شاہد ہے تو اسے ہی اغوا کرتے، یہ بزدلوں کی طرح عورتوں پر ہاتھ ڈالنا کون سی مردانگی ہے؟ آپ نہیں جانتے کہ میں کس طرح زندہ تھی اور اب زندہ رہنا میرے لیے کتنا کٹھن ہو گا۔ میں پاک دامن ہوتے ہوئے بھی معتوب و رسوا ٹھہرائی جاؤں گی۔ خدایا میں کس کس کو اپنی پاک دامنی کا یقین دلاؤں گی۔ اس بھرے پرے خاندان میں کس کس کی زبانیں روک سکوں گی۔ آپ لوگوں نے میری زندگی میں نہ ختم ہونے والا کرب بو دیا ہے۔ ایک ناقابل تلافی نقصان جس کا ازالہ کوئی نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی نہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ انہی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائے۔

وہ لڑکا شرمندہ شرمندہ سا کمرے سے نکلا۔

"آئیں پلیز۔ میرا خیال ہے اب مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

زنیرہ کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ پھیل کر ٹوٹ گئی۔

بہت جلدی خیال آگیا تھا ان لوگوں کو دیر ہو جانے کا۔ اب مزید دیر ہوتی تو بھی اس کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

گھر سے رات بھر غائب رہنے والی لڑکی کی پارسائی پر کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ دنیا میں رہتی ہے جہاں انسان بستے تھے۔ فرشتے نہیں' جہاں پہلے بھی عورت کے لیے جینا کسی سزا سے کم نہیں ہوتا۔

وہ نڈھال قدموں سے اس کے پیچھے کمرے سے نکلی تو پہلی نظر جس شخص پر پڑی وہ نکھرا نکھرا سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس گاڑی کے پاس کھڑا تھا جو اسے دیکھتے ہی سرعت سے رخ موڑ چکا تھا جبکہ دو اور لڑکے تھے ان میں' ایک وہی تھا جسے جواد کہہ کر پکارا گیا تھا۔ وہ دونوں نادم سے ان کی طرف بڑھے۔

"پلیز۔ ہم معافی چاہتے ہیں۔ یہ سب نادانی میں سرزد ہوا ہے اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔"

وہ چپ رہی اس کے لیے اب کسی کی شرمندگی' ندامت اور صفائیاں کسی طمانیت کا باعث نہ تھیں۔ ان کا جرم کتنا تھا۔ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اسے تو بس اب آنے والے لمحات سے نمٹنے کے لیے خود میں حوصلہ پیدا کرنا تھا۔ اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کے لیے لفظ اکٹھے کرنے تھے۔

اس نے رخ پلٹنے والے لڑکے کو اب تیزی سے واپس پورچ کی طرف جاتے دیکھا تو دل میں چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔

"یہ ہماری فیڈریشن کا صدر ہے۔" اس کے ساتھ چلنے والے لڑکے نے بتایا تو وہ نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تو اس شخص کے پروگرام کے تحت میری زندگی میں یہ زہر گھولا گیا ہے۔ اس نے پھر نظریں پورچ کی طرف کر دیں۔ وہ اپنی آنکھوں پر گاگلز چڑھا کر گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ وہ لڑکے اسے پکار رہے تھے مگر وہ سنی ان سنی کرتا گاڑی پورچ سے نکال کر لے گیا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر مجروح مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ بھی تو اسی معاشرے کا' اسی زمانے کا' مٹی کا بنا انسان تھا اس سے فرشتگی کی کیا امید۔

مگر بہت کم ظرف اور بالکل عام سا انسان نکلا۔ اس کا دل اصل مجرم کو یوں نظریں بچا کر بھاگتے دیکھ کر دکھ سے بھر گیا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتی' ان کے ہمراہ گاڑی میں جا بیٹھی۔

"ہم اس حادثے کو کبھی فراموش نہیں کر پائیں گے اور شاید جرم کا احساس بھی عمر بھر رہے گا۔"

وہ دونوں لڑکے آگے کی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ وہ چپ رہی گاڑی رینگتی ہوئی پورچ سے نکل کر سڑک پر بھاگنے لگی۔

○☆○

صبح کا خوبصورت اجالا پھیل گیا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک برائے نام تھی' دکانوں کے شٹر گرے ہوئے تھے' فٹ پاتھ پر اکا دکا لوگ پیدل آ جا رہے تھے البتہ اسکول یونیفارم میں موجود کئی بچے دکھائی دے رہے تھے۔

موسم خوشگوار تھا' ہوا میں معمولی سی خنکی تھی مگر اسے اپنے اندر کا بڑھتا ہوا حبس باہر ماحول پر بھی چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ جوں جوں گاڑی راستے طے کر رہی تھی' اس کی رگوں میں خوف کی سنسناہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔ اس کا دل کبھی رک رہا تھا کبھی تیز تیز دھڑکنے لگتا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے۔

چچی

فرزانہ

شبانہ

چچا جان اور احمر کے چہرے بنتے اور مٹتے جا رہے تھے۔

جوں ہی گاڑی بڑی خالہ کے گھر کے سامنے رکی اس کے جسم پر ہلکا سا ارتعاش طاری ہو گیا۔ اس کے ذہن و دل پر سناٹا سا پھیل رہا تھا۔ وہ مختلف احساس میں گھری' وحشت زدہ سی اسی گلی کو اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ جیسے کوئی انجان علاقے' اجنبی خطے میں آگئی ہو۔ بڑی خالہ کے برقی قمقموں سے سجے گیٹ اور دیواروں کو نامانوس نظروں سے تکنے لگی۔

"آئی ایم سوری۔ بے حد مجبوری ہے کہ ہم آپ کی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے اندر جانے سے قاصر ہیں۔" گاڑی ڈرائیو کرنے والا لڑکا گاڑی روک کر پلٹ کر اس سے کہہ رہا تھا۔

دروازے کے ہینڈل پر جما اس کا نازک سا پسینے سے بھیگا ہوا ہاتھ کانپ کر رہ گیا۔

اس نے بس پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہمیں یقین ہے کہ آپ کا بخیریت واپس گھر آجانا آپ کے گھر والوں کے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔"

"میرا ایک مشورہ ہے حقیر سا کہ آپ مسکراتی' خوشی خوشی اس گیٹ سے اندر جائیں تاکہ گھر والوں کو یقین ہو جائے کہ آپ....." اس مشورہ دیتے لڑکے نے ہچکچا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا' وہ اچانک چلائی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اپنے مشورے کے ساتھ۔" کچھ بعید نہ تھی وہ آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچ لیتی۔ وہ سرعت سے گاڑی بھگا لے گئے۔

وہ وہیں کھڑی چند گہرے گہرے سانس لے کر لڑکھڑاتے قدموں کو بامشکل گھسیٹتی ہوئی دھک سے رہ گئی۔ قدموں کی طاقت پھر زائل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

بڑے سے گیٹ کے درمیانی دروازے پر احمر کھڑا اسے تحیر آمیز بے یقینی سے دیکھ رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھی۔

"احمر......" اس کے لب کپکپائے۔ اس نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ آویزاں کی۔

"دیکھو مجھے وہ لوگ غلط فہمی......" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ احمر پلٹ کر اندر چلا گیا۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ اس کے دھیرے دھیرے آگے بڑھتے قدم وہیں جم گئے۔

احمر کی آنکھوں میں اجنبیت کا غبار تھا۔ اس کے تیوروں میں حیرانگی اور اجنبیت کے بعد جو تاثر آیا وہ ناگواری اور حقارت کا تھا۔ جیسے کوئی بہت ناپسندیدہ شے کو دیکھ لیا ہو۔

یہ پہلا پتھر تھا اور اسے زناٹے دار اور غیر متوقع لگا تھا کہ اس کے حوصلوں کی سبھی چٹانیں تڑخنے لگیں۔

شاید یہ باقی افراد کے رویوں کا ٹریلر تھا۔ اسے احمر سے اس قسم کے رویے کی قطعی امید نہیں تھی۔

یہ ایک زبردست دھچکا تھا جو سیدھا دل پر لگا تھا اور اس کے اعصاب شکستہ ہونے لگے۔ اس کی ہمت کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اب اندر جانے کا حوصلہ تھا نہ اس در سے پلٹ جانے کا یارا۔

تو کیا وہ بلا گناہ کے بھی گنہگار کہلائے گی؟

"نہیں...... چچا جان" اس کے لیے یقیناً اس تپتی دھوپ میں سایہ تھے۔

چچا جان کا خیال آتے ہی دل کے ٹوٹتے نگر میں امید کی لو تیز ہو گئی۔ اس نے دروازے اندر قدم رکھا۔ صحن میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس کے اپنے دل جیسا۔ ابھی اس نے صحن عبور ہی نہ کیا تھا کہ فرزانہ باجی کا سراپا دکھائی دیا۔ احمر نے شاید اندر اس کی آمد کی اطلاع دی تھی کہ سب دوڑتے بھاگتے کمروں سے نکل کر اس طرف آنے لگے جیسے وہ کوئی تماشا ہو اور اس کے یوں جم گئے تھے کہ وہ سب کی توجہ کی مرکز بن کر حقیقتاً تماشا ہی بن گئی۔

"چچ...... چچا جان۔" اس کی نظریں دور کھڑے چچا جان پر گئیں تو وہ سب کو نظر انداز کر کے کی جانب بڑھی مگر راہ میں چچی حائل ہو گئیں۔

"نہیں پوچھتی ہوں زنیرہ' تجھے یہ کالا منہ لے کر واپس آنے کی ضرورت کیا تھی' کیوں آ گئی تو یہاں منہ اٹھائے ہماری عزت پر بٹا لگانے؟ جو کسر رہ گئی تھی۔ وہ پوری کر ڈالی۔" وہ آگے بڑھ کر اسے تھپڑ مارنے لگیں۔

"چچی...... چچی میری بات سنیں۔" وہ اس حملے سے گڑبڑا کر احتجاجاً رو دی۔ "انہوں نے مجھے غلط فہمی کی بنا پر اغوا کیا تھا کسی بری نیت سے نہیں پلیز میری بات تو سنیں۔"

"شٹ اپ، تمہیں شرم آنی چاہیے زنیرہ کہ یوں سر اٹھا کر چلی آئیں اوپر سے دلیل دے رہی ہو" فرزانہ باجی آگے بڑھ کر دھاڑیں۔ "ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے اور تم اور بجائے نادم اور شرمندہ ہو کر منہ چھپانے کے دلیلیں پیش کر رہی ہو۔ بھلا اب اس سے کیا فرق پڑتا کہ تمہیں وہ کیوں لے گئے تھے ایک لڑکی کے لیے ڈوب مرنے کے لیے کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ وہ ایک دن ایک رات گھر سے غائب رہی۔"

وہ سناٹے میں رہ گئی۔ فرزانہ باجی کے زہریلے جملے اس کی رگ و پے میں ایسے اتر رہے تھے جیسے کوئی نوکیلا نشتر جسم اور گلے میں آ کر اٹک جائے۔

کسی نے بھی فرزانہ باجی اور چچی کو اس کے نازک وجود کو پیٹنے سے نہیں روکا تھا۔ وہ اسے مارتے ہوئے روئے جا رہی تھیں اسے لگا جیسے وہ بے عزت' بے حمیت تو اب ہوئی ہے۔ سرِعام رسوا تو اب ہوئی ہے۔

ان لڑکوں نے تو اس کی چادر تک کو ہاتھ نہیں لگایا مگر اپنوں میں آ کر ہی اس کے کپڑے دھجی دھجی ہو رہے تھے وہ بالباس ہوتے ہوئے بھی خود کو بے لباس تصور کرنے لگی۔

"توبہ توبہ۔ آپا تو کسی کو منہ دکھانے کی نہیں رہیں' ارے میں تو کہتی ہوں اس لڑکی کو واپس آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہیں کہیں دفن ہو جاتی تو اچھا تھا۔ اب تو منوں بوجھ کی طرح ان کے سینے پر پڑی رہے گی۔" بڑی خالہ کانٹے جیسے لفظوں میں کہتیں' چچی کو تھام کر ایک طرف لے گئیں۔

"اب تم کھڑی تماشا کیا بن رہی ہو چلو آؤ۔" فرزانہ باجی اس کا بازو بے دردی سے اپنے شکنجے میں لے کر ایک کمرے میں لے آئیں اور اسے دیوار کی طرف دھکیل دیا۔

"بے غیرت' بے حیا' ذرا سی بھی شرم ہوتی تو' تو وہیں کہیں خود کو آگ لگا کر مرجاتی۔ تو نے تو ہماری عزت کا جنازہ نکال دیا' ہم اس بھرے پرے خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ تو نے ابو اور امی کا سر جھکا دیا ہے۔ دل چاہتا ہے اپنے ہاتھوں سے تیرا گلا دبا دوں۔ نہ ہوتا تو صبر کر لیتے۔ تیری لاش دیکھ کر آنسو بہا لیتے' عزت کا تھوڑا بہت بھرم تو رکھ لیا ہوتا۔"

"باجی...... باجی میری بات تو سنیں۔ میرے دامن پر کوئی غلاظت کا چھینٹا نہیں ہے

آپ......"

"چٹاخ۔" فرزانہ باجی کا ہاتھ اس کے رخسار پر پڑا تو اس کی روح تک گھائل ہو گئی۔ اس نے ویران نظروں سے انگارے برساتی فرزانہ باجی کو دیکھا۔

"مجھے صرف ایک بار چچا جان سے تو بات کرنے دیں۔" اس کا لہجہ خفیف سا احتجاج آمیز تھا۔

"کس منہ سے ان کے پاس جاؤ گی۔ وہ تو تمہاری صورت دیکھنا بھی نہیں چاہتے اس بڑھاپے میں تم نے انہیں جو زخم دیا ہے وہ کافی ہے ارے تمہاری جگہ اور کوئی لڑکی ہوتی تو وہ موت کو گلے لگا لیتی تمہاری طرح بے آبرو ہو کر یوں گھر نہ واپس آتی۔"

وہ بکھر بکھر گئی اور صوفے پر گر کر بلک اٹھی۔ اس کے اندر سے احتجاج کی لہریں اٹھ کر اندر ہی دم توڑ گئیں۔ فرزانہ باجی دروازہ بند کر کے کمرے سے نکل گئیں۔

بڑی خالہ کے پورے گھر میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ صامد بھائی کی نئی نویلی دلہن ہکا بکا تھی۔ کچھ کچھ اڑتی اڑاتی خبر گھر میں ٹھہرے مہمانوں کے کانوں میں پھونک دی تھی مگر اب تو کچھ بھی چھپا نہ تھا بلکہ چھپانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی تھی۔

چچی تو کھلم کھلا بین کر رہی تھیں۔ آنسو نکل نہ رہے تھے مگر زبردستی آنکھیں رگڑ رگڑ کر پانی بہا رہی تھیں اور ساتھ چچا جان کو بھڑکا رہی تھیں۔

"ارے میں کہتی ہوں اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالیے۔ ہماری تو عزت تار تار کر دی۔ ارے میری سگی بیٹی ہوتی تو میں خود اپنے ہاتھوں سے گلا دبا دیتی مگر...... ہائے۔" وہ سر پیٹنے لگیں۔ "ارے بھرے خاندان میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میری دونوں بچیوں کی عزت خراب کی ہے اب ہماری بچیوں کو کون بیاہنے آئے گا۔ اس جنم جلی کو اب عمر بھر ہمارے سینوں پر مونگ دلنا ہے۔"

سب چچی کے آس پاس جمع تھیں۔ کوئی انہیں ٹھنڈا پانی دے رہا تھا تو کوئی سر سہلا رہا تھا، کوئی شانے کو تھپک رہا تھا۔ چچا جان الگ گم صم سے بیٹھے تھے مگر کوئی زنیرہ علی کے دل پر پھاہا رکھنے کو تیار نہیں تھا۔ جس کا دل اس غم کے بوجھ سے پھٹنے کو تھا۔ اس کی ساری امیدیں کرچی کرچی ہو گئیں تھیں۔

چچا جان نے اس سے منہ پھیر لیا تھا۔

سب اسے یوں موردِ الزام ٹھہرا رہے تھے جیسے یہ اس کی اپنی دانستہ غلطی ہو۔

ہاں اسے مر ہی جانا چاہیے مگر......

...اس کی عزت، اس کی آبرو سلامت ہے اور پھر یہ اس کی اپنی کوئی دانستہ غلطی نہیں تھی۔ ...کا دامن پاک تھا۔

...نیا بھی تو اس کی بات سننے کو تیار نہیں ہے اگر امی اور ابو ہوتے تو یقیناً اس پر رحم کرتے، ...کوئی بھی ...زخمی دل پر پھاہا رکھتے، اسے گود میں بھر کر پیار کرتے اور اس پر الزام دھرنے کے ...تقدیر کو دوش دیتے۔ اس کے مجرموں کو پکڑ کر سزا دلواتے نہ کہ اسے عمر بھر کے لیے بے ...ر دیتے۔

...فرزانہ باجی، نازیہ کے بھائی ندیم کے ساتھ پارکوں میں اور ہوٹلوں میں گھومتی پھرتی ہیں ...کی عزت پر حرف نہیں آتا۔

...وہ حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہوئی تو تقدیر کو دوش دینے کے بجائے اسے روندا جا رہا تھا۔

...بھی ہو میں کیوں موت کو گلے لگاؤں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے، میری عزت، میری آبرو ...ہے تو میں کیوں حرام موت کا نوالہ بنوں۔

...کے جھر جھر بہتے آنسو رک گئے۔ اب تو رونے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ پپوٹے الگ ...گئے تھے۔

○☆○

...دھیرے دھیرے وقت گزرتا رہا۔ اس کے کمرے میں کوئی پھٹکا تک نہیں تھا۔ بھوک سے ...اس پر کمزوری کا شدید غلبہ تھا کہ ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ سوکھے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے ...اس پر رحم نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ وہ سب کی نظروں میں قابلِ نفرت ہستی بن کر رہ گئی تھی۔

...سے زیادہ اور زبردست دھچکا احمر اور چچا جان کے رویے پر لگا تھا۔ احمر نے اسے دیکھ کر جس ...اجنبیت سے رخ موڑ لیا تھا اس کا دل تو وہیں ٹوٹ گیا تھا اور اب چچا جان اس سے بات ...کے روادار نہیں تھے۔

...کیسے اپنے تھے اس کے؟

...ہمارے تھے جس کی چھت ہی نہ تھی؟

...پناہ گاہ تھی جس کی دیواریں ہی نہ تھیں؟

...کیسا سائبان تھا جس میں چھید ہی چھید تھے۔ اتنی غیر محفوظ تو وہ شاید اس کمرے میں بھی ...نہ کر رہی تھی جہاں اسے رکھا گیا تھا۔

...غیر مہذب اور سفاک تو وہ لڑکے بھی نہ لگے تھے جتنے اس گھر کے فرد اور اس کے اپنے ...ہارے رہے تھے۔

شام ڈھلے شبانہ کمرے میں آئی تو اس کا چہرہ حقارت اور نفرت سے بھرا ہوا تھا۔
"ہم تو اب یہاں رہنے کے قابل بھی نہیں رہے' پرسوں ولیمہ ہے صامد بھائی کا مگر اب کر
منہ سے شرکت کریں گے۔ جو کپڑے بنائے سارے بے کار گئے۔ آج شام واپس جا رہے
کراچی۔" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے یہ اطلاع بھی دی۔ "اب
پیر ہلا کر اپنا سامان باندھ لینا۔ ہم تمہارے باپ کے نوکر نہیں ہیں نہ تمہیں لاتے تو اچھا تھا۔
باپ مر گئے ہماری جان پر عذاب چھوڑ گئے۔"

وہ نڈھال سی فرش پر بیٹھی تھی۔ ایک بازو صوفے پر تھا جس پر سر رکھا تھا۔
"اور ہاں کتنے لڑکے تھے وہ؟" وہ اس کے قریب آ کر پوچھنے لگی تو زنیرہ کا دل رنج سے بھر گیا۔
"شبانہ پلیز۔" وہ سسک اٹھی۔
"اوہو۔ ایک یونہی تو بات پوچھ لی۔ ہنہ۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔
وہ سب شام کی فلائیٹ سے جا رہے تھے۔
یوں رات 'ہی سب کراچی پہنچ گئے۔
کراچی آ کر زنیرہ کو لگا جیسے اس کی زندگی میں نہ ختم ہونے والا عذاب تو اب شروع ہوا ہے۔
رات کو وہ اپنا اور سب کا سامان کمروں میں پہنچا کر باہر نکلی تو کامن روم میں چچا سنجیدہ
کے ساتھ کھڑے تھے اس کا دل گھڑک گیا۔
"زنیرہ۔" ان کی آواز سرد بے لچک تھی۔ اس کی مغموم پلکیں اٹھ کر پھر جھک گئیں۔
"تم کوشش کرنا۔ میرے سامنے نہ آیا کرو۔"
وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ چہرہ رنج سے بھر گیا۔ وہ بے اختیار ان کے قدموں
گئی۔
"چچا جان! آپ تو ایسا نہ کہیں۔ میرا قصور کیا ہے آخر؟"
"قصور تمہارا ہے یا تقدیر کا' یہ سب وضاحتیں' بے کار ہیں۔ کیا تم چاہتی ہو تمہیں
میں ہر وقت اذیت کی ایک آگ میں جلتا رہوں۔ یہ میری گزارش سمجھ لو۔" ان کا کانپتا ہاتھ
کے سر کی طرف بڑھا مگر پھر رک کر واپس اپنی واسکٹ کی جیب میں چلا گیا وہ وہاں سے
وہ ان کے قدموں کو دور تک جاتا دیکھتی رہی۔
اور جو میں ہر نئی نئی اذیت کے الاؤ میں دھڑا دھڑ جل رہی ہوں۔ میری اذیتیں کب
گی۔ میرے آس پاس دہکتی ہوئی یہ آگ کون بجھائے گا؟
میرے درد کا درماں کون بنے گا؟

میرے زخموں پر مرہم کون رکھے گا؟ اگر سب ہی زخم نوچنے والے ہوں گے تو میں اپنی اذیت
کسے دکھاؤں گی؟
کون مسیحا ہے میرا؟
یہ لوگ نہیں۔ تو پھر اور کون؟
اس کا دل سلگتا جا رہا تھا۔
"بس کرو اب یہ ڈرامے۔" چچی کی قہر برساتی آواز ابھری۔ "جو کالک ہماری چہروں پر مل دی
ہے کیا وہ کافی نہیں ہے کہ اب بار بار سامنے آ کر ہمارے کلیجے جلائے گی۔ جاؤ اپنے کمرے
وہ ڈپٹ کر کامن روم سے نکل گئیں مگر وہ وہیں فرش پر گھٹنوں پر بازو لپیٹے اس پر سر
ٹکائے اداس اور ملول بیٹھی رہی۔
اسے لگ رہا تھا کہ اب آنے والے دنوں میں اس کے لیے جینا کسی عذاب سے کم نہ ہو گا۔
اب اس گھر کی آب و ہوا اس کے لیے جنت جیسی نہ تھی اب تو۔ دوزخ کی آگ جیسی گرم
ہوائیں اس کے تن من کو جھلساتی رہیں گی۔
خدا غارت کرے ان لڑکوں کو جن کے کھیل نے میری زندگی میں تباہیاں بھر دیں۔
گھر میں ہو کا عالم تھا سب اپنے اپنے کمرے میں منہ لپیٹے پڑے تھے بھوک لگی تھی وہ خود کھا
کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ احمر باہر چلا گیا تھا۔ وہ یونہی کامن روم کے فرش پر بیٹھی
کمرہ گھور اندھیرے سے بھرا ہوا تھا مگر اسے اندھیرے کا احساس تک نہ تھا۔
نہ جانے کتنی رات ہو گئی تھی۔ کمرے میں بتی جلی' اس نے سر اٹھایا تو احمر حیرت سے دیکھ
رہا تھا شاید باہر سے ابھی آیا تھا پھر اس سے نظریں ملنے پر ہونٹ بھینچ کر پلٹ کر جانے لگا تب
وہ بھی۔
"احمر پلیز' میری بات سنو۔" وہ دوڑ کر اس تک آئی تھی۔ اس کا چہرہ تن گیا وہ رک تو گیا
مگر بغیر پلٹے۔ دروازے کو گھورتا رہا۔
"یقین کرو احمر۔ ان لڑکوں نے مجھے چھوا تک نہیں ہے۔" وہ جلدی سے اپنی صفائی میں
بولی جیسے وہ اس کی بات سنے بغیر چلا جائے گا اور حقیقت بھی تھی وہ یوں کھنچا کھنچا سا کھڑا تھا
جیسے کہ اس پر احسان کر رہا ہو۔ اس بات پر استہزائیہ ہنس کر پلٹا۔
"اچھا۔ تو کیا سنگھاسن پر بٹھا کر پوجا ہو گا۔" اس کے لہجے میں ایسی کاٹ اور طنز آمیز ہنسی
تھی کہ وہ لمحہ بھر چپ سی ہو گئی پھر مغموم پلکوں کو جھپک کر بے یقینی سے احمر کا چہرہ دیکھنے

"مجھے یقین نہیں آ رہا احمر کہ تم اتنے بدل جاؤ گے۔ میری بات پر یقین تو کرنا دور کی بات
کے روادار بھی نہیں ہو۔ آخر آپ لوگ میری بے گناہی کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ بلا ثبوت
ذلیل کیوں کر رہے ہیں؟"

"دیکھو زنیرہ۔ اتنا ہی بہت ہے کہ اس گھر میں تمہیں اب بھی اس حق کے ساتھ ر
اجازت دے دی ہے۔ میں انسان ہوں فرشتہ نہیں ہوں۔ مجھ سے برائے مہربانی اب کوئی
مت رکھنا۔ نہ آئندہ اپنی پارسائی کا یقین دلانے کی کوشش کرنا۔ بلکہ ہو سکے تو میرے سا
مت آنا۔ میں بھی اس معاشرہ کا ویسا ہی مرد ہوں جیسے سب ہوتے ہیں۔ اس واقعہ نے ہ
عزت جتنی خراب کر ڈالی ہے میرا خیال ہے اتنا ہی بہت ہے ہمارے لیے۔ یہ اذیت ہی
ہے۔" اس کا لہجہ بے حد کڑوا اور سخت تھا وہ پلٹ کر کامن روم سے چلا گیا۔ اس کے آ
نئی آگ دہکا کر۔ وہ جانے کتنی دیر سلگتی رہی۔

ساری امیدیں دم توڑ چکی تھیں۔ اب ساری وضاحتیں، صراحتیں بے کار تھیں۔ یہ آ
کوشش تھی جو ٹوٹ کر اسے اندر سے خالی کر گئی۔

احمر کے جملے ہی نہیں اس کی آنکھوں میں چھائی حقارت آمیز نفرت، اس کے لہجے کا
پن، اس کے قدموں کو پیچھے ہٹانے اور تمام امیدوں کو توڑنے کے لیے کافی تھا۔

وہ ان سب کے لیے یکایک گندگی کا وہ ڈھیر بن چکی تھی جسے محض لوگوں کی وجہ سے اپنے
میں پناہ دینے پر مجبور تھے۔ وگرنہ وہ سب دل سے شاید یہی چاہ رہے تھے کہ اس سے یہ
چھین لیں یا گھر سے نکال دیں اپنے ہاتھوں سے زہر دے دیں۔

✪✫✪

سائیاں میرا درد گھٹا
سائیاں میرے زخم بجھا
سائیں میرے عیب مٹا
سائیاں کوئی نوید سنا
اتنے کالے موسم میں
سائیاں اپنا آپ دکھا
سائیاں میرے اچھے سائیاں
سائیاں میرے دولے سائیاں
سائیاں میرے پیارے سائیاں

کمرے کی چھوٹی سی کھڑکی میں کھڑی دیکھ تو باہر رہی تھی مگر اس کی سوچوں میں اس کی
عکس تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا اپنا مستقبل بادِ صرصر کی مانند دکھائی دے
بدترین حالات میں اس کے سامنے کسی بوسیدہ اور خوفناک لاش کی مانند پڑا دکھائی

چاند کا پورا گولا اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ اس پر نظریں مرکوز کیے کھڑی

جتنا بھی خوبصورت ہو اس کا داغ دیکھنے والی کسی بھی آنکھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔"
کی آواز سنائی دی۔ وہ اس کی پشت پر کھڑی تھیں۔ اس کی توجہ کے مرکز چاند پر نگاہ ڈال
کرسی پر جا کر بیٹھ گئیں۔

چاند کے پاس دل نہیں ہوتا۔ احساسات نہیں ہوتے، سوچ اور خیالات نہیں ہوتے،
اپنے داغ پر شرمسار ضرور ہوتا۔"

سے کھڑکی سے ہٹ گئی۔ وہ اسے اپنی نظروں میں پھر گرانے لگیں تھیں مگر باوجود
تحمل سے یہ کڑوے جملے سہ گئی، یہ اب معمول سا بن گیا تھا۔ صبح و شام اس گھر کے
لبوں سے نکلنے والے ایسے کئی نشتر وہ چپ چاپ اپنے دل میں اتار لیتی تھی بغیر احتجاج

اور فرزانہ باجی کی نظریں اس کے سراپا پر الجھ الجھ کر عجیب تاثر دیتیں۔ اس وقت اس کا
دل پھٹ جائے اور وہ اس میں دفن ہو جائے یا اچانک اس کا دھڑکتا دل رک جائے
نیند سو جائے۔

سوچتی ہوں زنیرہ کہ اب تمہارا مستقبل کیا ہوگا؟" وہ اپنے بستر کی چادر بچھانے لگی اور
اس کے ہاتھ سے چادر لے کر اسے گھورنے لگیں۔

تو شاید فکر بھی نہیں ہے مگر امی، ابو بے حد پریشان ہیں۔ تم نے ان کی راتوں کی
کی ہیں۔ پتا نہیں کس گناہ کی سزا میں تم ہمارے سروں پر مسلط کی گئی ہو۔ بہرحال
سوچنا نہیں ہے۔ تمہیں فکر ہو یا نہ ہو، ہمیں تو ہے۔ لوگ آ کر باتیں ہمیں سناتے
لیا ہے، تمہیں کون سی اپنی عزت کی پر......"

باجی۔" وہ رنج سے تڑخ گئی۔ "میں بہت احسان مند ہوں آپ سب کی، چچا جان کی،
مجھے سر ڈھانپنے کو یہ چھت دے رکھی ہے، بچپن سے لے کر اب تک ان کے تمام
بیچے ہی تو میں خود کو دبا ہوا محسوس کرتی ہوں۔ میں نے کب انکار کیا ہے ان کے

احسانات کا‘ مگر براہ مہربانی میری فکر نہ کریں۔ مجھے اس گھر کے ایک کونے میں پڑا رہنے دیں۔

”ہونہہ‘ اور لوگوں کی باتیں؟“ انہوں نے تمسخر سے اسے دیکھا۔

”لوگ باتیں کرتے ہیں تو لوگوں کو اس حادثے کے بارے میں چچی جان ہی بتاتی ہیں غیب سے علم نہیں ہوا تھا۔“

”ارے واہ.... کیا زبان چل رہی ہے‘ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔“

وہ اس کی بات پر غصے سے تپ گئیں۔ اس کا بولنا تو قیامت بن گیا۔

”امی کو کیا ضرورت پڑی ہے۔ اپنے منہ سے لوگوں کو بتاتی پھریں‘ یہ کون سی ڈھکی چھپی تھی‘ ہم اپنی عزت کو سنبھال کر رکھنے والے لوگ تھے۔ عزت کی یہ چادر تو تم نے خود اتار ڈالی اپنی بھی اور ہماری بھی۔ شکر کرو کہ امی اور میں نے ابو اور احمر کا غصہ سنبھال لیا ہے ورنہ وہ کا تمہیں قبر میں اتار دیتے۔“

”تو یہ اور بھی بڑا احسان ہوتا مجھ پر۔“ وہ بکھر ہی گئی۔ آج اس کے ضبط کا پیمانہ چھلکنے باوجود کوشش کے وہ سلگتی لکڑی کی طرح تڑخنے لگی تھی۔ آخر تیل بھی تو اس آگ پر مسلسل جا رہا تھا۔ شعلے بلند کیوں نہ ہوں گے۔

”زیادہ اکڑ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ شکر کرو ملک عاصم صاحب تم سے شادی کر تیار ہو گئے ہیں ورنہ کون پوچھتا اب تمہیں؟“

”دھڑ..... دھڑ.....“ اسے لگا جیسے فرزانہ باجی نے اسی کے سر پر ڈھیروں پتھر دیے ہوں اور وہ اس کے بوجھ اور سخت چوٹ سے سن سی رہ گئی ہو۔

وہ ملک صاحب جو چچا جان کی عمر سے بھی کچھ زیادہ تھے‘ جو اپنی ساری بہاریں گزار تھے۔ اپنی اور اپنی مرحومہ بیوی کی مشترکہ اولاد کے فرض سے سبکدوش ہو کر اب پاؤں پسار موت کی آہٹوں کے منتظر تھے۔ اس سے شادی کرنے کا احسان فرمانا چاہ رہے تھے۔

اس نے خوف سے تھرتھرا کر فرزانہ باجی کی طرف دیکھا‘ اسے رگوں میں اپنا لہو جمتا محسوس ہونے لگا۔ اس کے تصور کی سطح پر اسی بوڑھے کا چہرہ بننے اور مٹنے لگا۔

”مم..... مگر..... با۔“ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اسے لگا اس کی قوتِ گویائی اس سے سلب ہو کر رہ گئی ہے۔

”دو کمرے کا ٹھیک ٹھاک گھر ہے۔ شریف آدمی ہے اور کیا چاہیے۔ جانتے بوجھتے شادی پر حامی بھر رہا ہے۔ محض ابو کی پرانی دوستی کے واسطے‘ ہماری شرافت اور عزت کا بھرم کے لیے‘ یہ اس کی اعلیٰ ظرفی ہے اور تم جتنا احسان مانو کم ہے۔“

اس کے دل کی حالت سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر بھی اس کے ... گھونپ کر کمرے سے نکل گئیں اور وہ صوفے پر ڈھے گئی۔ جیسے پیروں کی طاقت زائل ... اس کے ذہن میں بے یقینی‘ خوف اور انتشار کی آندھی چلنے لگی تھی۔

... چچا جان مجھ پر اتنا بڑا ظلم کریں گے؟

... ناکردہ جرم کی اتنی کڑی سزا دیں گے؟ مجھے جیتے جی مار ڈالیں گے۔

... ہرگز نہیں۔“

... کا ذہن یکدم تپنے لگا۔

... میں بغاوت‘ اپنی مدافعت اور استحقاق کا لہو اچھلنے لگا۔ ظلم اور بربریت کی بھی انتہا ہوتی ... سب ظالم بن گئے ہیں تو وہ بھی اب اتنی مظلوم نہیں رہے گی کہ ان کی ظالمانہ فطرت ... ہوتی رہے۔ ”احتجاج میرا حق بنتا ہے‘ کیا حق رکھتے ہیں وہ کہ میری زندگی کو کھلم کھلا ... گھسیٹتے پھریں‘ مجھے لہو لہو رلائیں۔ میرے زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے ان کو ... رہیں۔“

... بکھری ان سب سے متنفر ہو گئی۔

... نہ جانے کب تک اپنی زخمی سوچوں سے اپنی بکھری ہمتوں کو مجتمع کرتی رہی۔ اپنے ... کا سلیقہ پیدا کرتی رہی‘ پھر چچا جان کے کمرے کی طرف بڑھی۔

... میں سناٹا بکھرا ہوا تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ سب اپنے اپنے کمرے میں محوِ ... بس چچا جان کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ چونکہ وہ دیر سے سونے کے عادی تھے۔

... کے آگے بڑھی مگر پردے پر اس کا ہاتھ کانپ کر رہ گیا۔ اندر سے آتی چچا جان کی آوازیں ... سے ٹکرانے لگی اور اس کی ہمت کی چادر کا پھر ٹانکا ٹانکا ٹوٹ گیا۔

... میں میرے فیصلے سے انکار کی جرات نہیں ہو سکتی۔ کیا میں نے اسے باپ بن کر نہیں ... باپ کا پیار اور ٹھنڈی چھاؤں نہیں دی؟ کیا وہ احسان فراموشی کرے گی میرے فیصلے ...؟“ وہ کمرے میں ٹہل رہے تھے ان کے قدموں میں دھمک تھی اور ماتھے پر کئی ...

”... ٹھیک ہے مگر‘ نہ مانی تب۔ اب مجھ سے اس گناہ کی پوٹ کو مزید نہیں سنبھالا جاتا۔ نہ ... سننے کا حوصلہ ہے جانے کس گناہ کی سزا ہے یہ لڑکی ہمارے لیے۔“ چچی کے زہر میں ... جیسی آواز ابھری اور اس کی روح تک زخمی ہو گئی۔

... کیا سمجھتی ہے ہم کوئی آسمان پر رہتے ہیں۔ ہم اسی معاشرے میں ان ہی لوگوں میں رہتے

ہیں، ہزار کڑوی کسیلی باتیں سننی پڑتی ہیں۔ اب اس کے لیے کوئی شہزادہ تو آنے سے رہا۔
جان کے لہجے میں تپش سی تھی۔

"یہی تو میں بھی کہتی ہوں۔ میں نے تو ماسی زرینہ سے بھی کہہ رکھا ہے مگر وہ تو توبہ تلا کر
کہتی ہے نہ بابا کس کے نصیب پھوٹے ہیں جو اس بے آبرو لڑکی کو بیاہنے آئیں گے۔ ارے
بڈھا یا بیمار ہی دیکھو وہ بھی کرلے تو بہت ہے۔" آدھے سے زیادہ جھوٹ چچی اپنی بات میں ڈ
کرتے ہوئے چچا جان کو مزید بھڑکانے لگیں۔

"آپ کا فیصلہ سولہ آنے درست ہے اور یہ ملک صاحب خدا اسے اجر دے سب کچھ جا
بوجھتے ہوئے بھی راضی ہیں۔ میں تو کہتی ہوں دیر نہ کریں اسی آئے جمعہ میں سادگی سے نکا
پڑھا کر اسے چلتا کریں۔ آپ کہہ بھی رہے تھے کہ وہ ساہیوال جا رہے ہیں مہینے کے آخر
اچھا ہوگا وہ ہماری نظروں سے دور ہو جائے اور بس سکھی رہے۔ یہی بہت ہے ہمارے۔
ہائے ہائے کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے۔" چچی یکدم ڈرامائی انداز میں رونے لگیں۔ "کیا کچھ نہ
تھا کہ اس بچی کو دھوم دھام سے وداع کروں گی۔ شہزادے جیسے لڑکے کو اس کا ہاتھ دوں گی
نصیب، ہم بھی مجبور ہو گئے اس کے کرتوتوں سے، ہمیں بھی تو اسی معاشرے، اسی خاندان،
محلے میں رہنا ہے۔ بس اب جلدی کریں تاکہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں۔"

اس طویل ڈرامائی سین نے چچا کے دل پر خاصا اثر کیا۔ وہ ہنکار بھر کے بیڈ کے کنارے
گئے۔

"میں صبح ہی اس سے بات کرتا ہوں۔"

"اے ہے، کیسی بات۔ اس سے پوچھیں گے تو کیا وہ سر جھکا دے گی۔" چچی نے منہ بگا
کہا۔

"میں نے کہا نا۔ وہ انکار نہیں کرسکتی۔"

"ارے آپ نہیں جانتے۔ بڑی خود سر اور احسان فراموش لڑکی ہے میری مانیں تو پو
رہنے دیں، ملک صاحب کو بسم اللہ کرکے ہاں کہہ دیں، اور اسی جمعے یہ نیک کام کرلیں۔ باقی
سنبھال لوں گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر، میں اس سے پہلے بات تو کرلوں۔ تاکہ میرے ضمیر پر بھی کسی قسم کا
نہ رہے۔" چچا جان کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولے تو چچی چپ رہ گئیں۔

ادھر زنیرہ الٹے قدموں اپنے کمرے میں آکر زور سے دروازہ بند کرکے گہرے گہرے سانس
لینے لگی۔ اس کی پیشانی یوں پسینے سے تر تھی جیسے اپنی سزا سن کر آئی ہو، سولی کو آنکھوں

ـت اور خوف سے اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔

ـی روح کی موت کا دن، اور روح مرجائے تو جسم صرف بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ اٹھائے
ـی کی روح کی... بہت بڑا عذاب ہے اور وہ کسی ایسے سخت عذاب سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔
ـرنا خود بہت بڑا عذاب ہے اور وہ کسی ایسے سخت عذاب سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔
نہیں۔ وہ اتنی بڑی شکست قبول نہیں کرے گی اپنے ہاتھوں اپنی روح کا قتل نہیں کرے

زندہ رہنا چاہتی ہے زندوں کی طرح اور یہ اس کا حق بھی تھا۔ بھلا وہ سب اس سے اس کا
چھیننے والے کون تھے۔ اس کے اندر بغاوت کے شعلے بلند ہونے لگے۔
ـے ان سبھوں سے یکدم بے تحاشا نفرت اور کراہیت محسوس ہونے لگی۔ ان در و دیوار
ـوف اور وحشت ہونے لگی جو اس کے لیے قید خانہ تھا۔ جہاں اس کی روح کو، اس کے دل
ـے جسم کو روندا جا رہا تھا۔
نہیں۔ وہ اب مزید اپنی ذات پر ظلم نہیں ہونے دے گی۔ نہ ملک صاحب جیسے بوڑھے کا
ـلے کر بے موت مرے گی۔
ـے چچا جان کا یہ عظیم احسان بھی قبول نہیں تھا۔ وہ احسان فراموش سمجھی جائے تو سمجھی
ـے۔

اس کے دماغ میں کھولن ہونے لگی۔ اس کا دل دھڑ دھڑ جلتا رہا۔
ـح جب چچا جان نے اس کے کمرے میں آکر اس سے پوچھا تو وہ دیوار پر لگی کلاک پر نظریں
ـے اپنے اعتماد کو سنبھالتے ہوئے بول اٹھی۔
"سوری چچا جان۔ میں انسان ہوں، جیتی جاگتی لڑکی، کوئی مجسمہ نہیں کہ اب کہیں نہیں سج
ـے کھنڈر میں ڈال دیا جائے۔ کسی قید خانے میں یا اسٹور میں پھینک دیا جائے۔" یہ اس کا
ـکار چچا جان کو لمحہ بھر کے لیے بھونچکا گیا۔ دروازے کے پاس کھڑی چچی تلملا کر رہ گئیں۔
"تمہارے خیال میں، میں تمہیں پھینک رہا ہوں۔" چچا جان نے اسے گھور کر دیکھا۔
"آپ بہتر سمجھتے ہیں۔" اس نے پلکیں اٹھا کر پھر جھکا دیں۔
"تمہیں پتا ہے لوگ کیا باتیں کرتے ہیں اور یہ ساری باتیں ہمیں سننا پڑتی ہیں۔"
"لوگوں کی باتوں سے تنگ ہیں تو پھر آپ مجھے قتل کر دیجیے۔ یقین کریں میں اف تک نہیں
ـا مگر ایسی موت نہ دیں کہ مر بھی نہ سکوں اور جی بھی نہ سکوں۔" وہ احتجاجاً بولی تو گویا چچا

جان پھٹ پڑے بھلا انہیں زنیرہ سے انکار کی توقع کب تھی۔

"تم.... تم اتنی خود سر ہو گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔" وہ جھٹکے سے کرسی سے کھڑے ہو گئے ان کا چہرہ تن گیا۔ "تمہاری چچی ٹھیک کہتی ہیں کہ ہمیں ابھی تک اس بات کا ٹھیک سے یقین نہیں کہ آیا واقعی یہ حادثہ ہی ہے یا تم.... تم خود اپنی مرضی سے گئی تھیں۔" انہوں نے انگارہ سا اس پر ڈالی تو وہ اس جملے کی لپیٹ میں تھرا کر رہ گئی۔

"بھلا ایسا کب ہوا ہے کہ کوئی دروازہ بجا کر کھولنے والی لڑکیوں کو یوں اٹھا کر لے جائے اور پھر واپس بھی چھوڑ جائے' اس پر مستزاد تم ان کو مہذب بتاتی ہو اور کہتی ہو تمہیں انہوں نے چھو تک نہیں کیا احمق سمجھ رکھا ہے ہمیں؟" وہ شعلے اگلنے لگے۔ زنیرہ کے کھلے انکار نے انہیں چراغ پا کر دیا تھا۔

"کوئی اور لڑکی ہوتی تو' ایسے حالات میں وہ کسی بھی قسم کے فیصلے پر سر جھکا دیتی۔ اگر ان لڑکوں سے تمہارا کسی قسم کا تعلق...."

"چچا جان...... پلیز...... پلیز چچا جان۔" وہ ضبط کی انتہا کو چھوتے ہوئے لوٹنے لگی۔ اسے لگا اس کا سر پھٹ جائے گا۔

چچا جان ایک دو لمحے اسے غصے سے دیکھتے رہے پھر ترخ کر بولے۔

"کان کھول کر سن لو زنیرہ۔ اگر تمہیں اس گھر میں رہنا ہے تو ہمارا مان بھی رکھنا ہوگا۔ یہ خود سری ایک طرف ڈال کر۔ اسی رشتے پر سر جھکانا ہوگا۔"

وہ یہ کہہ کر رکے نہیں اور سرعت سے کمرے سے نکل گئے۔ چچی بھی ایک حقارت بھری نفرت آمیز نظر اس پر ڈال کر چلی گئیں۔ وہ اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر فرش پر بیٹھ گئی۔

"یہ چچا جان تھے؟" اس کے اپنے' سگے اس کا یقین ان رشتوں سے اٹھنے لگا۔ اتنا رکیک اتنا گھٹیا الزام لگایا تھا اس کے وجود پر کہ وہ بپھر اٹھی۔

تو گویا وہ فاحشہ تھی ان کی نظروں میں۔

"اچھا ہوا چچا جان کہ آج وہ سارے نقاب الٹ گئے۔ وہ سارے پردے ہٹ گئے جو میری نظروں کے آگے اب بھی تھے۔

اچھا ہوا اس تند سیلاب میں میری ساری خوش فہمیاں بہہ گئیں۔ میری ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔

اب میں کھل کر اپنی مدافعت کر سکتی ہوں۔ اب مجھے اپنا سہارا خود بننا ہے۔

اس کی سوچوں میں کھولن کے ساتھ نیا رنگ اترنے لگا۔ لہو میں نیا عزم چٹخنے لگا۔

زندہ رہنے کی وحشی تمنائیں جاگ اٹھیں۔

چچی کی آوازیں گاہے بگاہے اٹھ رہی تھیں۔ وہ زور زور سے بول رہی تھیں۔ مقصد اسی کو سنانا تھا۔

"میں کہتی ہوں آپ ملک صاحب کو ہاں کہہ دیں جا کر۔ دیکھتی ہوں میں بھی کیسے انکار کرتی ہے۔ ارے انکار کرے گی تو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دوں گی۔"

برتنوں کے اٹھا پٹخ کے ساتھ ان کی کڑوی کسیلی آواز کانوں میں زہر کی طرح ٹپکتی رہی۔

اس کے لبوں پر مجروح مسکراہٹ بکھر بکھر جاتی رہی۔ اتنی ذلیل' اتنی بے غیرت تو میں بھی نہیں ہوں چچی جان کہ آپ کے ہاتھوں دھکے کھانے کی منتظر رہوں گی۔ یہی ہزیمت بہت ہے۔ یہ جو بہت سے الزامات کے نشتر ہی بہت ہیں۔ یہ ساری باتیں ہی بہت ہیں جو میری سماعتوں نے سنی ہیں اور دکھ بن کر رگوں میں دوڑتی پھرتی ہیں۔

دوسری صبح اس کے لیے ایک بالکل نئی صبح تھی۔ ملگجی روشنی میں اذان کی آواز کے ساتھ وہ اٹھ کر اس رب العزت کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی جو اصل خالق و مالک ہے۔ جو اس کی پناہ تھا اس کا نگہبان تھا جو اصل سہارا تھا بے سہاروں کا۔

جو اس کے دل کا حال جانتا تھا۔

اس کی پارسائی اس کے دامن کی پاک بازی کا گواہ تھا۔

وہ گڑگڑا کر اس کی رحمت کی چادر میں سر ڈھانپا رہنے کی دعا مانگتی رہی پھر چھوٹے سے بیگ کو کندھے پر ڈال کر چادر میں چہرہ چھپا کر اس چوکھٹ کو پار کر گئی۔ جسے چھوڑتے ہوئے اس کے دل میں صرف خوف تھا' کوئی پچھتاوا نہیں۔

باہر کی دنیا اس کے لیے بالکل ناآشنا تھی' ہر مقام پر اجنبیت تھی' مگر یہ اجنبیت اس حبس زدہ ماحول سے اسے غنیمت محسوس ہو رہی تھی۔ کم از کم وہ آزادانہ سانس تو بھر سکتی تھی۔

وہ جانتی تھی اس کی کوئی منزل نہیں ہے مگر بہر کیف کہیں تو اسے ٹھہرنا ہی تھا۔ کہیں تو رکنا تھا اور جب ریل سے اتری تو یہ وہی شہر تھا کچھ مانوس کچھ اجنبی......

اس کے لبوں پر ایک ایسی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس کے قدم ٹھٹکے بھی۔

خوف نے بار بار دامن تھاما مگر پھر ایک مہربان' انجان ہاتھ نے اسے اپنائیت سے تھام لیا۔

بہرحال اسے کسی پر تو اعتماد کرنا تھا اور اس نے شہلا نواز پر اعتماد کر لیا۔

○☆○

"پتا نہیں، جب میں مطمئن اور خوش ہونے لگتی ہوں تو میری زندگی میں کہیں سے ناخوشی کیوں آ جاتی ہے۔ حالات عجیب بے اطمینانی پیدا کر دیتے ہیں۔ کیا میرے ساتھ ہی ایسا ہونا ہے۔" اس کا سر سدرہ بھابی کے شانے پر تھا جسے ان کا ہاتھ ہولے ہولے تھپک رہا تھا۔

وہ اپنی کتاب زندگی کا ورق ورق ان کے سامنے آج کھولے بیٹھی تھی۔ جیسے کوئی اپنا دل کھول کر رکھ دے۔

"مجھے تو سب فریب لگتا ہے اچھے دنوں کا خیال، سراب لگتی ہے اپنی ذات، اپنا وجود۔"

بھابی نے نرمی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں حزن ہی حزن تھا اور چہرے پر پژمردگی۔

اس کے بال کالی مخمل کی طرح اس کے شانوں سے پھسلتے کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ صوفے سے کھڑی ہو گئی۔ تب اچانک بھابی کے ساتھ اس کی نظریں بھی دروازے پر استادہ شاہ دل پر پڑیں جو ابھی آیا تھا یا جانے کب سے یہیں کھڑا تھا۔ زنیرہ علی کے لبوں سے ادا ہونے والے لفظ لفظ کو سنتا رہا تھا۔

دونوں کی نظریں ملیں تو ایک تکلیف دہ رنگ زنیرہ کے چہرے کو چھو گیا۔ اس نے رخ موڑ لیا۔

شاہ دل کی بھوری آنکھوں میں ندامت، تشکر اور الجھن کے مشترکہ تاثرات تھے۔ اس نے اس پوری کہانی میں اس کا نام اس کی ذات کو مخفی رکھ کر کوئی احسان کیا تھا یا نادانستہ بھول گئی تھی۔ بہرحال وہ اپنے دل میں ندامت محسوس کر رہا تھا۔

اس کی رگوں میں کوئی چیز کاٹنے لگی تھی۔

"زنی۔" بھابی نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کچھ کہنا چاہا کہ وہ یکدم ان سے الگ ہوئی اور پلٹ کر تیزی سے دروازے سے نکل بھاگی۔

"زنیرہ۔" بھابی گھبرا کر اس کے پیچھے لپکیں، مگر شاہ دل ان کی راہ میں کھڑا ہو گیا۔

"شاہ! میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی سی عمر میں زنیرہ نے اتنے غم اٹھائے ہیں۔ میرے اللہ۔ کیسے دکھ شیئر کریں ہم اس کا؟" انہوں نے شاہ دل کو دیکھا جو اپنے سرخ ہونٹ دانتوں میں دبائے اذیت کی لہروں سے نمٹ رہا تھا۔

احساسِ جرم اس کے دماغ پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ اس کی روح کو جیسے گرم گرم سلاخوں سے داغا جا رہا ہو، وہ یوں اندر ہی اندر بکھر اور سمٹ رہا تھا۔

پھر کچھ کہنے کو لب وا کیے مگر پھر بھینچ گئے۔ بھابی اس کے اندرونی خلفشار سے بے خبر کہہ رہی

"میرا دل چاہتا ہے شاہ دل میں ان ذلیل لڑکوں کو ایسی اذیت ناک سزا دوں کہ وہ مر بھی نہ
سکیں اور زندہ بھی نہ کہلائیں۔ اپنے کھیل میں انہوں نے ایک لڑکی کو کس بری طرح بے آبرو کیا
گھرے بے گھر کیا ہے۔"

اس نے اضطرابی انداز میں مٹھیاں بھینچ لیں، اور اپنی سرخ آنکھیں جھکا دیں۔

"کیا پتا وہ لڑکے بھی احساسِ گناہ میں گرفتار ہوں۔" اس کی آواز بڑی دھیمی سی تھی۔

"کوئی نہیں ہوتے اور بالفرض ہوں بھی تو اس سے زنیرہ کو کیا فائدہ ہو گا۔ اس نے جو دکھ
اٹھائے ہیں اس کا ازالہ کیا ممکن ہے؟" وہ بوجھل قدموں سے زنیرہ کا رنج دل پر لیے باہر نکل
گیا۔

وہ لان کی سیڑھیوں پر گھٹنوں پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ پانی میں گلوکوز ملا کر اس کے پاس چلی
آئی۔

○☆○

شہر ہوتا تو نئے روز تماشے ہوتے
آگیا راس ہم کو دل کا بیاباں ہونا

جو گزشتہ تھے وہ آئندہ نہیں
اور آئندہ کبھی پایا نہیں
کچھ اگر پایا تو فقط تو رائیگاں جانے کا دکھ

وہ گلوکوز کی ڈرپ کو بنجر آنکھوں سے تک رہی تھی۔

ٹپ.....ٹپ.....ٹپ۔

پلاسٹک کی نلکی سے قطرہ قطرہ بہتا گلوکوز نوکدار نیڈل کے ذریعے اس کی رگوں میں اتر رہا
اسے عارضی توانائی دی جانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس نے جب آنکھیں کھولی تو
بہا ہوا دل منہ سے آزاد ہوتی سانسیں اسے یہ باور کرا رہی تھیں کہ وہ زندہ ہے۔ نہ چاہنے
کے باوجود اس کی سانس کی ڈوری اس کے جسم سے بندھی ہوئی ہے، مگر محض سانس کی ڈوری کا
اس سے بندھا رہنا زندہ رہنا تو نہ ہوا۔

"یہ موتا۔" اس نے جلتے لب کو دانتوں میں دبا لیے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس کی آپی زندہ ہے،
اس کی رگوں میں قطرہ قطرہ ٹپکنے والا رس اسے توانا کر دے گا۔ اسے زندگی عطا کر دے گا۔ اسے

کیا پتا تھا کچھ لوگ چپ چاپ مرجاتے ہیں۔ اندر ہی اندر اپنی قبر بنا کر' یا پھر عمر بھر اپنا لاشہ خود ہی اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔

ایسے انسان کے جینے پر ذرا غور تو کر
جیتے رہنے کی تمنا میں جو مر جاتا ہے

"آپا۔" مونا کے ہاتھ کا لمس وہ اپنے ماتھے پر محسوس کرنے لگی۔ "کیا جاگ رہی ہو آپا؟" اس کی مٹھاس بھری آواز اس کی سماعت پر نرم پھوار کی مانند گری۔

اس کا دل چاہا وہ آنکھیں نہ کھولے اور یونہی پڑی رہے۔ وہ اس کا سر سہلاتی رہے۔

"ہوں۔" اس نے آنکھیں کھول کر اپنے اوپر جھکی بہن کا اپنائیت بھرا چہرہ دیکھا تو سوکھے پپڑی زدہ لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھوٹ گئی۔

"میں بہت خفا ہوں آپ سے۔ بہت زیادہ۔" اسے مکمل جاگتے پا کر وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

شہلا ہولے سے ہنس دی۔ مونا بیڈ کی سفید چادر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے ناراضگی سے دیکھ رہی تھی' مگر اس ناراضگی میں پیار تھا۔ اپنائیت تھی۔

"پتا نہیں کیوں عادت سی ہو گئی ہے یہ مجھے ہر ایک کو ناراض کرنے کی۔ مونی۔ پلیز تم روٹھنا نہیں' مجھے ناراض ہونے والوں کو منانا نہیں آتا' مجھے اپنوں کی ناراضگی دور کرنے کا سلیقہ بالکل نہیں ہے۔" اس نے ایک لمحے جلتی آنکھیں موند لیں۔ تصور میں سکندر' منی آپا' امی' ابو سب کے چہرے بنے اور مٹ گئے۔ آہ۔ کسی کی بھی تو ناراضگی دور نہ کر سکی تھی۔

"مونا۔ میں نے بے چاری زنیرہ کو بھی ہمیشہ خفا ہی کیا۔ زینی' ارے۔ مونا وہ زنیرہ کا کیا حال ہے؟ مجھے یوں گم پا کر وہ تو دیوانی ہو گئی ہو گی رو..... رو کر پاگل ہو گئی ہو گی؟" اس کا دھیان اچانک زنیرہ کی طرف گیا۔

مونا ایک دو لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر سر ہلا کر بولی۔

"میں اسے اطلاع کر دوں گی۔ آپ فکر نہ کریں' مگر پہلے یہ بتائیں کہ آپ اتنی تیز بارش میں پیدل کہاں جا رہی تھیں اور کیوں۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کیوں اپنی دشمن ہو گئی ہیں۔ کبھی آئینے دیکھا ہے آپ نے' اپنا چہرہ دیکھا ہے۔ میرے خدا۔ آپ کی کنڈیشن دیکھ کر شکیل کتنے پریشان ہیں۔"

وہ چت پڑی کمرے کی چھت کو گھورتی رہی' جیسے مونا کی بات سنی ہی نہیں۔

"میں اب آپ کو خود سے جدا نہیں کروں گی آپا۔ میں شکیل کو سچ سچ بتاؤں گی کہ"

"خبردار۔" اس نے یکدم مشتعل ہو کر اسے گھورا۔ مونا بے بسی سے لب چبا کر دل گرفتگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ حماقت ہرگز مت کرنا۔ کچھ بتایا تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔ میں نے آپ کو آپی' آپی کہہ کر پکارا تھا نا گاڑی سے تو انہوں نے پوچھا میں نے کہا یہ بہن ہے میری' مگر اس وقت شاید انہوں نے دھیان نہیں دیا۔ ہم دونوں آپ کو سڑک پر دیکھ کر پریشان ہو کر گاڑی سے اترے تھے نا..... میرے خدا۔ اگر..... اگر اس وقت میں نہ آتی تو آپ سڑک پر یونہی پانی میں پڑی رہتیں۔ دیکھا تھا وہاں کتنا سناٹا تھا۔" مونا وہ منظر یاد کر کے پھر جھری لے کر رو دی۔ "بس آپ لاکھ منع کریں میں منی آپا کو ضرور اطلاع کروں گی۔"

"مونا..... مونا خدا کے لیے۔" وہ غصے سے تھرا اٹھی۔ اس کی رگ رگ میں جیسے کند چھریاں سی پھرنے لگیں۔

"آخر آپ ان سے ملنا کیوں نہیں چاہتیں۔ منی آپا بہن ہیں آپ کی۔"

مونا کی بات پر اس نے گھائل نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"یقین کریں آپی۔ وہ آپ کو دیکھ کر۔ آپ سے مل کر کتنی خوش ہوں گی۔ مجھ سے زیادہ آپ یقین کریں۔" مونا اس کا ہاتھ تھپک کر اصرار کرنے لگی۔

"میں جانتی ہوں' مگر تم یہ نہیں جان سکو گی۔ کچھ خوشیاں جھولی میں گرتی بھی ہیں مگر..... ہم انہیں پا کر خوش نہیں ہو سکتے۔ نہیں مونا' شاید ہم دونوں کی خوشیاں بڑی مہنگی پڑیں گی۔ پلیز تم یہ موضوع ہی بند رہنے دو۔ کیا فائدہ۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

مونا کا شوہر۔ ڈاکٹر شکیل ہمایوں نرس کے ہمراہ اس پرائیویٹ کمرے میں داخل ہوا تھا جہاں کل شام سے شہلا نواز کو رکھا گیا تھا۔

"جی تو ہماری وائف کی مریضہ کا کیا حال ہے؟" وہ دوستانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوا اور نرس سے چارٹ لیتے ہوئے شہلا کو دیکھا۔

"آپ ہماری وائف کی مریضہ ہی ہیں بھئی وہ تو کل رات سے رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں۔ آپ کو ہوش میں آتا دیکھ کر انہوں نے دم لیا ہے۔ بڑی پرانی اور خصوصی رشتہ داری معلوم ہوتی ہے۔" اس نے سادہ سے مسکراتے لہجے میں ایک فطری تجسس بھی جھلک رہا تھا۔

"ہاں بہت خصوصی اور قریبی تعلق ہے میرا اس سے۔ پتا ہے شکیل یہ کون ہے میری؟" وہ ایک جذب سے اپنے شوہر کی طرف پلٹی اور جیسے شہلا کو اپنا خون رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔ وہ پاگل پن میں کیا کرنے چلی تھی۔ اپنی ہنستی بستی زندگی میں اس کے کردار کی گندگی کے چھینٹے

گرا کرا پنے آپ کو تباہ و برباد کرنا چاہ رہی تھی۔

بے وقوف۔

پاگل۔

مگر نہیں۔ وہ خود تو زمانہ شناس ہے۔ مونا لاکھ احمق عورت اور معصوم بچی سی ہے۔

"بھئی میں کیسے جان سکتا ہوں تم تعارف کراؤ گی تو پہچانیں گے۔" شکیل ہمایوں نے بڑی پیار بھری نظر اپنی کم سن بیوی پر ڈالی اور جھک کر شہلا کا بلڈ پریشر چیک کرنے لگا۔

"میں مونا کی بچپن کی سہیلی ہوں۔ یوں سمجھئے کہ بہن کی طرح ہوں۔" وہ مونا کے لب کھولنے سے پہلے ہی بول اٹھی۔ "اس کی امی نے ہی مجھے پالا تھا۔ ابو کے تنہا ہونے اور ملک سے باہر رہنے کی صورت میں میں کئی سال ان کے گھر ان کی بیٹی اور ان کی بہن بن کر رہی ہوں۔" اس نے نہایت اطمینان سے مونا کے شوہر کو اپنا تعارف کرا دیا۔

ادھر مونا دانتوں میں لب جکڑے کرب سے شہلا کو دیکھتی رہ گئی۔ اس کا دل پہلو میں اذیت سے دو چار دھڑکتا رہ گیا۔

"بہت ضدی ہو آپی۔ بے حد ضدی۔" اس کا چہرہ رنج سے بھر گیا۔

"اوہو۔ اس ناتے تو آپ میری سالی ہوئیں۔"

"جی بالکل۔" شہلا شگفتگی سے ہنسی۔

"یعنی خدا نے بیٹھے بٹھائے دوسری سالی کو بھی بھیج دیا۔ چلیں یہ نیا رشتہ مبارک ہو۔" ڈاکٹر شکیل ہمایوں خاصے بذلہ سنج اور خوش دل انسان تھے۔ شہلا اسے دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکی۔ مونا بھی جبراً لبوں پر پھیکی مسکراہٹ سجا کر رہ گئی۔

"ویسے شہلا۔ یہ کیا حرکت کی آپ نے۔ اتنی تیز بارش میں یوں تنہا پیدل گھر سے نکل آئیں۔ کیا گھر والوں سے جھگڑا وگڑا ہو گیا تھا؟" وہ اس کا معائنہ کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"بس' آؤٹنگ کا شوق باہر لے آیا۔ یوں سمجھ لیں کہ میرے دماغ کے کچھ اسکرو ڈھیلے ہیں۔" وہ مسکراہٹ کے ساتھ بات ٹال گئی۔

"اس کا مطلب ہے اب علاج کے ساتھ ساتھ اسکرو بھی ٹائٹ کرنے ہوں گے۔ کیوں مونا؟" اور مونا ہلکے سے ہنس دی۔

ڈاکٹر شکیل ہمایوں کے جاتے ہی مونا بڑی پُرشکوہ نظروں سے شہلا کو دیکھنے لگی مگر اس نے آنکھیں موند کر کروٹ بدل لی۔

ٹھیک ہے آپی' تم اپنی سی کر لو' میں بھی آپ ہی کی بہن ہوں۔" وہ اس پر جھک کر ناراضگی سے بولی اور اس کے جسم پر چادر ٹھیک کر کے جانے لگی۔

"مونا۔" اس کے لہجے میں بڑی بے چارگی تھی۔ "مجھے سوچنے دو۔ پلیز مونا' مجھے کچھ وقت دو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں سوچنے والی کون سی بات ہے۔ وہ بہن ہے آپ کی۔ بہت زیادہ وہ آپ سے محبت کرتی ہیں۔ انہیں خبر ہو گی تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔ دیکھئے نا آپ۔ وہ دوڑیں چلی آئیں گی۔ بس صرف ایک فون ہی تو کھڑکانا ہے۔" مونا کے لہجے میں التجا تھی جبکہ شہلا چت لیٹ کر چھت پر نظریں گاڑتے ہوئے آزردہ سی ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ہمدرد' شفیق منی آپا کے تصور کے ساتھ سکندر کا چہرہ بھی ابھر آتا اور وہ اس چہرے کو دیکھنے کو جتنی بے تاب تھی اتنی ہی خوف زدہ۔ کیسے سامنا کرے گی وہ۔ سکندر کا؟ منی آپا کا اور ان دونوں کے ساتھ ساتھ اس کے سامنے کھڑے ہوں گے' ایک مضبوط اور خوبصورت رشتے میں بندھے۔ کیا اس کا دل اتنا بڑا طوفان سہہ سکے گا؟

"نہیں..... نہیں۔" اس نے آنکھیں زور سے میچ لیں۔ بے نام سی اذیت اس کی رگ رگ میں اترنے لگی۔

"مونا! زیرہ کو ضرور خبر کر دینا۔ وہ بہت پاگل لڑکی ہے رُو رُو کر خود کو ہلکان کر چکی ہو گی۔ سنو اور منی آپا کے ہاں اگر وہ نہ ملے تو شاہ پیلس میں اطلاع کر دینا۔ وہ بے وقوف میری گم شدگی پر وہاں ضرور پہنچی ہو گی۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ شاہ پیلس والے۔" اس کی آواز دھیمی ہونے لگی۔ اس پر غنودگی کا غلبہ ہونے لگا۔ مونا بے آواز کمرے سے باہر نکل گئی۔

○☆○

زوہیب کو اپنے چھوٹے سے باغیچے میں داخل ہوتے اور بینچ پر بیٹھتے دیکھ کر ماریا کا دل ایک انوکھی خوشی سے معمور ہو گیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی چمک اور بھی بڑھ گئی۔

"میں ابھی آئی۔" وہ چھپاک سے گھر کے اندر چلی گئی جب کچھ دیر بعد لوٹی تو اس کے ہاتھ میں مشروب کے دو گلاس تھے جو ٹرے میں نفاست سے دھرے تھے۔

"میرا خیال ہے تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔" اس کا انگلش لہجہ بڑا سادہ مگر پرجوش ہوا کرتا تھا۔ اس کی آواز گو کہ عام عورت جیسی تھی مگر اس میں

"کیا پاکستان سے فون آیا تھا؟" وہ اسے مسلسل خاموش سا بس مشروب کی چسکیاں لیتے دیکھ

کر بولی تو غالب کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارا خیال ہے۔ میری تھکن کا سبب پاکستان سے آنے والی کالز ہی ہو سکتی ہیں۔"

غالب کے اس سوال پر وہ زور سے ہنسی، پھر چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھیں غالب کے چہرے پر ٹکاتے ہوئے بولیں۔

"عموماً ایسا ہی کچھ دیکھا ہے میں نے۔"

غالب نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا، تو کیا وہ اب اتنا کمزور ہو گیا ہے اس کا ہر ہر جذبہ تشہیر بن رہا ہے۔ ماریا کیا تھی محض اس کی پڑوسی لڑکی، جس سے ہیلو ہائے تک کی راہ رسم تھی اور وہ اسے اتنا جان گئی تھی۔

"تمہارے چہرے پر آج وہ رنگ بکھرا ہے غالب جیسے بہت کچھ کھو گیا ہو۔ کوئی قیمتی چھن گئی ہو۔" وہ یکدم سنجیدہ ہو گئی۔ "ایک سال پہلے میرے چہرے پر بھی ایسا ہی رنگ تھا۔" وہ مشروب کے بلوریں گلاس کے کنارے پر انگلی پھیرنے لگی۔ "کتنی عجیب بات ہے اپنے ہاتھوں سے اپنی ہنسی کھو دیتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں۔ پہلے ہی سوچ سمجھ کر قدم کیوں نہیں اٹھاتے۔ ہمیشہ ان راستوں کی طرف بھاگتے ہیں جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ بس رک ہیں اور اس میں سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں بڑی یاسیت تھی۔ ایک محرومی چیخ رہی تھی، مگر غالب تو اس کے جملوں گم تھا، پھر یکدم سنبھل کر زور سے ہنسا۔ یوں جیسے اپنے اندر سمٹتے اداسی کے خول کو توڑنے کی کوشش کی ہو۔

"اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہم پھر بھی سبق لینے کو تیار نہیں ہوتے۔ شاید اس لیے کہ لمحات خوشی سے جو کاٹے ہوتے ہیں وہ عمر بھر کی اذیت پر حاوی رہتے ہیں یا پھر اس اذیت میں دلکشی ہے اور جہاں تک سوچ سمجھ کر راستوں کے تعین کی بات ہے تو ماریا یہاں ذہن نہیں بس چلتا ہے۔ ایک پاکستانی فیمس شاعر کا ایک شعر ہے کہ۔

کون سی چیز دل کے بس میں نہیں
دل مگر اپنی دسترس میں نہیں

غالب نے شعر بھی اسے شستہ انگریزی میں سنایا، تو ماریا محظوظ ہو کر ہنسنے لگی۔

"مجھے "لن تانگ" کی نظم کا مصرع یاد آ رہا ہے۔" اس نے اپنے کھلے شانے پر لہراتے سیاہ بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا۔

"پھر مصرع ذہن میں لاتے ہوئے ترنگ میں بولی۔

ہوائے بہار چلتی ہے تو دل کی کلی بھی کھلنے کو بے تاب ہو جاتی ہے۔ ہے نا ایسا ہی کہ
کر ذرا سا مسکرائی۔ "جب بہار چلتی ہے تو پھر یونہی بدمست کر دیتی ہے ورنہ ہر کلی یہ
بنے کہ اسے صبح پھول بننا ہے تو رات کو پتی پتی بکھر جانا ہے تو یہ بہار کا کرشمہ
بے دست و پا کر دیتی ہے۔ لمحاتی خوشی سے بدمست کر دیتی ہے۔" وہ یہ کہہ کر غالب
لگی جیسے اسے دیکھنے کے علاوہ اسے اب کوئی کام ہی نہ ہو۔ غالب مشروب کا خالی
میں رکھتے ہوئے چونک سا گیا۔

آنکھوں میں جانے کیا تھا اسے فوراً سنبھلنا پڑا۔

نادان یا کم سن نہیں تھا کہ آنکھوں کے بدلتے رنگ نہ پہچانے، وہ جذبے نہ پہچانے جو
پرست رنگوں کی طرح بکھر کر آنکھوں سے روشنی بن کر پھوٹنے لگتے ہیں۔ اس کا
ایسے ہی رنگوں میں الجھ چکا تھا۔ اس کا دل خالی کب تھا۔ وہاں تو سائرہ مظفر کی یادوں

منظروں کا۔

ہنسی کا، اس کے آنسو، اس کی باتوں کے رنگوں کا میلا سا لگا تھا۔

ست رنگ جذبوں کی روشنی میں پہلے ہی گم ہو کر ان اندھیروں میں آیا تھا مگر یہ
اس کے لیے اب کسی بھی نئی روشنی سے زیادہ عزیز تھے۔

یو ماریا۔ مشروب واقعی اچھا تھا۔" وہ خوش دلی سے ہنسا اور زانوں پر ہاتھوں کا وزن
اٹھ گیا۔

بولا۔" اسے اٹھتے دیکھ کر ماریا کا چہرہ بجھ گیا۔

ماریا۔ کچھ ضروری کام ہے پھر کبھی سہی۔" اس نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر
نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جہاں بڑی بے چارگی تھی۔

خواہش تھی تم میرے ساتھ کوئن (پارک) چلتے آج شام۔"

اچھا لڑکا ہے تم اپنی ماما کی بات مان کیوں نہیں لیتیں؟" وہ اس کی بات کو نظر انداز
کا چھوٹا سا باغیچہ عبور کرتے ہوئے بولا۔ وہ اس کے ہمراہ چل رہی تھی۔ اسی غیر
بنگلے کو تھام کر رک گئی۔ غالب نے پلٹ کر اس پر ایک نظر ڈالی۔

تمہاری ہم مذہب فیملیز بہت کم ہیں، اور مائیکل تو تمہارے خاندان سے بہت قریبی
رکھتا ہے۔ تمہیں پسند بھی کرتا ہے۔"

تو مجھے رابرٹ بھی کرتا تھا اور میری چوائس تھا مگر..." ماریا کے سینے سے ایک گہری

سانس خارج ہو گئی "مسٹر غالب! مغرب کی طرح یہاں کی آب و ہوا میں بھی بے وفائی جنم لے
رہی ہے۔ ہمارے مرد عورتوں کو صرف وقت گزاری اور لمحات کو رنگین بنانے کے لیے استعمال
کرتے ہیں۔ وہ عورت کو عورت نہیں اپنے نفس کو تسکین کا سامان سمجھتے ہیں۔ مجھے نفرت ہے
مائیکل سے بلکہ میرے مذہب کے تمام لڑکوں سے۔ وہ اچھی لڑکی کو شہد سمجھ کر مکھی بن کر لوٹ
آتے ہیں۔ عورت ان کی نظر میں پرفیوم کی بوتل ہے جسے وہ سارا انڈیل لینا چاہتے ہیں' ایک
وقت میں اپنے جسموں پر' اور جب ان کی خوشبو سے خود پور پور مہک جائیں تب وہ خالی بوتل کی
طرح اس عورت کو بھی کوڑے دان میں ڈال کر چل دیتے ہیں۔" اس کا لہجے میں بلا کا تلاطم تھا
وہ اپنے' ہونٹ دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔

"غالب! تم ایک لڑکی کے لیے اتنے اداس ہو مگر ہمارے یہاں کسی کے ہجر و فراق میں
احمقانہ فعل تصور کیا جاتا ہے۔ ایک چھوڑ ہزار مل جائیں کے مصداق بس لمحوں میں اپنی اداس
لبادہ اتار پھینکتے ہیں۔" وہ سر اٹھا کر ایک میٹھی سی مسکراہٹ سے غالب کو دیکھنے لگی۔

"کیا وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے جس نے تم جیسے مکمل مرد کو اتنا ڈسٹرب کر رکھا ہے!
اسیر کر رکھا ہے کہ تم کسی دوسری لڑکی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے؟" اس
جملہ بڑا اچانک تھا' غالب لمحہ بھر گڑبڑا گیا' کیا کچھ نہیں تھا ان سیاہ گھور اور چمکتی آنکھوں میں۔

شکوہ!

اداسی!

رنج!

شکست!

اس نے ایک گہری سانس لے کر نگاہیں سڑک پر جما دیں۔

"پتا نہیں حسن کو پرکھنے کا معیار کیا ہوتا ہے' کسے کتنا حسین کہا جاتا ہے ہر شخص کا
معیارِ حسن مختلف ہوتا ہے وہ جسے چاہتا ہے وہ اسے دنیا کی حسین ترین لڑکی محسوس ہوتی۔
مجنوں نے لیلیٰ سے محبت کی تھی حالانکہ وہ رات کی مانند تھی مگر اسے دن کے اجالے اور چاند کی
نرم کرنوں کی مانند محسوس ہوتی تھی۔ یہ جذبہ ان فانی چیزوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ حسن تو
آنکھ میں ہوتا ہے' ہمارے دل میں سمٹا ہوا ہوتا ہے' جس سے ہم اپنی پسندیدہ ہستی کو دیکھتے ہیں

فراز تیرے جنوں کا خیال ہے ورنہ
یہ کیا ضروری وہ صورت سبھی کو پیاری لگے

غالب کی آنکھوں کے سامنے سائرہ ہی سائرہ تھی پھر اسے ماریا کیسے نظر آتی۔ بظاہر

لڑکی تھی۔ اپنے پرکشش سراپے کے ہمراہ' مگر وہ اسے بے حد دور دکھائی دے رہی

سوچ رہی تھی کہ رابرٹ کے ساتھ اتنے شب و روز گزار دینے کے باوجود اسے رابرٹ
پر کبھی کیوں محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کا لہجہ' اس کی باتوں نے تو کبھی ایسا میٹھا درد

لرزیدہ سی غالب کو دیکھ رہی تھی۔
"مجھے اس لڑکی پر رشک آ رہا ہے غالب۔" وہ ہنوز ایک سحر میں جکڑے جکڑے بولی۔
مسکرا دیا۔
"ہم مسلم لوگ رشتوں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ یہ خوبصورت زنجیریں ہیں' جس کے
لڑکی تصور نہیں بنتا ہمارے نزدیک۔ ہمارے یہاں بچپن سے یہ تصور قائم کیا جاتا ہے
اس کی زندگی میں آنے والے مرد کے ساتھ اسے پوری زندگی وفا کے ساتھ بتا دینی
زندگی میں داخل ہونے والا مرد پہلا اور آخری مرد ہو گا۔ چاہے وہ مرد اس کی چوائس
والدین نے چنا ہو اور اسے اس چاردیواری میں یہ بھی سبق دیا جاتا ہے کہ والدین کی
عزت رہتا۔ اس پر کتنی لڑکیاں خوشی سے اور کتنی باوجود دکھی ہونے کے عمل کرتی ہیں۔
وفا بچپن سے ڈالی جاتی ہے' چاہے وہ وفا اس گھر سے ہو' والدین سے ہو' اس کے مرد
سے ہو اور یقین جانو عورت کی یہ وفاداریاں ہم مردوں کے قلب میں سرائیت کر
راحت بن کر اور انہیں ایسا اطمینان دیتی ہیں کہ وہ پھر کسی دوسری عورت کی طرف دیکھنا
کرتے ہیں۔ معاف کرنا ماریا میں نے غیر مسلم مرد تو خیر' عورتوں میں بھی بے وفائی ہی
انہوں نے کبھی وفا کی زنجیر سے اپنے مرد کو جکڑنا سیکھا ہی نہیں ہے۔"
کے آخری جملے پر ماریا کا چہرہ ہلکا لال ہو گیا۔ تاہم اس نے برا ہرگز نہیں مانا تھا۔
علاقے' ہر جگہ' ہر خطے کے ہرجائی فطرت کے ہوتے ہیں مگر جس کے قدموں میں وفا
محبت کی زنجیریں ہی نہ ڈالی گئی ہوں وہ زیادہ بے لگام ہو جاتے ہیں۔"
سڑک کر کانٹے دار جھاڑی پر انگلیاں پھیرتی ماریا کو دیکھا۔
"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" اسے اچانک احساس ہوا کہیں اس نے
اس لڑکی کا دل دکھا تو نہیں دیا جبکہ ماریا اس کی معذرت پر زور سے ہنس دی۔
بہت اچھی باتیں کرتے ہو گالب۔ افسوس میں نے اس سے پہلے کبھی ایسی باتیں نہیں
انداز شگفتہ تھا۔

غالب بھی مسکرا دیا۔

"تم غور کرنا۔ مائیکل واقعی اچھا انسان ہے۔" جنگلے کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے اس نے دوستانہ انداز میں مشورہ دیا تو ماریا کے ہنستے لب یکدم باہم جڑ گئے مگر وہ سر ہلا کر رہ گئی پھر دور تک غالب کو جاتا دیکھتی رہی۔

○☆○

رات بھر کی بے خوابی اور سوچوں کی یلغار نے اسے بڑا بوجھل سا کر دیا تھا مگر صبح اس بو پن میں ایک اضطراب بھی شامل ہو گیا تھا۔

اس نے زنیرہ کو دیکھا۔ اس کی سرخ متورم آنکھیں رات بھر جاگتے رہنے کی چغلی کھا رہی تھیں مگر اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

ناشتا کے وقت کسی مونا کا فون آیا تھا' جس نے اسے شہلا کی خبر دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا وہ اسپتال میں ہے مگر بخیریت ہے۔ اس خبر کے ساتھ زنیرہ کے پژمردہ چہرے پر زندگی کی رمق گئی تھی۔ وہ بالکل بچوں کی طرح خوش ہو کر تائی اماں سے لپٹ گئی تو موجود سب بے سا مسکراہٹ نہ روک سکے تھے۔

یقیناً شہلا نواز اس کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی اور وہ خوش مسرور بھی یوں تھی تاریک اجاڑ اور وحشت ناک جنگل میں کسی دوسرے انسان کا اچانک ساتھ مل جائے جو رگ میں طمانیت بھر دے۔ وہ جتنی خوش تھی اس کے چہرے سے ظاہر بھی ہو رہا تھا۔

رات بھر کی جاگی آنکھیں اس خوشی کے احساس سے بڑی نشیلی دکھائی دے رہی تھیں۔

شاہ دل اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو اسے کئی بار شہلا نواز نامی لڑکی پر رشک آ رہا تھا نے زنیرہ کے لبوں کو مسکراہٹ سے ہمکنار کر دیا تھا۔

منجھلی چچی کی ڈانٹ ڈپٹ پر وہ لپکتے جھجکتے دل کو سنبھالے زبردستی ناشتا کر رہی تھی اپنائیت کے سامنے جبراً بیٹھی رہی تھی ورنہ اس کا دل فوراً شہلا کے پاس جانے کو مچل رہا اس کی اس بے تابی پر سب محظوظ ہو رہے تھے۔

"لگتا ہے مس شہلا نواز تو کوئی پائے کی چیز ہیں اتنا تو بے تاب شاید مجنوں بھی لیلیٰ نہیں ہوتا ہوگا۔" تیمور نے اسے چھیڑا تو سب ہنسنے لگے وہ جھینپ گئی۔

شاہ دل جب آفس جانے کے لیے کمرے سے نکلا تو وہ کامن روم میں موجود بھابی کا رہی تھی۔ وہ اپنے اضطراب کو سنبھالتا اندر چلا آیا۔ وہ صوفے کی پشت پر سر ٹکائے موندے یقیناً شہلا نواز کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔

اپنی کہانی میں اصل مجرم کو مخفی رکھ کر مجھ پر احسان کی کوشش کی ہے یا میرے احساسِ جرم کی؟" اس نے اس سے فاصلے پر رک کر اسے متوجہ کیا مگر وہ متوجہ پہلے سے ہی تھی۔ نے کو اس کا دل پہلے قدم پر ہی محسوس کر چکا تھا۔

"تم نے میرے کندھوں پر ایک اور بوجھ ڈال دیا ہے۔ جبکہ میں پہلے ہی خود کو ایک بوجھ نہیں کر سکا ہوں۔ یہ نفرت کا کون سا انداز ہے یا پھر احسان کیوں کیا ہے؟" وہ ذرا سا اضطراب اس کے وجود پر طاری سا تھا۔

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا کسی پر۔" وہ آنکھیں کھول کر یکدم نروٹھے انداز میں صوفے ہو گئی۔

پوچھا۔" اس نے بڑے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ جانے کیوں نظریں اسے دیکھنے لگی۔

"کیا آپ میرا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ میرے سامنے نہ آیا کریں۔" انداز میں بڑی ٹوٹ پھوٹ تھی۔ جو اس کے اندرونی خلفشار کی غمازی کر رہی تھی۔ ایک جیسے ڈوبنے والے کو ساحل سے نہیں سمندر سے ہی ہو۔ ایک جھنجلاہٹ اس پر طاری تھی۔

"میں نے کوئی احسان کیا ہے نہ دانستہ آپ کا نام چھپانے کی کوشش کی تھی۔"

میرے سامنے آنے سے کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھے معاف کرنے کے جذبے ابھرنے لگتے میرے اندر سے۔" پتا نہیں وہ اسے زچ کرنا چاہتا تھا یا کچھ کرید کر کسی جذبے کی تسکین کا تھا۔ زنیرہ نے بڑی شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کس قدر اذیت پسند ہے

ایسا ہوا۔ میرے اندر سے جذبے مر چکے ہیں۔ اس لیے اب کسی جذبے کے ابھرنے کا نہیں ہے۔" وہ ریشمی پردے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کی جانب رخ موڑ کر سپاٹ لیے

"کیسے ہو سکتا ہے جذبے مر جائیں تو انسان مر جاتا ہے' کسی سرد برف لاش کی مانند مگر ایسا نہیں ہے۔ اگر جذبے مر گئے ہوتے تو آج تم شہلا نواز کی گم شدگی پر اتنی اور اس کی بازیابی پر اتنی خوش نہ ہوتیں۔ یہ سب جذبے زندہ ہونے کی علامت بات کہ بسا اوقات انسان ان جذبوں پر پہرے بٹھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کبھی

"اوہ۔۔۔ یو۔" وہ شدت ضبط سے سرخ چہرہ لیے پلٹی۔ قریب تھا کہ وہ پھٹ پڑتی۔ "آخر آپ ہر وقت مجھے شکست دینے کے درپے کیوں رہتے ہیں؟؟"

"اور تم شکست سے اتنی خوف زدہ کیوں رہتی ہو؟" جواب برجستہ آیا تھا وہ حقیقت میں زچ ہو کر رہ گئی۔

"بہادر لوگ اپنی شکست سے نہیں گھبراتے۔"

"مگر۔۔۔۔ میں بہادر نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ دھیما اور کڑا تھا۔ شاہ دل کو یکدم زیادتی کا احساس ہوا۔ اس نے اسے آزردہ کردیا تھا۔ شہلا کے توسط سے ملنے والی ساری خوشی کو بکھیر دیا تھا۔

انا کی قید سے نکلے مقابلہ تو کرے
وہ میرا ساتھ نبھانے کا حوصلہ تو کرے
کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
وہ میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کرے

وہ اس کے لمس کے لطیف احساس سے جیسے سن سی ہوگئی۔ اس پر لفظوں نے محشر بپا کر دیا۔

یکلخت ہی جذبوں کی نوخیز ندیوں میں ایک تلاطم برپا ہوگیا۔ دل کی سینہ زور ندی شوریدہ سر ہو کر شکست کے ریت میں جذب ہونے کو مچل اٹھی۔

وہ گم صم بس اپنے دل کے دھڑکنے کی صدائیں سنتی رہی مگر پلٹ کر یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ اس کے اندر حشر برپا کر کے پلٹا تھا تو کامن روم میں داخل ہوتی سدرہ بھابی کی نگاہوں میں فٹ ہو کر بری طرح سٹپٹا گیا تھا' مگر دوسرے لمحے اپنے اسی اعتماد کے ساتھ سر جھکا کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ جب پلٹی تو بھابی حیرت سمیٹے ایک طرف کھڑی تھیں' مگر زنیرہ سے نظریں ملتے ہی اپنی حیرت سمیٹ کر مسکرادیں۔ وہ بھی بھابی کو دیکھ کر خود کو سنبھال چکی تھی۔

"چلو۔ بہت انتظار کرنا پڑا نا۔ یہ ثاقب آفس جاتے وقت بالکل بچوں کی طرح تنگ کرتے ہیں۔ ایک ایک چیز ان کو ہاتھ میں دینا پڑتی ہے اور اس پر طوبیٰ بی بی الگ راگ الاپنے لگی تھیں تو چچی طوبیٰ کو سنبھال لیتی ہیں ورنہ یقین کرو جس طرح وہ حلق پھاڑ کر روتی ہے میرے تو ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔"

"بس آپ ان کے ابا کو ہی سنبھال لیں یہی بہت ہے۔" نیلی اندر داخل ہوتے ہوئے ان کی بات کے جواب میں بولی تو وہ ہنس دیں۔

"زنیرہ! شہلا کو میری طرف سے بھی ایک چپت رسید کرنا اتنا تنگ کیا اس نے تمہیں۔" وہ پاس آکر بولی تو اس اپنائیت بھرے لہجے پر وہ مسکرادی۔

"بدلے میں اپنے حصے کی چپتیں پوری کروں گی۔" وہ بھی خوش دلی سے بولی تو نیلی زور سے ہنس

"چلو آؤ۔ زینی۔" بھابی بولیں اور دونوں پورچ کی طرح آئیں تو تیمور گاڑی نکالے ان کا

رتھا۔

"آپ نے ناحق تکلیف دی سب کو اور خود بھی صبح صبح پریشان ہو رہی ہیں میری وجہ سے۔ میں چلی جاتی کنوینس کا کیا مسئلہ ہے۔" وہ ان سب کے اتنے خلوص پر شرمسار ہونے لگی۔

"اب کہاں تم رکشے میں اسپتال ڈھونڈتی پھروگی۔" تیمور نے وہ اسپتال دیکھا ہوا ہے اور پھر نیلی نے کمرہ نمبر تو بتایا ہی نہیں ہے۔ چلو آؤ زیادہ تکلف برتنے کی ضرورت نہیں ہے ایک تھپڑ لگاؤں گی تمہیں۔ بہت نخرے دکھانے لگی ہو۔" وہ اسے کھینچ کر گاڑی میں آبیٹھیں۔

"یہ آپ کو تھپڑ مارنے کا بڑا شوق ہے۔ ثاقب بھائی دن بھر میں کتنے کھاتے ہیں؟" تیمور اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے ہنسا۔

"کوئی نہیں، فضول مت بکو تم۔ ایک تھپڑ لگاؤں گی تمہیں۔" بھابی کچھ یوں بولیں کہ تیمور سمیت زنیرہ بے اختیار اڈنے والی ہنسی کو نہ روک سکے۔ بھابی نے خجل سی ہو کر تیمور کے ایک جڑ

"بہت بے لگام ہوتے جارہے ہو۔ اب عبیر کی طرح تمہیں بھی نکیل ڈالنی پڑے گی۔"

"آہ۔ میں تو کب سے انتظار میں ہوں کسی ایسی خوبصورت نکیل کے۔" وہ کہاں کم تھا اور یہ سچ تو تیمور سے کوئی بھی بحث میں جیت نہیں سکتا تھا۔ بھابی کی کہاں مجال تھی۔ وہ اسے گھور کر دیکھنے لگیں اور زنیرہ کی طرف دیکھا جو اس فقرے اور اس کے انداز پر خاصی محظوظ ہو کر ہنس رہی تھی۔

"دیکھا۔ کس قدر نالائق ہے مجھے تو لگتا ہے آنے والی بھی اسے نکیل نہیں ڈال سکے گی۔"

"چچ چچ۔ اتنی مایوسی بھی اچھی چیز نہیں ہے۔ آزمائیں تو سہی آپ کسی کو۔" ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے اس نے پھیرتا ونڈ اسکرین سے ایک لمحے نگاہ ہٹا کر ویو مرر سے پچھلی سیٹ پر نگاہ ڈالی۔ جہاں بھابی اسے گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔

"بے ہودہ۔ اتنی جلدی ہے دیکھو ذرا۔"

"جی آخر نمبر میرا ہی بنتا ہے۔ کیوں زنیرہ جی۔"

"ارے واہ۔ تمہارا کہاں سے نمبر آگیا۔ شاہ دل کو کس کھاتے میں ڈالو گے ننھے میاں۔"

"اے، اے، لنگ ویج پلیز۔ یہ ننھے میاں آپ اپنے "میاں" کو کہہ سکتی ہیں مجھے ایسے لقب سے نہ نوازیے تو بہتر ہے۔" تیمور جیسے کراہ کر رہ گیا تھا۔

"شاہ دل کو تو آپ رہنے ہی دیجئے۔ وہ تو بڑی الجھی قسم کی شے بن کر رہ گئے ہیں، شادی کے نام پر یوں بدکتے ہیں جیسے ہزاروں وولٹ کا کرنٹ لگا دیا ہو۔"

"اچھا، میرا خیال ہے ایسی کوئی بات نہیں۔" بھابی نے یہ کہتے ہوئے بے اختیار زنیرہ کو دیکھا جس کے چہرے پر شاہ دل کے ذکر سے ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا۔ وہ دانستہ چہرے بے تاثر رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہو سکتا ہے وہ اپنے آئیڈیل کی تلاش میں ہو... یا کسی کا آئیڈیل بننے کی کوشش میں ہو۔"

"مگر مجھے تو ایسی کوئی بیماری نظر نہیں آئی ان میں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے وہ دل کی جگہ پتھر فٹ کرا کے آئے ہیں۔ جو نہ پگھلتا ہے اتنی حسین حسین صورتوں کو دیکھ کر بھی نہ پسیجتا ہے بچی کی اتنی آہوں پر۔" تیمور نے یہ کہتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔

"خیر خیر۔ پتھر دل تو نہیں کہہ سکتے تم انہیں۔" بھابی نے ناموجود شاہ دل کا جیسے دفاع کیا۔

"شاہ ہے تو اس قدر نائس لڑکا ہے اور اتنا نرم مزاج اور مخلص ہے۔"

"اب اتنے نرم مزاج بھی نہیں ہیں۔" تیمور کھٹ سے بولا "آپ نے کبھی ان کے ہاتھ تھپڑ کھایا ہے۔" وہ کچھ یوں منہ بنا کر بولا، باوجود ان باتوں سے لاتعلقی ظاہر کرنے کے، زنیرہ ایک دم ہنس پڑی۔

"تھپڑ وپڑ تم نے ہی کھائے ہوں گے اور وہ بھی اپنی حرکتوں کی وجہ سے۔ اب تمہارا مطلب ہے بندہ نرم مزاج ہو تو الٹی سیدھی حرکتیں بھی برداشت کر لے۔"

"لگتا ہے شاہ بھائی نے آپ کو کچھ گھول کر پلا دیا ہے شکر ہے ثاقب بھائی ساتھ نہیں ہیں ورنہ بے چارے جیلس ہو جاتے۔" تیمور نے شرارت سے انہیں ویو مرر سے دیکھا تو انہوں نے ایک دھپ اس کے شانے پر مارا۔

تیمور نے اسپتال کی عمارت کے سامنے گاڑی روکی تو زنیرہ نے شکر کا سانس لیا۔ وہ شاہ دل کے اسی موضوع پر اور بھابی گاہے بگاہے اٹھنے والی نگاہوں پر اندر ہی اندر عجیب سے احساسات سے دوچار ہوتی رہی تھیں۔ پتا نہیں کیا تھا وہ شخص اپنی موجودگی میں بھی اسے ایک دہشت میں مبتلا رکھتا اور غیر موجودگی میں بھی اس کا ذکر، اس کا نام، اس کے دل کی دھڑکنوں کو منتشر کرتا۔ اس موضوع کے ختم ہونے اور اسپتال کی عمارت دیکھ کر اس کے اندر سرشاری اترنے لگی

ملنے کی خواہش شعلہ بن کر بھڑکنے لگی۔

"بہت جلدی آگیا اسپتال۔" وہ بالکل بچوں کی طرح خوش دکھائی دینے لگی تھی۔ تیمور نے اس کا چہرہ دیکھا اور مسکرایا۔

"میں ساتھ آؤں یا یہیں آپ کا انتظار کروں؟" وہ بھابی سے مخاطب تھا۔

"نہیں، تم بیٹھو۔ میں زنیرہ کو چھوڑ کر ابھی آتی ہوں۔" انہوں نے گاڑی سے اترتے ہوئے سر ہلاتے ہوئے اسے روک دیا۔

"جلدی آیئے گا۔ میرا پریکٹیکل بے حد ضروری ہے۔"

"اچھا نا۔"

"رہنے دیں بھابی۔ میں خود پتا کر لوں گی یہی بہت ہے کہ آپ نے اتنی زحمت کی۔"

دونوں سیڑھیاں چڑھنے لگیں تب زنیرہ بولی۔ کچھ تیمور کی وجہ سے اور کچھ بھابی کے اتنے ... نے اسے خفیف سا کر دیا تھا، مگر بھابی کی تنبیہہ آمیز نظروں پر وہ چپ ہو گئی۔

انہیں شہلا کے کمرے تک پہنچنے میں وقت نہیں ہوئی، فرسٹ فلور پر ہی مونا نظر آ گئی اور وہ لیے شہلا کے پاس چلی آئی۔

وہ بیڈ پر لیٹی تھی۔ تاہم جاگ رہی تھی۔ زنیرہ کو دیکھ کر ندامت سے مسکرائی دی۔

زنیرہ اس کے قریب پہنچی تو لرز کے رہ گئی۔

یہ شہلا تھی۔

زرد... زرد، چہرہ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ ویران کھنڈر آنکھیں، بے رونق، نہ کوئی رنگ، پپڑی زدہ ہونٹ، جن پر پھیکی مسکراہٹ بکھری تھی مگر یوں جیسے ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔

آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے۔

وہ کیسی دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی زندہ لاش اور جیسے برسوں بعد قبر سے نکالا گیا ہو۔

ایک اذیت اس کے مساموں تک میں اتر گئی۔ وہ بے اختیار اس کے اوپر جھکی اور رو دی۔

"پلیز زنی۔ دیکھو۔ دیکھو شکوہ مت کرنا۔" شہلا کرب سے بولی اور پیار سے اس کا چہرہ اوپر

"میں بھی مونا کی طرح شکوہ کروں گی تم سے لڑوں بھی۔ ہاں مگر خفا نہیں ہوں گی۔ اس لیے کہتی ہوں کہ خفا بھی ہوئی تو تم مجھے نہیں مناؤ گی۔"

اس بات پر شہلا زور سے ہنسی مگر اس کی ہنسی بڑی بے رنگ تھی۔

"دیکھا مونا۔ زنیرہ میرے مزاج کے سب موسموں سے واقف ہے۔" وہ ہولے ہولے

مسکراتی رہی۔

"شہلا پلیز۔ دکھ دینے‘ اذیت دینے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم صرف مجھے اور مونا کو ہی دکھی نہیں کر رہیں‘ خود کو بھی آزار دے رہی ہو۔"

سدرہ بھابی کے کچھ دیر بیٹھ کر اٹھ جانے اور مونا کے بھی کمرے سے نکل جانے کے بعد وہ شہلا سے الجھ پڑی۔

"کیا چاہتی ہو۔ یہ سب کچھ کرکے۔"

کوئی اور طرح کی بات کرو۔
دل جس سے سب کا بہل جائے۔
دھیان اور طرف تو نکل جائے۔
کسی اور خیال میں ڈھل جائے۔
کوئی اور طرح کی بات کرو۔

وہ ہنسنے لگی۔ زنیرہ نے بڑی شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم دن بہ دن اذیت پسند ہوتی جا رہی ہو۔ تم نے ہمیشہ مجھے حوصلہ دیا ہے شہلا۔ ہر سخت مقام پر‘ حالات سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کی ہے میرے اندر۔ مجھے ہمیشہ مایوسی کی اتھاہ گہرائی سے نکالا ہے‘ پھر..... پھر آج تم خود یوں بکھر کیوں گئی ہو؟ ایسی شکستہ کیوں ہو رہی ہو؟ کیوں خود کو اتنا بکھیر دیا ہے شہلا؟" وہ دلگرفتگی سے بولی۔ شہلا نے نگاہوں کا رخ بدل کر سامنے دیوار کی طرف کرلیا اور دیوار کو یوں گھور گھور کر دیکھنے لگی جیسے وہاں کچھ لکھا ہوا ہو اور وہ پڑھنا چاہ رہی ہو۔

"بہت دیر ہو گئی ہے زنیرہ۔ بے حد دیر۔" اس کے خشک لبوں سے گہری سانس نکل کر فضا میں تحلیل ہو گئی۔

"نہیں شہلا۔ اچھا وقت بھی ضرور آتا ہے۔" اس نے شہلا کے ہاتھ پر رکھے اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔

"آیا تھا۔ اچھا وقت بھی۔" وہ یونہی دیوار کو گھورتے ہوئے بولی۔ "اچھے وقت کو میں نے ضائع کر دیا۔ اب برا وقت مجھے ضائع کر رہا ہے۔ یہ تو ہوگا۔ زنیرہ..... مجھے بہت سی باتیں سمجھنے میں بہت دیر ہو گئی‘ زندگی میری مٹھی میں ریت کی مانند پھسلنے لگی ہے۔

جسم ایک بڑی حقیقت ہے
مگر دل کی تسکین ہوس میں نہیں

یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور جب آیا تو میں ایسے بھنور میں ہوں کہ جہاں سا

"رکھنا سراسر بے وقوفی ہے۔" اس کی آواز بے حد دھیمی تھی جو زنیرہ تک بامشکل پہنچ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ خود اپنے آپ سے ہمکلام ہو۔ اس کے چہرے پر لاحاصلی اور نارسائی کی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے گرد مایوسیوں نے اپنے جال ڈال دئیے تھے جس سے آزادی کی خواہش شاید اب اسے بھی نہ رہی تھی۔

"کیا پاگل پن ہے شہلا۔" زنیرہ اچانک کرب اذیت اور تھکن سے چیخ گئی۔ "کیسی کیسی فضول باتیں سوچتی رہتی ہو۔ تم بالکل ٹھیک ہو بس ذہنی طور پر خود کو سنبھال لو۔ دیکھو خدا نے تمہیں مونا سے ملوا دیا ہے ایک دن منی آپا اور سکندر سے بھی مل جاؤ گی مجھے یقین ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ زندگی پھر وہی ہنسی مسکراتی ہو جائے گی۔ ہاں شہلا‘ مجھے بھی تو تم یہی کہتی تھی کیا اس وقت تم بھی محض مجھے تسلیاں دیتی تھیں؟" اس نے اسے جھنجوڑ دیا۔

"پتا نہیں‘ ہو سکتا ہے۔" اس نے ذرا سا رخ اس کی طرف کرکے اسے دیکھا تو زنیرہ کے چہرے پر رنج بکھر گیا۔

"چھوڑو یہ بتاؤ شاہ دل کیسا ہے؟ کیا ملاقات ہوئی اس سے؟" اس نے زبردستی لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے اس موضوع سے ہٹنا چاہا۔ اسی دم نرس اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے شہلا کی چادر درست کی‘ پھر اس کے بازو سے آستین اونچی کرنے لگی۔

"پلیز سسٹر۔ نیند کا انجکشن مت دینا۔ میں ابھی سونا نہیں چاہتی۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"یہ نیند کا نہیں ہے بے فکر رہو بے بی۔" نرس نے بڑی مہارت اور سرعت سے انجکشن اس کے بازو میں لگا دیا اور متاثرہ جگہ پر روئی کا پھایا رگڑتے ہوئے زنیرہ کو دیکھا۔

"اسے سمجھاؤ لڑکی۔ یہ میڈیسن کی چور ہے۔" نرس بڑی عمر کی تھی۔ بے تکلفی سے زنیرہ سے بولی۔

"ارے سسٹر یہ مجھے کیا سمجھائے گی۔ اسے تو خود مجھے ابھی سمجھانا ہے۔" شہلا کی بات پر مسکراتے ہوئے سہلاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"شہلا مجھے کیا سمجھانا ہے؟" زنیرہ نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ کھلکھلانے لگی۔

"شہلا یہ کہ تم نے شاہ دل پر جو ظلم روا رکھا ہے اسے اب ختم کرو۔ ناحق بے چارے کو....."

"دیکھو شہلا‘ بات بدلنے کی کوشش مت کرو۔ یہاں شاہ دل کا کیا ذکر؟" وہ برا مان گئی۔ شہلا نے پھر ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگی۔

دنیا کے تذکرے تو طبیعت ہی لے بجھے
کچھ اس کا ذکر ہو تو سخن آرائیاں بھی ہوں

"آ.....ہا۔ میں تو انتظار میں ہی ہوں ایسے حالات کب ہوں گے جب تم۔"

"یہ سسٹر کیا کہہ رہی تھیں تم میڈیسن کیوں نہیں کھاتیں وہ اس کی ساری بکواس سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے ڈانٹنے لگی تو شہلا نے تکیہ بغل میں لے کر کروٹ لے لی۔

"چھوڑو۔ میں تو یہاں سے بھاگنے کے چکر میں ہوں۔ یہ اسپتال والے سب کو زبردستی بیمار کر کے رہتے ہیں چاہے بندہ اچھا ہو۔ دواؤں سے منہ کڑوا کراتے رہیں گے۔ یہ شکیل بھی مونا کے ہزبینڈ نہ ہوتے نا پھر دیکھتی کہ۔"

"کیا کر لیتیں پھر آپ؟" مونا اندر جھانک رہی تھی۔ اس کی بات پر اسے مصنوعی رعب سے گھورتی قریب آگئی۔

"دو کانوں کی بیچ میں سر کر دیتی۔" وہ برجستہ بولی اور تینوں ہنسنے لگیں۔ مونا بڑی محبت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔ تم واقعی ہنستی اچھی لگتی ہو۔" اس کا دل اسی صدا کو بلند کرتا رہا، پھر اس نے دیکھا شہلا کی آنکھیں آہستہ آہستہ بوجھل ہونے لگیں تھیں۔

"اسے سسٹر نے انجکشن دیا ہے اس کا اثر ہے شاید۔" زنیرہ اس کے چہرے پر تشویش پھیلتے دیکھ کر سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

زنیرہ نے سوچا نرس نے شاید جھوٹ اس لیے بولا تھا کہ شہلا اسے پریشان کرتی اور انجکشن ہرگز نہ لگواتی۔

"ادھر آؤ مونا، میرے قریب۔" شہلا نے بھاری پلکوں کو بامشکل کھولتے ہوئے مونا کو دیکھا اور اپنا ہاتھ اٹھا کر آگے کیا جسے مونا نے جلدی سے شدت جذبات سے تھام لیا۔

"تم اور زنیرہ۔ اب گھر جاؤ، آرام کرو۔ بہت تھک گئی ہو۔ تم بھی، رات بھر جاگتی اور روتی رہی ہو۔ زنی۔ تت۔ تم بھی جا۔ؤ۔" اس کی آواز دھیمی ہونے لگی، پھر اس کی پلکیں بند ہو گئیں، دوسرے ہی لمحے وہ غافل ہو گئی۔

اس کی چادر ٹھیک کر کے وہ دونوں کمرے سے نکل آئیں۔ زنیرہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے ایک آخری نظر اس پر ڈالی اور جیسے اندر ہی اندر اس کا دل راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

کب سوچا تھا شہلا کو ایسے حال میں دیکھے گی۔

کہاں وہ ہنستی مسکراتی، چہکتی، البیلی شہلا نواز، جو موسم کی طرح مزاج رکھتی تھی، کبھی شبنم، کبھی زنیرہ کے لیے تپتی دھوپ تو کبھی ٹھنڈی چھاؤں۔ بھڑکدار کپڑوں میں۔ تیز میک اپ اور خوشبوؤں کی بوچھاڑ میں اونچی ہیل پر ٹھک ٹھک کر کے بھاگتی دوڑتی شہلا نواز۔

آج نڈھال پڑی تھی اس کے سامنے۔

وہ ملول سی راہداری میں رکھے بنچ پر بیٹھ گئی۔

"شہلا نے تو کبھی اس طرح تقدیر کے سامنے خود کو بے دست وپا محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ تو زندگی کو ہنستے مسکراتے گزارنے کے حق میں تھی، پھر یہ۔"

"ہاں۔ کوئی کتنا اڑ سکتا ہے۔" مونا کی آواز بڑی بوجھل تھی۔ "آپی نے ہمیشہ چلنا نہیں اڑنا ... انہوں نے تقدیر پر کبھی سر نہیں جھکایا۔ بلکہ ہمیشہ تقدیر کو جھکانے کی کوشش کی۔ کاش ..." مونا کے چہرے پر رنج بکھر گیا۔ وہ اضطرابی انداز میں ٹہلنے لگی پھر کچھ سوچ کر رک کر زنیرہ کی طرف پلٹی۔

"تم اب جاؤ، آرام کرو زنیرہ، بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" اس نے نرمی سے اس کے ... پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز انداز میں تھپکا۔ "میں یہاں ہوں نا، جب تک شکیل ہیں۔"

"تھکی ہوئی تو آپ بھی لگ رہی ہیں۔" زنیرہ نے اس کا مضمحل سراپا دیکھا۔

"اتر جائے گی میری تھکن بھی۔ تم گھر جاؤ اور ریسٹ کرو۔ شام کو آنا چاہو تو آجانا۔"

"مگر۔"

"میں جانتی ہوں۔ ہم دونوں کے احساسات ایک سے ہی ہیں۔ دل تو میرا بھی نہیں چاہا تھا ... وقت جب آپی سے اتنے برسوں بعد ملی تھی کہ اس سے جدا ہو جاؤں۔ جاؤ زنیرہ اور بے فکر ہو۔ شہلا کو نیند کا انجکشن دیا گیا ہے وہ شام تک سوئے گی۔ تم یہاں بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ گی۔ زنیرہ۔"

"آپ بھی گھر جا کر آرام کیجئے گا ضرور۔" زنیرہ نہ چاہتے ہوئے بھی بنچ سے اٹھ گئی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" ڈاکٹر شکیل ہمایوں اس طرف آگئے۔ اوور آل کو انہوں نے ہاتھ میں ... رکھا تھا گویا ان کا راؤنڈ ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے ایک نظر مونا پر ڈالی پھر زنیرہ کو دیکھا۔

"آپ غالباً زنیرہ علی ہیں۔"

"جی۔ وہ اپنا دوپٹا سلیقے سے سر پر جمانے لگی۔

"شہلا بہت منتظر تھی آپ کی۔" اس کی بات وہ مبہم انداز میں مسکرا دی۔

"آؤ مونا۔ آئیں زنیرہ آپ بھی۔ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" اس کا لہجہ گہری سنجیدگی میں ... گیا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ کچھ الجھن بھی ہویدا تھی۔

وہ پلٹ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔

"ڈاکٹر صاحب۔ کچھ بتائیے شہلا کے بارے میں۔ اسے یک بیک کیا ہو گیا ہے؟"

زنیرہ اس کے ہمراہ چلتے ہوئے آہستگی سے پوچھنے لگی۔ مونا اضطرابی انداز میں انگلیاں مسلتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی۔

"پتا نہیں۔ کچھ نہیں بتاتے' مگر ان کے چہرے کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے جیسے وہ کچھ چھپا رہے ہیں۔ دعا کرو زنیرہ۔ آپی بالکل تندرست ہو جائیں' پھر میں منی آپا اور سکندر بھائی کو بلواؤں گی۔ اپنے ساتھ آپا کو لے جائیں گے۔"

زنیرہ نے سر اٹھا کر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا اور دانتوں میں لب دبا کر سر جھکا کر اس کے ہمراہ ڈاکٹر شکیل کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

ڈاکٹر شکیل نے سامنے کرسیوں کی طرف دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود درمیانی ٹیبل پر اس پار کھڑا ہو کر مونا کو دیکھنے لگا۔

"مونا۔" اس کے لہجے میں ہنوز سنجیدگی مستور تھی۔ مونا نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"جی۔"

"شہلا۔ تمہاری سگی بہن ہے نا۔ وہی جس نے......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہتھیلیاں میز پر ٹکا کر اس کی طرف جھکا۔

"مونا کا دل ایک لمحے سینے کی دیوار میں زور سے دھڑکا۔ پلکیں اعترافِ جرم کے انداز میں جھک گئیں۔

"ہاں۔ میں آپ کو بہت پہلے بتا دینا چاہتی تھی' مگر شہلا آپی نے......"

"تم پرلے درجے کی احمق عورت ہو۔ منی آپا نے ہماری انگیجمنٹ کے بعد مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ یوں بھی میں سکندر کا اچھا دوست رہا ہوں۔ بہت کچھ میرے علم میں تھا بھی' مگر شہلا سے ملتے ہی تم نے نہ مجھے کچھ بتایا نہ سکندر سے رابطہ کیا۔"

"مجھے شہلا آپی نے سختی سے منع کر رکھا......"

"وہ تو بے وقوف لڑکی ہے اگر وہ کہے تو مجھے زہر دے دو' تو کیا تم اسے زہر دے دو گی۔ وہ اگر تمہارے سامنے زہر پی رہی ہو گی تم اسے نہیں روکو گی۔ بولو؟" اس کے انداز میں برہمی اتر آئی۔

مونا کا سر جھک گیا۔

"مونا' مونا' جانتی ہو شہلا کی زندگی کتنے خطرے میں ہے۔" وہ الجھ کر بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کھڑکی کی طرف رخ کر کے جیسے باہر کی فضا میں سانس لینے لگا۔

"...کیا مطلب؟" جہاں مونا لرز کی کرسی سے اٹھی تھی وہیں زنیرہ کا دل بھی سینے میں دب ...

"...سکندر اور منی کو فوراً فون کرو۔ ان دونوں کا یہاں ہونا بہت ضروری ہے۔ دیکھو مونا۔"

...رکا۔ "میں تم دونوں کو کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ بلکہ ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتا ...

"...شکیل۔" مونا لڑکھڑا گئی ڈاکٹر شکیل نے جلدی سے اسے بڑھ کر تھام لیا اور دوبارہ بٹھایا اور کچھ دیر اس کے شانے پر ہاتھ دھرے۔ ہونٹ کاٹتا رہا' پھر دو قدم پیچھے ہٹ کر ...نگاہیں گاڑتے ہوئے بولا۔

"شہلا کو ایڈز ہے۔" اس کی آواز گو کہ دھیمی تھی' مگر زنیرہ علی کو لگا جیسے کمرے میں اتنے زور ...ا ہوا ہو کہ اس کے اعصاب کے پرخچے اڑ گئے ہوں۔ وہ اس روح فرسا انکشاف کے ...ے کی زد میں آ گئی سناٹے میں رہ گئی اور اٹھنے کی کوشش کی مگر اسے لگا اس کے پیر ہلنے ...ت کھو چکے ہوں۔

"...نہیں' شکیل' کہہ دیں یہ جھوٹ ہے۔" مونا کی دل دوز سسکی میں اس کے آنسوؤں ...بھی شامل ہو گئی۔ وہ بے اختیار میز کی سطح پر سر رکھ کر بالکل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ ...لگی۔

✪★✪

...دل کے سلگتے آنسوؤں نے کمرے کی فضا کو بھی اداس اور ملول کر دیا تھا۔ ڈاکٹر شکیل ...اب پچھتا رہے تھے کہ انہوں نے کیوں شہلا نواز کی اس خطرناک بیماری کا بتا دیا۔ وہ ...بہت محسوس کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کو تسلی اور تشفی کا ...طرح کرے۔

"...اس طرح رونے کا مطلب ہے آپ لوگ اس کی زندگی سے قطعاً مایوس ہو رہے ...کیا نہیں ہے' موت اور زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے اور پھر وہ ابھی پہلی اسٹیج پر ہے' ...ہے مگر ناممکن نہیں کہہ سکتے۔"

...بڑی سنجیدگی کے ساتھ بات کی۔ زنیرہ علی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

...روح فرسا انکشاف نے اس کے اعصاب کو بری طرح جھنجوڑ ڈالا تھا۔ بہت سا رونے ...بھی یوں لگ رہا تھا جیسے اب بھی دل میں آنسوؤں کا ایک سمندر موجزن ہو۔ گرم گرم ...کے رخساروں کو دہکا رہے تھے۔

ڈاکٹر شکیل۔ وہ اس پر نظر ڈال کر تاسف سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"کیا یہ محض بہلاوا تو نہیں ہے؟" اس کی آواز لرزتی بے یقینی لیے ہوئے تھی۔

"اگر مجھے بہلاوا ہی دینا ہوتا تو میں یہ خبر آپ دونوں کو دیتا ہی کیوں۔ دیکھیں زنیرہ! ڈاکٹر نا امید نہیں ہوتا' میں تو مسلمان ڈاکٹر ہوں۔ مجھے تو ہرگز نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ مایوسی کفر ہے اور ہم ڈاکٹرز کو غیب سے تو خبر نہیں مل جاتی کسی کی موت یا زندگی کی۔ ہماری کوشش آخر دم تک مریض کو زندگی دینے کی ہوتی ہے۔ یقین کیجیے میں قطعاً مایوس نہیں ہوں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی شکیل' میری آپی کو ہر حال میں زندہ رہنا ہے۔ اسے بچانا ہے کر کو۔" مونا کی سسکیاں دھیرے دھیرے بلند ہونے لگیں۔

شکیل ہمایوں کرسی پر بیٹھ گئے اور کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر چھت کو گھورنے لگے۔

زنیرہ اپنی جگہ سے نڈھال قدموں سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے ڈاکٹر شکیل پر ایک نظر ڈالی اس نے بھی اس کی طرف دیکھا اور تسلی آمیز انداز میں مسکرا دیا۔

"اتنی نا امیدی اچھی بات نہیں ہے زنیرہ۔ کیا ہم خدا کی ذات سے اتنے مایوس ہو گئے ہیں ہمارا ایمان اس ذات عظیم سے اٹھ گیا ہے؟ یہ مونا تو بالکل پاگل ہے۔"

وہ چپ رہی اپنے آنسوؤں پر اس نے بڑی مشکل سے بند باندھے تھے۔ اسے اچانک احساس ہوا تھا کہ وہ جہاں بیٹھی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے یہ جگہ آہ و بکا کے لیے مناسب نہیں اور ڈاکٹر شکیل' مونا کے یہ شوہر جانے کیا سمجھ رہے ہوں گے کہ میں کتنی بزدل ہوں۔

وہ اب مرہم رکھ رہا تھا۔ تسلی دے رہا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ کچھ کچھ دل بہل بھی رہا تھا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل جائے۔

وہ پلٹی اور اس کے کمرے سے نکل آئی۔

یہ غم اس سے سہا نہیں جا رہا تھا۔

بکھرے بالوں پر ہاتھ پھیرتی۔ ہوا سے پھڑپھڑاتی چادر کو سنبھالتی وہ رکشے کی جانب بڑھنے لگی۔ اس بات سے وہ بے خبر تھی کہ اسپتال کے داخلی حصے کی سیڑھیوں سے اتر کر آتے ہوئے دو آنکھوں نے اسے انتہائی تحیر سے دیکھا تھا۔

وہ دو آنکھیں احمر کی تھیں جو اپنی اس عم زاد کو سرخ چہرہ' بکھرے بال اور متوحش حالت میں دیکھ کر گنگ رہ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے ایک تجسس نے اس کے قدموں کو اس کے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیا۔

رکشے میں بیٹھی تو اس نے بھی احتیاط کے ساتھ اپنی بائیک اس کے پیچھے لگا دی۔

طویل عرصے کے بعد وہ دوسری بار اسے نظر آئی تھی۔ وہ بھی اسپتال میں' ہزار سوالات اس کے ذہن میں اٹھنے لگے۔ رکشہ شمشاد ہاؤس نامی عمارت کے سامنے رکا تو وہ پیسے دے کر اس کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی اور احمر اس سے کچھ فاصلے پر بائیک روکے اس عمارت کو بغور دیکھتا رہا پھر اس عمارت کو ذہن نشین کیا بائیک اسٹارٹ کی اور رہوا ہو گیا۔

○☆○

اس نے چائے کی طلب میں کچن میں جھانکا تو منجھلی چچی کو دیکھ کر رک گیا۔

"السلام علیکم امی۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ پلٹیں "تم آج جلدی آ گئے' خیریت؟" وہ چانپ میں مصالحہ لگا رہی تھیں وہ چھوڑ کر سنک میں ہاتھ دھونے لگیں۔

"ایک سائٹ کی طرف جانا ہے ذرا۔ فیکٹری وغیرہ کے سلسلے میں۔ نیلی' فارحہ کوئی بھی نظر نہیں آ رہیں؟"

"وہ یہاں تو صباحت (پھوپو) کی طرف گئی ہیں' سائرہ کے ہمراہ' انہیں شاپنگ وغیرہ کرنے جانا تھا اس کی شادی میں بھی تو وقت زیادہ نہیں رہا۔ کیا بات ہے تم اتنے تھکے تھکے کیوں لگ رہے ہو؟" انہوں نے بڑے غور سے بیٹے کی شکل دیکھی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اتنے دنوں بعد غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ بھوری چمکتی شیر جیسی آنکھیں کتنی خاموش' اداس اور بے رونقی دے رہی تھیں۔ رنگ بھی ماند لگ رہا تھا' شیو بھی شاید دو تین دنوں کی تھی۔

"کوئی کاروباری پریشانی ہے کیا؟" وہ یہی نتیجہ اخذ کر سکتی تھیں۔ وہ مسکرایا۔

"آپ جب بھی مجھے غور سے دیکھتی ہیں اسی طرح کی تشویش میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس لیے ایسا نہ کیا کیجیے۔"

"بات مت ٹالو۔" وہ برا مان گئیں۔

"اچھا مجھے اسٹرانگ سی چائے مل جائے گی؟"

"کیوں نہیں مگر یہ تمہارے چہرے پر اتنی اداسی کیوں ہے؟"

وہ ان کو اس طرح بغور دیکھنے اور جانچنے پر گڑبڑا گیا۔

"آپ ماں کی نظر سے دیکھتی ہیں اسی لیے آپ کو کچھ نہ کچھ دکھائی دے گا ہی۔ سنا ہے کہ مائیں تو بچوں کی مسکراہٹوں میں بھی کچھ نہ کچھ تلاش کرتی رہتی ہیں۔ بہت وہمی ہو گئی ہیں امی آپ۔" اس نے ماں کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "آپ کی دعاؤں کے حصار میں رہتا ہوں

پھر بھلا کوئی پریشانی کیسے آسکتی ہے۔"

اس کے انداز پر منجھلی چچی نہال ہو گئیں اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔
"باتیں بہت بنانی آگئی ہیں تجھے۔ تجھ سے کون جیت سکتا ہے چلو تم کمرے میں آرام کر
چائے بھجواتی ہوں۔"

"آپ از خود زحمت نہ کریں' نوراں کو کہہ دیں۔" وہ کچن سے نکلتے نکلتے بولا۔

"ارے اس کی چائے تو صرف غرارے کرنے کے لیے ہوتی ہے اس احمق کو چائے بنانا
آتی ہے۔ بڑی بھابی (تائی اماں) تو کہتیں ہیں نوراں کے ہاتھ کی چائے پینے سے بہتر ہے گرم پا
کر اوپر سے شکر اور پتی پھانک لیں۔ نگوڑی ایسی ہی بناتی ہے چائے۔" وہ پتیلی میں صاف
بھرتے ہوئے ہنسنے لگیں۔ وہ بھی نوراں کی شان کے قصیدے سن کر مسکراتا کچن سے نکل کر
بیڈ روم کی طرف آیا تو بھابی کو راہداری میں دیکھ کر کچھ سوچ کر آواز دی۔ وہ طوبیٰ کو اٹھائے ت
رہی تھیں اس کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔

"ارے تم.... آج جلدی آگئے؟"

"ہوں۔"

"لنچ پر آئے ہو گے۔ دیکھو ذرا ابھی چانپ بھی فرائی نہیں کیے۔ اس طوبیٰ نے ایسا تنگ
رکھا تھا خدا خدا کر کے ابھی سوئی ہے۔"

"لنچ ونچ تو خیر مجھے نہیں کرنا' آپ ذرا میری بات سنئے گا۔" اس کے چہرے پر گہری سنج
چھائی ہوئی تھی۔ بھابی چونک سی گئیں۔ انہیں اس کے لہجے میں غیر معمولی پن دکھائی د
تھا۔ وہ کچھ الجھا الجھا سا بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"میں اسے ذرا کاٹ میں لٹا کر ابھی آئی۔" وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں
شاہ دل نے اپنے کمرے میں آکر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور ٹائی اتار کر جوتوں سمیت بیڈ پر دراز
گیا۔

رات بھر کی بے خوابی نے اسے بڑا تھکا ڈالا تھا۔ اسے یکدم کسی ہمدرد' غمگسار کی طلب
ہونے لگی تھی۔ وہ قطرہ قطرہ پگھلنے کے بجائے اب ایک دم جل کر ختم ہونا چاہتا تھا۔
یہ منافقت اسے کسی بوجھ کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

زنیرہ علی نے اس کا نام مخفی رکھ کر جو احسان کا پتھر مارا تھا اس سے اس کی روح شدید زخمی
گئی تھی۔ اسے اب اپنے دل پر دھرا یہ بوجھ ناقابلِ برداشت لگ رہا تھا۔
بھابی جلدی سے آگئیں اور اسے یوں بیڈ پر جوتوں سمیت' دراز سگریٹ پھونکتے دیکھ

لی کی سنگینی کا احساس ہونے لگا۔ تاہم بولیں کچھ نہیں اور دروازہ بجا کر اسے متوجہ
نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا پھر جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا۔
بھابی۔" اس نے پیر لٹکا کر جوتے بے دلی سے اتار کر بیڈ کے نیچے ہی ڈال دیے۔
بات ہے اتنی پراسراریت کیوں پھیلا رہے ہو؟" انہوں نے لطافت سے مسکرا کر ماحول
کو کم کرنے کی کوشش کی۔ "اور یہ تم اتنی سگریٹ کب سے پینے لگے ہو؟" انہوں نے
سگریٹ جلاتے دیکھ کر کہا تو وہ ہنس دیا۔
آپ عورتیں سگریٹ کی اتنی دشمن کیوں ہوتی ہیں۔ مرد بیچاروں کے پاس ایک یہی تو
ہے۔" اس نے لائٹر بجھا کر ٹیبل پر رکھ دیا پھر یک بیک اس کے چہرے پر سنجیدگی پھیل
ہیں دیوار پر جما کر کچھ سوچنے لگا مگر درحقیقت خود کو کچھ کہنے کے لیے تیار کرنے لگا۔
کے سامنے صوفے پر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔
لمحے کمرے میں گہرا سکوت رہا پھر اس سکوت کو شاہ دل نے ہی توڑا۔
را خیال ہے بھابی آپ بہت کچھ جان چکی ہیں۔" اس نے ذرا سا رخ ان کی طرف کر کے

مطلب؟" انہوں نے اس کی بات کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے پوچھا مگر وہ اب ان کی
ں بلکہ اضطرابی انداز میں پیشانی پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔
حقیقت میں کچھ نہیں سمجھ رہی شاہ دل۔ کیا جان چکی ہوں میں؟"
امیرا تو خیال تھا آپ خاصی سمجھدار ہوں گی۔" وہ بے اختیار خفیف سا مسکرا دیا مگر
چہرے پر ہویدا تھی پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
نے اپنا ماضی آپ کے سامنے کھول دیا ہے۔ آپ کے خیال میں اسے اس عذاب میں
الا اصل مجرم کون ہے؟ اس کے چچا چچی وغیرہ یا وہ لڑکے جنھوں نے اپنے سیاسی کھیل
غوا کیا تھا؟" اس نے یہ کہتے ہوئے بھابی کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھا۔ وہ ایک
طرف دیکھ کر پھر کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔
اور ظالم میں کچھ فرق ہے' ظالم تو اپنے سگے بھی ہو سکتے ہیں اور میں زنیرہ کے چچا چچی کو
مجرم نہیں۔ دیکھو نا یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ بیشتر گھروں میں یہی ہوتا ہے کہ
کی واپسی کوئی قبول نہیں کر پاتا۔ وہ پھر اس طرح لعن طعن سننے کا شکار بنتی ہے مگر
نے ایسا ماحول اس کے لیے پیدا کیا ہے وہی مجرم ہیں۔"
آپ کے خیال میں وہ لڑکے اصل قصور وار ہیں جنھوں نے اسے اغوا کیا تھا؟" وہ

بڑے خشک اور بنجر لہجے میں پوچھنے لگا۔ بھابی نے سرہلا دیا۔

"سو فیصد ان کا جرم ناقابلِ معافی ہے' چاہے انہوں نے غلط فہمی میں ہی ایسا کیا تھا' بہرحال کیا تھا اور اوپر سے اس کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے اس کے چچا سے دست بستہ بات کرنے کے' معافی چاہنے کے' اسے تنہا باہر ہی سے چھوڑ کر چلتے بنے۔" بھابی کے لہجے میں نادیدہ لڑکوں کے لیے ناگواری ٹپک رہی تھی۔

شاہ دل ان کے چہرے سے نظریں ہٹا کر سامنے دیوار کو گھورنے لگا۔

کمرے کی فضا میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ دوسرے لمحے اس سناٹے میں شاہ دل کی اعصاب شکن آواز ابھری۔

"جانتی ہیں ان لڑکوں کے گروپ کا صدر کون تھا؟" اس کے لہجے میں کیا تھا بھابی نے اس کی طرف دیکھا تو ان کے اندر تجسس امڈنے لگا۔

"کا..... کون..... جانتے ہو تم اسے؟"

"وہ میں تھا..... شاہ دل۔" اس کا انداز بڑا ٹوٹا پھوٹا اور لہجہ بنجر تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر بے قراری سے ٹہلنے لگا۔ اس نے سدرہ بھابی کی طرف دیکھنے کی کوشش بھی نہ کی' جو اس انکشاف پر اپنی جگہ سن بنی بیٹھی بے یقینی سے بغیر پلکیں جھپکائے اسے بے قرار روح کی مانند کمرے میں گردش کرتے دیکھ رہی تھیں۔

انہیں تو کمرے کی ہر چیز ہی گردش ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

"تت..... تم شاہ دل؟" ان کی آواز لرز کر ٹھٹھر گئی۔

"ہاں میں..... میں نے زنیرہ علی کو اتنا بڑا داغ لگایا ہے۔ اسے بے گھری کے عذاب میں مبتلا کیا ہے۔ میں جو بظاہر باوقار نظر آتا ہوں۔ شاید اندر سے بہت کم ظرف اور پست انسان ہوں۔ مجھ سے تو نعیم اور جواد کی طرح اتنا بھی نہ ہوا تھا کہ اس سے اسی وقت اپنے کیے کی معافی مانگ لیتا۔ میں نے تو انتہائی کم ظرفی کا ثبوت دے کر اپنا آپ اس کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔"

"میرے خدا۔" سدرہ بھابی نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر چہرہ جھکا لیا ان کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہ دل ایسا روح فرسا ایسا وحشت بھرا انکشاف کرے گا۔ وہ تو کچھ اور تھام رہی تھیں۔

حقیقت میں وہ تو کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھیں۔ وہی آزردگی سے کہہ رہا تھا۔

"دو سال مسلسل احساسِ جرم کی اذیت میں مبتلا رہا ہوں بھابی پھر اسے شاہ پیلس میں دیکھ کر

سوچا میری سزا ختم ہو جائے گی مگر وہ معافی دینا تو کجا میری موجودگی سے بھاگتی پھرتی ہے۔ کل اس نے ماضی کی کتاب کا ورق ورق آپ کے سامنے کھول دیا مگر میرا نام مخفی رکھ کر میرے احساس کو شدید تر کر دیا ہے۔" وہ شدت کرب سے لبوں کو دانتوں میں دبا کر صوفے پر بیٹھ گیا اور بالوں میں انگلیاں پھنسا لیں۔

اس کی بھوری آنکھوں میں اداسی' دکھ اور شکست کا غبار سا تھا۔

دونوں اپنی جگہ مختلف احساسات میں گھری ہوئی تھیں مگر دونوں نے دروازے تک آتی منجھلی بیگم کو نہیں دیکھا تھا جو چائے کا کپ تھامے' بھابی سے کہیں زیادہ اس انکشاف کی زد میں حیران اور کرب میں مبتلا کھڑی رہ گئی تھیں۔ انہیں لگا جیسے انہوں نے اپنے بیٹے کے منہ سے جو سنا وہ ان کی سماعت کا دھوکا ہے' مگر یہ دھوکا نہیں تھا۔ جو کچھ انہوں نے سنا تھا وہ ایک اٹل حقیقت تھی۔

وہ آہستگی سے پلٹ گئیں اور راہداری میں نظر آتی نوراں کے ہاتھ شاہ دل کو چائے بھجوا کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

○☆○

کوئی پیغام' نہ دعا کوئی
اس قدر ہم سے ہے خفا کوئی

اس نے خط کھولا ہی تھا کہ پہلی نظر سائرہ کی خوبصورت تحریر میں لکھے اس شعر پر پڑی تو بے ساختہ اس کے لبوں پر ناآسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ (تم نے کوئی گنجائش ہی کہاں چھوڑی ہے ہم سے تو خفا ہونے کا اختیار بھی چھین گیا ہے۔)

اس کی نظریں لفظوں میں الجھنے لگیں۔

تم تو کہتے تھے محبت انسانوں کے دل کو وسیع کر دیتی ہے۔ اسے گداز بنا دیتی ہے یہ کیسی محبت ہے جس نے تمہارے دل کو بجائے وسعت دینے کے اور تنگ کر دیا اس میں باقی ساری دنیا کی گنجائش نہ رہی۔ تائی ماں اور شاہ پیلس والوں کو تم واقعی بھول گئے ہو؟ نہیں وہ سب سائرہ مظفر شاہ تو نہیں ہیں جس کی محبت حالات نے چھین لی ہو۔ نہیں وہ تو اب تک شاہ کے تمہارے منتظر ہیں۔ ان کی آنکھیں اور دل ہر ہر آہٹ پر چونک اٹھتے ہیں۔ تم اتنے بہت سوں سے تو مت لو۔ نفرت صرف مجھ سے کرو کہ تمہاری نظر میں بزدل بے وفا اور نفرت کے قابل صرف میں ہوں۔ تائی اماں کی محبت کیا اتنی طاقتور نہیں ہے

کہ تمہیں کھینچ کر نہ لا سکے۔ نہیں غالب' اس سے پہلے کہ انہیں اپنی ممتا اور محبت پہ سے اع
اٹھ جائے تم پلٹ کر آجاؤ۔

جتنے موسم تیرے ساتھ گزرے
نجانے تیرے واسطے ان کی صورت ہے کیا!
جو تجھے یاد کرتے ہیں ان کے لیے
اب خزاں کے سوا کوئی موسم نہیں

اس کی نظریں خط کے متن پر یوں مرکوز تھیں جیسے اس میں وہ سائرہ کا چہرہ کھوج رہا ہو۔
کے لفظ لفظ کو یوں گھور رہا تھا جیسے ہر لفظ میں اس کا عکس ابھرتا دکھائی دے رہا ہو۔
سفید صفحے پر سیاہ حرف اس کی آنکھوں کے سامنے کتنے ہی رنگ بدلتے چلے گئے۔
کبھی اس نے ایسی ہی موٹی جلد والی ڈائری میں ایک خوشبو بھری نظم لکھ کر اس کے تکیے
نیچے رکھ دی تھی۔ اپنی ڈائری کو بھی تو اس نے ایسے ہی موتیوں سے سجایا تھا اور کتنا چھپا چھ
سنبھال سنبھال کر رکھتی تھی۔ وہ تو اتفاق سے ایک دن اس کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ ہوا یوں تو
نیلی کو دکھانے لائی تھی اور نیلی نے بے پرواہی سے لونگ روم میں ہی رکھ دی تھی۔
وہ انکشاف کتنا خوبصورت اور دل موہ لینے والا تھا جو اس ڈائری کی سطر سطر پر بکھرا ہوا تھا۔

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

جذبوں کے اظہار کا وہی دلفریب طریقہ چنا تھا اس نے بھی' خوبصورت اشعار سے مز
ڈائری اس کے ہاتھوں میں دیکھ کر وہ کتنا گھبرائی تھی۔
"ہائے اللہ' یہ تو میری ہے۔" اس نے آگے بڑھ کر لینے کی کوشش کی مگر اس نے جلدی
ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔
"مگر اس میں جا بجا "غالب" کا نام لکھا ہوا ہے۔" وہ اسے ستانے لگا۔
"ارے واہ' یہ کیا بات ہوئی' کسی کا نام لکھا ہونے سے وہ شے بھی کیا اسی کی ہو جاتی ہے
وہ اس کے یوں ڈائری والا ہاتھ پیچھے کر لینے پر وہ پریشان دکھائی دینے لگی۔
"اچھا... سنا تو یہی کچھ ہے جس دل پر جس کا نام لکھا ہو وہ دل بھی تو اسی کا ہو جاتا ہے۔"
نے یہ کہتے ہوئے پر شوق نظروں سے اس کے تاباں چہرے پر پھیلتی سرخی کو بغور دیکھا۔
"پلیز... غالب..." اس کی آواز اور لہجے میں لرزش اتر آئی۔ آگے بڑھ کر جھپٹ
ساری طراری گم ہو گئی۔ وہ خود میں سمٹ گئی۔ تب اس نے بڑے احسان کرنے والے انداز

ڈائری اس کی طرف بڑھا دی تھی۔

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

وہ ہنسی' پھر کتنے دنوں تک وہ اس شعر سے اسے چھیڑتا اور اس کے چہرے پر بکھرتے قوس و
قزح کے رنگ پھیلتے دیکھ کر محظوظ ہوتا رہتا۔
"ہا..." ایک گہری سانس اس کے سینے کی تہ سے خارج ہو گئی۔ اس نے یوں آنکھیں
میچیں جیسے ماضی کی چلتی تصویروں سے نگاہیں ہٹانا مقصود ہو۔
اسی خط اور سائرہ شاہ کی تحریر نے اس کے اندر کے ہولے ہولے لپکے شعلوں کو پھر سے بھڑکا
دیا تھا۔
"تم مجھے کسی حال میں سکون نہیں لینے دو گی سائرہ۔" اس نے خط مٹھی میں جکڑ لیا پھر یونہی
دراز میں ڈال دیا۔ اسے لگا جیسے اس کے دل کی جھیل پر پھر سے بہت سے پتھر پھینک دیے ہوں
اس لڑکی نے۔
اس کی نظریں ٹیلی فون سیٹ کی جانب اٹھیں۔ ایک دو لمحے وہ فون کو گھورتا رہا پھر دل کے
ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے ریسیور اٹھا کر مظفر ہاؤس کا نمبر ملایا۔
تیسری بیل پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔ دوسری طرف نیلی کی آواز ابھری جو غالب کے ہیلو کہنے پر
اسے پہچان کر خوشی سے چیخ اٹھی۔
"ہائے غالب... تم۔"
"کیسی ہو؟ اور یہاں خیریت ہے؟" اس نے ہلکی حیرت کا اظہار کیا۔
"جی' تم سناؤ کیسے یاد کیا ہے؟" اس کی آواز میں شوخی تھی۔ ایک لمحے کے لیے دوسری
طرف خاموشی چھا گئی۔
"غالب بھائی' اب آ بھی جاؤ' تائی ماں بہت یاد کرتی ہیں۔ تم نے کتنے دنوں سے فون بھی
نہیں کیا' انہیں۔"
"ہونہہ' سوچ تو رہا ہوں آنے کا۔"
"بس اب سوچو مت اور پلیز آجاؤ۔"
"سائرہ کیا کر رہی ہے؟" ایک دو لمحے توقف کے بعد اس نے اپنے لپکتے جھپکتے دل کو سنبھالتے
ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔
"ارے کرے گی کیا۔ ابھی ہم لوگ مارکیٹ سے لوٹے ہیں۔ چیزیں وغیرہ دیکھ رہے تھے۔

چلو اس بہانے تم سے بات تو ہو گئی۔" وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر سادگی سے بول رہی تھی۔

"اس کے جہیز کے زیور ابھی دیکھ رہے تھے۔ غالب کیا آفت سیٹ ہے۔ سائرہ کو دیکھو ذرا۔ آئینے کے سامنے کھڑی پہن کر اترا رہی ہے۔ ٹھہرو میں اسے ابھی بلاتی ہوں۔ تم ہولڈ کرو۔" وہ اپنی دھن میں بولتی ریسیور رکھ کر سائرہ کو پکار رہی تھی۔ اس بات سے بے خبر تھی کہ اس کے ایک جملے نے غالب کے دل میں کیا طوفان مچا دیا تھا۔

اسے ہنسنے' کھل کھلانے کی بہت سی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ سب شاید اسی کمرے میں تھیں اور یقیناً ان کھل کھلاہٹوں میں اس کی ہنسی بھی شامل ہو گی۔ اس سوچ کے ساتھ اس کا دل سلگ کر رہ گیا۔ اس نے لب بھینچ لیے۔ دوسری طرف ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو۔" لہجے میں بے تابی تھی مگر اس نے کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

تو سائرہ شاہ تمہارا یہ خط محض تائی ماں کی فریاد ہے۔ اس میں کوئی پکار تمہاری اپنی نہیں۔ ہاں تم واقعی منافق ہو۔ بہت بڑی دھوکے باز۔

اس کے دماغ میں کھلکھلاہٹیں گونجنے لگیں۔

"دیکھو ذرا سیٹ پہن کر اترا رہی ہے سائرہ۔" نیلی کا جملہ کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر ضربیں لگانے لگا۔

"ٹھیک ہے اگر تم خوش ہو' آنے والی خوشیوں کو سمیٹ لینے کے لیے دامن کھول چکی ہو تو پھر میں..... میں کیوں قید تنہائی کی صعوبتیں برداشت کروں؟"

میں تو مرد ہوں' سائرہ شاہ' تم سے کہیں زیادہ عمدہ طریقے سے حالات سے سمجھوتہ کر سکتا ہوں۔ مجھے بھی تو اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹنے کا حق ہونا چاہیے۔ اس کا دماغ کھولتا ہوا سمندر بن گیا۔

○☆○

"کیا ہوا؟" سائرہ کو ریسیور تھامے گم سم کھڑا دیکھ کر فارحہ نے اس کا کندھا ہلایا۔ پھر اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر اپنے کان سے لگایا۔

"لو' لائن تو کٹ چکی ہے۔" فارحہ مایوس سی ہو گئی۔ ابھی تو اسے بھی غالب سے باتیں کرنی تھیں۔

"ایں۔ دکھانا ذرا' ابھی تو غالب سے بات ہوئی ہے میری۔" نیلی چونک کر اس طرف آئی۔

"لائن ڈس کینکٹ ہوئی نہیں کر دی گئی ہے۔" سائرہ دھیرے سے بڑے ٹوٹے لہجے میں

[...]ک کی آواز نے اس کا دل بری طرح توڑ ڈالا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ غالب نے [...]رابطہ منقطع کیا تھا۔

[...]کیوں؟ محض اسے جلانے' سلگانے کا کوئی ارادہ تھا یا......؟

[...]اس نے خود ڈس کینکٹ کر دیا مگر کیوں؟" اس کے لہجے میں حیرت پنہاں تھی۔

[...]ارے نہیں' ایسا نہیں ہے تمہیں ہی محسوس ہوا ہے ورنہ اسے خود یہ لائن ڈیڈ کرنی تھی تو [...]کیوں کی پھر؟ دراصل تم آج کل پچی زیادہ ہو رہی ہو نا اس لیے ایسا محسوس کیا ہے۔" [...]کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے لگی جبکہ رابی اور فارحہ خاموشی سے بیڈ پر بکھرے [...]کے کپڑے تہ کرنے لگیں۔

[...]سائرہ پلیز۔" نیلی اسے انتہائی رنجیدہ دیکھ کر ڈانٹنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی کا غبار [...]رہا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر غالب کے اس رویے پر سلگ رہی تھی۔

"وہ شخص مجھے سلگا سلگا کر مارنا چاہتا ہے نیلی' پہلے ہی میں خود کو تائی ماں کا مجرم محسوس کرتی [...]اور سے یہ شخص۔ نیلی..... نیلی وہ ایسا کیوں کر رہا ہے" "کیا اسے میری مجبوری کا بالکل [...]اس نہیں ہے؟ وہ مجھے منافق سمجھتا ہے' مگر کیا وہ جانتا ہے کہ ایک لڑکی کو ایسا کرنے پر اس کے [...]اس کا معاشرہ' اس کے آس پاس رہنے والے لوگوں کی محبتیں اور اعتبار کے تقاضے مجبور [...]کرتے ہیں۔ وہ خود بھی تو اسی معاشرے کا فرد ہے۔ اس کے اطراف میں بھی تو ایسے بہت سے [...]لوگ بس رہے ہیں جو کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی طرح مجبوریوں کے جال میں پھنس کر بہت سی [...]دل کو اپنے ہاتھوں سے دور کر دیتے ہیں۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم۔" فارحہ نے اسے ڈپٹا۔ "بھاڑ میں گیا غالب' تم اس کے رویوں کو دل پر [...]لیتی ہو' چھوڑو دفع کرو' مت سوار کرو اسے سر پر۔ اسے تو کسی کا بھی احساس نہیں ہے نہ امی [...]ثاقب بھائی کا' نہ میرا۔ شاہ پیلس میں اتنے بہت سے لوگ جیسے اس کے کچھ لگتے ہی نہیں۔ [...]ضرورت تھی تمہیں اتنے فضول سے انسان سے محبت کرنے کی' محبت کرنے کے لیے کوئی [...]کا انسان نہیں ملا تھا۔" فارحہ چلا کر بول رہی تھی۔ اس کے آخری جملوں پر سب بے [...]ہنس دی تھیں۔

"اور کیا نہیں تو' ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں' بہت برے ہیں' غالب بھائی' ان سے اچھے تو خرم [...]بھائی ہیں۔"

"ویسے فاری کچھ غلط نہیں کہہ رہی۔" نیلی بھی ماحول کی اداسی کو دور کرنے کے لیے پُرمزاح [...]لہجے میں بولی تو سائرہ بھی آہستگی سے مسکرا دی۔

وہ ان سب کو رنجیدہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کتنے خلوص اور محبت سے وہ قدم قدم پر اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ وہ سوچتی اگر یہ سب نہ ہوتیں تو وہ کس قدر اکیلی ہوتی۔

وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگی۔ زیوارت کے ڈبے الگ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ سب دادی جان کو دکھا دوں؟ ابو کی پسند اچھی ہے نا؟" وہ کلائیوں سے چوڑیاں اتار کر بکس میں ڈالتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ارے زبردست...... یہ انکل تو بڑے باذوق انسان ہیں ہماری پھوپو کو بھی تو چن کر لایا ہے۔" فارحہ ہنسی۔ "ہاں بس قدر ہی نہ کر سکے۔" وہ مسکرائی اور زیوارت کے ڈبے اٹھائے دادی کے کمرے میں چلی آئی۔ صباحت بھی وہیں تھیں۔

"میں ابھی تمہیں ہی بلانے والی تھی۔ زیوارت اماں کو دکھانے تھے۔" صباحت اس کے ہاتھوں میں ڈبے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھیں اور اس کے ہاتھ سے لے کر ساس کے تخت پر رکھنے لگیں۔

"رات کو ہی آ گئے تھے۔ آپ سو رہی تھیں۔ انہوں نے جگانے کو منع کر دیا تھا پھر صبح سائرہ مارکیٹ چلی گئی تھی لاکر میں رکھ کر۔ آپ دیکھ لیں اماں۔ سارے آپ کے بیٹے کی پسند ہیں۔" صباحت بڑے چاؤ سے ساس کو ایک ایک بکس کھول کر دکھانے لگیں اور ساس صاحبہ بھی آنکھوں پر نزدیک کا چشمہ لگا کر گھنٹہ گھنٹہ بھر ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھیں۔

دو بڑے سیٹ تھے' چوڑیوں کا ایک سیٹ تھا۔

"ماشاءاللہ بہت پیارے ہیں۔ خیر سے بہت روپیہ اٹھ گیا ہو گا مظفر کا تو۔"

"بس اماں...... بیٹی کے سکھ کے لیے تو ماں باپ کرتے ہی ہیں ایک ہی تو بیٹی ہے۔"

"یہ کنگن کیسے ہیں یہ بھی جہیز کے ہیں؟" دادی کی نظریں دو چم چم کرتے کنگنوں پر پڑیں تو انہوں نے اٹھا کر بغور دیکھا۔ صباحت نے سائرہ کی جانب دیکھا مگر اس نے کوئی تاثر نہیں دیا۔

"نہیں اماں۔ یہ رئیسہ آپا کے لیے ہیں۔"

"کیا؟" دادی جان گویا حیرت سے فوت ہونے کو تھیں ہاتھوں میں پکڑے کنگن کا وزن سیدھا ان کے دل پر آ گیا۔ ایک دو لمحے تو وہ گنگ رہ گئیں۔ جیسے اس دھچکے پر قوت گویائی سلب ہو گئی ہو پھر کچھ بولنے کے قابل ہوئیں تو دونوں کنگن کھٹ سے تخت پر پٹخے۔

"دماغ تو درست ہے تم لوگوں کا۔ یہ اتنے موٹے موٹے کنگن کس خوشی میں رئیسہ باجی کو دینے ہیں' کیا اس کا بھی جہیز تیار کر رہے ہو تم لوگ؟"

ابھی کل نندوں اور رئیسہ آپا کے پہنونی کے کپڑوں کو دیکھ کر جی برا ہو کر رہ گیا تھا ان کا اب

[..]سرے دھچکے پر تو وہ برافروختہ ہو گئیں۔

"اماں! حرج ہی کیا ہے اور پھر رئیسہ آپا کون سی غیر ہیں۔" صباحت خالی ڈبے ایک طرف [..]ساس کے پاس بیٹھ کر شانے تھپکنے لگیں۔ "دیکھیں نا اماں' پہنونی میں لوگ سونا بھی تو دیتے [..]

"آئے بھاڑ میں گئے لوگ' بھلا کون لوگ ہیں ذرا میں بھی تو سنوں۔" انہوں نے چشمہ کے [..]بہو کو گھورا پھر سائرہ کو دیکھا۔

"تمہارے باپ کا دماغ خراب کر دیا ہے اس رئیسہ نے' ارے خدا کی پناہ اتنے موٹے [..]کڑے اسے پہنونی میں دینے ہیں۔ اس مظفر کے پاس کون سی پیسے کی گنگا بہہ رہی ہے۔"

"رئیسہ آنٹی نے ہی فرمائش کی تھی دادی جان۔" سائرہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ صباحت نے [..]ہڑا کر ساس کو دیکھا پھر سائرہ کو گھورنے لگیں۔

"دماغ تو درست ہے تمہارا' جاؤ تم۔ اماں کے لیے ٹھنڈا پانی لے آؤ۔" انہوں نے ڈپٹ کر [..]وہاں سے چلتا کر دیا۔

"اے میں سب جانتی ہوں اس لالچی کٹنی کو۔ اسی نے کہا ہو گا' اے لو' دیکھو ذرا پہلے کیا کم [..]دے رہے ہیں بیٹی کو۔ اس کا تو گھر بھر جائے گا۔ اے' میں کہتی ہوں صباحت اس نے کس منہ [..]سے فرمائش کی تھی۔ ذرا مجھ سے بات کراتے۔ منہ نہ نوچ لیتی اس کا۔ شرم نہ آئی اسے' یوں منہ [..]کھول کر کنگن مانگ لیے اور تم اور مظفر تو ہو ہی دیوانے۔ ادھر اس کے منہ سے فرمائش نکلی ادھر [..]پوری ہوئی۔ واہ بھئی واہ۔ کل کو وہ کار' کوٹھی مانگ لے گی تو کیا تم سب کو بیچ کر مظفر یہ فرمائش بھی [..]پوری کروا لے گا۔ یہ رئیسہ ہمیشہ سے لالچی رہی ہے۔ اب ایک رشتے پر ہی سارا جہاں اکٹھا کر لینا [..]چاہتی ہے واہ میاں۔ بیٹے کو دیکھتی نہیں ہے ایسا کون سا اس میں سرخاب کا پر لگا ہوا ہے جو اترائی [..]پھر رہی ہے' پھولوں جیسی بیٹی دے رہے ہیں' کافی نہیں ہے۔ اونہہ موری کی اینٹ [..]چوبارے چڑھی۔"

"اماں' اماں آپ بات تو سنیں۔" بیچاری صباحت انہیں سمجھانے بجھانے کے لیے ہاتھ پیر [..]جوڑنے لگی۔

"مجھے کچھ نہیں سمجھنا نہ سننا' جاؤ تم۔ میری بلا سے اس کا منہ سونے سے بھر دیا موتیوں [..]سے۔" دادی باقاعدہ ناراض ہو کر رخ پھیر کر بیٹھ گئیں۔

صباحت نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا پھر یہ سوچ کر زیوارت ڈبوں میں ڈالنے لگیں کہ [..]مظفر خود ہی انہیں سمجھا لیں گے۔

وہ باہر آگئیں اور سائرہ پر الٹ پڑیں۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی رئیسہ آپا کا نام لینے کی؟ احمق ہو پوری۔"

"مجھے کیا پتا تھا کہ دادی جان اتنی برہم ہو جائیں گے۔" وہ خود بھی پریشان تھی اور اب کہہ کر پچھتا رہی تھی۔

"ایسا لگتا ہے مجھے تو کہ اماں رئیسہ آپا کے نام سے ہی اب تو خار کھانے لگی ہیں۔ عجب تماشا ہے' زبردستی یہ رشتہ خود ہی جوڑا اور اب بات بات پر کیڑے بھی خود ہی نکالتی پھرتی ہیں۔' صباحت نے سر جھٹکا۔

"ٹھیک بھی تو ہے پھوپو' رئیسہ آنٹی کی فرمائشیں بھی تو بڑھتی جا رہی ہیں۔ جہیز کی بھی لسٹ ہی گنوا دی۔ حد کرتی ہیں وہ بھی' کیا سائرہ کی اپنی کوئی اہمیت نہیں ہے' ایسا کون سا بیٹا شاندار ہے۔" نیلی سے رہا نہ گیا۔ اس کے خیال میں پھوپو کی ساس کا رئیسہ آپا پر خفا ہونا بالکل بجا تھا۔

"بیٹی دے کر تو جھکنا پڑتا ہے نا۔ چلو خیر بس دعا کرو اماں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے ورنہ ادھر تمہارے ابا بھی کم گرم نہیں ہیں۔ کسی بات پر بھبھک گئے تو بس اللہ ہی حافظ ہے۔ میرا تو دل دھڑکتا رہتا ہے بس خیر سے اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔"

"ارے پھوپو سب خیریت سے ہو جائے گا' آپ فکر کیوں کر رہی ہیں۔" سائرہ انہیں منا لے گی۔" نیلی نے انہیں تسلی دی تو وہ سر پر ہاتھ پھیر کر مسکرا دیں۔

○☆○

زنیرہ علی کو وحشت زدہ سا گیٹ میں داخل ہوتے اور پھر سیڑھیاں پھلانگتے دیکھ کر شمشاد بیگم پانی کا پائپ کیاری میں ڈال کر اس کے پیچھے چلی آئیں۔

"زنیرہ کیا ہوا؟ شہلا خیریت سے تو ہے نا؟ وہ مونا لڑکی کچھ بتا رہی تھیں کہ وہ اسپتال میں ہے۔" شمشاد بیگم کے لہجے میں اضطراب تھا۔ وہ پلٹی اس کی خوبصورت آنکھیں گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اب بھی ان میں ہلکی ہلکی نمی چمک رہی تھی۔ اس کرب کی اتھاہ میں ڈوب کر دہکتی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

کیسے بتا دے کہ وہ کتنی ہولناک خبر سن کر آئی ہے اس کے متعلق؟

کس طرح وہ اپنے ٹوٹے بکھرتے دل کو سنبھال کر یہاں تک پہنچی ہے۔ گو کہ ڈاکٹر شکیلہ نے تسلی بھرے جملوں سے سہارا بھی دیا تھا مگر اتنی جلدی تشفی کیسے ہو جاتی۔

وہ کوئی کم سن یا نادان تو نہ تھی کہ ایسے بہلاوؤں سے فوراً بہل جاتی۔

"کیا بات ہے زنیرہ؟" شمشاد بیگم نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس کے سرخ چہرے اور سرخ آنکھوں نے ان کے دل کو اندر تک ہلا دیا تھا۔ جبکہ وہ بے بسی سے سر پلنگ کے کنارے ٹک گئی۔ ایک لمحے کو دل چاہا شمشاد بیگم کے سینے سے لگ کر وہ اپنا درد بٹا لے' اپنا دکھ شیئر کر لے۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اگر اسے رونے کو کسی کا کندھا نہ ملا اور فی الفور یہ جو اس کے شانوں سے نہ اتارا گیا تو اس کے اعصاب چٹخ جائیں گے۔ اس کا دل پھٹ جائے

گم......

وہ ایسی حماقت کا ثبوت بھی دینا نہیں چاہتی تھی۔

"سب ٹھیک ہے ابھی دو ہفتہ بھر اسپتال میں ہی رہے گی۔" بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"کیا کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟" شمشاد بیگم کی رگ رگ میں ہزار سوالات مچل رہے تھے۔

"نہیں' خدا نہ کرے وہ تو بس بارش میں زیادہ بھیگنے سے ٹھنڈ لگ گئی ہے یہ تو شکر تھا کہ مونا نظر آگئی تھی۔ وہ فوراً اسے اسپتال لے گئی۔" وہ ان سے نظریں چراتی ہوئی اٹھ کر الماری سے بے مقصد کھٹر پٹر کرنے لگی۔

"زنیرہ۔" انہوں نے اضطرابی انداز میں ہاتھ مسلتے ہوئے اسے پکارا۔ "میں جانتی ہوں بات نہیں۔ تم مجھ سے بہت کچھ چھپا رہی ہو۔ چلو کوئی بات نہیں' میں کرید نہیں کروں گی۔" وہ ...ب دل گرفتگی سے ہنسیں۔

وہ پلٹی اور خفت سے چہرہ واپس موڑ لیا۔

"شہلا ذہنی دباؤ کا شکار ہے' اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس میں قصوروار میں بھی ہوں۔"

"جی؟" اس نے تحیر کے ساتھ انہیں دیکھا۔ وہ پیشانی پر انگلیاں رگڑتی فرش پر نظریں ...ئے بڑی منتشر ذہن اور مضمحل دکھائی دے رہی تھیں۔

"میں ہمیشہ شہلا کو آوارہ' بدچلن اور جانے کیا کچھ نہیں کہتی رہی مگر.... مگر' اپنے گھر میں ...نے گریبان میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔" وہ قریبی کرسی پر یوں ڈھے گئیں جیسے پیروں میں ...نہ رہی ہو۔"

"میں سمجھی نہیں آنٹی۔" وہ الماری کھلی چھوڑ کر ان کے پاس چلی آئی۔

"زنیرہ! میں سب جانتی ہوں' کمال نے شہلا کے زندگی برباد کر ڈالی ہے اسے سبز باغ دکھا کر ...ا کے سارے سنہرے خواب بھی روند ڈالے ہیں۔ میں تو خود شہلا کا سامنا کرنے کے قابل ...ں سمجھتی خود کو۔ کیا خبر تھی کہ میرا بیٹا ایسا بھنورا صفت' بدچلن' اور سیاہ ...ن ہے۔ خدا گواہ ہے

زنیرہ، جس دن سے مجھے خبر ہوئی ہے اور اس کمینے سے اعتراف کروایا ہے اس روز سے میرا ضمیر مسلسل مجھے کچوکے لگا رہا ہے۔ میں نہیں جانتی شہلا کون ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ مگر..... اس گھر میں اس چھت تلے خود میرے بیٹے نے جو جرم کیا ہے اس کے ساتھ میں اس میں خود کو بھی خطاوار سمجھتی ہوں۔ ایک عورت ہو کر میں دوسری عورت کے استحصال پر زبان بند نہیں رکھ سکتی۔ اس نے کھلے طور شہلا کو دھوکا دیا ہے' پہلے اس سے منگنی' پھر شادی کا جھانسا دے کر ایک دھوکا دیا ہے۔" شمشاد بیگم کی آواز بھرا گئی۔ زنیرہ حیرت سے گنگ ان کا منہ تکتی رہ گئی۔

شمشاد بیگم اتنا کچھ جانتی تھیں جتنا تو شاید وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ ندامت میں گڑی... شمشاد بیگم ایک بالکل نئے روپ میں دکھائی دے رہی تھیں۔

وہ یک دم خود کو سنبھال کر ان کے لیے پانی کا گلاس بھر لائی۔

"میں نے کمال سے کہا ہے شہلا سے شادی کر لے۔" شمشاد بیگم نے گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر کے اسے دیتے ہوئے کہا تو زنیرہ ایک بار پھر حیرت سے گنگ ہو گئی۔ مگر دوسرے ہی لمحے ایک خوشگوار احساس کے ساتھ بولی۔

"کیا..... کیا وہ..... شہلا سے شادی کر لے گا؟ ہاں اگر ایسا ہو جائے تو..... اوہ یہ تو بہت خوشی کی بات ہو گی۔"

"یقیناً۔" شمشاد بیگم کرسی سے اٹھ کر اضطرابی انداز میں ٹہلنے لگیں پھر رک کر بولیں "ابھی تو انکار کر دیا ہے مگر میرا فیصلہ بھی اٹل ہے۔ اسے میرا یہ حکم ماننا ہو گا۔" ان کے لہجے میں سختی تھی۔ "تم بس شہلا کو راضی کر لینا۔ یقین کرو زنیرہ' میرے دل کا بوجھ اسی طرح کم ہو پائے گا ورنہ مر کر بھی میری روح کو سکون نہ ملے گا کہ اپنی اولاد کی تربیت پر پہلی پوچھ مجھ سے ہی ہو گی۔ سنا ہے ناکہ چور کو سزا نہ دو پہلے اس کے ماں باپ کو دو۔ تو بس میں سوچتی ہوں میں کیا منہ لے کر جاؤں گی حشر کے دن کہ ایک بیٹے تک کو نہ سنبھال پائی۔ زنیرہ میں اس کی ناں کو ہاں میں بدل کر دم لوں گی۔" شمشاد بیگم نے اسے گم صم دیکھ کر اس کا شانہ تھپکا۔ "اور ہاں مجھے شہلا کی خیر خیریت کی اطلاع دیتی رہنا۔ اگر مناسب سمجھو تو مجھے اس کے پاس لے چلنا کسی دن۔"

"جی' ضرور......" وہ آہستگی سے سر ہلا گئی۔ شمشاد بیگم کے جانے کے بعد وہ کتنی دیر خوشی کے اس احساس سے مسحور رہی۔

"میں شہلا کو یہ خبر سناؤں گی تو وہ یقیناً خوش ہو گی۔ کمال کو تو اس نے بڑے خلوص سے چاہا تھا' کتنی خوش تھی وہ جب اس فراڈی نے اسے منگنی کے نام پر انگوٹھی پہنائی تھی' اس کا دل

باتوں سے خوشگوار دھڑکنوں سے بھر گیا تھا۔
بوجھل اور سیاہ تاریک رات جیسے حالات میں یہ خبر کسی روشنی کے جھماکے کی طرح

کھڑکی میں کھڑی خنک ہوا میں چند گہری گہری سانسیں بھرنے لگی۔
ہو سکتا ہے شہلا نواز کے اندر توانائی بھر دے۔ اسے زندگی کی طرف لے آئے۔
کھلے آسمان کو دیکھا اور اس کا رواں رواں دعا یا ہو گیا۔ بے اختیار ہاتھ بلند کر

اللہ تو شہلا کو زندگی دے دے۔ اسے موت کے بازوؤں سے نکال لینا اس کی زندگی میں سکھ لکھ دے۔ خدایا۔"

○☆○

دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر ذرا سا اندر جھانکا تھا۔ وہ جوتوں سمیت بیڈ پر انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔
مل جائے گی؟"
ہی پوچھنے آئی تھی۔" وہ پلٹ گئیں۔ کچھ دیر بعد چائے کے ہمراہ داخل ہوئیں تو وہ سلیپر اور سفید شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔
یو۔" اس نے چائے لیتے ہوئے بھابی کا چہرہ دیکھا۔
آپ بھی رات بھر جاگتی رہی ہیں؟"
سے مطلب ہے کہ تم بھی جاگتے رہے ہو۔" انہوں نے سنجیدہ نظروں سے اسے
مضمحل انداز میں ہنس دیا۔

کا خوگر ہو گر انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

لیے اب یہ نئی بات نہیں ہے کوئی۔"
شکل دیکھی پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولیں۔
پریشانی شیئر کرنے کے بجائے خود الجھ گئی ہوں۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئیں اور میز پر انگلیاں پھیرنے لگیں۔
سوری۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔" وہ جلدی سے بولا۔
نہیں۔ میرا مطلب ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح میں تمہاری پریشانی

شیئر کروں ایک طرف زنیرہ ہے جس کی....."

"نہیں بھابی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر ان کی بات کاٹ دی۔ "میں جانتا ہوں آپ کا ... انصاف پسند ہے اور زنیرہ کے حق میں ہی ہے۔"

"نہیں شاہ دل' یہ بات نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولیں تو وہ ہنس دیا۔

"اس کا مطلب ہے آپ اب جانب داری سے کام لے رہی ہیں حالانکہ آپ کھلے ... ان لڑکوں کو مجرم کہہ چکی ہیں اور اب اصل مجرم آپ کے سامنے ہے تو آپ اپنی بات ... منحرف ہو رہی ہیں۔" بھابی اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"میں زنیرہ کو بھی اس کی جگہ درست سمجھتی ہوں۔ اس کا رویہ بجا تھا مگر میرا خیال ہے ... ایک مجرم کو اپنے جرم پر ندامت ہو اور وہ بذاتِ خود اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے ... سزا میں ترمیم ہونی چاہیے بلکہ ختم ہی کر دینی چاہیے۔ معافی تو بہرحال ہر جرم کی ایک حد ... ہوتی ہی ہے۔"

"بھابی۔" اس نے چائے کا مگ ٹیبل پر رکھ دیا اور رخ پھیر کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر ... لگا۔ "زنیرہ سے اتنا ضرور کہئے گا کہ وہ مجھے کوئی سزا ہی سنا دے۔ یہ گریز بڑا اذیت ناک ہے ... لیے' جو بذاتِ خود ایک بہت بڑی سزا سے کم نہیں۔" اس کی آواز بوجھل تھی۔ بھابی کے ... رکھے بوجھ میں کئی گنا اضافہ ہو گیا وہ کچھ دیر گہری چپ کے ساتھ اسے تکتی رہیں پھر ... گھمانے لگیں۔

"شاہ دل! مجھے..... مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔" ان کا لہجہ دھیما تھا اور چہرہ جھکا ہوا۔

اس نے پلٹ کر قدرے حیرانی اور نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"تم نے زنیرہ سے بہت زیادہ توقعات باندھ لی ہیں' اگرچہ اس نے تمہیں معاف ... مگر....." وہ لمحہ بھر رکیں' شاہ دل نے ان کے کہے جملے کا مفہوم سمجھ کر لب بھینچ لیے ... چہرے پر سرخی جھلک آئی۔

"کہیں یہ عمر بھر کا روگ نہ ہو جائے' شاید تم..... تم ہمیشہ سے بہت انتہا پسند رہے ... معاملے میں ہی' میں خوفزدہ ہوں شاہ دل کہ یہ یکطرفہ سفر ہی تمہیں کوئی دکھ نہ دے ... تمہاری ذات' تمہارا وجود صرف تمہارے لیے ہی نہیں ہے' اس پر چچی جان کا' چچا کا' ہم ... حق ہے۔" بھابی کے اندیشے ان کے لہجے میں لرز رہے تھے جیسے وہ کسی ان دیکھے خوف ... ہوں' اور حقیقت تھی کہ رات بھر وہ جاگ کر یہی سوچ کر پریشان ہوتی رہی تھیں کہ ... احساسِ جرم کو سنبھالتے سنبھالتے اب محبت کے جذبوں میں الجھ کر رہ گیا تھا جو کہ ...

... اور بہت جلد تناور درخت بن جاتے ہیں اور شاہ دل جیسا انسان بہت کم دنیا سے کوئی ... لیے منتخب کرتا تھا اس کا حصول بہت محدود تھا اس کی خواہشات بہت محدود مگر جہاں اور ... رکھ دیا اسے پانے کے لیے وہ جان کے زیاں تک بھی جا سکتا تھا۔ وہ اس کا دیور ہی نہیں ... بھی تھا۔ بچپن سے دیکھا بھالا کم گو مگر انتہا پسند۔

... مہذب مگر آئیڈیل لوگ زندگی میں ایک بار محبت کرتے ہیں پھر اس پر زندگی وار دیتے

اور اب زنیرہ کا گریز اور شاہ دل خان کے وارفتگانہ آگے بڑھتے قدم انہیں اندر ہی اندر ... رہے تھے۔ گو کہ شاہ دل نے کھل کر کچھ نہیں بتایا تھا کہ ایک احترام اور جھجک مانع ... بھلا یہ جذبے چھپائے کب چھپتے ہیں' یہ تو مثلِ مہتاب کی صورت دل سے ابھر کر آنکھوں ... پر چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے کم از کم آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا ... کتاب کی مانند کھل گیا۔" وہ بھابی کو دیکھتا متاسف ہو کر بولا۔ "یہ صرف میرا دکھ ہے' ... شانی ہے جو مجھے ہی اٹھانی ہے۔"

"کیا تم میرے بھائی نہیں ہو؟" بھابی نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا اب بتا کر پچھتا ...؟" ان کے انداز میں خفگی تھی وہ ہنس دیا۔

"نہیں چھوڑیں' لائیں چائے بھی شاید ٹھنڈی ہو گئی۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مگ کی ... بڑھایا۔

"ٹھنڈی ہو گئی ہے' لاؤ گرم کر دوں۔"

"... ہوں' بس ٹھیک ہے۔" اس نے مگ لبوں سے لگا لیا۔

"مجھے ذرا اسپتال لے جاؤ شہلا کو دیکھنے جانا ہے اور زنیرہ کی بھی ذرا خبر لوں۔ پتا نہیں اس ... نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہو گا۔ بالکل بزدل ہے۔" وہ بڑبڑاتی کمرے سے نکل

... کی حماقت اور بزدلی نے تو مجھے تنگ کر رکھا ہے وہ مگ کی سطح پر جمتی تہہ پر نظریں ... اس کے خوبصورت تصور میں گم ہو گیا۔

کہانی ایک ہے لیکن' جدا ہیں واقعے اپنے
تمہیں محشر اٹھانا ہے ہمیں محشر میں رہنا ہے
تمنا نے ہمیں پایا' تغافل ان کو راس آیا
کہ ہر احساس کو امجد کسی پیکر میں رہنا ہے

"چلیں جناب۔" بھابی چادر اوڑھ کر چلی آئیں۔

"ابھی؟" وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا اور حیران ہو کر یوں پوچھنے لگا جیسے بہت انوکھی بات ہو رہی ہو۔

"بالکل ابھی اور اسی وقت۔" وہ مسکرا دیں۔ "کیا زنیرہ سے ملنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے؟" ان کے انداز میں شرارت تھی۔

"بے کار ہی ہے۔" اس نے خالی مگ ٹیبل پر رکھا اور وہاں رکھی اپنی رسٹ واچ اٹھا کر کلائی پر باندھنے لگا۔

"آپ چلیں گاڑی میں بیٹھیں میں آتا ہوں۔"

"جلدی آنا، پہلے زنیرہ کے یہاں چلنا ہے پھر اسے ساتھ لے کر ہی اسپتال چلیں گے۔ میرا خیال ہے اس وقت وہ گھر ہی پر ہوگی۔" بھابی اسے بتاتی باہر نکل گئیں۔

"گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے کچھ سوچ کر بھابی کی سمت رخ کیا۔

"آپ کے خیال میں میری کیا سزا ہو سکتی ہے؟"

"ارے۔" انہوں نے اپنی طرف کا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔

"اب کوئی سزا وزا نہیں ہو سکتی۔ دو سال سے تم نے جو اذیتیں اٹھائی ہیں وہ کافی نہیں ہیں؟ اب تو اس لڑکی کے کان مجھے کھینچنے ہیں۔"

"نہیں پلیز، آپ اس سے اس موضوع پر بات مت کیجیے گا۔" وہ جلدی سے بولا اور پورچ سے گاڑی نکل کر سڑک پر دوڑنے لگا۔

"کیوں؟" بھابی نے قدرے برہمی سے اسے دیکھا تھا۔

"اس کیوں کا جواب نہیں ہے میرے پاس۔" اس کے انداز میں جھنجلاہٹ تھی۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ وہ چاہتا کیا ہے۔

"شاہ دل! آخر تم دونوں کب تک اس طرح حماقت کا ثبوت دیتے رہو گے؟ کب تک ا... فاصلوں سے چلتے رہو گے؟"

"اس لیے کہ ایسا کوئی یقین نہیں ہے کہ یہ فاصلے سمٹ جائیں گے۔" اس نے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے رکھیں، بھابی دو ایک لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر سر ہلانے لگیں۔

"سمجھ میں نہیں آتا وہ لڑکی احمق ہے یا ظالم، یا پھر تم میں ہی بہت زیادہ انا ہے۔" ان کا ... خفگی لیے ہوئے تھا۔ وہ ایک نظر ان پر ڈال کر زور سے ہنس دیا۔

ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی بات ہی نہ ہو اور پھر بقول آپ کے میرا جرم ناقابلِ معافی ...

"وہ پہلے کی بات تھی۔" بھابی جیسے چڑ کر رہ گئیں۔ "دیکھو شاہ دل، حالات بدلتے ہیں تو مزاج بھی بدلتی ہے۔ کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو۔ ہوتا تو یوں بھی ہے کہ ... ساتھ حالات بدلتے ہیں۔ ہمارے رجحانات، رویے اور پسندیدگی میں تبدیلی ہوتی ہے، انسان اپنے ہی ہاتھوں بنائے بتوں سے بے زار بھی ہو جاتا ہے اور کبھی اس شے کے حصول ... دیوانہ ہو جاتا ہے جسے کبھی اپنے ہاتھوں چھوڑ چکا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ غیر ... مزاج ہے یا سیماب صفت، بلکہ پرکھنے اور برتنے کا سلیقہ وقت اور حالات کے ساتھ آ جاتا ...

"محبت ان تمام چیزوں، باتوں سے الگ ہے آپ نفرت کو محبت میں نہیں بدل سکتے۔" وہ ... کی بات رد کرتے ہوئے بولا۔

"تم کس یقین کی بنیاد پر کہہ سکتے ہو کہ دوسری طرف نفرت ہی ہے۔"

"اس کی الجھی نظریں بھابی کے چہرے پر لمحہ بھر ٹھہر کر پھر پلٹ گئیں۔

"... کی بنیاد صرف نفرت تو نہیں ہوتی۔" بھابی کے لہجے میں گہری سنجیدگی اور جیسے تجربہ ... نفرت اور گریز دو الگ الگ ہیں۔ گریز ہار جانے کے خوف سے بھی ہوتا ہے، ہو سکتا ... کسی ایسی شکست کے خوف سے تم سے گریز کر رہی ہو میں نہیں مانتی شاہ دل کہ وہ ... بھی نفرت کر سکتی ہے۔ وہ تو شاید قابلِ نفرت چیزوں سے بھی نفرت نہیں کر سکے گی۔ ... اتنے مختصر عرصے میں بہت زیادہ پڑھ لیا ہے۔ ایک معصوم پر خلوص مگر اندر سے بے حد ... ہے اپنی عزت کو بہت سنبھال کر رکھنے والی۔ اس میں انا بھی نہیں ہے، ہاں بس ٹوٹ ... سے سہمی ہوئی ہے، شاید بکھرنے کے عمل سے دوبارہ دوچار ہونے سے خوفزدہ ...

... ان کی باتوں پر بے اختیار ہنسا تھا یوں جیسے دل میں عجیب سی سرخوشی کے پھول کھل ...

"بھئی، اتنے عرصے میں آپ نے تو ٹھیک ٹھاک اس پر ریسرچ کر لی ہے۔"

"... بھابی نے فرضی کالر جھاڑے۔

"تب بھائی کو بھی اتنا واچ کیا۔" اس نے چھیڑا تو وہ سرخ پڑ گئیں۔

"انہوں نے ایک مکا اس کے بازو پر جڑ دیا۔ "حالانکہ یہ ساری باتیں تو تمہارے

منہ سے مجھے سننی چاہییے تھیں۔ زنیرہ کو مجھ سے زیادہ تو تم نے نظروں میں رکھا ہوا ہے ہم سے پہلے تمہاری رسائی تھی۔"

"وہ مجھ سے تو وہ بات کرنے کی روادار نہیں ہے کیا خاک واچ کروں گا اسے۔ بہت مشکل لڑکی ہے۔ میں نے بھی ہمیشہ چیلنج کو قبول کیا ہے۔ یوں بھی میرے قدم اب آگے بڑھ سکتے ہیں پیچھے ہٹنے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ یہ میری مردانگی اور انا دونوں کی توہین ہوگی۔"

اس کا لہجہ بڑا گھمبیر تھا اور آنکھوں میں تمناؤں کے شرارے' البتہ لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔

بھابی کی اس ریسرچ رپورٹ نے اس کے دل میں عجیب سی گدگدی کر دی تھی۔

"منزل عشق ملا کرتی ہے جانبازوں کو
ایسے ویسے تو یونہی راہ میں مر جاتے ہیں"

بھابی شرارت سے بولیں۔ اس نے رخ موڑ کر ان کی طرف خندہ زیرلبی سے دیکھا۔

"وہ چلیں یہ تو وقت آنے پر ہی فیصلہ ہوگا کہ کتنا جانباز ہوں یوں بھی۔

مرتبہ میرا یہی ہے کہ زمیں زاد ہوں میں
سو وہاں ہوں کہ جہاں تک کوئی جا سکتا ہے
راستے عشق کے آساں نہیں ہوتے امجد
ہاں مگر جاں کے زیاں تک کوئی جا سکتا ہے"

اس نے کندھے اچکا دیے۔ بھابی مسکرانے لگیں اور اس کے خوبصورت چہرے کو ش... نظروں سے دیکھنے لگیں۔ کتنا مکمل اور مضبوط اعصاب کا لڑکا تھا اور کتنی احمق ہے زنیرہ جو... مضبوط پناہ گاہ سے خوفزدہ ہے وہ سوچ کر رہ گئیں۔

○☆○

اس نے سب سے پہلے شہلا کے لیے سوپ تیار کیا اور شہلا کی ضرورت کی چیزیں شاپر میں ڈال دیں پھر اپنے کپڑے نکالنے الماری کی طرف آئی تو الماری میں لگے قد آدم آئینے پر نظر پڑی تو ٹھٹک کر رک گئی۔ اپنے سراپا اور چہرے کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

بکھرے بال' تھکا تھکا مضمحل چہرہ' بال بھی دو دنوں سے نہ بنانے کی صورت میں چوٹی کا بینڈ نکل گیا تھا اور لچکدار بالوں کی گرہیں کھل گئی تھیں جنہیں وہ بار بار بس یونہی جوڑے کی شکل میں لپیٹتی رہتی تھی۔

کچھ دیر وہ یونہی دیکھتی رہی۔

...ک گہری سانس لے کر اپنی ذہنی حالت پر ہنس دی اور الماری کا پٹ پورا کھول کر کپڑے ...ا اور یونہی ان پر بغیر آئرن پھیرے باتھ روم میں گھس گئی۔

...اسپتال پہنچنا تھا۔ شمشاد بیگم صبح پھر آئی تھیں یہ کہنے کہ شہلا کو میری دعا کہنا۔ وہ بڑی ...عائیں دے رہی تھیں۔

...نے کمال سے بات کی پھر؟" اس نے ایک امید کے سہارے پوچھا تو دروازے سے ...رک گئیں' ایک لمحے ان کے چہرے کا رنگ بدلا۔

...ے بات ضرور کرنا' کمال کی طرف سے فکر مت کرو' اگر اس نے انکار کرنے کی ...تو میں اسے گھر سے نکال دوں گی۔ اسے میرا بیٹا بن کر رہنا ہوگا تو میرا یہ حکم بھی ماننا ہو ...نہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا اور یہاں خود کو تنہا ہرگز مت سمجھنا۔" وہ ...ب آئیں اسے تھپکی دی پھر چلی گئیں۔

...ے اب تک سارے کام نمٹاتے ہوئے وہ مسلسل شہلا اور کمال کے اس بندھن کا ...فی۔ اس کے خیال میں شہلا کے لیے یہ خبر خوش آئند ہوگی۔

...ا ایسا ہی ہو۔"

...ر نکلی' بالوں میں برش پھیر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اس کے خیال میں پھر ...آئی ہوں گی۔ وہ بے چاری صبح و شام چکر لگا کر شہلا کی خیریت دریافت کر جاتی تھیں۔ ...تھا جیسے اپنے اندر کے بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

...حالات انسان کے اندر کتنی تبدیلیاں لے آتا ہے۔ اس نے برش رکھ دیا اور بال ...ازہ کھول دیا مگر دوسرے لمحے بدک کر پیچھے ہٹی۔

...دھلی دھلی سیاہ آنکھوں میں حیرت کا سمندر امڈ آیا۔

...آنے کو نہیں کہوگی؟" وہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

...تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ حیرت کو سمیٹتی چیخ کر بولی۔ اس کے تو گمان میں بھی نہیں ...ہاں تک چلا آئے گا۔

...ملنے آیا ہوں۔" وہ اطمینان سے کہتا ہوا خود ہی اندر چلا آیا اور گھر کا بغور جائزہ لینے ...ہے تمہاری پناہ گاہ۔" ایک ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر چسپاں

...اب اسے بھی اجاڑنے آئے ہو۔" وہ کڑے تیوروں سے اسے دیکھنے لگی۔ جو زخم ان ...سے ملے تھے سارے ہی اسے دیکھ کر تپنے لگے تھے۔

"اتنی بدگمان ہو؟"

زنیرہ کے لبوں پر ایک مجروح مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہو گئی۔

"خوش گمانیاں تو پہلے ہی چھین لی تھیں اب تو یہی کچھ ہے میرے پاس' آپ ہی لوگ عنایت کردہ۔" وہ رخ پھیر کر انگلیاں چٹخانے لگی۔ "تمہیں یہاں کا ایڈریس کس نے بتایا؟ پیلس؟"

"نہیں..... یہ میں نے اپنی ذاتی محنت سے حاصل کیا ہے۔" وہ ہنسا تو وہ کڑھ کر پلٹی۔

"کیوں..... اتنی محنت کس سلسلے میں؟"

"دیکھو زنیرہ' میں ماضی کے ان واقعات کو بھول کر فی الحال اس رشتے سے تم سے ... ہوں جو تمہارے اور ہمارے مابین ہے۔ وہ دروازہ بند کر کے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے احمر! ابھی مجھے اسپتال پہنچنا ہے۔ پلیز میرے پاس وقت نہیں ہے۔" اسے یوں کرسی پر بیٹھتے دیکھ کر جھنجلا کر کچن میں چلی گئی اور شہلا کے لیے بنایا ہوا سوپ فلاسک میں بھرنے لگی۔

احمر کو دیکھ کر اس کے اعصاب بری طرح متاثر ہو گئے تھے۔

وہ فلاسک اٹھا کر باہر آئی تو وہ ہنوز کرسی پر جما بیٹھا تھا۔

"مجھے تم لوگوں سے کوئی شکوہ شکایت نہیں ہیں احمر' مگر پلیز اب مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" اس کا لہجہ التجا آمیز تھا۔

"اسپتال میں کون ایڈمٹ ہے؟" وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتا ہوا کرسی سے اٹھ کر کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگا۔ "ایسا کون ہے جس کے پاس جانے کو تم اتنی بے چینی رکھتی ہو؟"

زنیرہ کا دل چاہا وہ یہ گرم سوپ اس کے منہ پر اچھال دے۔

"میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔"

"اوہ' ہو۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر اسے گھورنے لگا۔ "جانتی ہو میں وہیں سے تمہارا پیچھا کرتا یہاں تک پہنچا تھا۔"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر جھکا دیا اور فلاسک میز پر رکھ دیا۔

"تم پوچھو گی نہیں کہ میں اسپتال میں کیوں تھا؟" وہ اس کے قریب چلا آیا۔ اس کے چہرے پر یک بہ یک گہری سنجیدگی چھا گئی مگر اس نے سر اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی کو کرید کی؟"

"امی ایڈمٹ ہیں وہاں۔" اس نے گویا لمحہ بھر توقف کے بعد اس کے سر پر دھماکا کیا۔ ایک پل کو وہ سناٹے میں رہ گئی پھر آہستگی سے سر اٹھایا مگر وہ سامنے دیوار کو گھور رہا تھا۔

"انہیں ہفتہ بھر پہلے فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ دائیں حصے پر۔ تمہیں تو خوشی ہوئی ہو گی یہ سن کر۔" اس نے اس کی طرف دیکھا تو وہ رنج سے کٹ گئی۔

"احمر..... احمر۔" اس نے گہرے دکھ کے ساتھ اسے دیکھا اور لب بھینچ لیے۔ "کیسے ہوا یہ سب اور چچا جان۔"

"بس تقدیر کا لکھا تھا۔ یونہی ایک شام اچانک وہ گر پڑیں۔ اسپتال لے گئے اب ہفتہ بھر سے وہیں ہیں۔ چہرے پر بھی ہلکا سا اٹیک کا اثر تھا۔ اب تو قدرے ٹھیک ہیں۔ اب بول لیتی ہیں مگر ہاتھ اور پیر ابھی متاثر ہیں۔ ہم لوگ سال بھر سے لاہور مستقل شفٹ ہو گئے ہیں۔"

"میرے خدا!" وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی اور سر جھکا کر کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"زنیرہ تم انہیں دیکھنے چلو گی؟" وہ اس کے گھٹنوں کے قریب جھک کر بولا۔

"کیا..... میں؟" اس نے خالی خالی نظروں سے احمر کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں چلو' میرے ساتھ۔ وہ تم سے مل کر یقیناً خوش ہوں گی۔" وہ اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر اصرار کرنے لگا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"نہیں..... نہیں احمر' میں..... میں نہیں آ سکتی۔"

"کیوں؟" اس کا چہرہ بجھ گیا۔

"بس میں دوبارہ ان راستوں پر نہیں چلنا چاہتی جہاں سے معتوب و رسوا ہو کر نکالی گئی تھی۔ میری دعائیں چچی کے ساتھ ہیں مگر میں..... نہیں احمر سوری۔"

"زنیرہ! اتنی ظالم مت بنو۔" احمر کا لہجہ ٹوٹ سا گیا۔ وہ پلٹی اور ایسی گھائل نظروں سے اس کی طرف دیکھا کہ وہ نظریں کترانے پر مجبور ہو گیا۔

"جو ہوا اسے بھلایا بھی تو جا سکتا ہے۔" وہ کچھ سوچ کر آہستگی سے بولا "کیا تم وہ سب کچھ بھول نہیں کر سکتیں؟ خواب سمجھ کر بھلا دو۔"

"وہ خواب نہیں تھا احمر۔" وہ جیسے کرب کی اتھاہ میں ڈوبتی چلی گئی۔

کتنا آسان ہے صرف کہہ دینا۔ ایک ایک لمحہ اذیتوں سے بھاری گزارا تھا اس نے' اور اب وہ کتنی آسانی سے کہہ رہا تھا کہ وہ سب بھول جائے۔ یہاں کھڑے کھڑے بس ایک لمحے میں وہ سارے دکھ ساری اذیتیں وہ ساری رسوائیں بھلا دے۔

اس کی رگ رگ میں کھولن ہونے لگی۔

"ہمیں تو شاہد بھائی نے بہت دیر بعد بتایا کہ تمہیں کسی سیاسی کھیل میں اور غلط فہمی میں اغوا کیا گیا تھا اور ثمین اور سبین کے بجائے تم ان کا حدف بن گئیں۔ وہ شاہد کی مخالف پارٹی کے تھے محض ڈرانے کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا تمہیں۔"

"کیا فائدہ اب۔" اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی اس کا رواں رواں جیسے نادیدہ آگ میں دہکنے لگا۔ وہ کچھ دیر جلتی نظروں سے احمر کو دیکھتی رہی پھر انتہائی کرب سے رخ پھیر لیا۔

"تب ہی تم نے مجھ سے رابطہ کیا ہے جب حقیقت کا علم ہوا ہے۔ میری زبان پر میری ذات پر اعتبار نہیں تھا میری گواہی کافی نہیں تھی۔ اگر شاہد بھائی اب تک خاموش رہتے تو میں تم لوگوں کی نظروں میں اب بھی ایک آبروباختہ لڑکی ہی رہتی۔ سوری احمر مجھے اب تمہاری معافیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بڑے مختلف انداز میں زندگی کو برتا ہے۔ اب ایسی خواہش جنم نہیں لیتی میرے اندر کے سارے جذبے مر گئے ہیں۔ چلے جاؤ تم۔ پلیز ناؤ گیٹ آؤٹ۔" اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔

"تم ایک بار امی سے مل تو لو۔"

"میرے ملنے سے کیا ہو گا۔"

"وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں زنیرہ' ان کی مشکل آسان کر دو' انہیں معاف کر کے۔"

"میں نے کہا نا مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں نے تقدیر کا لکھا سمجھ کر سب کچھ قبول کر لیا ہے۔" وہ اٹھی اور واش بیسن کے سامنے جا کر رخساروں پر ٹھنڈے پانی کے چھپکے مار کر باہر آئی۔

"چلو جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے مایوس ہو کر کندھے جھٹکے۔ "شاید تمہیں شاہ پیلس والوں کا بڑا سہارا مل گیا ہے۔"

اس نے تولیے سے منہ رگڑتے ہوئے اسے چونک کر دیکھا۔ احمر کے لہجے میں کیا تھا۔

ایک خفیف سا طنز ایک معنی خیزی۔

"اچھے لوگ ہیں مگر بہرحال تمہاری بنیاد تو ہم ہی ہیں اور پہچان بھی۔" اس کا انداز جتانے والا تھا مگر وہ چپ رہی اور چادر اوڑھنے لگی۔

"میں بھی امی کے پاس اسپتال ہی جا رہا ہوں' آؤ تمہیں بھی ڈراپ کر دوں۔"

"نہیں۔"

"زنیرہ! اتنا تو رشتہ داری کا مان رکھ لو۔" اس کا لہجہ کٹیلا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کچھ سوچ کر چیزیں اٹھا کر اس کے ہمراہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

"اب آئندہ یہاں مت آنا۔ ایک ہی حادثے نے مجھے بہت احتیاط پسند بنا دیا ہے۔" وہ گیٹ [illegible] ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"زنیرہ! میں اس روز شاہ پیلس میں اپنے رویے پر معذرت خواہ ہوں۔ شاید مجھ سے اس روز زیادتی ہو گئی تھی۔" وہ رک کر بولا تو وہ ہنس دی۔

"نہیں' اس روز تم یہ رویہ اختیار کرنے میں حق بجانب تھے اس لیے کہ شاہد رضوی نے تب تک میری پارسائی کی گواہی جو نہیں دی تھی۔"

احمر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

[illegible] کتنا بدل گئی تھی۔ وہ چہرے پر سنجیدگی اور سرد مہری سجی ہوئی تھی۔ خود میں اعتماد اور مقابل کو [illegible] کر دینے کا فن بھی سیکھ گئی تھی۔

مگر اتنی ساری تبدیلیوں کے باوجود وہ ایسی ہی دل موہ لینے والی تھی۔

[illegible] مسحور کن شخصیت رکھنے والی تھی۔ اس کے حسن میں اب شعلوں کی لپک بھی شامل ہو [illegible] جو مقابل کو خاکستر کر سکتی تھی۔

[illegible] پتلے پتلے نرم نرم ہونٹ جنہیں بے اختیار چھونے کی خواہش کی جائے۔

[illegible] کھڑی ناک اور اس میں چمکتی لونگ۔

[illegible] سادہ سے چہرے پر ساحر آنکھیں جن میں ڈوب کر ابھرنے کی خواہش نہ رہے۔

[illegible] وقت کی روانی نے اس حسن کو اور بھی نکھار دیا تھا جیسے اذیتوں سے بھرے مراحل سے گزر [illegible] ہوا سونا اور بھی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگے۔

[illegible] بائیک اس کے قریب لے آیا تو وہ اسی سرد مہری اور بے دلی سے اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

اس نے جونہی بائیک اسٹارٹ کی سفید گاڑی آ کر رکی۔ زنیرہ نے ایک دم پلٹ کر دیکھا شاہ [illegible] بھابی پر نظر پڑی تو وہ چونک گئی مگر اسی اثنا میں احمر اپنی دھن میں بائیک اڑا کر لے گیا۔

[illegible] دو لمحے سدرہ بھابی کی پلکیں نہ جھپک سکیں پھر انہوں نے توقف کے بعد شاہ دل کی [illegible] جس کی نظریں اس اڑتی دھول پر مرکوز تھیں اور چہرے کے نازک حصوں پر سرخی [illegible] تھی گویا اس نے بھی زنیرہ اور احمر کو دیکھ لیا تھا۔

[illegible] دوسرے ہی پل اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اتنے ریش انداز میں ریورس کی کہ ٹائر چرچرا [illegible]

✿✶✿

"شاہ دل! بات تو سنو۔" بھابی اس کے پیچھے اندر تک بھاگی آئیں جو گاڑی پورچ میں روک

کر خود اندر چلا گیا تھا۔

"پلیز بھابی' آپ عادل کے ساتھ اسپتال چلی جائیں۔" وہ پلٹ کر گہری سنجیدگی کے ساتھ بولا
اور اپنے بیڈ روم میں جا کر کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔

احمر کے ساتھ زنیرہ کو دیکھ کر سدرہ بھابی کو بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ اس وقت شاہ دل
کی ذہنی پراگندگی کو اچھی طرح محسوس کر سکتی تھیں۔

"بھلا زنیرہ کا احمر کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا تھا؟"

جہاں تک انہیں یاد تھا نیلی اور عمیر کی منگنی میں احمر بھی تھا اور زنیرہ بھی مگر دونوں میں سے
کسی نے بھی تو ایک دوسرے سے شناسائی ظاہر نہ کی تھی۔

بھلا ایک کھلے لان میں احمر چھپ تو نہ سکتا تھا' نہ زنیرہ نظروں سے اوجھل رہ سکتی تھی۔

وہ وہیں راہداری کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئیں۔

"کہیں اس فنکشن میں تو؟" یکدم انہیں اپنے دل پر ایک وزنی بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔
اس روز زنیرہ پیاری بھی تو بہت لگ رہی تھی۔ اتنی بہت سی رشک اور توصیفی نظروں میں احمر کی
بھی نگاہیں ہو سکتی تھیں۔

اسی سوچ کے ساتھ انہوں نے شاہ دل کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور جیسے نامانوس
سے کرب سے دوچار ہو گئیں۔ "خدا نہ کرے۔ جو میں سوچ رہی ہوں یونہی ہو۔"

"ارے آپ زنیرہ کی طرف گئی نہیں؟" نیلی انہیں دیکھ کر چونکی۔

"اوہ' ہاں۔ جا رہی ہوں۔ عادل کے ساتھ جاؤں گی' وہ کہاں ہے؟"

"عادل تو نہیں ہے البتہ ڈرائیور موجود ہے مگر آپ تو غالباً شاہ دل بھائی کے ساتھ؟"

"ہاں اسے کوئی ضروری کام یاد آ گیا ہے چلو اچھا ہے انکل نے ڈرائیور کو بھیج دیا ہے۔"
نیلی کو چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئیں۔

○☆○

"تمہیں پتا تو ہے سوپ ووپ میں پیتی نہیں ہوں۔" وہ جھنجلا رہی تھی مگر زنیرہ زبردستی
بھر بھر کر اس کے منہ میں گھسیڑ رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے۔"

"مجبوری ہے۔ شوق سے نہ سہی دوائی سمجھ کر پی لو۔ آں..... آں..... بس آخری۔"

"گاڈ سیک زینی بس کرو۔ مجھے تم لوگ حقیقتاً بیمار کر دو گے۔" اس نے ناگواری سے ا
ہاتھ دھکیلا اور تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے اسے گھورنے لگی۔

"تنگ آ گئی ہوں میں اس کمرے میں پڑے پڑے۔"

"تو بھئی باہر نکلا کرو۔ لان میں گھوما پھرا کرو۔"

"بکومت۔ میں صرف اور صرف اس اسپتال کی چہار دیواری سے نکل جانا چاہتی ہوں۔"
...نے تولیہ پٹخا۔

"اچھا میں ڈاکٹر شکیل سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔" وہ اسے بہلانے کو بولی۔

"آج ہی کرو بات۔ میرے خدا ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے جب آنکھ کھلتی ہے تو میرے
...وں میں سوئیاں گھسی ہوئی ہوتیں ہیں' کبھی انجکشن' کبھی گلوکوز اور وہ موٹی نرس جب دیکھو
...ین کا اسٹاک اٹھائے چلی آتی ہے نفرت ہو گئی ہے مجھے تو اس کی صورت سے بھی۔" وہ بری
...چی ہوئی تھی زنیرہ اس کے قریب بیٹھ کر پیار سے اس کے بال سہلانے لگی۔

"بالکل بچی لگ رہی ہو ضدی سی۔" وہ ہنسی تو شہلا نے تیوریاں چڑھائیں پھر بے اختیار ہنس
...دی۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہاری آنکھیں اتنی روئی ہوئی کیوں لگ رہی ہیں اور ہاں وہ لڑکا۔ وہ لڑکا کون تھا
تمہارے ساتھ دروازے تک آیا تھا۔ بلکہ تم آئیں بھی اس کے ساتھ ہی تھیں؟" شاہ پیلس کا
...نہیں لگ رہا تھا؟" وہ کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "یہاں سے دیکھا تھا میں نے
...میں۔ بائیک پر آئی تھیں۔"

زنیرہ نے اسپتال کے داخلی حصے کی طرف کھلنے والی اس کھڑکی کی طرف دیکھا اور کچھ دیر چپ
...گی پھر اس کے قریب بیڈ سے اٹھ کر فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"وہ احمر تھا۔"

"کیا احمر؟" شہلا تو گویا اچھل کر رہ گئی۔

"ہوں۔" وہ بیڈ کی چادر پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ "گھر تک آیا تھا۔" اس نے بتایا "اس نے
...اسپتال سے میرا پیچھا کرتے ہوئے ایڈریس معلوم کیا۔"

"حیرت ہے؟" شہلا اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "تم اسے یکدم کیسے یاد آ گئیں؟ کہاں تو تمہاری
...صورت دیکھنے کا روادار نہیں تھا مگر وہ اس اسپتال میں کیا کر رہا تھا تم نے پوچھا نہیں؟"

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔" وہ صاف جھوٹ بول گئی۔ اسے اس موضوع سے وحشت ہو
...تی تھی۔ "چھوڑو دفع کرو۔ شمشاد آنٹی تمہارا پوچھتی رہتی ہیں اور سلام بھی کہا ہے۔" وہ کچھ
...کر کرسی اس کے قریب لے آئی۔

"شہلا!" اس کے لہجے میں اضطراب تھا۔ شہلا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہوں؟"

"شہلا' وہ تمہیں بہو۔ میرا مطلب ہے کمال سے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہیں۔" اس نے یہ کہتے ہوئے شہلا کو دیکھا جس کے چہرے پر تحیر بکھرتا جا رہا تھا پھر اسی تحیر کے ساتھ وہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

"کمال ہے کیا اس وقت نشے میں تھیں وہ؟"

"شہلا! بی سیریس۔" وہ برا مان گئی۔ "انہیں تمہارے اور کمال کے تعلق کا بھی علم ہے اور وہ کمال سے نالاں ہیں یقین کرو شہلا' وہ بہت پریشان اور دکھی ہیں وہ خود کو مجرم سمجھتی ہیں ان کے خیال میں کمال نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس میں زیادہ قصوروار وہی ہیں اور اسے تم سے شادی کر کے اپنے منہ کی خاک صاف کرنی چاہیے۔ وہ ہر حال میں کمال کو اسی رشتے پر راضی کر کے دم لیں گی۔ بس تم ہاں......"

"لیو اٹ' پلیز زینی۔" وہ یکدم سوکھی لکڑی کی طرح چٹخ پڑی۔ اس کے زرد اور بنجر چہرے پر سارے جہاں کی سختی سمٹ آئی۔ وہ لبوں کو بے دردی سے دانتوں میں دبائے ہوئے تھی۔

"شہلا دیکھو پلیز۔ خفا ہونے کی بات نہیں ہے۔" اس نے گھبرا کر اس کا چہرہ دیکھا اور اپنا کانپتا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "آخر تمہیں اعتراض کیا ہے؟ تم نے کمال کو چاہا بھی ہے وہ تم سے شادی کر کے کوئی احسان نہیں کرے گا نہ شمشاد بیگم کا احسان ہو گا تم پر یہ تمہارا حق......"

پھر وہ اس کے نحیف کمزور ہاتھ پر اپنے ہاتھ کی گرفت سخت کرتے ہوئے بولی۔

"پلیز شہلا! میری خوشی کی خاطر کیا تم اتنا بھی نہیں کرو گی۔ یقین کرو شمشاد آنٹی بہت پریشان ہیں تمہارے لیے۔ وہ دل سے اس بندھن کی خواہش مند ہیں۔ میری طرف دیکھو شہلا۔" وہ اس کا چہرہ اپنی طرف موڑتے ہوئے التجا آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم بہت معصوم ہو زنیرہ!" اس نے ایک لمحے کو آنکھیں میچ لیں اور کھولیں تو وہاں سرخیاں ہلکورے لے رہی تھیں۔

"تمہارا خیال ہے میں محض بہلانے کو کہہ رہی ہوں۔ کوئی مذاق کر رہی ہوں؟"

"ارے نہیں۔ تم تو بہت پیاری بہت پرخلوص لڑکی ہو۔" وہ مسکرانے لگی اور بڑے سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر ہنسی۔

"چارہ گر نے بہر تسکین رکھ دیا ہے دل پہ ہاتھ
مہرباں ہے وہ مگر نا آشنائے زخم ہے"

وہ بے بسی سے لب کچل کر رہ گئی۔

"زنیرہ! میں نے آج تک واپسی کا سفر کیا ہی نہیں ہے۔ شاید ایسا ہے کہ میں ہمیشہ اتنا آگے بڑھتی جاتی رہی ہوں کہ واپس پلٹنے کو پھر راستہ ہی نہیں ملا۔ سکندر کو چھوڑا تو پھر۔ وہ اس طرح میری زندگی سے نکل گیا کہ باوجود چاہنے کے میں پلٹ کر اس تک نہیں پہنچ سکتی' دانیال ملک نے جس طرح میرے خواب روندے کہ میں پھر کوئی خواب دیکھ ہی نہ سکی پھر کمال' زنیرہ' کمال بھی دانیال ملک کا ہی دوسرا روپ ہے۔ میرے اعتبار کے رشتے کو اس نے ایسا کرچی کرچی کیا ہے کہ چاہنے کے باوجود نہ جوڑ پاؤں گی۔ لٹیرے' راہزن کبھی رہبر نہیں بن سکتے' خوابوں کو لوٹنے والے کبھی سپنے نہیں جگا سکتے' پلیز زینی! مجھے بار بار ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل سے دوچار مت کرو۔ میں اتنی خالی ہو گئی ہوں کہ میرے اندر تک سناٹا ہے ایسا سناٹا جسے اب کوئی آواز نہیں توڑ سکتی تم یہ خوش رنگ خواب پھر کہاں سے اٹھا لائی ہو۔ نہیں زنیرہ' نہیں' میں نے دو انسانوں سے شدید محبت کی اور اب انہی دو انسانوں سے مجھے شدید نفرت ہے ایک دانیال ملک اور ایک کمال احمد۔ یہ وہ نفرت ہے جس کا بیج انہوں نے ہی میرے اندر بویا تھا۔ جو اب تناور درخت بن گیا ہے۔ جس کی شاخیں میری رگ رگ میں پھیل چکی ہیں۔ میں نے ان دونوں کو کبھی معاف نہیں کیا اور نہ کروں گی۔ جہنم کی آگ میں ان دونوں کو خود سے بھی نیچے جلتا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

وہ بولتے بولتے ہانپ گئی پھر نم نم پلکیں سلگتی آنکھوں پر جھکا لیں۔

زنیرہ کا ہاتھ ڈھیلا ہو گیا۔

وہ گہرے رنج کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی۔

شہلا کے چہرے پر درد کی زردی تھی۔ وہ اپنے دل سے اٹھنے والی اذیت ناک لہروں کو برداشت کرتے ہوئے بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔

"شہلا۔" وہ گھبرا کر اس پر جھکی۔ "تم ٹھیک تو ہو نا پلیز آئی ایم سوری۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں تو چاہتی ہوں سارے جہاں کی خوشیاں تمہاری جھولی میں بھر دوں۔ سوری شہلا۔"

زنیرہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگ سے ہراساں ہو گئی۔

"میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

"نہ... نہیں۔ نہیں میں ٹھیک ہوں۔" اس نے زنیرہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی سانسیں تیزی سے ہونٹوں سے نکل رہی تھیں اور سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"نہیں پلیز مجھے ڈاکٹر کو بلانے دو۔"

"پاگل مت بنو۔ کہہ جو رہی ہوں ٹھیک ہوں۔" وہ لمحوں میں خود کو کافی سنبھال چکی تھی۔

زنیرہ اس کے اصرار پر ہار گئی پھر اس کا تکیہ ذرا اونچا کر کے اسے اوپر ہو کر بیٹھنے میں مدد دینے لگی۔

"تمہارے لیے اتنا بولنا ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اسے پانی پلانے لگی۔

"جبکہ میں بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" وہ مضمحل انداز میں مسکرائی۔ "زنی وہ ساری باتیں تم سے کرنا چاہتی ہوں جو کبھی کسی سے بھی نہیں کیں۔ صرف اپنے آپ سے کرتی رہی ہوں۔"

زنیرہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے مسکرائی۔

"ضرور کرنا مگر ابھی نہیں یہاں اسپتال میں نہیں گھر پر۔"

"ہاں گھر پر۔" شہلا نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔ "کس نے دیکھا ہے گھر۔ پتا نہیں میں تم سے بہت سی باتیں کر سکوں گی یا نہیں؟"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" زنیرہ کا دل اندر ہی اندر کانپ گیا مگر وہ اس کے چہرے کو بڑی پیار بھری، بڑی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"دل پیالہ نہیں گدائی کا
عاشقی در بہ در نہیں ہوتی"

"ہاں زنیرہ۔ یہ صرف شعر نہیں ہے حقیقت ہے۔ محبت صرف ایک بار ہوتی ہے اور ایک بار ہی اچھی لگتی ہے۔ سنو..... میں شاہ دل سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں۔"

زنیرہ اس کے بستر کی چادر کی سلوٹیں ٹھیک کرتے کرتے چونک گئی۔

"یہاں بھلا شاہ دل کا کیا ذکر؟" اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا مگر وہ ہنوز اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔

"میں چاہتی ہوں زنیرہ کہ اس سے ملوں ایک بار اور اسے کہوں کہ تم سکندر کی طرح بزدلی کا ثبوت نہ دینا۔"

"شہلا پلیز!" وہ بری طرح تنگ گئی اور قدرے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے دور ہٹ گئی۔

"زنیرہ۔ پتا نہیں کیوں مجھے احمر کا تم سے ملنا کچھ اچھا نہیں لگا اور تمہارا ابھی اس کے ساتھ یہاں تک آنا۔" شہلا کے لہجے میں اضطرابی جھنجلاہٹ تھی وہ ایک دو لمحے ساکت رہ گئی پھر سنجیدگی بلکہ قدرے کبیدگی کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب آئی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟ کیا مطلب ہے تمہارا ان باتوں سے؟" وہ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی شہلا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور کچھ کہنا چاہا کہ اسی لمحے کمرے میں آہٹ ہوئی اور اس کے ساتھ مونا اندر داخل ہوئی اس کے چہرے پر غیر معمولی پن تھا۔

"شہلا۔ دیکھو تو کون آیا ہے؟" وہ ایک طرف ہوتے ہوئے خوشگوار آواز میں بولی اور ...کی طرف دیکھا ان دونوں نے بھی دروازے پر نگاہ کی اور دو اجنبی چہرے اندر داخل ... زنیرہ کے لیے تو یہ دونوں ہی مرد عورت اجنبی تھے۔ جبکہ شہلا کی پلکیں ساکن ہو گئیں۔

"...من...نی۔ آپا۔" اس کی آواز میں کپکپی اور لرزش تھی۔

"شہلا۔ میری جان، میری بہن۔" منی آپا بے تابانہ آگے بڑھیں تھیں۔ زنیرہ سرعت سے ...ے ہٹی تھی ورنہ ممکن تھا وہ اس سے ٹکرا جاتیں چونکہ اس وقت ان کی آنکھوں کے ...آنسوؤں کی دبیز چادر تھی اور نظریں صرف شہلا پر تھیں۔

○☆○

زنیرہ کو احمر کے ہمراہ دیکھ کر شاہ دل کے احساسات کے سبھی تار جیسے جھنجھنا اٹھے تھے۔ اس ...دماغ میں شورش برپا ہو گئی تھی۔ اس کی رگ رگ میں کھولتا ہوا لہو گردش کرتا ہوا دماغ ...ٹکریں مار رہا تھا۔

"...ائی ٹ!" اس نے ایزل پر لگے اس کے خوبصورت پورٹریٹ کو بے دردی سے کھینچ لیا اور ...کے ایک طرف ڈال دیا۔

"تو زنیرہ علی مجھ سے گریز کی وجہ یہ تھی بھابی نے تو مجھے خوش فہمیوں میں ہی ڈال دیا تھا۔" ...عجیب شکستہ انداز میں خود کو صوفے پر گرا لیا۔

"...زنیرہ کی محبت میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اس کے خیال میں اب واپس پلٹنے پر صرف ...اس کا استقبال کر سکتی تھیں۔

"...احمر سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے ماسوائے اس کے کہ..... او گاڈ۔" اپنی سوچیں ہی ...نے لگیں۔

...بے چارگی آمیز کرب سے اس نے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کمرے کی ہر ...س کر ڈالے جس طرح اس ایک منظر نے اس کے اندر تک تباہی مچا ڈالی تھی اس طرح ...لے آئے۔

"زنیرہ علی تمہاری سرد مہری کے پیچھے اتنا ٹھوس جواز موجود ہے۔" ...ـــ"

...وہ کیا تھا جو مجھے تمہاری شکست محسوس ہوئی تھی وہ گریز جس نے مجھے اتنی خوش ...دی تھیں۔

...میری نظر کا دھوکا تھا۔

میری کم فہمی۔

وہ کمرے میں ٹہلنے لگا اس کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں۔

"نہیں زنیرہ میں تمہیں کبھی احمر کی منزل نہیں بننے دوں گا۔ میں بار بار تمہاری راہ میں آؤں گا۔" اس نے غصے سے تپائی پر لات ماری اور کار کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

اس کی منزل شاہد رضوی کا گھر تھا۔ جس کے گھر کا راستہ اس نے فاسٹ ڈرائیونگ سے صرف دس منٹ میں طے کرلیا۔ شاہد اسے دیکھ کر خاصا حیران اور خوش بھی ہوا۔

"اخاہ! کیسے یاد آگیا آج میں غریب؟ نصیبِ دشمناں مزاج یار کچھ غیر معمولی دکھائی دے رہے ہیں۔"

"اندر تو آنے دو۔" وہ دروازے پر کھڑے کھڑے اس کی ساری بکواس کے جواب میں بولا۔

"کیوں نہیں اندر آئیے' دل میں بھی آئیے۔" وہ ایک طرف ہو گیا اور اسے لیے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

"آج صبح ہی نعیم سے بات ہوئی تھی فون پر۔ تمہارا ہی ذکر خیر تھا اس کے لبوں پر۔ کہ شاہ دل کی رسی کوئی کھینچنے والا ہے یا نہیں ایک شہر میں رہتے ہوئے مہینوں ملاقات نہیں ہوتی اس سے۔"

"بس مصروفیت ہی اتنی ہے' تم سناؤ۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے رسمی سے انداز میں بولا۔ مشکل سے وہ خود کو معمول پر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یار' مصروف یہاں کون نہیں ہے خیر' یہ بتاؤ میرے غریب خانے پر کیسے آنا ہوا؟ میں شادی پر آنے پر تمہارے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی تھی۔"

شاہ دل نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا تو وہ زور سے ہنس پڑا۔

"سوری' شاہد یہ خالص زنانہ قسم کا شکوہ ہو گیا۔ اچھا تم ٹھہرو میں چائے وائے کا کہہ دوں۔"

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا اور شاہ دل سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنی سوچ میں گم ہو گیا۔ کچھ دیر بعد شاہد اندر آیا تو وہ اپنی سوچوں کو سمیٹتے ہوئے بولا۔

"احمر سے کئی دنوں سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ تم اس کے گھر کا ایڈریس تو جانتے ہو میں اس سے ایڈریس لینا بھول گیا تھا؟"

"ہاں ظاہر ہے کزن ہے میرا وہ۔ یار آج کل خالہ کی پوری فیملی گردش میں ہے۔" شاہد اطمینان سے اس کے قریب پھیل کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اتر آئی تھی۔ شاہ دل نے چونک کر اسے دیکھا۔

...یا ہوا ہے؟"

...خالہ کو فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ وہ اسپتال میں ہیں مہینے بھر سے۔ یہ لوگ لاہور مستقل ہی ... تمہارے علم میں تو ہو گا؟" اس نے رک کر شاہ دل سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

...ہوں کچھ کہہ تو رہا تھا احمر۔"

...ں یار۔ بس اس کی بہن فرزانہ کو طلاق ہو گئی۔ اس نے پسند و سند کی شادی کی تھی اپنی ...بی کے بھائی سے۔ بس دو چار ماہ ہی نبھ سکی پھر علیحدگی ہو گئی اور اس لڑکے کی بہن یعنی ...سہیلی سے احمر کی منگنی کی تھی ظاہر ہے اس صورت میں اسے بھی ٹوٹنا ہی تھا۔ خالہ کا دل ...باتوں کہ وجہ سے کراچی سے سخت برا ہو گیا اور وہ لوگ لاہور آگئے ہیں مگر یہاں آکر ایک ...ت ہوئی کہ خالہ کو فالج کا اٹیک ہوا۔"

...۔" اسے سخت افسوس ہوا۔

...ں یار۔ ہونی کو کون روک سکتا ہے اور پھر آج کل خالہ بہت زود رنج بھی ہو رہی ہیں اپنی ...ساتھ کیے گئے ظلم پر خالو بھی نادم ہیں۔ تم زنیرہ کو جانتے ہو نا؟" شاہد نے کچھ سوچ کر ...لے بسرے واقعات کی یاد دلانی چاہی۔

...کے نام پر اس کی تمام تر حسیات بیدار ہو گئیں۔

...ں۔" مگر اس نے بڑے مبہم انداز میں سر ہلا دیا۔

...الڑکی جسے تم لوگوں نے اغوا کیا تھا۔" شاہد رضوی اپنے ہی دھیان میں بولنے لگا۔

...کا دل ایک اذیت سے دوچار ہو گیا۔ یہ ایک ایسا داغ لگ گیا تھا اس کے کردار پر جسے وہ ...کے باوجود مٹا نہیں سکتا تھا۔

...تحمل سے بیٹھا رہا۔

...یاد ہے مجھے سب۔" اس نے سگریٹ کے مرغولے پر نگاہیں جما دیں۔

...احمر کی سگی چچا زاد ہے۔ احمر کے باپ نے ہی اسے پالا ہے۔ بس یار بیچاری ہمارے سیاسی ...طرح تباہ ہو گئی۔ ایمان سے شاہو۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے اسی وقت اس ...نہیں کی اس کی پاک دامنی کی گواہی کیوں نہیں دی۔"

...رضوی بولتا رہا اور شاہ دل انکشافات کی زد میں ساکت و جامد بیٹھا رہ گیا۔

...بلی! احمر کی کزن ہے۔" اس کا دل دھماکوں کی زد پر تھا۔

...اچھی لڑکی تھی یار بہت معصوم اور سادہ۔" شاہد کے لہجے میں ملال ہلکورے لے رہا ...سنا تو اب کہیں جا کر احمر کو بتایا ہے۔"

"کیا.... کیا بتایا ہے؟" اس نے نظر اٹھا کر شاہد کی طرف دیکھا اور ایک اذیت کے عالم میں ہونٹ بھینچ لیے۔ شاہد ہولے سے ہنس دیا۔

"فکر مت کرو تمہارا نام نہیں آیا۔" شاہد کے خیال میں اس کے چہرے پر پھیلتی سرخی اسی خوف کی تھی۔

"احمر بتا رہا تھا کہ اس نے زنیرہ کو ڈھونڈ لیا ہے۔ وہ لاہور میں ہی ہے اور جہاں رہائش پذیر ہے اس کا پتا بھی چلا لیا ہے۔"

"کیوں؟ اب کیا چاہتے ہیں وہ لوگ؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا مگر دوسرے ہی لمحے اپنے لہجے کی کڑواہٹ اور اس بے ساختہ سوال پر حیران رہ گیا اور کچھ خفیف بھی مگر شاہد اپنے دھیان میں تھا اس لیے اس کے لہجے کی تبدیلی کو محسوس نہ کر سکا۔

"خالو جان اسے اب اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے ماضی کے مظالم کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ نادم ہیں وہ لوگ اور احمر۔ خیر چھوڑو' یہ بتاؤ کہ تم آج کل کہاں ہوتے ہو؟ دکھائی نہیں دیتے۔ اچھا میں تمہیں احمر کا ایڈریس لکھ دیتا ہوں۔"

وہ یاد آنے پر جلدی سے ایک صفحے پر احمر کا ایڈریس لکھنے لگا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"تھینک یو۔" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے ٹرے سے کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"کمال ہے تمہیں احمر نے کبھی کچھ نہیں بتایا حالانکہ تم لوگوں سے تو اس کے خاصے اچھے تعلقات ہیں؟" شاہد اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا دیا۔

"اپنے خاندانی مسائل تو وہ مجھ سے ڈسکس کرنے سے رہا۔ اینی وے' مجھے تو بہت افسوس ہوا یہ سب سن کر۔"

"ہاں یار' بس دعا کرنا خالہ صحت یاب ہو جائیں' ارے تم کہاں چل دیے بیٹھو یار۔" اسے صوفے سے اٹھتے ہوئے دیکھ کر شاہد خفا ہونے لگا مگر باوجود اس کے اصرار کے وہ مزید ٹھہر نہ سکا۔ خلفشار نے اسے بدمزا کر کے رکھ دیا تھا۔

"یہ ساری باتیں' یہ انکشافات اس کے ذہن کو پراگندہ کر رہے تھے۔"

گاڑی میں بیٹھ کر وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ جما کر اسکرین کو خالی خالی نظروں سے گھور رہا تھا۔ زنیرہ علی اور احمر کے رشتے داری پر وہ نہ صرف حیران ہوا تھا بلکہ جانے کیوں دل متوحش ہو رہا تھا۔

عجیب بے کلی اور اضطراب رگ رگ کو چھو رہا تھا۔

اس نے اس پرچے پر نظر ڈالی جس پر احمر کا ایڈریس تھا پھر وہ پرچا احتیاط سے شرٹ کی

کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

اب اس کا رخ اسپتال کی جانب تھا جہاں احمر کی والدہ ایڈمٹ تھیں۔

○☆○

"چلو شکر ہے اس لڑکے کو بھی ماں کی یاد تو آئی۔" تائی اماں بولتی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کون غالب؟" منجھلی چچی سامنے تخت پر پاؤں لٹکائے گہری سوچ میں گم تھیں۔ تائی اماں کی بات پر چونک کر سر اٹھا کر پوچھا۔

"ہاں اور کون وہی بھگوڑا ہے نا میرا ایک۔"

"کیا کہہ رہا تھا' فون آیا تھا کیا؟"

"ہاں آ رہا ہے اسی ہفتے۔" تائی اماں کے چہرے پر بڑی خوش گوار چمک تھی۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ شکر ہے ضد تو توڑی۔"

"ہاں' میں بھی سوچ رہی تھی یہ لڑکا آ جائے تو اچھا ہے۔ سائرہ کی شادی میں بھی اب دن ہی رہ گئے ہیں اور وہ شریک نہ ہوگا تو مظفر بھائی کیا سوچیں گے اور پھر ان کی اماں کو تو موقع ... ہم لوگوں پر کیچڑ اچھالنے کا۔ میں نے کہہ دیا ہے اب تمہیں آنا بھی ہے اور سائرہ کی شادی کی رسموں میں بھی شرکت کرنی ہے۔ لو بھلا' اتنی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا رکھنا۔ ان کی بیٹی نہ دیا تو نہ سہی' لڑکیوں کی کمی ہے کیا اس کے لیے۔"

تائی اماں پلنگ پر بیٹھ کر رول کیا اخبار کھولنے لگیں۔ وہ شام کا اخبار بہت شوق سے پڑھتی ... کی ذمہ داری تھی اخبار جوں کا توں ان کے تکیے کے نیچے رکھ دیتی اور وہ فارغ ہو کر اس ... کرتیں۔

... اور نیلی ایک کونے میں اپنی قمیص پر گلے کا ڈیزائن چھاپ رہی تھیں۔ غالب کی آمد کا ... بھی ہوئی تھیں اور تائی اماں کی باتوں پر آزردہ بھی۔

... نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

... تائی اماں کو کیا کہتیں کہ غالب نے کیسے دل پر جبر کر کے تائی اماں کی اس خواہش کا ... تھا۔ بھلا یہ انا کا مسئلہ کب تھا یہ تو محبت کی ناکامی اور آزردگی کا جال تھا جس میں ان کا ... تھا۔ لاحاصل اور قیمتی متاع کھو دینے کا دکھ تھا جس سے فرار چاہ رہا تھا وہ۔

... نہیں کتنا کامیاب ہوا تھا وہ۔

... کو شدت سے اس کا انتظار اب ہونے لگا۔

"..." تائی ماں نے اخبار سے نظر اٹھا کر یونہی منجھلی چچی کو دیکھا جو اپنی چپلوں پر نظر

گاڑے دونوں ہاتھ گود میں رکھے سوچ میں گم تھیں۔
یہ پہلی بار نہیں تھا تائی ماں کئی دنوں سے ان کو یکدم سوچ میں گم ہو جانے والی تبدیلی محسوس کر رہی تھیں۔
"فائزہ!"
"جج.....جی.....جی بھابی۔"
"کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں تم بڑی الجھی الجھی رہنے لگی ہو۔"
انہوں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور ان کا بغور جائزہ لینے لگیں۔ تو چچی مسکرا دیں۔
"اچھا..... مجھے تو خبر ہی نہیں۔"
"یہی تو دیکھ رہی ہوں کہ تمہیں اپنی خبر کیوں نہیں رہی۔ کہاں گم ہو جاتی ہو؟"
"ارے گم کہاں ہو جانا ہے۔"
"کوئی پریشانی ہے کیا؟ نبیل کی طرف سے تو کچھ پریشانی نہیں ہے۔" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔
"ارے نہیں بھابی، پریشانی تو کوئی نہیں ہے۔" چچی جلدی سے وضاحت کرنے لگیں۔
"ادھر دیکھو، یہاں آ کر بیٹھو میرے پاس۔" تائی اماں پاؤں سمیٹ کر بولیں تو چچی نے ایک لمحے ان کی طرف دیکھا پھر اٹھ کر فرمانبردار بیٹی کی طرح جیٹھانی کے پہلو میں جا بیٹھیں۔
"کوئی بات ضرور ہے۔" تائی ماں کی بات پر چچی بے اختیار مسکرا دیں۔
"ہاں، بات تو ہے ایک....."
"ایں....." نیلی اور رابعہ نے بھی سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا پھر ایک دوسرے کو۔
"کیا بات ہے؟ لو دیکھو بھلا، میں نہ پوچھتی تو تم بتانے کی نہیں تھیں۔"
"نہیں بھابی، ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کو بتاؤں گی نہیں تو پھر کسے بتاؤں گی۔ دراصل آج کل سنجیدگی سے شاہ دل کی شادی کا سوچ رہی ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد گہری سنجیدگی سے بولیں۔
"میں نے سوچ لیا ہے اب اس سے پوچھوں گی نہیں اپنی چلاؤں گی، کیا خیال ہے مجھے ایسا چاہیے نا؟"
تائی اماں ہنس دیں۔
"میں تو پہلے ہی کہتی رہی ہوں تم ماں ہو کان پکڑ کر الٹا بھی لٹکا سکتی ہو، بس اب تم دونوں کر اسے گھیر لو پھر دیکھو کیسے انکار کر سکتا ہے۔ بہت اچھا خیال آیا ہے تمہارے دماغ میں بس اپنی ہی کر لو مجبور ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دے گا۔" تائی اماں جوش میں آ گئیں۔ "ہائے ب

سال ہو گئے اور وہ ابھی شتر بے مہار گھوم رہا ہے۔ ارے ہمارے وقتوں میں تو سولہ سال کے لڑکے اس بندھن میں بندھ جاتے تھے۔"
اللہ" تائی اماں سولہ سال میں تو داڑھی بھی نہیں نکلتی ہو گی۔" نیلی کو گویا شک تھا۔
ہٹ کوئی نہیں، ایسے گبرو جوان ہو جاتے تھے۔"
کھاتے تھے ایسا؟" رابعہ ہنسیں۔
کا گوشت۔" نیلی اور وہ دونوں شرارت کرنے لگیں۔ منجھلی چچی نے مصنوعی خفگی
اب تم دونوں باہر جاؤ، بے کار کی باتیں نہ کرو، ہاں تو میں کہہ رہی تھی بھابی کہ میں نے شادی کا سوچ لیا ہے بلکہ اس کے لیے لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔" اپنے تئیں چچی انداز میں بولی تھیں مگر نیلی کے کان میں جا پڑا۔
ہائے امی کون ہے؟" وہ اچھل کر ان کے قدموں میں آ بیٹھی۔
د۔" چچی نے اس کی مداخلت پر اسے گھور کر دیکھا۔ "اب تم لوگ ابھی سے اشتہار نہ
ذرا بہن کو کتنا ارمان ہے پاگل ابھی سے خوش ہونے لگی۔" تائی اماں مسکرانے
نا کیوں نہ ہو گا،" تائی اماں، میں تو روز دعا مانگتی ہوں کہ اللہ میاں جلدی سے ہمیں ایک اور شاہ دل بھائی کو پیاری سی بیوی دلا دے۔ امی بتائیں نا کون ہے؟"
پ رہو گی تو بتاؤں گی ادھر منہ سے کچھ کہا اور شروع ہو گئیں تم بولنے۔ اچھا پرے ہٹو، برات لے کر جانے کا کہہ دیا میں نے کہ تم دیوانی ہو رہی ہو۔" چچی اس کی دیوانگی پر نے لگیں اور تائی اماں کی طرف رخ کر کے بولیں۔
کی بھی دیکھی بھالی لڑکی ہے۔"
فائزہ، اب اتنا تجسس تو نہ پھیلاؤ۔" تائی اماں کے تجسس کی آگ پر گویا چچی نے اور اور بڑے اطمینان کے انداز میں مسکرانے لگیں۔
زنیرہ ہے۔" انہوں نے آخر کار خوشگوار دھماکا کر ہی دیا۔
لمحہ بھر کے لیے سکوت چھا گیا۔ چچی بھی خاموش رہ کر سب کو بغور دیکھنے لگیں مگر کا حیرت میں ناگواری نہیں تھی بلکہ نیلی تو لمحہ بھر میں ہی خوشی سے چیخ پڑی تھی۔
امی، زینی، یہی اپنی زنیرہ۔" وہ فرط جذبات سے ان کے گھٹنوں پر دباؤ بڑھاتے

ہوئے پوچھنے لگی۔

"لو دیکھو' میرا تو دھیان اس طرف کبھی گیا ہی نہیں۔ ماشاءاللہ زنیرہ تو بڑی ہی پیاری' دل م لینے والی بچی ہے۔ لگتا ہے خدا نے ہمارے لیے ہی اسے بھیجا ہے۔" تائی اماں کو حقیقتاً یہ ن بڑا بھلا لگا تھا۔ ان کی آنکھوں میں زنیرہ کا معصوم پیارا سا سراپا گھوم رہا تھا۔

"چچی! کیا زنیرہ کے گھر والے مان جائیں گے؟" رابعہ دور کا نکتہ لائی تو سب ہی چونک گئیں

"ہاں' یہ تو ہے فائزہ۔"

"کون سے گھر والے؟" چچی نے سر اٹھایا پھر یکدم سنبھل کر چپ ہو گئیں پھر بولیں "ار مانیں گے کیوں نہیں' کیا کمی ہے میرے شاہے میں؟ ماشاءاللہ لاکھوں میں ایک ہے۔" چچی لہجے میں ممتا کی مٹھاس اتر آئی۔

"اوئے ہوئے' کون لاکھوں میں ایک ہے؟" تیمور اندر داخل ہوا تھا۔

"شاہ دل بھائی اور کون؟" نیلی جھٹ سے فخریہ لہجے میں بولی تو تیمور کرسی پر جمتے ہو آنکھوں کو جنبش دے کر ہنسا۔

"انہی باتوں نے تو اس کو آسمان پر چڑھا رکھا ہے ویسے بائی دے وے آپ لوگ کس میٹنگ میں مصروف لگ رہے تھے' ذرا میں بھی تو سنوں کیا راز کی باتیں ہو رہی تھیں؟" وہ کے چہروں پر غیر معمولی پن دیکھ کر چوکنا ہو گیا تھا۔ چچی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"کچھ خاص باتیں کر رہے تھے۔"

"اوئے ہوئے۔" اس نے سیٹی بجائی۔ "چچی جان کیا مجھ سے بھی راز ہے؟"

"جی ہاں' ابھی سب سے راز رہے گا۔ بس اہم لوگوں کے درمیان ہی ڈسکس ہوا۔

نیلی نے اکڑ دکھائی تو وہ بڑے طنزیہ انداز میں ہنس دیا۔

"تو پھر تم اس کمرے میں کیوں ہو' جہاں تک میرا خیال ہے اہم لوگوں کی لسٹ میں تم تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرا نام نہ صرف اہم لوگوں میں بلکہ معتبر از کی لسٹ میں بھی سب سے اوپر ہوتا ہے۔" وہ دوبدو بولی تو جواباً تیمور کو مصنوعی کھانسی آ گیا۔ نیلی جھینپ گئی۔

"چل ہٹ شریر' تنگ نہ کر بہن کو۔" تائی اماں نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"بتائیں نا تائی اماں کیا بات ہے؟ آپ سب کے چہروں پر مجھے ایک انوکھی خوشی دکھ رہی ہے۔" وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے مچل اٹھا۔

"ارے خوشی کی بات ہی تو ہے پھر بھلا خوش کیوں نہ ہوں گے۔ دراصل ہم شاہ دل کی شادی کی بات کر رہے تھے۔" تائی اماں کو اس پر رحم آ گیا۔

"تو اس میں اتنی رازداری کی کیا بات ہے؟" اس نے کندھے جھٹکے۔

"شادی تو ڈنکے کی چوٹ پر ہو گی کوئی چھپ چھپاتے ہو گی۔"

"صرف شادی کی ہی نہیں' شاہ دل بھائی کی دلہن کی باتیں کر رہے تھے۔" نیلی چمک کر بولی تو نے جلدی سے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"ہو گئیں تم شروع۔"

"چچی..... چچی' یہ فاؤل ہے۔" وہ شاہ دل کی متوقع دلہن پر چوکنا ہو گیا۔ "جلدی سے بتائیے وہ ب کون ہے؟"

"ہائے خدا نہ کرے بدنصیب کیوں ہونے لگی۔" تائی اماں نے اسے آنکھیں دکھائیں "خیر شاہے تو ہیرا ہے' چاند سورج کی جوڑی رہے گی' ماشاءاللہ سے' ہائے فائزہ! سچ مانو تو میرا دل تو خوش ہوا ہے۔" تائی ماں چچی کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئیں۔

"چلیں تو بتا دیں کہ وہ چاند کون ہے' جس پر آپ سب لوگ کمند ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس کی رگ تجسس پھڑک اٹھی تھی۔ نیلی اور رابعہ اس کی صورت دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

"بتا دیں چچی بتا دیں' ورنہ بے چارے کو کھانا بھی ہضم نہیں ہو گا۔" رابعہ شرارت سے

"زنیرہ۔" چچی بڑی حلاوت سے بولیں اور تیمور گویا گرتے گرتے بچا۔ وہ کرسی سمیت خود کو کر پیچھے ہوا۔

"ہے تو واقعی چاند سورج کی جوڑی' مگر چچی یہ کمند آپ ڈال رہی ہیں یا وہ موصوف خود ہی یہ کر رہے ہیں ویسے آج یقین آ گیا کہ ماں اولاد کے دل کے حال جان لیتی ہے۔" وہ مسکراتا ہوا دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا مطلب؟" چچی نے نہ سمجھ آنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"مطلب' وطلب چھوڑیں بس اب جلد ہی یہ نیک کام کر ڈالیے یوں بھی موصوف آج کل کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں بقول عمیر کے' آفس میں آ کر بھی مضطرب سا رہتا گھر آ کر کمرے میں بند اور باہر نکل کر سڑکوں کی خاک۔ یہ ساری علامتیں بڑی خطرناک جلدی سے نکیل ڈال دیجیے۔"

اس کی باتوں پر سب ہنسنے لگے۔

○☆○

ہمارے بعد ہیں کچھ لوگ کیسے، دیکھ تو آئیں
چلو اس شہر کو اک بار پھر سے دیکھ تو آئیں
کسی دن آرزوؤں کے کھنڈر میں جھانک کر ہم بھی
درودیوار پر کیا کیا ہیں جالے، دیکھ تو آئیں
ہمارا نام سنتے ہی کسی مہ وش کی آنکھوں میں
چمک اٹھتے ہیں کیا اب بھی ستارے دیکھ تو آئیں
بہت دھندلے سہی شیشے سربزم وفا امجد
مگر اک بار وہ گم گشتہ چہرے دیکھ تو آئیں

"میں نے سنا ہے تم پاکستان جا رہے ہو؟"

گیلی مٹی پر بے مقصد لکیریں کھینچتے ہوئے غالب نے چونک کر سر اٹھایا۔ ماریا بے چارگی آمیز کرب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ تمہیں کس نے بتایا؟" اس نے حیرت کا ہلکا اظہار کیا۔

"مسز لینا نے جو تمہارے کپڑے دھوتی ہے۔" وہ اس کے قریب بینچ پر بیٹھ گئی۔

"ہاں آخر کار مجھے جانا ہی ہے، اب سوچتا ہوں کہ بے کار یہاں پڑا رہا جس کے لیے وہ تو،" اس نے کچھ کہتے کہتے ہونٹ بھینچ لیے۔

ایک رنج سا دل پر آگرا، ماریا نے اسے دیکھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی پھر جھکا کر کھینچی لکیروں پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے بولی۔

"اکیلے کیوں بیٹھے تھے؟"

"بس یہاں سے گزر رہا تھا موسم اچھا لگا اور کچھ رونق بھی لگی تھی سو یہیں آ بیٹھا۔ خاصہ پر رونق پارک ہے۔" اس نے نظریں دور بھاگتے دوڑتے بچوں پر جما دیں۔

"مگر تم تو الگ تھلگ گوشے میں بیٹھے ہو۔" وہ ہنسی۔

"تم مائیکل کے ساتھ آئی ہو؟" وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔

"ہوں..... آئی تھی۔" اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور ننھے پودوں کی قطار پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ "وہ خفا ہو کر چلا گیا ہے بہت جھگڑالو ہے۔ یہ مائیکل! مزاج کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتا۔" اس کے لہجے میں نخوت اور مائیکل کے لیے غصہ تھا۔

غالب نے بڑی سنجیدہ سی نظر اس پر ڈالی اور بینچ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

ہمارے یہاں کی عورتیں مردوں کے مزاج میں خود ڈھل جاتی ہیں۔" وہ بڑے فخر سے

"ماریا نے حیرت سے ہونٹ سکوڑ لیے۔ "یہ عورت کا استحصال ہوا۔"

"نہیں۔ یہ استحصال نہیں ہے، یہی ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور پر سکون بناتی ہیں اسی لیے یہاں شادیاں نوے فیصد کامیاب رہتی ہیں۔ بچے کسی محرومیوں کا شکار نہیں ہوتے یوں (قدرت) نے عورت کے اندر لچک پیدا کی ہے اس میں ڈھلنے کی خوبی ہوتی ہے۔"

"تمہارے خیال میں مشرقِ بعید اور مغرب کی عورت، عورت نہیں ہوتی۔" ماریا نے ان باتوں پر کڑواہٹ کا اظہار کیا۔

"عورت بس نام کی رہ گئی ہے۔ برا مت ماننا ماریا۔ آزاد خیال عورت کے اندر سے نسوانی [illegible] چکی ہے۔ پتا نہیں کس نے آزادیٔ نسواں کا نعرہ مار کر انہیں گھر سے بے گھر کر دیا ہے۔ مصلحت کے تحت جھکنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہے مگر دیکھنے کی بات ہے کہ گھر توڑ کر ایک مرد [illegible]رے مرد کی رفاقت کی تلاش کو معیوب اور نسوانیت کی توہین نہیں سمجھتی۔"

"ویری اسٹرینج" ماریا کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات اتر آئے۔ وہ [illegible]نوں پر جھولتے بالوں میں ہاتھ پھیرتی ہوئی غالب کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مسلم مرد اور عورت کبھی میری سمجھ میں نہیں آئے۔ میں نے امریکا میں بھی کتنے مردوں [illegible]ہے۔ سالہا سال سے وہاں رہتے ہیں مگر ان کا ذہن نہیں بدلتا۔ ان کی سوچیں اندر سے [illegible] مغربی عورت کے پیچھے بھاگتے ضرور ہیں مگر پھر برا بھی کہتے ہیں۔ لمبے لمبے فلرٹ کرتے [illegible]ادی اپنے ملک کی لڑکی سے کرتے ہیں۔ آئی ڈونٹ نو ایسا کیوں ہے "گالب" تم لوگ؟" وہ [illegible] تھی۔ الجھ رہی تھی پھر شانے جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ غالب خندہ زیر لبی سے اسے دیکھتا [illegible]۔

[illegible]لاف کرنا ماریا۔ کہنا تو نہیں چاہیے مگر تم نے بات ہی ایسی کر دی ہے کہ....." اس نے [illegible]جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ذرا توقف کیا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔ "جس طرح بچے [illegible] کھلونا آتا ہے وہ اسے پانے، اس سے کھیلنے کو مچل جاتا ہے اسی طرح مرد کے اندر بھی [illegible] بچہ ہمہ وقت ہوتا ہے اور مغرب کی پروردہ لڑکیاں ان مردوں کے سامنے کسی کھلونے [illegible]رتی ہیں، ان کے سامنے پیش ہوتی ہیں تو ان کا انداز بالکل انہیں چمکتے کھلونے کی طرح [illegible]ہیں دیکھو، ہم سے کھیلو، ہم تمہارے لیے ہیں۔ بس مرد بھی فطرتاً کمزور ہوتا ہے۔ اسی [illegible] اور اس سے کھیلنے کو مچل اٹھتا ہے۔ یاد رکھو کھلونوں سے کمرہ، گھر سجایا ضرور جاتا ہے

بسایا نہیں جاتا۔" غالب کا لہجہ باوجود ضبط کی کوشش کے کڑوا ہو گیا۔ ماریا کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں۔

"تو کیا تمہاری عورتیں پیش نہیں ہوتیں۔"

"مغرب کی عورتیں کی طرح پیش نہیں ہوتیں بلکہ انہیں دیکھ کر کھیلنے کی نہیں انہیں کانچ کی طرح سنبھال کر رکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔" اس نے گھوم کر ماریا کی طرف دیکھا۔ "میری باتوں سے اگر تم ہرٹ ہوئی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ جیب سے نکالے اور کندھے اچکائے۔

ماریا کا چہرہ اس دیئے کی طرح بجھ گیا جو ہوا میں رکھ دیا گیا ہو۔

اس کی آنکھوں کی قندیلیں ماند پڑ گئیں۔

وہ دونوں چلتے ہوئے پارک سے باہر آکر سڑک پر چلنے لگے۔

ماریا ہونٹ کاٹتی کبھی غالب کی طرف دیکھتی کبھی سامنے نگاہیں جما دیتی۔

یہ مسکراتا، کبھی یکدم سنجیدہ ہو جانے والا لڑکا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

ہر ہر روپ میں وہ دل موہ لینے والا تھا۔ اس کا نازک دل غالب کو قریب دیکھ کر ہر بار نئے جذبوں سے آشنا ہوتا تھا۔ ہر بار اس کے احساسات میں انقلاب برپا ہو جاتا۔

مگر آج......

نہ جانے کیوں دل گرفتگی سی پھیل رہی تھی رگوں میں جیسے ساری قندیلیں سارے دیئے ایک ایک کر کے بجھتے جا رہے ہوں۔

ساری امیدوں کے رنگ اڑتے جا رہے ہوں۔

خواہشوں کے درخت بانجھ ہوتے جا رہے ہوں۔

اس کے اندر ہواؤں کے زناٹے دار تھپیڑے چل رہے تھے۔

وہ یکدم مضمحل دکھائی دینے لگی۔

"میں سوچ رہی ہوں گالب، کہ مجھے مائیکل سے شادی کر لینی چاہیے۔" وہ سڑک کے کنارے پول سے ٹیک لگا کر بولی تو غالب ٹھٹک کر رک گیا اور ایڑیوں کے بل گھوم کر اسے دیکھا۔

وہ اضطرابی انداز میں اپنی ایک لٹ کو انگلی میں لپیٹ رہی تھی۔

اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔

جیسے اسے بہت کچھ کھو دینے کا ملال ہو۔

"یہ خیال تمہیں اچانک کیوں آیا؟" غالب کے لہجے میں محض حیرت تھی۔

"بس یونہی۔" اس نے نگاہیں رواں دواں گاڑیوں پر مرکوز کر لیں اور پلکیں جھپک جھپک کر ...ں کی زمینوں پر اترنے والی نمی کو پھیلنے سے روکنے لگی۔

"ماریا۔" غالب چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ "اچھا فیصلہ ہے مگر پوچھ سکتا ہوں یہ بالکل ... کیسے کر لیا؟"

ماریا نے جھٹکے سے چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا پھر ہونٹ بھینچ لیے۔ (پتا نہیں وہ انجان تھا ...ا تھا۔ یہ مسلمان مرد اس کی سمجھ میں کبھی نہیں آئے تھے۔)

"آج تم سے باتیں کر کے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"مجھ سے باتیں کر کے؟"

"ہاں...... یہ جان کر کہ تم واقعی سراب ہو، تم مسلم صرف مذہب میں ہی نہیں اپنی محبت میں ...حدت پسند ہوتے ہو۔" اس کی پلکوں کے ساتھ اس کا لہجہ بھی نم نم تھا۔

غالب خالی نظروں سے اس کا چہرہ تکتا رہ گیا۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ماریا ایسے ...بھی دیکھنے لگی ہے جو حقیقتاً سراب تھے۔

اس نے گہری سانس کھینچی اور جیسے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور رخ پھیر کر چلنے لگا۔

"ہاں ماریا، ہم محبت میں بھی توحید کے قائل ہیں، کم از کم میں اپنے بارے میں تو یہ کہہ سکتا ... ایک شعر سناؤں۔"

وہ بڑے بوجھل قدموں سے اس کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ جیسے زبردستی خود کو گھسیٹتی آ رہی ...

"سناؤ مگر خیال رہے انگریزی میں ہی۔" وہ بڑی بے دلی سے ہنسی تھی۔

غالب نے پلٹ کر نہیں دیکھا اپنی ہی لائن میں چلتا ہوا بولا۔

"میں محبت میں بھی توحید کا قائل ہوں فراز
ایک ہی شخص کو محبوب بنائے رکھنا"

اس نے شستہ انگریزی میں ہی شعر سنایا پھر یکدم اپنی جگہ رک گیا۔ ماریا نے بھاگتے ہوئے ...نے گھر کا رخ کیا تھا۔ چھوٹے سے باغیچے میں پہنچ کر وہ پلٹی۔ بس ایک دو لمحے رک کر اسے بڑی ... نظروں سے دیکھنے لگی اور پلٹ کر کھلے دروازے سے اندر گم ہو گئی۔

غالب کچھ دیر حیرت سے اپنی جگہ کھڑا رہ گیا پھر سینے سے ایک گہری سانس کھینچ کر ہلکے ...سے آگے بڑھ گیا۔

"او آئی ایم سوری ماریا۔ میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ جو خود خالی دل' خالی دامن ہو وہ دوسروں کی جھولی میں کیا ڈال سکتا ہے۔"

○☆○

"مجھے یہ یقین تھا کہ تم سے ایک دن ضرور ملوں گی چندا مگر...... مگر یہ کب گمان تھا کہ تجھے اس حالت میں دیکھوں گی۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسپتال کے ایک کمرے میں ہم دونوں ملیں گے۔" منی آپا کے اشک اس کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے اور شہلا کے آنسو ان کے کپڑوں میں۔

یکدم وہ ان سے الگ ہوئی اور بھیگی پلکوں کو جھپک کر سکندر کی طرف دیکھا اور بے خودی دیکھتی رہ گئی۔

وہ کھلنڈرا لڑکا کتنا بدل چکا تھا۔

مضبوط' توانا۔

چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی جو اسے ایک مکمل مرد ظاہر کر رہی تھی۔

چہرے اور آنکھوں میں گہری سنجیدگی' جس میں اس وقت اداسیاں بھی رقم ہو چکی تھیں۔ وہ دروازے سے دو قدم چل کر جہاں رکا تھا وہیں رکا رہ گیا تھا۔ وہ تو ابھی شہلا نواز کی حالت دیکھ کر گہرے صدمے سے نکل ہی نہ سکا تھا۔ جس کی ساری شاعری اسی لڑکی کے لیے تھی۔

سارے خوبصورت الفاظ۔

حسن کی تمام تر تشبیہات جس لڑکی کے لیے تھیں وہ آج ایک کھنڈر کی صورت میں اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔

اس نے کرب سے لب بھینچ لیے اور خود کو سنبھالتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔

"کیسی ہو؟" وہ منی آپا کے برابر کھڑا ہو گیا۔ ایک ہاتھ روتی منی آپا کے شانے پر رکھ کر اس سے مخاطب تھا گویا یہ یاد دلانے کے لیے وہ ماضی کے اس رشتے سے اس سے مخاطب تھا گویا یہ جتانے کے لیے کہ وہ ماضی کے اس رشتے سے اس کے سامنے نہیں' کھڑا بلکہ اب ایک معتبر کی حیثیت سے اس سے مخاطب ہے۔

پتا نہیں یہ اس کی دانستہ حرکت تھی یا انجانے میں اس نے یونہی اپنی بیوی کی تشفی کا [illegible] کیا تھا۔ شہلا نواز کے اندر بہت سا کچھ ٹوٹ گیا۔

یہی بہت ہے کہ دل اس کو ڈھونڈ لایا ہے
کسی کے ساتھ سہی' وہ نظر تو آیا ہے

اس نے پلکیں جھپکیں اور آنسوؤں کی نمی کے ہمراہ مسکرا دی مگر ایک مسکراہٹ میں ہزار غم محرومیاں چیخ رہی تھیں۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔" اس نے نظریں جھکا لیں۔

اب وہ اس پر کوئی حق نہیں رکھتی تھی۔ اسے اس نظر سے دیکھنا بھی اب گناہ عظیم تھا۔

مگر دل کو سنبھالنا' کتنا مشکل تھا اور وہ ایک کڑی آزمائش سے خود کو گزرتا محسوس کر رہی تھی۔ اس کی رگ رگ میں دکھن سی ہونے لگی۔ جیسے اسے کوئی چیز کاٹ رہی ہو۔

"خاک ٹھیک ہو۔" منی آپا آنسو پونچھتی اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ "اپنی حالت دیکھو ذرا۔"

"کیا ہوا ہے میری حالت کو؟" اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ یکدم بہت کچھ کھو دینے کا احساس روح میں چٹکیاں بھرنے لگا اور وہ جیسے مسلسل بوجھ سے تھک گئی ہو۔

"یہ تو یونہی مونا کھینچ لائی اسپتال' آپ لوگوں کا کیا خیال ہے میں...... میں مر رہی ہوں۔"

"خدا نہ کرے' ہم ایسا سوچیں۔" منی آپا نے دہل کر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا جسے اس نے غصے اور حقارت سے جھٹک دیا۔

"کیوں آئے ہیں آپ لوگ یہاں؟ کس نے بلوایا ہے آپ کو؟ میری بدحالی کا تماشا دیکھنے' مجھے احساس دلانے اپنی محرومی کا' گیٹ آؤٹ...... چلے جائیں یہاں سے۔" وہ اچانک ہسٹریائی انداز میں چلائی۔

منی آپا گھبرا کر پیچھے ہٹیں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگیں۔ زنیرہ اور مونا دونوں بھاگ کر اس کے قریب آئی تھیں۔

"شہلا' شہلا یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" اس نے اس کے شانے کو نرمی سے چھوا۔ "تم بہن ہو ہماری' تمہیں کیا خبر کہ تمہیں دیکھنے کو ہماری آنکھیں ترس گئی تھیں۔" منی آپا رنجیدگی کے عالم میں بولیں تو ایک زہر خند مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"مگر میں...... میں نہیں ترس رہی تھی کسی کی صورت دیکھنے کو۔" اس کی لال چور آنکھیں چھت پر ٹک گئیں۔ "میں بھول چکی ہوں سب کو' ہاں میں فراموش کر چکی ہوں ماضی۔ مر چکی ہوں تم سب کے لیے میں جانتی ہوں' جانتی ہوں کہ تم لوگ ہمدردیوں کے کشکول لے کر آگئے ہو مجھ پر لٹانے' مگر درحقیقت مجھے میری تہی دامنی اور محرومی کا احساس دلانے آئے ہو۔ مجھے میری ناآسودگی کا احساس دلانے آئے ہو۔ چلے جاؤ' گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ لیا۔ اس کی سسکیاں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگیں۔

"منی آپا اپنی جگہ ششدر رہ گئیں۔ ان کے لیے شہلا کا رویہ انتہائی حیران کن اور غیر متوقع تھا۔ انہوں نے سکندر کی طرف دیکھا جو مجرمانہ انداز میں ایک طرف کھڑا یہ عجیب تماشا دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت شہلا کی سسکیاں از خود اس کی ناآسودگیوں کا ماتم تھا۔

اس کی شکست کا کھلا اعتراف۔

سب کچھ کھو دینے اور خالی ہاتھ رہ جانے کا دکھ سسک رہا تھا جو سکندر کو دیکھ کر شعلے کی طرح بھڑک اٹھا تھا۔

نہ جانے وہ کب سے اس آتش کو سنبھالے ہوئے تھی۔ آج یکدم لاوے کی طرح بہہ نکلا۔

"سکندر۔" منی آپا کبیدہ خاطر ہو کر خود بھی رو پڑیں۔ "یہ ایسا سمجھ رہی ہے مجھے۔ اسے بتاؤ سکندر کہ میں اس کے لیے کس کس طرح تڑپی ہوں' یہ کیوں.....؟"

"آپا..... آپ تو سمجھداری سے کام لیں پلیز۔" مونا نے بے چارگی آمیز کرب کے ساتھ بہن کے کندھے کو تھپکا "یہ دراصل بیماری سے چڑچڑی ہو رہی ہے ورنہ آپ لوگوں کو بہت یاد کرتی رہی ہے۔"

"ہاں' میرا خیال ہے اس وقت اسے اکیلا چھوڑ دینا چاہیے' خوشی اور غم مل جائیں تو ایسا ہو جاتا ہے۔" سکندر آہستگی سے بولا۔ وہ جانے کیوں منی آپا سے نظریں نہ ملا پا رہا تھا۔ چہ جائیکہ اس کے دل کے اندر جو طوفان اٹھ رہے تھے منی آپا کو کہاں خبر تھی وہ تو خود شہلا کے رویوں' اس کی حالت پر ہی کڑھ رہی تھیں۔ ان کا دھیان سکندر کی طرف اس کے دلی خلفشار' اس کے احساس کی طرف کہاں جا سکتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

کس خلفشار میں پھنسا محسوس کر رہا تھا خود کو۔

اور ان کی یہ بے خبری' یہ معصومیت کم از کم سکندر کے لیے بڑی تقویت کا باعث تھی۔

وہ شہلا نواز کی ویران آنکھوں میں جو تحریر پڑھ چکا تھا' بس ایک ہی تصادم میں اس نے اسے اندر تک ہلا ڈالا تھا۔

اپنے ہی زخموں پر برسوں مرہم رکھتے رکھتے یکدم پھر سے سارے زخموں کی کھرنڈ اکھیڑ گیا تھا۔

اس نے روتی بلکتی منی آپا کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیا اور کمرے سے نکل گیا۔

"پتا نہیں میں نے آپا کو اور سکندر بھائی کو بلا کر اچھا کیا ہے یا نہیں؟" مونا آزردگی سے بولی "میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا زنیرہ کہ میں کیا کروں؟"

"مونا۔" شہلا کی آواز پر اس نے جلدی سے آنسو پونچھ کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ گھٹنوں

...ے ہوئے تھی۔

"...بجھا دو پلیز اور سارے پردے کھینچ دو۔ اندھیرا کر دو' یہ روشنی چبھ رہی ہے میری ..." اس نے سر اٹھایا پھر آنکھیں میچ کے تکیے پر سر گرا لیا۔ مونا نے کرب سے لب ... زنیرہ کی طرف دیکھا تو زنیرہ نے سر کو ہلکی جنبش دے کر گویا اشارہ کر دیا کہ وہ جو کہہ ... ڈالو۔ مونا خاموشی سے آگے بڑھی اور لائٹ بجھا کر سارے پردے کھینچ دیے۔ کمرہ ...رے میں ڈوب گیا۔

... پر تاریکی مسلط ہو گئی پھر وہ دونوں بے آواز چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں اور شہلا ...آنکھوں کو کھول کر اندھیرے میں جانے کیا تلاش کرنے لگی۔

...ل ان آنکھوں پر نہ جا
...یں دور رنج سے
...ر تو تیرے لیے
...ا گر لہرا گئے
...جگنوؤں کی چمک
...ہ کو پاگل کر گئی!
...جگنوؤں کے نور سے
...ہے کب وہ زندگی
...ے مقدر میں رہی
...لب سے تیرگی
...ہ میں گم صم ہے تو
...ے خبر! ناداں نہ بن
...ر سوزہ روح کو
...ے کانٹوں کی طلب
...ک دامن میں فقط
...لوں کے پھول ہیں

○☆○

"...نے مجھے بلایا تھا چچی جان۔" سدرہ بھابی منجھلی چچی کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"...و سدرہ' کتنے دن ہو گئے تم سے باتیں کیے ہوئے۔ ہزار بکھیڑوں میں خود کو الجھا رکھا

ہے۔ تم نے تو۔" چچی کپڑوں کی الماری بند کر کے اس کے قریب چلی آئیں۔ "بیٹھو۔"

"بس چچی جان بکھیڑے تو کیا ہیں زنیرہ کی طرف سے آج کل بڑی پریشان ہوں۔"

"وہ کیوں کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" چچی تشویش سے بولیں۔

"زنیرہ کی بہن شہلا اسپتال میں ایڈمٹ ہے نا۔" وہ کرسی سنبھال کر بیٹھ گئیں۔

"یہ شہلا...؟ اچھا وہ لڑکی۔ دیکھا تو ہے نیلی کی منگنی میں آئی تھی شاید۔"

"جی ہاں۔"

"یہ زنیرہ کی سگی بہن ہے؟" چچی کچھ سوچ کر بولیں تو سدرہ بھابی نے چونک کر ان کی دیکھا اور ان سے نظریں چرا کر سر ہلا دیا۔

"زنیرہ بے حد پریشان ہے اسے تو اپنا ہوش تک نہیں ہے۔ میں تو یہ فکر کر رہی ہوں خدانا خواستہ شہلا کو کچھ ہوا تو وہ لڑکی تو جیتے جی مر جائے گی۔"

"نہیں' خدا نہ کرے' خدا اسے زندگی دے۔ ایسی کیا بیماری ہے۔ شہلا کو؟" چچی نے سدرہ بھابی ایک لمحے کو سٹپٹا گئیں پھر مسکرا دیں۔

"چھوڑیں' یہ بتائیں کہ کیا خبر ہے جو آپ سنانے کو بلا رہی تھیں مجھے؟" نیلی کہہ رہی تھی کہ ایک اچھی مزے دار قسم کی خبر ہے۔ امی کے منہ سے ہی سننا۔ ذرا میں بھی تو سنوں دنوں سے کوئی اچھی خبر نہیں ملی۔"

"ہاں.... خبر تو اچھی ہے تمہیں اس بے وقوف نے کچھ بھی نہیں بتایا؟" چچی کا چہرہ کِ لگا تھا۔

"نہیں... کیا بات ہے بتائیں نا؟"

"صرف بتانا ہی نہیں ہے تم سے مشورے بھی کرنے ہیں اور بہت سی باتیں بھی۔" لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا ان کے چہرے کی طرح۔ سدرہ بھابی نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔

"ضرور کیوں نہیں مگر پتا بھی تو چلے کہ کس سلسلے میں باتیں اور مشورے کرنے ہیں"

"نہیں' اتنی جلدی نہیں تم فارغ ہو لو' اپنے بکھیڑے نمٹا لو پھر تسلی سے باتیں ہوں"

چچی اس کی بے قراری سے ہنس دیں۔

"ارے چچی خانم' ان کے یہ بکھیڑے سمٹنے کے نہیں ہیں اس نے تو شوہر کو بھلا

ثاقب بھائی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔

"لیجئے اب ان کے گلے شکوے بھی شروع۔" بھابی نے منہ بنایا اور مصنوعی خفگی کی طرف دیکھا جو چچی کے قریب بیٹھ رہے تھے۔

ہی تو کہہ رہا ہوں' ہم تو بات کرنے کو ترس گئے ہیں آپ سے۔" ثاقب بھائی ٹھنڈی ر کر بولے تو چچی ہنسنے لگیں۔

ہٹ' دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود بھی اتنا خیال رکھتی ہے تمہارا۔ ہر چیز وقت پر ڑے' جوتے' کھانا۔ کیا نہیں ملتا۔"

ہاں' کپڑے جوتے ہر چیز مل جاتی ہے بس بیوی ہی نہیں ملتی۔" انہوں نے نہایت ے سدرہ بھابی کو دیکھتے ہوئے دکھڑا رویا کہ سدرہ بھابی کا چہرہ مارے شرم کے سرخ ہو یں بے انتہا شرم آنے لگی جبکہ چچی ہنس رہی تھیں۔

گلے شکوے تم مردوں کے ختم ہی نہیں ہوں گے' بیوی کو خود ہی بچوں میں الجھا کر رکھ پھر شکوے بھی کرنے لگتے ہو توجہ بٹ جانے کی۔ اب ایسا تو ہو گا ہی نا۔ بچوں کے بعد بارہ ہو جاتا ہے۔" چچی سدرہ بھابی کا دفاع کرنے لگیں۔ بھابی کھل اٹھیں۔

لیجئے۔"

زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے محترمہ۔" ثاقب بھائی نے انہیں گھور کر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

ب بھائی' ثاقب بھائی۔" عمیر نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

ھائی خیریت۔" ثاقب بھائی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

بہت ہی خیریت ہے بلکہ گڈ نیوز' ابھی غالب کا فون آیا تھا لاہور ائیرپورٹ سے۔"

؟ وہ بے وقوف لاہور پہنچ گیا ہے۔" ثاقب بھائی خوشگوار حیرت کے ساتھ کھڑے ہو

اور موصوف اب اطلاع دے رہے ہیں اس حکم کے ساتھ کہ ان کی سواری کو اٹھایا فوراً ورنہ کچھ بھروسہ نہیں وہاں سے نکل پڑیں۔"

لو' دیکھو ذرا اس لڑکے کو بھی سرپرائز دینے کی سوجھی' ٹھہرو بھابی کو خبر دوں۔" چچی کا تائی اماں کی طرف گیا۔

ل گئی اطلاع۔" عمیر یہ کہتا ہوا ثاقب کے ہمراہ کمرے سے نکل گیا۔

کی آمد کی اطلاع نے شاہ پیلس میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔

لاہور پہنچ جانا جیسے کیسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ کم از کم وہ سب تو یہی سمجھتے تھے کہ وہ ہی بھلا رہا ہے۔ آئے گا نہیں سائرہ کی شادی سے پہلے۔

مطلب ہے اس لڑکے کو کچھ کچھ عقل آ گئی ہے۔" ثاقب بھائی شرٹ بدلتے ہوئے

خوشگواری سے بولے تو بھابی ان کا ٹراؤزر ہینگر سے نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے
دیں۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو' وہ خود کو سنبھال چکا ہو پہلے جیسا ہنستا مسکراتا غالب واپس آ رہا ہو۔"

"آمین۔" ثاقب بھائی تہہ دل سے بولے۔

"چلیں محترم اب آپ کی برات نہیں آنی۔" شاہ دل نے زور سے دروازہ بجایا۔

"بس جناب ابھی آیا تم لوگ گاڑی میں لد جاؤ۔"

ثاقب بھائی کے انگ انگ میں خوشگواری رچی ہوئی تھی وہ جب پورچ میں آئے تو
میں دو گاڑیوں میں وہ سب لدے ہوئے تھے۔ وہ سر تھام کر رہ گئے۔

تیمور نے ان کی سلور کار کا ہارن بجایا تو انہوں نے سب پر ایک نظر ڈال کر
ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

دوسری گاڑی شاہ دل ڈرائیو کر رہا تھا۔

"گھر میں بھی کسی کو چھوڑا ہے یا نہیں؟" انہوں نے پیچھے نظر ڈالی جہاں سب لڑکیاں
بیٹھی تھیں۔

"جی ہاں' امی اور چھوٹی چچی ہیں۔" نیلی جھینپ کر بولی۔

لاہور ایئرپورٹ پر خاصا گہما گہمی تھی۔ فلائٹ کو آئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ مسافر
رشتہ داروں کے گھیرے میں تھے۔

غالب پینجر لاؤنج سے نکلتا' شاہ دل اور ثاقب بھائی کو نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں
سفری بیگ تھا جسے اس نے اپنے شانے پر لٹکا رکھا تھا۔

"بلیک پینٹ اور وہائٹ شرٹ میں ہلکی ہلکی شیو کے ساتھ کچھ تھکا تھکا دکھائی دے رہا
ثاقب بھائی کی ساری خوش فہمی دھری رہ گئی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ افسردہ اور کمز
دے رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" شاہ دل نے اسے بڑی محبت سے خود سے لپٹا کر کہا۔

"بھائی میرے! کس مشین میں فٹ ہو گئے تھے۔ کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہے"

ثاقب بھائی اسے سینے سے لگا کر پھر اس کا شانہ تھپک کر پیار سے بولے تو وہ مسکرا دیا۔

"وہاں سے نکلتے وقت اطلاع دینی چاہیے تھی' ناحق تمہیں اتنا انتظار کرنا پڑا' ہنستے
ہو۔" وہ تینوں چلتے ہوئے باہر آئے جہاں وہ سب اس کے منتظر تھے۔ غالب اتنے ہجوم کو
بھر کے لیے پریشان رہ گیا۔

اتنا بڑا جلوس لانے کی کیا ضرورت تھی؟" اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی۔
ملنے کی خوشی یکدم اس کے چہرے پر روشنی بکھیر گئی تھی۔

السلام علیکم۔"

آداب۔"

غالب بھائی۔" ہر طرف سے آوازوں کا غلغلہ اٹھا۔ وہ مسکراتا تائی اماں کی طرف آیا
کے دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔ وہ بے پناہ مسرت سے مغلوب ہو کر ان کی طرف
نے اپنے خوشی سے کانپتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر اس کی روشن' کشادہ پیشانی
بے اختیار اسے خود سے لپٹا لیا۔

دھا کہیں کا' اتنے عرصے ماں سے منہ موڑے رہا۔" ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو
غالب کے چہرے پر ندامت کی چاندنی' اس نے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں تائی اماں کو
اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

✪✪✪

ب کو ایک شان سے وہ پورا جلوس شاہ پیلس لایا۔ ادھر دونوں چچیاں اور نبیل چچا اس
ال کے لیے موجود تھے۔ نبیل چچا نے تو اسے خود سے لپٹا کر پیار سے کان بھی مروڑے

ت نامعقول لڑکے ہو۔ میں تو ثاقب کو بس اب جاپان بھیجنے والا تھا کہ تمہیں کان سے پکڑ
دے۔"

ہوڑیں بھی بچے کے کان اس کے اپنے ہیں۔ ہاتھ ہی میں نہ آجائیں۔" منجھلی چچی شوہر کو
ہٹانے لگیں۔ سب ہنس پڑے۔

صرف اس کے کان اپنے ہیں بلکہ بچہ بھی اپنا ہی ہے۔ اس لیے تو کھینچ رہا ہوں پڑوسی کے
رہا۔"

برخوردار۔" وہ ہنستے ہوئے اسے خود سے لپٹائے اندر آ گئے۔

اماں کا چہرہ چودھویں کا چاند بنا ہوا تھا..... انوکھی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں جیسے برسوں
ملی ہوں۔

بچیوں نے رات کے کھانے کا خوب اہتمام کیا تھا۔ غالب بے چارہ یہاں بھی شرمندہ
شرمندگی میں ایک طمانیت تھی۔ اس کے چہرے کی افسردگی کے رنگ زائل ہو چکے
متاسف تھا کہ ناحق ایک بزدل لڑکی کے لیے اتنے بہت سے محبت کرنے والوں

سے دور رہا۔ اپنی آگ کو بجھانے کے بجائے اور سلگاتا رہا۔

ایک شخص صرف اپنے لیے تو زندہ نہیں رہتا۔ وہ جہاں رہتا ہے اس کے اطراف اور بھی بہت سے لوگ بستے ہیں' اس کے اپنے' اس کے سگے' خون کے رشتے جو بہت سے تقاضے کرتے ہیں۔ اپنی بے تحاشا لٹاتی محبتوں کا صلہ بھی مانگتے ہیں اور مانگنے میں حق بجانب بھی ہوتے ہیں۔

ایک فرد ان بہت سی خوشگوار خوبصورت زنجیروں میں جکڑا ہوتا ہے۔ انہیں کیسے توڑ سکتا ہے اور فرار کی کوشش سراسر خودغرضی ہے۔ اپنے دل کا سکون ڈھونڈنے کی تگ و دو میں دوسروں کا سکون غارت کرنا سراسر خودغرضی نہیں تو اور کیا ہے وہ کتنا خودغرض بنا رہا۔

رہ رہ کر اس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا اور ان سب کی والہانہ محبتیں' یہ خاطر مدارتیں کھلے دل سے معاف کر دینا اس کی شرمندگی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

وہ تائی ماں کے گھٹنے سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا کہ کسی طرح ندامت کا بوجھ کم ہو۔

"تیری صورت دیکھنے کو ترس گئی تھی میں۔ کوئی یوں بھی خفا ہوتا ہے رشتہ نہ ملنے پر۔" تا اماں کے شکوے میں مٹھاس تھی۔ سرزنش میں پیار ہی پیار تھا۔ وہ بس ان کے گھٹنے پر پیشانی ٹکا چپ بیٹھا رہا۔

"نیند آرہی ہے۔" انہوں نے گھنے بال سہلاتے ہوئے پوچھا تو اس نے ذرا سا سر اٹھایا۔

"نہیں۔ بس اچھا لگ رہا ہے یوں بیٹھے رہنا۔"

"پاگل۔" وہ ہنس دیں۔ کمرے میں اس وقت تائی اماں اور غالب کے علاوہ ثاقب بھائی بھی لیٹے طوبیٰ کو سینے پر بٹھائے ہوئے کھیل رہے تھے۔ گھر کی لڑکیاں عورتیں رات کے کھانے کے چھوٹے موٹے کام نمٹا رہی تھیں۔

"سائرہ کی شادی میں تو شرکت کرے گا نا؟" تائی اماں اس کے بال سہلاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ ثاقب بھائی نے طوبیٰ کو اچھالتے ہوئے یکدم رک کر غالب کی طرف دیکھا مگر اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"صباحت اور مظفر کی پہلی خوشی ہے۔ ہم اس کے اپنے شریک نہ ہوں گے تو پھر کون ہوگا"

"کب ہے اس کی شادی؟" یونہی سر جھکائے جھکائے پوچھا۔

اس کی آواز میں جو ٹھہراؤ تھا وہ اس کے دل کے اندر مچلتے طوفان کو روکنے کے لیے تھا۔

"لو اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ اب یہی ہفتہ بھر رہ گیا ہوگا۔ کیوں ثاقب؟"

غالب جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی کنپٹیوں کی رگیں چٹخنے لگیں۔ چہرے کو نارمل رکھنے کی کوشش میں انتہا سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

ں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "پلیز امی مجھے کسی بھی آزمائش میں نہ ڈالیے گا۔ میرا ضبط ۔ میں اگر لوٹ کر آیا ہوں تو صرف آپ کی خاطر اور اب اپنا واسطہ دے کر کسی بھی گزاریے گا۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں۔ پردہ اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

دل پکڑ کر رہ گئیں پھر ثاقب کی طرف دیکھا۔

اس..... اس نے یہ کیا کہا ہے؟"

ھائی طوبیٰ کو بیڈ پر لٹا کر تائی ماں کے قریب چلے آئے۔

رے بچے نے کوئی روگ لگا لیا ہے ثاقب؟" وہ دہل کر پوچھ رہی تھیں۔ ثاقب بھائی انے پر اپنا بازو پھیلا دیا۔

نہیں امی۔ روگ ووگ کی بات نہیں۔"

"

پنے مسترد کیے جانے پر اب تک توہین محسوس کر رہا ہے۔ یونہی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔

ہمت۔ اس کے ایک نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یوں بھی کچھ دن میں' ال لوں گا۔" انہوں نے بات سنبھال لی۔ تائی ماں کو ڈھارس سی ملی۔

تو ہے پھر تم اسے پیار سے سمجھا لینا۔" وہ سرہلاتی تکیے کے نیچے سے تسبیح نکالنے

○☆○

لی اور بے زاری کا عالم تھا جس میں زندگی تیرتی جا رہی ہے۔ امیدیں ہر صبح جوان شام تک کسی ٹمٹماتے چراغ کی طرح بجھ کر دھواں ہو جاتی ہیں۔

دکھائی دیتی ہیں مگر ہاتھ بڑھانے پر یوں پر سمیٹ لیتی ہیں جیسے رنگ چھوٹ جانے کا

یں ہیں ان میں دل خرچ ہوتا ہے' جاں خرچ ہوتی ہے۔ لمحے لمحے کی اذیت سے ۔ کوئی اس درماندگی کا علاج ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟

ے؟

پاس ہے؟

ڈائری میں قلم رکھ کر ڈائری بند کردی اس پر ٹھوڑی ٹکا کر جلتی آنکھیں موند لیں۔

دراوزے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی مگر وہ یونہی اپنے دھیان میں بیٹھی رہی۔اس کے غیر معم
لمبے، ریشمی بال، اس کی پشت پر ایک ریشمی ڈھیر کی طرح پھیلے ہوئے تھے اور ہوا کے ساتھ ا
خوشبو بکھیر رہے تھے۔

دروازے کو ہلکا سا دھکیل کر اندر جھانکنے والا شاہ دل اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تھا۔وہ یہاں تک
سفر بلا سوچے سمجھے کر گیا تھا مگر اب..... مبہوت سا کھڑا رہ گیا۔ ہر طرف ریشمی سیاہ زلفوں ک
ٹوپ اندھیرا دکھائی دینے لگا۔وہی مانوس سی خوشبو دل کی سرزمین سے اٹھنے لگی۔مضبوط اعص
کا مالک شاہ دل پھر وہی نادان سا بے قرار سا مچل مچل جانے والا بچہ بن گیا۔

اس نے گہری سانس کھینچی اور ہولے سے دروازہ بجا دیا۔وہ یوں چونک گئی جیسے کس
گہری نیند سے جھنجوڑ دیا ہو۔پلٹی تو حیران رہ گئی۔

زلفیں لہرا کر آگے جھول آئیں۔ڈائری ہاتھ سے لڑھک کر فرش پر دھپ سے گری۔

"سوری دروازہ کھلا تھا ورنہ باہر ہی سے دستک دیتا۔" اس نے ٹراؤزر کی جیبوں میں
ڈالے معذرت خواہانہ نظر ڈالی اور نظریں اس رخِ یار پر جم کر رہ گئیں ___ وہ کسی خوا
کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھی تو شاہ دل ایک خوبصورت احساس کے ہمراہ اس تک پہنچا۔

چند لمحے ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے رہے۔

شاہ دل نے بڑی معنی خیز آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ یکدم عالمِ مدہوشی سے عالمِ خو
میں آ کر یوں گھبرا اٹھی جیسے کوئی بڑی گڑبڑ ہو گئی ہو۔

کسی بڑے نقصان کے ہو جانے کا احتمال ہو۔

"آپ..... آپ یہاں؟" وہ خود کو سنبھال کر اس کی بھوری آنکھوں کے طلسم سے
بولی۔پہلا دھیان دوپٹے کی جانب گیا۔اسے جلدی سے اوپر کیا جھک کر فرش سے ڈائر
اس سے دور ہٹ گئی۔

"یہاں تک آنے کے لیے میرا خیال ہے کسی ویزے کی ضرورت نہیں پڑتی۔
ہے؟" اس نے براہِ راست اس کی کھلی کھلی مدہوش کر دینے والی آنکھوں میں جھانکا۔
دانتوں میں لب دبا کر پلکیں جھپک لیں۔

"یہ ضروری تو نہیں جہاں ویزے کی ضرورت پیش نہ آئے وہاں جایا ہی جائے۔
انداز کسی کم سن ناراض بچے کی طرح تھا مگر دل کے اندر کا شور خود اپنی سماعتوں کے لیے
رہا تھا۔

اتنے دنوں بعد یکلخت روبرو دیکھ کر رگ رگ میں وحشت اتر آئی تھی۔

اور مصیبت تو ساری یہی تھی کہ یہ وحشت مضبوط رہنے کا سارا عمل بکھیر کر رکھ دیتی تھی۔
کمزور محسوس کرنے کے باوجود مضبوط دکھائی دینے کی اذیت اٹھانا کوئی کھیل تو نہیں تھا۔اتنا
ن نہیں تھا ان مراحل سے گزرنا۔

مگر یہ ساری باتیں وہ اس شخص سے کہہ بھی تو نہیں سکتی تھی۔
اپنی حماقت ثبوت پیش کر کے تماشائی بننا تھا۔

ہزار قسم کے خوف اور اندیشے اس کے دل کے گرد مکڑی کی طرح جال بن رہے تھے۔
پتا نہیں ایسا کیوں تھا۔اپنی غیر موجودگی میں یہ شخص دل کے بے حد قریب محسوس ہوتا مگر
تنا قریب آ جانے پر اسے دور کیوں دکھائی دیتا تھا یا وہ خود اپنے خول میں سمٹ کر اس کی نظروں
پنا چاہتی تھی۔

یہ اس کی بڑی غیر شعوری کوشش سی ہوا کرتی تھی۔

"حیرت ہے اس سے پہلے یہاں عمیر، غالب بھی آ چکے ہیں۔ تم نے ایسا اعتراض تو نہیں
یا تھا۔" وہ زچ ہو کر دینے میں تو کمال ہی رکھتا تھا اور زنیرہ علی اتنی مضبوط اعصاب کی کب

"مگر... مگر آپ کو نہیں آنا چاہیے تھا... بس..." وہ کسی ضدی بچے کی طرح بولی وہ پیچھے ہو کر
کی سے نیچے دیکھنے لگی جہاں شمشاد ہاؤس کا لان دکھائی دے رہا تھا۔وہیں ایک کیاری کے پاس
شاد بیگم خود بھی موجود تھیں۔اس کا دم اٹک کے رہ گیا۔

ایک نادیدہ سا خوف سینے کی تہہ پھڑپھڑانے لگا۔

"ایک چھوٹے سے دل میں ہزار خوف پال سکتی ہو مگر میرے لیے کوئی گنجائش نہیں نکل
" وہ تمسخرانہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھ کر ہنس پڑا۔

پتا نہیں وہ ایسے جملے اپنی شکست کے اعتراف میں کہتا تھا یا اس کا مذاق اڑانے کو۔وہ کبھی
ن نہ پائی تھی۔

اس نے عین اس کے برابر کھڑے ہو کر اسی کھڑکی سے نیچے ایک نظر ڈالی۔اس کے خوف کا
خذ تو وہ پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔وہ اس کے یوں قریب آ جانے پر حواس باختہ ہو گئی اور پیچھے
ر الماری سے بالکل چپک گئی۔

"شمشاد آنٹی سے سلام دعا کے بعد ہی یہاں تک پہنچا ہوں۔انہوں نے مجھے خود ہی یہ راستہ
ہے۔"

"کیا؟" وہ اچھلی۔"آپ نے ان سے کہہ دیا کہ میں زنیرہ سے ملنے آیا ہوں؟" اس نے

آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا تو شاہ دل کا جی چاہا کہ کوئی وزنی شے اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

"میں تمہیں اتنا احمق نظر آتا ہوں؟" وہ سچ مچ اس جملے پر چڑ گیا۔

وہ خفیف سی ہو کر خود میں سمٹ گئی۔

"تو پھر کیا کہا آپ نے؟"

"صرف اتنا کہ سدرہ بھابی نے مجھے زنیرہ کو لینے بھیجا ہے۔ میرے خدایا۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں اٹھا کر اس کھڑکی سے نیچے پھینک دوں۔ عزت کو خوف بنا رکھا ہے تم نے۔"

"کیوں..... کیوں پھینکیں گے مجھے؟ کہہ دیجیے گا بھابی سے کہ میں آنا چاہوں گی تو خود آجاؤں گی۔ مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ پلٹ کر کچن یعنی واحد پناہ گاہ کی طرف بڑھی۔

اس نے اس کا بازو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کا یہ فعل بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ لڑکھڑا کر الماری سے جا لگی۔

"اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں تمہیں لینے نہیں آیا یہ محض شمشاد آنٹی سے بہانہ تھا۔ صرف تم سے ملنے آیا ہوں۔ رہی سہاروں کی بات تو سہارے صرف بے ساکھیوں کے معنی میں نہیں لیے جاتے۔ اس کا ایک بڑا خوبصورت مفہوم بھی نکالا جا سکتا ہے۔ اگر نکالنا چاہو تو؟" اس نے بھوری آنکھیں اس کے چہرے پر جما دیں۔

دھلے دھلے چہرے پر اس کی نظروں نے کسی ہیٹر کا کام کیا تھا وہ تپ اٹھی۔ اس کی لرزتی دراز پلکیں سیاہ سحر انگیز آنکھوں پر یوں جھک گئیں جیسے کسی چشمے پر بید مجنوں کی شاخیں۔

"سہاروں پر انحصار آدمی کو اعتماد سے محروم کر دیتا ہے۔" وہ اس گرفت سے بازو چھڑا کر پیچھے ہٹی۔

"میں نے کہا نا سہاروں خوبصورت معنی بھی ہوتے ہیں بہر کیف ایک عورت کو میں مرد کے سہارے کے بغیر مکمل نہیں سمجھتا۔"

"ہاں ہر مرد یہ سمجھتا ہے اپنی کم فہمی کے باعث۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"کیا بیٹی کی شادی صرف باپ کی خواہش ہوتی ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ میری دانست میں تو عورت ماں اپنی بیٹی کی شادی کی خواہش زیادہ شدید رکھتی ہے اسے اپنے گھر بار کا کر کے زیادہ مطمئن ہوتی ہے بہ نسبت باپ کے اور قانونِ فطرت بھی یہی ہے تمہارے انکار سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

اس نے کندھے اچکائے۔

زنیرہ کا چہرہ خفت سے لال ہو گیا۔

"آپ جان بوجھ کر بحث کرتے ہیں، مجھ سے، یہ جانتے ہوئے کہ میں ہار جاتی ہوں۔" وہ بری خفا ہو گئی تھی۔ اس کے لبوں کی تراش میں، بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ روٹھی روٹھی ے اپنے دل کے اور بھی قریب محسوس ہونے لگی۔ کاش ایسی ہی کسی اور ہار کا اعتراف بھی لے

"چلو بحث میں ہی سہی کچھ فتح تو مجھے بھی حاصل ہوئی۔" اس نے گویا اسے جلانے کی انتہا کر ر ایک سرسری نظر سے کمرے کا جائزہ لیا پھر اس کی طرف دیکھا۔

"کتنی بری میزبان ہو۔ کب سے کھڑا ہوں بیٹھنے تک کو نہیں کہا۔" اس نے اس کی کوتاہی تے ہوئے اطمینان سے کرسی سنبھال لی۔ ادھر زنیرہ کا اطمینان غارت ہو گیا۔

"شاہ دل پلیز، آپ سمجھتے کیوں نہیں۔" وہ زچ ہو کر بولی "اگر میں نے عزت کو خوف بنا رکھا تو کچھ غلط نہیں ہے جہاں ہوں وہاں مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ میں جیسی ی گزار رہی ہوں وہاں لمحے لمحے میں مجھے اپنی ہی ضمیر کی عدالت میں جواب دہ ہونا پڑتا ہے۔ شاہ دل آپ رحم کریں مجھ پر۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

شاہ دل کا مسکراتا چہرہ یکلخت سرخ ہو کر سنجیدگی میں ڈھل گیا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں استہزائیہ رنگ لہرا گیا۔

"کیا احمر کا خوف ہے؟" اس کا یہ جملہ بے حد غیر متوقع تھا۔ وہ یوں پیچھے ہٹی گویا شاہ دل اس کے پیروں کے آگے سانپ ڈال دیا ہو۔ اسی کا منہ تھوڑا کھلا رہ گیا۔ آنکھیں حیرت سے کی طرف اٹھی رہ گئیں۔

"جس کے ہمراہ بائیک پر بیٹھ کر تم نے یہ ثابت کر دیا کہ تم معاف کر دینے کا بہت حوصلہ تی ہو۔ بہت کھلے دل سے اپنے مجرموں کو بخش سکتی ہو۔ فراموش رکھنے کا سلیقہ بھی رکھتی ہو۔ یرے تمہاری ان خوبیوں سے ہر کوئی مستفید ہو سکتا ہے۔"

لہجہ تھا کہ انگارہ۔

جملے تھے کہ آتشیں گولے۔

وہ جیسے دھڑ دھڑ پوری ہی اس میں جلنے لگی۔ پیروں میں کھولن ہونے لگی۔

وہ اس کی نظروں سے نظریں نہ ملا سکی اور رخ موڑ لیا۔

"بولو زنیرہ کہ تمہیں یہی خوف ہے دوسرے بہت سے خوف تم اس ایک خوف کو چھپانے لیے اپنے ارد گرد جمع کر رہی ہو دیوار کی طرح۔ جواب دو۔" اس نے سختی سے اس کا بازو تھام کا رخ اپنی سمت کیا۔

"ماضی کی غلطیوں کا ازالہ وہ کرنا چاہتا ہے یا تم؟" اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور جانے کیسے اس کا نرم و نازک ہاتھ تن کر چٹاخ سے اس کے مضبوط چہرے پر جا پڑا یہ اس کا بالکل غیر متوقع فعل تھا۔ وہ ششدر رہ گیا۔ اس کے بازو پر ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔

وہ اب دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیڈ کے کنارے بیٹھ کر رو رہی تھی۔

پتا نہیں اسے رونا کس بات پر آ رہا تھا۔ اپنی اس بے اختیارانہ حرکت پر یا اس کے جملوں پر۔

وہ لال بھبوکا چہرہ لیے اس تک آیا اور اس کا سر بالوں سے پکڑ کر اوپر کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے مردانہ ہاتھ کا زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر انگارہ دہکا گیا۔

"میں اتنی جلدی معاف کر دینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں نے اپنے سفر میں بہت اذیت اٹھائی ہیں زنیرہ علی۔ لمحے لمحے کا حساب لوں گا تم سے۔ اب میں واپس نہیں پلٹوں گا۔ میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ میں بہت ضدی ہوں۔ اپنے ارادوں میں بے حد مستحکم اور جو شے اپنے لیے منتخب کر لوں آخری حد تک اس کے حصول کے لیے لڑتا ہوں۔" اس نے اس کی بھیگی آنکھوں میں اپنی لال آنکھیں گاڑ دیں۔

"میں نے تمہیں شاید پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی دہرا رہا ہوں کہ میں غالب نہیں ہوں کہ خاموشی سے اپنی ہار کا تماشا دیکھتا رہ جاؤں گا۔ میرے قدم تمہارے کسی بھی اقدام سے پیچھے ہٹنے کے بجائے اور تیزی سے آگے بڑھیں گے۔ میں اپنے جذبوں کو بہت سینت سینت کر رکھتا ہوں۔ جذبوں کا کوئی بیوپاری نہیں ہوں کہ یہاں وہاں سودا کرتا پھروں۔"

اس نے اس کے ریشمی بال چھوڑ دیے۔ وہ رنج سے اپنے تپتے لال ہونٹوں کو دانتوں میں دبا کر آنسو بہا رہی تھی۔

وہ ایک دو پل ہونٹ بھینچے کھڑا رہا پھر سامنے تپائی پر لات مار کر دروازہ کھول کر سیڑھیاں اتر گیا۔

اس نے خالی خالی دروازے پر نگاہ ڈالی پھر اٹھ کر دروازہ زور سے بند کر دیا اور فرش پر گھٹنوں میں سر دے کر بہ آوازِ بلند رونے لگی۔

○☆○

سدرہ بھابی کی نظریں ابھی تک منجھلی چچی کے چہرے پر جمی تھیں۔ یوں جیسے جھپکنا بھول گئی ہوں۔

"کیا ہوا تم چپ کیوں ہو گئیں۔ کیا شاہ دل اور زنیرہ ایک دوسرے کے لیے ناموزوں ہیں؟" ان کی حیرت اور چپ محسوس کر کے بولیں تو وہ چونک کر ایک گہری سانس لے کر نفی میں سر ہلا گئیں۔

"نہیں بلکہ بہت موزوں ہیں مگر میں تو حیران اس لیے ہو رہی ہوں کہ آپ نے یکدم یہ فیصلہ کیا۔ وہ بھی اتنا اٹل کہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔" وہ ہنسی تو چچی بھی ہنس پڑیں۔

"بس یکدم ہی کرنا پڑا ہے۔"

"شاہ سے بات کی ہے آپ نے۔ میرا مطلب ہے اس کے علم میں ہے یہ سب؟" سدرہ کچھ پریشان بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

"نہیں ابھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی۔ یوں بھی اب اس کی نہیں میری مرضی ہے۔ کیوں تمہارے خیال میں میرے اس فیصلے پر وہ کتنا خفا ہو سکتا ہے؟" چچی نے بڑی کھوجتی نظروں سے سدرہ بھابی کی طرف دیکھا تو وہ ایک پل گڑبڑا گئیں مگر جلدی سے سنبھل کر بولیں۔

"ہو سکتا ہے خفا ہی نہ ہو۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہو گی سدرہ اور سچ مانو تو مجھے سو فیصد یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گا۔" وہ بات کرتے ہوئے اٹھیں اور کمرے کا دروازہ بند کر کے دوبارہ اپنی سابقہ جگہ پر بیٹھ گئیں۔ ان کے انداز میں پراسراریت تھی۔ سدرہ بھابی انہیں حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"سدرہ۔" انہوں نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "بہت دنوں سے تم سے کھل کر بات کرنے کا سوچ رہی تھی مگر کوئی نہ کوئی مصروفیت نکل ہی آتی۔ کبھی تمہیں کبھی مجھے۔"

"خیریت تو ہے چچی؟"

"ہاں الحمد اللہ خیریت ہی ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرائیں اور سدرہ بھابی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولیں۔

"مجھے یقین ہے سدرہ تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گی۔" انہوں نے اس کے کندھے کو تھپکا۔ "تم زنیرہ کے ماضی سے پوری طرح واقف ہو۔ اس نے تمہیں اپنی زندگی کا ایک ایک حرف سنایا ہے نا؟" وہ اس کا چہرہ ٹٹول رہی تھیں۔ بھابی ان کی طرف دیکھ کر رہ گئیں پھر آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا۔

"جی!"

"تو مجھے بتاؤ کہ اس کے ساتھ ہوئی ناانصافیوں اور دی گئی اذیتوں میں میرے بیٹے شاہ دل کا کیا دخل ہے؟"

"دھک دھک۔" ان کا دل جیسے دھماکوں کی زد میں آگیا۔ وہ گنگ بیٹھی رہ گئیں۔ ان کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ منجھلی چچی اس طرح کا سوال بھی کریں گی۔

"آپ..... آپ کو کیسے خبر ہوئی؟" انہوں نے تحیر آمیز نظریں چچی پر اٹھائیں۔

"کچھ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور کچھ دیکھا ہے۔" چچی نے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ وہ چائے دینے آئی تھیں اور بہت کچھ سن لیا مگر واضح سمجھ نہیں پائیں۔

اور اب سدرہ بھابی کچھ بھی راز رکھنے کی پوزیشن میں نہ رہیں کیونکہ یوں بھی شاہ دل نے ان سے کوئی قسم نہ لے رکھی تھی نہ زنیرہ نے راز رکھنے کا وعدہ لیا تھا۔ نہ انہیں جھوٹ بولنے کا سلیقہ تھا۔ وہ چھپا کر یا بتانے سے گریز کر کے چچی کو رنجیدہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے خیال میں انہیں بتا دینا ایک لحاظ سے اچھا ہی تھا کہ ان ساری باتوں کی روشنی میں وہ شاہ دل کے مستقبل کا فیصلہ بہتر طور پر کر سکتی تھیں۔ یوں زنیرہ کا کردار اور ماضی بھی کھل کر سامنے آجاتا تو یقیناً اس کے لیے وہ اپنے دل میں اور وسعت پیدا کر لیتیں۔

"آپ آرام سے بیٹھیے چچی۔" میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ نہ زنیرہ کا ماضی نہ اس میں شاہ دل کا کردار مگر ٹھنڈے دل سے سنیے گا اور وعدہ کیجیے کہ آپ شاہ بے کے جرم کو جذباتی انداز میں نہیں لیں گی اس نے اپنے کیے کی بہت سزا سہہ لی ہے۔"

"ہاں ہاں تم بتاؤ تو سہی۔" چچی اس تمہید پر بے تاب دکھائی دینے لگیں۔ انہوں نے اٹھ کر کمرے کو لاک کر دیا اور متجسس سی آ کر بیٹھ گئیں۔

سدرہ بھابی نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ شروع سے آخر تک جو وہ جانتی تھیں انہیں سب کچھ بتا دیا۔ جسے سن کر چچی اپنی جگہ گنگ بیٹھی رہ گئیں۔ سدرہ بھابی نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر نیم وا آنکھوں سے انہیں دیکھا جیسے ان کے بولنے کی منتظر ہوں مگر وہ تو یوں چپ تھیں جیسے بولنے کو کچھ بھی نہ رہا ہو یا بولنے کی خواہش ہی نہ رہی ہو۔

کمرے میں کتنے پل سکوت طاری رہا۔ لمحے خاموشی سے سرکتے چلے گئے۔ سدرہ بھابی اٹھیں گلدان میں سجے پھولوں پر انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"میرے خدا۔ زندگی کیسے کیسے موڑ لیے ہمارے سامنے آئی ہے۔" چچی کی لرزتی آواز ابھری۔ سدرہ بھابی نے ذرا سا چہرہ موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ اضطرابی کیفیت میں بیٹھی رہ گئیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جو کچھ اڑتا ہوا سنا ہے اس کا پس منظر یہ ہوگا۔ اس بچی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے سدرہ اور اس میں میرے اپنے بیٹے کا قصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔"

"صرف شاہ دل ہی نہیں دوسرے لڑکے بھی برابر کے شریک تھے۔" بھابی نے شاہ دل کا ہلکا سا دفاع کیا۔

"ہمیں تو اپنے گناہوں پر اپنے دامن پر نظر ڈالنی چاہیے۔" چچی یاسیت سے سامنے دیوار کو گھور رہی تھیں پھر رخ موڑ کر بولیں۔

"زنیرہ کو اب میری بہو ہر حال میں بننا چاہیے۔"

"چچی۔" سدرہ بھابی کے چہرے پر چھائی سنجیدگی میں اضافہ ہو گیا۔ "زنیرہ کو ہمدردی سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"ارے۔" چچی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا شاہ بے کی خواہش نہیں ہے۔ کیا وہ لڑکا صرف ہمدردی کر رہا ہے زنیرہ سے؟"

سدرہ بھابی ہنس پڑیں۔

"ہمدردی اتنی پاور فل کب ہوتی ہے چچی۔ یہ تو کوئی اور ہی جذبے ہیں جو اسے اتنا عرصہ سے پاگل بنائے ہوئے ہیں۔ چچی پلیز۔ آپ شاہ دل کی طرف سے دل خراب نہ کیجیے گا۔ وہ بہت پشیمان سا ہے۔ اس نے اپنے جرم کو خود بھی معاف نہیں کیا تھا جب تک زنیرہ سے معافی نہیں طلب کر لی۔ دو سال سے اس نے خود کو اپنے ہی ضمیر کے کٹہرے میں کھڑا رکھا تھا۔ بس ایک بار زنیرہ سے مل کر اپنے کیے کی معافی مانگنے۔"

چچی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ان کی آنکھوں کی زمینیں نم نم ہو گئیں۔ جسے وہ دوپٹے کے کنارے سے پونچھنے لگیں۔

"زنیرہ تو شبنم کے قطرے کی طرح پاکیزہ اور پوتر ہے۔ وہ تو ایک ہیرا ہے سدرہ۔ جس کی قدر اس کے چچا چچی نے نہ کی اس لیے کہ وہ ناآشنا جوہری ہیں۔ سنو میں اب خود اس کی چچی سے بات کروں گی۔ اس کی پاک دامنی کی گواہی دوں گی۔"

"آ..... آپ۔" سدرہ بھابی بھی متحیر رہ گئیں پھر سوچ کر سر ہلانے لگیں۔ "زنیرہ کچھ ضدی طبیعت کی ہے پتا نہیں مانے گی یا نہیں؟"

"تو اس سے کون پوچھ رہا ہے۔ شاہ دل کی طرح اب اس کی بھی کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔" چچی زور دے کر بولیں "زنیرہ اب مجھے اپنی ذمہ داری محسوس ہو رہی ہے۔"

بھابی ان کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔ حقیقتاً چچی کے چہرے پر ایسا ہی عزم رقم تھا جیسے وہ کچھ کر گزریں گی۔

"اب ڈور کھینچنے کی باری ہے۔ اس لڑکے کو بھی بہت ڈھیل دے دی ہے۔ اس نے ابھی

صرف میرا پیار دیکھا ہے میری ضد میرا غصہ نہیں اور رہی زنیرہ کی بات تو اسے اس کی چھوٹی سی عقل پر کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہیے ہمیں۔ اگر وہ کم عقل ہے تو ہم سب تو نہیں نا۔ اس سے بڑے ہیں عقل اور تجربے میں بھی زیادہ ہیں۔" چچی اٹھتے ہوئے بولیں۔

"ہوں یہ تو ہے۔" سدرہ بھابی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ایک بات ہے۔ آپ شاہ دل سے بات کرنے سے پہلے زنیرہ کی چچی سے مل لیں۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔"

"تمہارے خیال میں اگر احمر ہی اس کا کزن ہے تو پھر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ان کی عیادت کو جاؤں گی زنیرہ کی طرف سے نہیں، احمر کے دوست شاہ دل کی والدہ کی حیثیت سے۔" چچی اپنے پروگرام سے آگاہ کرنے لگیں۔ سدرہ بھابی نے بھی اتفاق کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ان کے لبوں کی تراش میں بڑی آسودہ مسکراہٹ تھی۔ وہ سوچ رہی تھیں چچی کو سب بتا کر انہوں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے الجھنیں سلجھ جائیں اب۔

اور یقیناً اب وہ دونوں احمق اس گھیرے سے نہیں نکل پائیں گے جو چچی کی طرف سے ہو گا۔

○☆○

جبین پہ بل بھی نہ آیا گنوا کے دونوں جہاں
جو تھا چھنا تو میں اپنی شکست مان گیا

اس نے گھر میں قدم رکھا تو ڈھولک کی تھاپ، ڈیک کی آواز، لڑکیوں کی ملی جلی ہنسی کی جھنکار۔ ساری آوازیں گڈمڈ ہو کر سماعت سے ٹکرائیں۔

دروازہ کھولنے والی لڑکی کوئی نوعمر تھی جواب ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟" وہ بیچاری اس کے پیچھے لپکی مگر وہ قدم اٹھاتا اندر چلا آیا۔

صباحت پھوپو کے گھر افراتفری مچی تھی۔ دو تین لڑکیاں سامنے دکھائی دیں جو اس کے لیے قطعی اجنبی تھیں۔ وہ بھی غالب کو دیکھ کر اپنے دوپٹے سمیٹ کر جھپاک سے کھلے کمرے میں گھس گئیں۔

"ارے غالب۔ تم... آؤ آؤ کھڑے کیوں ہو؟" صباحت یہاں سے گزریں تو اسے دیکھ خوشگواری سے ادھر بھاگ آئیں۔ اس نے جلدی سے سر جھکا کر سلام کیا۔

"جیتے رہو۔ بڑی بھابی نے تمہارے آنے کی اطلاع دی تھی مجھے۔ بہت خوش تھیں وہ۔" انہوں نے اس کے جھکے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

جبین بیٹا۔ ذرا ڈیک کی آواز تو کم کرو۔ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔" انہوں نے
رتی اس دروازہ کھولنے والی بچی سے کہا اور غالب کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
ئے ہو یا لڑکیاں بھی آئی ہیں؟"
نی الحال تو میں آیا ہوں وہ شاید ثاقب بھائی کے ساتھ آئیں۔ سوچا خیر خیریت پوچھ
ہت مصروف ہو گئی ہوں گی۔" وہ بڑی نرمی سے بات کر رہا تھا اور ان کے ہمراہ چلنے

بیٹا۔ اللہ تعالیٰ آرام سے اس فرض سے سبکدوش کر دے مجھے۔ آج صبح ہی میری نند
یاں اور دیور کی بیٹی پہنچی ہیں ایبٹ آباد سے۔ کچھ اور لڑکیاں بھی آئی بیٹھی ہیں۔ دیکھو
حال ہو رہا ہے۔ ایک اٹھ پٹخ مچی ہے بس۔" وہ مسکرائیں اور راہ میں پڑے گلاس اور
ایک طرف رکھا اور ڈھولکی کو اٹھا کر اسٹول پر رکھا۔
نی نیلی اور رابعہ کل مغرب کے بعد تو واپس گئی ہیں۔ جن کپڑوں اور چیزوں کی پیکنگ
نہیں پورا کیا ہے۔ مایوں کا جوڑا تو سدرہ لے گئی ہے سلوانے کے لیے۔ دیکھو ذرا ہم
ہوش نہیں تھا کہ مایوں کا جوڑا سلا بھی ہے یا نہیں۔ آج ارجنٹ سی دے گا۔ میں تو
گئی ہوں۔ اوپر سے سائرہ کو کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔ سات دن رہ گئے ہیں اور گھر کے
کاموں میں الجھی رہتی ہیں۔ اپنی کسی چیز کا دھیان نہیں ہے۔ اب میں اکیلی کہاں کہاں
شاہ پیلس والوں کا احسان ہے۔ آدھی سے زیادہ ذمہ داریاں ان بچیوں نے اٹھی رکھی
ہو بیٹا۔"
ب کو ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔
دیکھو ذرا اتنے دور سے آئے ہو تم۔ اتنے مہینوں بعد اور میں اپنی باتیں لے بیٹھی
خیریت تو پوچھی نہیں۔ تم بیٹھو میں پہلے چائے کا کہہ آؤں۔"
تکلف کی ضرورت نہیں ہے پھوپو۔ میں تو سلام کرنے چلا آیا تھا۔ یوں بھی اس
کس کو فرصت ہو گی میری خاطر مدارت کرنے کی۔" وہ ہنسا۔
ذرا سا چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ وہ اب غور سے اسے دیکھنے لگیں۔
مسکراہٹیں بکھیرنے والا غالب بڑا بردبار سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی شوخ
ہی ایک گہری منجمد سنجیدگی بلکہ قدرے سرد مہری رچ بس گئی تھی۔
دل پر گھونسا سا پڑا۔
سا جرم ان کے دل پر منڈلانے لگا۔ وہ اس کے نہ نہ کہنے کے باوجود اس کی خاطر

مدارت کے لیے کمرے سے نکل گئیں۔
اتنے مہینوں بعد آیا تھا۔ وہ اسے کیسے سوکھے منہ بھیج دیتیں۔ ان کا دل تو چاہ رہا تھا کہ دنیا کی ہر شے اس کے سامنے رکھ دیں۔
ان کے کمرے سے نکلنے کے بعد غالب نے صوفے کی پشت پر سر ٹکا لیا۔
یہ خوشیاں۔
یہ رونقیں اس کے اندر آگ لگا رہی تھیں۔ اسے اپنے یہاں آنے پر پچھتاوا ہونے لگا۔
وہ تو کچھ اور ہی دیکھنا چاہتا تھا۔
بھلا اتنے ٹوٹے ہوئے دل بھی اتنی رونقیں آباد کر سکتے ہیں۔ اس نے بڑی نفرت کے، سوچا۔ پھر بے اختیار ہنس دیا۔
دل صرف ایک اس کا ہی ٹوٹا ہے۔ یہاں تو سب خوش ہیں۔ ہر شخص اپنے حصے کی م سمیٹ رہا ہے۔ خالی ہاتھ تو میں ہی رہ گیا۔
تشنگی تو ساری میرے حصے میں آئی ہے۔
پھوپو فرض سے سبکدوش ہو جانے پر مسرور ہیں۔
ان کی ساس یقیناً اپنی فتح پر سرشار ہوں گی۔
اور سائرہ مظفر۔
ایک تکلیف کا احساس اس کی رگ و پے کو کاٹنے لگا۔
وہ خرم میاں کے ہمراہ زندگی کی رنگینیوں میں گم ہو جائے گی اور اسے ماضی کی نادانی بھول جائے گی۔
کوئی خواب سمجھ کر بھلا دے گی۔
اس کا دل اس کی آنکھیں کرب کے احساس سے سلگنے لگیں۔
"امی رانی آپا کی چوڑیاں آپ نے۔" سائرہ بولتے بولتے کمرے میں داخل ہوئی دوسرے پل جہاں تھی وہیں مجسمے کی طرح ساکت رہ گئی۔
غالب کو دیکھ کر لحہ بھر تو اسے اپنی بصارتوں پر اعتبار نہ آیا۔
وہ جو خواب کی طرح ہو گیا تھا پھر حقیقت بن کر اس کے سامنے تھا۔
اس کی آنکھوں کی روشنی مگر اب.... سلگتا آنسو بن کر رہ گیا تھا۔
جسے دیکھنے پر تو کیا سوچنے پر بھی ضمیر نے پابندی لگا رکھی تھی۔
اسے دیکھ کر وہ بھی اپنی جگہ سے بے اختیار اٹھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سا...

...ت میں بنا سانس لیے دیکھتے رہے۔
...تنی بے قراریاں تھیں جو سمٹ ہی نہ رہی تھیں۔
...تنی پیاس تھی مگر اسے بجھانے کا اختیار نہ اس کے پاس تھا نہ سائرہ مظفر اسے دینے کو تیار
...اچانک گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔
"سائرہ۔" وہ سرعت سے اس کی طرف بڑھا مگر وہ پردہ اٹھا کر جھونکے کی طرح نکل گئی۔
...الب اس کی رویے پر بھونچکا رہ گیا۔
شدید ہتک آمیز بے بسی محسوس کر کے وہ صوفے پر ڈھے گیا۔
اس کا رواں رواں جیسے چٹخنے لگا۔
صباحت پھوپو لوازمات سے سجی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئیں تو اس نے جلدی سے خود کو ...ال لیا۔
"اس سارے تکلف کی کیا ضرورت تھی پھوپو؟"
"کوئی تکلف نہیں ہے۔" وہ پیار بھرے انداز میں ڈپٹ دیں۔ "تم کون سا روز روز آتے ہو پھوپو کو تو بھلا ہی دیا ہے تم نے؟" انہوں نے چائے اس کی طرف بڑھا دی اور پلیٹ میں اس لیے کباب نکالنے لگیں۔ تب غالب نے پلیٹ ان کے ہاتھ سے لے لی مبادا وہ مزید چیزیں نہ ...یں۔
"مجھے تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے غالب۔ بڑی بھابی دن گن رہی تھیں تمہارے ...کے۔" وہ اپنا مگ اٹھائے صوفے پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں۔
غالب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں بھاپ اڑاتی چائے پر جمی تھیں۔ اس سے اٹھتا دھواں اسے اپنے دل سے اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔
"ہم کیا سوچتے ہیں تقدیر کیا کچھ کر دیتی ہے۔ کہتے ہیں نا کہ ہمارے ارادے جب ٹوٹتے ہیں' خواہشات پوری نہیں ہوتیں' تب ہی ہمیں خدا کے طاقتور ہونے کا احساس ہوتا ہے۔"
صباحت کا لہجہ پست تھا۔ اس میں ایک تاسف ہلکورے لے رہا تھا۔
وہ چائے کا کپ دو گھونٹ میں خالی کر کے کھڑا ہو گیا۔
"میں اب چلوں گا پھوپو۔" اس نے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کہا۔
"ارے اتنی جلدی۔" وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔
"بہت خفا ہو مجھ سے بیٹا۔" انہوں نے اس کا چہرہ ٹٹولا۔ وہ ہنس پڑا مگر بڑی خالی اور بے مقصد

ہنسی تھی۔

"کس بات پر؟"

صباحت اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔ کتنا بدل گیا تھا وہ۔ پتا نہیں تقدیر کا دوش تھا یا ان کی غلط
ہی ناقابلِ معافی جرم تھی۔

"بیٹھو گے نہیں۔ مصدق کے ابا آتے ہی ہوں گے۔ رات کا کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں پھر آؤں گا۔ دراصل ابھی مجھے چچا جان کے پاس جانا ہے۔ آفس۔" اس نے کف
اٹھا کر ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

صباحت اضمحلال کے ساتھ اسی صوفے پر بیٹھ گئی۔

وہ کمرے سے نکل کر بڑے بڑے قدموں سے باہر کی طرف بڑھا کہ نظریں ایک کمرے
نکلتی سائرہ پر اٹھیں۔ وہ مخملی ڈبے اٹھائے چلی آ رہی تھی۔ سادہ سے سوٹ پر چادر اوڑھے ہو
تھی۔

لابی کا یہ حصہ سنسان پڑا تھا۔ سامنے کمرہ کھلا پڑا تھا وہ بھی خالی تھا اور اس کا رخ بھی شاید اس
کمرے کی طرف تھا مگر غالب کو دیکھ کر اس کے ہاتھ میں ڈبے لرز کے رہ گئے۔

وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔ اب فرار کی ساری راہیں مسدود تھیں۔

ایک پل اس نے اذیت کے عالم میں آنکھیں بھیچ لیں۔

"مبارک ہو۔" اس کے سراپا پر نگاہ ڈال کر وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

"بہت خوش ہوں گی یقیناً؟" بڑا استہزائیہ لہجہ تھا اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

سب کچھ جانتے بوجھتے وہ کتنا ظالم بن رہا تھا۔

"خوش نہیں ہوں تو ناخوش بھی نہیں ہوں۔" وہ آخری لمحات میں ہارنا نہیں چاہتی تھی
بصورتِ دیگر ہار کا تماشا دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

"ہاں تم کیوں ناخوش ہو گی۔ میں ہی اب تک غلط فہمیوں کے جال میں قید رہا۔ میرے ہا
میں آیا بھی تو کیا۔ پوچھ سکتا ہوں کہ کسی بھی لمحے تمہیں ندامت کا احساس نہیں ہوا۔ اپنے ضمیر
کے سامنے شرمندگی نہیں ہوئی۔ منافقت کا یہ کھیل کھیلتے ہوئے کسی پل بھی احساسِ ندامت
عرق پیشانی پر نہیں پھوٹا۔" وہ بہت تلخ ہوا جا رہا تھا۔

جبکہ وہ ضبط کی انتہا پر تھی۔

اس کا چہرہ لال ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں حزن ٹھہر گیا تھا۔

"اب ان باتوں کی اہمیت نہیں رہی ہے۔ کیا یہ سب بے معنی نہیں ہے؟" اس نے رخ مو

ہجے میں کہا تو غالب کے تن بدن سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔ اس کا چہرہ تن گیا۔ لہو
میں کھولنے لگا تھا۔ دو قدم آگے آیا۔

ائرہ مظفر! تمہیں اتنی بہت سی محبتوں کے تقاضے نبھانے ہی تھے تو پھر میری طرف کیوں
یکھیں۔ جب والدین اور بزرگوں کی عزت کا ہی پاس تھا ان کے سروں کو بلند رکھنے کا خیال
ی زندگی میں تشنگی کا زہر کیوں گھولا۔ جواب دو۔ میرے بڑھتے قدموں کو پہلے قدم پر روک
ہیں دیا۔ میرے جذبوں کو تماشا کیوں بنایا؟" وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"پلیز غالب۔ ہوش میں آؤ۔ کچھ خیال کرو۔" اس کی وحشت اس کے خون میں دہشت
لگی۔ گو کہ اس کی آواز دھیمی تھی مگر مردانہ آواز کی گونج دور تک سنی جا سکتی تھی اور
رے پرے گھر میں اس کی عزت کو پل کے پل برباد کر سکتی تھی۔

"چھوڑ دو مجھے پلیز غالب۔" اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو چھلک آئے۔

"میرا دل چاہتا ہے تمہیں شوٹ کر کے خود کو بھی گولی مار لوں۔" وہ اسے دھکیل کر پیچھے ہٹا۔
ہی اور تلخی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے میری زندگی میں انگارے ہی انگارے بھر دیے ہیں سائرہ۔ کیوں داخل ہوئیں میری
ی زندگی میں۔ کیوں مجھے جاپان سے ہزار واسطے دے کر بلایا۔ کیا یہی اپنی منافقت کا تماشا
جسے تم بہادری اور فرمانبرداری کا تمغہ سمجھ کر پہن رہی ہو۔"

"ے معاف کر دو غالب بیٹے۔ اس کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں تم سے۔" صباحت
آواز پر سائرہ پر برستا غالب گنگ رہ گیا۔

جانے کب سے آ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں ان کی موجودگی سے شاید بے خبر تھے۔

لب کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

"صور اس کا نہیں میری عمر بھر کی بزدلی کا ہے۔ جس نے تم دونوں کی زندگیوں میں زہر گھول دیا
بات پر بھی آواز نہ اٹھا کر میں خود اپنے بہت سے حقوق سے دستبردار ہوتی رہی مگر اب
بھی اپنی بزدلی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ مجھے معاف کر دو غالب بیٹے۔" وہ غالب کے سامنے
آنکھیں ہی نہیں لہجہ بھی نم نم تھا۔

لب کا دل سکڑا اور پھیلا۔ رگوں میں خون کے ساتھ انگارے دوڑنے لگے۔

نے نظریں اٹھائیں پھر جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگا۔ اس صورت حال کا تو تصور بھی نہیں تھا
کہ وہ یوں اپنی بشری کمزوریوں اور جذباتی حرکت کی گرفت میں آ جائے گا مگر بجائے
سے نالاں نظر آنے کے اس سے معافی کی طلب گار تھیں۔

اس کا سر ندامت سے جھک گیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

اچانک پلٹا اور خاموشی سے بڑے بڑے قدموں سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

راہداری میں کتنے ہی لمحے سناٹا چھایا رہا پھر اس سناٹے کو سائرہ کی دبی دبی سسکیوں نے توڑ

صباحت اس کی جانب بڑھیں اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ بے اختیار ان کے سینے سے لگ

رو پڑی۔

"تم نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا کہ غالب اتنی شدتوں سے......"

"امی....." اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے۔ "پلیز امی۔"

شرم اور ندامت سے اس کا چہرہ لال انگارہ ہو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے

خود اس میں سما جائے۔ ایسی ذلت کا تو تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"کچھ مت پوچھیے مجھ سے۔ کوئی سوال مت کریں امی۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتی

ایک خواب سمجھ کر۔"

وہ ان سے الگ ہوئی اور بھاگ کر مصدق کے کمرے میں گھس گئی۔ صباحت اس کے

آئیں مگر دروازے تک آ کر رک گئیں۔ ان کا دل بیٹی کے آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ جانے

ہی اندر احساسِ جرم سے کٹ رہی تھی۔

اس نوبت کا تو وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

اتنی شدتوں کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔

وہ بیٹی کی طرف سے ہی نہیں غالب کی زندگی برباد کرنے کی بھی ذمہ دار تھیں۔

دہرے جرم کی مرتکب خیال کرنے لگی تھیں خود کو۔

"سائرہ میری بچی معاف کر دینا مجھ کو۔" وہ مضمحل قدموں سے اس کی طرف آئیں۔

وہ رخ موڑے کھڑی تھی جھٹکے سے پلٹی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں امی۔ خدا کے لیے۔ معافی مانگ کر مجھے میری نظروں سے

گرائیے۔ میں پہلے ہی۔" آگے الفاظ ٹوٹ گئے۔ صباحت نے کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"میں شاید بہت خود غرض ہوں۔ اسی لیے پھر کہہ رہی ہوں میری بچی۔ اب سب کچھ

جانے میں ہی عافیت ہے۔ اس بھرے پرے گھر کی لاج رکھنی ہے تم کو، جہاں تم میری عزت

کرتی آئی ہو۔ مجھے اپنی تربیت پر پچھتانے کا موقع نہیں دیا وہیں اب تھوڑا سا اور خیال

چلو شاباش۔ منہ دھو لو، کوئی بھی آ سکتا ہے یہاں پر۔"

...نے اسے تھپک کر اس کا چہرہ اٹھایا اور اپنے دوپٹے سے پونچھنے لگیں۔

...ہمیشہ تم پر فخر رہا ہے اور رہے گا۔" انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

...نے پلکیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور کرب کو دل میں سمیٹتی ایک پل آنکھیں میچ

...ی فکر کی تو حفاظت کرتی آئی ہوں امی۔ پلٹ کر واش روم میں جا کر منہ دھونے لگی۔

○☆○

...نے ڈرائنگ روم میں جھانکا اور ٹھٹک گیا۔ وہاں نیلی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر محو یاس

...دونوں کہنیاں ٹیبل پر رکھے ایک ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے وہ کوئی فلمی غمزدہ ہیروئن ہی

...رہی تھی۔ اس کے لبوں کی تراش میں بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔ آنکھوں میں

...نے لگا۔

...دنوں بعد وہ اسے تنہا نظر آئی تھی ورنہ تو اس بھرے پرے گھر میں اس کا تنہا ملنا مشکل تو

...ہی ہو جاتا تھا۔

...کی رگِ عاشقانہ پھڑک اٹھی۔

...ہم....." اس نے ٹیبل پر اس کے بالکل قریب انگلیاں بجائیں۔

...ے خیال میں اتنی گم تھی کہ اس کی آواز پر چونک کر اچھل پڑی۔

...ا فلفی کی گدی سنبھال لی ہے؟"

...آپ نے تو ڈرا ہی دیا۔" وہ اسے دیکھ کر جلدی سے سیدھی ہو گئی۔ پہلا دھیان اپنے

...ڈھلکتے دوپٹے پر دیا۔

...چھا..... تم ڈرتی بھی ہو۔" اس نے مسکرا کر اسے بغور دیکھا اور اس کے قریب کی

...کر بیٹھ گیا۔

...ی بات ہے کس خوش بخت کے تصور میں گم تھیں؟ کہیں وہ خوش قسمت ترین

...نہیں تھا؟"

...ی سمت قدرے جھکا تو نیلی نے اسے گھور کر دیکھا مگر دوسرے پل سٹپٹا کر پلکیں جھکا

...ونہی بیٹھی تھی۔ آپ یہاں کیوں آ گئے کوئی کام تھا کیا؟" وہ کرسی سے اٹھنے لگی

...ہیے کیا؟" اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا جیسے وہ دن رات سب کو چائے پلانے

...۔ عمیر کی بے اختیار ہنسی بکھر گئی۔

"ہاں اگر چاہ کے ساتھ حاضر کرو تو پیوں گا۔" اس نے لہجے میں مٹھاس سموتے ہوئے کہا
گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
"چاہ آپ کو شاہ دل سے مل جائے گی۔ البتہ چائے میں دے سکتی ہوں۔" یہ کہتے ہو
دور ہٹ گئی تھی عمیر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔
"یہ تم اپنے بھائی کا ڈراوا مجھے نہ دیا کرو۔ سالے والے کا رعب ڈالنے کی کوشش کرتی ہو"
اس نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ وہ گھبرا گئی۔
اس کے اتنے قریب آجانے پر اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس کے بھاری ہاتھ کا
اس کے چہرے کو رنگین کر گیا۔
"تمہارے بھائی وائی میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ میرا تمام تر ستیاناس کرنے کو ان کی بہن ہی
ہے۔"
"پلیز عمیر چھوڑیں نا میرا ہاتھ۔" اس نے دبا دبا احتجاج کرتے ہوئے کہا اور اس کی گر
سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔
کوئی بھی یہاں آسکتا تھا اور اگر شاہ دل یا عادل میں سے کوئی آجائے تو؟ یہ سوچ کر اس
فنا ہونے لگا تھا۔ جبکہ عمیر اس کے قریب کھڑا اسے غور سے دیکھتے ہوئے چونک گیا تھا۔ یکد
کے چہرے پر سنجیدگی اتر آئی۔ اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"تم یہاں ایسے بیٹھ کر کیا کر رہی تھیں؟" اس کا سوال بڑا غیر متوقع تھا۔ نیلی نے سر اٹھا
گڑبڑا کر پھر جھکا لیا۔
"کچھ نہیں۔ میں ایسے ہی بیٹھی تھی۔"
"ایسے ہی بس۔" اس نے اس کی نقل اتاری۔ "یہ چہرے پر بارہ تو ابھی تک بج
ہیں۔" وہ اس کی نم نم آنکھوں کو بہت غور سے دیکھ چکا تھا۔ جہاں سرخی رچی تھی جیسے
رونے کے بعد اتر آئی ہو۔
"کوئی بارہ وارہ نہیں بج رہے۔" "چلو چودہ پندرہ بج رہے ہیں۔ ادھر دیکھو۔" اس
اس کا سر اپنی طرف پھیر دیا۔
"تم میرے آنے سے پہلے یہاں بیٹھی رو رہی تھیں۔ رو رہی تھیں نا؟" اس نے سنجیدگی
قدرے سختی کے ساتھ پوچھا۔
نیلی نے لب دانتوں میں جکڑ لیے۔ فوری جواب نہ دے پائی۔ بس پلکیں جھکا لیں۔
عمیر نے بے حد نرمی سے اسے تھام کر کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کا انداز بے حد تسلی آمیز تھ

گئی اور بے اختیار کھل کر رونے لگی۔
"ارے ارے..... یہ کیا بھئی۔ یہ بارش کا کون سا وقت ہے اتنی تیز دھوپ میں۔" وہ اندر
ر اس کے رونے پر پریشان ضرور ہوا تھا مگر ظاہر نہ کیا۔
"عمیر۔"
"جی جانِ عمیر۔" وہ کچھ اس مٹھاس سے بولا کہ ایک پل وہ کچھ نہ بول پائی۔ بس نادم ہو کر
رگڑتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی۔
"میں بہت ڈسٹرب ہوں۔"
"جی۔ وہ تو ظاہر ہے مگر اب ڈسٹرب کی وجہ بھی تو ظاہر ہو۔"
"میں سائرہ کے لیے بے حد پریشان ہوں۔ آپ کو پتا ہے سائرہ کس اذیت سے گزر رہی
؟" اس نے سر اٹھایا۔
"غالب کے آجانے سے وہ بہت ڈسٹرب ہو گئی ہے۔ کل غالب پھوپو سے ملنے گئے تھے نا
سائرہ سے..... عمیر......" وہ خود کو مشکل سے جوڑے ہوئے تھی۔ اس کی آواز آنسوؤں کی
سے بھاری ہو گئی۔
عمیر نے سر تھام لیا۔
"تم دیکھو پھوپو کا گھر شادی کا گھر کم ماتم کدہ زیادہ لگتا ہے۔ وہاں جا کر دل پر بوجھ آن پڑتا
"
"یہ تم صنف نازک کی قوم ہم مردوں کو سمجھ میں بالکل نہیں آسکتی۔"
"اس میں نہ سمجھ آنے والی کیا بات ہو گئی؟" نیلی نے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا۔
"مطلب یہ کہ تم نے خود ہی کہا تھا نا کہ سائرہ نے ہزار واسطے دے کر غالب کو جاپان سے
ہے۔ وہ غالب کے اس طرح بھاگ جانے پر اسے بزدل کم ہمت اور احمق تصور کرتی تھی۔
نا؟"
"ہاں کہا تھا کچھ غلط نہیں کہا تھا۔" اس نے اپنا سر ہلا دیا۔
"تو اب جب وہ آگیا ہے تو اس میں ڈسٹرب ہونے کی کیا بات ہے۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے
اس نے اس کی بات کا مان رکھ لیا ہے۔ وہ جو خود کو تائی اماں کا مجرم خیال کرتی تھی اس
سے خلاصی ہوئی۔"
"اف۔" نیلی نے کرب سے لب دانتوں میں جکڑ لیے اسے عمیر کی عقل پر ماتم کرنے کو دل

"انتہائی بے وقوف لڑکی ہیں یہ سائرہ صاحبہ۔ کبھی غالب کے جاپان جانے پر سلگ سلگ کر آدھی رہ گئیں اور اب جبکہ وہ واپس آ گیا ہے تو محترمہ نئی اذیت میں جلنے لگیں ہیں اور یہ تم سب جو ہو نا وہ اس سے بھی زیادہ احمق اور پاگل ہو۔"

اس نے سخت فہمائشی نظروں سے نیلی کو گھورا۔ "اس ابر باراں پر بند باندھو۔ یہی رونا دھونا تم لوگ سائرہ کے سامنے بھی کرتی رہتی ہو۔ اگر وہ روتی ہے تو تم سب کورس میں شروع ہو جاتی ہو۔ بجائے اسے ڈھارس دینے کے۔ اس کے حوصلے کو سراہنے کے اس سے مستقبل کی خوش آئند باتیں کر کے۔ لمبی لمبی آہیں بھر کر اس کے دکھ کو مزید صیقل کرتی ہو۔ اس طرح پھوپو کا گھر خاک خوشی کا گھر لگے گا۔ اتنے نوحہ کناں جمع ہو جائیں گے تو۔"

"تو کیا کریں۔ سائرہ کے دکھ پر قہقہے لگائیں۔" وہ سخت برا مان کر کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"قہقہے لگانے کو کون کہہ رہا ہے مگر کم از کم اس کے ہمراہ کورس میں بارش کا سماں باندھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

"عمیر..... کاش سائرہ غالب کی نصیب میں لکھی ہوتی اگر ان دونوں کا ملاپ ہو جاتا تو کسی کا کیا چلا جاتا۔ اللہ کے پاس کمی تو نہیں تھی نا اگر وہ ان کی دعا....." نیلی دیوار سے لگ کر انتہائی رنجیدگی سے بولی۔

عمیر نے چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے خیال میں اس "قوم" کو اگر ناقص العقل کہا گیا ہے تو کچھ غلط نہیں کہا گیا بلکہ ناقص العقل کے بجائے فارغ العقل کہا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

"تقدیر سے شکوہ کرنے کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے کاموں میں نقص نکالنا اسے غلط کہنا۔"

"نہیں خدا نہ کرے جو میں ایسا سوچ رہی ہوں۔" عمیر کی بات پر وہ تڑپ گئی۔ نعوذ باللہ! ایسا تو خیال تک نہیں لا سکتی ذہن میں۔

"بس تو پھر یہ رونا دھونا نہیں ہونا چاہیے۔ جو ہو گیا ہے اسے کیوں نہ مان لیں اور خوش آئند سوچ کے ساتھ کہ اسی میں بہتری ہو گی۔ خدا کے کام خدا ہی بہتر سمجھتا ہے۔ کیا خیال ہے؟" اس نے دیوار پر ایک ہاتھ جما کر اس کی طرف بغور دیکھا۔

"عورت کا دل بھی تو خدا نے اتنا حساس بنایا ہے۔ آپ مرد لوگ تو پتھر صفت ہیں۔ بہل منٹوں میں جاتے ہیں۔" اس نے عمیر کے دیے ہوئے رومال سے بقیہ آنسو پونچھ کر پھر اسے تھما دیا۔

عمیر نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اپنے بھیگے رومال پر ایک نظر ڈالی۔

"یہ رومال تو بہت قیمتی ہو گیا ہے میرے لیے۔" اس نے رومال کی تہیں کھولیں اور اسے چہرے سے مس کیا تو نیلی شرم سے کٹ گئی۔

"ارے..... جا کہاں رہی ہو؟" اس نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ "ایک کپ چائے ادھار بھی چاہ کے ساتھ۔"

"کوئی نہیں۔" وہ اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے لگی۔

اس نے اس کی کلائی آزاد کر دی۔ شاید اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا۔ اس کے رخسار دہک اٹھے تھے جیسے عمیر نے انہیں چھو ہی لیا ہو۔

وہ بڑی دلچسپی سے ایک شوق کا جہاں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ بالوں کے آگے آئی لٹ کو کانوں سے پیچھے کرتے ہوئے اس کی محویت توڑنے کی غرض سے بولی۔

"آپ پھوپو کے یہاں لے جائیں گے؟"

"ضرور بصدِ شوق۔" اس نے سر خم کیا۔ "تم کہو تو دھنک کے اس پار آسمان کی بلندیوں پر بھی لے جاؤں گا۔"

"مجھے اکیلے نہیں۔ فارحہ اور رابی بھی آئیں گی۔" اس نے کچن کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا..... سب کو دھنک کے اس پار....." اس نے گھور کر اس کی پشت کو گھورا۔

"اوہ پھوپو کے گھر کی بات کر رہی ہوں۔" اب کے نیلی بری طرح چڑ گئی اور کچن میں جا ... یہ بھی اچھا ہوا کہ چھوٹی چچی رات کے ڈنر کا جائزہ لینے ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں اور ... طرف آئیں۔ عمیر انہیں دیکھ کر جھٹ سے شرافت کا لبادہ اوڑھ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو مسٹر؟" چچی نے اپنے سپوت کو کھوجتی نظروں سے دیکھا۔ ان کی ... میں دبی دبی مسکراہٹ تھی جو عمیر کی گھبراہٹ پر امڈ آئی تھی۔

"چائے کے لیے آیا تھا مگر امی حضور آپ کی ہونے والی بہو کے کانوں پر جوں تک نہیں ... جواب دے دیا ہے کہ چائے پینی ہے تو اپنی اماں بہن سے کہو میں فارغ نہیں ..." عمیر سینے پر بازو رکھ کر انتہائی عاجزی سے کھڑا ہو گیا۔

"خوب۔ اتنے ہی سیدھے ہو نا تم۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں۔ چلو اب چلتے نظر آؤ۔ میری بہو پر زیادہ الزام تراشی کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے کفگیر اٹھا کر ... دکھایا۔

"لیجیے۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے الزام تراشی کی۔ آپ خود ہی دیکھ لیجیے۔ آدھے گھنٹے سے

چائے کا کہہ رہا ہوں اور پانی اب رکھا جا رہا ہے۔"

"ہائے نہیں چچی۔ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔" نیلی نے اپنا دفاع کیا تو چچی ہنسنے لگیں۔ اور آگے بڑھ کر عمیر کا کان پکڑ لیا۔

"اس کا مطلب ہے تم پورے آدھے گھنٹے سے اس معصوم کو تنگ کر رہے ہو۔ اب تو کوئی حل سوچنا ہی پڑے گا۔" انہوں نے معنی خیز نظروں سے نیلی کی طرف دیکھا مگر وہ ان کے جملے کا بیک گراؤنڈ سمجھ ہی نہ پائی تھی جبکہ عمیر کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی تھی۔

"جلدی سوچئے مگر کان چھوڑ کر۔" اس نے اپنے کانوں کی طرف ان کی توجہ دلائی جو چچی کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے کان چھوڑ کر اسے دروازے سے باہر دھکیلا۔

لاکھ کوشش کی مگر پھر بھی نکل کر ہی رہے
گھر سے یوسفؑ خلا سے آدمؑ تیری محفل سے ہم

اس سے پہلے چچی بڑا سا چمچہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھتیں وہ چھلانگ مار کر ڈائننگ روم بھی پار کر گیا۔

"شریر۔" چچی کچن میں واپس آ گئیں۔ نیلی کی طرف دیکھا پھر دونوں ہی ہنس پڑیں۔

"پتا نہیں شاعری کی بیماری اس خاندان کے لڑکوں کو کیوں لگ گئی ہے۔ ویسے سوچ رہی ہوں اس شترِ بے مہار کو نکیل ڈال ہی دوں۔ کیا خیال ہے سنبھال لو گی نا؟ میں تو عاجز آ گئی ہوں۔" وہ بڑی دلچسپی اور محبت سے نیلی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ نیلی بے چاری بے طرح شرما کر رہ گئی۔

○☆○

موتی ہو کہ شیشہ ہو جام ہو کہ در
جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا
لب اشکوں سے کب جڑ سکتا ہے
تم ناحق ٹکڑے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیوں آس لگائے بیٹھے ہو

"آہ سکندر۔" آس کے موتی لڑی پرو کر جب چھوٹ جائے تو ٹوٹ جاتی ہے اور جو ٹوٹ گیا وہ ٹوٹ گیا چاہے امید کا موتی ہو' انتظار کا شیشہ کہ خواہشوں کا جام۔

کرچیاں رہ جاتی ہیں جنہیں اٹھانے سے انگلیاں زخمی ہوتی ہیں ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

دانیال ملک ہو یا کمال احمد تمہارا دیا ہوا خلا کوئی پر نہیں کر سکا سکندر۔

جو کمی دل کے ایک گوشے میں رہ گئی تھی۔ جو کبھی تمہاری موجودگی میں محسوس نہیں ہوئی مگر تم سے دوری اذیت ناک تنہائی اور وقت کی بے رحم دھول اسے شدید کر گئی۔

وہ کمی ہنوز قائم رہی۔

قدم قدم پر میرے ذہن کے طاقچوں میں تم جھانکتے رہے اور ہر بار اس شور' اس کے عکس گھبرا کر میرے قدم بھٹکے اور عکس میں مدغم ہو کر میں اس تصور سے نجات پاتی رہی۔

آہ سکندر تم نے جتنا مجھے قیمتی رکھا اتنی ارزاں ہو گئی تم سے چھوٹ کر۔

تمہارے دل کی مسند بہت بلند تھی بہت عظیم وہاں میرے جیسی حقیر' بے مایہ' ارزاں ت کا گزر کیسے ہو سکتا تھا۔

میں تمہاری پاکیزہ محبت کے لائق ہی کہاں تھی۔

منی آپا پاکیزہ خیالات' محبت و خلوص کے پانی سے گندھی مورتی تھیں جن کی اصل جگہ ارے دل کی مسند تھی۔

میں تو یونہی تمہاری راہ میں آ گئی تھی۔ اس نے کرب سے لب بھینچ لیے۔

"سکندر۔"

سکندر کمرے کے پردے برابر کر رہا تھا۔ اس کی آواز پر پلٹا۔ وہ اس کی قد آور پشت کو تک تھی۔ اس کے پلٹنے پر اس کا چہرہ تکنے لگی۔

"کہتے ہیں سکندر کہ وقت ہر غم کو بھلا دیتا ہے۔ مستقل دوری ہر یاد کو مٹا دیتا ہے مگر مستقل سے کب یادیں مرتی ہیں۔ داغ مٹ جائیں تو کسک رہتی ہے نا۔

یادوں کے گریبانوں کے رفو
ہر دل کی گزر کب ہوتی ہے
ایک بخیہ ادھیڑا ایک سیا
یوں عمر بسر کب ہوتی ہے"

اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔ سکندر کمرے کی بتیاں روشن کر کے اس کی طرف آیا۔

"تمہارے خیال میں یہ اجالا۔ میرے اندھیروں کو کاٹ دے گا۔" اس کے لبوں پر مجروح اہٹ بکھر گئی۔ وہ اس کے بیڈ کے پاس کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوئی سرخی تھی جیسے بہت سا ضبط کر رہا ہو۔

ہارے آنسو اس کے دل کی بھٹی میں سلگ سلگ کر انگارے بن گئے تھے اور یہ انگارے

اب چیخ رہے تھے۔

"اجالا' زندگی کا پیام بر ہے۔ روشنی جتنی بھی باریک ہو۔ دبیز سے دبیز اندھیرے کا سینہ چیر سکتی ہے۔ اس نے اس کے یخ بستہ نحیف ہاتھ پر اپنا بھاری تسلی آمیز ہاتھ رکھ دیا۔

وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی پشت کے پیچھے سکندر نے اونچا کر کے تکیہ رکھ دیا تھا۔ وہ نیم والیٹی تھی۔ سینے تک چادر اوڑھے۔

اس کے کھلے بال اس کے شانوں پر بے ترتیبی سے پڑے تھے جس کے ہالے میں اس کا زرد چہرہ اتنا ویران تھا اتنا کھنڈر اور بے رمق لگ رہا تھا کہ سکندر دیکھنے سے خوف کھا رہا تھا۔

"شہلا۔" اس نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔ "ہم اچھے دوست تو اب بھی ہیں نا۔"

شہلا نے پلکیں جھپک کر بڑے کرب سے اس کی طرف دیکھا پھر چہرہ جھکا لیا۔

(اگر تم میرا دل چیر کے دیکھ سکتے تو دکھاتی کہ تم کیا ہو میرے لیے۔)

"کیا ہم نہیں ہیں اچھے دوست؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"تم نے بہت دیر کر دی سکندر آنے میں۔" اس نے لرزتی پلکوں کی جھالر زرا اٹھا کر بڑی بے نور نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جو دھندلا دکھائی دے رہا تھا پھر اس دھندلاہٹ میں منی آپا کا عکس' جھلکنے لگا۔ سکندر کے بے حد قریب خوف سے سہا ہوا۔

اس کا دل دکھ کی اتھاہ میں ڈوبنے لگا۔

جو رشتے ہماری سوچوں سے جنم لیتے ہیں وہ اپنے راستے نہیں بدلتے۔ وہ کسی اور رشتے میں کیسے ڈھل سکتے ہیں یہ تو سراسر منافقت ہے سکندر۔" وہ ہنسی مگر اس میں ہزار ملال تھے۔

سکندر لرز اٹھا۔ ایک دو لمحے چپ رہا۔

"تم منافق نہیں تھے سکندر۔" وہ پر ملال نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سکندر نے گہری سانس کھینچی اور خود کو ڈھیلا چھوڑ کر کرسی کی پشت پر ٹیک لگا لی۔

"نہیں شہلا۔ میں نے کسی بھی لمحے خود کو اپنے ضمیر کی عدالت میں شرمسار نہیں پایا۔ م… سے شادی کے بعد میرے تصور میں تم نہیں آئیں۔ مجھے ہمیشہ کھلا صاف اور روشن راستہ پسند… جو ہو گیا اسے مان لیا۔ جو میرے بخت سے نکل گیا اسے بھلا دیا۔ میں منافقت سے ڈرتا ہوں… خدا گواہ ہے شہلا کہ میں نے پلٹ کر کبھی ماضی میں نہیں جھانکا۔ تقدیر سے کبھی شکوہ نہیں کیا… آج تمہارے پاس اگر تنہا بیٹھا ہوں تو اچھے دوست اور اس خونی رشتے سے جو تمہارے میرے… ہے۔ منی کی موجودگی اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے تصور نے مجھے کبھی خوف زدہ نہیں… بلکہ طمانیت بخشی ہے۔" اس نے یہ کہہ کر شہلا کے پتھرائے چہرے پر نظر ڈالی اور دروازے…

…اچانک نظر اٹھی تو وہاں منی آپا کھڑی دانتوں میں ہونٹ دبائے آنسو پینے کی کوشش کر رہی… سکندر سے نظریں ملیں تو پلٹ کر کمرے سے نکل گئیں۔

"شہلا۔" سکندر شہلا کی طرف متوجہ ہوا جو اب آنکھیں موندے گہری سانسیں لے رہی…

"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں ہے شہلا بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ میں منافق آج بھی… ہوں مگر یقین کرو میرے دل میں تمہارے لیے اب بھی احترام ہے۔"

اس نے سکندر کے ہاتھ کا لمس اپنے شانوں پر محسوس کر کے ذرا سی آنکھیں کھولیں۔

"سکندر! میں نے زندگی کے ہر قدم پر منافقت سے کام لیا ہے مگر....." وہ بھرائی آواز میں…

"مگر آج اس گناہ سے آلودہ نہیں ہو رہی ہوں۔ میرے اندر باہر۔ میرے تمام احساسات پر تمہارا قبضہ ہے۔ میرے اندر اتر کر دیکھو سکندر۔ میں اب تک زندہ تھی صرف اور صرف… ایک بار قریب سے دیکھنے کے لیے۔ جذبے کبھی نہیں مرتے۔ آخر دموں تک صورتیں… دل کر ہم پر غالب رہتے ہیں۔"

"شہلا۔" سکندر اس کی تیز چلتی سانسوں سے گھبرا گیا۔ "پلیز تم آرام سے لیٹو میں ابھی… کو بلاتا ہوں۔ بس خاموش رہو۔"

"نہیں سکندر۔ مجھے وہ سب بولنے دو جو قطرہ قطرہ جمع ہو کر میرے اندر سمندر بنتا رہتا ہے۔ …اندر کا شور کم کر دینے دو مجھے آج۔ مجھے وہ سب کہنے دو جو کبھی تم سننا چاہتے تھے اور میں تم… جدا ہونے کے بعد۔ ساری باتیں ڈائری سے کرتی تھی۔" اس نے سکندر کی آستین جکڑ لی۔

اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ وہ سکندر کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے آنکھوں میں سمو لینا چاہتی… اس کا نقش دل میں اتار لینا چاہتی ہو۔

پھر اچانک سکندر کا عکس دھندلانے لگا۔

"شہلا۔ مجھے ڈاکٹر کو بلانے دو۔" وہ نرمی سے اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے چھڑانے لگا۔ وہ… نیم وا آنکھوں سے یوں سکندر کو دیکھ رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے… بالکل خشک تھے اور آنکھوں میں سناٹا اتر رہا تھا۔

کہتے ہیں جب تک سوہنی کامیابی سے چناب کو عبور کر کے مہینوال سے مل لیا کرتی تھی اس… اس کے ذہن میں چناب کی لہروں اور گھڑے کی پختگی کا ایک موہوم سا تصور تھا۔ اس لیے… توجہ مہینوال پر مرکوز رہتی تھی اور رخصت کے وقت دل پر کیا گزرے گی جب وہ کچے… کی بدولت دریا میں ڈوبنے لگی۔ اس وقت نظریں محبوب کی کٹیا پر تھیں لیکن ایسا وقت

ضرور آیا ہوگا' جب پوری شدت کے ساتھ اس کو دریا کی ہستی کا احساس ہوا ہوگا اور کچے گھڑے کی چکنی مٹی ہاتھوں سے محسوس کر کے پکا گھڑا بھی یاد آیا ہوگا اور جب وہ ہاتھ پاؤں مار رہی ہوگی تو ایک لمحے کے لیے مہینوال کا تصور بھی ذہن سے اتر گیا ہوگا۔

شہلا نواز بھی اس وقت موت کی آہٹیں سن رہی تھی۔ اس کے دل پر بتدریج اس دنیا سے ناتا ٹوٹنے کا خوف سما رہا تھا۔

موت کا ہولناک تصور اس کے گرد تیزی سے جال بن رہا تھا۔ سکندر کا عکس دھندلا چکا تھا۔ اس کی انگلیاں اس کی آستین پر اپنی گرفت چھوڑ رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔

"شہلا۔" سکندر کی بھاری آواز گونج کر پورے کمرے کی فضا کو مرتعش کر گئی۔

درد اتنا تھا کہ رات دلِ وحشی نے
ہر رگِ جاں سے الجھنا چاہا
ہر بن موئے خون ٹپکنا چاہا
اور کہیں دور تیرے صحن میں گویا
پتا پتا میرے افسردہ لہو میں دھل کر
حسنِ مہتاب سے آزردہ نظر آنے لگا
میرے ویرانہ تن میں گویا
سارے دکھتے ہوئے ریشوں کی طنابیں کھل کر
سلسلہ وار پتا دینے لگیں۔
رخصت قافلہ شوق کی تیاری کا
اور جب یاد کی بجھتی ہوئی شمعوں میں نظر آیا کہیں
ایک پل آخری لمحہ تیر دل داری کا
درد اتنا تھا کہ اس سے بھی گزرنا چاہا
ہم نے چاہا بھی مگر دل نے نہ ٹھہرنا چاہا

❂☆❂

فون کی مسلسل بجتی گھنٹی کا گلا غالب نے ریسیور اٹھا کر گھونٹ ڈالا۔

"یس شاہ پیلس۔"

"ارے کون' سدرہ' میں شمشاد آپا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے شمشاد بیگم تھیں۔

"جی ہولڈ کیجئے! میں بلا دیتا ہوں بھابی کو۔" غالب نے ریسیور میز پر رکھ دیا۔ کمال ہے میری

...دره بھابی سے مل رہی ہے۔ وہ مسکرا دیا۔ شاید خاتون کی دانست میں فون سدرہ بھابی ہی ...کتی ہیں یا وہ بے تاب ہی اتنی تھیں۔

...نے بھابی کو لونگ روم میں آکر اطلاع دی۔ وہ طوبیٰ کے فیرکس کا پیالہ پاس بیٹھی رابعہ کو ...پٹ فون کی طرف لپکیں۔

...کون شمشاد آنٹی' خیریت تو ہے؟"

...ے کہاں خیریت۔"

...خیر کرے۔" سدرہ بھابی کا دل سینے کی دیواروں میں سکڑا۔

...شہلا کا انتقال ہو گیا ہے' جانتی ہو نا شہلا کو تو' زنیرہ کی سہیلی۔" شمشاد بیگم نے دھماکا ہی کر ...پوری جان سے لرز گئیں۔ ریسیور ان کے ہاتھوں سے پھسلتے پھسلتے رہ گیا۔ کتنی دیر تک ...صامت کھڑی رہ گئیں۔

...ماعت پر یقین نہ آیا۔

...درہ' اے سدرہ۔"

...جی۔"

...للہ کی رضا یہی تھی' ہر ذی روح کی موت لکھی ہوئی ہے۔ میں تمہیں ہاسپٹل سے ہی فون کر ...الیس پندرہ منٹ ہوئے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے۔ میں اور زنیرہ ایک ساتھ ہی آئے ...نے سوچا رات اس بچی کو اکیلے اسپتال کیسے جانے دوں۔ ہم دونوں کا دل گھبرا رہا تھا شام ...ب پہنچے تو......"

...کہاں ہے؟" سدرہ بھابی کا دھیان فوراً زنیرہ کی طرف دوڑا۔ انہیں اس کی فکر لگ

...ت پوچھو اس کی حالت تو' یہیں ہے ابھی اسپتال میں۔ دکھ ہی ایسا ہے غیروں کی آنکھیں ...جائیں' وہ تو پھر اس کی اپنی تھی۔ اگر تم آسکو تو اچھا ہے مجھے تو اب زنیرہ کی طرف سے فکر ...ہے کہیں وہ اپنے حواس نہ کھو دے۔"

...نٹی...... میں ابھی پہنچتی ہوں۔ بس آپ زنیرہ کو سنبھال رکھیں۔" انہوں نے لرزتے ...ے ریسیور رکھ دیا۔ ایک دم آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ نکلا۔ وہ وہیں سیٹی پر بیٹھ ...پھوٹ کر رونے لگیں۔

...کے رونے کی آواز سن کر پورا گھر ہی دوڑا چلا آیا۔

...ب ڈنر کے بعد لونگ روم میں ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ لڑکیاں سائرہ کے ہاں

جانے کے لیے اپنے بیگ بھر رہی تھیں۔ سب چھوڑ چھاڑ اس طرف دوڑی آئیں۔
"اے سدرہ! کیا ہوا میری بچی۔ کس کا فون تھا؟" تائی لرزتی آگے بڑھیں۔ ایک انجانے خوف نے سب کو ہی لرزا دیا تھا۔
"شہلا کا انتقال ہو گیا امی۔"
"اوہ....." تائی اماں نے ایک کرب کے ساتھ آنکھیں میچ لیں اور دھیرے سے کلمہ پڑھا سب اپنی اپنی جگہ سناٹے کا شکار رہ گئے۔ "زنیرہ خود کہاں ہے؟" منجھلی چچی کا رخ فوراً اس کی طرف گیا۔ انہوں نے سدرہ بھابی کے شانے پر ہاتھ رکھا جو تائی اماں سے الگ دوپٹے کے کنارے سے آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔
"وہ اسپتال میں ہی ہے۔ شمشاد آنٹی نے فون کر کے اطلاع دی ہے مجھے۔ وہ اس کے ہی ہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بتانے لگی۔ "کہہ رہی تھیں تم جلدی پہنچو زنیرہ کی طرف وہ بہت پریشان ہیں۔"
"چلو پھر چلتے ہیں۔ ثاقب تم گاڑی نکالو۔ آؤ سدرہ سنبھالو خود کو بیٹا۔ اب ہمیں ہی حوصلہ کے زنیرہ کو حوصلہ دینا ہے۔ اس چھوٹی سی عمر میں اس بچی نے کئی صدمے دیکھ ڈالے ہیں۔"
چچی کے چہرے پر انتہائی رنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ سدرہ بھابی نے یونہی شاہ دل پر نظر دی وہ بھی ماں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر جلدی سے نظریں چرا کر وہاں سے ہٹ گیا
"سنو! زنیرہ کو یہیں لے آنا اسے تنہا مت چھوڑ آنا۔" تائی اماں پیچھے سے تاکید کرنے لگیں
چچی سر ہلا کر سدرہ بھابی کے ہمراہ قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں آئیں۔ وہاں سے چادر اٹھائی دونوں پورچ کی طرف بھاگیں۔
"خدایا رحم فرما اس کے گھر والوں کو صبرِ جمیل عطا فرما۔" تائی اماں وہیں سیٹی پر بیٹھ گئیں ایک گہری مضمحل سانس ان کے سینے سے خارج ہو گئی۔ "برسوں کا ساتھ یوں چھوٹ جاتا جیسے پانی کا بلبلہ بنا اور پھوٹ کر یوں گم ہو گیا جیسے کبھی بنا ہی نہ تھا۔
"ہاں سچ کہتی ہیں بھابی۔ انسان مر کر پھر خواب ہو جاتا ہے۔ آنکھ کھلی اور غائب۔"
چچی بھی اس خبر پر بھاری دل لیے بھاوج کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔
لڑکیاں لونگ روم میں آ کر قالین پر بیٹھ گئیں۔
سب کے دل رنج سے بھر گئے تھے گو کہ ان سب کا تعلق شہلا سے بڑا رسمی سا تھا۔ ایک بار ہی شہلا سے ملی تھیں مگر یہ رنج، یہ دکھ انہیں زنیرہ کے ناتے بے حد گہرا اور بھاری تھا
زنیرہ علی اپنی مقناطیسی کشش کے باعث شاہ پیلس کے مکینوں کے دل میں رچ بس گئی تھی

ن ہی نہیں اس کی معصومیت، اس کا کردار و اخلاق وہ ٹھوس بنیاد تھی جس نے سب کو ویدہ کر دیا تھا۔
ی تو بہت حساس ہے پتا نہیں کیسے برداشت کرپائے گی وہ اتنا بڑا غم۔" نیلی گلوگیر لہجے میں ٹنوں میں سر دے دیا۔
ز بھی تو کوئی معمولی نہیں ہے۔ اتنا تو علاج ہو رہا تھا پھر بھی پتا نہیں کیسے؟" فارحہ ایک نم انس بھر کر رہ گئی۔
زنیرہ۔ امی اور بھابی کے ساتھ آجائے تو اچھا ہو۔" نیلی سر اٹھا کر بولی پھر رخسار پونچھنے لگی۔
نہا چھوڑنا کسی صورت میں ابھی مناسب نہیں ہو گا مگر پتا نہیں مانتی ہے یا نہیں۔"
ہتی آنکھوں کے ساتھ بھیگے بھیگے لہجے میں باتیں کرتی رہیں اور لونگ روم کے نارے والے صوفے پر بیٹھا شاہ دل سگریٹ لبوں سے لگائے ان کی آوازوں کے تانے الجھا رہا۔
سے آخری ملاقات اس کے حافظے میں ہی کیا اس کی روح پر بھی ٹپک رہی تھی۔ اس کا جو اپنا داغا ہوا تھپڑ وہ بھولا نہیں تھا۔ اپنی وہ توہین، وہ سبکی اسے ہر پل یاد رہی تھی مگر موڑ پر، اس حادثے پر وہ خالی الذہن رہ گیا تھا۔
ر ٹوٹا یہ غم، اسے بے حد پریشان کر گیا تھا۔
سوچنے لگا کہ اس تقدیر کی گردش میں وہ خود ہے یا زنیرہ علی ہے۔
یل اسے زنیرہ علی سے دور کر دیتا ہے، اس کے خلاف غصہ بھر دیتا ہے تو کسی لمحے وہ خود سر تمام تر پریشانیوں کے ساتھ اسے اپنے دل سے اور بھی نزدیک محسوس ہونے لگتی۔
دل بھائی۔" نیلی کی آواز پر وہ چونکا، اس کے خیالات کا تسلسل ایک چھناکے سے ٹوٹ نے سر اٹھا کر دیکھا وہ تینوں اس کے سامنے کھڑی تھیں۔
ہمیں اسپتال لے جائیں گے۔ زنیرہ کے پاس۔" نیلی نے التجا آمیز انداز میں کہا تو اس ر لکیریں پڑ گئیں۔
"کیا کرو گی تم لوگ وہاں جا کر؟"
اس وقت ہماری ضرورت ہو گی اسے اس پل حوصلے کی ضرورت ہے۔ ہم سب کے لیے" فارحہ نے کہا تو اس کے جبڑے بھینچ گئے۔ پیشانی پر لکیروں کا جال اور دبیز ہو گیا۔
لوگوں کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھابی اور امی گئی ہیں، یوں بھی وہ بہت باحوصلہ ہے اور اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا اور اٹھ کر

لونگ روم سے نکل گیا۔
تینوں حیرت زدہ ہو گئیں۔
اس کا یہ رویہ اور یہ تلخ انداز ان سب کے لیے تحیر کا باعث تھا۔ خاص کر نیلی کے لیے۔
"آؤ عمیر سے بات کرتے ہیں۔" فارحہ بولی تو نیلی نے اسے روک دیا اور بجھے دل کے سا
کمرے سے نکل گئی۔

○☆○

"تم گئے تھے اس کے پاس مجھے بتایا نہیں' کیا کہا اس نے؟" چچی کی نظریں احمر پر ٹکی تھیں
کرسی پر سر جھکائے زمین پر نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔
"ہاں گیا تھا' ہوئی تھی ملاقات۔" اس نے اسی زاویے سے بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔
"پھر...... کیا...... کیا کہتی ہے وہ؟ آئے گی مجھ سے ملنے۔" ان کی آواز میں بے تابی تم
بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں۔
انہیں ڈسچارج ہو کر گھر آئے دوسرا دن تھا اور ان کا اصرار تھا کہ احمر زنیرہ کو لے آ
جب سے انہیں زنیرہ کا پتا لگا تھا جھوٹ اور سچ کا فرق نظر آیا تھا اس کی بے گناہی کا ادراک ہوا
خود پر فالج کا اٹیک ہوا تھا تب سے وہ بے حد زود رنج اور دل گرفتہ رہنے لگی تھیں۔ انہیں ا
ماضی کی تمام کوتاہیاں یاد آنے لگتیں۔
زنیرہ سے کی گئی تمام زیادتیاں یاد آ کر انہیں بے قرار کر جاتیں۔
"تمہارے ابا بھی تو اس سے ملنے کو بے چین ہیں۔ اسے کہو بس ایک بار......"
"نہیں مانتی وہ' منع کرتی ہے۔" احمر کھڑا ہو گیا اور اضطرابی انداز میں کمرے کے چکر لگا
لگا۔
"نہیں..... مان..... تی..... کک..... کیوں؟"
"وہ خود سر ہو گئی ہے امی۔" وہ لب بھینچ کر غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔
"نہ..... نہیں..... نہیں۔ احمر۔" چچی کی آنکھوں میں حزن کی آمیزش شدید ہوئی
خود سر نہیں ہے۔ اسے ہمارے دیے زخموں نے' حالات کی ستم ظریفی نے سخت کر دیا
میں تو خود سری کبھی تھی ہی نہیں وہ تو ایسی لچک دار نرم شاخ کی مانند تھی جسے جس طرح چاہتی
لیا کرتی تھی۔ وہ اف نہیں کرتی تھی کبھی۔ میری کسی زیادتی پر شکوہ نہیں کیا..... آہ۔"
"امی۔" احمر ان کے سرہانے بیڈ پر بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان
آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔ وہ شاید ماضی کو یاد کر رہی تھیں یا زنیرہ کے حالات کا جا

ہی ہو رہی تھیں۔"
بالکل اپنی ماں جیسی تھی' صرف شکل میں ہی پریوں اور فرشتوں جیسی نہیں۔ مزاج میں
کی ماں نے بھی کبھی شکوہ نہیں کیا تھا۔ زنیرہ بھی ایسی ہی تھی۔ درگزر کرنے والی۔
بے ضرر' موم کی گڑیا جیسی' اپنا غم دل میں اتار لیا کرتی تھی۔ کسی نے بھی تو اس کا کوئی دکھ
نہیں کیا تھا۔"
"آپ کو ڈاکٹر نے مکمل آرام کرنے کو کہا ہے' ذہنی طور پر بھی پرسکون رہنے کو۔ جانتی
ہیں آپ کو ذہنی سکون کی کتنی ضرورت ہے۔ مت سوچیں کچھ بھی۔" وہ بہت فکر مند
نے لگا۔ "فرزانہ آپی نے آپ کو دوائی دی؟"
"مگر میرا علاج میرا سکون ان گولیوں میں نہیں ہے احمر۔" وہ دانتوں سے ہونٹ کاٹتے
کرب سے آنکھیں موند لیں۔ احمر ان کا سر سہلانے لگا۔ پھر اٹھ کر کمرے سے نکل

"آپ نے امی کو دوائی دی تھی؟" وہ کچن میں آیا۔ جہاں فرزانہ موجود تھی۔
"ہاں مگر احمر امی ٹھیک کہتی ہیں ان کا علاج یہ گولیاں نہیں بلکہ زنیرہ ہے اور جب تک وہ
گی وہ اس سے معافی نہیں مانگیں گی' انہیں چین نہیں آئے گا۔"
"کیا کروں آپی؟ وہ نہیں مانتی اس کے لہجے میں اتنا شدید انکار تھا کہ میں اصرار بھی نہیں
" وہ دروازے سے لگ کر یاس بھرے لہجے میں بولا۔
"کاش ہم سے اتنی بڑی بھول نہ ہوئی ہوتی۔ ہم سب کی آنکھوں پر پٹی نہ بندھ گئی
اور جھوٹ میں اس وقت فرق سمجھ لیتے۔ ہم نے بھی تو کچھ اچھا نہیں کیا احمر' اور میں
ہم پر ساری مصیبتیں اس معصوم لڑکی کے بے داغ دامن پر الزام لگانے کی وجہ سے
اس پر ظلم ڈھانے سے میرا گھر برباد ہوا' مجھے ڈائیورس ہوئی' تمہاری منگنی ٹوٹی' امی کو
ہمارے ہمارے گناہوں کا نتیجہ نہیں ہے بتاؤ؟ شبانہ اپنے گھر کیسے سکھی ہے' ہو سکتا
کوئی نیکی کر لی ہو گی اماں ابا نے۔" فرزانہ آپی سنک پر برتن دھوتے ہوئے آزردگی
تھیں۔ پھر کھلے پانی میں ہاتھ دھو کر کپڑے سے پونچھتے ہوئے احمر کی طرف مڑیں۔
"ایسا کرو مجھے زنیرہ کے پاس لے چلو' میں خود اس سے بات کروں گی۔ اسے اصرار کر کے
"
"بیکار ہے' وہ بہت ضدی ہو گئی ہے۔"
"کوشش تو کر لینے دو! اس کی فطرت میں ضد اور خود سری نہیں ہے۔ وہ مان جائے گی

مجھے یقین ہے احمر میرے ساتھ ضرور واپس آجائے گی۔ تم کہتے ہو وہ کسی شہلا نامی لڑکی کے ساتھ کرائے کے ایک گھر میں رہتی ہے تو سوچو آخر کب تک وہ یوں رہ سکے گی۔"

"ٹھیک ہے آپ اپنی سی کر لیجئے گا۔" احمر نے کندھے اچکا دیئے۔ "ویسے اسکے شاہ پیلس والوں سے تعلقات خاصے مستحکم ہیں۔" اس نے کچن سے نکلتے نکلتے اطلاع دی' فرزانہ آپی چونک گئیں۔

"شاہ پیلس والوں سے؟ وہی تمہارے دوست کیا نام تھا شاہ دل' کے گھر سے؟" انہوں نے قدرے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا اس نے سر ہلا دیا۔

"خیر۔" فرزانہ نے سر ہلا دیا۔ "دوستی جتنی بھی ہو کوئی عمر بھر تو دوستوں کے یہاں نہیں رہ سکتا۔ خون تو بہرحال خون ہوتا ہے۔" وہ جیسے خود کو تسلی دے رہی تھیں۔

"رہتی تو خیر نہیں ہے وہ وہاں پر۔" احمر نے مزید کہا "چلیں پھر میں کل آپ کو لے جاؤں گا مگر' امی کو خبر نہ ہونے پائے وہ نہیں آئے گی تو انہیں نئے سرے سے دکھ ہوگا۔" احمر کو زہرہ کے رویے سے خاص امید نہیں تھی کہ وہ فرزانہ آپی کے ساتھ آئے گی۔ بہرحال وہ ان کی اپنی کوشش کر لینے دینا چاہتا تھا۔

○☆○

اس کی آنکھ کھلی تو سر بھاری محسوس ہو رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ شریانیں کسی بھی لمحے پھٹ جائیں گی۔ کنپٹیوں پر رگوں کے بجائے سخت تاروں کا جال بچھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ متورم آنکھوں میں ایسی جلن ہو رہی تھی جیسے کسی نے ڈھیر سارے انگارے بھر دیئے ہوں۔ کئی لمحے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا رہا۔ کوئی چیز سجھائی نہ دے رہی تھی۔ ذرا سا اٹھنے کی کوشش میں سر چکرا کر دوبارہ تکیے پر گر گیا۔

آہستہ آہستہ دماغ کے گوشوں سے دھند چھٹنے لگی۔

وہ ڈراؤنا خواب' جو خواب نہیں تھا سفاک حقیقت بن کر پھر نگاہوں کے سامنے آگیا۔

اچانک ایک تیز سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ جلتی آنکھیں ایک بار پھر آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

اس نے زور سے تکیے پر سر پٹخا۔

وہ تو خود بھی مرنا چاہتی تھی مگر زندہ تھی۔

اس کی نگاہوں میں بیتے سارے منظر لہرانے لگے۔ اس کا دل رنج و غم کے بوجھ سے پھٹنے لگا۔

آنکھوں میں آنسوؤں کے انگارے چبھنے لگے۔

نے شدتِ کرب سے لب دانتوں میں دبا کر آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوئی کوشش نہ

کھلنے کی آہٹ پر اس نے آنکھوں کو ہتھیلیوں سے ملتے ہوئے دروازے کی طرف
ے سدرہ بھابی اور تائی اماں داخل ہو رہی تھیں' ان کے ساتھ عادل تھا۔ تب احساس
مرمیں یا مونا کی رہائش گاہ پر نہیں ہے بلکہ شاہ پیلس میں ہے۔
کیسی طبیعت ہے؟" تائی اماں آگے بڑھیں اور پیار سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو
ح پھنک رہی تھی۔
۔۔۔ مجھے یہاں کیوں لے آئے آپ لوگ؟ مجھے شہلا کے ساتھ ہی کیوں۔۔۔؟"
بیٹی' ایسے نہیں کہتے۔" تائی اماں نے پیار سے اس کے سر کو سہلایا اور عادل کی
جس کے ہاتھ میں ذہنی سکون کا انجکشن تھا اس نے آگے بڑھ کر سرنج اس کے بازو

نہیں آرام آجائے گا بیٹی۔"
اماں مجھے سکون کی نہیں موت کی ضرورت ہے۔ مجھے آپ کوئی زہریلا انجکشن لگا دیں
یا سے ہمیشہ کے لیے دور چلی جاؤں۔ میں قطرہ قطرہ دکھ جمع کرتے کرتے تھک چکی
کس کس کی جدائی برداشت کروں گی تائی اماں؟"
بائی اور سخت مضمحل ہو رہی تھی اور رو رو کر بھی نڈھال ہو چکی تھی مگر لگتا تھا غم کبھی
رگا اس کا دل جھلستا رہے گا شاید عمر بھر۔
یہ دنیا چھوڑ گئی۔ اس کے اپنے اس کا جنازہ بھی دفنانے آبائی شہر کراچی لے گئے۔
تنے عرصے کی رفاقت کے باوجود میرے ہاتھ کیا آیا تائی اماں؟ صرف یادیں' جدائی کے
کا زہر۔"
ت الٰہی یہی ہے بیٹی' سبھی کو ایک دن جانا ہے کوئی یہاں عمر بھر کے لیے نہیں آیا نا۔
ئے ہیں' ہمیں بھی ایک دن چلے جانا ہے۔ خود کو سنبھالو' تم تو بہت باحوصلہ اور بہادر
ئی اماں اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ "اللہ تعالیٰ غم دیتا ہے تو اس سے بڑھ کر خوشیوں
ہے۔ یہ غم دراصل ہمارے اندر خوشیوں کے لیے جگہ بناتے ہیں غم جتنا گہرا ہوگا خوشی
پائیدار ہوگی۔"
لگتا ہے تائی اماں میرا دل پھٹ جائے گا۔ میرے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ شہلا یوں
سے" وہ اپنی جگہ سے اٹھی مگر کمزوری غالب آگئی' وہ جھول گئی۔ تائی اماں نے بازوؤں

میں بھرا تو گویا آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ جو اب تک ضبط کی چٹان کے نیچے دبا
تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے اس کے بعد عمر بھر نہ رو سکے گی۔

تائی ماں نے اسے اپنے سینے سے یوں لگا لیا تھا جیسے وہ بہت چھوٹی سی بچی ہو۔ ان کی شفقت
ان کی اپنائیت سے بھرا اور ٹھنڈی چھاؤں جیسا وجود دل کو اور بھی گداز کر رہا تھا۔

پھر انہوں نے نرمی سے بیڈ پر لٹایا اور سدرہ بھابی کے ہاتھ سے گلوکوز کا گلاس لے کر ا
زبردستی پلانے لگیں۔

"اب تم آرام سے سو جاؤ۔ ساری سوچوں کو ذہن سے جھٹک دو جو ہونا تھا ہو چکا۔ تقدیر
لکھے کی مخالفت نہیں کرتے اللہ کی رضا میں راضی رہتے ہیں بیٹا۔"

اس کی چادر ٹھیک کر کے وہ اس کی پیشانی کو سہلانے لگیں۔

"تم اب عادل کی مریضہ ہو اس لیے وہ جو کہے گا تمہیں ماننا پڑے گا۔" بھابی بھی اس
دوسری جانب بیٹھ گئیں۔

عادل نے مسکرا کر سر خم کر دیا۔

"جی جنابہ اور میں اپنی مریضہ کے معاملے میں بہت سخت ہوں، اس لیے آپ کو آج سارا
اسٹرانگ بیڈ ریسٹ کرنا ہو گا۔" اس نے ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کے لیے شگفتہ
انداز اختیار کیا تھا۔ اس نے ایک نظر عادل، پھر بھابی کی طرف دیکھا تو انہوں نے اس کا ہاتھ ا
ہاتھ میں لے کر دبا دیا۔

"ہے تو یہ نیم حکیم مگر جان کو خطرہ ہرگز نہیں ہے اس کی میں گارنٹی دیتی ہوں کیوں عادل؟"

"ارے واہ، نیم حکیم کہاں سے ہو گیا، خیر سے ہاؤس جاب کر رہا ہوں۔" وہ کچھ اس ط
بلبلا کر بولا کہ تائی اماں اور بھابی زور سے ہنس پڑیں، اس کے لبوں کی تراش میں بھی موہوم
مسکراہٹ پھوٹی اور گم ہو گئی۔

تائی اماں اور عادل کے کمرے سے جانے کے بعد بھابی اس کے پاس بیٹھی رہیں اس کے با
کو ہولے ہولے سہلاتے ہوئے بولیں۔

"زینی، میری خاطر، ہم سب کی خاطر خود کو سنبھالو۔ شہلا سے جتنی محبت کرتی تھی کیا ا
محبت مجھ سے نہیں ہے تمہیں، ہم سب سے نہیں کرتیں۔" ان کی بات پر اس کا دل رنج سے
گیا، لبوں سے ایک مضمحل سی آہ نکل کر فضا کو بوجھل کر گئی۔ اس نے نظریں بھابی کے چہر
سے ہٹا کر دیوار پر مرکوز کر دیں۔

"محبت...... ہاں، میں خود غرض ہوں بھابی۔ میں نے شاید شہلا کو بھی اس لیے چاہا کہ وہ میں

ضرورت تھی۔ ہم دراصل جانے والوں کے لیے نہیں اپنے لیے روتے ہیں۔ اپنے تنہا ہو جانے
کا ماتم کرتے ہیں، اپنی توقعات اور وابستگی کے ٹوٹنے پر روتے ہیں۔ میں بھی شاید اسی لیے روتی
ہوں اور ہم اپنے اس رونے کو، اس غرض کو "محبت" کا نام دیتے ہیں۔"

سدرہ بھابی اداس آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔ بولیں کچھ نہیں۔ اس وقت
انہیں زینیرہ کی ذہنی پراگندگی کا خوب احساس تھا۔

اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔

کچھ دیر وہ اس کے پاس بیٹھی رہیں۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ عادل کا
لگایا ہوا انجکشن کام دکھا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ غنودگی میں چلی گئی۔ تب وہ آہستگی سے اٹھیں
اور بے آواز کمرے سے باہر نکل آئیں۔

"شاہ دل۔" بڑے قدموں سے باہر کی طرف جاتے شاہ دل کو انہوں نے بلا ارادہ پکار لیا۔

ان کی آواز پر شاہ دل کے تیزی سے اٹھتے قدم رک گئے مگر وہ پلٹا نہیں۔ وہ خود ہی اس کے
قریب چلی آئیں۔

"فرمایئے۔" اس نے ذرا سا گھوم کر ان کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں گاڑی کی چابی
تھی۔ شاید کہیں جانے کا ارادہ تھا اور وہ جس انداز سے رکا ہوا تھا اس سے لگ رہا تھا اسے جانے
کی جلدی ہے۔

"زینیرہ کی طرف سے میں بہت پریشان ہوں۔" وہ اضطرابی انداز میں بولیں۔

"اس کی وجہ سے کون پریشان نہیں ہوا۔" وہ زہرخند سے بولا۔

بھابی نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ جہاں بڑا پتھریلا پن سمٹا ہوا تھا۔

"بس یہی بتانے کے لیے آپ نے مجھے روکا تھا؟" وہ کچھ لمحے توقف کے بعد ہنوز کھردرے
انداز میں بولا پھر رکا نہیں اور پلٹ کر لابی کے گلاس ڈور کو دھکیل کر باہر نکل گیا۔

بھابی دم بخود رہ گئیں۔ شاہ دل کا یہ کھردرا لہجہ، یہ زینیرہ کے معاملے میں بے گانگی، یہ اجنبیت
انہیں متحیر کر گئی۔

"بھابی۔" نیلی انہیں پکارتی اس طرف آئی۔ انہوں نے دروازے کو گھورنے کا عمل ترک
کر کے نیلی کو دیکھا۔

"ہوں۔"

"پھوپو کی طرف جانا نہیں ہے کیا؟ ٹیلر کے پاس بھی تو جانا ہے سائرہ کے مایوں کا جوڑا لینے۔"

"ایسا کرو تم فاری اور رابعہ، تیمور کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں شام کو آجاؤں گی۔"

"زنیرہ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"ٹھیک نہیں ہے ابھی۔ بہت ٹینس ہو رہی ہے۔ عادل نے سکون کا انجکشن لگا دیا ہے۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔ ان کا ذہن ابھی تک شاہ دل کے رویے میں الجھا ہوا تھا۔

"سنو نیلی۔" انہوں نے پلٹ کر جاتی نیلی کو کچھ سوچ کر روکا۔

"چچی کی شاہ دل سے کوئی بات ہوئی ہے۔ زنیرہ کے سلسلے میں؟"

"شاہ دل بھائی سے..... نہیں میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیوں خیریت؟" نیلی نے ان کے طرف کھوجتی نظریں ڈالیں۔

"ہاں خیریت ہی ہے اور خدا ہمیشہ خیریت ہی رکھے۔" وہ ہلکے سے ہڑبڑا کر ایک طرف ہوئیں۔

○☆○

جن کو اٹھنا ہے وہ اٹھ جاتے ہیں چپکے سے شکیل
بعد ان کے بزم میں گریہ سہی ماتم سہی

اس کا سینہ شہلا کے اس اندوناک جدائی پر سلگ رہا تھا۔ شاہ پیلس کے مکینوں نے اس کے زخموں پر کچھ ایسا مرہم رکھا تھا کہ وہ خود کو بہت حد تک سنبھال چکی تھی مگر اب بھی سوچنے بیٹھتی تو ہر طرف دھند ہی دھند نظر آتی۔

شہلا کی یادوں کی دیواروں سے ٹکرا کر لہولہو ہو جاتی۔ کبھی وہ اپنی طرف نگاہ کرتی تو یکلخت خود کو بالکل تنہا محسوس کرتی۔ ایسی تنہائی جو ہجوم میں بھی محسوس ہو۔

جسے شیئر نہ کر سکتا ہو کوئی۔

وہ شاہ پیلس کے وسیع اور خوش نما لان میں کسی پریشان روح کی طرح چکراتی پھر رہی تھی۔

وہ اپنے کمرے سے نکل آئی تھی اسے گھٹن اور حبس کا احساس ہو رہا تھا مگر اس کھلی فضا میں بھی کوئی تازگی مسوس نہ ہو رہی تھی۔ دراصل یہ گھٹن بیرونی نہیں اس کے اندر کے خلفشار سے جنم لینے والی گھٹن تھی۔

اس کے ذہن میں بے یقینی تھی جو شہلا کی موت تھی۔

خوف جو مستقبل کے لیے تھا۔

اور انتشار کی آندھی چل رہی تھی۔

شہلا نواز کی موت ایک زلزلہ ہی تو تھا جس نے اس کی دنیا کو یوں تہس نہس کر دیا کہ اب کچھ بھی بجھائی نہ دے رہا تھا۔

وہ بس یادوں اور خیالوں کے کھنڈر میں تہی دست و آبلہ پا پھر رہی تھی۔

سی بے قرار بھٹکی ہوئی روح کی مانند۔

اس کی ذہنی حالت بے حد خستہ تھی۔ اس نے سوچا اگر شاہ پیلس والے نہ ہوتے۔

یہ سدرہ بھابی کا مہربان وجود۔

تائی اماں اور چچیوں کی مشفق تسلیاں۔

لڑکیوں کی کھلکھلاہٹیں۔

تو شاید وہ پاگل ہو جاتی۔ ذہنی توازن کھو دیتی۔

وہ لان کے بیچ پر بوگن ویلیا کی باڑھ کے پاس بیٹھ گئی۔

شام کا سرمئی اندھیرا قدم رکھ چکا تھا لیکن ابھی اتنی روشنی باقی تھی کہ وہ سرسراتی ہوا میں ان کے پتوں کی حرکت دیکھ سکتی تھی۔

وہ ہر پتے کو خالی الذہن گھور گھور کر دیکھتی رہی۔ ملگجا اندھیرا آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ لان کی ساری بتیاں ایک ایک کر کے روشن ہونے لگیں مگر وہ یونہی بیٹھی رہی پھر گھٹنوں میں ڈال لیا۔

عادل نے کہا تھا سوچنے سے پرہیز کیا جائے۔ بلکہ سوچنے پر ہی پابندی ہے مگر بھلا سوچ پر کون بند لگا سکتا ہے۔

سوچیں تو ذہن کے تاریک کونوں کھدروں سے بچھوؤں کی طرح نکل نکل کر اسے ڈنک مار رہی تھیں۔

اچانک اسے کسی کے قدموں کی دھمک سی محسوس ہوئی جو اس سے ذرا فاصلے پر ٹھہر گئی ایک کلون کی سی تیز مہک' اس نے تھوڑا سا سر اٹھایا تو لیدر کی سیاہ چپل میں مقید مضبوط پیروں پر نظریں پڑیں۔

"تمہارا تو دعویٰ تھا کہ سہارے انسان کو اعتماد سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس لیے تمہیں کسی سہارے کے ضرورت نہیں تھی پھر یہ ایک سہارا چھن جانے پر یوں مایوس ہونا۔ کم از کم میرے لیے تو اچھنبے کی بات ہے۔ ہنسوں یا تمہارا دعویٰ غلط ہو جانے پر افسوس کا اظہار کروں۔"

اس کا ذرا سا اٹھا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا۔

وہ نیم تاریک گوشے میں تھی مگر اس کی مکمل توجہ کا مرکز۔ حتی کے اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں بھی نظر آ رہی تھی اسے مگر وہ جانے کس وقت کا حساب بے باق رہا تھا اور ایسا کر کے کتنا خوش ہو رہا تھا۔

اس نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا مگر اپنے دل کو اس کے جملوں کی آتشیں گولیوں کی بوچھاڑ سے

تپتا ہوا محسوس ضرور کرنے لگی۔

شاید یہ اس کی توقع کے خلاف ہوا تھا۔ اس نے بینچ سے اٹھ کر یہاں سے بھاگ جانے کا سوچا مگر وہ جس انداز سے کھڑا تھا، بوگن ویلیا والی دیوار پر ایک ہاتھ رکھے۔ اس کے یوں فوراً اٹھ کر بھاگ جانے کا امکان معدوم ہو چکا تھا۔

"ہنسنا تو ان حالات میں ادب و اخلاق کے خلاف ہوگا اور یوں بھی اتنا بد اخلاق کبھی نہیں رہا۔ ہاں افسوس کا اظہار بہرحال کر سکتا ہوں۔ ویسے بھی تمہاری جو پوزیشن ہے اس کے حساب سے تمہیں شدید ہمدردی کی ہی ضرورت ہے۔"

اس کے رخساروں پر سرخی امڈ آئی۔ پتا نہیں یہ خفت کی تھی یا اندر بہت کچھ ٹوٹنے اور لاوا بننے کی۔

اس نے اپنے اندر غصے کا ابال اٹھتا محسوس کرتے ہوئے متورم آنکھوں کی باڑھ اٹھا کر دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اپنے اعتماد کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کی بھوری لو دیتی آنکھوں میں کوئی تاثر واضح نہیں تھا کہ آیا وہ اس کی اس حالت کو انجوائے کر رہا تھا یا واقعی متاسف تھا۔

"مجھے نہ پہلے کسی کی ہمدردی کی ضرورت رہی تھی اور نہ اب ہے۔" وہ مزید خفت اٹھانا اور اس کے تیروں کا حدف بننا گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ کھڑی ہو گئی مگر وہی ہوا۔ بھاگ جانے کی راہیں مسدود تھیں۔

"تم بہت ناشکری ہو زنیرہ علی۔" وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔ "اتنے بہت ساروں کی ہمدردیاں تم نے ایک ہی لمحے میں ضائع کر دیں۔" اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑی برہم نظروں سے اس کا دل جگر چھلنی کیا۔

"آپ کا مطلب اگر اپنے گھر والوں سے ہے تو اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ لوگ مجھ سے ہمدردی نہیں محبت کرتے ہیں۔" وہ تڑخ ہی تو گئی۔ یہ شخص اسے سلگتی لکڑی سمجھ کر ٹکرا ٹکرا کر کیوں سلگاتا رہتا تھا۔

"واہ یہ تو بالکل نئی اطلاع ہوگی میرے لیے۔" اس نے تحیر سے اس دہکتی کھلی کھلی بھیگی ہوئی ... کر دینے والی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑ دیں۔ "اس کا مطلب ہے تم محبت اور ہمدردی میں فرق سمجھنے لگی ہو۔" بڑا تمسخرانہ انداز تھا جلتی نہ تو کیا کرتی۔

"ہاں۔ میں سچی محبت اور خودغرضانہ محبت کا فرق بھی اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں۔" وہ دھڑ دھڑ جلتے ہوئے اسے کیسے بخش دیتی۔ یہی تو اس کے اندر دہکتے الاؤ کا ذمے دار تھا۔

اسے اب یہاں کھڑا رہنا دوبھر ہو گیا تھا۔ یہ شخص جتنا سفاک ہو سکتا تھا وہ جانتی تھی۔ وہ اس

سے جھٹکے سے گزری تاکہ وہ ایک طرف ہو جائے مگر اس نے بجائے ایک طرف ہونے کے اس کا ہاتھ پکڑ کر یوں کھینچا کہ وہ اس کے بازوؤں کے گھیرے میں آتے آتے رہ گئی۔ اس نے اس کے شانوں پر ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر اسے دوبارہ بینچ پر پٹخ دیا اور اس کے چہرے کی سمت جھکتے ہوئے اس کی خوف اور وحشت سے پھیلی آنکھوں میں اپنی مغرور آنکھیں ڈال دیں۔

"تمہاری اس چھوٹی سی عقل پر۔ میں جتنا بھی ماتم کروں کم ہے۔ کسی دن میں تمہیں سچی محبت بقول تمہارے "خودغرضانہ محبت" کا فرق اور ان کا آپس میں گہرا تعلق سمجھاؤں گا۔ تم جو دل محبت جیسے جذبے سے سدا ناآشنا رہی ہو ناں اس لیے کیا سمجھو گی کہ محبت کہتے کسے ہیں اور ویسے بھی تمہاری ناقص عقل میں اتنی جلدی اتنی گہری بات آئے گی بھی نہیں۔ کسی دن عملاً سمجھاؤں گا۔"

وہ اٹھنے لگی تو اس نے دوبارہ اسے دھکیل دیا۔ اس کی پشت بینچ کی کھردری سطح سے ٹکرا کر درد اور خوف نے اسے روہانسا کر دیا۔

"شاہ دل خان۔ اپنی حد میں رہو۔" وہ غصے اور نفرت سے چلائی۔

"ابھی میں نے تمہیں اتنے اختیارات نہیں دیے کہ تم میری حد کا تعین کرنے لگو۔" وہ بھی دوبدو بولا۔

اس نے شدت ضبط سے لب بھینچ لیے۔

"میں، میں یہاں بالکل نہیں رہوں گی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ ورنہ۔ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔ ہو سکتا ہے ناشوٹ ہی کر بیٹھوں۔" اس نے ایک پل اسے آگ بھری نظروں سے دیکھا پھر پلٹ کر ... آتے پتوں اور گھاس کو روندتا آگے بڑھ گیا۔

وہ خوف، وحشت اور تحیر آمیز بے یقینی سے اس کی پشت کو دیکھنے لگی۔

پھر سر جھکا کر لبوں کو دانتوں میں دبا کر آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

شاہ دل جیسے شائستہ انسان کا اتنا سفاک رویہ۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

بے شک۔ اکثر و بیشتر وہ اسے دیکھ کر ایسے ہی غصے سے آؤٹ ہو جاتا تھا مگر اتنی تلخی۔

جان سے مار دینے کی دھمکی۔

اس کی سنہری پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔

اسے کب امید تھی کہ یہ شخص بجائے اس سے ہمدردی کرنے کے، شہلا کی موت پر تعزیت

کرنے کے، دو لفظ تسلی کے بولنے کے بجائے الٹا اس پر چڑھ دوڑے گا۔

اس کا جگر چھلنی کر دے گا۔

اس کے دل پر مرہم رکھنے کے بجائے یوں کھلے تیر برسائے گا۔

کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس عذاب سے گزر رہی ہے۔ کس جہنم میں جل رہی ہے۔

شہلا کی اندوہناک موت نے تو غیروں کی آنکھوں کو بھی بھگو دیا تھا یہ شخص؟ اس کے دل پر یکلخت گہری اداسی اور مایوسی کا دل شکن اندھیرا پھیلنے لگا۔ اسے لگا اس کا دل، کسی پھول کی مانند اس شخص نے ہاتھ میں لے کر مسل ڈالا تھا اور وہ پتی پتی بکھر کر رہ گئی ہو۔

اس نے یونہی سر اٹھا کر اس خالی گوشے کو بھیگی آنکھوں کے ساتھ دیکھا۔ اس کے پیروں تلے مسلی ہوئی گھاس اور تازہ پتے اسے بالکل اپنی روح، اپنے دل کی مانند بین کرتے ہوئے، شکست کھاتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اسے بھی تو یہ شخص یونہی روندتا ہوا چلا گیا تھا۔

سمجھے تھے دوسروں سے بہت مختلف تجھے
کیا مان لیں کہ تو بھی ہمارا نہیں رہا
تم اعتبار اس کے لیے کیوں اداس ہو
اک شخص جو کبھی بھی تمہارا نہیں رہا

"لو تم یہاں بیٹھی ہو۔ میں تمہیں کمرے میں نہ پا کر پریشان ہو گئی کہ کہیں تم رسہ تڑوا کر بھاگ تو نہیں نکلیں۔" بھابی کے ہاتھ کا لمس اس کے شانوں پر پڑا مگر وہ یونہی پاؤں لٹکائے، سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"کھلی ہوا میں یونہی نکل آئی تھی۔" اس نے ایک گہری سانس کھینچی۔ "میں اب واپس جانا چاہتی ہوں بھابی۔" اس نے ذرا سا سر اٹھایا تو بھابی نے چونک کر اس کی شکل دیکھی مگر وہ پلکیں جھپک کر اسی شکستگی کے دھوئیں کو چھپا گئی جو شاہ دل سلگا کر گیا تھا۔

یہ دکھ، یہ غم یہ دھچکا خالص اس کا اپنا تھا۔ وہ کسی سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ عجیب شکست کا احساس، بہت کچھ کھو دینے کا احساس دل پر کچوکے لگا رہا تھا۔

ہاں شہلا نواز ہوتی تو وہ یقیناً اس کے کندھے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح رو دیتی اور اس شخص کے رویوں کا شکوہ اس سے ضرور کرتی۔ اس کی طرف سے دیے گئے زخموں کا مرہم شہلا ہی کے پاس تو ملتا تھا اسے۔

اس کا دل اندر سے بالکل کھنڈر ہونے لگا۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

"آخر کار، مجھے جانا ہی تو ہے نا، پھر آج یا کل سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" وہ بوگن ویلیا کے سوکھے

پتوں کو مٹھی میں بھر کر بے رونق نظروں سے گھورنے لگی۔ اس کا دل بھی تو ایسا ہی ہو کر رہ گیا تھا۔ بے رونق، بے خوشبو، جسے شاہ دل خان بری طرح مسل کر چلا گیا تھا۔

شاید غلطی اسی کی تھی۔ اس نے توقعات زیادہ باندھ لی تھیں اس سے ورنہ وہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔

سفاک

جنگلی

جاہل!

یہ شائستگی کا، وقار کا تو اس نے صرف چولا پہن رکھا تھا۔ اس کی ذہنی سوچ میں دکھ گردش کرنے لگا اور کچھ دیر پہلے گزرے واقعہ کا خیال اسے پھر سے جلانے لگا۔

"ضرور جانا۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی مگر کل سائرہ کی مہندی ہے اس میں تمہیں شامل ہونا ہے پھر یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں واپسی پر ڈراپ کر دوں گی تمہارے گھر۔ ٹھیک ہے۔"

بھابی نے اس کا رخ اپنی طرف کر کے بڑے پیار سے، بڑے مان سے کہا۔ تو وہ انکار نہ کر سکی۔

وہ اب کسی محبت کا مان توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ یوں بھی اس کی زندگی میں ایسے خلوص، ایسی ہی بے غرض محبتوں کا کال تھا۔ انہیں کھو دیتی تو۔ اس کے پاس کیا رہ جاتا۔

"چلو اندر آؤ۔ عادل بھی تمہیں کمرے میں نہ دیکھ کر پریشان ہو رہا ہے۔ تیمور کے خیال میں تو اس کی مریضہ یعنی تم سو فیصد اس کی نیم حکیمی سے ڈر کر بھاگ نکلی ہو۔" بھابی کے انداز میں شگفتگی تھی وہ بھی مسکرا دی۔

"وہ دیکھو۔ آ رہا ہے نیم حکیم خطرہ جان۔" عادل کو سامنے سے آتے دیکھ کر بھابی زور سے ہنس پڑیں۔

وہ قریب آ چکا تھا اور بھابی کا یہ فقرہ بھی بخوبی سن چکا تھا بھابی کو گھورنے لگا۔

"یہ نیم حکیم کیسے کہہ رہی تھیں آپ؟"

"ظاہر ہے تمہیں۔ اس گھر میں تمہارے علاوہ اور کون ہے جان کا دشمن۔"

"لینگویج پلیز۔ ایک مسیحا کی توہین کر رہی ہیں آپ۔" وہ تڑپ کر رہ گیا۔ "ہاؤس جاب کر رہا ہوں۔ یعنی پریکٹس میں ہوں اور آپ مجھے نیم ڈاکٹر کہہ رہی ہیں، چھ ماہ بعد اسپیشلائزیشن کے لیے باہر فلائی کر جاؤں گا پھر مجھے یاد کر کے روتی رہیے گا۔"

وہ سب لونگ روم میں چلے آئے۔

"ارے واہ ہم کیوں روئیں گے۔ سارے جہاں کے ڈاکٹر مر کھپ گئے ہیں کیا۔ یوں بھی تم

کون سے ذہین فطین ڈاکٹر ہو۔" بھابی نے مزید چڑایا۔

"دیکھ لیں زنیرہ جی۔ ایسے ہوتے ہیں ناقدرے' ناشکرے۔ ارے جانے کے بعد قدر ہو گی میری۔"

"جیسے غالب کی ہوئی۔" تیمور ٹی وی کے پاس بیٹھا تھا۔ ریموٹ کنٹرول سے آواز آہستہ کر کے ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اتفاق سے غالب اندر داخل ہو رہا تھا اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ تیمور کو دیکھا۔

"اب بھی کہاں ہوئی ہے قدر۔" بڑا دھیما اور سلگتا لہجہ تھا۔

"ارے ہمارے دل سے پوچھو۔" اس نے سینے پر ہاتھ مارا۔

"سوری مسٹر۔ اسے تمہارے دل سے سروکار نہیں ہے۔" عادل دوبدو بولا تو ایک پل جملے کی گہرائی اور مفہوم نے غالب کے چہرے پر تاریکیاں بھر دیں۔ بھابی نے عادل پر کڑی نظریں ڈالیں تو وہ سنبھل گیا۔ اسے بھی اپنے جملے کے بیک گراؤنڈ کا اندازہ ہو گیا۔

"یہ بتایئے مس زنیرہ علی آپ میری مسیحائی سے کتنا بہتر محسوس کر رہی خود کو؟" وہ کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا اور زنیرہ سے مخاطب ہوا۔ وہ ان سب کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔ یکدم مخاطب ہونے پر گڑبڑا گئی۔

"ارے' اس سے کیا پوچھتے ہو۔ یہ تو دل رکھنے کو ہاں کہہ دے گی مگر ہمیں تو نظر آ رہا ہے نا۔" بھابی جلدی سے بولیں۔ زنیرہ تو بس دونوں ہاتھوں میں انگلیاں پھنسائے مسکرانے پر اکتفا کر رہی تھی۔

اس کے مضمحل اور حزین چہرے میں جاذبیت تھی۔ اداس چہرے پر دھیمی مسکراہٹ بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ تیمور نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو بے اختیار اس کے ذہن کے پردوں پر شاہ دل کی تصویر ابھر آئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک بھر گئی۔ جوڑی تو شاندار ہو سکتی تھی۔ منجھلی چچی کی خواہش کچھ غلط تو نہ تھی۔ اس کے لبوں پر آپوں آپ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہ شاہ دل دکھائی نہیں دے رہا۔" اس نے ٹیبل پر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے جان کر شاہ دل کا ذکر چھیڑا اور روزدیدہ نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"سنا ہے وہ بھی تو مسیحائی سے آج کل فیضاب ہو رہے ہیں۔ تم نے ان پر بھی تو سگریٹ نوشی پر پابندی لگائی ہے۔" وہ زنیرہ کی پلکوں کو جھکتا دیکھ کر عادل سے مخاطب ہوا۔

شاہ دل کے ذکر سے زنیرہ کے چہرے کے بدلتے رنگ کو واضح محسوس کیا تھا۔

"لگائی تو ہے مگر دیکھ تو یہی رہے ہیں اب وہ اور بھی زیادہ پینے لگا ہے۔" غالب نے کہا تو عادل

ے جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

ہ قہقہہ مار کر رہ گیا تھا۔

م لوگ واقعی ناقدرے ہو۔ میری اہمیت کا احساس یقیناً ایک دن ہو گا۔" وہ احتجاجاً کمرے

ں آؤٹ کر گیا۔

یا کریں گھر کی مرغی دال برابر۔" تیمور نے ہنستے ہوئے کندھے اچکا دیے۔ اس نے جاتے

ہوئے کا کشن تاک کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

○☆○

دیکھا جو چہرہ تیرا
موسم بھی پیارا لگا
کانوں میں جھمکا تیرے
ہم کو ستارہ لگا

ڑی سے آتی آواز کے ساتھ نیلی بھی گنگنا رہی تھی۔ گھر کے باہر شامیانہ لگایا گیا تھا۔ وہیں

ی سیٹ کیا گیا تھا۔ نیلی نے پیلا دلکش بیل لگا دوپٹہ اٹھا کر سائرہ کے سر پر ڈالا تو اس کے

اور حزن آمیز چہرے پر جیسے چاندنی سی چٹکنے لگی۔

ھلے دھلے چہرے میں بھی اتنی ہی دل موہ لینے والی لگ رہی تھی۔ فارحہ کے بے حد اصرار

ود بھی اس نے میک اپ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ فارحہ نے بہتیرا اصرار کیا کہ صرف کاجل

ی لپ اسٹک ہی استعمال کر لے مگر وہ راضی نہ ہوئی۔

لی نے اس کا دمکتا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

لوگ آ گئے ہیں کیا؟" اس نے پلکیں جھپک کر نیلی کے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھڑا لیا اور

کر دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔

ی مشکل سے خود کو سنبھالے ہوئے تھی اب تو اپنوں کے بے حد قریب آنے پر ڈرنے لگی

نے کیوں ایسا لگتا تھا یہ پیار کرنے والیاں اس کے قریب آ گئیں' اس کو تھامیں گی تو وہ اپنا

بیٹھے گی۔

نہیں' ابھی تو پہنچے نہیں ہیں' ویسے فون آیا تھا تمہاری نند کا نکلنے والے ہیں۔" نیلی اس کی

کاسیٹ سنبھالتے ہوئے پوچھنے لگی۔

کل شام ہی شاید پہنچی تھیں رئیسہ آنٹی' اپنی نند کے یہاں ٹھہری ہیں۔ یہ لوگ بتا رہی

ہور کے رشتے دار شادی والے روز آئیں گے۔" وہ تفصیل بتانے لگی۔

سدرہ بھابی اور زنیرہ، سائرہ کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ سامنے ہی وہ پیلے کپڑوں میں
میں جاذبیت سمیٹے ان کے دل کے اندر تک اتر گئی۔ نیلی اسے چوڑیاں پہنا رہی تھی۔ زنیرہ
بھابی کی طرف دیکھا اس کے دل پر خوشی اور رنج نے بیک وقت حملہ کیا۔ "کاش یہ روپ غالـ
کے نام ہوتا۔" یہ سوچ کر ان دونوں کے دل پر ایک دکھ ضرور امڈ آیا تھا۔

"دیکھو سائرہ کون آیا ہے تم سے ملنے؟" بھابی کی آواز پر وہ دونوں چونکی۔ سائرہ، زنیرہ کو دیکھ
کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ بے اختیار آگے بڑھی زنیرہ نے بھی اسی وارفتگی کا مظاہرہ کرتے اسے
سے لپٹا لیا۔

بس یہ کمزور اور نازک لمحہ تھا جس کی گرفت میں وہ دونوں آگئیں۔

"میں تو تمہارے غم میں شامل بھی نہ ہو سکی اپنی مجبوری کی وجہ سے۔" سائرہ روتے ہو
ندامت سے بولی۔

"اور میں تمہاری خوشی میں شامل نہ ہو سکی اپنے غم کی وجہ سے سوری تو مجھے کرنا چاہیے"
وہ اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے پونچھتے ہوئے ہنس دی۔

"میں نے اپنے ساتھ اتنے لوگوں کو پریشان کر کے رکھ چھوڑا ہے۔" وہ چادر اتارنے لگی

"اس نے بھی تو اپنی خوشی میں اتنوں کو اکٹھا کیا ہوا ہے۔" بھابی بولیں تو وہ سب ہنسنے لگیں

"بھئی شامیانے میں دیکھو جا کر کیا رنگ ہی رنگ بکھرے ہیں اور..... اور رابعہ وغیرہ کو د
ایسی ڈھول پر جم کے بیٹھیں ہیں کہ بیچارے تمہارے سسرال والے منہ کی کھا کر جائیں گے۔"

"اس کی اپنی آواز خود ڈھول سے کم ہے کیا۔" نیلی دراز سے گجرا نکال کر زنیرہ کی طرف آئی

"ذرا یہ بالوں میں لگا دو۔ ارے یہ تم کیا سر جھاڑ منہ پھاڑ آگئی ہو۔" اس نے باقاعدہ زنیرہ کو ا
دیکھا۔

"کیا ہوا۔ ٹھیک تو ہوں۔"

"ہاں چشم بدور، تم کب ٹھیک نہیں ہوتیں۔ مانا کہ سادگی میں بھی آپ کا حسن جلا کر خاک
کر دیتا ہے اگر اس حسن میں تھوڑا اور رنگ بھر دیتیں تو آنکھوں کا اور بھلا ہو جاتا۔" نیلی کے ا
انداز سے بولی کی بھابی کا قہقہہ نکل گیا۔ سائرہ بھی بے ساختہ مسکراہٹ نہ روک سکی۔ جبکہ ز
نے اسے دور دھکیلا اور صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

"رنگ بھرنے کے لیے تم بہت ہو۔ ویسے بھی عمیر بھائی ہاتھ میں کیمرہ لیے گھوم رہے ہیں
باقی لوگ بلاوجہ ہی ان سے آس لگائیں گے، ساری ریل تو تم پر خرچ ہو گی۔"

اب کھسیانے کی باری نیلی کی تھی۔

للہ رے۔ ذرا منہ تو دکھاؤ ادھر۔" بھابی نے چھیڑا اور دلچسپی سے اس کا شرم سے دمکتا چہرہ

ادم مصداق اطلاع دے گیا کہ لڑکے والے بمعہ ڈھول ڈھپوں کے آگئے ہیں۔

چلو بھئی، ذرا استقبال کریں۔" بھابی نے جلدی سے کھڑے ہو کر آئینے میں خود پر ایک نظر
مطمئن ہو کر نکل بھاگیں۔

نے جاتی زنیرہ کو پکڑا۔

کم از کم ہلکا میک اپ ہی کر لو اور یہ کلائی میں باندھ لو۔" اس نے اسے بھاگنے نہ دیا۔

سب دلہا والوں کا استقبال کر رہی تھیں، سائرہ کی کزنز اور دوست پھولوں اور پتیوں کی
سب کو اندر لے آئیں۔

طرف جگمگاتے کپڑوں، قہقہوں اور دمکتے زیورات کا رنگ ہی رنگ پھیل گیا۔

رم میاں کی تینوں بہنوں اور بڑی بہن کی دونوں بیٹیوں نے پیلے اور سبز رنگ کے شرارے
کے تھے۔ ہاتھوں میں مہندی کے تھال سجا کر لائیں تھیں جس میں موم بتیاں جگر جگر کر رہی

آتے ہی انہوں نے بھی اپنی گونج گرج کے ساتھ ڈھول اور دف سنبھال لیا تھا۔

شاہ پیلس کے لوگ صباحت پھوپو کی اس خوشی میں شامل تھے۔ لڑکیاں بھی اپنی بھرپور
ن ظاہر کر رہی تھیں۔ اچھے کپڑے، ہنسی مذاق، ڈھول، گیت سب میں بھرپور حصہ لے رہی
بے شک سائرہ کی اداسی، غالب کا رنج، محرومی ان سبھوں کے دلوں پر تپک رہا تھا مگر وہ کچھ
اہر نہ کر رہی تھیں۔ یہ سب تقدیر کی رضا پر راضی تھیں اور سائرہ کو بھی خوش کرنے کے
رہی تھیں۔

سوائے غالب کے شاہ پیلس کا ہر مرد صباحت پھوپو کی اس خوشی میں شامل تھا ہر کام میں آگے
تھا۔ آدھے سے زیادہ کام انہی لوگوں نے سنبھالا ہوا تھا۔

بار تو منظر شاہ بھی نادم سے ہو کر رہ جاتے تھے۔ آج مہندی کے سارے فنکشن کی تیاری
ب بھائی نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ سائرہ، زنیرہ اور نیلی کی ہم قدمی میں گھونگھٹ
شامیانے میں آئی تو کسی نے شرارت میں ڈیک کی آواز تیز کر دی۔

پھولوں کو دیکھ کر شرما رہے ہیں آپ
چہرے سے اپنے ریشمی آنچل ہٹائیے
اس چاند سے یہ زلف کا بادل ہٹائیے

گھونگھٹ کی چلمنوں میں چھپے جا رہے ہیں آپ
کھلتا ہوا گلاب نظر آ رہے ہیں آپ.....

سائرہ کے قدم ایک پل کے لیے لرزے، نیلی نے اس کے بازوؤں پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

سنبھل کر سائرہ۔

گھونگھٹ کے اندر اس کا تنفس تیز ہو گیا۔ ایک تو اتنے بہت سے لوگوں کا ہجوم، نئے رشتوں سے تعلق استوار کرنے کا احساس، مستقبل کا خوف اور حال کی اضطرابی۔ وہ بے حد خوفزدہ ہو رہی تھی۔ اس کی نندیں اور دوسری رشتہ دار لڑکیاں اسے چوکی پر بیٹھا کر رسم ادا کر رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی کر رہیں تھیں۔

"سائرہ کے مایوں کا جوڑا تو تمہاری طرف سے آنا چاہیے تھا۔ ہم نے تو انتظار بھی بہت کیا مگر تم نے کوئی بات نہ کی تھی۔" رئیسہ بیگم کرسی سنبھال کر بیٹھیں تو صباحت کی ساس (دادی) نے ناگواری کا برملا اظہار کیا۔

رئیسہ بیگم اس جملے کے لیے تیار نہیں تھیں، سٹپٹا گئیں۔

"ہم دیتے تو پھر خرم کا جوڑا بھی آپ کی طرف سے ہوتا۔" ان کی بڑی بہو نے جلدی سے ان کا دفاع کیا تو انہوں نے چشمے کے اندر سے گھور کر رئیسہ بیگم کی بڑی بہو کو دیکھا پھر رئیسہ بیگم کی طرف رخ کر کے بولیں۔

"اگر تم لے کر آتیں تو ہم بھی ضرور بجھواتے۔ ہمیں ایک جوڑا کون سا بھاری تھا۔"

"ارے چھوڑیں آپا آپ اپنوں میں ریت رسمیں نہ بھی کریں تو چلتا ہے۔" رئیسہ بیگم کھ کر ہنس دیں۔ "کون سے ہم غیر ہیں۔ خیر سے گھر کی بچی ہے اور گھر کا ہی لڑکا ہے۔"

دادی کا دل چاہا وہ اپنے سامنے پاندان میں رکھا سارا کتھا اور چونا رئیسہ بیگم کے منہ پر مل دیں۔

"ہم تو اپنی طرف سے ساری رسمیں کر رہے ہیں ہاں تم نے اپنا اپنا کہہ کر کوئی رسم پوری نہیں کی، یہ اور بات ہے۔" وہ ادھار کب رکھ سکتیں تھیں۔ رئیسہ بیگم چپ سی رہ گئیں۔

کچھ غلط تو نہیں تھا سائرہ کی دادی (صباحت کی ساس) یونہی تو جلی بھنی نہ تھیں، بہن نے آ یہ جملہ کہہ کر جلتی میں تیل ہی ڈالا تھا ان کا دل چاہا وہ بے بھاؤ کی سنا دیں اسے "کب کا روکا غ نکال دیں آج۔

اپنا گھر سمجھ کر تو ان کے بیٹے بہو کو بے وقوف بنا کر اینٹھتی رہی ہے۔ مہندی کی رسم بھی ا

بنے پر مظفر نے کی تھی اور اپنی طرف سے یہ کہہ کر انہوں نے دامن بچا لیا تھا کہ اب مانسہرہ رہے آپ لوگ کیا آ سکیں گے۔

وہ جلی تو بہت تھیں اور اس وقت منظفر اور صباحت کو خوب کھری کھری سنا دی تھیں۔

"لو بھلا۔ جب وہ مانسہرہ سے اتنے ہجوم کے ساتھ مہندی کا کھانا کھانے آ سکتی ہیں تو ہم مانسہرہ نہیں جا سکتے۔"

"ریت رسموں کا کیا ہے آپا۔ بس لڑکا، لڑکی خوش رہیں اور خیر سے خرم میاں تو لاکھوں میں ہیں۔ صباحت تو خوش نصیب ہے جو ایسا داماد مل رہا ہے۔ نصیب والوں کو ملتا ہے۔" رئیسہ پان منہ میں ٹھونستے ہوئے دلار سے بولیں۔ ادھر تائی اماں جو ایک طرف بیٹھی تھیں، ت کی ساس کے تیور بگڑتے دیکھ کر گھبرا گئیں۔ پریشان تو صباحت پھوپو بھی ہو رہی تھیں، اور ہونے والی سمدھن کے درمیان ہونے والی گفتگو پر۔

"لو اور سنو تمہارے بیٹے میں سو ہیرے جڑے ہیں تو کیا میری بچی کنکر پتھر ہے اور خدا جھوٹ ئے تو ہزار رشتے کھڑے تھے اس کے کیوں کچھ غلط کہہ رہی ہوں۔" انہوں نے تائی اماں سے ئید چاہی۔

رئیسہ بیگم کا منہ یوں بگڑ گیا جیسے منہ میں پانی کی بجائے کڑوی گولی رکھ دی ہو۔

"میرا خیال ہے آپ بھی رسم کر لیں پھر بہت دیر ہو جائے گی۔" منجھلی چچی جو پاس ہی آ کر ئی تھیں، معاملے کی سنگینی کا احساس کر کے رئیسہ بیگم سے بولیں۔ وہ تو یہاں سے اٹھنے کو پر تھیں کھٹ سے کھڑی ہو گئیں۔

"دیکھو ذرا چار چونیاں بھی خرچ نہیں ہوئیں ابھی اور یہ تنتنا ہے۔ پتا نہیں میں نے بھی اپنی ے نصیب کہاں جا کر پھوڑے ہیں۔"

"چھوڑیں اماں، غصہ تھوک دیں۔" صباحت ان کے پاس بیٹھ کر بازو دبانے لگیں۔

"ارے ہٹو پرے۔ میں کیوں غصہ کرنے لگی۔ ارے اس سے دبوں گی تو یہ عمر بھر دبائے گی۔ ہے ہیں کوئی گردن کاٹ کر اس کی جوتی کے نیچے نہیں رکھ دی کہ کچھ کہیں بھی نا۔"

"اچھا اچھا چلیں چھوڑیں بھی۔"

"دیکھوں گی ابھی تو بری میں کیا دیا ہے جہیز کی تو لمبی لسٹ تھما گئی۔ اوپر سے تم اسے کنگن بھی دی ہو۔ جاؤ بی بی جاؤ کچھ نہیں کہہ رہی میں تمہاری اس ڈونگری سمدھن کو۔" انہوں نے طرح خفا ہو کر منتیں کرتی صباحت کو پرے دھکیل دیا اور پاندان کھڑاک سے پاس کھینچ کر غصے کے عالم میں پان بنانے لگیں۔

"میرا خیال ہے اب لے جاؤ سائرہ کو اندر۔" منجھلی چچی بھی سائرہ کی دادی اور رئیسہ بیگ
کے بگڑے تیور دیکھ کر جلدی جلدی معاملہ نمٹانے کا سوچ رہی تھیں۔

طعام کی تیاری ہونے لگی۔ زنیرہ، سائرہ کو لیے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے نیلی کو رو
دیا۔ دراصل وہ خود اس بھیڑ سے گھبرا رہی تھی۔ وہ سائرہ کے ساتھ اندر جا کر تنہائی میں بیٹھنا چا
تھی۔

وہ دونوں بڑے کمرے سے گزریں تو شاہ دل آتا نظر آیا۔

سرمئی شلوار سوٹ میں وہ بے حد نکھرا نکھرا دکھائی دے رہا تھا۔ لمبا قد اور بھی بلند اور نمایا
نظر آ رہا تھا۔ وہ خود سائرہ کے قریب آ گیا۔ وہ سائرہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ایک
قدم پیچھے رہ گئی۔ جبکہ شاہ دل کو دیکھ کر سائرہ کا چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو گیا۔

"مبارک ہو بھئی۔ معافی چاہتا ہوں ابھی پہنچا ہوں۔ اس طرف تو لیڈیز گیدرنگ تھی سو
یہیں پر۔ ارے۔ سائرہ۔" اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ جیسے ضبط کا بندھن توڑ بیٹھی۔
اس سے لپٹ کر کرب کے وبائے آنسو بہا بیٹھی۔ بالکل بچوں کی طرح باآواز بلند رونے لگی۔

اس کے ایک دم امڈ آنے والے آنسوؤں کی یلغار سے شاہ دل گھبرا گیا۔ زنیرہ نے بھی کر
سے لب بھینچ لیے۔ وہ سائرہ کو چھوڑ کر جانے لگی تھی۔

وہ وہیں صوفے کے پاس اسے لے آیا۔

"نہیں سائرہ۔ اس طرح نہیں، بھئی تم تو بہت باحوصلہ ہو، بہت بہادری سے سب کچھ
کرتی آئی ہو پھر یہ تو آخری؟"

"مگر اب لگ رہا ہے کہ میرے حوصلے کا شیشہ پھسل رہا ہے۔ میرے ہاتھ سے کرچی کرچی
رہا ہے۔ ایسا سب کچھ کیوں ہو رہا ہے شاہ بھائی۔ یوں تو نہیں سوچا تھا۔ ایسے تو نہیں چاہا
اللہ سے ایک تو خواہش کی تھی وہ بھی....." وہ ٹوٹ کر رو رہی تھی اس کے سامنے اپنا دل ک
بیٹھی تھی۔ وہ اسے تھپک رہا تھا۔

سائرہ کے سلگتے ٹوٹی لڑیوں کی طرح بہتے آنسوؤں نے اس کا دل رنج سے بھر دیا۔ اسے
نہیں آ رہا تھا کہ اس کی تسلی تشفی کا معاملہ کس طرح کرے۔ اس نے ایک نظر زنیرہ پر ڈالی جو
سے فاصلے پر صوفے کے آخری کنارے۔ کے ہتھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ اس کی پلکیں جھکی
تھی۔ وہ ان بھائی بہن کے درمیان کیا دخل دے سکتی تھی۔ یوں بھی اس کے خیال میں سائرہ
بھر کر رو لینا اس کے حق میں بہتر تھا اس طرح وہ اپنے اندر کا غبار نکال لیتی۔

"ایسا ہوتا ہے۔ ہم جو چاہتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں ایسا نہیں ہوتا اب یہ ہماری

مصلحت۔ اس پردے کے پیچھے کوئی نہیں جھانک سکتا۔" اس کا لہجہ بڑا بوجھل تھا۔
یار سے اپنے رومال سے سائرہ کا چہرہ پونچھا۔ "میں تمہیں کیا تسلی دے سکتا ہوں، جانتا
را غم میرے دو حرفوں سے مٹ نہیں جائے گا۔"

جی بھر کر رونے کے بعد اپنا ڈھلکا دوپٹہ سر پر قرینے سے ڈال کر اس سے ذرا ہٹ کر بیٹھ

وہ میری شادی میں تو آئیں گے نا؟" اس نے یہ کہتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔ شاہ دل ایک
ں کی طرف دیکھتا رہ گیا پھر ایک گہری سانس کھینچی۔ "کیا فائدہ خود کو اس آزمائش میں
ا، سائرہ وقت خود بڑا مرہم ہے۔ ہمارے زخموں کا بہترین اندمال۔ ہمارے آدھے سے
سائل کا حل۔" اس نے ہولے سے اس کے سر پر تھپکی دی۔

ب پل اسے لگا تھا وہ کتنے کھوکھلے جملے بول رہا ہے شاید تسلی کے لیے ایسے ہی جملوں کا
کیا جاتا ہے۔

کی نظریں پھر بھٹک کر زنیرہ علی پر اٹھیں اور دل کے اندر جیسے کرب میں اضافہ ہو گیا۔
یہ سارے جملے بکواس ہی تو ہیں۔

لو شاباش۔ منہ دھو لو۔" اس نے جبراً مسکرا کر اس کی طرف دیکھا وہ دانتوں سے لب کچل

شاہ دل بھائی! میں کتنی دور چلی جاؤں گی، آپ سبھوں کے چہرے یاد رکھ سکوں گی کہ
وہ افسردگی سے بولی۔

نہ ہو کون سا دور رہے بھئی اور پھر ہم سب کے چہرے تو خواب میں آ کر تمہیں ڈراتے رہیں
ے، بھول جاؤ گی۔" اس نے شگفتگی سے کہا تو دوبارہ سنجیدہ ہونے کے باوجود مسکرا دی۔
ڈروں گی تو نہیں، کم از کم آپ کی شکل تو اتنی پیاری ہے۔" وہ دوپٹے سے چہرہ پونچھنے

۔ تم کہہ رہی ہو تو مان لیتا ہوں ورنہ میرا تو خیال تھا لوگ میری صورت سے بھی اب
کھانے لگے ہیں۔" اس کی بھوری آنکھیں ترچھی ہو کر زنیرہ کا دل چھیدنے لگیں۔
پ کا اشارہ زنیرہ کی طرف تو نہیں؟" سائرہ سادگی سے کہہ کر مسکرانے لگی اور زنیرہ کی
کیا، جس کا چہرہ تپ گیا تھا اس نے اضطرابی انداز میں پہلو بدل کر سائرہ کو گھورنا چاہا مگر وہ
زنیرہ دیکھ ہی نہیں رہی تھی اور شاہ دل سے ہمکلام تھی۔
ہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔ ویسے میرا اشارہ ان محترمہ کی طرف ہرگز نہیں تھا۔ میں تو

یونہی مذاق میں کہہ رہا تھا۔ یہ تو شاید کسی سے نہیں ڈرتیں۔ بہت بہادر، نڈر ہیں۔" اس کے لہ
میں دبے دبے طنز اور تحقیر کو وہ کیسے نہ جان سکتی۔

یہ شخص کوئی موقع بھی تو نہیں چھوڑتا تھا۔ غم اور غصے کو دل میں دبائے وہ پردہ اٹھا کر کمر
سے نکل گئی۔

سائرہ نے مڑ کر ہلتے پردے کو دیکھا پھر شاہ دل کو جس کے لبوں کی تراش میں بھینچی بھینچی
مسکراہٹ تھی جیسے وہ بہت محظوظ ہوا ہو۔

"مائی ڈیئر سسٹر۔ ہمارے درمیان۔ ایسا کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ ناراضگیاں جنم لیں۔"

"اب ایسے تو نہ کہیں شاہ دل بھائی۔" سائرہ دوپٹے سے آنکھیں اور ناک پونچھتے ہوئے ا
کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ "ہم بھی آنکھیں رکھتے ہیں۔" وہ ذرا سا مسکرائی پھر یکدم سنجیدہ ہو کر

"شاہ دل بھائی! منجھلی ممانی جان کی تو بڑی خواہش ہے کہ زنیرہ ان کی بہو...." کہتے کہتے رکی۔ شاہ
نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جن میں حیرت تھی اور سختی بھی۔ اس نے نظریں
لیں۔

"اتنی پیاری تو ہے زنیرہ۔ بھلا اس کی آرزو کون نہیں کر سکتا۔ میری بھی بڑی آرزو
کہ......"

"اوکے۔ تم ریسٹ کرو اور بس اپنی فکر کرو بے کار سوچوں میں خود کو الجھانے کی ضرو
نہیں ہے۔" اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی
کی وجہ سے سائرہ مزید کچھ کہنے کی ہمت پیدا نہ کر سکی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا پھر رک
اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر جیب سے لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"سوری سسٹر۔ مجھے لیڈیز شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے اس لیے کوئی گفٹ خرید نہیں
ایک بھائی کی طرف سے یہی تحفہ قبول کر لو۔" اس نے پیسوں کا لفافہ اس کے ہاتھ میں تھما
تھامتے ہوئے سائرہ کا دل رنج اور اپنائیت کے احساس سے گداز ہو گیا مگر وہ محض شکر
ساتھ مسکرا دی۔

وہ اس کا سر تھپک کر کمرے سے باہر نکل گیا اور تیزی سے باہر کی طرف جانے
راہداری کے ایک نیم تاریک کنارے پر ٹھٹک گیا۔

وہ دیوار کی طرف رخ کیے سڑ سڑ کر کے شاید اپنے بہتے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اس
میں وہ کسی ایسی جگہ پر دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی جہاں کسی کی نظر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ
تیزی سے گزر جاتا مگر۔ ہلکی سسکی کی آواز پر ٹھٹک گیا تھا۔

یونہی ایک جھوٹی انا کے واسطے برباد ہو جانا
خودی کے زعم انسان کتنے دکھ اٹھاتا ہے

وہ لب بھینچے کچھ دیر کھڑا رہا پھر اس کی طرف قدم بڑھا کر اس کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ
دوسرے پل اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔ وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ اسے
دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ بھل بھل بہتے آنسویں تھم گئے جیسے کسی نے بہتے دھاروں پر بند
دیا ہو۔ بھیگے بھیگے سرخ چہرے نے ایک پل شاہ دل کے دل کے تاروں پر ضرب لگائی۔ ایسی
دینے والی صورت حال تھی مگر وہ بدقت خود کو کمزوری سے نکال لایا۔

"بس ابھی سے ہار گئیں۔ ابھی تو بہت سے حساب نکلتے ہیں زنیرہ علی۔" وہ بڑی بے رحمی
ہنسا۔ "ابھی تو ابتدا ہے۔"

"کیوں۔ کیوں آخر۔ کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا؟" وہ اس کی بے رحمی پر بپھر اٹھی۔ "کیوں
پیچھے پڑے ہیں آپ۔"

اس نے تمتماتے چہرے پر اپنی آنکھیں مرکوز کرتے ہوئے ایک دو پل اس کی بے بسی کا تماشا
دلچسپی کے ساتھ دیکھا۔ "کیا بگاڑا ہے تم نے۔ یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔" اس نے غصے
مٹھیاں بھینچیں۔ "میری زندگی کو بے رنگ کیا تم نے، مجھے بے اختیاری، بے بسی اور خواری
کی نہج پر لے آئیں جہاں سے اب واپسی ممکن نہیں زنیرہ علی! ابھی تو تم سے بہت سے حساب
ہیں میرے روز و شب کی خواری کے۔ اپنی ٹوٹی اور مجروح انا کا حساب بھی لینا ہے تم سے۔"

"پلیز.... پلیز۔" وہ کرب سے چلائی اس کا دل درد و غم میں ڈوب کر رہ گیا۔ اس کی یہ بے
یہ بے رحمی، یہ سفاکی اس سے برداشت نہ ہو رہی تھی۔ وہ اپنے دل کی ساری وحشت اس
قدموں میں رکھ دینا چاہیے یہ کہہ کر مجھے سمیٹ لو شاہ دل، میں تھک گئی ہوں، میں بکھر گئی
میں لٹ گئی ہوں، اب تمہارا یہ رویہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔ میرا وجود طوفان میں
ریت کی طرح ڈھیر ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے میں اپنی شناخت کھو دوں۔ مجھے سمیٹ لو۔
اس نے دونوں ہاتھوں میں ڈھانپا ہوا چہرہ اٹھایا تو وہ جا چکا تھا۔

راہداری میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا ہی سناٹا اس کے دل و روح میں بھی اتر آیا تھا۔
مضمحل سی اسی دیوار سے لگ کر کھڑی رہ گئی۔

✪✡✪

اس نے پورے پانچ دن بعد اس چھوٹے سے گھر میں قدم رکھا تھا۔ پورا گھر بے ترتیب
تھا۔ ہر ہر شے میں شہلا کا لمس، شہلا کی وابستگی کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے ایک طائرانہ نظر اس ڈریسنگ ٹیبل پر ڈالی جہاں جا بجا شہلا کے میک اپ کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ وہ سارا میک اپ جس کی تہوں کو چہرے پر لگا کر وہ اپنا ہر دکھ چھپا لیا کرتی تھی۔

اس نے ایک گہری اور اداس سانس سینے کی تہہ سے خارج کی اور چادر اتار کر کمرے کی بے ترتیبی کو درست کرنے لگی۔ بار بار آنکھیں نم ہو جاتیں۔ پلکیں بھاری ہو جاتیں۔ آنکھوں کے آگے غبار چھا جاتا جسے وہ آستین سے پونچھتی جاتی اور کام میں منہمک رہی۔

اور آخر میں نہا کر سادہ سوٹ پہن کر فارغ ہوئی تو شمشاد بیگم دستک دے کر اندر داخل ہوئیں اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائیں۔

"آ گئیں تم۔"

"جی... آنا تو تھا ہی۔" اس نے گیلے بال یونہی لپیٹ کر جوڑا سا بنا لیا۔

"کچھ دن سدرہ کے پاس اور رہ لیتیں، بہل جاتیں۔" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولیں۔ اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ لہرا کر گم ہو گئی۔

"بھلا میرا ان سے کیا تعلق ہے کہ میں وہیں پڑی رہوں۔"

"شہلا سے کیا تعلق تھا تمہارا؟" شمشاد بیگم بولیں تو اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر رنج سا پھر گیا اس نے کرب سے لبوں کو دانتوں میں جکڑ لیا۔

"کچھ تعلق وقت اور حالات انسان کے مابین ایسے پیدا کر دیتا ہے جو خونی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ میرا اور شہلا کا تعلق شاید دنیا والوں کی نظروں میں کچھ بھی نہ ہو مگر یہ تعلق ہم دونوں کے مابین تھا جس کی قدر و منزلت کا احساس صرف ہمیں ہی تھا۔"

"نہیں بیٹی، میرا مقصد یہ نہ تھا میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ شہلا کی جدائی کا جو صدمہ تمہیں پہنچا ہے وہ شاہ پیلس میں رہ کر مندمل ہو جائے۔ یہاں تو جا بجا شہلا کی یادیں بکھری پڑی ہیں اور تم تنہا سوچتی رہو گی۔ روتی رہو گی، پھر بیمار پڑ جاؤ گی۔ تنہا انسان جلد نہیں بہل پاتا۔ بصورت دیگر بہت سے لوگوں میں اس کا غم کم ہو جاتا ہے۔" شمشاد بیگم کچھ نادم سی ہو گئیں اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بے حد اداسی سے بولیں۔

"تم میری بیٹی کی طرح ہو اور یقین کرو شہلا کی جدائی میرے لیے بھی کسی صدمے سے کم نہیں۔ مجھ پر تو اس کے نیا کیا قرض نکلتے تھے۔ میں تو اس کے دکھوں کا ازالہ بھی نہ کر پائی۔ اتنی مہلت بھی نہ دی اس نے کہ اپنے بیٹے کے کرتوتوں کی معافی مانگ لیتی اس سے۔ خیر وہ کہتے ہیں کہ وقت ہر غم کو بھلا دیتا ہے رفتہ رفتہ۔"

"ہاں مگر داغ تو رہ جاتے ہیں نا۔ کسک تو عمر بھر رہتی ہے نا۔" وہ اداسی سے مسکرائی پھر

بہل کر لو گی۔

"آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے چائے بناؤں۔"

"ارے نہیں چائے وائے کی کیا زحمت کرو گی۔ ایسا کرو تم نیچے چلی چلو۔ چائے نیچے ہی پی ...ہیں۔"

"نہیں آپ بیٹھیں، میں ابھی چائے بنا لیتی ہوں۔ اپنے لیے تو ویسے بھی بنانی تھی۔" اس ...ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں اٹھنے سے روک دیا اور خود باورچی خانے کے حصے میں چلی ... اس پر شمشاد بیگم کی مہربانی کے بہت قرض تھے جس طرح انہوں نے شہلا کی بیماری میں قدم ...اسے سہارا دیا تھا۔ اس کی ہمت بندھاتی رہی تھیں۔ وہ یہ احسان کیسے بھول جاتی۔

...کبھی سوچنے لگتی تو تاریک راہوں میں بہتیرے جگنو جیسے لوگ چمکتے دکھائی دیتے۔ دنیا شاید ...اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔

شہلا۔

شمشاد بیگم۔

شاہ پیلس والے۔

یہ اتنے بہت سے پر خلوص مہربان لوگ نہ ہوتے تو شاید وہ حالات کے اس منہ زور طوفان ...کسی تنکے کی طرح بہہ جاتی۔

وہ چائے بنا کر لائی تو ٹھٹک گئی۔ شمشاد بیگم داخلی دروازے پر کھڑی کسی سے محو گفتگو تھیں ...تھیں۔

"زنیرہ! یہ تم سے ملنے آئے ہیں کوئی۔" وہ ایک طرف ہٹیں تو احمر اندر داخل ہوا۔ اس کے ...فرزانہ آپی تھیں۔ جو دو قدم چل کر اپنی جگہ رک گئی تھیں۔

ان کی نظریں زنیرہ پر تھیں اور زنیرہ تو کسی سنگی مجسمے کی طرح اپنی جگہ نصب ہو گئی تھی۔

فرزانہ آپی خود ہی رک کر اس کی جانب بڑھی تھیں۔

"احمر نے مجھے یہاں آنے سے بہت روکا۔ اس نے کہا زنیرہ ہم لوگوں کی شکل دیکھنا بھی نہیں ...مگر میں نے کہا وہ بہن ہے میری۔ بھلا کیونکر نہ ملے گی مجھ سے۔" انہوں نے یہ کہتے ہوئے ...دونوں بازو کھول دیے۔

شمشاد بیگم نے تیزی سے آگے آ کر زنیرہ کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی جو لرز رہی تھی۔

...اگلے ہی پل وہ فرزانہ آپا کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔

○☆○

"اے لڑکیو! میں پھر یاددہانی کرا دیتی ہوں کہ اپنی تیاریاں جلدی جلدی کرلینا۔ مصدق کے ابا وقت کے بڑے پابند ہیں۔ ہال میں ٹھیک آٹھ بجے تک پہنچ جانا سب اور نیلی بٹی تم لوگ پارلر کتنے بجے جاؤ گی؟ دو تو بجنے کو آئے تیمور کو میں نے روک کے رکھا ہے۔"

لنچ سے فارغ ہو کر سب بڑے کمرے میں دھرنا مارے بیٹھی تھیں۔ تب صباحت اندر آکر ایک بار پھر تاکید کرنے لگیں۔ ان کا تو ایک پاؤں ادھر تھا تو ایک ادھر۔ شوہر کی بار بات پر آنے والی غصے کی عادت کو الگ سنبھال رہی تھیں۔ دوسری طرف ساس کی باتیں، خندہ پیشانی سے سننے پر مجبور تھیں۔

"پھوپو! پارلر والر تو نہیں جا رہی سائرہ۔" نیلی سب کو چائے سرد کر رہی تھی۔ ایک کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ انہوں نے حیرانگی سے دیکھا۔

"کیوں؟"

"کہہ رہی ہیں محترمہ کہ جو اصلی شکل ہے وہی دکھاؤں گی خرم بھائی کو بھلے ڈر جائیں۔"

نیلی کی بات پر سب ہنسنے لگیں۔ سائرہ صوفے میں دھنسی گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ اسے گھور کر دیکھنے لگی۔

"اس کے خیال میں پھوپو دو تین ہزار کا میک اپ دو گھنٹے کے لیے ہوتا ہے اس سے بہتر ہے تین ہزار کا ایک اچھا سا جوڑا بنالو اور میاں صاحب کو اصلی صورت سے خوف زدہ کرنا الگ۔ یعنی ایک تیر سے دو شکار۔"

"نیلی کی بچی۔ یہ میں نے کب کہا تھا۔ امی فضول بکتی ہے یہ 'اپنی طرف سے۔"

پھوپو ہنسنے لگیں "پھر پارلر کیوں نہیں جانا؟"

"بس۔ کیا ضرورت ہے نیلی اچھی خاصی ماہر ہے۔ جب پارلر نہیں تھے تب بھی شادیاں ہو جاتی تھیں۔"

"ہاں بھئی جب پیسٹری ہی بننا ہے تو پھر نیلی کے ہاتھوں کیوں نہیں۔" سدرہ بھابی نے کہا تو سب کھلکھلانے لگیں۔ صباحت ان کی شرارتوں سے محظوظ ہو کر چل دیں۔

"بہت فضول بکنے لگی ہو تم۔" نیلی کے نزدیک آنے پر سائرہ نے ہاتھ میں پکڑا برش اس کے شانے پر جڑ دیا۔

"تم سبھوں کو پھوپو کی تاکید تو یاد ہے نا؟" سدرہ بھابی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ان سب کو یاد دلایا "یعنی ٹھیک آٹھ بجے شادی ہال پہنچ جانا ہے۔ سنا ہے بھئی مانسہرہ والے وقت کے بڑے پابند ہیں۔ ہو سکتا ہے سات بجے سے ہی دھرنا مارے بیٹھے ہوں۔"

"ہائے ہائیں دھرنا کی بات مت کیجئے۔ دھرنا ہوگا تو پھر آنسو گیس بھی ہوگی۔" سائرہ کی چچازاد ...لیں تو سب محظوظ ہو کر ہنس پڑیں۔

"بچو! سیاسی باتوں سے پرہیز کیجئے۔ چلو سائرہ بچے اٹھو۔ تھوڑا آرام کرلو اب۔" سدرہ بھابی ...پر جا کھڑی ہوئیں۔ اس نے منہ بنایا۔

"کیا ضروری ہے آرام؟"

"بالکل ضروری ہے ابھی تو مانسہرہ کا سفر بھی کرنا ہے۔ کمر اکڑ جائے گی پھر ہم سے نہ کہنا کہ ...پ لوگوں نے دو گھڑی مجھے آرام بھی نہیں کرنے دیا اور خرم میاں الگ شکایت کریں گے کہ ...پ نے ہماری بیگم سے کیا شادی والے روز محلے بھر کے کپڑے دھلوائے تھے۔"

"اف بھابی۔" سائرہ کا چہرہ تپنے لگا "اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔"

"مانسہرہ تک ہی جانا ہے نا کون سا میلوں پیدل سفر کرنا ہے۔"

"ڈیئر چہرے سے تو ایسا ہی لگ رہا ہے کہ میلوں سفر طے کر بھی چکی ہو۔" بھابی نے اس کی ...ھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر اٹھایا تو اس نے بڑی بے چارگی اور کرب سے لب بھینچ لیے۔ ایک تکلیف ...احساس کا رنگ چہرے کو چھو گیا۔ اس نے بھابی کا ہاتھ ہٹایا مگر ان کی تنبیہہ آمیز نظروں پر ...موشی سے اپنی جگہ کھڑی ہو گئی۔ اس کمرے میں اس کے ددھیال کی لڑکیاں بھی تھیں۔ بھابی ...نے اس بات کا نظروں نظروں میں احساس دلایا تھا وہ چپ چاپ ان کے ساتھ کمرے سے نکل ...ئی۔

"میں ابھی سونا نہیں چاہتی۔ اسٹرانگ چائے کی طلب ہو رہی ہے۔" وہ راہداری میں آکر ...بھرے لہجے میں بولی "میرے پاس یہ چند گھڑیاں ہی تو رہ گئی ہیں وہ بھی سو کر گنوا دوں۔ چند ...نٹوں بعد سب کچھ ہی تو کھو دوں گی میں۔" وہ دانتوں میں لب دبا کر آہستگی سے بولی۔ بھابی نے ...سے اس کے دونوں حنائی ہاتھ تھام لیے۔

"بہت کچھ کھو کر بہت زیادہ پاؤ گی تم، مجھے یقین ہے۔"

"چھوڑیں بھابی یہ بہلاوے۔ ایسی طفل تسلیاں تو میں بھی خود کو دیتی آئی ہوں۔ آپ مجھے ...چائے کا ایک کپ دے دیں۔"

"ہاں چلو۔ تم کمرے میں چلو میں لے کر آتی ہوں۔"

"نہیں میں دادی کے کمرے میں ہوں وہاں ممانی جان (تائی اماں) بھی ہیں۔ میں کچھ ان لوگوں ...ساتھ وقت گزار لوں گی۔ شاہ دل بھائی آئے ہی نہیں ہیں مہندی کے بعد۔"

"لو کل تو آیا تھا کچھ جلدی میں۔ ویسے آج آئے گا بلکہ سبھی آئیں گے۔"
"سوائے غالب کے۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بولی تو بھابی اسے چپ چاپ دیکھتی رہ گئیں۔
اس کے چہرے پر پھیلا حزن ان کا دل کاٹنے لگا۔
"چلو تم بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔" وہ چپ چاپ دادی کے کمرے میں چل دی۔
"آؤ آؤ۔ میں ابھی تمہیں ہی بلانے والی تھی۔" دادی اسے دیکھ کر بولیں۔ وہ بری کا سوٹ کیس کھولے بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے کے زاویوں میں بس ناگواری اور تیوریوں میں چڑھا غصہ نمایاں تھا۔ ایک طرف صباحت مجرم کی طرح کھڑی تھیں جبکہ تائی اماں اور صباحت کی نند نرگس بیگم سامنے سیٹی پر چپ چاپ بیٹھی کبھی بری کی چیزوں کو دیکھتیں کبھی دادی کو اور کبھی دادی کی طرف سے دیے گئے ریمارکس کو سن کر صباحت کا چہرہ تکتیں۔
"یہ دیکھو تمہاری ساس نے بری بھجوائی ہے جو بری کے نام پر دھبہ ہے۔ یہ دس جوڑے اور یہ پترا سیٹ۔ ارے میں تو کہتی ہوں صباحت، بلواؤ اس رئیسہ بے غیرت کو۔ یہ بری تو اس کے منہ پر مارنے کے لائق ہے۔ لو دیکھو ذرا ہم ایسے گئے گزرے ہیں کہ غریبوں سے بدتر بری آئی ہے ہمارے گھر۔ ایسے جوڑے تو ہم اپنی مایوسیوں کو بھی نہیں دیتے۔" وہ ایک ایک چیز کھول کر دیکھ رہی تھیں اور دیکھ دیکھ کر مشتعل ہوئی جا رہی تھیں۔ سونے کا ایک ہلکا سا سیٹ اور دو کڑے دیکھ تو صباحت کی بھی جان جل گئی تھی۔ ایسا ننھا منا سا سیٹ اور کڑے تو ہوا سے بات کر رہے تھے۔
"لو چوڑیاں بھی کھا گئی وہ چمارن... اور ہمیں کہہ گئی کہ جہیز میں اب تو تین سیٹ بار چوڑیاں دو کڑے اور دوسری اوپر تلے کی چھوٹی موٹی چیزیں ہوتی ہیں اور خود ٹیکا نتھ سب مار گئی ارے ہماری طرف سے ساری رسمیں ہوئیں۔ اس نے ایک بھی نہ کی۔ اب تو لڑکے والوں رسمیں بھی بڑھ گئی ہیں اور بری کوئی ایسی دیتا ہے کیوں نرگس تمہاری شاہین کی بری کیسی شان دا تھی۔ ارے ایک جوڑا بھی اس منحوس رئیسہ نے ہزار سے اوپر کا نہیں بنایا۔ اس سے تو پانچ ہا ہزار کے جوڑے کنواری بالیاں عام شادیوں میں پہن لیتی ہیں۔"
"ہاں اماں، یہ رئیسہ خالہ نے تو حد ہی کر دی۔ میں تو خود دنگ ہوں ماشاء اللہ خرم میاں ٹھیک ٹھاک کماتے ہیں۔ بہنوں کو تو اس شادی پر سونے کے ٹاپس بھی دیئے ہیں۔" صباحت کی نند نرگس بیگم منہ بگاڑ کر بولنے لگیں۔
"چھوڑیں اماں، جو آگیا سو آگیا۔ اب ہم ان چیزوں کے لیے رئیسہ آپا سے منہ ماری تو نہیں کریں گے۔ قسمت میں ہوگا تو مل جائے گا سائرہ کو بعد میں۔"
"اے خاک ملے گا۔" انہوں نے صباحت کا ہاتھ جھٹک دیا جو چیزیں سمیٹنے کے لیے آگے

ھا تھا "ملنا ہوتا تو ابھی نہ مل جاتا۔ ارے غریب سے غریب بھی ایسے موقعوں پر کوشش کر کے ا لیتے ہیں اچھی چیزیں۔" وہ بری کی ساری چیزیں نکال نکال کر پٹخنے کے انداز میں رکھنے لگیں۔
سائرہ ایک طرف کرسی پر بیٹھی یہ ساری باتیں سن رہی تھیں۔ اسے نہ تو اپنی بری کو دیکھ کر ...وس ہوا تھا نہ دادی کی باتوں سے کوئی تکلیف۔ وہ تو بس منجمد چہرہ لیے فرش پر بکھری چیزوں کو ...ای خالی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ سدرہ بھابی بھی آکر بیٹھ گئی تھیں۔
رئیسہ بیگم نے بری آج صبح ہی بھجوائی تھی۔ ایک سیاہ سوٹ کیس میں بری کیا تھی بس چند ...ڑوں پر مشتمل، جسے دیکھ کر سب کے منہ لٹک گئے تھے۔ خاص کر شادی کا جوڑا دیکھ کر، مگر کسی ...نے بھی منہ سے کچھ نہ کہا تھا۔ صباحت کی تو جان ہوا ہو رہی تھی۔ جب ساس نے لنچ کے بعد بری ...یکھنے کی فرمائش کر ڈالی۔ وہ تو یوں بھی رئیسہ بیگم سے آج کل چڑی ہوئی تھیں۔ ان کی ہر بات پر ...ہم رہتی تھیں۔ اب جو ایسی بری اور خاص کر یہ شادی کا جوڑا دیکھیں گی تو جانے کیا آفت ...ہائیں۔ وہ درود شریف کا ورد کرتی رہیں مگر جو آفت آنی تھی وہ آکر رہی۔ انہوں نے تمام بری ...یکھنے کے بعد شادی کے جوڑے کا ڈبہ جو کھولا تو انہیں پتنگے لگ گئے اور انہوں نے جو قیامت ...ائی تو باہر بیٹھی ساری لڑکیاں شور سن کر اندر دوڑی آئیں۔ مردانے میں بیٹھے مظفر شاہ اور ...ب بھائی بھی پریشان سے بھاگے چلے آئے۔
"اے میں کہتی ہوں مظفر کس کنگال کو ہم نے بیٹی دی ہے۔ یہ جوڑا دیا ہے اس نے شادی ...نہ رنگ ہے نہ کام ہے ڈھنگ کا۔ سائرہ ہرگز نہیں پہنے گی یہ۔ لے کر تماشا بنانا ہے ہمیں ...ں میں۔" انہوں نے سرخ شرارے کا گولا سا بنا کر مظفر شاہ کے پیروں کے نزدیک پھینکا۔
"آپ بھول رہی ہیں اماں کہ اس کنگال کو بیٹی آپ ہی نے دی ہے۔ یہ سو فیصد آپ کا فیصلہ ...۔" مظفر شاہ نے ناراض نظریں ماں پر ڈالیں۔
بھلا یہ کون سا وقت تھا ان باتوں کا۔
منگنی سے لے کر اب تک وہ رئیسہ بیگم میں سو کیڑے نکال چکی تھیں۔ جبکہ یہ رشتہ خالص ...ں کی ضد کا نتیجہ تھا۔
"ہاں ہاں میں نے ہی دیا تھا مگر مجھے کیا خبر تھی کہ یہ ایسی لالچی ایسی کنجوس اور بے حیا نکلے گی۔ ...یہ کوریوں کیش کرانا چاہے گی۔ ہائے ہائے کیسی چرچر باتیں کرتی تھی پہلے تو۔ اے مجھے کیا خبر تھی ...رے وہ ایسی ہے میں تو اس کی باتوں سے پھسل گئی۔"
"بہرحال آپ یہ شور ہنگامہ بند کریں اب۔" مظفر برہمی سے ان کے قریب آئے تو صباحت ...جلدی سے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"آپ تو غصہ نہ کریں ہم اماں کو سمجھاتے ہیں۔"

"ارے اب مجھے کیا سمجھانا ہے۔" چشمہ آنکھوں سے اتار کر تخت پر پٹخا اور دھواں دھار رونے لگیں۔

"کیا کہیں گے لوگ بری دیکھ کر۔ ہائے ہائے ایک بچی تھی وہ بھی ایسی بھاری کہ لے کر ایسے نکٹوں کو تھما دی۔ میری بچی سائرہ۔ خدا جانے مانسہرہ لے جا کر اس کا کیا حال کرے گی وہ کم بخت ماری رئیسہ۔ ایسی پھول سی فرماں بردار بچی ہے۔ ارے اتنی دور کون اس کی خیریت پوچھنے جاتا رہے گا۔ اے صباحت! اے نرگس! میرا کلیجا پھٹ رہا ہے۔ ایسے جیتی مکھی کیسے نگل لیں۔"

"خدا کے لیے اماں بند کریں یہ رونا دھونا۔ حد کرتی ہیں آپ بھی۔ آج شادی کا دن ہے اور آپ یہ ہنگامہ اٹھائے کھڑی ہیں۔ یہ ساری باتیں پہلے سوچنے کی تھیں۔ اب یہ باتیں بیکار ہیں۔" مظفر برافروختہ ہوگئے۔ انہیں مشتعل دیکھ کر لڑکیاں تو کمرے سے نکل بھاگی تھیں۔

"چلو بیکار ہیں مگر کان کھول کر سن لو۔ میں سائرہ کو یہ جوڑا ہرگز نہیں پہننے دوں گی۔ ہم دوسرا لے کر آتے ہیں بازار سے۔"

"ہرگز نہیں۔ سائرہ یہی جوڑا پہنے گی جو سسرال سے آیا ہے۔" مظفر ان کی بات کاٹ کر بولے "ہوش میں نہیں ہیں آپ اماں۔ کیا عزت کا جنازہ نکالنا ہے آپ کو۔ بات بڑھ جائے تو؟"

"ارے عزت کا جنازہ تو تب نکلے گا جب یہ دو روپے والا جوڑا پہنے گی سائرہ۔ سب تھو تھو کریں گے۔"

"کوئی نہیں کہتا کیوں الٹی سیدھی سوچتی ہیں آپ۔ پلیز نرگس آپا سمجھائیے اماں کو۔ ہم لڑکی والے ہیں ہماری ذرا سی کوتاہی طوفان لاسکتی ہے۔" انہوں نے تنگ آکر بہن سے رجوع کیا۔

"ارے واہ لڑکی والے ہیں تو کیا عمر بھر گھٹنے ٹیکے رہیں گے کیا ان کے آگے۔ لڑکی والے ہیں کوئی ان کے مجرم نہیں ہیں۔ لو اور سنو رئیسہ بیگم کی اچھی رہی۔ واہ میاں واہ..."

کمرے میں ایک ساعت سب ہی کے لبوں پر مسکراہٹیں کوندی تھیں۔ سوائے مظفر شاہ کے جو سخت بے بسی کے انداز میں کرسی پر گرے تھے۔

"یہ فلسفہ اس گھر میں ہمیشہ سے چلتا رہا ہے اور آپ کا پڑھایا ہوا ہے۔ دیکھیے اپنی بہو... طرف۔ یہ جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ کیا شاہ پیلس والوں کے گھٹنے ہمیشہ ٹکے نہیں رہے آپ ... سامنے۔ یہ بھی تو مجرم نہیں تھے پھر کیوں عمر بھر گردن جھکائے رہے آپ کے سامنے۔" مظفر شاہ آج اپنی اماں کا سارا ہی بھرم توڑ کے رکھ دینے کے موڈ میں تھے۔ کمرے میں یک لخت عجیب فضا پیدا ہوگئی۔ جبکہ صباحت کی ساس کا منہ لال ہوگیا تھا۔ ان کے نزدیک ہی تو تائی اماں بیٹھ...

...ور دوسرے بھی شاہ پیلس والے موجود تھے۔ وہ سراسیمہ سی نظر آنے لگی۔

...ہیں رئیسہ نگوڑ ماری کی بات کر رہی ہوں تم بات کو کہاں سے کہاں لیے جارہے ہو؟" وہ ...سی ہو کر بولیں۔

...کچھ نہیں کہنا ہے رئیسہ خالہ کے بارے میں اب۔ جو تقدیر میں تھا وہ ہوچکا ہے اب آپ ...ہماری پریشانیوں میں اضافہ کرسکتی ہیں اور کچھ نہیں۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ کر انہیں مزید ...ثانی سے روک دیا اور جھٹکے سے کرسی سے کھڑے ہوگئے۔ اسی دم دروازہ کھلا اور رئیسہ ...ہرہ نمودار ہوا۔ دوسرے پل وہ مسکرا کر اندر آگئیں۔

...سلام آپا نیچے سب جمع ہیں۔ میں بھی کہوں کہ یہ شادی والا گھر بھلا ایسا بھائیں بھائیں کیوں ...ہے۔ کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔ آپ سب یہاں ڈیرہ ڈالے بیٹھی ہیں۔ خیر سے بری دیکھی ...تھی۔" انہوں نے ایک نظر فرش پر بکھری چیزوں کو دیکھا پھر کھلکھلاتی بہن کے پہلو میں جا ...

"...میں تو یہ کہنے آئی تھی کہ کوچ کا انتظام ہوگیا ہے کہ نہیں۔ اب میں اتنے مہمانوں کو ہال ...نے کے لیے گاڑیاں کہاں سے لاؤں گی۔ سو مظفر سے کہہ دیا ہے کہ کوچ یا بس کروادیں ...مہمانوں کے لیے۔"

...کمرے میں موجود سب کے دل کی حالت سے بے خبر اپنی کہے جارہی تھیں۔ ادھر صباحت ...پہلو میں دہشت اور خوف سے پھڑپھڑا کر رہ گیا تھا۔

...ئی اماں الگ دم سادھے تھیں۔

...سے بھی ابھی آنا تھا۔ یہ بات صباحت نے اپنی ساس سے چھپائی تھی کہ رئیسہ بیگم کے ...مانوں کو شادی ہال پہنچانے کی ذمے داری بھی مظفر اور ثاقب کے کندھوں پر ہے۔ ان کا ...ڈنگا۔

○☆○

...کی خوش نما آنکھوں سے وہ لاوا بہہ رہا تھا جو اس کے دل کے آتش فشاں میں پکتا رہا ...کا سارا دکھ اس کی آنکھوں کے سامنے جاوداں تھا۔

...رونے کے بعد وہ فرزانہ آپی سے الگ ہوئی تو وہ بولیں۔

...کیا تم ہمیں معاف نہیں کروگی؟ ہماری کوتاہیوں اور زیادتیوں پر سزا سنا دو یا پھر معاف ...ان کے لہجے میں پگھلا دینے والی نرماہٹ تھی۔

...نے نم نم پلکیں اٹھا کر پاس کھڑے احمر کو ایک نظر دیکھا پھر فرزانہ آپی کو دیکھنے لگیں۔

...ہماری فرینڈ شہلا کے انتقال کی خبر ہوئی ہمیں بہت افسوس ہوا۔" احمر ہاتھ ملتے ہوئے

بولا۔

اس نے ایک لحظہ آنکھیں موند کر پھر کھولیں۔ کیا واقعی یہ اس کے سامنے بیٹھی فرزانہ آپی تھیں۔ اتنی نرم' اتنی پیاری۔ ماضی سے یک لخت مختلف۔

کیا وہ ان لوگوں کا اعتبار کر لے جنہوں نے ہمیشہ اس کے اعتماد کا شیشہ چور چور کیا۔

کیا اعتبار کر لے کہ اب دھوکا نہیں کھائے گی۔

"یہی احمر جو اب اسے دیکھ کے بے تابانہ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ پہلے بھی اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے تنہا تند موجوں کے سپرد کر چکا تھا۔ وہ اب معتبر ہو گئی تھی۔ پتا نہیں کس کس کی گواہیوں نے اسے معتبر کر دیا تھا۔

یا شاید۔

وقت نے خود ہی اس کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔

بلا تقصیر کے بات بات پر جھڑکنے والی فرزانہ آپی آج اس سے اپنی کوتاہیوں کی معافی طلب کر رہی تھیں۔

ہے نا عجب بات۔

اس کے دل میں ایک انوکھی سرشاری اترنے لگی۔

احمر ان دونوں کو چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا تھا تاکہ وہ دونوں کھل کر رو دھو لیں دل کا غبار نکال لیں۔ شمشاد بیگم البتہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھیں ان کا فطری تجسس انہیں کمرے سے نکلنے سے روکے ہوئے تھا۔

فرزانہ آپی کہہ رہی تھیں۔

"امی' تمہیں بہت یاد کرتی ہیں اور ابو بھی۔ یقین کرو زنیرہ وہ پچھتاووں کی آگ میں جل رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی ہمیں بہت سزا مل گئی۔ میری طرف دیکھو تمہیں میرے چہرے سے میرے اندر کا کرب' میرے اجڑنے کا داغ نہیں نظر آ رہا۔"

"جی...!" وہ کچھ نہ سمجھی۔

"ہاں زنیرہ! تمہارے ساتھ زیادتی کر کے ہم مطمئن تھے اپنے اپنے دھندوں میں الجھے میری شادی میری خواہش کے مطابق نازیہ کے بھائی ندیم سے ہو گئی۔ ندیم کو تو جانتی ہو نا؟"

انہوں نے رک کر پوچھا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور احمر کی منگنی نازیہ سے ہو گئی۔ احمر نے خود ہی خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ دونوں بھی بہت خوش تھے پھر حالات نے شاید ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی۔ ندیم کسی اور لڑکی کے عشق میں

ہو گیا اور مجھے طلاق دے دی۔"

"کیا آپ؟" زنیرہ دم سادھے رہ گئی۔ اس کی پلکوں کے پار حیرت ابھری پھر اس حیرت میں دکھ
اس نے فرزانہ آپی کو کھلی آنکھوں سے ٹکر ٹکر دیکھا۔

ان نم پلکوں کو جھپک کر اپنے دل کی بکھری حالت کو سنبھال رہی تھیں۔ ان کا چہرہ جھکا ہوا بیڈ کی چادر پر انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ در حقیقت خود کو سنبھال کر بولنے کے قابل کر رہی اس نے بے اختیار ان کے ہاتھ پر اپنا لرزتا ٹھنڈا ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ کیسے ہو گیا؟"

"بس... پھر احمر اور نازیہ کے کئی جھگڑے ہوئے اور یوں منگنی کا بھی یہی انجام ہوا۔ گھر میں تناؤ بڑھ گیا کہ امی کو فالج کا اٹیک ہوا۔ احمر اور امی کا لاہور آنا ہو گیا۔ اس کی جاب لاہور میں ہم سب کو لے کر یہیں آ گیا۔ ابو نے اپنی دکانیں بیچ دیں اور یہیں کاروبار شروع کر دیا۔ بھائی سے پتا چلا کہ تمہارے ساتھ اصل میں کیا کچھ ہوا تھا۔ سچ کیا تھا اور جھوٹ کیا تھا مگر ہم اپنے جرموں کی سزا پا چکے تھے۔ تمہیں ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی پھر تم احمر کو نظر پلیس میں۔ اس نے آ کر تذکرہ کیا اور اس دن سے لے کر آج تک امی تمہیں یاد کرتی ہیں۔ ان کی زبان پر بس صبح و شام تمہارا نام ہے۔ وہ ڈر رہی ہیں زنیرہ کہ کہیں وہ تم سے ملے بغیر مر نہ جائیں۔"

"خدا نہ کرے آپی۔" اس کا رواں رواں لرز اٹھا۔ اس کا نرم اور گداز دل سینے کی میں تڑپنے لگا۔

"میں نے آپ میں سے کسی کو بھی بددعا نہیں دی تھی آپا۔ ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا۔"

"تم چپ تھیں تو کیا ہوا۔ منصف اوپر بیٹھا ہے نا۔ خیر میں تو پھر بھی کہتی ہوں کہ ہمیں تو کوتاہیوں کا احساس دلایا گیا ہے۔ سزا نہیں ملی ہے۔ ورنہ ہم تو بڑے گناہ گار بندے اور اللہ بڑا رحیم ہے۔"

حیرت سے فرزانہ آپی کو دیکھنے لگی۔ وہ سر تا پا بدل گئی تھیں۔

"چلو زنیرہ۔ ابو تمہارے منتظر ہیں۔ میں انہیں یقین دلا کر آئی ہوں کہ زنیرہ کو اپنے ساتھ لاؤں گی۔ دیکھنا دروازے پر ہی ہمارے منتظر ہوں گے۔ ان کی منتظر آنکھوں کو مایوس نہ انہیں ناامید نہ کرنا۔" وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر التجا کر رہی

کا دل رنج اور خوشی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ بھر گیا۔

"چلی جاؤ زنیرہ بیٹی۔" شمشاد بیگم اپنی جگہ سے اٹھیں اور اس کے نزدیک چلی آئیں۔ "ا...
ہر حال میں اپنے ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا گھر تمہارا مستقبل نہیں ہے۔ تمہارا سائبان نہیں...
اور بیٹا ماضی کی تلخیوں کو بھلا دینا تو عظمت ہے۔ زخم مندمل ہو جائیں تو پھر انہیں یاد نہیں کر...
بلکہ اس حصے کی طرف دیکھتے بھی نہیں ہیں۔" وہ اس کا شانہ تھپک کر اسے بزرگانہ شفقت سے
سمجھانے لگیں۔

اس نے فرزانہ آپی کو دیکھا جو آس و یاس کی کیفیت میں اس کی ایک ہاں کی منتظر تھیں او...
اس کا دل اتنا سخت کب تھا۔

پتھر دل تو وہ کبھی نہ رہی تھی۔

ایک کھلی اطمینان بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھر آئی جیسے اندر سے یکدم ہلکی پھلکی ہو
گئی ہو۔

اسی مسکراہٹ میں اقرار تھا' اپنائیت' رضامندی تھی' تھی جو فرزانہ آپی کے چہرے پر مسرت
کے رنگ بکھیر گئی۔

"تھینک یو زنیرہ' تھینک یو سو مچ۔" انہوں نے فرطِ مسرت سے اسے خود سے لپٹا لیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ شمشاد بیگم سے مل کر فرزانہ آپی کے ساتھ شمشاد ہاؤس ہمیشہ کے لیے
چھوڑ کر جا رہی تھی۔

زنیرہ کی طرف آتا احمر۔ فرزانہ آپی کے ہمراہ اسے زینہ اترتے دیکھ کر حیرت اور خوشی سے
اپنی جگہ استادہ رہ گیا۔

"میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔" اس نے ان دونوں کے قریب آنے پر اپنی انگلی دانتوں میں
کاٹی اور واوئی کر کے رہ گیا۔ وہ دونوں بے اختیار ہنس پڑیں۔

○☆○

اس کی خوبصورت آنکھیں مسرت و شادمانی کی روشن قندیلیں بنی ہوئی تھیں۔ لبوں کی تراش
میں مسکراہٹ بکھر بکھر جاتی۔ کبھی وہ ہنس پڑتی کبھی رو پڑتی۔ چچا جان کے سینے سے لگ کر کبھی چچی
کے سینے میں پناہ لے کر۔ وہ سارے گلے جو اس کے دل کی تہوں میں آبلوں کی طرح تپ رہے تھے
وہ یوں ڈھل گئے جیسے تیز بارش میں دیواروں سے مٹی۔ چچا جان اور چچی جان خود اپنی کوتاہیوں کی
معافی مانگ رہے تھے۔ ندامتوں کی بارش میں چچی کا سنگ صفت وجود ریت کی مانند ڈھے چکا تھا۔
وہ ایک بالکل انوکھے اور نئے روپ میں اس کے سامنے تھیں۔

"زنیرہ بچی' کچھ کہو گی نہیں' کوئی شکوہ گلہ؟" چچی اسے خود سے لپٹائے اس کے بالوں میں ہ...

...ے بازوؤں میں بھرے گلوگیر ہو کر کہہ رہی تھیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں سے اشک اس
...ار بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

...کیا اب اس کی ضرورت ہے چچی جان؟" اس نے آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو
...نے لرزتے ہونٹ اس کی پیشانی پر رکھ دیے۔

...ہاں ضرورت ہے میری بچی۔ میرا بوجھ ہلکا ہو۔ تم سے کی گئی زیادتیوں کا ازالہ کیسے کروں؟
...آج تک شکوہ نہیں کیا۔ کبھی اف نہیں کی۔ میری زیادتیوں کو سہتی رہیں۔"

...چی۔ میں ماضی کو بھول کر آئی ہوں آپ کے پاس۔ مت کریدیں میرے زخم اور نہ اپنے۔
...تو وہاں کیے جاتے ہیں جب زیادتی کی نشان دہی مقصود ہو۔ آپ تو معافیاں مانگ مانگ کر
...بندہ کر رہی ہیں۔ بھلا ماں باپ کی کوتاہیوں کو بھی یاد رکھا جاتا ہے۔"

...ی نے فرطِ محبت سے اسے خود سے بھینچ لیا اور زار و قطار رونے لگیں۔ سب نے انہیں
...یا تاکہ دل کا غبار نکل جائے۔

...انہ بھی اپنے سسرال سے خصوصی طور پر اس سے ملنے آئی تھی۔ یوں رات چچا جان کے
...چراغاں ہو گیا تھا۔

...ب کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہے تھے۔

...ت کھانے پر فرزانہ آپی نے ڈھیروں چیزیں بنا ڈالی تھیں۔ کچھ احمر بازار سے لے آیا تھا۔

...جان تو ایک ایک چیز اسے اپنے ہاتھ سے کھلا رہے تھے۔ کبھی اس کی پلیٹ میں بریانی
...بھی کباب' کبھی فرزانہ محنت سے بنائے گئے چکن کڑاہی' روسٹ۔ وہ ان کی اتنی محبت پر
...ئی جا رہی تھی اور سب ہنس رہے تھے۔

...اب نوالے بھی آپ ہی منہ میں ڈال دیں اس کے۔" احمر شرارت سے بولا۔

...ے کیوں نہیں کھلائیں گے۔ خود میرا دل بھی چاہتا ہے اسے گود میں بھر کر اپنے ہاتھوں
...ل۔" چچی جان نثار نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

...آپ تو ابو سے بھی چار ہاتھ آگے نکلیں۔" شبانہ نے مزید چھیڑا۔

...بیٹی! چائے میں تمہارے ہاتھ کی پیوں گا آج۔ کتنا عرصہ ہو گیا تمہارے ہاتھوں کی
...ئے" کھانے کے بعد چچا جان محبت سے فرمائش کرنے لگے تو وہ مسکرا کر اپنی جگہ سے

...ہائے یہ کیا بچی کو اب کام پر لگا دیں گے۔ رہنے دو تم ادھر بیٹھو میرے پاس۔ تمہارے
...ے" چچی نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اپنے نزدیک بٹھا لیا۔ کوئی ضرورت

نہیں ہے تمہیں۔ جاؤ شبانہ تم بنالاؤ اپنے ابا کے لیے چائے وائے۔"

شبانہ چائے بنانے چل دی۔ چچا جان مسکرا کر رہ گئے۔ وہ بھی مسکرا کر چچی سے لگی بیٹھی رہی۔

"زنیرہ! تم بھی کیا سوچتی ہوگی کہ اللہ نے جب ہمیں پے در پے صدموں سے دوچار کیا۔ ہمیں اپنی کوتاہیوں کا احساس دلایا تب ہی ہمیں احساس ہوا۔" چچی کے لہجے میں ندامت کا رنگ تھا۔ کمرے میں ایک لمحے کے لیے ندامت فضا بکھر گئی۔ چچا جان نے سر جھکا لیا تھا۔ احمر زنیرہ کو دیکھنے لگا۔

"آپ ایسی باتیں نہ کریں چچی جان۔ میں کوئی گناہوں سے پاک صاف تو ہوں نہیں۔ ہر بشر سے کوتاہیاں ہوتی ہیں۔" اس نے ان کے شانے پر سر ٹکا دیا۔

"تم خوش تو ہو نا؟" وہ اس کا رخسار تھپتھپانے لگیں۔

"بہت خوش ہوں چچی۔ میں اپنی رضا سے آئی ہوں۔" اس کا لہجہ یقین دلانے والا تھا۔ چچی کے دل میں طمانیت آمیز ٹھنڈک اتر گئی۔

چائے کے دوران وہ سب ڈھیر ساری ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے مگر کسی نے بھی ماضی کی راکھ کو کریدنے کی کوشش نہ کی۔ اس میں رکھا ہی کیا تھا۔ سبھی جانتے تھے کہ وہ ایسی راکھ تھی جس کے اندر چنگاریاں تھیں اور کریدنے سے انگلیاں ہی زخمی ہو سکتی تھی۔

وہ جب اپنے بستر پر لیٹی تو دن بھر کی مصروفیت کے باوجود تھکن نام کو نہ تھی بلکہ دل کے ہر گوشے میں ایک سکون آمیز فرحت محسوس ہو رہی تھی۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دھوپ میں چلتے چلتے یکلخت سائے میں چلی آئی ہو۔

کانٹوں سے الجھتے الجھتے نخلستان میں نکل آئی ہو۔

چچا جان کا پرشفیق سایہ۔

چچی کی گود۔ اسے گوناگوں مسرت سے ہمکنار کرنے کو کافی تھے۔

تنہائی کا زہر پیتے پیتے وہ بہت تھک چکی تھی۔ شہلا کا آخری سہارا چھن جانے کا غم اسے نڈھال کر چکا تھا۔ ایسے میں اس گھڑی اس کے گھر کے مکینوں کی محبتیں صحرا میں برس جانے والی بارش تو محسوس ہوئی تھی۔

جیسے گھور دبیز اندھیرے میں ٹمٹماتے کئی ستارے جھلملانے لگے ہوں۔

جیسے طویل شب کا طلسم ٹوٹ گیا ہو۔

مسرتوں کی یہ تتلیاں وہ بڑی مسرور ہو کر پکڑ رہی تھی۔ وقت سے اب اپنے حصے کی ایک ایک

ئید کرنا چاہتی تھی۔ وہ ہنسنا چاہتی تھی بہت زیادہ۔

اب ساری تھکن، ساری درماندگی اتار پھینکنا چاہتی تھی مگر یہ کہ۔

ل کا ایک گوشہ اب بھی تاریکی میں چھپا ہوا تھا۔

یک پہلو میں اب بھی درد تھا۔

ں خلا کا احساس تھا جو ہنوز قائم تھا۔

ں نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔

ہیں، وہ اب کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

ھ دینے والا کوئی خیال۔

یت دینے والا کوئی خواب پلکوں پر رقم کرنا نہیں چاہتی تھی۔

صرف سونا چاہتی تھی۔ گہری طمانیت سے بھرپور نیند لینا چاہتی تھی۔ ایسی نیند جو اسے حاصل نہیں ہوئی تھی۔ احمر گنگناتا ہوا داخل ہوا تو وہ چونکی۔

اد ہے زنیرہ وہ کاغذ کی کشتی اور بارش کا پانی۔" وہ اس کے سامنے آگیا۔ اس نے رخ موڑ کر مسکرانے لگی۔

ل یاد ہے سب۔ سب بھول سکتی ہوں مگر بچپن نہیں بھلایا جا سکتا۔"

رسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ رقصاں س کی آنکھیں زنیرہ کے سیاہ گھور بالوں کے ہالے میں دمکتے کندنی چہرے پر جمی تھیں۔ کے پرنٹڈ شلوار قمیص اور بڑے سیاہ دوپٹے میں وہ اتنی تاباں اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ ہٹانے سے خود کو باز نہ رکھ سکا۔ دھلا دھلا شفاف چہرہ۔

لی لٹیں جنہیں بے اختیار چھونے کی، اپنی انگلی میں لپیٹنے کی خواہش جاگی۔

ر کیا کیا یاد ہے تمہیں؟" وہ دلچسپی کا جہاں لیے پوچھنے لگا۔ تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

گندے نالے اور ان میں کاغذ کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں یاد ہیں، گھروندے بنانا یاد ہے اور وہ نظم......

چھم چھم، چھم چھم چھم
ہلالے کر نکلے ہم
یرنگ از بھیسلنگ اف مائی گاڈ
ے ہم
ستہ نیچے ہم

وہ یہ کہہ کر ہنس پڑی۔ احمر بھی ہنسنے لگا۔

یہ دولت بھی لے لو' یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

وہ کرسی کے ہینڈل پر انگلیاں مار کر گانے لگا۔ وہ دیوار سے لگ کر دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

"تم بالکل نہیں بدلے احمر۔"

وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی جیبوں میں ڈالتا اس کے نزدیک چلا آیا۔

"بہت بدل گیا تھا مگر اب لگتا ہے پھر سے وہی احمر بن گیا ہوں۔ شاید یہ تمہارے وجود کا اعجاز ہو۔ بہت سونا سونا ہو گیا تھا ہمارا گھر تم بن۔"

احمر کے لہجے میں کچھ تھا یا آنکھوں میں' اس نے پلکیں جھکا لیں۔

"فرزانہ آپی کی ٹریجڈی پر بہت دکھ ہوا ہے مگر احمر تم نے نازیہ سے منگنی کیوں توڑ دی؟" اس نے نہ جانے کیا سوچ کر یہ موضوع چھیڑا تھا۔ احمر کا مسکراتا چہرہ یکلخت سنجیدگی میں ڈھل گیا۔ اس کے چہرے پر ایک ناگوار سا رنگ لہرا کر گزر گیا۔

وہ رخ پھیر کر ٹیبل کی سطح پر انگلیاں پھیرنے لگا۔

"بہت چاہتے تھے تم نازیہ کو۔ دکھ تو بہت ہوا ہو گا۔" وہ آہستگی سے بولی اور متاسف نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ احمر نے ہونٹ بھینچ کر اس کی طرف دیکھا مگر دوسرے پل نظریں چرا لیں۔

"چاہتا واہتا تو کیا تھا۔ بس شادی تو کرنی ہی تھی۔ امی بہت زور دے رہی تھیں فرزانہ آپی کی نازیہ پسند بھی تھی یوں منگنی ہو گئی اور پھر ظاہر ہے ندیم اور فرزانہ کی طلاق کے بعد ہمارا رشتہ کیسے قائم رہ سکتا تھا۔ وہ چاہتی بھی تو میں ہرگز ہرگز اس سے تعلق نہیں رکھ سکتا تھا۔" اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔ زنیرہ کی نگاہیں اس کے جھکے سر پر جمی تھیں پھر اک گہری سانس کھینچ کر کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

ہاں ایسے نازک رشتے ذرا سی کوتاہی' ذرا سے دل کے میل سے صدیوں کے فاصلوں پر پہنچتے ہیں اور انہیں پاٹنے کے بجائے توڑ دینا شاید زیادہ آسان ہوتا ہو گا۔ اس نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا لیا۔ اس کی آنکھیں کسی احساس کے تحت جلنے لگیں۔

"یہ دلوں میں بال کیسے آجاتا ہے احمر اور اسے کیسے دور کیا جاتا ہے؟" اس کی آواز بے حد دھیمی' سلگتی ہوئی سی تھی۔ احمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔ اس کی

ہیں چمکنے لگیں۔

"بتاؤں گا کسی وقت فرصت میں۔ چلو آئس کریم کھانے چلتے ہیں' موقع ملا تو وہیں سمجھا دوں" اس کا انداز شرارت آمیز تھا۔ اس کا لہجہ ہمکتا ہوا تھا۔ وہ پلکیں کھول کر اس کی طرف دیکھنے یہ کیا سمجھ بیٹھا ہے اور یہ' یہ وہ بے دھیانی میں کیا بول گئی۔ وہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

"چلو اٹھو بھی۔"

"کیا اس وقت؟"

"اس وقت سے کیا مطلب ہے کزن؟ ابھی صرف دس بجے ہیں اور تم ابھی سے سونے ں۔ چلو چلو اٹھو۔ آئس کریم کھائیں گے پھر شبانہ کو اس کے سسرال چھوڑ کر آجائیں گے' اب اٹھو بھی۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا اور وہ مزید چوں چرا کرتی' احمر ے گھسیٹتا باہر لے آیا۔

"اچھا نا۔ ہاتھ تو چھوڑو میرا۔" وہ اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"اگر نہ چھوڑوں تو؟" وہ رک کر دھیمے سروں میں بولا۔ "عمر بھر کے لیے تھامے رہوں تو کیسا ؟" وہ جانے کن خیالوں میں تھا۔

زنیرہ کے اعصاب پر بڑا زور کا پتھر لگا تھا۔ اس کی پوری ہستی ڈول گئی۔ شکر تھا عین وقت پر آ گئی اور وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر کی بورڈ سے گاڑی کی چابی نکالنے لگا۔

فرزانہ آپی نے جانے سے منع کر دیا تھا وہ آرام کے موڈ میں تھیں۔ وہ اور شبانہ احمر کے چلی آئیں۔

"احمر میں تو فالودہ کھاؤں گی۔" آئس کریم پارلر پر گاڑی رکی تو شبانہ نے جھٹ سے فرمائش کروائی۔

"اور تم؟" وہ پلٹ کر اس سے پوچھنے لگا۔

"جو بھی کھلا دو بس ٹھنڈا ٹھنڈا ہونا چاہیے۔" وہ پارلر کے اطراف کی رونق دیکھنے لگی۔

احمر تینوں کے لیے فالودہ آئس کریم لے آیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر فرنٹ ہڈ پر بیٹھ گئی جبکہ شبانہ ڈور کھول کر باہر پیر لٹکا کر فالودہ پر ہاتھ صاف کرنے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ دونوں یہاں وہاں کی بھی کر رہی تھیں۔ احمر بھی وہیں پارلر کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اچانک زنیرہ کے ہاتھ میں گلاس لرز کر رہ گیا۔ اس کی نظریں گلاس ڈور سے نکلتے شاہ دل پر جو دو لڑکوں کے ساتھ تھا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ تو شاید گلاس ڈور کے اندر اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ احمر کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ اب جو شاہ دل کو دیکھا تو لب میکانکی

اندازمیں سکڑ گئے۔

"فالودہ پسند آیا یا نہیں؟" احمر نے اپنا گلاس خالی کر کے اٹھتے ہوئے پوچھا مگر اس کے چہرے کے بدلتے رنگ پر چونکا اور ذرا سا گھوم کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

دوسرے پل اس کے چہرے پر حیرانگی ابھری اور اس حیرانگی میں عجیب سا تاثر سمٹ آیا۔ اس نے شاہ دل کو گاڑی بڑے زور سے ریورس کرتے اور نظروں سے گم ہوتے ہوئے دیکھا پھر زنیرہ کی طرف پلٹا۔ جس کا چہرہ ندامت' خوف اور بے اختیاری کے ملے جلے رنگوں سے تپ رہا تھا۔ وہ یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔ مگر جوں ہی احمر کی نظر پڑی اسے اپنی طرف دیکھتا پایا تو بے مقصد مسکرانے لگی مگر اعصاب کنٹرول کرنے میں چند لمحے ضرور لگے اور یہ لمحے احمر کی نظروں میں تھے۔ اس نے چپ چاپ اپنا گلاس قریب آتے لڑکے کو تھما دیا اور چابی جیب سے نکال کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"جلدی کرو بھئی ایک آئس کریم تم لوگ اس طرح کھا رہی ہو جیسے رات یہیں ٹھہرنا ہے۔"

"کیا حرج ہے۔ اگر بیٹھے رہیں تو اپنا ہی شہر ہے۔" وہ شگفتگی کے ذریعے اپنے آپ کو سنبھالنے لگی۔ احمر نے اس پر اچٹتی نظر ڈالی اور ہلکے سے سر خم کر دیا۔

"چلیں جناب یعنی مجھے بھی آپ کی خاطر رات یہیں بیٹھنا ہوگا۔"

"اور میں کیا اپنے سسرال جا کر جوتے کھاؤں گی۔" شبانہ کی بات پر دونوں ہنس پڑے۔

"کھا لینا ہماری خاطر۔" اس نے آدھے سے زیادہ بھرا گلاس ٹرے میں رکھ دیا اور گاڑی میں آ بیٹھی۔ شبانہ نے بھی جلدی جلدی اپنا گلاس خالی کیا اور ٹشو سے منہ پونچھتی سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کے سسرال ڈراپ کر کے وہ بڑی خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

اس کی یہ غیر معمولی خاموشی زنیرہ نے محسوس ہی نہ کی شاید اس لیے کہ وہ ذہنی طور پر خود یہاں موجود ہی نہ تھی۔ بظاہر اس کی نظریں باہر جلتے بجھتے سائن بورڈ پر جمی ہوئی تھیں مگر اس کے دھیان میں شاہ دل تھا۔ اس کے چہرے کے بدلتے بگڑتے زاویے جانے کیوں اسے اپنے دل پر دھچکے کی طرح لگے تھے۔

گاڑی گھر کے سامنے رکی تو وہ چونکی اور یونہی سامنے دیکھا تو احمر رخ موڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"زنیرہ۔"

"جی۔" اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے جواب دیا۔

"کیا میں نے جو دیکھا ہے اور جو محسوس کیا ہے ویسا ہی کچھ ہے؟" اس کے لہجے اور چہرے پر

ہری سنجیدگی مستور تھی۔ زنیرہ کا ہاتھ دروازے کے لاک پر ہولے سے لرز گیا۔

"کیا...... کیا مطلب 'کیا دیکھا؟"

"وہی جو شاہ دل کے چہرے' رویے میں نظر آیا اور جو تمہاری آنکھوں میں تھا۔" اس نے لریں دوبارہ ونڈ اسکرین پر کر لیں۔ زنیرہ کے لیے یہ بڑا غیر متوقع حملہ تھا۔ اس کے وہم و گمان میں ی نہیں تھا کہ احمر نہ صرف شاہ دل کو دیکھ چکا ہے بلکہ دونوں کی نظروں کو بھی پڑھ چکا تھا مگر وہ اپنی ں خاموشی کو طویل کر کے کوئی رنگ نہیں دینا چاہتی تھی جلدی سے بولی۔

"میں سمجھی نہیں؟" اس نے کھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

"سمجھیں نہیں یا سمجھنا نہیں چاہتیں؟" وہ ذرا سا ہنسا اور وہ مڑ کر اس کے چہرے کے ژات کا جائزہ لیا۔ وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

"لگتا ہے آئس کریم تمہارے دماغ پر چڑھ گئی ہے۔" اس نے فرنٹ ڈور کو تھامے شگفتگی کا ہرہ کیا۔ اور پلٹ کر ڈور بیل بجانے لگی۔

○☆○

جو تم نے بخشے ہیں ان رت جگوں پہ غور کرو
پھر اس کے بعد میرے حوصلوں پہ غور کرو
سفر کا سب سے کٹھن موڑ اور میں تنہا
بچھڑنے والے میری وحشتوں پہ غور کرو

غالب بڑی بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ آج سب کچھ کھو دینے کا یقین سا ہو چلا تھا۔

وہ آج تک اس حقیقت سے نظریں چراتا آیا تھا۔ ہزار پہلوؤں سے خود کو سمجھاتا آیا تھا۔ ہوم سی امید کی کرن جسے اس کے دل کی خوش فہمی نے اب تک بجھنے نہ دیا تھا آج بجھ چکی ہ۔ آہ کتنی آسانی سے اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ وہ جو خود کو مضبوط مرد سمجھتا رہا تھا تنا لاچار' کتنا کم ہمت اور بے بس ثابت ہوا۔

حالات کے بہتے دھارے اسے تنکے کی طرح بہا لے گئے تھے۔

اس کا رواں رواں بے بسی اور بے اختیاری کی چھری سے کٹنے لگا۔ وہ لونگ روم کے فے پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ پورے گھر میں سناٹے کا راج تھا۔ لڑکیاں کئی دنوں سے مظفر ہاؤس ئی تھیں۔ صبح سے تائی ماں اور چھوٹی چچی بھی جا چکی تھیں۔ منجھلی چچی عادل کو لے کر جانے ال نکل گئی تھیں۔

گھر میں پھیلا یہ سناٹا بھی اسے اپنی روح کا ایک حصہ لگ رہا تھا۔

یوں تو وہ سائرہ مظفر کے حصول کی ناکامی کے بعد بالکل ہی بجھ گیا تھا مگر جب سے شادی کا غلغلہ اٹھا تھا اس نے اسے بالکل ہی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

اسے لگ رہا تھا کہ اس کی زندگی سے خوشی کا رنگ اڑ چکا ہے۔ اب شاید وہ سچی خوشی کو نہ پا سکے۔ خصوصاً آج تو شادی کا دن تھا۔ سائرہ مظفر ہمیشہ کے لیے پرائی ہو جانے والی تھی اور وہ تشنہ کام۔ آزردہ اور خالی دامن ہارے ہوئے انسان کی طرح پڑا تھا۔ ذہنی دباؤ کے زبردست غلبے نے اسے بالکل ہی پژمردہ اور نڈھال کر دیا تھا۔

شاہ دل آستین کے بٹن بند کرتے ہوئے یہاں سے گزرا اور پردہ اٹھا کر اندر کا جائزہ لیا تو چھ فٹ کے غالب کو یوں صوفے پر بے ترتیب پڑے دیکھ کر آزردہ سا ہو گیا ایک رنج اس کے دل میں سمٹ آیا۔ وہ اندر چلا آیا اور اس پر جھکا۔

"غالب۔" اس نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہلایا۔ اس نے ذرا سا چہرہ اٹھا کر شاہ دل کو دیکھا۔

"تو تم بھی جا رہے ہو؟" وہ اسے دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بے حد سرخ اور سلگتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں جیسے ان میں ڈوبتا سورج پورا کا پورا اتر آیا ہو۔

"کہاں؟" شاہ دل فوری طور پر سمجھ نہ سکا۔ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔ وہ ہنس پڑا۔

"وہاں جہاں میری آرزوؤں کی' خوابوں کی قاتلہ سج سنور کر ایک نیا ڈرامہ کھیل رہی ہو گی۔" اس کے لہجے میں زہر سا اتر آیا۔

"جب تم نے شکست مان ہی لی ہے تو پھر یہ آخری شو' یہ آخری ڈراما بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ کم از کم تمہارا بھرم تو رہ جائے گا۔ کچھ لوگوں کی نظروں میں۔ تمہاری یہ شکستگی یہ بکھراؤ' کم از کم لوگ تو محسوس نہ کر سکیں گے۔" شاہ دل نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا۔

اس نے طنزیہ کہا تھا یا واقعی مشورہ۔ غالب بری طرح ہرٹ ہو کر سلگتی نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیا کسی سے گلہ کرے کوئی

وہ بڑی دل گرفتگی اور شکستگی سے مسکرا کر صوفے سے کھڑا ہو گیا مگر شاہ دل نے اسے بازو سے پکڑ کر دوبارہ صوفے پر بٹھا دیا۔

"بیٹھو ذرا۔" وہ خود بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا تھا۔

"پلیز شاہ یہ میں۔"

"میں جانتا ہوں تم کوئی بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہو۔" اس نے تیز لہجے میں اس کی بات ردی۔ اس نے بے بسی سے سامنے پڑی ٹیبل پر لات ماری۔

"مت طعنے دو مجھے بزدلی اور کم ہمتی کے۔ کیا میں سائرہ کو اغوا کر لیتا۔ کیا مظفر انکل کو قتل کر اس سے پستول کے زور پر شادی کرتا۔" وہ غصے سے چلایا۔ "اس لڑکی نے مجھے ہر قدم پر بے ا کیا ہے۔ اس نے ایسی بے اختیاری میری جھولی میں ڈالی کہ میں......"

"کہ تم تقدیر پر راضی ہو گئے۔ ہار مان لی۔"

"مت کرو طنز۔" اس نے جلتے ہوئے لبوں کو دانتوں میں دبا کر سلگتی سی نظر اس پر ڈالی۔

"طنز نہیں کر رہا۔ سلگ رہا ہوں تمہاری اس بے اختیاری اور بے بسی پر۔ بزدلی وہ نہیں تھی کریوں نڈھال پژمردہ پڑے رہ کر اپنی بے بسی کا ڈھنڈورا مت پیٹو۔ اپنی بزدلی کا شو مت پیش کرو۔ لت کو مان چکے ہو تو اسے حوصلے اور کھلے دل سے فیس کرو۔ مرد ہو تم عورتوں کی طرح منہ کیوں پائے پھر رہے ہو۔"

"مرد ہوں احساسات اور جذبات رکھنے والا میرے سینے میں بھی عام انسانوں کی طرح دل ہے ماری طرح سینے میں پتھر فٹ کرا کے نہیں آیا۔" وہ مشتعل ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

شاہ دل چند لمحے چپ رہا۔ بس چہرہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگا پھر ایک گہری سانس سینے کی ے کھینچ کر خود بھی کھڑا ہو گیا۔

"جذبوں اور احساسات کی جب قدر نہ ہو رہی ہو تو پھر سینے میں دل کو پتھر کر لینا چاہیے۔ رائگی اور انا پر چوٹیں سہنے سے یہی بہتر ہے۔ جہاں امیدیں' رائیگاں ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ ہوں اور ولولوں کو رعایت نہ مل رہی ہو تو پھر سینے سے دل نکال کر پتھر فٹ کرا لینا چاہیے۔"

اس کی آواز دھیمی تھی مگر لہجہ کڑوا۔ غالب نے رخ موڑ کر اس پر نظر ڈالی۔

"ایک ہی بات ہے' یہ بھی شکست کی ہی ایک شکل ہے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں ہنس دیا۔

"بے شک مگر شکست کا کھلا اعتراف تو نہ ہوا نا! اپنی لاحاصلی کا تماشا بنوانا تو نہیں ہو گا نا۔" کی بھوری آنکھوں میں سنجیدگی مستور تھی۔

"لگتا ہے بہت گہری چوٹ کھائی ہے زنیرہ علی سے۔" غالب اس کے سامنے آ گیا۔ اس کا بڑا غیر متوقع تھا۔ اس کا دل سینے کی دیوار میں ٹھٹھر کر رہ گیا۔

اس کے چہرے پر یک بیک تکلیف دہ احساس چھو کر گزر گیا مگر دوسرے پل اس کے اب کنٹرول میں تھے۔ ہاں البتہ اس نے نظریں چرا لی تھیں۔

بڑا غیر متوقع پکڑا گیا تھا۔ پتا نہیں وہ اب تک خوش فہم کیوں رہا کہ اس کا چہرہ اس کی آنکھیں

ولی جذباتی کیفیات چھپانے میں کمال رکھتی ہیں اور یہ کہ اسے خود پر بڑا قابو رہا ہے پھر کہاں کوتاہی ہو گئی کہ اس کا دل اس کے جذبے یوں کھل گئے سب کے سامنے کہ ہر کوئی پڑھتا پھر رہا ہے۔

"بدلہ لے رہے ہو؟" وہ بہت سنبھل کر بہت تحمل سے یہ وار سہ گیا۔

غالب کی نظریں جو اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں بجھی آگ کے دھویں سے گویا بھر گئیں۔ اس نے اس کے کندھے پر ایک اعصاب شکن فرد کی طرح ہاتھ رکھ دیا۔

"میں ایک شکستہ انسان' بدلہ کیا لوں گا۔ جس سے چاہا اس سے لے نہیں سکتا۔ آئی ایم سوری شاہ ہے۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ بے شک تم نے اسے بہت سیکرٹ رکھنے کی کوشش کی ہے مگر ڈیئر سیکرٹ وہ جذبے رہتے ہیں جن میں سرمستی پیدا کرنے والے ولولے نہ ہوں۔ جس میں رنگ نہ ہوں' خوشبو نہ ہو جبکہ محبت تو سراپا خوشبو ہے۔ وہ جذبہ ہے جس سے روح جاگ اٹھتی ہے۔"

"یہ کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔"

شاہ دل نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"یہ بتاؤ تم کب تک اس طرح خود کو اور ہمیں اذیت دیتے رہو گے۔" اس کا اشارہ اس کی شکستہ حالی کی طرف تھا۔ اس اضمحلال پر تھا جو اس کے پورے وجود پر طاری تھا۔

اس کا کمزور اور اداس چہرہ شاہ پیلس کے ہر شخص کے لیے تشویش کا باعث بن گیا تھا۔

غالب چپ ہو گیا اور کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر جھکا لیا۔ اس کے انداز میں گہری یاسیت تھی۔ اذیت' ہاں اذیت کی یہ مسافت جانے اسے کتنی طے کرنا ہو گی۔ شاید جب تک کہ اذیت اس کے دل سے نکل جائے یا وہ اس گھنے جنگل سے یا پھر اذیت کے ویران کھنڈر دل سے مدغم ہو کر اس کا حصہ بن جائیں۔ غم جب حد سے بڑھ جائے تو خود ہی دوا ہو جاتا ہے۔

"میں تو تمہیں بہت بہادر بہت مضبوط اعصاب کا سمجھتا تھا غالب۔ تم تو بہت کمزور ثابت ہوئے۔"

"شاہ دل!" وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ شاہ دل نے اس کا بازو تھامنا چاہا مگر وہ جھٹک کر ایک طرف ہٹ گیا۔

"امیدیں ٹوٹ جائیں تو دل ٹوٹ جاتا ہے۔ جذبے مرجائیں تو روح مرجاتی ہے۔ تم نے شاید مایوسی کا' ناامیدی کا دل شکن اندھیرا دیکھا ہی نہیں ہے۔ موہوم سی امید بھی جینے کا آسرا

ی ہے شاہ دل۔" اس کی آنکھیں شدت ضبط سے یوں سرخ ہو رہی تھیں جیسے دو چراغ جل ے ہوں۔ شاہ دل کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ وہ لونگ روم کا پردہ اٹھا کر نکل گیا تھا مگر وہ کتنی دیر گم لتے پردے کو تکتا رہا۔

موہوم سی امید بھی جینے کا آسرا ہوتی ہے۔ اس کے لہجے کی گونج اس کی سماعتوں پر وڑے کی طرح برسنے لگی۔

ناامیدی اور ناکامی میں بہت فرق ہے اور وہ حقیقت میں ابھی ناکام تھا ناامید تھا۔ جبکہ غالب چاروں طرف ناامیدی کا جال پھیل چکا تھا۔

وہ صوفے پر گر سا گیا۔

وہ غالب کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ اس کے دل کے بجھتے چراغ کو پھونکیں مار کر روشن نا چاہتا تھا مگر اس کی شکستہ حالی نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے صوفے کی پشت پر سر ا لیا۔

○☆○

"اچھا ہے تم خود آ گئیں میں تو صباحت سے کہہ رہی تھی رئیسہ کو فون کر کے بلوا تو ذرا۔"

رئیسہ بیگم کے بیٹھتے ہی دادی نے تیوری چڑھا کر انہیں دیکھا اور کمرے میں موجود سب کے سینوں میں دھک کرنے لگے۔

"خیریت تو ہے آپا۔ ایسا کیا کام آن پڑا کہئے؟" وہ ہمہ تن گوش ہو گئیں اور کچھ حیرت سے ن کی طرف دیکھنے لگیں۔

"یہ بری آئی ہے تمہاری طرف سے؟ ایسی بری تو غریب کی بھی نہیں آئی ہو گی۔ کیا سمجھ رکھا ہم نے ہمیں۔ کیا کسی قلاش کے گھر بیاہ رہی ہو بیٹے کو' کوئی غریب غربا۔"

"میں سمجھی نہیں آپا۔" رئیسہ بیگم گڑبڑا گئیں۔

"ہم نے منگنی ہونے سے اب تک ساری جائز ناجائز ساری رسمیں کیں تمہاری فرمائش ہر ہر موقع پر مظفر نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا اور تم نے بدلے میں ایسی دو کوڑی کی بری لا کر ے منہ پر دے ماری۔ اے میں کہتی ہوں رئیسہ تمہیں شرم نہیں آئی۔ کس منہ سے تم نے لوگوں کو یہ ننھا سا بیگ تھما کر فخر سے بھیج دیا۔"

رئیسہ بیگم اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھیں۔ گنگ سی بیٹھی رہ گئیں۔ گویا پاؤں تلے دم کوئی بارودی سرنگ ٹکرا گئی ہو۔

"یہ شادی کا جوڑا دیکھ رہی ہو۔"

"اماں! چھوڑیں بھی اب۔ یہ بھی کوئی باتیں کرنے کی ہیں۔" صباحت بوکھلا کر ساس کی طرف بڑھیں۔ رئیسہ بیگم کے تیور بھی بگڑ رہے تھے۔

"تم چپ رہو جی۔" دادی صاحبہ نے ان کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹک دیا اور رئیسہ کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اس سے اچھا جوڑا تو سائرہ اپنے کنوارپن میں پہن چکی ہے۔ اپنے رشتے دار بچوں کی شادی میں۔ یہ جوڑا دے کر تم شان سے تعریفیں سننے چلی آئیں۔ یہ تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

"آئے ہائے آپا۔ ہوش میں تو ہیں آپ۔ کیا خرابی ہے؟ جوڑے میں؟ لاؤ دکھاؤ ذرا۔" رئیسہ بیگم بھی بھبک کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ تائی اماں نے زمین پر گولا بنا پڑا سرخ جوڑا اٹھایا تو رئیسہ بیگم کی جان ہی جل گئی۔ شادی کے جوڑے کی یہ درگت دیکھ کر وہ گویا جلتے تندور پر ہی جا بیٹھیں۔

"ہم کوئی کروڑ پتی ہیں جو لاکھوں کا جوڑا دیں گے۔ اے پورے تیس ہزار کا صرف نکاح کا جوڑا بنا ہے۔"

"جھوٹ نہ بولو۔ تیس ہزار کا جوڑا ایسا ہوتا ہے' تین ہزار کا بھی نہیں لگتا مجھے تو۔" دادی پھنکاریں۔ انہیں رئیسہ بیگم کا جھوٹ ذرا نہ بھایا۔ انہوں نے شرارہ تخت پر پھیلا دیا۔

رئیسہ بیگم کے چودہ طبق روشن ہونے لگے۔ انہیں بالکل ہی اندازہ نہیں تھا کہ ان کی بری کی یوں جانچ پڑتال کی جائے گی۔

"آئے مجھے کیا پتا۔ یہ سب تو بہو بیٹیوں نے مل کر بنایا ہے سارا کچھ۔" وہ پہلو بدل کر بولیں۔

"اب اتنی سیدھی بھی نہیں ہو تم۔ بٹور نے تو خود دوڑیں چلی آتی ہو۔" دادی نے تاک کر تیر مارا تھا جو رئیسہ بیگم کے کلیجے کے پار ہو گیا۔ ان کے پیروں لگی سر پر جا پہنچی۔

"زبان سنبھال کر بات کریں آپا۔ اے مظفر میاں اپنی اماں کو لگام دو۔ یہ کون سا موقع ہے سمدھیانے سے لڑنے کا۔ گھر بلا کر بے عزتی کرنے کا' ارے ایسی ہی پیاری بیٹی تھی تو کسی شہزادے کا انتظار کر لیتے۔ ہم مرے نہیں جا رہے تھے۔ میرے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ آئے دیکھو ذرا۔ ایک تو گھر کی بچی سمجھ کر بوجھ ہلکا کیا بہن کا۔ اوپر سے بے عزت کیا جا رہا ہے۔ واہ میاں واہ۔ بڑے خاندانی اور عزت دار لوگ ہیں آپ۔"

"نہیں خالہ' یہ بات نہیں ہے۔ وہ تو اماں بس ذرا غصے کی تیز ہیں آپ تو جانتی ہیں نا۔ دل بڑا صاف ہے ان کا۔" صباحت نے لپک کر ان کا بازو تھام لیا۔

"ہاں رئیسہ بیگم۔ یہ تو آپس کی باتیں ہیں۔ ذرا گرما گرمی ہو جاتی ہے' ابھی ان کا غصہ بھی اتر

گا۔" تائی اماں نے بھی معاملہ سنبھالنا چاہا۔

"اے چھوڑو۔ ہماری تو ہر چیز آپا کو خراب لگی ہے جب بیٹی دینا تھی تب کیسے منہ میں شہد کی باتیں کرتی تھیں۔ تب غصہ کہاں تھا۔"

ہماری طرف سے کون سی منتیں ہوئی تھیں تم خود ہی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑی تھیں ہماری بچی لیے۔" دادی اشتعال میں آ گئیں۔ رئیسہ بیگم کے ریمارکس نے ان کا خون کھولا کر رکھ دیا۔ ت تو رضامند بھی نہ تھی تمہارے اس چمار بیٹے کے لیے۔ یہ تو میں نے بہن سمجھ کر آبرو تمہاری۔ ارے تم تو جوتیاں بھی گھستیں تو بھی تمہیں لڑکی نہیں ملنے کی تھی۔"

"ارے واہ کیوں نہیں ملتی۔ لاکھوں اچھی لڑکیاں مل جاتیں۔"

"ارے جاؤ بڑی لڑکیاں ملتیں۔ دیکھ رہے ہو مظفر شاہ کیسا تنتنا دکھا رہی ہے۔ ابھی دیا ہی کیا یہ دس جوڑے' پترا سا سیٹ' ہوا کے وزن کے کڑے۔ یہ بہو کو دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے کھلا پائے گی۔ اسے تو بس بیٹے کو کیش کرنا تھا سو کرا لیا۔" دادی نے تخت سے شرارہ سمیٹ کر رئیسہ بیگم کی طرف اچھل دیا۔

"لو سنبھالو۔ ہم دوسرا خرید کر پہنا دیں گے یہ تم اپنے بیٹے کی برات کے دن خود پہن لینا۔"

دادی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کھڑے کھڑے رئیسہ بیگم کی چھٹی کرا دیں اور ادھر رئیسہ ں کھلی پھٹکار پر برافروختہ ہو گئیں۔ وہ مارے غصے کے بری کی چیزیں بیگ میں بھرنے لگیں۔

"ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں' ہم سے بھی جیتی مکھی اب نہیں نگلی جاتی۔ اے صباحت اب اچھی امید نہ رکھنا۔" وہ سوٹ کیس اٹھا کر چلنے کو تیار ہو گئیں۔

"ارے ارے رئیسہ۔ کیا کر رہی ہیں آپ؟" تائی اماں نے جھٹ انہیں گھیر لیا۔ "ایسی اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے پھر۔ آپ دونوں بہنیں ہیں' بہنوں میں تو ایسی ناراضی ہو ہی جاتی ہے اپنا سمجھ کر کہہ دیا ہے انہوں نے.....۔"

"ہاں خالہ۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں نا کہ آپ یوں دھمکی دے کر چل پڑیں۔" نرگس بیگم بھی بول پڑیں۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ معاملہ دیکھتے ہی دیکھتے اتنا بڑھ جائے گا۔

"ارے ہٹو بھی۔ خوب جانتی ہوں۔ یہ ڈراما کھیلا جا رہا ہے میرے ساتھ۔" انہوں نے تائی کو ایک طرف ہٹایا۔ وہ ماش کے آٹے کی طرح یوں اکڑی تھیں کہ اب کسی طور جھکنے پر تیار نہ تھیں۔ یہی حال دادی کا بھی تھا۔ انہیں شاید معاملے کی سنگینی کا احساس ہی نہیں تھا یا پھر اپنی انا کے تخت سے نیچے اترنے کو تیار نہیں تھیں۔ مظفر شاہ نے انہیں سمجھانا چاہا مگر رئیسہ بیگم تو جلتے توے پر بیٹھی تھیں۔

"بہت ہو گیا میاں یہ عزت افزائی۔ اب مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے بیٹے کے لیے بہت لڑکیاں ہیں۔ سنبھال کر رکھئے اپنی چہیتی کو۔" وہ اسی کروفر سے کمرے سے نکل گئیں۔ ثاقب بھائی اور سدرہ بھابی انہیں منانے ان کے پیچھے دوڑے مگر ناکام لوٹنا پڑا۔ صباحت کی حالت تو غیر ہو رہی تھی۔

حالات بے حد سنگین صورت حال اختیار کر گئے تھے۔

پورے گھر میں ہی کھلبلی مچ گئی تھی۔ ڈھولکی، ٹیپ سب آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ ہر کوئی خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"دیکھ لیا آپ نے۔ دیکھ لیا اماں اس لڑائی کا انجام۔" مظفر شاہ اب دادی پر گرج برس رہے تھے۔ جو تخت پر منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔

"یہ کچھ اچھا نہیں ہوا اماں۔ آپ نے بھی حد کر دی جو کچھ من میں آیا بولتی چلی گئیں۔ آخر رئیسہ خالہ اب سمدھن بھی ہیں، صرف بہن تو نہیں ہیں۔ ذرا اس نازکی کا ہی خیال کرتیں۔" صباحت کی نند نرگس بیگم اپنی ماں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگیں۔

"ارے تم لوگوں نے اس کی زبان نہیں دیکھی۔ کیسے کتر کتر چل رہی تھی۔ اسے بڑی بہن کا بھی خیال نہیں۔ کیا خاک وہ رشتے ناتے نبھائے گی۔"

"وہ جیسی بھی ہیں کیا ہم اور آپ نہیں جانتے اور جانتے بوجھتے ہی تو ناتا جوڑا ہے نا۔ تو پھر نبھانے بھی ہمیں ہی ہیں۔ آپ نے تو انہیں بہت ناراض کر دیا۔ مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے۔ بری بھی تو خالہ ساتھ ہی لے گئی ہیں اپنے۔" نرگس بیگم نے بڑی بے چارگی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ آپ ایسا کریں خرم کو فون کرلیں۔ اسے تمام صورتحال سمجھا دیں۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی ماں کو سنبھال لے۔" صباحت نے کچھ سوچ کر شوہر سے کہا جو ایک طرف نڈھال سے سر پکڑے بیٹھے تھے۔

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔ وہ سمجھدار لڑکا ہے۔" تائی اماں کو بھی یہ مناسب لگا۔

"میں کیوں کروں اماں خود کریں گی انہوں نے یہ طوفان کھڑا کیا ہے انہیں نہ صرف خرم سے بات کرنی ہو گی بلکہ وہ رئیسہ خالہ سے بھی معافی مانگیں گی۔" مظفر شاہ کھولتے ہوئے لہجے میں بولے اور اپنی اماں کو گھورنے لگے۔

"میں نہیں کروں گی، میری تو جوتی بھی اس سے معافی نہیں مانگے گی۔ تھوک کر چاٹوں گی کیا میں۔ نہیں مظفر میاں میری تو سات پشتوں میں بھی ایسی نکٹی پیدا نہیں ہوئی۔"

"اور وہ جو اگر بارات نہیں لائیں پھر؟" نرگس بیگم کی بات نے سب کے دل لرزا کر رکھ

یہی اندیشہ تھا جو سب کے دل پر ہمک رہا تھا اور نرگس بیگم کی زبان پر آ گیا۔
ادی بھی ایک لمحے کو گم صم ہو گئیں وہ اپنے کروفر اور غصے میں یہ بھلا بیٹھی تھیں کہ اگر یہ آئی تو ہزار مہمانوں کو کیا منہ دکھائیں گی۔
ر بھر کی عزت کو انہوں نے داؤ پر لگا دیا تھا۔ انہوں نے چور نظروں سے بیٹے اور بہو کی یکھا۔

انتظار تو کرو۔"

کس بات کا؟"

ہ گھر جا کر کیا کرتی ہے، ہو سکتا ہے اس کا ارادہ یہ نہ ہو۔" وہ قدرے نرم پڑتے ہوئے

جی ہاں۔ آپ نے جس عزت کے ساتھ انہیں رخصت کیا ہے اس سے تو وہ ایسا ارادہ رکھتیں بلکہ رات کو بے حد خوشی کے ساتھ شادیانے بجا کر برات لائیں گی۔ کس خوش فہمی ہاں آپ۔ وہ بری کا بکس بھی ساتھ لے گئی ہیں۔" مظفر کرسی سے اٹھے اور سامنے تپائی ماری جو لڑھک کر دادی کے تخت کے پائے سے ٹکرائی۔ وہ سہم گئیں۔

رے میں سب کے چہروں پر تفکر برس رہا تھا۔

کھسیانی سی ہو کر رو پڑیں۔

بھلا مجھے کیا خبر تھی وہ میرے منہ آ لگے گی۔ اچھا ہوتا کہ اس کم بخت ماری کنجوسی کو یہاں شت کر لیتی۔ تم فون کرو مظفر خرم سے بات کرو۔ اب رات ہونے میں گھنٹے کتنے رہ گئے

ں نہیں، آپ کریں گی فون۔" مظفر شاہ کڑک کر بولے تو وہ اور زور شور سے رونے

یا کہوں گی میں؟ لاؤ دو ادھر زندگی میں یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ اس بوڑھاپے میں یوں ذلیل تھا۔" مظفر نے فون اسٹینڈ سے اٹھایا تھا کہ صباحت نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

یں۔ اماں نہیں کریں گی اگر قصور اماں کا ہے تو رئیسہ خالہ کا بھی ہے۔ ٹھیک ہے جھکنا پڑے گا مگر اماں کی یہ بے عزتی مجھے برداشت نہیں ہے۔ فون آپ کریں گے یا میں۔ اماں ں۔" صباحت کا لہجہ مضبوط اور اٹل تھا۔ مظفر شاہ بڑی بے چارگی سے لب بھینچ کر رہ

ں تشکر آمیز نظروں سے صباحت کو دیکھنے لگیں۔

ان کا دل پگھل پگھل گیا' آنسو روانی سے بہنے لگے۔

وہ خود کو مجرم محسوس کرنے لگیں۔ ندامت کا احساس دل پر ہلکورے لینے لگا۔

"دیکھیے نا فون۔" صباحت شوہر کو خاموش دیکھ کر اصرار کرنے لگیں۔

وہ کچھ دیر تذبذب میں کھڑے رہے۔

...ر کی انا کا غرور بیٹی کا باپ بن کر چور چور ہو چکا تھا۔

...ی جھکا کر بات نہ کرنے والا آج سراپا معافی بن چکا تھا۔

...ت کا سوچا بھی نہ تھا۔

...وں نے بے جان انگلیوں سے ریسیور کو اٹھانا چاہا اسی پل گھنٹی بج اٹھی۔

کمرے میں یکلخت موت کا سناٹا چھا گیا۔ جیسے یہ گھنٹی ملک الموت نے ہی تو بجادی ہو۔ انہو
نے گھور کر ریسیور کو دیکھا اور آہستگی سے اٹھالیا۔

"ہیلو مظفر بول رہا ہوں۔"

"بہت شکریہ انکل۔ میری اماں کی عزت افزائی کا۔ ابھی یہ حال ہے تو بعد میں آپ لوگ
کریں گے؟" دوسری طرف خرم میاں تھے۔ جو خاصے طیش میں تھے۔

"خالہ جان کو کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ ایسا رویہ اختیار کریں میری اماں سے۔"

"خرم! بات سنو۔" مظفر شاہ نے اپنے اعصاب کو سنبھال کر تحمل کا مظاہرہ کیا۔

اب کیا سننے کو رہ گیا ہے انکل۔ میں اپنی ماں کی بے عزتی کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتا
بڑی خالہ اور آپ لوگوں کو اپنے اونچے خاندان پر بہت ناز ہے تو ہم بھی کوئی گرے پڑے خاندا
کے نہیں ہیں۔ بس ہماری طرف سے یہ رشتہ ختم سمجھیے۔ اب کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔"

دوسری طرف سے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

مظفر شاہ کے اعصاب پر گویا طوفان آ کر گزر گیا۔ ایسا دھماکا ہوا تھا کہ ان کی سماعتوں پر ک
انہیں اپنا پورا جسم بکھرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

ایسی رسوائی کا تو تصور بھی نہیں تھا ان کے پاس۔

کل کے اس لڑکے نے انہیں کھڑے کھڑے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔

ریسیور ان کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ انہوں نے رخ موڑا مگر لڑکھڑا گئے۔

✿✿✿

اگر ثاقب بھائی انہیں نہ تھامتے تو ان کے پاؤں یقیناً اکھڑ جاتے۔ انہوں نے جلدی
انہیں قریبی کرسی پر انہیں بٹھا دیا۔ مظفر شاہ کو لگ رہا تھا گویا آسمان پھٹا ہو۔ خرم نے صور پھونکا

...طراف کی ساری دیواریں ان پر آرہی ہوں اور وہ اس ملبے تلے دبے چلے جارہے ہوں۔

...ی ذلت۔

...ی رسوائی کا تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔

...خرم کا فون تھا' کیا کہہ رہا تھا؟" کمرے کے سکوت میں صباحت کی لرزتی آواز کسی شیشے کی
...ٹی۔ انہوں نے اپنے دھک دھک کرتے دل پر دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے۔

...ظفر شاہ کی حالت نے سب کے لبوں پر ایک وحشت ناک چپ لگا دی تھی۔

...ان کے لب کچھ کہنے کو کھلتے اور کپکپا کر رہ جاتے۔ ثاقب بھائی نے ان کے کندھے پر اپنا
...بڑا ہاتھ رکھا۔

...انکل حوصلہ کریں۔ کیا کیا ہے خرم نے؟"

...یہ رشتہ ختم کر دیا ہے اس نے اور اب.... اب بارات نہیں لائے گا وہ۔" انہوں نے
...ں گویا کمرے میں بم بلاسٹ کیا تھا۔ دادی تو نیم مردہ سی ہو کر ایک طرف کو لڑھک گئیں۔
...جلدی سے انہیں سنبھالنے لگیں۔ صباحت کے تو پیروں سے گویا زمین ہی سرک گئی
...نہوں نے پاس کھڑی سدرہ بھابی کا سہارا لیا تھا بے ساختہ۔

...ی لان میں اتنے ڈھیروں مہمان پہنچنے والے تھے۔

...تیں۔

...ے۔

...نکھ دلہا کو دیکھنے کی منتظر ہو گی۔ یقیناً سہاگ کے گیت خود ان کے گھر بج رہے تھے۔ اتنے
...ان کے گھر میں موجود تھے۔

...ب کیا ہو گا اماں' رئیسہ خالہ نے یہ کیا کر دیا۔ بھری برادری میں میری عزت اچھال دی۔
...ہ۔" مظفر شاہ نے لب بھینچ کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ ضبط کے وہ جس مرحلے سے گزر
...ان کے چہرے سے ظاہر تھا۔

...ے مضبوط اعصاب کے مظفر شاہ دیمک زدہ لکڑی کی طرح اندر ہی اندر چٹخ رہے تھے۔ "یہ
...رشتے ہیں جس پر مجھے مان تھا جس پر فخر کیا جا سکے۔"

...تو دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔

...ب کیا ہو گا۔ میری بچی کے ساتھ ایسا حادثہ ہو گا۔ میں تو مر جاؤں گی۔ کیا منہ دکھاؤں گی
...لو۔ میری پھول سی بچی یوں دھتکار دی گئی۔ خدا کے لیے کچھ کیجیے۔"

...یسہ خالہ کے پیر پڑ جاؤں میں۔ بھابی کچھ کیجیے۔" صباحت کی دلدوز سسکیاں کمرے میں

گونجنے لگیں۔ وہ نیم مردہ سی ہو رہی تھیں۔ ساس سے لپٹ گئیں۔

"ہاں مظفر میں خود سے رئیسہ سے معافی مانگوں گی۔ مجھے لے جاؤ اس کے پاس۔" دا
روتی ہوئی تخت سے اترنے لگیں۔ تو مظفر شاہ کرسی جھٹکے سے دھکیل کر کھڑے ہو گئے۔

ان کے چہرے پر جلال پھیل گیا۔

"ہرگز نہیں۔ میں اس لڑکے کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ میرا داماد بنے۔ جسے بزرگو
عزت کا پاس نہیں' جسے دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا سکھایا گیا ہے اتنے کم ظرف او
لوگوں میں' میں اپنی بیٹی نہیں دوں گا۔ مر کر بھی نہیں' بھلے سائرہ اس دہلیز پر عمر بھر بیٹھی رہے۔'

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" نرگس بیگم رنج سے گھگیائیں۔ "یہ بیٹی کے مستقبل اور ہما
عزت کا سوال ہے بھیا۔ آپ کہیں تو میں چلتی ہوں۔ رئیسہ خالہ کے پاس ہو سکتا ہے غصے
انہوں نے یونہی کہہ دیا ہو۔"

"یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ یونہی کہہ دیا۔ نہیں نرگس' خرم نے جس انداز سے
ہے اس سے اب صلح و صفائی کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔" مظفر شاہ ایک بار پھر کرسی پر گرنے
انداز میں بیٹھ گئے۔ کمرے میں عورتوں کا بین جاری تھا۔ ہنستا بستا گھر یکدم ماتم کدہ بن گیا تھا۔

"ہاں' نہ آسمان پھٹا تھا۔ نہ زمین ہلی تھی مگر مظفر ہاؤس کے مکینوں کی دنیا زیر و زبر ہو گ
انہیں لگ رہا تھا گویا ان کے چاروں طرف شعلے بلند ہو رہے ہوں۔ فضا احمریں ہو رہی ہو۔

"یہ تو نے کیا کر دیا رئیسہ۔ بدبخت ہمارا جرم اتنا تو نہ تھا جس کی اتنی بھاری سزا۔ ہماری
بھر کی عزت خاک میں ملا دی۔ خدا تجھے غارت کرے' دادی بلک بلک کر رئیسہ بیگم کو کو
لگیں۔ منجھلی چچی ان دونوں عورتوں کو زبردستی پانی پلا کر ٹھنڈا کر رہی تھیں اور خود بے آوا
رہی تھیں۔

تائی اماں کرسی پر سر جھکائے پرملال بیٹھی تھیں۔

اذیت کا ایسا پل صراط بھی طے کرنا پڑے گا مظفر ہاؤس کے مکینوں کو اس نوعیت کا تو
تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

باہر لڑکیوں کو یہ خبر پہنچ چکی تھی مگر کسی میں بھی ہمت نہیں تھی اس کمرے میں داخل ہو
کی۔ ایک خوف سب کے سینوں میں دھڑک رہا تھا سب چپ چاپ گم صم ہو گئی تھیں جیسے ز
سانپ پھن پھیلائے آ کھڑا ہو سامنے۔

"میں میرج ہال کی بکنگ کینسل کرا کے آتا ہوں۔" مظفر شاہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو۔
ثاقب بھائی نے لب بھینچ کر انہیں دیکھا ایک کرب ان کی رگ رگ میں اتر گیا۔

"اتنی جلدی نہ کریں انکل' ہو سکتا ہے کوئی سبیل نکل آئے۔" ثاقب بھائی نے انہیں
چاہا۔ ان کے لبوں پر تھکی مجروح مسکراہٹ بکھر کر ٹوٹ گئی۔ ان کے کندھے یوں جھک گئے
ہے بہت سا بوجھ ان پر لاد دیا گیا ہو۔

"اب مفاہمت کی کوئی راہ بچی ہی نہیں ہے اور نہ ہی میں اب چاہوں گا۔ اچھا ہے خالہ نے
صلیت دکھا دی۔ اب جو ہو گا سو ہو گا۔ برات نہیں آئے گی۔ شادی نہیں ہو گی۔" انہوں
ہی سے ثاقب کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیا۔

دادی نے کچھ کہنا چاہا مگر ان کے لب کانپ گئے۔ آنسو آنکھوں سے رواں ہو گئے ان کا
وجود آنسوؤں کی یورش سے کانپ رہا تھا۔

اچانک تائی اماں اپنی جگہ سے کھڑی ہوئیں۔

"مظفر بھائی' رئیسہ بیگم کی منشا تو شاید یہی ہو گی کہ آپ اتنے ڈھیر سارے مہمانوں میں بے
ہوں۔ سائرہ رسوائی کا طوق گلے میں لٹکائے عمر بھر ہماری دہلیز پر بیٹھی رہے مگر اللہ کی منشا اور
ہو تو۔" وہ ایک لمحے ٹھہریں اور بڑی پرامید نظروں سے مظفر شاہ کی طرف دیکھا۔

"سائرہ کا نکاح آج ہی ہو گا۔ برات آج ہی آئے گی ہمارے گھر سے۔ میرے غالب کے
میں جھولی پھیلا رہی ہوں' کیا خرم کی جگہ اسے دی جا سکتی ہے؟"

یہ ایک دھماکہ ہی تھا مگر ایسا خوش گوار کہ سب کے آنسو آنکھوں سے بہنا رک گئے اور
سمٹ آئی۔ دادی' تائی کی طرف پتھرائی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔ یہ ایسا بروقت اور
فیصلہ تھا کہ ثاقب بھائی منجھلی چچی' سدرہ بھابی کے چہرے یوں کھل اٹھے جیسے بہار میں
کلیاں۔

مظفر شاہ اپنی جگہ گویا پتھر کے مجسّمے کی طرح ساکت و صامت رہ گئے تھے ان کی آنکھوں میں
کے رنگ چمکے۔

"ہاں صباحت۔ یہ کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ خونی رشتوں کا تقاضا بھی یہی ہے اور ہماری
بھی اس لیے مظفر بھائی۔ بے شک رخصتی نہ سہی نکاح ہو جائے' میں جواب کی منتظر
تائی اماں پورے اعتماد کے ساتھ جھولی پھیلائے کھڑی تھیں۔

سب کی نظریں مظفر پر ٹھہری ہوئی تھیں اور دل سینوں میں رک رک کر دھڑک رہے
انہوں نے کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

مسرت کا احساس دل پر ہلکورے لینے لگا۔ ان کا سارا زور اور سارا تنتنا تو بارش میں ریت کی
گیا تھا۔ تشکر کے احساس سے ان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ثاقب فرطِ مسرت سے

ان کی طرف بڑھا تو انہوں نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگا لیا۔
"میرا ایمان ان خونی رشتوں سے اٹھ جاتا مگر بجائے ختم ہونے کے پختہ ہو گیا ہے۔" ان کی آواز پست اور آنسوؤں کے بوجھ سے بھاری تھی۔
کمرے میں یکلخت خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ دادی اپنے تخت سے اٹھیں اور تائی اماں سے لپٹ گئیں۔
"میں تم لوگوں کا یہ احسان عمر بھر نہ بھولوں گی۔"
"ایسا نہ کہیں' خدا نہ کرے کہ یہ احسان ہو۔ ہم نے تو تب بھی جھولی پھیلائی تھی مگر پھر تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول بھی کر لیا تھا مگر تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔ لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ ارے ثاقب ذرا فون ادھر تو دینا۔ شاہ پیلس میں تو خبر دوں۔ تمہارے دونوں چچا بھی پہنچ گئے ہوں گے اور شاہ دل بھی وہیں ہے۔" تائی اماں ثاقب کی طرف مڑیں۔ "ارے سدرہ جاؤ بھئی باہر لڑکیوں کو یہ نوید سناؤ اور ہاں نیلی' فارحہ سے کہو کہ وہ شاہ پیلس جانے کی تیاری کریں' بھئی اب ہمیں تو ارجنٹ تیاریاں کرنی ہوں گی۔" تائی اماں کی آواز گونج رہی تھی جن میں خوشی کی کھنک تھی۔
سب کے چہرے یوں زندہ اور پر رونق ہو گئے تھے گو ان پر۔ آب حیات چھڑک دیا گیا ہو۔ سارے اندیشے ساری اذیتیں سارے خوف زائل ہو رہے تھے۔
صباحت تو اب بھی بے یقین سی بیٹھی تھیں ان کے تو پیروں میں سکت بھی نہیں تھی کہ اٹھتیں اور کچھ سوجھ بھی نہ رہا تھا کہ کیا کریں' کیا نہ کریں ایسی آرزو پوری ہوئی تھی جس کا تصور بھی نہ کر سکتی تھیں۔
دہری خوشی ملی تھی ایک تو بکھری عزت کو سنبھالا ملا تھا۔ دوسرا سائرہ کی خواہش کی کشتی کنارہ مل رہا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی خواہش سے بے خبر تو نہ تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر سجدہ ریز گئیں۔
مظفر ہاؤس میں ایک بار پھر ہنگامہ مچ گیا۔ خاموشی کے قفل ٹوٹ گئے۔ سہاگ کے گیت اٹھے۔
"ذرا شاہ دل سے میری بات کراؤ۔ ثاقب میں اسے سمجھاؤں گی۔ وہ خود غالب کو ڈیل کرے گا۔" انہوں نے ریسیور اٹھا کر پھر ثاقب کے ہاتھ میں تھما دیا خوشی سے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

○☆○

ملا تو اور بھی تقسیم کر گیا مجھ کو
سمیٹنا تھیں جسے میری کرچیاں محسن

وہ بازو پر ہاتھ دھرے لیٹی تھی۔
فرزانہ آپی نے اندر جھانکا تھا۔
وہ دوپٹہ اٹھا کر سیدھی ہو بیٹھی۔
"شاہ پیلس سے مہمان آئے ہیں تمہارے۔ وہ شاہ دل بھائی ہیں نا۔ شاید ان کی والدہ ہیں۔" وہ اسے جاگتا پا کر بولیں۔
"کیا زہرہ آنٹی آئی ہیں۔" وہ ایک خوشگواری سے بیڈ سے اتری اور بغیر چپل ہی دوڑ لگا دی۔
وہ چچی کے کمرے میں تھیں ان کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر محبت سے اسے گلے لگا لیا۔
"بہت بے وفا ہو گئی ہو۔ پلٹ کر پوچھا تک نہیں اور اتنی بڑی خوش خبری سنائی تک نہیں۔" وہ پیار سے شکوے کرنے لگیں۔ وہ شرمندہ ہو گئی۔ اپنی اس خوشی میں وہ بھول ہی گئی تھی بالکل۔
"آپ کو کس نے بتایا کہ میں یہاں آ گئی ہوں اور یہاں کا ایڈریس۔" وہ ان کے ساتھ ہی دوسری کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے حیرت سے پوچھنے لگی۔
وہ ہنس دیں پھر زنیرہ کی چچی کی طرف دیکھا۔ "بہت اچھی طرح جانتی ہوں انہیں میں۔ احمر کی والدہ ہیں۔ بھئی میں تو ان سے ملنے اسپتال میں بھی عیادت کو گئی تھی اور وہیں مجھے خبر ہوئی تو میں شمشاد ہاؤس گئی وہاں سے انہوں نے بتایا۔ مجھے تو بڑی خوشی ہوئی۔ سدرہ کو بھی خبر ہو گی تو بہت خوش ہو گی مگر تمہارے کان بھی کھینچے گی۔ میں تو معاف کر رہی ہوں۔"
"آئی ایم سوری آنٹی۔ وہ شرمندی سی ہو گئی۔ "ارے آج سائرہ کی شادی ہے نا۔ اسے اچانک یاد آیا پھر دوسرے پل ندامت سے نظریں جھکا لی "ویری سوری آنٹی پتا نہیں' میں ایسی کیوں ہو گئی ہوں۔"
"سدھر جاؤ گی جب تھوڑی پٹائی لگے گی۔" وہ پیار بھری چپت اسے مار کر بولیں۔
"اور سب کیسے ہیں وہاں؟"
"سب کی خیر خیریت ہے۔ میں پتا ہے کیوں آئی ہوں۔"
"کیا مطلب؟ مجھ سے ملنے آئی ہیں؟" اس نے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا۔
"ہاں ملنے تو آئی ہوں مگر تمہیں لینے بھی آئی ہوں۔ ابھی خود تو کہہ رہی تھیں کہ سائرہ کی شادی ہے۔"
"تو میں اسی وقت آپ کے ساتھ چلوں؟" اس نے الجھ کر ان کی طرف دیکھا پھر چچی جان کی

طرف دیکھا تو زہرہ آنٹی نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تو کیا رات ہال میں غیروں کی طرح پہنچو گی ... سخت نامعقول لڑکی ہو۔ سائرہ تو تمہیں کھڑے کھڑے وہاں سے نکال دے گی۔" وہ بڑے پیار سے اس کا دھلا دھلا نکھرا تروتازہ چہرہ دیکھنے لگیں۔ وہ سادے کپڑوں میں بھی بے حد پیاری دل موہ لینے والی لگ رہی تھی۔ وہ جب بھی اسے دیکھتیں ان کے اندر ایک عجیب سا سکون اتر جاتا مگر وہیں دل کے ایک گوشے میں شاہ دل کی طرف سے ہوئی زیادتی کا احساس امڈنے لگتا اور وہ خود کو مجرم سمجھنے لگتیں۔

"ارے باتیں ہی کرتی رہو گی یا انہیں چائے پانی کا بھی پوچھو گی جاؤ بلکہ چائے لے ہی آؤ۔" چچی نے اس کی توجہ اس طرف دلائی تو وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ زہرہ چچی نے روکا بھی کہ باہر گاڑی میں عادل بیٹھا ہے زیادہ انتظار نہیں کرے گا۔ تم بس چلنے کی تیاری کرو۔" مگر وہ سنی ان سنی کرتی کمرے سے نکل گئی۔

"تم رہنے دو زینی میں چائے بنا دیتی ہوں تم اپنے جانے کی تیاری کرو۔" وہ کچن میں آئی تو فرزانہ آپی نے اسے روک دیا۔ اس نے تشکر سے ان کی طرف دیکھا۔

"یہ شاہ دل بھائی کی والدہ ہیں نا؟" وہ پوچھنے لگی اور پتیلی نکال کر چائے کا پانی بھرنے لگی۔

"جی۔"

"بہت محبت کرتے ہیں تم سے شاہ پیلس والے۔" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ سب بہت اچھے ہیں آپا۔ بہت محبت کرنے والے۔ آپ تو ان لوگوں سے ملی ہوں گی۔"

"نہیں زیادہ نہیں۔ میں خود تو کبھی شاہ پیلس نہیں گئی۔ احمر سے ان کے مردوں کی دوستی ہی ہے اور شاہد بھائی سے بھی فرینڈ شپ تھی۔ بس جب امی اسپتال میں تھیں تو سدرہ نام کی عورت آئی تھیں ان کی عیادت کو، بڑے اچھے لوگ ہیں۔ خاص کر زہرہ آنٹی تو بڑی متاثر کن شخصیت کی مالک ہیں۔ خوبصورت بھی خاصی ہیں۔ جوانی میں جانے کیا غضب ڈھاتی ہوں گی۔ آنکھیں بڑی زبردست ہیں۔ بھوری بھوری۔" وہ پتی اور چینی ڈال کر سلیب کی چیزیں ترتیب سے رکھتے ہوئے بول رہی تھیں۔

زنیرہ کا دل ایک پل ان کے آخری جملے پر بے ترتیب سا ہو گیا۔

بھوری بھوری آنکھوں پر اس کے تصور میں دو ایسی ہی جواں، تروتازہ مسحور کن بھوری آنکھیں لہرا گئیں۔

تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

جاؤ تم جلدی سے جانے کی تیاری کر لو اور ہاں میرے کوئی کپڑے چاہئیں ہوں تو لے لینا۔ میں تو ذرا ہیوی ڈریس اچھے لگتے ہیں۔" فرزانہ آپی کی آواز اسے دوسرے جہاں سے کھینچ بس میں وہ کھڑے کھڑے گم ہو رہی تھی۔ وہ خالی الذہن سرہلا کر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ جب چچی کے کمرے میں آئی تو چچی جان اور زہرہ آنٹی کو بے حد قریب بیٹھے دھیرے باتوں میں محو پایا۔ اسے دیکھ کر وہ دونوں چپ ہو گئیں۔

"تیار ہو گئیں؟"

"جی، کپڑے ساتھ لے لیے ہیں۔" اس نے جواب دیا چچی کی طرف دیکھا۔

"میں جاؤں چچی؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور جاؤ۔ اللہ تمہارا حافظ و نگہبان۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ

"فرزانہ اور احمر کو ضرور بھیجئے گا ہمیں خوشی ہو گی۔" زہرہ چچی اٹھتے ہوئے بولیں "اب تو آنا ہے گا ہمارا بھی، زنیرہ بچی جو یہاں ہے" "آپ کی طبیعت سنبھل جائے تو شاہ پیلس ضرور آیئے بھابی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" اور چچی نے ہولے سے سرہلا دیا۔

باہر آئیں تو عادل ان دونوں کو دیکھ کر سکون آمیز سانس کھینچنے لگا۔

"تھینکس گاڈ۔ میں تو سمجھا کہ امی اندر جا کر جادوئی دھوئیں کے غول کی طرح گم ہو گئی "

"ہاں بس۔ تمہاری امی تو گم ہونے کے لیے ہی ہیں۔ یہی سمجھنا تم۔" چچی پچھلا دروازہ کھول گئیں۔

"ہو کتنی بار گم ہو چکی ہیں ذرا پتا تو چلے۔" وہ ان کے بیٹھتے ہی اگنیشن میں چابی ڈال کر سے بولا۔ "ویسے جوانی کی بات مت کیجئے گا۔ اس میں یقیناً گم ہوئی ہوں گی۔ پاپا ہیں ہی، زبردست قسم کے۔"

زنیرہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کے امڈنے والی ہنسی دبائی تھی جبکہ زہرہ چچی نے پیچھے سے اسے ایک دیا تھا۔

"بے شرم ماں کے ساتھ ایسی فضول بکواس کرتا ہے۔ چلو اب سیدھے سیدھے گاڑی شاہ پیلس میں ذرا خبر لینی ہے۔ پھر صباحت کی طرف جانا ہے۔" پیار بھری سرزنش کر پر ایک نظر ڈالی جو اس شرارت آمیز جملے سے اب تک محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھی۔ وہ اختیار ہنس پڑیں۔

"بہت بدتمیز ہوگیا ہے یہ لڑکا۔" انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"خوش ہو تم یہاں آکر؟" وہ پوچھنے لگیں۔

"جی بہت خوش ہوں۔ تپتی دھوپ میں سایہ مل جائے تو خوشی تو ہوتی ہے۔" اس سنجیدگی سے کہا۔

"چلو دیر سے سہی' انہیں اپنی زیادتیوں کا احساس تو ہوگیا۔" زہرہ چچی بولیں۔ اس چونک کر قدرے حیرانگی سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے ماضی سے باخبر دکھائی د رہی تھیں۔

"ایک زیادتی تو ہم سے بھی....." انہوں نے اس کا ہاتھ پیار سے دبایا پھر بولتے بولتے جا کیا سوچ کر چپ ہو گئیں۔ شاید انہیں عادل کی موجودگی کا خیال آگیا تھا۔

"یہ تم گاڑی اتنی آہستہ کیوں چلا رہے ہو ذرا تیز چلاؤ۔" وہ عادل سے مخاطب ہو گئیں۔

"یہ میں آہستہ چلا رہا ہوں۔ ایک سنگل بھی توڑ چکا ہوں۔ آپ کہہ رہی ہیں اور تیز کر یعنی....."

"خیر اتنا تیز بھی چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس پتا نہیں کیوں دل گھبرا رہا ہے۔ ع سے وسوسے آرہے ہیں۔ شاہ دل تو گھر میں ہی تھا عادل۔ غالب کے پاس۔" اچانک ہی ان چہرے پر تفکر پھیلنے لگا۔ عادل نے گاڑی آہستہ کر کے رخ موڑ کر ان کی طرف نگاہ کی۔ زنیرہ بھی ان کی تشویش کو محسوس کیا۔

"کیا مطلب ہے یہ دل بیٹھے بیٹھے کیوں گھبرانے لگا؟"

"بس ایسے ہی؟" انہوں نے سر جھٹکا۔ کچھ دیر بعد گاڑی شاہ پیلس کے بڑے گیٹ سامنے رکی تو ان تینوں کو ایک ساتھ حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

ثاقب بھائی کی گاڑی سے تائی اماں اور سدرہ بھابی جھٹ پٹ اتر کر تیزی سے گیٹ بجا رہی تھیں۔ وہ شاید اتنی جلدی میں تھیں کہ چوکیدار کو گیٹ کھول کر ثاقب بھائی کو گاڑی لے جانے تک بھی صبر نہ کیا۔

"خیریت تو ہے آپا؟" زہرہ چچی بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر ان کی جانب لپکیں۔ تائ گیٹ کھلتے ہی اندر کی طرف جانے لگیں دیورانی کو دیکھ کر رک گئیں اور اسی عجلت سے بولیں

"اچھا ہوا تم بھی آ گئیں' آؤ اندر آؤ۔ اور ہاں عادل کو کہو گاڑی باہر ہی رہنے دے۔ ا وقت نہیں ہے کہ بار بار گاڑی نکالتے رہیں۔ وہ تشویش میں مبتلا دیورانی کا ہاتھ پکڑے اند آئیں۔ پیچھے زنیرہ' نیلی کے ساتھ آنے لگی۔

"کیا بات ہے نیلی؟ صباحت آنٹی کے گھر خیر تو ہے سب؟"

اس کا دل انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔ نیلی کے چہرے پر غیر معمولی پن نمایاں تھا۔ اس دم بھی تقریباً بھاگتے ہوئے اٹھ رہے تھے اور وہ جانے کس دھیان میں تھی کہ اس کی بات نہیں بس اس کی طرف دیکھ کر ذرا مسکرا دی اور زنیرہ کو ذرا سی ڈھارس ملی کہ کم از کم یہ راہٹ کسی سنگین صورت حال پر نہیں آسکتی تھی۔

شاہ دل' مظفر ہاؤس سے تائی اماں کا فون اٹینڈ کر کے کتنی دیر بے یقینی کی کیفیت میں رہا تھا۔ ن نے اس ساعتوں پر ایسی فرحت انگیز خوشبو بکھیر دی تھی کہ اس کی روح تک مہک اٹھی

جیسے بے حد تاریک سربستہ رات میں کہیں سے روشنی پھوٹ پڑی ہو۔ اماوس کی اندھیری کا طلسم ٹوٹ گیا ہو اور راستے بہت سے جگنو جگر جگر کرنے لگے ہوں کہ ہر طرف اجالا ہی اجالا گیا ہو۔

یوں بھی ہوتا ہے خوشیاں یوں بھی جگمگاتی دہلیز پر آجاتی ہیں۔ دبیز سے دبیز مایوسی کا اندھیرا م کٹ بھی سکتا ہے۔

اس کے قدم تیزی سے غالب کے کمرے کی جانب بڑھے۔ اس کی رگ رگ سے سرشاری رہی تھی۔ دل یوں مچل رہا تھا جیسے اندر پھلجھڑیاں پھوٹ رہی ہوں۔

اس کا تو دل چاہا تھا وہ زور زور سے غالب کو آواز دے اور وہ آئے تو اسے پکڑ کر جھولا دے لے۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ اپنا وارڈ روب کھولے جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ اس نے ے سے بے حد بشاشت سے اس کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ غالب کے حرکت کرتے رک گئے۔ اس نے ذرا سی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"پلیز شاہ ہے۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔" اس کے لہجے میں بڑی بے دلی تھی۔ جیسے تنہائی میں اس مد بہت کھلتی ہو۔

"تمہاری ان تنہائیوں میں اگر عمر بھر کے لیے کسی کو شامل کر دیا جائے پھر۔" اس نے ہنوز کے کندھے پر ہاتھ رکھے رکھے کہا تو غالب جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹا کر ہاتھ میں پکڑا شرٹ رڈروب میں دے مارا۔

"میں تمہیں اتنا سفاک اتنا ظالم نہیں سمجھتا تھا۔" وہ اسے اس کی محض چھیڑ چھاڑ سمجھ رہا شاہ دل کے مسکراتے دمکتے چہرے پر نگاہ پڑی تو ایک لحظہ وہ چونک گیا مگر دوسرے پل لب بھینچ

کر غصے سے رخ پھیر لیا۔

"یہ تمہیں مجھ سے کیا دشمنی ہو گئی ہے۔" اس کا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔ شاہ دل نے اس کا
سر پکڑ کر رخ اپنی طرف کیا اور آنکھوں میں اپنی بھوری خوش نما آنکھیں ڈال دیں۔

"ابھی تاروں سے کھیلو' چاند کی کرنوں سے اٹھلاؤ
ملے گی اس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ"

اس نے بے حد ترنم سے کہا اور ہنس پڑا۔ بڑی تازہ بشاش اور گھمبیر ہنسی تھی۔ جس میں
خوشی کے رنگ تھے۔ غالب اب بے حد غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ اس کے دل کے اندر
بکھرے طوفان سے بے خبر ہے یا اس کی موجودہ حالت سے لطف اٹھا رہا ہے۔ اس نے رخ پھیرنا
چاہا مگر اس نے سختی سے اس کے کندھوں پر اپنے ہاتھ جمائے رکھے اور اس کے چہرے کو بغور
دیکھتے ہوئے بولا۔

"پتا نہیں غالب کہ مجھے خوش ہونا چاہیے یا اتنا کچھ ہو جانے پر افسردہ مگر نہیں میرا دل بے
حد مسرت کر رہا ہے۔ ظاہر ہے' ظاہر ہے اتنے دلوں کی خواہش پوری ہوئی ہے اور سب سے بڑھ
کر تمہارے جذبوں اور آرزوؤں کی تکمیل' تمہاری دعاؤں کی باریابی پر خوشی کیوں نہیں ہو گی
غالب۔ کتنی سچی دعائیں مانگی ہیں تم نے۔" فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے
غالب کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور غالب کی حیرت سے کھلی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"آج خرم کا نہیں تمہارا نکاح ہے۔ سائرہ کی برات کے دلہا تم ہو گے غالب' خرم رضا
نہیں۔" اس نے خوشگوار دھماکہ آخر کار کر ہی دیا تھا جس نے اس کی طبیعت میں تازگی بھر دی
تھی۔ یہ دھماکہ خوشگوار سہی مگر اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ غالب تحیر آمیز بے یقینی سے اسے
دیکھتا رہ گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے آنکھیں جھپکیں۔

"شاہ..... دل..... کیا کہہ رہے ہو؟" اس کی آواز پھنسی پھنسی تھی جیسے بہ مشکل بول پایا ہو۔
بے پایاں حیرت اور مسرت نے اس کی قوتِ گویائی جیسے سلب کر لی تھی۔

"ادھر بیٹھو میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں کہیں کھڑے کھڑے غش کھا کر گر نہ جاؤ۔ بھئی
ہمیں ثابت و سالم دلہا لے کر جانا ہے آخر۔ اس بے چاری نے بھی کیا قصور کیا ہے کہ بے [illegible]
صدمے سہتی رہے۔" اس نے اسے صوفے پر کھینچ کر بٹھا لیا۔

○☆○

سہرا باندھا یار نے پوری آس ہو گئی من کی
رہے سلامت جوڑی یونہی دلہا اور دلہن کی"

تیمور لہک لہک کر گا رہا تھا۔

"یار کا گھر آباد رہے میں دل کی مرادیں پاؤں
تو بچوں کا باپ بنے اور میں چاچا کہلاؤں"

"یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے تم لوگوں نے؟" تائی اماں نے ایک دھموکا تیمور کو دے مارا۔ اس
کے ہاتھ ٹیبل پر تال مارتے ہوئے رک گئے اور بولتی زبان بھی۔

"پہلے ہی میں بوکھلائے جا رہی ہوں۔ ادھر تم لوگوں نے چیخ و پکار شروع کر دی ہے۔ یہ نبیل
بھائی کدھر چلے گئے۔ ارے' ثاقب دیکھو ذرا شاہ دل کہاں ہے اور اس نے غالب سے بات کی یا
نہیں۔"

شاہ پیلس میں ایک افراتفری کا عالم مچا ہوا تھا۔

"اتنے دنوں سے فضول لڑکی کی طرف کے گانے گا گا کر زکام ہو گیا ہے۔ آج ہی موقع ملا ہے
ٹپے گانے کا۔"

"اچھا بکو مت۔ جاؤ اپنے پاپا کو بلاؤ ایک ان کی بری عادت ہے غائب ہو جانے کی۔" چھوٹی
چچی گھرک کے بولیں۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر نبیل چچا کو ڈھونڈنے نکل گیا۔

ثاقب بھائی' غالب کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔ اسی دم غالب' شاہ دل کے ہمراہ باہر
سے آتا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی جس میں سرخی جھلک رہی تھی' ہونٹ
اس نے بے حد سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

اس کے چہرے پر پھیلی غیر معمولی سنجیدگی نے سب کو ایک پل سہما کر خاموش کر دیا۔ تائی اماں
کا دل سینے میں دھڑک کر رہ گیا۔

غالب کے پیچھے شاہ دل بے حد خاموش سا پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

سب کی نظریں غالب پر تھیں اور غالب کی نظریں تائی ماں پر۔

"غالب۔ میرے بچے۔" تائی اماں بے اختیار آگے بڑھیں اور اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں
کے پیالے میں سمو لیا۔

"نہیں غالب۔ اب کوئی دل توڑنے والی بات نہ کرنا۔ بہت بکھر چکے ہیں۔ بہت حالات کی
چکی میں پسی ہے صباحت۔ اب کوئی دکھ دینے والی بات نہ کرنا۔ بڑے مان سے میں نے یہ فیصلہ کیا
ہے' صباحت اور سائرہ نے بہت دکھ سہے ہیں بیٹے۔ وقت کی دھوپ میں ان کا ضبط جھلس چکا ہے۔
یہ خوشی دیکھ لینے دو ہم سب کو' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں اسے کوئی انا کا مسئلہ نہ بنایا۔

دیکھو ایک ماں تمہارے سامنے التجا کر رہی ہے۔ اسے مایوس نہ کرنا۔"

"امی۔" غالب کے چہرے کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے بے اختیار ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے اور اپنے لبوں سے لگا لیے۔ "ایسی بات کیوں کی آپ نے؟" اس کا لہجہ بھاری ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دو غالب۔ میں تمہاری رضا کے بغیر ہی فیصلہ کر چکی ہوں۔ اس لیے کہ مجھے تم پر بڑا مان ہے۔ تم نے میرے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی۔ میں نے تمہاری انا کو نہیں توڑا بیٹا۔ میں نے تو صرف دو گھروں میں خوشیوں کے در کھولنے چاہے ہیں۔"

روتی ہوئی تائی اماں کو غالب نے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ اس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی جس کو وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اسے اپنے اعصاب ماؤف ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

"تم راضی ہو غالب۔ بولو بیٹا؟" نبیل چچا آگے بڑھ کر اس کے کندھے کو تھپک کر بولے۔

تائی ماں نے سر اٹھا کر اس کی طرف بڑی آس مندانہ نظر ڈالی۔ وہ اپنے لبوں کو دانتوں میں دبائے کھڑا تھا۔

"ہم جانتے ہیں اچانک خوشی ملے یا غم۔ ذہن چند لمحوں کے لیے مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"جواب دو غالب۔" تائی اماں اس سے الگ ہو کر اپنی چادر سے اپنا منہ پونچھتے ہوئے بولیں تو اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ ابھر کر منجمد ہو گئی۔

"میں نے آج تک آپ کے کسی فیصلے کی مخالفت نہیں کی اور یہ فیصلہ تو خوشیوں کا پیامبر ہے میں کیسے سر اٹھا سکتا ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر سر جھکا لیا تھا۔ سب کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

تائی ماں نے اس کا چہرہ چوم لیا۔

تائی ماں کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی۔ ایک بار پھر شاہ پیلس میں افراتفری مچ گئی۔

غالب اپنے تمام شریر کزنز سے گھبرا کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

"ثاقب! تم ایسا کرو عادل کو لے کر قریبی رشتہ داروں میں دعوت دے آؤ۔ کم از کم اپنے تو شامل ہو جائیں اس خوشی میں۔"

"ارے بھابی آپ پریشان نہ ہوں۔ سب خیریت سے ہو جائے گا۔ آپ اطمینان رکھیے۔"

نبیل چچا تائی ماں کو پریشان دیکھ کر ہنس پڑے۔

"ارے پریشان کیسے نہ ہوں۔ اتنا کم وقت ہے اور سب کچھ نمٹانا ہے۔ ابھی تو سائرہ کے نکاح کا جوڑا بھی نہیں آیا۔"

"وہ میں لے آتی ہوں۔" منجھلی چچی جلدی سے بولیں۔

اکیلی کہاں جاؤ گی۔ سدرہ کو ساتھ لیتی جاؤ۔" اور ان کی نظر زنیرہ پر پڑی۔ "زنیرہ کو بھی ہمراہ ...۔ صلاح مشورے سے چیز اچھی آئے گی۔ اس کی پسند ماشاءاللہ اچھی ہے۔"

"جی ہاں ان کی پسند تو ماشاءاللہ بہت اچھی ہے۔ جواب نہیں ہے۔" سدرہ بھابی کھنک کر بولی ...دل کو معنی خیز تبسم سے دیکھا۔

"...پسند تو جناب آپ کی بھی لاجواب ہے۔" ثاقب بھائی اپنی طرف اشارہ کر کے بورڈ سے ...لیتے ہوئے ہنس پڑے۔

"...یونہی خوش فہمی ہے۔" بھابی نے انہیں چڑانے کو منہ بنایا۔

"ارے لڑکیو! تم سب کی سب ادھر ہی آدھمکیں۔ سائرہ کے پاس پھر کون ہے؟ وہ بچی تو ان ...میں بوکھلا کر رہ گئی ہو گی۔ لو اس کی پریشانی کی فکر ہی نہیں کسی کو۔" تائی اماں کمرے سے ...یاد آنے پر نکلیں تو نیلی اور فارحہ کو قہقہے بکھیرتے دیکھ کر چونکیں۔ ان کا دھیان سائرہ کی ...وڑا۔ اس پریشان حال بچی کا انہیں اب خیال آنے لگا جانے اس سارے واقعات پر اس ...ل کیا ہو گا۔

"...ہاں رابعہ ہے" تائی ماں۔ یوں بھی اب وہ پریشان نہیں ہو گی۔ پریشانیاں تو ختم ہو گئیں ہیں ...۔ آپ جیسی ساس جو مل رہی ہے اور....." نیلی چہکی۔

"اور میری جیسی نند۔" فارحہ نے جملہ پورا کیا تو تائی اماں سمیت سب ہنسنے لگے۔

○☆○

...ہ پیلس میں گویا بہار اتر آئی تھی۔ اتنے لوگ تیاریوں کو نمٹانے والے تھے لگتا نہیں تھا کہ ...ارجنٹ ہوا ہے۔ ہر کام مکمل تھا۔

...ئی ماں کے تو خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ انہیں تو بیش بہا خزانے سمیٹنے ...دامن تنگ دکھائی دے رہا تھا۔

...یاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس غالب جب اپنے ہم رفیقوں کے ہمراہ میرج لان میں داخل ہوا تو ...تنے لوگ اس کی شاندار پرسنالٹی کو بے حد سراہنے لگے' وہیں اسٹیج پر دو جہاں کا حسن سمیٹے ...خوابوں کی ملکہ سائرہ شاہ کو دیکھ کر وہ کتنے پل تو بے یقین سا ہو کر رہ گیا۔

...درت کی طرف سے یہ معجزہ ہی تو ہوا تھا۔

...ئی پیاس میں ایک قطرے سے مایوس ہو چکا تھا۔ اب ٹھنڈا فرحت انگیز دریا امڈ آیا تھا۔

...تازگی میں وہ گم ہو رہا تھا کہ ایک جگنو کے بھی چمکنے کی امید نہ رہی تھی۔ کہاں جگر جگر ...روشنیاں اتر آئیں مقدر میں۔ وہ تو اس رب رحیم کا سجدہ شکر کرتا نہ تھکتا تھا۔ وہ یوں

مسرور تھا جیسے بے نام سفر کرنے والے مسافر کے سامنے یکدم منزل آجائے۔
"سلگتے تپتے ریت کے ٹیلوں سے چشمہ نکل آئے۔ تھر کی پیاسی زمین پر برکھا رت کا سند
لانے والی پھوار گرے۔ سینکڑوں پھول اس کے قلب وروح میں مہک اٹھے تھے۔
وہ سائرہ شاہ کے پہلو میں بیٹھا تو اسے خواب کے سچا ہونے کا یقین آگیا۔
وہ غالب کے بیٹھنے اور ہلکی مسرور کھنکار پر خود میں یوں سمٹ گئی جیسے خوشبو بند کلی میں۔
"اے اے مسٹر۔ اتنا فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا پرے بیٹھو ابھی فاصلے
نہیں ہیں۔" ساریہ آپی غالب کے بیٹھتے ہی چیخیں اور سائرہ کے دوپٹے کا پلو نکالنے لگیں جو غا
کے نیچے آگیا تھا۔ زبردست قہقہہ پڑا۔ غالب ذرا سا دور ہٹ گیا۔
"فاصلے قرب کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں۔" اس نے ترنم سے کہا "ویسے یہ زیادتی۔
آپی۔ اب بھی آپ لوگوں کو ہم پر رحم نہیں آیا۔"
"ایسی صورتوں پر رحم نہیں آتا۔" تیمور کیمرہ سیٹ کرتے ہوئے برجستہ بولا۔ غالب کی پُر
آہ نکل گئی۔
"بڑے ظالم ہو۔" اس نے مسکین سی صورت بنائی اور دائیں جانب رخ کرتے ہوئے بولا

"اب عزیز دل کو نہیں یہ بھی پسند
دیکھ لیں دو دل بہم ہوتے ہوئے"

اس کے بے ساختہ برمحل شاعرانہ انداز پر کھلکھلاہٹیں بکھر گئیں۔ سائرہ کا سر اور بھی جھ
گیا تھا۔
"ماشاءاللہ کیا فصاحت بلاغت زبان پر اتر آئی ہے۔ کہاں کٹے شہتیر کی طرح پڑے تھے
کہاں یہ طراری۔" سدرہ بھابی اسٹیج پر سنبھل کر چڑھیں۔ "ساری شاعری سنبھال کر رکھ
وقت آنے پر اس بیچاری کے کانوں میں انڈیل دینا۔ اب تو اسے ہی عمر بھر یہ ساری بکواس
ہے۔"
"سائرہ! جہیز میں ایکسٹرا کانوں کی جوڑیاں لے آنا۔ تھوڑے دنوں میں تم پر یہ عذاب ٹو
والا ہے۔" اس بات پر زبردست قہقہے پڑے۔
"اب اتنا بھی مت ڈرائیے اسے اور یہ تھوڑے دن کہہ کر دل تو مت خراب کیجئے پارٹنر۔
اس نے نزدیک کھڑے شاہ دل کی طرف سر اٹھا کر دیکھا پھر آنکھ ماری۔
"یاد ہے نا آخری جنگ تمہیں لڑنی ہے۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ شاہ دل نے اس کے کند
پر تھپکی دی۔

"یاد ہے بے فکر رہو۔" ہم نے پسپا ہونا نہیں سیکھا جس میدان میں اترتے ہیں وہاں فتح
نے تک جنگ لڑتے ہیں۔" اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اس کی نظریں اسٹیج کی
ف آتی زنیرہ پر تھیں۔
گرین اور میرون شلوار قمیص اور گرین کامدار بڑے سے دوپٹے میں وہ نیلی کے ہمراہ اوپر آ
تھی۔ سیاہ بالوں کا ریشمی ڈھیر پشت پر پھیلا ہر آنکھ کو رشک میں مبتلا کر رہا تھا۔ کئی نگاہیں اس
دلکش سراپا پر اٹھی تھیں۔ ہلکے میک اپ اور جیولری میں اس کا نازک سراپا خیرہ لگ رہا تھا۔
انی پر اس نے بھی سب کی طرح چھوٹا سا ٹیکہ لگایا ہوا تھا۔ اس نے اپنے مخصوص وقار اور
مسکراہٹ کے ساتھ سائرہ کو وش کیا اور جھک کر سرگوشی کرنے لگی۔
"چشم بددور۔" سدرہ بھابی کی طرف آئی تو انہوں نے توصیفی نظروں سے اسے سراہتے
ئے خود سے لگالیا۔ "اتنی دیر لگادی سچ سچ بتاؤ 'اپنے پیچھے کتنی لاشیں چھوڑ آئی ہو۔'"
"کیوں ان سبھوں کو زندہ کرنا ہے۔ اپنا خوفناک چہرہ دکھا کر۔" تیمور اپنے کیمرے میں نئی ریل
ل رہا تھا۔ سب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔
"آؤ زینی تصویر بنائیں۔" انہوں نے زنیرہ کا ہاتھ کھینچا اور اسے غالب اور سائرہ کی طرف
آئیں۔ زنیرہ لحظہ بھر جھجک کر رہ گئی۔ غالب کے ایک طرف شاہ دل اپنی بھرپور اور متاثر کن
یت کے ساتھ کھڑا تھا۔
"اب تم لوگ ہٹو گے تو ہماری باری آئے گی اتنا رش لگا رکھا ہے تم نے۔ اتنے سے اسٹیج
" بھابی شاہ دل سے مخاطب تھیں۔
سرمئی شلوار سوٹ پر سیاہ اور سرمئی دھاری دار کھلی واسکٹ پہنے 'پیروں میں لیدر کی چپل
شاہ دل پیلس کے تمام لڑکوں میں خاصا نمایاں لگ رہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں کی
یاں جگر جگر کر رہی تھیں۔
"آپ کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔" عمیر مزید پھیل کر کھڑا ہو گیا۔
عمیر حفظ ماتقدم کے طور پر پیچھے ہٹ گیا۔ بھابی اس پر جھپٹ نہ سکیں۔ اتنے وزنی شرارے
ت بس اپنی جگہ تلملا کر رہ گئیں۔
صاحت اور دوسری خواتین اوپر آئیں تو لڑکوں نے ان کے لیے جگہ بنائی۔
صاحت' غالب کا ماتھا تھام کر بوسہ دے کر دعائیں دینے لگیں۔ ان کے چہرے پر خوشیاں
ں تھیں۔ انہیں تو یہ خوشی سنبھالنا مشکل لگ رہی تھی۔
"پھوپو آج دل کھول کر دعا دیجئے گا۔ بلکہ وہ اسد اللہ غالب والی بھی دے دیجئے۔" عادل

انہیں مزید دعائیں بتانے لگا۔

"کون سی والی؟" وہ سادگی سے پوچھنے لگی۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا تو سب ہنسنے لگے۔

یعنی ایک لاکھ چھتیس ہزار نو سو چھیاسی برس اور تین ماہ۔" شاہ دل حساب بتانے لگا۔

"توبہ توبہ یہ تو بڑی بددعا ہو گئی۔" صباحت دہل کر بولیں۔

"دے دیجیے پھوپو دے دیجیے اب تو زندگی بہت پیاری ہو گئی ہے جتنی لمبی مل جائے۔"

غالب خوشگوار لہجے میں بولا اور ایک نظر اپنے پہلو میں سمٹی سائرہ پر ڈالی۔

"خدا تمہیں لمبی عمر نوازے۔ میری تو ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" صباحت دلار سے بولیں۔

"ظاہر ہے آخر آپ کی بیٹی کا سہاگ ہوں۔" غالب نے کہا تو ہنسی کی پھوار برس پڑی۔

"توبہ ہے غالب۔ آج بھی تم سے چپکا بیٹھا نہیں جا رہا۔" تائی ماں نے اسے آنکھیں دکھائی

"اب ذرا زبان سنبھال کر رکھنا سائرہ کے ددھیال کے لوگ آرہے ہیں۔ اس طرف۔"

"جی ہاں ورنہ کہیں گے دلہا کسی سرکس میں کام کرتا رہا ہے۔" عادل نے چھیڑا۔

خواتین کا ریلا اوپر آیا تو لڑکے سارے نیچے اتر گئے۔

کھانے کا دور چلا تو چند لڑکیاں ہی اسٹیج پر رہ گئیں۔ سدرہ بھابی کو سارہ آپی پکڑ کر لے گئیں۔ مہمانوں کی خاطر مدارت کے فرائض انجام دینے۔

تیمور اوپر آیا اور اپنا کیمرہ سیٹ کرتے ہوئے زنیرہ کے قریب آکھڑا ہوا جو اپنے دوپٹے میں پھنسے بال نکال رہی تھی۔ اسے اپنے اتنے ڈھیر سارے بالوں کو سنبھالنا از حد مشکل ہو گیا تھا۔ اس کے بال بھی لڑکیوں نے بعد اصرار کھلوائے تھے۔

"آپ نے شاہ دل کو دیکھا ہے؟" اس کی آواز دھیمی مگر شوخ تھی۔ زنیرہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"خیر دیکھ تو لیا ہو گا کہ زبردست لگ رہا ہے وہ پرنس مگر ذرا ابھی پیچھے مڑ کر دیکھئے۔ یہ لڑکی مسلسل ان کے ساتھ ہے۔ ایسا لگتا ہے ایلفی لگا کر آئی ہے زہر لگ رہی ہے مجھے مگر شاہ دل کو لگتا ہے بڑی پسند آگئی ہے ہنس ہنس کر باتیں جو کر رہی ہیں۔"

تیمور کی بات پر اس نے غیر اختیاری طور پر پلٹ کر دیکھا۔ اسٹیج سے ذرا فاصلے پر سرخ لباس زیب تن کیے ایک خوش شکل لڑکی اس کے ساتھ کھڑی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ شاہ دل خان کے لبوں کی تراش میں بھی مسکراہٹ تھی۔

"آپ کو رقابت محسوس نہیں ہو رہی ہے حیرت ہے میں تو کوئی گھنٹہ بھر سے سلگ کر آدھا رہ گیا ہوں۔" اس نے جلدی سے رخ سیدھا کر لیا۔ یکلخت اسے اپنا چہرہ تپا ہوا محسوس ہوا۔ اپنی اس غیر اختیاری حرکت نے اسے تیمور کے سامنے کھول دیا تھا۔ خفت سے اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"بھلا مجھے کیا اس سے، مرضی سے ان کی۔" وہ خود کو بدقت سنبھال کر دوپٹے کی ترتیب کرنے لگی مگر دل کی حالت چہرے سے اب تک ظاہر تھی اور اوپر سے تیمور کی بے ساختہ ہنسی نے اسے خجل کر دیا تھا وہ انتہائی سنجیدہ بن کر اس طرف سے ہٹ گئی۔

پتا نہیں تیمور اپنی اس شرارت سے اس کی اس کمزوری کو جانچنے کرنے میں کتنا کامیاب ہوا تھا۔ وہ نیلی کے پاس جا کر بیٹھ گئی شکر ہوا وہ ایک دو پوز لے کر مسکراتا ہوا نیچے اتر گیا تھا جیسے آیا ہی تھا صرف اسے اس منظر کی طرف توجہ دلانے' اور حقیقت تھی کہ اس کی ساری توجہ بھی اسی طرف رہ گئی تھی۔ اسے اس لڑکی کی کھلکھلاہٹیں اتنی بری نہیں لگ رہی تھیں۔ جتنی شاہ دل کی مسکراہٹ اور اس کا اس لڑکی کے پاس اتنی دیر کھڑا ہونا۔

"زنی یار' ذرا آئس کریم تو بھر کر لے آؤ۔" نیلی فرائیڈ چکن لیگ پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے زنیرہ سے بولی۔

"بہت پیٹو ہو۔ کتنا کھاؤ گی۔" اس نے اسے گھورا۔

"ہائے ہائے ابھی کھایا ہی کہاں ہے آخر اتنی خوشی ملی ہے بھوک تو بڑھے گی نا۔ کیوں سائرہ ابھی تو تمہاری شادی کی خوشی کا کھا رہی ہوں پھر غالب بھائی کی۔"

"خدا جانے اپنی شادی پر کتنا کھاؤ گی بلکہ دیگوں پر ہی الٹ پڑو گی۔" رابعہ نے کہا تو اس کا زبردست قہقہہ نکل گیا۔ سائرہ اپنی ہنسی نہ روک سکی۔ زنیرہ اسٹیج سے اتر گئی۔

"مجھے یقین تھا آپ سے برداشت نہیں ہو گا مزید۔ یقیناً اسے مارنے دوڑ پڑیں گی۔" تیمور جانے کہاں سے ٹپک پڑا۔ اس کے قدم ٹھٹک گئے اور چہرہ لال ہو گیا۔ دوسرے پل وہ غصہ سے پلٹی مگر وہ ہنستا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

سخت بدتمیز لڑکا ہے تیمور بھی۔ وہ بری طرح تپ گئی۔ اونہہ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔ اسے کسی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر جیلس ہوتی پھروں۔ اس نے جل کر سوچا مگر نظریں پھر بے ارادہ بھٹک

کر اس حصے کی طرف گئیں وہاں ہنوز وہی منظر تھا جیسے اسکرین پر جامد ہو کر رہ گیا ہو۔
اس کے دل میں کچھ ٹوٹنے لگا۔ لہو میں کھولن ہونے لگی۔ دل چاہا میز پر رکھا روسٹ کا پاٹ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔ آج اس شخص نے ایک بار بھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ سب نے فرداً فرداً اس کی تعریف کی تھی اور خود کو بھی آج بے حد دلکش لگی تھی مگر اسے تو شاید وہ نظر ہی نہیں آئی تھی۔ یوں بے نیاز بنا ہوا تھا جیسے اسے جانتا ہی نہیں تھا اس کے وجود سے بے خبر تھا۔

تری بے رخی کے دیار میں گھنی تیرگی کے حصار میں
جلے کس طرح سے چراغِ جاں کرے کس طرف کو سفر کوئی

اس کا دل بجھ کر رہ گیا تھا۔ وہ بجھے دل کے ساتھ آئس کریم بھرنے لگی، جونہی باؤل اٹھا کر پلٹی کہ ہاتھ سے آئس کریم سے بھرا باؤل چھوٹ گیا اور لان کی نم نم گھاس کے ساتھ بے حد قریب کھڑے شاہ دل خان کے صاف ستھرے کرتے پر بھی نشانات بنا گیا۔ وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ اتنا قریب کہ اس کی مہکتی زلفوں کی مہک بھی اندر اتار لیتا۔ اگر وہ بروقت پیچھے نہ ہٹتی تو باؤل سمیت اس سے جا ٹکراتی۔ وہ گھبرا کر باؤل اٹھانے کو جھکی، اس کی ریشمی زلفیں جھکنے پر اس کے پیروں پر لہرا گئیں۔ شاہ دل خان کے لیے بڑا انوکھا تجربہ تھا مگر زنیرہ کی بوکھلاہٹ دوچند ہو گئی ایک تو اس کے دھیان میں رہنا اور پھر یوں یکدم اسی کے سامنے آجانا اور دوسرا تصادم۔
"رہنے دیجیے۔ اتنے معمولی نقصان کی کیا پروا کرتی ہیں آپ؟" اس نے بظاہر ہنس کر کہا مگر اس کی ہنسی میں چھپی کاٹ کو وہ محسوس کیے بنا نہ رہ سکی۔
"نقصان تو یہاں بھی ہوا ہے۔" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ سرمئی واسکٹ پر سفید آئس کریم نے نقش نگار بنا رکھے تھے۔ وہ خجل ہو گئی اور جلدی سے ہاتھ میں پکڑا ٹشو اس کی جانب بڑھا دیا۔
"آئی ایم سوری۔ ویسے قصور آپ کا ہے مجھے کیا خبر تھی کہ......"
"یہ تصادم ہو گا۔" اس نے اس کا جملہ پورا کیا اور اس کے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے میز سے دوسرا ٹشو اٹھا لیا۔
"مس زنیرہ علی! قصور تو اب تک ہمارے ہی چلے آرہے ہیں آپ کو کب کوئی الزام دیا ہے۔"
اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا مگر دوسرے پل پلکوں کی گھنی باڑھ جھکا دی اور جانے کو پلٹی، تب وہ بولا۔

ٹھہرو۔ اب اتنی بھی بے قصور نہیں ہو یہ گیلا کر دو ذرا۔" اس نے اپنا رومال اس کی طرف ناچار اسے رومال لینا پڑا اور میز پر رکھے گلاس سے پانی انڈیل کر رومال گیلا کر کے اس کی بھا دیا۔
یہ داغ بھی اتنی جلدی جائیں گے نہیں۔ درد دل کی طرح ہیں، نشان تو رہیں گے کسک دیتے اینی وے۔ مجھے ایک کرتے کے ضائع ہونے کا قطعی غم نہیں ہے۔" اس نے رومال اس کی نازک نازک مومی انگلیاں بھی اپنی مضبوط انگلیوں میں جکڑ لیں۔
یرہ خان کو لگا اس کے ہاتھ نے انگاروں کو چھو لیا ہو۔
ہاں امیدوں، خواہشوں کے رائگاں جانے کا غم بہت برا ہوتا ہے۔ اس کا نقصان گوارا ہوگا۔ کیا خیال ہے؟" اس نے اپنی لو دیتی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔
اس نے جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا دل کی دھڑکنوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو
۔
مجھے خبر ہوتی کہ مجھے قریب دیکھ کر تم اس قدر خوش ہو کر حواس کھو دو گی تو میں احتیاطاً دور رہتا۔" اس نے دوسرے ٹشو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اسے بڑے کروفر سے دیکھا۔
شرمندہ تو پہلے ہی ہو رہی تھی اس فضول بکواس پر سلگ کر رہ گئی۔
"میرے لیے یہ کوئی باعثِ مسرت نہیں ہے۔ وہ لڑکی ہی آپ کی قربت پر خوش ہو سکتی اس نے گویا دل کا پھپھولا پھوڑ ہی ڈالا۔
اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ بے اختیار اس کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ اس نے ہونٹ بھینچ کر پھیلنے سے روک لیا۔
او تو یہ غم منایا جا رہا ہے۔"
ب وہ جتنا ماتم کرتی کم تھا۔ اس نے تو اسے شرمندہ کرنے کے لیے اس لڑکی کا حوالہ دیا تھا، سے ٹریپ کر کے شرمندہ کر گیا۔
میں بھلا کیوں غم مناؤں گی۔ میری بلا سے آپ ہزاروں لڑکیوں سے باتیں کریں۔" اس کی ہزار کوشش کے بھی اعتماد سے محروم رہی۔ اس نے پلکیں جھکا دیں اور اس کے سامنے سے جانا چاہا۔
ثنا احمد بہت اچھی لڑکی ہے۔ کم از کم اس میں منافقت بالکل نہیں ہے۔ یوں بھی مجھے سادہ کھ اور چھوٹے بالوں والی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ سنا ہے جن کے لمبے بال ہوتے ہیں وہ کم ہوتی ہیں۔"

اس نے اتنے اطمینان سے اس کا اطمینان غارت کر دیا۔ اس کھلی توہین پر اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ دل کو ایسا زبردست دھچکا لگا کہ وہ کچھ بول ہی نہ پائی۔

"آئی ایم سوری میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں تو ایک عام سی بات کر رہا تھا۔" اس نے اس کے پھیکے پڑتے چہرے پر نظر ڈالی اور کندھے اچکا کر دوسری طرف نکل گیا۔

وہ یکدم مضمحل اور شکستہ نظر آنے لگی۔

آخر یہ شخص اس کی زندگی میں اس قدر زہر کیوں گھولتا رہتا ہے۔

اسی جذبوں کی ساری نوخیز ندیاں اس سفاک انسان کے جانب بہنے لگی تھیں مگر وہ اپنا دامن سمیٹ کر پھر رہا تھا۔ تو کیا وہ سب بکواس اور دھوکا تھا جو آج تک دیتا آیا تھا۔

میری جانب اس کے بڑھتے قدم۔

وہ جنون۔ کیا وہ سب میری خوش فہمیاں تھیں یا اس کی جانب سے دھوکا تھا۔

اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

یہ شخص اسے اپنی سمجھ سے بالاتر لگنے لگا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا وہ اپنے اسی اعتماد کے ساتھ ثاقب بھائی سے باتیں کر رہا تھا، کسی بات پر اونچے قہقہے لگا رہا تھا۔

تم نیا زخم لگاؤ، تمہیں اس سے کیا ہے
بھرنے والے ہیں ابھی زخم پرانے کتنے

کھانے کا مرحلہ اختتام پذیر تھا۔ مہمان رخصت ہو رہے تھے اور شاہ پیلس کے لڑکوں نے شوشا چھوڑ دیا کہ سائرہ کی رخصتی آج ہی اور ابھی ہوگی۔

"ہوش میں تو ہو۔ اس طرح ہڑ کے میں رخصتی ہوگی۔ ہم نے مظفر بھائی سے صرف نکاح کی بات کی ہے۔" تائی اماں لڑکوں کو گھرکنے لگیں۔

"تو ٹھیک ہے اب رخصتی کی بات بھی کر لیجیے۔ اب سائرہ ہماری امانت ہے اس پر ہمارا اختیار ہے۔ مرضی ہے جب چاہیں لے جائیں۔" شاہ دل بھی میدان میں کودا۔ عورتیں سر پکڑ کر رہ گئیں۔ صباحت الگ حیران ہو رہی تھی۔

"دماغ خراب مت کرو تم لوگ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نہیں بھئی رخصتی ہم شان سے کریں گے۔ ابھی تو ہمارے کتنے مہمان شامل نہیں ہو سکے۔"

"او ہو امی وہ سارے مہمان ولیمہ میں تشریف لے آئیں گے۔" ثاقب بھائی غالب کو لائے اور وہ بیچارا خجل سا ہو رہا تھا۔

یہ معاملہ بڑے مسئلے میں بدل گیا تھا کوئی لڑکا اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ ہال کے اخلی دروازے پر عادل پہرہ لگا رہا تھا کہ سائرہ کو نکال کر نہ لے جائیں۔

"مجھے تو تم لوگوں کی ملی بھگت لگ رہی ہے۔ سارا کچھ سازش کے تحت کر رہے ہو۔" منجھلی چی نے سب کو گھور گھور کر دیکھا۔

کسی نے نبیل چچا اور کمال چچا کو بھی اطلاع کر دی۔ وہ مردانے سے دوڑے چلے آئے۔

"آپ دیکھیے ذرا باہر گاڑی کیسے شاندار طریقے سے سجی ہوئی ہے۔ اب خود سوچیے خالی دلہا ٹھ کر جائے گا تو کیا اچھا لگے گا۔ یہ ساری محنت ہی ہم نے دلہن کے لیے کرائی ہے بلکہ کمرہ تک جا رکھا ہے ہم نے۔" عمیر نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ سب ہکا بکا رہ گئے۔ لڑکیاں البتہ انجوائے کر رہی یں ان کی بھی خواہش تھی کہ سائرہ رخصت ہو کر شاہ پیلس آ جائے۔

"دیکھا...... دیکھا میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم لوگوں نے سازش کی ہے دیکھو ذرا کیا مسکین کھڑا ہے۔ سارا گیم اسی نے بنایا ہے۔ مجھے لگتا ہے۔" چچی غالب سے بولیں تو وہ ہنس پڑا۔

"میری کیا مجال چچی جان مجھے تو خود ابھی پتا چلا ہے یہ سارے میری مدد کرنے کو بے چین ہیں نیں شاید مجھ پر رحم آ گیا ہے اور سوچیں ذرا سائرہ نے اتنے خرچے کا میک اپ کروایا ہے بار بار رچہ ہو کیا فائدہ چچی۔" سب بے اختیار ہنسی کو نہ روک سکے۔

"زیادہ فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں چلو ہٹو پرے۔ صباحت بے چاری کا ہی خیال لو۔" چچی ڈپٹ کر بولیں۔

"کیا سمجھ رکھا ہے تم نے یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔" تائی اماں جھنجلا گئیں۔

"پھوپو آپ یہ بتائیے کہ آپ کو اعتراض ہے۔" ثاقب بھائی کافی دیر سے خاموش تھے۔ ب گویا ہوئے۔ صباحت بے چاری گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"ارے اس بے چاری کو یا ہمیں اعتراض نہیں ہے۔ سائرہ کے ابا مظفر اور ان کی اماں ایک امہ نہ کھڑا کر دیں۔ کیا سوچیں گی وہ کس قدر بدتہذیب لوگ ہیں ہم۔ اب آپ ہی سمجھائیے نا ڑکوں کو۔ توبہ کس قدر گستاخ اور ضدی ہو گئے ہیں۔ اونچے لمبے ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب عقل مند بھی ہو گئے ہیں کیا۔" زہرہ چچی ان سب پر بگڑیں آخر شوہر کی طرف مدد طلب نظریں یں۔

"بھئی سچ پوچھو تو میرا خیال ہے نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ کا نام لے کر تی کروا لیجیے۔ جب تیاریاں بھی مکمل ہیں تو پھر کس بات کا تردد۔" انہوں نے سر جھکا لیا۔ ئن سے نظریں چرا لیں اور ہنس پڑے۔ ان کی اس حمایت پر لڑکے "یاہو" کا نعرہ مارنے لگے۔

لڑکیاں بھی تالیاں پیٹنے لگیں۔

"واہ چچا جان کمال کردیا، چچا ہوں تو ایسے ہوں۔" لڑکوں کی خوشی قابلِ دید تھی۔

"چھوٹے میاں تو چھوٹے میاں بڑے میاں سبحان اللہ۔ کتنے آرام سے فرمادیا۔" تائی اماں دیور کو گھورنے لگیں "جاؤ ذرا جا کر مظفر اور اس کی اماں سے بات کر کے دیکھو۔" انہوں نے ڈرایا۔ صباحت مسکرادیں۔

اسی دم سدرہ بھابی کے ہمراہ مظفر شاہ اور ان کی اماں آتی نظر آئیں۔ پتا نہیں سدرہ انہیں کیا پٹی پڑھا کر لائی تھیں ان کے چہروں پر کوئی ناگوار تاثر نہیں تھا۔

"اب بھگتنا تم ہی۔ میں تو درمیان میں نہیں آؤں گی۔" صباحت ساس کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"بے فکر رہیے۔ اب چیز ہماری ہے ہمیں ہی اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرنی ہے۔ آپ اطمینان سے یہاں بیٹھ جائیے۔" شاہ دل نے یہ کہتے ہوئے انہیں کرسی پیش کی۔

"اے صباحت! یہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو ان کی خواہش میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ میں خود بھی اس بات کے حق میں ہوں کہ رخصتی آج ہی کردی جائے۔" دادی نے آتے ہی گویا خوشگوار دھماکا کیا۔ لڑکوں کے چہرے خاص کر غالب کا چہرہ تو چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگا۔ دادی کی کرسی کے پیچھے کھڑی سدرہ بھابی نے وکٹری کا نشان بنایا۔ انہوں نے ہی چپکے سے جاکر ان کو قائل کیا تھا۔

خواتین تو ساری ہکا بکا رہ گئیں۔

"دیکھو میں ہوں ذرا پرانے وقتوں کی۔ مجھے تو ہول اٹھتے رہیں گے جب تک میری بچی رخصت نہیں ہوگی۔ کیا خبر رئیسہ روڑے اٹکانے کی کوشش کرے۔ کیوں مظفر تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میری تو سمجھ میں نہیں آرہا جو آپ مناسب سمجھیں۔" مظفر شاہ حقیقت میں اپنا دماغ سخت ناکارہ محسوس کررہے تھے۔ سخت حالات نے ان کے اعصاب کی ساری طنابیں ڈھیلی کردی تھیں اور یوں بھی اب نکاح ہوچکا تھا۔ بیٹی پرائی ہوکر ان لوگوں کی امانت تھی۔ وہ اسے رخصت کرا کے لے جانے کے خواہش مند تھے تو کوئی ایسی معیوب یا اعتراض اٹھانے والی بات بھی نہ تھی۔

وہ تو غالب جیسے داماد کو پاکر بے حد مسرور تھے۔ انہیں لگ رہا تھا ان کی ساری تھکن ساری کلفت دور ہوگئی ہو۔ آج انہیں اپنے کندھے بے حد ہلکے پھلکے محسوس ہورہے تھے۔ سب کچھ عزت کے ساتھ اور خیرو خوبی کے ساتھ انجام پاگیا تھا۔ یہ سب اللہ کی کرم نوازی اور شاہ پیلس

والوں کی محبت اور ریاضت تھی۔ جنہوں نے انہیں کسی بھی قدم پر مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ تو رب العالمین کا جتنا شکر کرتے کم تھا۔

انھوں نے اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ دادی کی بھی یہی خواہش تھی۔

"میری طرف سے تو پوری اجازت ہے۔ خیر سے نکاح کے بعد بچی کو گھر بٹھائے رکھنا کچھ اچھی بات نہیں ہے۔ جس کی امانت ہے اسے سونپ دینا ہی بہتر ہے۔ نیک کام جتنی جلدی ہو جائے کرلینا چاہیے۔ میرے بچے کا فرض ادا ہوگیا میں تو بڑی خوش ہوں۔ ماشاءاللہ لاکھوں میں ایک ہے۔ مظفر کا داماد تو۔"

دادی غالب کو توصیفی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ "میری بچی بڑی صابر اور فرمانبردار ہے۔ کبھی حرفِ شکایت نہیں لائی زبان پر۔ بالکل اپنی ماں کا روپ ہے۔ میں ہی ناقدری تھی جو قدر نہ کی۔ پر آج کہتی ہوں میری بہو بھی ہیرا ہے اور میری یہ بچی بھی۔ خدا آپ لوگوں کو اجرِ عظیم دے جس نے ہمارے دکھوں کو سمیٹ لیا۔" دادی آبدیدہ ہوگئیں۔ سائرہ کو انہوں نے سینے سے لگایا اور اسے دعائیں دیتے ہوئے رو پڑیں۔ صباحت بھی بیٹی کی رخصتی کا سوچ کر غمگین ہوگئیں۔

بنو تیری ڈولی اٹھانے کوئی آگیا
بنو تیری سیج سجانے کوئی آ گیا

صباحت کی آنکھوں میں بھی خوشی اور جدائی کے آنسو لرز رہے تھے۔ مظفر شاہ نے بیٹی کو سینے سے لگایا تو انہیں لگا کہ وہ اپنی کل متاع آج شاہ پیلس والوں کے سپرد کررہے ہیں ان کا گھر بیٹی جیسی رحمت سے خالی ہوگیا ہے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ سیاہ ڈنر سوٹ میں اونچا لمبا غالب فتح کی خوشی کے احساس سے سرشار دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سسکیاں بھرتی سائرہ کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔ گو کہ اس کا چاند چہرہ دوپٹے کے گھونگٹ میں چھپا ہوا تھا مگر سڑ سڑ کی آوازیں آرہی تھیں۔ ایک طرف ساریہ آپی نے اسے سنبھالا دیا ہوا تھا۔

"یہ اتنے آنسو کیوں بہا رہی ہو خدانا خواستہ میں تمہیں اغوا کر کے تو نہیں لے جارہا۔ اتنے دھوم دھڑلے سے لے جارہا ہوں۔"

"اے مسٹر آگے بڑھو زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" ساریہ آپی نے اسے آگے دھکیلا۔

"کتنے گھنٹے اس پر آپ اپنا حق جماسکیں گی۔" اس نے وکٹری کا نشان بنا کر انہیں چھیڑا۔

گر آج اوج پر ہے طالع رقیب تو کیا غم
یہ چار دن کی جدائی تو کوئی بات نہیں

"ہاں ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی۔" بھابی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"تو مت اٹھائیے یہ تہمت بھی کس حکیم نے کہا ہے۔" شاہ دل نے برجستہ کہا۔ وہ کھسیا کر ہنس پڑیں۔

"تم بہت چہک رہے ہو۔"

"آخر اتنا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔"

وہ سب گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔

شاہ پیلس میں تو خوشیوں کی برات اتر آئی تھی۔ غالب کا کمرہ دیکھ کر لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ نیلی تو حیرت اور خوشی سے اچھل پڑی کمرہ اصلی گلابوں سے مہک رہا تھا۔ ہر رنگ گلاب ہی گلاب دکھائی دے رہے تھے۔

"کتنے چالاک ہیں یہ لڑکے، ہمیں بھنک تک نہیں پڑنے دی۔" رابعہ اپنی بے خبری پر سر دھننے لگی۔

"اگر آپ لوگوں کو بھنک پڑ جاتی تو رنگ میں بھنگ پڑ جاتا۔" عادل نے کہا۔

"سچی میرا دل تو باغ باغ ہو رہا ہے۔" نیلی ازحد جذباتی ہو رہی تھی۔

"زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری رخصتی عمل میں نہیں آ رہی۔ میں اپنا کمرہ دو من پھولوں سے سجاؤں گا۔ فکر مت کرو۔" عمیر کہیں نزدیک ہی کھڑا تھا سرگوشی کرنے لگا۔ نیلی کا منہ لال ہو گیا وہ خود میں سمٹ گئی۔

سائرہ کو کمرے میں بٹھا کر وہ سب باہر غالب کا راستہ روکے کھڑی تھیں۔

"دے دو یار غنڈہ ٹیکس ان غنڈیوں کو۔" عمیر نے غالب کے کندھے تھپکے۔ "کیا پتا اسلحہ ہو ان کے پاس۔"

"بکو مت۔ کوئی غنڈہ ٹیکس نہیں مانگ رہے یہ تو بہنوں کا حق ہے۔"

"مگر اتنی تو میری بہنیں نہیں ہیں۔" غالب ان سب کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

وہ سب چلائیں۔ "کیا ہم بہنیں نہیں ہیں تو کون ہیں۔ دیکھو، دیکھو آج کیسے آنکھیں پھیر رہے ہو۔" نیلی اس پر چڑھ دوڑی۔

"کام کروانے کے لیے ہم سب بہنیں ہو جائیں اور آج نیگ نکالنا ہے تو ہمیں دور پار کے رشتے دار بنا رہے ہو۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔"

"اب بہنوں کی ضرورت نہیں ہے اسے۔ اس کے سارے کام کرنے والی آ چکی ہے بلکہ وہ

اتنے پیار سے کرے گی کہ..." ثاقب بھائی جملہ ادھورا چھوڑ کر ہنسنے لگے۔

"توبہ توبہ کتنے کنجوس ہو رہے ہو۔ اتنی زبردست بیوی ملی ہے۔" فارحہ دانت کچکچا کر اسے گھورنے لگی۔

"ارے تم ایک پائی مت نکالو۔ ہم ابھی اور اسی وقت سائرہ کو کمرے سے نکال کر لے جاتے ہیں۔" سدرہ بھابی اسے ڈرانے کو کمرے کے اندر جانے لگیں کہ شاہ دل درمیان میں آ گیا۔

"آگ کا دریا پار کر کے اسے لے آئے ہیں۔ واہ اتنی آسانی سے آپ کو لے جانے دیں گے۔"

"تم سب بھی اس کنجوس کا ساتھ دے رہے ہو۔"

"دے دو یار غالب۔ ورنہ ٹلنے کی نہیں ہیں۔ ایسا کرو دو دو روپے دے دو سب کو۔" غالب نے دو دو روپے کے سکے نکالے۔

"لیجئے آپ بھی کیا یاد کریں گی کس سخی سے پالا پڑا ہے آج سب کچھ دان کر دینے کے موڈ میں ہوں۔"

"کیوں تنگ کر رہے ہو غالب۔" تائی اماں لڑکیوں کی طرف داری کرنے لگیں۔

"یہ دو دو روپے تم سائرہ کو منہ دکھائی میں دے دینا۔" ساریہ آپی جل کر بولیں۔

"تو جواباً خوبصورت تھپڑ ملے گا۔" تیمور کھلکھلایا۔

"اندر والوں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو، اس کے لیے تو بندے کی جان بھی حاضر ہے۔" غالب بڑے رومانٹک انداز میں بولا تو سب "اوئے اوئے" کر کے رہ گئے۔

پھر اس نے اپنا پورا والٹ نکال کر ساریہ آپی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"خوش ہو جائیے۔"

"چونیاں تو نہیں ہیں۔" سدرہ بھابی کو یقین نہیں آیا تھا۔

لڑکیاں سب والٹ پر جھپٹی تھیں۔

"آپ ایک طرف ہٹ کر حساب کتاب کیجئے۔ مجھ غریب پر رحم کیجئے اندر وہ سمجھ رہی ہو گی کہ کہیں راستے میں ہی پٹ تو نہیں گیا یا کہیں اغوا برائے تاوان ہو چکا ہے۔" غالب نے ان کو اپنے کمرے کے دروازے سے ہٹایا تو وہ ہنستی ہوئی مسرور سی ایک طرف ہٹ گئیں۔

"ایسے مہذب لٹیروں سے پہلی بار واسطہ پڑا ہے۔" اس نے جاتے جاتے ان پر چوٹ کی۔

"دعا کرنا پہلی اور آخری بار ہی ہو۔" شاہ دل نے کہا تو اس کا جاندار قہقہہ بکھر گیا۔

○☆○

کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
تو سمٹ گئی
وہ جو تیری چہار سو
وہ جو برف گھری تھی رو برو
وہ جو بے دلی تھی صدف صدف
وہ جو خاک اڑتی تھی ہر طرف
مگر اک نگاہ سے جل اٹھے
جو چراغ جاں تھے بجھے ہوئے
مگر اک سخن سے مہک اٹھے
میرے گلستاں، میرے آئینے
کسی خوش نظر کے حصار میں
کسی خوش قدم کے جوار میں
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
میرا سارا باغ ہرا ہوا

غالب کی آنکھوں میں سائرہ شاہ کو پا لینے کا احساس نشہ بن کر ہلکورے لے رہا تھا۔

وہ آج اس کے قریب تھی جسے چھونا تو کیا دیکھنا گناہ ہو گیا تھا آج وہ اس کی دسترس میں تھی۔ جسے دیکھ ہی نہیں چھو بھی سکتا تھا۔ اپنا تمام استحقاق استعمال کر سکتا تھا۔ اس کے سارے جملہ حقوق اس کے نام ہو چکے تھے۔

اور سائرہ شاہ اس کی بھرپور محبت کے گھنے شجر میں خود کو کس قدر مغرور، محفوظ اور سرشار محسوس کر رہی تھی۔ اس ساری بے یقینی کی دھند غالب کی خوبصورت باتوں سے چھٹتی جا رہی تھی۔ اس کے حسن میں صد رنگ نئی تابندگیاں جھلملانے لگی تھیں۔ غالب کہہ رہا تھا۔

”کل تک میں کس قدر مایوس، ناکام اور اداس تھا سائرہ۔ میری مایوسی، اداسی بے رحم محبت کی طرح تھی، میں خود کو ایسے دیئے کی طرح محسوس کر رہا تھا جو ہوا کے تھپیڑوں سے بجھتا جا رہا ہو۔ مگر آج تمہارا مہکتا وجود اس دیئے میں تیل ہی تیل ڈال گیا ہو۔ آج تم میرے سامنے ہو۔ میرے خوابوں کی صورت میں موجود ہو تو ایسا لگ رہا ہے دنیا روشنی سے منور ہو گئی ہو۔“

اس نے ایک سرخ گلاب اس کی طرف بڑھایا۔ ”میرا پورا وجود یونہی مہک رہا ہے اس گلاب کی طرح۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب تھامنا چاہا تو غالب نے اس کی خوبصورت انگلیاں اپنی مضبوط انگلیوں میں تھام لیں۔

دھنک کے کئی رنگ سائرہ کی آنکھوں میں اتر آئے۔

”غالب! آپ میرے لیے اس تابندہ ستارے کی طرح ہیں جس کی روشنی سے میں اپنا دل منور ہوتا محسوس کر رہی ہوں۔ آپ کا گلاب گلاب وجود ہی تو تھا جس نے میری ویرانیوں کو ہمیشہ مہکائے رکھا۔ آپ کی محبت کا نرم و شیریں احساس ہی تو تھا جس نے میرے دل کو آباد رکھا۔ مجھے کب گمان تھا کہ یوں میرے خالی ہاتھوں میں کوئی محبتوں کے گلاب پکڑا دے گا۔ میری بصارتوں میں رنگ ہی رنگ بھر دے گا۔“ اس کا لہجہ دھیما مگر جگمگاتا ہوا تھا۔ اس نے پلکیں اوپر اٹھائیں۔

غالب اسے محبت کی بے پناہ لطافت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مانوس دلفریب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جس کی روشنی نے سائرہ کی پلکوں کو جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”ہاں سائرہ کہتے ہیں کہ محبت کی آگ مختلف صورت اور انداز میں جنت سے اتری ہے لیکن اس کا نقش دنیا پر ایک ہی انسان کے دل کو منور کرنے والا محبت کا شعلہ ایسی بھڑکتی ہوئی مشعل ہے جو انسان کی راہوں کو منور کرنے کے لیے جنت سے اترا ہے۔ ہمیں اس مشعل کو ہمیشہ منور رکھنا ہے۔“

اس کے ہاتھ کے مہکتے حصار پر سائرہ شاہ نے اپنا نرم نازک ہاتھ رکھ کر خاموشی کی زبان میں یقین دلایا۔

○☆○

بساط جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب و روز یہ عقاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو روگ ہیں چھپے ہوئے ہیں جسم و جاں
تو یہ کس لیے
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا
یہ جو سنگ سا کوئی آ گرا ہے وجود میں
تو یہ کس لیے
یہ جو دل میں درد چھڑا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے

یہ جو پتلیوں میں عکس کوئی خفیف سا
سو یہ کب سے ہے
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا' انہیں کیا خبر
کسی راہ کے سی موڑ پر جو انہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

اس نے صحن میں پھیلتی ہوئی دھوپ کو دیکھا جو آہستہ آہستہ دیواروں سے ہوتی فرش پر بھی اترتی جا رہی تھی۔ ایسی ہی دھوپ اسے اپنے اندر بھی محسوس ہو رہی تھی۔ جس کی تپش شاہ دل نے اور بھی بڑھا دی۔

وہ بادام کے درخت کے نیچے ٹین کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس گھنے درخت کی چھاؤں میں ٹھنڈک کا احساس تھا۔

فرزانہ آپی گنگناتی ہاتھ میں چائے کے دو مگ تھامے اس کے پاس آ بیٹھیں اور اس کی جانب مگ بڑھا دیا۔

وہ اپنے خیالات سے نکل آئی اور تشکر کے ساتھ مگ تھام لیا۔ اسے اس وقت چائے کی شدت طلب ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے، بہت موڈ میں ہیں آپ۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"ارے موڈ میں ہم کب نہیں ہوتے ہیں۔ تم بتاؤ یہ تنہا اداس صورت بنا کر کیوں بیٹھی ہو۔ کیا روگ لگ گیا ہے جان کو پیاری۔" وہ اس کی طرف جھکیں۔ "پتا ہے احمر کیا کہہ رہا تھا اس دن؟"

"کیا کہہ رہا تھا؟" اس نے چونک پھر قدرے دلچسپی سے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا اپی زنیرہ جب خاموش اور اداس ہوتی ہے تو بالکل یونان کا کوئی مجسمہ دکھائی دیتی ہے مگر جب ہنستی ہے تو مونا لیزا بھی اس کے آگے پانی بھرتی ہے۔"

"بہت فضول بکنے لگا ہے احمر۔" وہ ہنسنے لگی۔

"اگر ابھی احمر دیکھ لے نا تمہارا یہ انار انار چہرہ تو پوری غزل لکھ مارے۔" فرزانہ آپی اس کے شرمسار چہرے کو دیکھ کر محظوظ ہو کر ہنس پڑیں۔

"اچھا تو موصوف شاعر ہو گئے ہیں پورے۔"

"نہ صرف شاعر بلکہ دیوانہ 'بے گانہ' فرزانہ۔"

"اب دواخانہ مت کہہ دیجئے گا۔" احمر اچانک نمودار ہوا۔ دونوں نے چونک کر اس کی دیکھا پھر ہنسنے لگیں۔

"ایسی بھری دوپہر میں میری غیبتیں ہو رہی تھیں کیا؟"

"ارے تمہاری خوبیاں گنوا رہی تھی میں۔" فرزانہ آپی جلدی سے بولیں۔

"بس جو ٹھہری۔ موجود ناموجود خوبیاں گنوا دیں۔" وہ پھر چہک کر بولی۔

"خیر خیر' ناموجود نہیں ہیں بقول شاعر۔

برا تو ہوں مگر کچھ خوبیاں بھی
ہوا کرتی ہیں شاید آدمی میں

وہ کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا اور زنیرہ کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر خود پینے لگا۔ وہ اسے نے لگی مگر زیادہ دیر نہ دیکھ سکی۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"امی تمہیں یاد فرما رہی ہیں' کہہ رہی تھیں زنیرہ فارغ ہو لے تو کہنا میرے پاس آئے۔"

"ارے ہاں' میں بھی بھول گئی۔ امی کو کچھ خاص الخاص باتیں کرنی ہیں تم سے' شاید بڑی بے تھیں۔ تم شادی وغیرہ میں مصروف تھیں نا۔" فرزانہ آپی بھی یاد آنے پر بولیں۔ زنیرہ اپنی سے کھڑی ہو گئی۔

"آپ لوگوں نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"خیر اب اتنی بے چین بھی نہیں ہیں' آرام سے مل لینا۔ ابھی تو بیٹھو۔" احمر نے اس کا ہاتھ اسے دوبارہ کرسی پر گرا دیا۔

"یہ تم دونوں کو اتنی سڑی دھوپ میں بیٹھنے کا خیال کیونکر آ گیا۔ سنا ہے لڑکیاں تو رنگ کالا ہو کے ڈر سے دھوپ سے یوں بھاگتی ہیں جیسے چوہا بلی سے۔" احمر منہ بنا کر بولا "میرا خیال ہے اپنے رنگ کے معاملے میں زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔"

"اس میں کوئی شک بھی نہیں۔" فرزانہ آپی نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

"جگہیں تو ہمارے بیٹھنے کو بہت ہیں۔ مسٹر احمر' مگر اس سے زیادہ ٹھنڈی اور پرسکون جگہ اور نہیں تھی۔" زنیرہ نے گویا اسے چڑایا۔ وہ حقیقتاً اطراف میں بکھری ہوئی دھوپ سے بے کھائی دے رہا تھا۔ اس بات پر اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ وہ ہنس پڑی۔

بڑی بے ساختہ اور مدھر ہنسی تھی۔ احمر کو لگا جیسے دھوپ میں یکلخت ٹھنڈک اتر آئی ہو۔ ہر پھوار برسنے لگی ہو۔

ہولے سے مسکراؤ تو موتی برس پڑیں
پلکیں اٹھا کے دیکھو تو کلیاں بھی ہنس پڑیں
خوشبو تمہاری زلف کی پھولوں سے کم نہیں

وہ بڑے موڈ سے گنگنانے لگا۔ فرزانہ آپی تالیاں پیٹنے لگیں۔

"اوہو بند کریں نا یہ۔" زنیرہ نے پیڑ کی ایک شاخ توڑ کر احمر کو دے ماری۔

"تم بادشاہ حسن، ہو حسنِ جہان ہو۔"

"گاتے رہو مجھے کیا ہے چلتی ہوں۔" وہ دونوں بہن بھائیوں کو خشمگیں نظروں سے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے رے رکو تو زنی۔" فرزانہ آپی نے اسے روکنا چاہا مگر وہ بھاگ گئی۔

وہ دونوں بے اختیار کھل کھلا پڑے۔

وہ چچی کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اپنے بستر پر دراز تھیں تاہم جاگ رہی تھیں اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھیں۔

"آپ سو رہی تھیں۔"

"نہیں، جاگ رہی ہوں آؤ اندر آ جاؤ۔ ابھی فرزانہ چائے دے گئی ہے اب کہاں نیند، عصر کی اذان بھی ہونے والی ہے۔" انہوں نے پاؤں سمیٹ کر اس کے لیے اپنے قریب جگہ بنائی، وہ ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"سارے فنکشن کیسے رہے مزا آیا تمہیں؟" وہ سائرہ اور غالب کی شادی کی بابت پوچھ رہی تھیں۔

"ارے بہت مزا آیا۔ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا کہ خوشیاں دوچند ہو گئیں۔ بہت خوش ہیں سائرہ اور غالب۔"

"ہاں بس انسان اپنی سی کرتے ہیں مگر خدا کو اپنی سی کرنا منظور ہوتا ہے۔ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں بھلا بتاؤ لڑکے یا لڑکی کو گمان بھی گزرا ہو گا کہ ایسا سب کچھ ہو جائے گا۔ لڑکے کی شادی ابھی تو دور دور تک پتا نہیں تھا اور اسی دن جھٹ پٹ خیر سے بیاہ ہو گیا۔" چچی ہنس کر بولیں۔

زنیرہ غالب کا تصور کر کے مسکرانے لگی۔

"شاہ پیلس والے ماشاءاللہ بہت اچھے، بہت محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ تم تو بالکل ان کے گھر کی فرد ہو گئی ہو۔" چچی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میں تو ان لوگوں کی بڑی شکر گزار ہوں۔ آپ کو کچھ ضروری بات کرنی تھی، فرزانہ آپی کہہ رہی تھیں۔" اس نے انہیں یاد دلایا تو وہ ایک گہری سانس بھر کر کچھ سے اس کی طرف دیکھنے

پھر بولیں۔

"ہاں، ٹھنڈے دل سے سنو، یہ وقت ہر لڑکی پر آتا ہے آج تمہاری ماں ہوتیں تو وہ تم سے ر رہی ہوتیں۔"

زنیرہ نے چونک کر ان کو دیکھا۔

"میں..... سمجھی نہیں چچی جان، کیا بات ہے؟" وہ اس تمہید پر کچھ خوفزدہ دکھائی دینے لگی۔

"گھبراؤ مت، میں تو خوشی کی بات کہنے والی ہوں۔" انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ

"شاہ دل کی والدہ ہیں نا زہرہ بیگم وہ اپنے بیٹے شاہ دل کے لیے تمہارے رشتے کی بات کر گئی مجھ سے۔"

"جی..... ی....." وہ دم بخود رہ گئی۔ چچی کے لہجے میں اتھاہ اطمینان تھا مگر اس کے دل کی دنیا کو ں نے گویا ہلا ڈالا تھا۔

یہ ایک دھماکا ہی تھا۔ اس کے اعصاب سن ہو گئے۔

"بہت چاؤ سے کہہ گئی ہیں۔ میں نے کہہ دیا میں زنیرہ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں بے شک وہ میری بچی ہے اور میں اس کی ماں کی جگہ ہوں مگر..... یہ حق تو اسے شریعت نے ہے میں یا تمہارے چچا اپنے فیصلے صادر کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ تم خوب سوچو، غور کرو، جلدی نہیں ہے بیٹی اور ہاں۔" وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر اپنی بول رہی تھیں پھر ذرا رکیں۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ "میری اور تمہارے چچا کی یہ بھی خواہش ہے تم ی بہو بنو۔ احمر سے تمہاری شادی ہو۔"

زنیرہ کے اعصاب پر یہ دوسرا جھٹکا لگا تھا اس کا تحیر تو ابھی شاہ دل کے پروپوزل پر ہی ختم نہ ہوا اس کی حالت تو ابھی سنبھلی نہیں تھی کہ انہوں نے دوسرا دھماکا کر دیا۔

احمر.....

شاہ دل.....

نام..... دو چہرے..... اس کے چشمِ تصور میں بنے اور مٹنے لگے۔

اسے یکدم چکر آ گیا۔

"زنیرہ۔" چچی جان نے اسے جلدی سے شانوں سے تھاما تو اس نے ان کا ہاتھ اپنے یخ بستہ تے ہاتھوں میں دبا لیا۔

٭٭٭

اس نے بدقت خود کو سنبھالا اور چچی کی طرف دیکھا جو تشویش بھری نگاہوں سے اسے ہی

دیکھ رہی تھیں۔ وہ زبردستی مسکرانے لگی۔

"میں تو ڈر ہی گئی۔ جانے کیا ہو گیا تمہیں یک دم۔" اس کی مسکراہٹ نے چچی کے حواس بحال کیے۔

"بس یونہی ذرا سا چکر آ گیا۔" وہ ان کے پاس کھڑی ہو گئی۔

بظاہر تو اس نے خود کو سنبھال لیا تھا مگر جو دھماکے چچی جان نے کیے تھے اس سے اس کے دل کی ہستی اب تک ابتر تھی۔ وہ یقین، بے یقینی کی کیفیت میں جیسے ٹھہر ٹھہر کر سانس لے رہی تھی۔

"زنیرہ بیٹی، تم فیصلہ کرنے میں آزاد ہو۔ تم پر کوئی جبر نہیں ہے یہ مت سمجھنا کہ احمر کے رشتے پر زور دیں گے تمہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے کوئی کھیل مذاق نہیں ہے۔ ہاں تم مجھ سے صلاح مشورہ ضرور کر سکتی ہو اور جو بھی فیصلہ کرو مجھے بلا جھجک بتا دینا بیٹا۔ میں اور تمہارے چچا تمہیں خوش باش دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم اپنے گھر بار کی ہو جاؤ مجھے بڑی آسودگی ملے گی۔ تمہاری ماں کے سامنے میں عزت سے سر اٹھا تو سکوں گی۔"

وہ دیوار کی جانب رخ کیے چپ چاپ سنتی رہی۔ اس کی قوتِ گویائی جیسے سلب ہو گئی تھی یا پھر کہنے کو کچھ الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

ایسا وقت بھی آئے گا۔

اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا۔

اور گمان میں تو یہ بھی نہیں تھا کہ شاہ دل اسے پرپوز کرے گا۔

ابھی کل تک اس کے رویوں سے دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ کس بری طرح نظرانداز کیا تھا اسے اپنی ساری ہستی بے معنی دکھائی دینے لگی تھی۔

"تم سن رہی ہو نا میری بات زنیرہ؟" اس کی مسلسل خاموشی پر چچی کو تشویش ہونے لگی۔ وہ پلٹی۔

"جی۔ میں سوچ کر جواب دے دوں گی آپ کو۔" اس نے یہ کہتے ہوئے اپنی نظریں جھکا دیں۔

"ہاں خوب سوچ لو بیٹا۔ یہ معاملے بڑے نازک ہوتے ہیں اور خاص کر عورت ذات کے لیے تو شادی جوا ہوتی ہے۔ جیت گئی تو سکھ ہی سکھ اور ہار گئی تو.... خیر۔ خدا رحم کرے، کوئی برے رشتے نہیں ہیں تمہارے لیے۔ شاہ پیلس والوں کو احمر ذاتی طور پر اچھی طرح جانتا ہے بڑے اچھے لوگ ہیں۔ خاندانی، مذہبی اور مہذب اور احمر.... وہ تو تمہاری نظر میں ہے ہی نا۔ دیکھا بھالا۔ بس بیٹا ہم تو تمہار آسودگی اور خوشی چاہتے ہیں۔" چچی کے لہجے میں اس کے لیے شفقت تھی، ملائمت

محبت تھی۔

"اور ہاں سنو۔" وہ کمرے سے جانے لگی تو انہوں نے کچھ سوچ کر اسے روکا۔

"تمہیں بہو بنانے کی خواہش صرف میری یا تمہارے چچا کی ہی نہیں ہے احمر کی بھی رضا ہے۔"

اس کا دل عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گیا۔ پلکیں جھک گئیں۔ پتا نہیں کیوں دل پر بھاری آ گیا۔

"اب تم جاؤ بیٹا۔" انہوں نے ملائمت سے کہا تو وہ بے آواز کمرے سے نکل گئی۔

○☆○

بڑی امید تھی کارِ جہاں میں دل سے مگر
اسے تو تیری طلب میں خراب ہونا تھا

سائرہ نے اپنے گیلے بالوں پر برش چلاتے ہوئے ذرا سا رخ موڑ کر دیکھا۔ غالب اسے ہی دیکھ کر پھر یکدم ہنس پڑا۔

"لگتا ہے شاعر بچارے نے میرے حالات کو دیکھ کر یہ شعر کہا ہو گا۔"

"تو کس حکیم نے کہا تھا۔ میری طلب میں خوار ہونے کو۔" وہ چہرہ اس کی پرشوق نظروں سے آئینے کی طرف منہ کرتے ہوئے بولی۔

غالب چلتا ہوا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"یقیناً کسی حکیم نے مشورہ دیا تھا اور مجرب نسخہ بتا رہا تھا میری تمام تر دلی، ذہنی بیماریوں، بے ل کا علاج معجون مورنجان، سائرہ شاہ ہے۔ گو کہ کڑوا کڑوا ہو گا مگر آپ کے سکون اور ب کے لیے اکسیر ہے۔"

سائرہ امڈنے والی بے اختیار ہنسی کو نہ روک سکی۔

"افوہ۔ آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" وہ اس کی قربت سے گھبرا کر کرسی سے کھڑی ہو گئی ب نے اس کا راستہ روک لیا۔

بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

"جناب ہم تو یہ سوچ کر بازی لگاتے ہیں اور اب کیا کہیں کہ جیت بھی گئے اور ہارے بھی۔" ے اس کی سمت جھکا۔ "ہارا تمہارے سامنے ہوں اور جیتا دنیا کے سامنے۔ کیوں بدنام کر۔ مجھے تو تم نے سراپا جیت لیا ہے۔"

"پلیز راستہ دیجئے دروازے پر دستک ہو رہی ہے۔" اس نے غالب توجہ دروازے کی طرف مبذول کرائی جہاں کوئی دستک دے رہا تھا۔

"تمہارے دل پر جو گھنٹہ بھر سے دستک دے رہا ہوں۔ وہ سنائی نہیں دے رہی تمہیں۔" ہنوز اسی کیفیت میں تھا اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ حالانکہ اب باقاعدہ دروازہ پیٹا جا رہا تھا اور پیٹنے والی نیلی جواب بڑبڑا رہی تھی۔

"کیا اندر موجود روحیں زندہ ہیں یا انتقال پر ملال ہو گئی ہیں؟"

غالب نے رخ موڑ کر دروازے کو گھورا اور بحالتِ مجبوری دروازہ کھول دیا۔

"شکر ہے زندہ ہو۔ میں تو سمجھی فوت ہو گئے ہو۔" نیلی اندر داخل ہوئی۔

"فوت ہی ہوتے ہوتے بچ گیا۔" اس نے پھر بہکی نظر سائرہ کے شفاف نکھرے چہرے پر ڈالی۔ ویسے جس طریقے سے تم دروازہ پیٹ رہی تھیں اس سے تو ہم مردہ ہوتے تب بھی زندہ ہو جاتے۔ تم شاید قبر کا دروازہ سمجھ کر ہی بجا رہی تھیں۔"

"یہی سمجھ لو اگر ترنم سے بجاتیں تو مجھے یقین تھا کھلنے کا نہیں تھا۔ سارہ آپی کے دس فون آ چکے ہیں کہ کب آپ کی سواری بادِ بہاری روانہ ہو رہی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"گرین لینڈ' میرا مطلب ہے گرینڈ پیلس۔ ان کی ساس کہیں گی کس قدر سست لوگ ہیں بہو کے میکے والے۔" نیلی جو شروع ہوئی تو غالب نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی نان اسٹاپ زبان کو روکا۔

"تھوڑا سانس بھی لے لو۔"

"وقت نہیں ہے سانس وانس لینے کا۔ اب اکٹھے ہی لوں گی۔" اس نے غالب کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹایا۔

"آ۔ چھا۔ وہ بھلا کون سا دن ہو گا۔"

"جب عمیر برات لے کر آئے گا۔" تیمور کی آواز پیچھے سے ابھری۔ غالب اپنا برجستہ قہقہہ نہ روک سکا۔ سائرہ بھی غالب کا پریس شدہ سوٹ الماری سے نکالتے ہوئے نیلی کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر ہنس پڑی۔

"اوہ۔ ایک تو اس گھر میں مسخروں کی کمی نہیں ہے ہر بات کو مذاق کا روپ دے دیتے ہیں۔" وہ جزبز ہو کر رہ گئی تھی۔

"یہ مذاق کی بات نہیں ہے سسٹر۔ پوچھ لو سائرہ کو' سائرہ تم نے کب سکھ کا سانس لیا تھا۔" غالب کو نیلی کو زچ کرنے میں مزا آ رہا تھا۔

"جب غالب خان سہرا باندھے گھوڑی چڑھے آئے تھے۔" تیمور نے بھی اس کا بھرپور ساتھ

سائرہ کیا جواب دیتی بس مسکراتی رہی۔ یوں بھی اسے تھوڑے دن ہی ہوئے تھے اس نئے
سے آئے شاہ پیلس میں۔ سب سے ہی شرم آئے جا رہی تھی۔ اس پر غالب کا بے باک
اور سب کی چھیڑ چھاڑ۔ وہ تو بچاری دامن بچاتی پھر رہی تھی۔

"گھوڑی تو راستے میں ہی فوت ہو گئی تھی پھر گاڑی میں آنا پڑا تھا۔ تیمور کی بات پر غالب نے دھپ رسید کی۔

"سائرہ! تم تیار ہو کر باہر آ جاؤ۔ ان لوگوں کو فضول بکنے جھکنے دو۔ تائی اماں کی ڈانٹ پر خود ہی جائیں گے۔" نیلی جھلس کر رہ گئی تھی۔ وہ دونوں مستقل غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"مائی ڈیر سسٹر! یہ اکیلی تو جا نہیں سکتی۔ اب تو انہیں ہر جگہ' ہر وقت میرے پاسپورٹ کی ت رہے گی۔"

"نری خوش فہمی ہے۔ بہت سی جگہیں ایسی ہیں جناب جہاں پر آپ کے پاسپورٹ کی ت پیش نہیں آئے گی۔" نیلی فخر سے ہنسی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پوچھ لو اس سے۔ میری اجازت کے دستخط اشد ضروری ہیں۔"

"بس بھی کریں۔ یہ لیجئے اور جلدی کیجئے۔" سائرہ کو شاید نیلی پر رحم آ گیا یا پھر اسے بھی وقت کا احساس ہونے لگا۔ اس نے غالب کے ہاتھ میں ہینگر سمت سوٹ تھما کر باتھ روم کا راستہ

آج سارہ آپی کے جیٹھ کے بیٹے کا عقیقہ تھا.... سب ہی تقریباً تیار ہو کر روانہ ہونے تھے۔ بس غالب کا انتظار تھا جو سب کو زچ کر کے مزا اٹھا رہا تھا۔

"امی جان! چند دن ہی تو بندہ وی آئی پی رہتا ہے اس کا فائدہ اٹھا لینے دیجئے۔" وہ اسپرے کرتا ل روم میں آیا اور مسکراتی تائی اماں کی طرف اسپرے کا رخ کیا وہ بدک کر پیچھے ہٹیں۔

"ڑکے اب سدھر جاؤ۔ میں تو سمجھ رہی تھی شادی کے بعد کچھ عقل آ جائے گی تمہیں مگر تم تو زبے مہار ہو گئے ہو۔" انہوں نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

"کیا نکاح کے کاغذات کے ساتھ قاضی عقل داڑھ بھی دیتا ہے کہ شادی ہوئی اور عقل
" تیمور بولے بنا نہ رہ سکا۔ لونگ روم میں کھلکھلاہٹیں اڈنے لگیں۔

"بھئی جس کے پاس جو چیز ہے ہی نہیں وہ کیسے آ سکتی ہے۔" شاہ دل نے کہا تو غالب نے ی بوتل اس کی جانب اچھال دی جسے اس نے جلدی سے کیچ کر لیا۔

"ساری عقل تو آپ نے اپنے کھاتے میں ڈالوالی تھی۔ کسی اور فرد کے لیے کہاں چھوڑی تھی شہزادہ عقل سلیم۔" جواباً شاہ دل کا قہقہہ گونج کر رہ گیا۔

"اب چلو بچو! پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔" منجھلی چچی نے گزرتے وقت کا احساس دلایا "یہ سائرہ کہاں رہ گئی؟" انہوں نے ادھرادھر دیکھا۔ "کیا جوڑا پہنا ہے آج اس نے؟ بچاری شرمائی شرمائی رہتی ہے۔ جیسے ہم سب اجنبی ہوں۔ نیلی، رابعہ تم دونوں نے اس کی مدد کی تھی یا نہیں۔ کپڑوں کی چوائس میں؟"

"میں جو موجود ہوں۔ چچی خانم پھر اتنی دوسری رقیبوں اور کباب میں ہڈیوں کی کیا ضرورت ہے۔" غالب کھنکار کر شرارت سے بولا۔ سائرہ، سدرہ بھابی کے ساتھ لونگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ذرا سا جھینپ گئی۔

"آج اس نے غالب کی چوائس کا ہی سوٹ زیب تن کیا تھا۔ سبز اور میرون کلیوں والے کرتے پاجامہ اور بڑے سے کامدار دوپٹے میں، ہلکی جیولری اور میک اپ کے ساتھ وہ بے حد دلکش دکھائی دے رہی تھی۔

"بہت بے شرم ہوگئے ہو۔ سائرہ اسے اب لگا میں تم ہی ڈالو۔" چچی ہنس کر بولیں پھر ماشااللہ کہہ کر اسے خود سے لگالیا۔

"ارے چچی۔ ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی۔" وہ گویا بلبلا کر بولا تھا۔

○☆○

رات منجھلی چچی اپنی جٹھانی (تائی اماں) کے پاس بیٹھی اپنے دل کا سارا بوجھ اتار کر خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔

"بھابی! آپ مناسب وقت دیکھ کر شاہ سے بات کر ڈالیے گا نا۔ آپ کے سامنے تو وہ اف بھی نہیں کرے گا۔" انہوں نے گویا التجا کی۔ تائی اماں پیشانی پر انگلیاں پھیر رہی تھیں یہ انکشاف ان کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

واقعات اور ان حالات کا تو تصور بھی نہیں تھا ان کے پاس اور شاہ دل جیسا مہذب، سلجھا ہوا لڑکا... ایسا کچھ کر سکتا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

"میں بات کروں، تم کیوں نہیں۔ تم تو ماں ہو اس کی۔ پورا حق رکھتی ہو اس پر۔ لو دیکھو ذرا اتنا پال پوس کر بڑا کیا ہے اسے ماں سے ڈرنا چاہیے۔ الٹا تم اس کے غصے سے پریشان ہو رہی ہو۔"

"وہ غالب جیسا نہیں ہے۔ بہت ضدی اور خود سر ہے۔" چچی کی آواز پست تھی۔ تائی اماں نے ان کے کندھے پر تھپکی دی۔

"اتنا جب کر ہی لیا ہے تو تھوڑی اور ہمت رکھو۔ میں تو کہتی ہوں زنیرہ تو ہیرا ہے جو قسمت والا ہوگا اس کے بخت میں لکھا جائے گا۔ وہ تو نگوڑا، نرا احمق ہے۔ کیا اس ضد میں ہم اتنی پیاری لڑکی کو کھو دیں اور پھر اس نے جو کچھ کیا، وہ ایک شریف خاندانی لڑکی کو زیب دیتا تھا۔ تم نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا تو میں اتنا انتظار ہی کیوں کرتی۔ تب ہی اس کے نکیل ڈال چکی ہوتی۔ بہت ہی اچھا کیا تم نے جو زنیرہ کی چچی سے رشتے کی بات کر ڈالی۔ وہ پاگل لڑکا جب اسے پسند کرتا ہے تو پھر اس کے انکار پر مت جاؤ۔ کیوں سدرہ۔ وہ زنیرہ کو پسند تو کرتا ہے نا؟" تائی ماں نے طوبیٰ کے فراک کے بٹن لگاتی سدرہ بھابی کی طرف دیکھا تو انہوں نے اعتماد سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں، مگر بس یہی ہے نا کہ اپنی انا کے تخت سے نیچے اترنے کو دونوں میں سے کوئی تیار نہیں ہے۔"

"انا تو، بڑی خراب چیز ہے۔ سکھ کی دشمن اور محبت کے درمیان آجائے تو ساری خوشیاں نگل جاتی ہے۔ اس لڑکے کو اگر اب عقل نہیں آئے گی تو کب آئے گی۔ اچھا یہ بتاؤ زنیرہ کی ماں کیا کہتی ہیں؟"

"انہوں نے تو بس یہی کہا ہے نا زنیرہ کا اپنا فیصلہ آخری ہوگا۔ جو اس کی رضا ہوگی وہی ہماری......"

"مگر؟" تائی ماں نے چچی کی طرف دیکھا جو پریشان دکھائی دینے لگی تھیں۔ سدرہ بھابی نے ان کے لفظ "مگر" پر انہیں دیکھا۔

"زنیرہ اتنے عرصے بعد اپنے چچا، چچی سے ملی ہے اور وہ اب اس سے بہت محبت کرنے لگے ہیں وہ بہت خوش بھی ہیں اس گھر میں۔ ہو سکتا ہے وہ اسے اب چھوڑنا نہ چاہے اور عمر بھر وہیں رہنے کو ترجیح دے۔"

"ایں۔ تو کیا شادی نہیں کرے گی؟" تائی اماں کو اچنبھا سا ہوا۔

"شادی تو کرے گی مگر ہو سکتا ہے اپنے کزن احمر سے کر لے۔ اس کی چچی کی بھی یہی خواہش ہے اور میرا خیال ہے وہ لڑکا خود بھی یہی چاہتا ہے۔ ظاہر ہے اتنی پیاری لڑکی کی کون آرزو نہ کرے گا۔" چچی کا لہجہ بڑا دھیما اور ملول سا تھا۔ سدرہ بھابی کے دل پر دھم سے جیسے کوئی بوجھ آن گرا۔ ان کے تصور کے پردے پر وہ منظر لہرا گیا۔ جب زنیرہ بائیک پر احمر کے ہمراہ جا رہی تھی اور شاہ دل نے بری طرح ہرٹ ہو کر رش انداز میں گاڑی گھر کی جانب موڑ دی تھی۔

ان کے اندر کچھ ہونے لگا۔

"تم دل چھوٹا مت کرو۔" تائی اماں چچی کو تسلی دینے لگیں۔

"دیکھو تم بھی جانتی ہو جوڑے آسمانوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ تم یا میں اپنی سی کوشش کر سکتے ہیں تقدیر کے لکھے کو مٹا نہیں سکتے مگر مایوسی بھی کفر ہے۔ ہو سکتا ہے زنیرہ شاہ دل کے نصیب کا تارہ ہو۔"

"خدا کرے۔"

"آپ چلیں گی نا میرے ساتھ زنیرہ کے یہاں۔"

"بڑی بے صبری ہو رہی ہو تم۔ تمہیں کل ہی جواب تھوڑی دے دیں گی۔" تائی اماں ہنس پڑیں۔

"جواب نہ سہی۔ کچھ تو تسلی ہو جائے میری۔"

"اچھا تم نے نبیل سے بات کی؟" تائی ماں سوچ کر بولیں۔

"جی۔ وہ تو بڑے خوش ہیں میرے اس کارنامے پر۔ کہہ رہے تھے تمہیں یہ کام تو بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ دیکھیں ذرا' انہیں تو بس مذاق کی رہتی ہے ہر وقت کیا جانتے نہیں ہیں اپنے بیٹے کو۔ ضد میں آگیا تو نقصان بھی اٹھالے گا۔ بس بھابی میں تو اس لڑکے کی طرف سے فکر مند ہوں۔ سمجھ نہیں آتی وہ چاہتا کیا ہے۔ ایک طرف زنیرہ کا خواہش مند بھی ہے دوسری طرف شادی سے مسلسل انکاری بھی مگر اب تو سوچ ہی لیا ہے اپنی چلا کر رہوں گی۔ ہاں کرے یا ناں۔ میں تو زنیرہ کو انگوٹھی پہنا آؤں گی۔" چچی کے چہرے پر عزم ہلکورے لینے لگا۔

"ہمت نسواں مدد خدا۔ بس چچی خانم۔ یہی عزم رکھیے گا ذرا بھی ڈگمگایئے گا مت۔ اللہ کے بعد ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔" سدرہ بھابی چچی کے شانے پر تھپکی دی تائی اماں بھی ہنس دیں۔

○☆○

وہ اپنی تمام تر حیرانگیاں سمیٹے اب سوچ کر مسرور ہو رہی تھی کہ شاہ دل نے پرپوزل بھیج کر اس کی جانب صلح کا ہاتھ بڑھادیا ہے۔

اور ایسا تھا کہ اب اس میں بھی انا کا دم بھرنے کی سکت نہ رہی تھی۔

ٹوٹ تو وہ بہت پہلے چکی تھی اس شخص کے مسلسل جملوں سے۔ اپنے بچاؤ کے ہتھیار بھی اس نے چپکے سے پھینک دیے تھے کہ اس میں مزاحمت کی طاقت نہ رہی تھی۔

شاہ دل کی محبت کی جڑیں اس کی رگ رگ میں پھیل چکی تھیں۔

اس کی محبت کوئی حوض کا ٹھہرا ہوا پانی نہ تھا بلکہ تند اور رواں دریا جس میں وہ بہہ گئی۔

اس نے ایک سرشاری سی کیفیت میں آنکھیں موند کر پلنگ کی پشت پر سر ٹکالیا۔

میری آرزو میں جیئے گا وہ
مجھے کب تھا اس کا گمان بھی
تیری چشم خوش کی پناہ میں
میرے خواب بھی میرا مان بھی

چچی نے کہا تھا فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔ اب انہیں کیا بتاتی کہ فیصلہ تو اس کی زندگی کا اس روز ہو گیا تھا جب اس کی مسلسل نظراندازی' بے گانگی کے باوجود وہ شخص اس کی ہر ہر راہ میں آیا تھا۔ فیصلہ تو اسی دن ہو چکا تھا جب اس نے شدت سے 'غصے سے اسے اپنی ثابت قدمی اور استقلال کا رعب دکھایا تھا۔ کئی بیتے پل اس کی چشم خوش میں لہرانے لگے۔

خوشبو سے مہکتے۔

خوف کے۔

شرم کے غصے سے بھرے۔

کتنے روپ بدل کر وہ شخص اس کے سامنے آتا رہا تھا اور ہر ہر روپ میں اس نے اس کے دل کو لوٹا تھا۔ وہ تنکے کی طرح اس کے پرشور جذبوں کی روانی میں بہتی رہی تھی۔ کتنا اچھا لگتا تھا ان موجوں میں بہتے رہنا۔

یا چاہے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس 'مسرور کن اور فخر انگیز ہوتا ہے۔

عورت ذات اس میں ہی مسرور ہوتی ہے جب اس کے اندر کی عورت کو کوئی دریافت کر لے۔

وہ چھپتی پھرے اور کوئی اسے ڈھونڈ لے۔

اس کے جذبوں کی مہک کو ڈھونڈ کر اس کے سامنے لے آئے۔

اس کے نقابوں کی تہوں کو کھول کھول کر اس کے چھپے جذبوں کو اس کے سامنے آشکار کر دے۔

اور وہ شاہ دل ہی تھا جس نے اس کے دل کے شجر میں اس کی کونپل کی مہک کو ڈھونڈ لیا تھا۔ وہ خود سے بھی چھپائے پھر رہی تھی۔

وہ بیڈ سے اتر کر ٹہلنے لگی پھر کھڑکی کھول کر کھڑی ہو گئی۔

"میں اتنی بڑی شکست کے بعد تمہارا سامنا کیسے کروں گی۔ شاہ دل۔" وہ جیسے خیال میں اس سے مخاطب تھی۔ اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھیں جن میں دکھ کے ملال کا شائبہ

تک نہ تھا۔"

"تم کسی فاتح کی طرح اترائے اترائے پھرو گے اور میں۔" وہ سوچتے سوچتے ہنس پڑی۔

بھلا یہ بھی کوئی شکست ہے۔ جس میں دل کی بستی میں رنگ ہی رنگ پھیلے ہیں، جس میں سب کچھ پا لینے کا احساس خوشبو بن کر مہک رہا ہے، جس میں ملال یا پچھتاوا نہیں بلکہ سرشار کر دینے والی خوشی مہک رہی ہے۔

مجھے یہ مست رنگوں جیسی شکست قبول ہے شاہ دل۔

○☆○

صبح طلوع ہوئی تو زنیرہ کو ایسا لگا جیسے اس سے پہلے کبھی صبح طلوع نہ ہوئی ہو۔ سورج کی سنہری کرنوں میں عجیب سی جاذبیت تھی، انوکھی تازگی تھی، شگفتگی تھی۔ وہ بڑے فریش موڈ میں تھی بار بار لب گنگنا اٹھتے تھے۔

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

احمر نے کئی بار اسے چونک کر دیکھا تھا۔ فرزانہ آپی نے بھی اس کی طبیعت کی تازگی کو بارہا محسوس کیا۔

"کیا بات ہے ایسا کون سا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے؟" احمر سے رہا نہ گیا۔

وہ کچن میں گنگناتے ہوئے چائے کے برتن دھو رہی تھی۔ جب احمر کی آواز عین پشت پر ابھری۔

"صبح سے کوئی پندرہ بار اپنی آنکھوں کو آئینے میں گھور گھور کر دیکھ چکا ہوں کہ یہ تم میری آنکھوں پر تو نہیں عاشق ہو رہی ہو مگر مایوسی ہوئی آنکھوں کے معاملے میں۔" وہ چہک کر کہہ رہا تھا۔ اس کا دل سینے میں دھک سے رہ گیا۔

خجالت کے مارے رخ پھیر کر دیکھا تک نہ جا سکا۔ اوپر سے فرزانہ آپی بھی چلی آئیں۔

"کوئی راز تو ہے۔ جس نے صبح صبح اسے اتنی اچھی گلوکارہ بنا ڈالا ہے کیوں زنی رات کے خواب میں دیکھا تھا؟" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر اس کی جانب آگے کو جھکیں۔ "ذرا ہمیں بھی خبر تو ہو کس نے فیض کی پھڑکتی نظم گنگنانے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"کوئی خواب واب نہیں دیکھا، بس یونہی ریڈیو پر آ رہی تھی نظم۔ زبان پر رہ گئی۔ آپ تو آپی بس۔" وہ کھسیا کر کیبنٹ کھول کر برتن رکھنے لگی۔

"چلو تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں۔" احمر نے شرارت سے کہتے ہوئے کندھے اچکا دیے اور

بالوں میں ہاتھ پھیرتا باہر نکل گیا۔

"تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے"

اس کے لبوں پر وہی گنگناہٹ تھی۔ فرزانہ آپی نے سر تھام لیا اور زنیرہ کی طرف دیکھا اور بے اختیار کھلکھلا دیں۔ وہ بھی ہنس پڑی۔

"لگتا ہے اسے بھی فیض فوبیا ہو گیا ہے۔ اچھا سنو زنی!" احمر کے جانے کے بعد فرزانہ آپی اس کے قریب کھسک آئیں اور دودھ کا چولہا آہستہ کرتے ہوئے اسے بڑے پراسرار انداز میں دیکھنے لگیں۔

"مجھے رات امی نے بتایا کہ شاہ پیلس سے تمہارا پرپوزل آیا ہے۔ شاہ دل کے لیے اور امی نے تم سے بات کی ہے۔ ایک طرح سے تمہارا فیصلہ پوچھا ہے۔ کیا یہ خوشگواری کہیں اس فیصلے سے نمٹنے کے بعد کی تو نہیں ہے؟"

اس کا دل سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا، چہرے پر ایک رنگ آ کر ٹھہر گیا اور پلکیں رخساروں پر جھک گئیں۔

"اے، بتاؤ نا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے چائے کے کپ لے کر دوبارہ سنک پر رکھ دیے۔"

اس کی حالت عجیب سی ہو گئی۔ جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ فرزانہ آپی یوں کھلم کھلا پوچھیں گی اور اسے ان مراحل سے گزرنا پڑے گا۔

ابھی تو چچی کو بھی جواب دینا تھا۔ مارے شرم کے وہ کٹنے لگی۔

"آپ خواہ مخواہ میری گنگناہٹوں کے مطلب نکالنے لگی ہیں۔" کچھ تو اسے کہنا تھا اور بکھری چیزیں دوبارہ سمیٹنے لگی۔

"زنیرہ علی۔ تم شرافت سے بتاؤ مجھے۔ ٹالنے کی ضرورت نہیں ہے یوں بھی تمہیں بات چھپانا بالکل نہیں آتی۔ ادھر آؤ ذرا۔" وہ اسے کچن سے نکال کر باہر لے گئیں۔

"ارے رے آپی۔ کیا کر رہی ہیں؟ دودھ چولہے پر جل جائے گا۔"

"بھاڑ میں گیا دودھ۔" وہ اسے کمرے میں پکڑ کر لے آئیں اور بالکل تھانے دارانہ انداز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ اس کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔

"آپی! آپ تو بس۔ سچی میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ سوچا بھی نہیں ہے۔"

"جھوٹ، بالکل جھوٹ، دیکھو ذرا آئینہ۔" انہوں نے ڈریسنگ سے چھوٹا مرر اٹھا کر اس کے چہرے کے آگے کر دیا۔

"یہ جو تمہاری اتنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں ہیں نا انہیں ابھی جھوٹ بولنا نہیں آتا۔"

اس نے آہستگی سے آئینہ اٹھا کر واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور اضطرابی انداز میں بیڈ کی چادر پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ فرزانہ اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

"خوبصورت آنکھیں تو شاہ دل کی ہیں نا، فیض کا یہ مصرعہ تو اسی پر فٹ آتا دکھائی دے رہا ہے۔"

"انہوں نے معنی خیز تبسم سے کہتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا جو اس کا چہرہ گلگوں ہو گیا، وہ بالکل اسکول گرل کی طرح جھینپ کر رہ گئی۔

نے ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"پکڑی گئی ناں۔ ارے میں کوئی احمق ہوں۔" اس کی اس معصومانہ ادا پر فرزانہ آپی اپنا قہقہہ نہ روک سکیں تھیں۔

"آنکھوں کو ابھی خواب چھپانے نہیں آتے"

وہ گنگنائیں۔

"آپی! آپ چچی جان کو میرا فیصلہ بتا دیجئے گا کہ مجھے شاہ دل خان کا پرپوزل منظور ہے۔" وہ ان کے کندھے پر تھوڑی ٹکائے شرمیلے لہجے میں بولی۔

"ہوں۔ تم خود کیوں نہیں کہو گی؟" انہوں نے اس کا شرمایا ہوا گلاب کی طرح کھلا ہوا چہرہ اپنے سامنے کر دیا۔

"آپی۔" وہ سرخ پڑنے لگی۔ "مجھے شرم آتی ہے۔" اس کے لہجے میں اتنی سادگی اور معصومیت تھی کہ انہیں ہنسی کے ساتھ اس پر پیار آ گیا۔ انہوں نے اس کا گلنار چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر دیکھا، کچھ دیر اسی طرح دیکھتی رہیں پھر بیڈ سے کھڑی ہو گئیں۔

"مجھے یقین تھا تمہارا فیصلہ شاہ دل کے حق میں ہی ہو گا۔ امی نے جب مجھے بتایا کہ انہوں نے تمہارے سامنے احمر کا رشتہ بھی رکھا ہے تو مجھے حیرت کے ساتھ ہنسی بھی بہت آئی۔"

زنیرہ نے سر اٹھا کر فرزانہ آپی کو دیکھا۔

"آپی۔ میں نے احمر کو کبھی اس انداز میں سے دیکھا ہی نہیں، میں اسے۔"

"جانتی ہوں۔" ان کے لہجے میں ملائمیت تھی۔ "میں ذاتی طور پر خود بھی احمر کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی۔" انہوں نے ایک لمحے توقف کے بعد کہا تو زنیرہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"ہاں زنیرہ۔ وہ ایک کھلنڈرا سا بے پروا اور غیر سنجیدہ مزاج کا لڑکا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تمہیں دل سے اپنانا چاہتا۔ نہیں یہ صرف امی کی ہی خواہش نہیں بلکہ خود اس نے ہی امی سے کہا تھا کہ وہ تم سے شادی کا خواہش مند ہے مگر ایسا تو وہ تب بھی چاہتا تھا جب وہ حادثہ نہیں ہوا تھا اور پھر اس حادثے نے اسے اپنی سوچ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ پتا نہیں وہ اتنا باظرف نہیں تھا یا بات میں ثابت قدم نہیں رہا تھا۔ بہرحال اس کے بعد اس نے میری نند اور سہیلی شازیہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی اور جس طرح وہ نازیہ پر فریفتہ ہوا اور پھر نازیہ سے منگنی ٹوٹنے کے بعد رل رہا اس نے مجھے یہ سمجھا دیا کہ وہ ایک بے پرواہ اور غیر سنجیدہ لڑکا ہے۔ بہرحال شادی کی تکمیل اسے بھی ذمے دار اور سنجیدہ بنا دے گی مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہاری جیسی حساس اور چاہنے والی لڑکی کے قابل نہیں ہے۔ میں نے شاہ دل کو سرسری ہی دیکھا ہے مگر مجھے وہ ایک نظر میں ہی بہت بھایا، بہت بلند کردار، مستحکم مزاج اور میچیوڈ سا محسوس ہوا ہے۔ کیا زینی اس کی اپنی بھی خواہش رہی ہو، تم؟"

فرزانہ آپی کے آخری جملے نے اس کے دل پر گویا مضراب دے مارا۔ ایک خوبصورت حساس رگ رگ میں مہکنے لگا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں، دلکش خیالات اور حسین تصور سے سج گئیں۔

میں کسی کے دل میں ضرور تھا اس بات کا تو غرور تھا

اس کے رخساروں پر جھکی گھنی پلکوں کی لرزش میں فرزانہ آپی کو اپنی بات کا جواب واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر جب کہا تو وہ مسکرا دیں اور آگے بڑھ کر اسے خود سے لگا لیا۔

"خدا کرے۔ تم ہمیشہ اس کے دل میں آباد رہو۔ تمہاری محبت، تمہاری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔" ان کی آواز بھیگ گئی۔

زنیرہ کے دل پر ایک بوجھ سا آن گرا۔

ان کا بھیگا بھیگا لہجہ، ان کی اداس زندگی اور محرومی سے چٹخنا ہوا تھا مگر دوسرے پل وہ فراخ دلی سے مسکرا رہی تھیں۔

"چلو آؤ، امی کو فیصلہ سنا دو کہ جناب....."

"ارے وہ دودھ آپی۔" وہ جھٹکے سے کھڑی ہو گئی اس سے پہلے کہ فرزانہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر "بے ایمان" کہہ کر اسے پکڑتیں وہ جھپاک سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

○☆○

شاہ دل اپنی جگہ کتنی دیر تک بھونچکا رہا، جب منجھلی چچی نے اسے یہ اطلاع دینے والے

انداز میں بتایا کہ انہوں نے زنیرہ کا رشتہ اس کی چچی سے مانگا ہے۔ اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی ماں یہ قدم بھی اٹھا سکتی ہیں بلکہ اٹھالیں گی۔

اس کی لمحاتی خاموشی پر تائی اماں اور چچی کو یہ خیال گزرا کہ جس خاموشی سے اس خبر کو سنا ہے اس نے' اسی سعادت مندی سے سر بھی جھکا دے گا۔

مگر....

دوسرے پل ان کی خوشی کی بنتی چادر چر کے کے ساتھ پھٹ گئی جب اس نے انتہائی اشتعال آمیز انداز میں تپائی پر لات ماری جو لڑھکتی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔

"حد ہو گئی میری زندگی کا فیصلہ آپ لوگوں نے میری مرضی' میری رضا کے بغیر کر دیا۔ مجھ سے پوچھنے تک کی زحمت بھی نہیں گوارا کی۔"

اس کی کھڑی ناک غصے سے سرخ انگارہ ہو کر دہکنے لگی' بھوری آنکھیں غصے' بے بسی اور ہتک کے احساس سے تپنے لگیں۔

"یہ تمہاری اپنی بھی تو خواہش ہے۔" چچی دھیرے سے بولیں۔

"کس نے کہہ دیا آپ سے؟" وہ گویا بھبک اٹھا۔ "اور جس نے بھی آپ تک یہ خبر پہنچائی ہے غلط پہنچائی ہے۔" اس نے ایک ترچھی نظر ایک طرف بیٹھی سدرہ بھابی پر ڈالی جو جلدی سے نظریں چرا گئی تھیں۔

"میری کوئی حیثیت' کوئی اہمیت نہیں ہے' آپ کی نظریں۔ اتنا غیر اہم ہو گیا ہوں میں۔" بے حد شکوہ کناں نظروں سے اس نے ماں کو دیکھا تھا۔ چچی تڑپ کر رہ گئیں۔

"آپ تو لڑکیوں کے معاملے میں بھی عقل سوچ رکھتی ہیں پھر میرے معاملے میں اتنی تنگ نظر کیسے ہو گئیں۔ تائی اماں آپ' آپ نے بھی امی کو نہیں روکا۔ مجھ سے پوچھا تک نہیں۔ یعنی بھرے پورے گھر میں اس قدر ان ڈیلوایبل چیز ہو کر رہ گیا ہوں۔ جس سے ہر کوئی اپنی مرضی اور منشا سے کھیلتا ہے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کمرے کی ہر چیز تہس نہس کر ڈالے اگر یہ دو بزرگ خواتین اس کے سامنے نہ بیٹھی ہوتیں تو شاہ دل یہ بھی کر گزرتا۔

غصے سے مٹھیاں بھینچتا وہ سخت مشتعل انداز میں چکر کاٹنے لگا۔

اسے اپنا دماغ تندور کی طرح دہکتا ہوا محسوس ہونے لگا اور لہو میں کھولن ہونے لگی۔

"شاہ! تم ٹھنڈے دل سے ہماری بات تو سنو بیٹا۔" تائی اماں اسے پچکارتے ہوئے بولیں۔

"اب ٹھنڈے دل سے کیا سننے کو رہ گیا ہے جو امی کا دل چاہا انہوں نے کر کے دم لیا۔ انہوں نے شاید ماں ہونے کا حق وصول کیا ہے۔ ٹھیک ہے اگر اس طرح آپ خوش ہیں تو۔" وہ کمرے

سے نکلنے لگا۔

"شاہ دل۔" چچی اس کے پیچھے لپکیں اور اسے جا لیا۔

"تم بیٹھو تو سہی۔ بات تو سنو ہماری۔ اس طرح میرے دل کو تڑپا کر تو مت جاؤ۔" انہوں نے زبردستی اسے دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ "تم نے کیسے سمجھ لیا تم غیر اہم ہو میرے لیے۔"

"پلیز امی! مجھے کچھ نہیں سننا۔ یہ تسلیاں' یہ بہلاوے۔" وہ بھنا کر چیخا۔

سدرہ بھابی حیران' پریشان اسے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں بالکل بھی تو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر مشتعل ہو جائے گا۔ جبکہ زنیرہ اس کی اپنی خواہش رہی تھی اور جس کا اعتراف وہ ان کے سامنے کر چکا تھا بلکہ اسے پانے کا عزم بھی کیا تھا اس کے سامنے اور اب جبکہ زنیرہ کو اس کی زندگی میں داخل کی جانے کی کوشش کی تو وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ کیا زنیرہ! اچھی لڑکی نہیں ہے؟ تمہیں پسند نہیں ہے؟" چچی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سہلاتے ہوئے رندھی آواز میں بولنے لگیں۔

اس نے اضطراری انداز میں بالوں میں انگلیاں پھنسالیں۔

"وہ اچھی ہے یا نہیں۔ بات میری اپنی مرضی اور رضا کی تھی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا تک نہیں' میری زندگی کا فیصلہ پہلے ہی خود کر لیا۔ کیا یہ میری ہتک نہیں ہے۔"

اس نے آواز نیچی ضرور کر لی تھی مگر لہجے کی کھولن کم نہ کر سکا۔

اس کی تو رگ رگ میں انگارے دوڑتے پھر رہے تھے۔ اس کی عزت' اس کی انا پر گویا راکھ ڈال دی گئی تھی۔

"کیا تم انکار کر دیتے؟" تائی اماں بولیں۔

"ہو سکتا ہے۔" اس نے نرمی سے چچی کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا اور کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ "ضروری نہیں ہے جو آپ کو اچھی لگے وہ میری پسند ہو۔ بہرحال آپ زنیرہ کی چچی سے معذرت کر لیجیے گا۔ میں آپ کی پسند کو قطعی اپنی پسند نہیں بنا سکتا اور ابھی ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"شاہ دل!" تائی اماں سخت نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"دماغ درست ہے تمہارا۔ اب جا کر رشتہ واپس لے آئیں' کیا یہ اس بچی کی بے عزتی نہ ہو گی' اس کی ہتک نہ ہو گی۔ شرم سے مر نہ جائیں ہم ایسا کرتے ہوئے۔"

"اونہہ بے عزتی۔" اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔

اس لڑکی نے میری کتنی بے عزتی کی ہے اس کا اندازہ ہے آپ کو۔ میری انا پر کتنی ضربیں

لگائی ہیں اس نے۔ اس کا حساب خبر ہے میں اپنی بے عزتی' اپنی تذلیل' اپنی خواری اتنی جلدی کیسے بھلا دوں۔

"اس کی عزت کی پروا ہے آپ کو' ایک اجنبی غیر لڑکی کی انا کا پاس ہے آپ کو اور خود اپنے بیٹے کی کوئی ویلیو نہیں ہے آپ کی نظر میں۔" اس نے گھائل نظریں دونوں خواتین پر ڈالیں تو چچی یکدم رو پڑیں۔

"نہ بیٹا' ایسا نہ کہو۔ تم میری نظر میں کیا ہو یہ کوئی میرے دل سے پوچھے۔ بس ایک بار مجھے معاف کردو۔ صرف ایک خواہش میری پوری کردو۔"

چچی کے رونے پر وہ اپ سیٹ ہوگیا۔ سخت بے بسی محسوس کرنے لگا۔

"تم دیکھنا زنیرہ تمہاری زندگی میں خوشیاں لے کر آئے گی۔ وہ تو بہار ہے شاہ پیلس کو مہکا دے گی۔ ہمارے گھر کو۔ بس بیٹا' اس طرح نہ روٹھو۔ تمہاری ماں کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ دیکھو شاہ دل۔ میری طرف دیکھو۔" وہ اس کا کندھا ہلاتے ہوئے رو رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا پھر پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

احتجاجاً دروازہ پوری طاقت کے ساتھ بند کر گیا تھا۔

"تم حوصلہ رکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" تائی اماں' منجھلی چچی کو تھپکنے لگیں "یہ دو چار دن کی ناراضگی ہے پھر دیکھنا غصہ اتر جائے گا تو وہ تمہارا ہی شکر گزار ہوگا۔" تائی اماں کی بات پر چچی آہ بھر کر رہ گئیں۔

"مجھے تو ڈر لگنے لگا بھابی۔ کہیں اس کا سارا غصہ اس معصوم بچی کے حصے میں نہ چلا جائے۔ وہ کہیں اس کی ضد اور میری حماقت کی بھینٹ نہ چڑھ جائے۔ اس کا غصہ دیکھا آپ نے۔ کتنا ناراض ہو کر رہ گیا ہے میں اسے انکار سمجھوں یا اقرار۔"

"چچی! آپ ناحق پریشان ہو رہی ہیں۔ تائی امی ٹھیک کہہ رہی ہیں دو چار دنوں کا غصہ ہے بس اس کی خاموشی کو اقرار ہی سمجھ لیجئے۔ وہ جتنا بھی غصہ کھائے دل سے وہ خود بھی زنیرہ کی بے عزتی نہیں چاہے گا۔"

سدرہ بھابی کی بات پر چچی نے امید افزا نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر پھر دوسرے پل لرزتے خدشے دل میں در آئے۔

"اور جو رشتہ طے ہو جانے کے بعد اس نے کوئی مسئلہ کھڑا کیا پھر۔ منہ سے تو وہ اقرار نہیں کر گیا۔"

"انکار بھی نہیں کر گیا نا۔ بس اس کو غنیمت جانئے چچی۔"

"زنیرہ بی بی نے بھی تو ایسے ضدی اور پتھر شخص کو دل دینے کی حماقت کی ہے اب بھگتے بھی۔ ...توف۔"

...سدرہ بھابی بھی ذہنی طور پر پریشان تھیں انہیں تو یہ بھی پریشانی لاحق تھی کہ شاہ دل ان سے ...ناراض اور متنفر ہو گیا ہے اس کے خیال میں یہ سارا کیا کرایا انہی کا ہے جس کڑے انداز ...اس نے ان کی طرف دیکھا تھا اس سے تو وہ یہی نتیجہ اخذ کر سکتی تھیں مگر اب تو وہ او کھلی میں ...ے چکی تھیں۔ چچی کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلیاں دے رہی تھیں کہ اب جو ہوگا دیکھا ...ے گا۔

○☆○

...شاہ دل نے اپنے کمرے میں آکر انتہائی جارحانہ انداز میں دروازے کو بند کیا۔ راؤنڈ ٹیبل پر ...میوزیکل ٹیبل کلاک اٹھا کر دیوار پر دے ماری۔ بیڈ پر بیٹھتے ہی تکیہ اٹھا کر فرش پر پٹخا۔

...تائی اماں کے کمرے سے نکلتے ہی اس کا سارا سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔

...چچی کے انتہائی اقدام نے اسے مشتعل کر کے رکھ دیا تھا۔

"زنیرہ علی۔ اتنی آسانی سے تمہیں معاف کر دوں۔ اپنی تمام تر ذلت' خواری' بے عزتی ...بھلا دوں جس کا احساس میری رگوں میں آگ بن کر دوڑتا پھرتا ہے۔ میری شائستہ نرم ...لو تم نے ہی انگاروں کا روپ دیا ہے۔ تم ہی نے میری محبت کو جنون اور ضد بنایا ہے۔"

...اس نے سگریٹ کا سارا دھواں اپنی آنکھوں کے گرد پھیلا لیا اور اس دھوئیں پر نگاہیں ...کر کے تلخی سے سوچنے لگا۔

...وہ جتنی بار اس سفر میں رد کیا جا چکا تھا جتنی بار ہتک کے احساس سے دوچار ہوا تھا وہ ...ری اور شعوری طور پر سارا حساب سود کے ساتھ وصول کرنا چاہتا تھا۔

...زنیرہ علی سے ابھی بہت سے حساب بے باق کرنے تھے۔ وہ کیسے صلح کا ہاتھ بڑھا دیتا۔ ...وہی ہاتھ جسے اس نے اپنی نسوانیت کے زعم میں کئی بار نظر انداز کیا تھا۔

...اور اب اس کی مردانگی عود کر آئی تھی' وہ اتنی جلدی جھکنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

...اس کی ساری فرمانبرداری۔

...اس کی سعادت مندی۔

...شائستگی۔

...اس کی انا اور ضد کے طوفان تلے گم ہو چکی تھی۔ وہ خود کو صرف اور صرف زنیرہ کے مدمقابل ...تھا۔

تمام چہرے مٹ چکے تھے۔

بس وہ جی بھر کر اسے تڑپا کر ستا کر، رلا کر اپنی انا کی تسکین چاہتا تھا۔

اپنے بار بار رد کیے جانے کی ساری تلملاہٹوں کو اس کے آنسوؤں کی ٹھنڈی پھوار سے بھگو چاہتا تھا اور ایسا کر بھی رہا تھا اور کرتے رہنا چاہتا تھا۔

مگر درمیان میں چچی کی مداخلت نے اسے جلتے کوئلوں پر پٹخ دیا تھا۔

وہ کتنی دیر سگریٹ پھونکتا رہا، پورا کمرہ دبیز سرمئی دھوئیں سے بھر گیا مگر اس کی سوچوں کی طنابیں تنی پڑی تھیں پھر یکدم جیسے اس کے چہرہ کا تناؤ ڈھیلا ہو گیا۔ اس نے آدھی سے زیاد سگریٹ ایش ٹرے میں ڈال دی۔

اور اٹھ کر لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول کر چند گہری سانسیں لیں۔

اس کے لبوں کی تراش میں بے اختیار ایک دھیمی مسکراہٹ پھیل کر منجمد ہو گئی۔

اس مسکراہٹ میں سکون ناپید تھا بلکہ ایک تلاطم تھا ایک عجیب بے رحمی سی تھی۔

○☆○

زنیرہ اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالے ایک مسحور کن احساس کے ساتھ سر پر دوپ جمائے، سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے دائیں طرف سدرہ بھابی اس کے نرم ملائم ہاتھوں می لیے بیٹھی تھیں اور بڑی نثار ہونے والی نظروں سے اسے تکے جا رہی تھیں۔

کمرے میں باتوں اور مسکراہٹوں کی رونق لگی ہوئی تھی۔ تائی اماں اور منجھلی چچی تو زنیرہ کی ک کے اقرار پر بے انتہا خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے آگے رکھی میز پر فرزانہ آپی نے ڈھ ساری مٹھائی سجا رکھی تھیں۔

فرزانہ آپی کی مدد سے ہی زنیرہ نے اپنا فیصلہ چچی تک پہنچایا تھا۔ انہیں احمر کے رد کیے جا پر رنج ضرور ہوا تھا جو فطری تھا مگر وہ زنیرہ کی خوشی میں خوش تھیں۔ اس کا فیصلہ انہوں نے بغ حیل و حجت مان لیا تھا اور آج جب شاہ پیلس سے وہ لوگ جواب سننے آئے تو مٹھائی کے سا انہیں میٹھا میٹھا اقرار دے کر انہیں خوشی سے ہمکنار کر دیا۔ زہرہ چچی نے تو زنیرہ کی کتنی بلائ لے ڈالیں۔ ان کے تمام خوف وسوسے دھل گئے تھے۔ فرزانہ آپی خوب چہک رہی تھیں۔ زنیرہ کو زبردستی پکڑ کر ڈرائنگ روم میں لے آئی تھیں۔ وہ لجاتی شرماتی اب ایک طرف تھی۔ اسے بے طرح شرم آ رہی تھی۔

"مان لو کہ شاہ دل ایک بہادر، دلیر اور ثابت قدم محبوب ہے۔ جو ذرا بھی پیچھے ہٹا ہو۔" سد بھابی جھک کر سرگوشی کرنے لگیں۔

اس کے رخساروں پر گلاب بکھر گئے۔

"ذرا غور بھی کیجئے مقابل کون تھا ایسوں کے لیے پیچھے کون ہٹتا ہے۔" فرزانہ آپی قریب ہی تھی چہک کر بولیں تو سدرہ بھابی زور سے ہنس پڑیں۔

اتنے ناداں بھی نہ تھے جاں سے گزرنے والے
ناصح، پندو گرو، راہ گزر تو دیکھو
وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم میرا محبوب نظر تو دیکھو

فرزانہ آپی خاصے موڈ میں تھیں حقیقی خوشی ان کے لہجے، ان کے چہرے سے نمایاں تھی۔

"کچھ غلط کہا۔"

"بالکل بجا فرمایا۔" سدرہ بھابی نے سر خم کر دیا۔

"حقیقت ہے زنیرہ کے لیے وہ صاحب سہارا تو کیا ان کی والدہ محترمہ بھی دیوانی ہو گئی ہیں۔" ں نے چچی کی طرف اشارہ کیا جن کا چہرہ چمکتا ہوا قابل دید تھا۔ (جس طرح وہ میدان میں کودی ں ہمیشہ سے اور کامیاب رہی تھیں ان کی دعا تھی آگے بھی وہ فاتح رہیں۔)

نیلے رنگ کے سیاہ بارڈر والے دوپٹے میں زنیرہ کا چہرہ چودہویں کے چاند کی طرح دمک رہا وہ اپنی تمام تر سادگی، معصومیت کے ساتھ بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے لبوں میں بڑی مسحور کن، دلفریب، مسکراہٹ رقصاں تھی۔

اور اسی مسکراہٹ کو ہمیشہ قائم رکھنے کی دعا سدرہ بھابی نے دل ہی دل میں کئی بار مانگ لی۔

ابھی تو یہ خوش خبری انہیں شاہ پیلس میں سنانی تھی اور خاص کر شاہ دل کو۔ جانے وہ کیا ل اختیار کرتا۔

"مجھے خبر ہوتی تو میں کچھ ہار گجرے، پھل مٹھائی لے کر ہی آتی۔ آپ نے تو خوشی سے میرے پاؤں پھلا دیئے ہیں۔" زہرہ چچی، زنیرہ کی چچی سے مخاطب تھیں پھر انہوں نے زنیرہ کے نزدیک ایک بازو اس کے شانے پر پھیلا لیا۔

"اپنے گھر کا سب سے قیمتی ہیرا مجھے نواز کر آپ نے مجھے اپنا احسان مند کر ڈالا ہے۔ میں جتنا کروں کم ہے بس اب جلد ہی اسے لے جائیں گے ہم۔"

"ارے ارے آنٹی اب اتنی جلدی بھی ہمارے گھر کو اندھیرے میں دھکیلنے کی کوشش نہ گا۔ ذرا دھیرج دھیرج رخصت کریں گے اسے۔" فرزانہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"رشتے ناتے تو آسمانوں پر طے ہوتے ہیں بہن۔ اس کا سمبندھ آپ کے بیٹے سے تھا سو ہو

گیا۔ اب یہ آپ کی امانت ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں انکار کرنے والے۔ دیر سویر جانا ہی ہوتا ہے بیٹیوں کو تو۔ یہ تو آنگن کی چڑیا ہی ہوتی ہیں پھر سے آنگن سونا کر کے اڑ جاتی ہیں۔ ماں باپ کی آنکھیں تو انہیں بس خوش دیکھ کر ٹھنڈی رہتی ہیں۔" چچی یہ کہتے ہوئے آبدیدہ سی ہو گئیں۔

زنیرہ کا دل بھی اداس ہو گیا۔

خوشی کے ساتھ کتنا کٹھن موڑ جدائی کا بھی ہوتا ہے۔ کچھ رشتوں سے چھوٹ جانے کا دکھ۔ نئے رشتوں سے ملاپ کی خوشی۔

"سچ کہتی ہیں بہن لڑکیوں بالیوں کو تو ایک دن آنگن سونا کر کے چلے جانا ہوتا ہے ماں باپ کا۔ بس بیٹیوں کی ماؤں کو حوصلہ مند بننا پڑتا ہے۔ خیر سے ایک دن احمر کی دلہن آ جائے گی تو آپ کا آنگن پھر چمک اٹھے گا۔" تائی اماں دلاسہ دینے والے انداز میں بولیں۔

"سچ تو یہ ہے کہ میں بڑی خوش اور مطمئن ہوں آپ جیسے اچھے خاندانی لوگوں سے رشتہ جوڑ کر اپنی بچی کا۔ زنیرہ کے ماں باپ کے سامنے اب سر اٹھا سکوں گی۔ ان کی روحیں بھی یقیناً خوش ہوں گی۔"

"خوش کیوں نہ ہوں گی آپ نے ایک ماں کی طرح یہ فرض ادا کیا ہے۔" تائی اماں کے لہجے میں حقیقی توصیف تھی۔

فرزانہ آپی کے بے حد اصرار پر وہ سب رات کے کھانے تک ٹھہر گئی تھیں۔ جاتے سے چچی نے اپنی انگلی سے ایک دمکتا گولڈن رنگ اتار کر زنیرہ کو پہنا دی۔

"میں نے تمہیں اپنے بیٹے کے نام کر لیا۔ آج سے تم میرے بچے کی امانت ہو۔" انہوں نے اسے خود سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ "تم تو میرے شاہ دل کے نصیب کا تارہ ہو۔ سچ میں تو سوچتی تھی کہ کہاں سے لاؤں گی ایسی حوروں جیسی بہو۔ دیکھو خدا نے خود ہی ملا دیا۔" وہ بے حد مسرور ہو رہی تھیں۔ جاتے جاتے بھی اسے بہت سا پیار کر گئیں۔

زنیرہ علی اپنی خوش بختی پر نازاں سی ہو رہی تھی۔ وہ یوں مسرور تھی جیسے یہ انگوٹھی خود شاہ دل نے اپنے ہاتھوں سے اس کی انگلی میں ڈالی ہو۔

ان کے جانے کے بعد فرزانہ آپی کی چھیڑ' شرارت پر مسکراتی رہی۔

جب رات اپنے کمرے میں آئی تو اسے اپنے دل کی دنیا ہی بدلی بدلی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے نیم گیلے بالوں کا بنا جوڑا کھول کر اسے پشت پر پھیلا دیا اور کرسی پر بیٹھ کر سرشاری کی کیفیت میں آنکھیں موند لیں۔

خزاں لے کر میری
مجھ کو شاداب کر گیا
یہ کون ہے
جو اپنی دعاؤں سے
اب کے برس مجھے
آباد کر گیا

سب کچھ ایک خواب لگ رہا تھا' سہانا خواب۔

مگر یہ خواب نہیں تھا۔ خواب کی حقیقت تھا۔

وہ تو سمجھتی تھی۔ خواب کبھی پورے نہیں ہوتے۔ خواب بس خواب ہی ہوتے ہیں۔ ان کی ...ر ایسی تتلی ہوتی ہیں جو ہاتھ نہیں آتیں۔

مگر یہ کیا!

اس کا سہانا اور پہلا خواب اپنی تعبیر سمیت اس کے سامنے تھا۔

"کہیں آنکھ کھولوں گی تو گم نہ ہو جائے۔" اس نے زور سے آنکھیں میچ کر خود سے کہا پھر ...ا پڑی۔

نہیں پگلی۔ یہ حقیقت ہے خوشگوار حقیقت۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

ہاں حقیقت ہی تھی اسے چاروں طرف اجالا ہی اجالا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے تاریک ...ب کی دبیز چادر کو کاٹتے روشن روشن دمکتے اتنے بہت سارے ستارے اتر آئے ہوں۔

وہ تو وسیع سمندر جیسی دنیا میں محبت کے صرف ایک قطرے کی خواہاں تھی۔ یہ اتنی ساری ...ت۔

اس نے اپنے سیراب دل میں نشہ سا ہلکورے لیتا محسوس کیا۔ ...نہی بیٹھے بیٹھے دیوار گیر ...ئنے میں اپنا چہرہ دیکھا جس پر مسرت' شادمانی کے رنگ بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ پھر ان ...لتے رنگوں کے پیچھے شاہ دل خان کا سراپا نمودار ہوا اور اس نے گھبرا کر ...یں جھکا لیں جیسے سچ مچ ...س کے پیچھے آ کھڑا ہوا ہو۔

وہی لو دیتیں بھوری آنکھیں جس میں اس نے اپنے لیے محبتوں کا ایک ...جہاں ہمکتا دیکھا ...۔

شاہ دل میں کیا تھی؟ کچھ بھی تو نہیں محض اندھیرے میں بھٹکتا ایک نقطہ جسے تمہارے ...اروں جیسے وجود نے روشنی بخشی ہے۔

اس نے اپنا سر انگلی میں چمکتے اس رنگ پر جھکا دیا اور اس پر اپنے سلگتے مچلتے ...ں جیسے

ہونٹ رکھ دیے۔

یہ کتنی قیمتی ہو گئی ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان فاصلوں کو اس ننھی سی چیز نے سمیٹ لیا ہے میری ساری دنیا بدل ڈالی۔

میری ہستی میری نہیں رہی۔

میری ذات پر میرا اختیار نہیں رہا۔ تم سے منسوب ہو کر میں خود سے دستبردار ہو گئی ہوں۔

نہ نیند میری ہے نہ خواب اور نہ زندگی
مجھے مجھی سے دستبردار کر گیا ایک شخص

✿✿✿

"بہت خوش ہو کیا؟" احمر کی آواز پر وہ چونک گئی تصور کے سامنے مہکتے رنگوں کا تسلسل ہٹ گیا۔ اس نے رخ پھیر کر دیکھا وہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔

گہری سنجیدگی کے ساتھ اور اس کی سنجیدگی میں ایک یاسیت ایک اضمحلال دکھائی دے رہا تھا۔

"میں اندر آسکتا ہوں؟"

وہ کھڑی ہو گئی اور بیڈ سے دوپٹہ کھینچ کر خود پر ڈالا۔

"یہ اتنے تکلف سے کیوں پوچھ رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔ "آج تک میرے کمرے میں تم اجازت لے کر تو نہیں آئے۔"

"ہاں' وقت وقت کی بات ہے' اب تم کسی اور سے منسوب ہو گئی ہو۔ ہمارا اختیار نہیں رہا تم پر۔" وہ ہنس پڑا' عجیب تلخی سی تھی اس ہنسی میں۔ "سوچا مبارک باد دے دوں۔" سینے پر بازو لپیٹے وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

زنیرہ نے اس کی طرف دیکھا اس کے لہجے کی تلخی کو بھی محسوس کیے بنا نہ رہ سکی۔

وہ مبارک باد دینے آیا تھا مگر اس کی خوشی میں بالکل بھی خوش نہیں لگ رہا تھا۔ جیسے زبردستی رسم نبھانے چلا آیا ہو۔

اسے حیرت کے ساتھ دھچکا بھی لگا۔

"بیٹھو احمر۔" اس نے کھینچ کر کرسی اس کی طرف کی۔ "آج تم خاصی دیر سے گھر آئے ہو۔"

اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی اور اسی دوستانہ انداز میں کہا تو وہ لب بھینچے کچھ دیر کھڑا رہا پھر کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا اور آنکھیں موند کر پیشانی پر انگلیاں پھیرنے لگا۔ جب آنکھیں کھولیں تو ان میں زنیرہ کو سرخیاں اڈتی دکھائی دیں وہ جیسے دہل کر نظریں جھکا گئی۔

"تم نے مجھے بالکل ہی فراموش کر دیا زنیرہ۔ میں تمہاری راہ میں ہی تو تھا۔ تمہیں دکھائی نہیں دیا یا تم نے دیکھنا ہی گوارا نہیں کیا؟" وہ آزردگی سے پوچھ رہا تھا۔

اس کا بکھرا ہوا لہجہ۔

اس کے چہرے پر پھیلا اضمحلال۔ اس کے لیے حیران کن ہی نہیں پریشان کن بھی ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سن سی بیٹھی رہ گئی۔

"بے شک' شاہ دل مجھ سے ہر طرح سے بہتر ہے' خوبصورت ہے۔ دولت مند ہے' اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے مگر کیا ہمارے برسوں کے ساتھ....."

"احمر...." اس نے بہ مشکل آواز نکال کر اسے آگے مزید کچھ کہنے سے روکا تھا اور بڑی بے چارگی آمیز تحیر سے اسے دیکھا۔

وہ بہت بری طرح ہرٹ دکھائی دے رہا تھا اس کے اس فیصلے سے۔

کہاں خبر تھی کہ وہ بے پروا سا لڑکا' اس کی ذات میں دلچسپی لے رہا تھا۔

وہ پریشان ہو اٹھی۔

اس کا دل وحشت میں گھر گیا۔

"میں نے شاہ دل اور تمہارا موازنہ کبھی نہیں کیا احمر اور کر بھی نہیں سکتی کہ ہر انسان اپنی ات میں ایک مکمل اور بہتر انسان ہے' تم الگ انسان ہو اور وہ الگ اور رہی ظاہری شان و ؤکت کی بات تو میری نظر میں اس کی کبھی کوئی اہمیت نہیں رہی۔"

"تو پھر؟ کس جواز پر تم نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے؟" وہ جیسے چیخ چیخ کر بولا۔

وہ بیڈ کے کنارے دل پر بوجھ سا لیے بیٹھ گئی۔

"یہ فیصلے دل کے ہوتے ہیں احمر اور میں تمہارے ساتھ کوئی منافقت کا کھیل نہیں کھیل لتی تھی۔ بے شک چچی جان یا چچا جان مجھ پر دباؤ ڈالتے اصرار کرتے تو میں تمہارے حق میں فیصلہ یتی مگر سوچو احمر! میرے دل میں تمہارے لیے سوائے احترام کے اور ایسا کوئی جذبہ نہیں' میرا دل مارے لیے نہیں دھڑک سکا۔ میں خالی خولی یہ رشتہ نبھا کر اپنے ساتھ ساتھ تمہارے ساتھ بھی یادتی کرتی۔ آئی ایم سوری احمر' میری وجہ سے تم ہرٹ ہوئے ہو۔"

وہ کرب سے لب دانتوں میں جکڑ کر اسے دیکھتا رہا اس کھلی سچائی کو قبول کرنے کے لیے ے مضبوط اعصاب کی ضرورت تھی۔ پتا نہیں وہ کتنا کامیاب ہو رہا تھا۔

پھر یک دم کھڑا ہو گیا۔

"تم شاید ٹھیک ہی کہتی ہو' یہ دلوں کے فیصلے ہوتے ہیں اور دل کا فیصلہ بہت سچا اور کھرا ہوتا

ہے۔ میری ہی بھول تھی زنیرہ کہ میں تمہاری راہ میں پھر آگیا۔ جبکہ ایک بار میں ہی تمہیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔"

وہ کھڑی ہو کر اس کی راہ میں آگئی اس کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم ٹھٹک گئے۔

"نہیں احمر' میں نے ماضی کے حوالے سے کبھی نہیں سوچا' نہ فیصلے کے وقت' میری سوچ پیچھے کی طرف گئی۔ پلیز احمر' مجھ سے خفا ہو کر مت جاؤ' تم میرے اچھے دوست ہو۔ میں اپنی دوستی کو اس پاکیزگی کے ساتھ قائم رکھنا چاہتی ہوں۔ اس طرح ہرٹ ہو کر تم جا رہے ہو تو میں خود کو مجرم سمجھ رہی ہوں۔"

"میں نے پہلے بھی کبھی تمہیں اس نظر سے نہیں دیکھا تھا تم میرے لیے ہمیشہ سے ایک قابلِ احترام دوست اور ٹھنڈی چھاؤں' سائبان جیسے بھائی رہے ہو۔ پلیز احمر مجھ سے یہ رشتے مت چھینو۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ بیٹھی۔ احمر نے جلدی سے اس کے دونوں ہاتھ کو تھام کر کھول دیئے۔

"کیا کر رہی ہو زنیرہ؟" وہ جیسے پگھل گیا۔ نادم سا ہو کر رہ گیا۔

کچھ دیر قبل تک وہ کتنی خوش اور مسرور دکھائی دے رہی تھی اور اب کس قدر اجڑی اور دکھی نظر آنے لگی' فقط اس کے دو جملوں نے اس کی ساری خوشی کو خاکستر کر دیا تھا۔ اس کے دل پر ندامت کا احساس ہلکورے لینے لگا۔

زنیرہ نے زندگی میں پہلی بار ہی تو کچھ آرزو کی تھی۔ ان لوگوں سے اور اپنے خدا سے اور جب قدرت اس پر مہربان ہو رہی تھی تو اس راہ میں اس کی خوشیوں کو کملانے چلا آیا۔

بے شک زنیرہ اس کے دل میں بھی تھی مگر وہ اسے زبردستی تو نہیں چھین سکتا تھا۔

اس کی محبت زبردستی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

یہ کوئی ہیرے' جواہرات نہ تھے۔

نہ کوئی کاغذی نوٹ کہ اسلحے کے زور پر حاصل کر لیے جا سکتے۔ یہ تو آفاقی جذبے تھے جو ایک دوسرے سے نہ مانگ کر لیے جا سکتے تھے نہ چھین کر۔

جذبوں کا بہاؤ جس طرف ہو گا وہیں بہیں گے ان کا رخ کسی طاقت سے نہیں موڑا جا سکتا تھا اور کیا تھا کہ اگر زنیرہ کے جذبے شاہ دل کی طرف رواں تھے۔

قدرت نے یہ انعام شاہ دل خان کو بھی یقیناً اس کی کسی نیکی کے صلے میں دیا ہو گا۔

وہ حقیقتاً نادم دکھائی دے رہا تھا۔

"آئی ایم سوری زینی میں بھی کس قدر سیلفش.... انسان ہوں۔ تمہاری مسکراہٹوں کو

آنسوؤں کا روپ دے دیا۔ تمہاری ہنسی چھین لی۔" وہ اسے شانوں سے تھام کر ندامت سے بولا تو زنیرہ نے آنسوؤں سے لبریز پلکیں اوپر اٹھائیں۔ احمر کے لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

"دوست تو ہم اب بھی ہیں۔ یہ رشتہ بھی تو نہ ٹوٹنے والا ہوتا ہے' ہے نا؟" اس کا لہجہ بشاش تھا۔

وہ ایک دم خوشی سے احمر کے لبوں پر پھر بکھر آنے والی مسکراہٹ نے اس کے دل کی وحشت کو کم کر دیا۔

"تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا نا احمر۔"

"سخت احمق لڑکی ہو' یہ دل سے معافی کیا ہوتی ہے بھلا۔ اب دل خود نکل کر بولے کے ہاں دوست میں نے تجھے معاف کیا۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہنس پڑا۔ وہ بھی مسکرا دی۔

اسے احمر ایک عظیم انسان لگنے لگا۔ اس کا دل' اس کی عقیدت' اس کی محبت سے لبریز ہو گیا۔

"چلو تمہاری منگنی کی خوشی میں آئس کریم کھاتے ہیں۔"

"اچھا.... بچو! اکیلے اکیلے آئس کریم کا پروگرام بنا رہے ہو۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔"

فرزانہ آپی کمرے میں داخل ہوئیں اور کمر پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی خفگی سے احمر کو دیکھنے لگیں۔

وہ دروازے کے باہر کھڑی احمر اور زنیرہ کے مابین ہونے والی گفتگو سن چکی تھیں۔ ماحول کے تناؤ' احمر کے جملوں اور زنیرہ کے آنسوؤں نے جو خوف اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا اب زائل ہو چکا تھا۔

احمر کے مفاہمت آمیز انداز نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔

احمر اپنی فطری کمزوری کی گرفت میں آ کر جو سخت باتیں کر گیا تھا اب اس پر نادم تھا اور خوشگواری کے ساتھ زنیرہ کے اس رشتے کو قبول کر چکا تھا۔ یہ اس کے عظیم ہونے کی دلیل تھی۔

ان کے دل میں احمر کی محبت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

"جا تو ہم چپکے چپکے ہی رہے تھے مگر اب جب آپ کو خبر ہو ہی گئی ہے تو آپ بھی اب آ جایئے۔" احمر انہیں چھیڑنے کی غرض سے یوں بولا جیسے احسان کر رہا ہو۔ انہوں نے اسے گھورتے ہوئے اس کا کان پکڑ لیا۔

"چندا! تم جاتے تو جاتے' زنیرہ تو میرے بغیر ہرگز نہ جاتی۔ اس کے حلق میں آئس کریم کیسے اترتی مجھ بن۔" وہ فخر سے بولیں۔ "کیوں زینی؟"

"اللہ رے خوش فہمی۔" احمر زور سے ہنسا۔ "زنیرہ بھئی ابھی سے بچو ورنہ تمہیں اپنے ہنی مون میں بھی اس ہڈی کو ساتھ لے جانا پڑے گا۔ بے چارہ شاہ دل سرپیٹ کر رہ جائے گا۔"

اس کی بات پر زنیرہ جھینپ کر رہ گئی جبکہ فرزانہ آپی کا جاندار قہقہہ بکھر گیا۔

"کیا حرج ہے سالی ہوں آخر کو؟"

"اف.... خدا بچائے پھر تو ایسی سالی سے جو ٹالی نہ جائے۔" احمر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے زور سے ہنس پڑا۔ فرزانہ آپی نے بھی ہنستے ہوئے اسے ایک دھپ رسید کر دی۔

○☆○

اس نے گھر میں قدم رکھا تو ہر طرف چہکار مچی نظر آئی۔

چچی کی ہنسی۔

لڑکیوں کی چیخ و پکار اور کھلکھلاہٹیں۔

زنیرہ کا ذکر.... اور پھر اس کے ساتھ ہی ماریہ آپی کے بیٹے شہریار کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ نیلی کی نظر اس پر پڑی تو وہ خوشی سے دوبارہ اندر بھاگی۔

"شاہ دل بھائی آگئے ہیں' اب جلدی سے انہیں مٹھائی کھلائیے امی۔ اس کی خوشی سے چہکتی آواز اس کی سماعت پر پڑی۔

اسے سمجھنے میں قطعی دیر نہ لگی کہ یہ خوشیاں کیوں منائی جا رہی ہیں۔

اس کے قدم اس راز کو پاتے ہی جیسے اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔

رگ رگ میں حشر برپا ہوا مگر دوسرے لمحے اس نے سر جھٹک کر تیزی سے اپنے کمرے کا راستہ ناپا۔

کمرے میں آ کر دروازہ پوری طاقت سے بند کیا۔ پیروں سے جوتے نکال کر پھینکے' آستین فولڈ کرتا ہوا سیدھا باتھ روم میں گھس گیا۔

اسے ٹھنڈے پانی سے شاور کی اچانک ہی طلب محسوس ہونے لگی۔

یوں تو اس کی عادت رہی تھی باہر سے آ کر پہلے شاور لیتا تھا مگر اس وقت تو ہر مسام کو جیسے ٹھنڈی پھواروں کی ضرورت ہونے لگی۔

تو زنیرہ علی تم نے آخر کار شکست مان لی۔ کہاں گئی وہ انا وہ نسوانیت کا زعم اور اس کی تلملاہٹیں ہر وقت کا' نخرہ؟

ٹھنڈے پانی کا دھڑ دھڑ بدن پر بہنا بھی اسے سکون نہیں بخش رہا تھا۔

باہر کا شور' ہنسی مذاق کی آوازیں اسے یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔

اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔

اس کے اندر نئے سرے سے جلن ہونے لگی۔

وہ اپنے اندر نہیں جھانکنا چاہتا تھا' نہ دل کی آواز سننا چاہتا تھا اس طرف سے اس نے کان بند کر لیے تھے۔

دل کا کیا تھا اس کی اپنی کہانی تھی۔ وہ تو شاید اتنی خواری کے بعد انہی راستوں پر چلنے کو تیار بیٹھا تھا جہاں ایک مغرور حسینہ اب شکست کھائے اور اس کی راہ کی منتظر تھی۔

دل کے تقاضوں سے ہٹ کر اس نے اب سوچنا شروع کر دیا تھا۔

انا

خوداری

غیرت کے تقاضے زور پکڑتے جا رہے تھے۔ اس کی سوچیں سرپٹ گھوڑے کی طرح منفی رخ کی طرف بھاگ رہی تھیں اور وہ اس بات سے بے خبر تھا۔

وہ تولیے سے سر رگڑتا باہر آیا تو بھابی دستک دے کر داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں مٹھائی کی پلیٹ تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں مگر اس نے رخ پھیر لیا اور ان کی آمد کا کوئی نوٹس لیے بغیر ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر سر رگڑنے لگا پھر تولیہ بیڈ پر پھینک کر برش اٹھا لیا۔

"میں مٹھائی کھلانے آئی ہوں تمہیں۔" اس کا انداز سدرہ بھابی کی خوشی کو سنولانے کو کافی تھا مگر وہ ظاہر نہ کرتے ہوئے چہکتی بشاش آواز میں بولیں۔

"سوری میرا موڈ نہیں اس وقت مٹھائی کھانے کو۔" اس نے بغیر پلٹے روکھے لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں خبر ہو گئی ہے کہ پورے گھر میں خوشی کس بات کی منائی جا رہی ہے اور یہ مٹھائی....."

ان کا چہرہ بجھ گیا۔

اس کی یہ لاتعلقی یہ بے گانگی اور کڑوا انداز اس کی کھلی ناراضگی کا اظہار تھا۔

"بہت خوش ہیں آپ بھی کہ اتنا بڑا معرکہ سرانجام دے دیا۔ کیا زنیرہ آسمان کا وہ ستارہ تھی کہ اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا اور فقط امی نے حاصل کر لیا وہ تو بہت عام سی لڑکی ہے اس کا حصول کوئی مشکل نہیں تھا کہ میں اب اس خبر پر خوشی سے چھلانگیں لگاؤں۔ بے تکے قہقہے لگاؤں۔" وہ گویا انگاروں پر چٹخ کر بولا تھا۔ دھواں تو بہرحال کہیں سے نکلنا تھا۔ بھابی ششدر رہ گئیں۔

اس سخت طرز کلام پر نہیں بلکہ زنیرہ سے اس قدر بے گانگی' نفرت پر۔

"کیا تم واقعی خوش نہیں ہو' شاہ؟" وہ جیسے بے یقین سی تھیں۔

"نہیں' بہت خوش ہوں امی کے اور خصوصاً آپ کے اس کارنامے پر۔" اس نے برش پٹخا تو وہ سہم کر ذرا پرے ہٹ گئیں۔

ان کا چہرہ خجالت سے رنگ بدل گیا۔

"یقین کرو شاہ دل یہ خالص چچی کا اپنا فیصلہ تھا۔ میں نے انہیں کبھی مجبور نہیں کیا تھا۔" وہ صفائی پیش کرنے لگیں۔ "میں نے انہیں خود سے کچھ نہیں بتایا تھا۔ انہوں نے خود ہی دروازے سے باہر ہماری باتیں سن لیں تھیں اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا تھا اور ظاہر ہے میں ان سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔"

"تو اس داستان کے بعد امی کو اس سے ہمدردی ہو گئی' ہمدردی میں وہ اسے بہو بنانے چل دیں گویا ازالہ کر رہی ہیں۔"

بھابی نے نہایت درجے حیرانی سے اسے دیکھا پھر خفگی سے بولیں۔

"ہمدردی کے جذبے میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ ایسا قدم اٹھاؤ' یہ تو اور ہی جذبہ ہوتا ہے۔ شاید تمہیں خود بھی بہ خوبی اندازہ ہو گا کہ جذبۂ ہمدردی اتنا پاور فل جذبہ نہیں ہوتا بلکہ....."

"پلیز میں اس موضوع پر آپ سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا میں اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں۔ براہِ مہربانی مجھے تنہا چھوڑ دیں۔" وہ بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

بھابی کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ چمکی تھی۔

"مجھ سے تو جان چھڑا لو گے مگر یہاں تو پورا جلوس اسی موضوع پر بات چیت کو آ رہا ہے۔" ان کی نظریں کھلے دروازے سے باہر تھیں جہاں غالب کی قیادت میں حقیقتاً وہ پورا جلوس ہی تھا۔

اس نے بے حد گھبرا کر وہاں نظر دوڑائی تھیں۔

اور پھر انتہائی بے بسی' بے چارگی محسوس کر کے رہ گیا۔

✪✪

اتنے جلوس سے اب کوئی بچنے کا چارہ نہیں رہا تھا اور اس کی یہ بے بسی اور بے چارگی کا اندازہ سدرہ بھابی کو بے اختیار مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"شاہ دل بھائی! آپ کتنے چھپے رستم ہیں۔" رابعہ تو چھوٹتے ہی بولی۔

"مان گئے استاد! رازداری تو کوئی آپ سے سیکھے۔ چپکے چپکے ہی چچی جان کو اپنی منظورِ نظر کے گھر دوڑا دیا۔ ہمیں ہوا تک نہیں لگنے دی۔ ہم نے تو عشق بھی علی الاعلان کیا تھا اور سائرہ کو بھی ڈنکے کی چوٹ پر لے آئے تھے۔" غالب نے اس کی پیٹھ کر ایک دھموکا رسید اور اس کی گردن میں بازو ڈال دیے۔

"اوئے یہ الو کسی اور کو بنانا۔ اس طرح انجان مت بنو مٹھائی کو دیکھ کر۔"

کمرے میں کھلکھلاہٹیں بکھر گئیں۔ اس نے غالب کا ہاتھ اپنی گردن سے نکالا۔

"یہ خالص امی کی چوائس اور فیصلہ ہے میں خود بے خبر تھا۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا مگر غالب کی ہنسی نے اسے خجل سا کر دیا۔

"کیا کہنے گویا بے خبری میں ہی مارے گئے اگر بے خبری اسے کہتے ہیں تو باخبر ہونا کسے کہا جاتا ہے۔ واہ استاد۔ اتنے بے وقوف تو نہیں ہے ہم۔ یعنی کہ شادہ دل صرف چچی جان کی چوائس پر سر تسلیم خم کیے بیٹھا ہو۔ واہ واہ کیا کہنے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میرے کمرے میں ڈیرہ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے اور کیوں ڈالا گیا ہے؟" اس نے بے زاری سے کہا اور تکیہ اٹھا کر پٹخا۔

"یہ اس خوشی کے سلسلے میں جمع ہیں جس سے آپ بے خبر ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ تھے' اب تو نہیں ہو نا؟" عادل کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا۔ وہ جز بز ہو کر رہ گیا۔

"تم نے مٹھائی کھائی یا نہیں؟" عمیر نے بھابی کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی۔

"کہاں..... کہہ رہا ہے مجھے مٹھائی پسند نہیں ہے۔" بھابی جلدی سے بولیں تو وہ انہیں گھور کر رہ گیا۔

"ہائے اللہ۔ آپ نے ابھی تک منہ میٹھا نہیں کیا۔ ادھر ہم نے تو خوشی میں ڈبے کے ڈبے خالی کر دیے۔" نیلی حیرت سے چیخی۔

"لاؤ' تمہیں اپنے ہاتھوں سے مٹھائی کھلاؤں۔ آخر کو میرے سالے بھی لگتے ہو۔" عمیر نے ایک شرارت آمیز نظر نیلی پر ڈالی اور شاہ دل کے منہ میں زبردستی مٹھائی کا ٹکڑا گھسیڑ دیا۔

"مٹھائی بھی یوں کھا رہے ہو جیسے زہر ہی ڈال دیا ہو۔" عمیر اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

وہ بری طرح بے زار اور قدرے بے بس دکھائی دے رہا تھا مگر ان میں سے کوئی بھی اس کی جان چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ بلکہ زبردستی اسے لونگ روم میں لے آئے۔

"جان چھوڑنے کے کیا لو گے تم لوگ؟" اس نے سخت اکتاہٹ سے غالب کو دیکھا۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو میرے بچے کو۔" لونگ روم میں خواتین بیٹھی تھیں۔ ان کا دل شاہ دل کی حمایت میں تڑپ اٹھا خاص کر منجھلی چچی۔

"آپ کا بچہ اب بڑا ہو گیا ہے چچی جان اس لیے تنگ کرنا جائز ہے۔" تیمور بولا۔

"اچھا پیچھے ہٹو۔ ادھر آؤ شاہ دل۔ ادھر بیٹھو میرے پاس۔ یہ سب تو اپنی ہانکے جائیں گے بس موقع ملنا چاہیے۔" تائی اماں نے اپنے برابر شاہ دل کے لیے جگہ بنائی۔

"ابھی تو ہم ہانک رہے ہیں پھر جب یہ ہانکیں گے تو بچاری زنیرہ سنے گی۔" سدرہ بھابی بھی موڈ میں تھیں۔

"سبحان اللہ۔ کھلا جھوٹ۔ کھلا جھوٹ۔ یہ صنف نازک بھی سنتی ہیں، میں تو سمجھ رہا تھا ان کے پاس صرف زبان ہوتی ہے کان نہیں۔"

غالب کی بات پر لڑکوں کی ٹولی میں زبردست قہقہہ پڑا جبکہ لڑکیاں احتجاجاً چیخنے لگیں۔

"کوئی کھلا جھوٹ نہیں ہے۔ پوچھو سائرہ سے 'کیوں سائرہ تم اپنے ساتھ ایک کانوں کی جوڑی لائی تھی؟" سدرہ بھابی ایک طرف کھڑی سائرہ کو پکڑ لائیں۔

"وہ بھی کب کی ختم ہو گئی ہو گی غالب کی فضول بکواس سن سن کر۔"

"بھئی ہم نے تو سنا ہے دنیا میں زیادہ تر بہرے مرد ہوتے ہیں' ظاہر ہے انہیں بہرا... عورتوں نے ہی بنایا ہو گا۔" عادل کی بات پر ہنسی بکھر گئی۔ اس نے لمبی چھوڑی تھی۔

"کوئی نہیں۔ بیرے کو آپ نے بہرے پڑھ لیا ہو گا اپنی طرف سے "ہ" کا اضافہ کر لیا ہو گا۔" سدرہ بھابی بولیں "بیرے اور بہرے میں بہت فرق ہے۔"

"اچھا اب بس بھی کرو یہ شور ہنگامہ۔ تم لوگوں کو تو موضوع ہاتھ آ جانا چاہیے۔ سنجیدگی تو نام میں نہیں ہے کسی کے۔" تائی اماں کچھ جھنجلا گئیں۔

"یہ آپ کے سامنے بیٹھا اتنا سنجیدہ مسکین تھوبڑا دکھائی نہیں دے رہا۔ شاہ پیلس کی ساری سنجیدگی اسی کے حصے میں آ گئی۔ بلکہ دنیا بھر کی متانت وہ ہمارے آنے سے پہلے اللہ سے خرید چکے تھے۔"

"اوہ' غالب پھر وہی غیر سنجیدگی۔"

"مجبوری ہے اس کی بھی تائی اماں۔ اس کے خمیر میں "بوز" کا خمیر مل گیا تھا۔"

"بوز' یہ بوز کیا ہوتا ہے؟" سب نے تیمور کو بیک وقت دیکھا۔ تو اس نے بامشکل ہنسی روکی پھر حفظِ ماتقدم غالب سے قدرے دور ہٹ گیا۔

"بندر۔" اس نے بوز کے معنی بتائے۔ ساتھ ہی کھلکھلاہٹیں بکھر گئیں۔ غالب نے لپک

اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

عورتیں بھی ہنسنے لگیں' لڑکیوں نے تو اس بندر والی بات پر خوب انجوائے کیا تھا۔

"نہیں سدھریں گے یہ لڑکے بھی۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے مٹھائی کھائی بیٹے۔" تائی اماں' شاہ دل محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"جی۔" اس نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔

"میں نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے دہنِ مبارک میں ٹھونسی تھیں اور تائی اماں ائی موصوف یوں کھا رہے تھے جیسے بہنوئی ہو کر خدانخواستہ زہر کھلا رہا ہوں۔"

"تمہارا کوئی بھروسا بھی نہیں۔" ثاقب بھائی نے عمیر کو دیکھا۔

"تمہاری اماں بڑی خوش ہے بیٹا۔ اچھی بہویں بھی قسمت والوں کو ملتی ہیں۔ کہاں ہوتی ایسی نیک' سعادت مند بچیاں۔ یہ تو خدا کا کرم ہے شاہ پیلس پر کہ اسے بیٹیوں جیسی بہویں ملی۔" تائی اماں شاہ دل کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ سدرہ بھابی تو کھل اٹھی۔

"دیکھا۔ شاہ پیلس والے اتنے خوش نصیب ہیں کہ انہیں اتنی نیک بہویں ملی ہیں اور اب تو ریں لوگ۔" وہ چہک کر بولیں تو ہر طرف سے کھنکاریں پڑنے لگیں۔

"کیا کہنے۔ ثاقب بھائی تو آپ کی سعادت مندی اور اپنی خوش بختی میں پورے ڈوب چکے بچارے۔" غالب سے رہا نہ گیا۔

"ہو گئے نا جیلس۔"

"ارے۔ آپ کی تعریف کون کر رہا ہے یہ تو زنیرہ کی ہو رہی ہے خوامخواہ خود کو گھسیٹ لیا۔"

"کوئی نہیں۔ ماشاء اللہ سے ایسی نیک اور پیاری بچی ہے سدرہ بھی۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ھابی۔ شاہ پیلس میں بہوؤں کے روپ میں خدا کی رحمت ہی اتری ہے۔" چھوٹی چچی' سدرہ کا دفاع کیسے نہ کرتیں۔

ان کا تو چہرہ کھل اٹھا۔ چہرے کی رونق بڑھ گئی اس تعریف پر۔ وہ غالب کو انگوٹھا دکھا کر ہنس

-

یہ ایسی شرارتیں شاہ پیلس کا حصہ تھیں جہاں خوشی کا موقع ہوتا' چار مل کر جمع ہوتے' ہنسی کی محفل جم جاتی اور یہی یہاں کی رونقیں تھیں۔ لونگ روم سے جب لڑکے لڑکیاں چلے گئے شاہ دل اور ثاقب بھائی رہ گئے تب چچی اس کے پاس آ بیٹھیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ ہوئے ملول سی ہو کر بولیں۔

"کیا اب بھی ناراض ہو اپنی ماں سے؟"

شاہ دل کرسی کی پشت پر سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ اسے اپنی کنپٹیوں میں بے ح
درد محسوس ہو رہا تھا ایک اینٹھن سی ہو رہی تھی جو چچی کی بات پر اور بڑھ گئی۔
"زنیرہ اچھی لڑکی ہے تم اسے پا کر یقیناً خوش رہو گے۔ میں نے یہ سب کچھ کسی ضد میں
نہیں کیا ہے بیٹا۔ ماں باپ کبھی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔"
اس نے سلگتی آنکھیں کھول کر چچی کا چہرہ دیکھا۔ اس میں کیا شک تھا کہ وہ ایک محبت کر
والی ماں تھیں۔
"آپ خوش ہیں یہی بہت ہے میرے لیے۔" اس کا لہجہ تمام احساسات سے عاری تھا۔
آہستگی سے چچی کا ہاتھ تھپک کر کھڑا ہو گیا۔
"اب منگنی کی رسم کر دینا چاہیے۔ بس کوئی بھی تاریخ رکھ لیں تمہیں اعتراض تو نہیں
گا؟" تائی اماں پوچھنے لگیں۔ وہ اٹھتے اٹھتے ذرا سا ٹھٹک گیا۔ لفظ اعتراض پر اس کا دل ہنس پڑا۔
"دیکھو نا پھر غالب کا ولیمہ بھی اس مہینے کے آخر میں ہے میں چاہتی ہوں تمہاری منگنی
رسم ہو جائے۔ تاکہ زنیرہ کو اس فنکشن میں' میں اس نئے رشتے سے سب سے متعارف کراؤ
اور غالب کا بھی ہنی مون رکا ہوا ہے اس نے الگ شور مچا رکھا ہے۔ وہ تو ولیمہ سے پہلے ہی بھا
پر مصر ہے زبردستی پکڑ رکھا ہے کیا اچھا لگے گا گھوم پھر کر آئیں اور ولیمہ کھا رہے ہیں اور سار
رشتے دار الگ جان کو آئے ہیں کہ غالب کی دلہن نہیں دیکھی ایسے ہڑلے میں شادی کی
ضرورت تھی اب ان سب کو کہانیاں تو نہیں سنائی جا سکتیں۔"
وہ سر جھکائے اپنے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے فرش پر کو گھورتا رہا پھر کچھ سوچ کر
اٹھا کر بولا۔
"ولیمہ سے پہلے کر دیں یا بعد میں مگر میں منگنی کے حق میں نہیں ہوں۔ منگنی کے بجا
نکاح ہوگا' اسے آپ میرا فیصلہ سمجھ لیں' شرط سمجھ لیں' یا خواہش۔"
اس کی بات پر ایک لمحے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ چچی نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔
"نکاح؟ مگر کیوں؟" ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔
"میں نے آپ کے کسی فیصلے پر اعتراض نہیں اٹھایا۔ بصورتِ دیگر میرے اعتراض
اہمیت نہیں دی گئی۔ مجھے امید ہے میرے اس فیصلے پر بھی آپ کو اعتراض نہیں ہو گا۔" اس
لہجہ انتہائی غیر لچکدار تھا۔
"تو کیا رخصتی بھی؟"
"نہیں۔" اس نے چچی کی بات کاٹ دی۔ "رخصتی آپ اپنی مرضی سے کیجئے گا۔"

"تو پھر نکاح رہے یا منگنی اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" تائی اماں فکرمندی سے اس کا چہرہ تکنے
ہں۔
"میری نظر میں منگنی کی کوئی اہمیت نہیں ہے میں اسے ایک کمزور اور ناپائیدار رشتہ سمجھتا
ں۔"
"تو تمہارا خیال میں نکاح پائیداری کی ضمانت ہے۔" ثاقب بھائی ہنس پڑے۔ اس کے
ریلے چہرے کے زاویے بھی ذرا ڈھیلے ہوئے وہ ہولے سے مسکرا دیا۔
"ہے یا نہیں اس سے قطع نظر۔ یہ کارڈ تو کم از کم میرے ہاتھ میں ہو گا۔" اس کے لہجے میں
نے کیا تھا ثاقب بھائی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"تو اس استحقاقی کارڈ سے کیا گیم کھیلنا چاہتے ہو؟" ان کے لہجے میں کھوج سی اتر آئی۔
"آپ کے خیال میں کیا کھیلا جا سکتا ہے؟" وہ اطمینان اپنی جگہ کھڑا تھا۔ ثاقب بھائی کی
کھوجتی نظروں سے ذرا بھی نہ گڑبڑایا تھا۔
"یہ تم دونوں کیا باتیں لے بیٹھے؟" منجھلی چچی الجھ کر دونوں کی شکلیں دیکھنے لگیں اور تب
لدم ثاقب بھائی کو موجود دونوں خواتین کا احساس ہوا۔ وہ ہنس پڑے۔
"چلیں چچی جان۔ منگنی کے بجائے ہم مستحکم اور پائیدار رشتہ جوڑ دیتے ہیں شاہ دل اور زنیرہ
ں کے درمیان بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یوں بھی برتری ظاہر کرنے کا یہ بھی ایک
رلقہ ہے۔" ثاقب بھائی کی بات پر وہ کندھے اچکا کر صرف مسکرا دیا۔

○☆○

نکاح کی بات پر لڑکیوں نے شور مچا دیا۔
"اتنی جلدی کس طرح ہوں گی تیاریاں' ریڈی میڈ سوٹ پر گزارہ کرنا پڑے گا۔" نیلی کو
ب سے زیادہ فکر تھی۔
"ریڈی میڈ سوٹ زبردست آتے ہیں' خرید لینا۔" سدرہ بھابی نے اسے اطمینان دلایا۔
"مگر آخر سوجھی کیا شاہ دل [illegible] ئی کو؟"
"مجھے تو ڈر ہے نکاح ہو جانے کے بعد رخصتی کا شور نہ مچا دیں کہیں اور ہمارے سارے
رمان رہ جائیں۔" نیلی کو یہ فکر ستانے لگی۔
"بے فکر رہو یہ شاہ دل ہے غالب نہیں۔ اتنا بے صبرا۔" بھابی نے یہ کہتے ہوئے سائرہ کی
طرف دیکھا۔ سائرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔
"ان سب کا واویلا بے سود تھا۔ بقول نیلی کے میرے اتنے ارمان ہیں نہ پہلے منگنی پھر نکاح پر

الگ جوڑا۔ حد ہو گئی ایک ہی سوٹ میں دو فنکشن نمٹ جائیں گے خاک مزہ آئے گا۔" وہ بسور رہی تھی۔

مگر یہ شاہ دل کا فیصلہ تھا اور اس پر نیا حکم بھی آ گیا تھا کہ یہ سارا کچھ بے حد سادگی سے ہو گا۔ کوئی زیادہ لوگ یا بڑا ہنگامہ نہیں ہو گا۔

چچی تو سعادت مندی سے اس کی ہر بات ماننے کو تیار تھیں۔

ادھر تائی اماں نے سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کرا دیا کہ ہر چیز بازار میں تیار مل جاتی ہے اور رہی شور ہنگامہ اور ارمانوں کی بات تو ابھی پندرہ دن پڑے ہیں۔ اس میں وہ سب ڈھول ڈپے کر کے ارمان نکال سکتی تھیں اور سادگی اچھی چیز ہے یوں بھی زنیرہ کی چچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ایسے میں زیادہ ہنگامہ ان کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے اس کے بعد لڑکیاں اپنی اپنی تیاریوں میں جتھ گئیں۔ سب کچھ ریڈی میڈ لینا تھا مگر اس میں بھی تیاریاں ختم ہونے نہیں آ رہی تھیں۔

ایک افراتفری مچی رہی تھی پورے گھر میں کبھی بازار سے تھک کر آ رہی ہیں تو کبھی ڈھول لے کر بیٹھ جاتیں اور رات بھر ہنگامہ مچائے رہتیں ایسے میں لڑکے زبردستی شاہ دل کو بھی پکڑ کر لے آتے۔ ایسے میں وہ ذہنی کوفت میں مبتلا ہو جاتا' زبردستی ہنسنا بھی پڑتا اور جملے بازی کے حملوں کی گرفت میں بھی رہنا پڑتا۔ زنیرہ کے حوالے سے وہ اسے چھیڑ کے آنے والے لمحات کی رنگینی کا نقشہ کھینچتے اور اس کا دل گویا اندر دھڑ دھڑ جلنے لگتا۔

ایک نامانوس سی آگ میں وہ کھولتا رہتا۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر آدمی کبھی کبھار اتنے بہت سے رشتوں کی زنجیروں میں جکڑ کر اتنا بے اختیار اور بے بس ہو جاتا ہے کہ اپنے دل کی خواہشوں ایک طرف ڈال دینا پڑتا ہے۔ اپنے رویوں کو ایسے بہت سے رویوں سے کچل دینا پڑتا ہے اور وہ ایسا ہی کر رہا تھا۔ بہ صورت دیگر ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ وہ سب اس پر حملے کر رہے تھے ہر شخص آزاد تھا' فضول گوئی' شرارت میں' اسے چھیڑنے اور اسے ستانے میں اور وہ کسی کو روکنے ٹوکنے کا حق بھی نہیں رکھتا کہ بارہا اس گھر میں ایسے مواقع آئے جب وہ خود بھی ایسے حق کا استعمال کرتا رہتا تھا۔

اور آج اس کی باری تھی۔

اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی سب برداشت کر رہا تھا۔ یہ سارے مرحلے تو جیسے اس کے لیے کڑی آزمائش صبر کا سب سے بڑا امتحان ثابت ہو رہے تھے۔

○☆○

زنیرہ کے خوبصورت سندر روپ نے ہر آنکھ کو متاثر کیا تھا۔

آج اس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔

"شاہ دل بھائی کی تو خیر نہیں۔" رابعہ نے اسے چھیڑا تو اس کا سر شرم سے جھک گیا۔

سرخ اور سنہرے لہنگے سوٹ میں وہ تازہ گلاب کی مانند شگفتہ اور دل آویز نظر آ رہی تھی۔

تم بادشاہِ حسن ہو حسنِ جہاں ہو
جانِ وفا اور محبت کی شان ہو
جلوے تمہارے حسن کے تاروں سے کم نہیں

دروازہ کھلا تو باہر تیز بجتے ڈیک کی آواز اندر کمرے تک آ کر پھیل گئی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"یہ شاہ دل بھائی کے دل کی آواز ہے۔" نیلی بولی۔

"تمہیں کس نے کہا' کیا تم نے ان کے دل پر کان لگا کر سنا ہے؟"

"بھئی یہ کام تو اب زنیرہ کرے گی۔" سائرہ برجستہ بولی۔ کمرے میں کھلکھلاہٹیں امڈ پڑیں۔ مارے شرم کے سمٹ گئی۔ اس کا سر اتنا جھک گیا کہ لڑکیاں چھیڑنے لگیں۔

"شاہ دل بھائی تو سامنے نہیں کھڑے۔"

"تمہیں کیا پتا بجی۔ تصور کی بھی ایک دنیا ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اسے سامنے کھڑا دکھائی رہا ہو۔" سدرہ بھابی نے یہ کہتے ہوئے زنیرہ کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"بھابی پلیز۔" اس نے شرمایا ہوا احتجاج کیا۔

"کیوں تنگ کیا ہوا ہے میری بہن کو۔" فرزانہ آپی اندر آئیں اور اس کا دفاع کرنے لگیں تو اوئے ہوئے کرنے لگیں۔

"اب ہماری ہو گئی زنیرہ۔ ہم تو ہر سلوک کرنے کا حق رکھتے ہیں۔" سدرہ بھابی نے دھونس ا۔

"بجا فرمایا مگر ابھی پرمٹ حاصل نہیں ہوئے ہیں۔"

"وہ تو ہو چکے ہیں۔ جہاں لڑکی کا سر ہل گیا وہاں۔"

"بس بس۔ اب اتنا بھی تنگ مت کریں بھابی' میری اصلی والی بھابی کو۔" نیلی' زنیرہ کے گرد بازو ڈال کر لاڈ سے بولی۔ اس کے اصلی بھابی کہنے پر زبردست قہقہہ پڑا۔ سدرہ بھابی نے ہاتھ کر اسے ایک دھپ رسید کر دی۔

"طوطا چشم۔ میں کیا نقلی بھابی ہوں۔ دیکھو ذرا ابھی زنیرہ آئی نہیں ہے اور مجھ سے آنکھیں لیں۔"

نیلی کا قہقہہ چھت پھاڑ تھا۔

زنیرہ کو جب باہر لا کر شاہ دل کے برابر صوفے پر بٹھایا گیا تو فرزانہ آپی نے اس کا دوپٹہ ذرا سا کھینچ کر گھونگھٹ سا ڈال دیا۔ نیلی نے احتجاج کیا۔

"میرے بھائی کا کیا قصور۔ وہ کیوں محروم رہیں اپنی بیوی کو دیکھنے سے۔"

مگر اس کی ایک نہ چلی۔

شاہ دل کو اپنے پہلو میں گویا آنچ سی اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔

رنگوں اور خوشبو کا ایک ریلا آیا تھا جو اس کے چاروں طرف پھیل رہا تھا۔

اس نے سرسری انداز میں اس رنگوں اور خوشبو کے مجسمے کو دیکھا مگر سوائے جھلملاتے دوپٹے کے اور کچھ نظر نہ آیا مگر اس کے وجود کا اپنا ایک احساس ضرور تھا وہ اپنی موجودگی کا احساس بھرپور طریقے سے دلا رہی تھی اسے' اس کی قربت نے اس کے حواس پر بڑا زبردست حملہ کیا تھا گویا ایک طرح سے اس کے اعصاب کی آزمائش ہی تھی یہ۔

مگر چند لمحات کٹھن گزارنے کے بعد اس نے اپنے دل پر کنٹرول حاصل کر لیا اور یکدم ہی ذہنی طور پر اس سے لاتعلق بن کر بیٹھ گیا۔ گوکہ سرکش' منہ زور اور فطری جذبوں کی لگامیں کھینچ لینا خاصا دشوار ثابت ہوا تھا مگر وہ آرام سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا' جانے کس کس کے ہاتھوں میں کیمرے تھے۔ فلش لائٹوں میں وہ دونوں نہائے ہوئے تھے۔ ساتھ ساتھ ہنسی مذاق کا سلسلہ بھی چل رہا تھا۔

آج تو ہر شخص ہی خوش مزاج بذلہ سنج دکھائی دے رہا تھا۔ چچی نے آگے بڑھ کر جب زنیرہ کا دوپٹہ ذرا سا اونچا کیا تو لڑکیوں نے زبردست تالیاں پیٹیں اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

"بیٹے کو موقع دیا جا رہا ہے۔" غالب نے انہیں چھیڑا۔

"اصل محرم تو میرا بیٹا ہی ہے۔ پر وہ تو تم سبھوں سے کروانا پڑے گا۔"

"اوئے ہوئے محرم۔ ابھی کچھ حدود آرڈیننس کے تحت اس محرم کو اتنے اختیارات نہیں دیے جا رہے۔ آپ خلاف ورزی کر رہی ہیں۔"

"تم چپ رہو' تمہارے لیے اس بندے نے سب سے زیادہ خلاف ورزیاں کی تھیں بھول گئے۔" سارہ آپی نے غالب کو آنکھیں دکھائی ایک طرف سے چچی نے دفاع کیا۔

"ہرگز نہیں بھولا۔ بلکہ ہم اس قسم کی خلاف ورزیاں کرنے کو تیار رہیں۔ کیا خیال ہے یار نئے پھر ہو جائے وہی تماشا ری پلے۔"

اس نے شاہ دل کی طرف دیکھ کر ہلکے سے آنکھ دبائی۔ اس کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ جھلک آئی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں بھی فیئر طریقوں سے کام کرنے کا عادی رہا ہوں ہر کام وقت پر کرنے کا۔ حساب کے ساتھ۔" اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا اور پرسکون تھا اس نے یونہی بھرپور اور استحقاق سے پر نظر اپنے پہلو پر ڈالی۔ فتح کا ہلکا سا احساس دل پر ہلکورے لینے لگا۔

وہ دوپٹے کی آڑ میں اپنے تمام تر تاثرات' احساسات چھپائے بیٹھی تھی۔

اور جب شاہ دل نے انگوٹھی پہنانے کے لیے اس کا ہاتھ تھاما تو اس کی نازک سفید لانبی لرزتی انگلیاں اس کے دل کے شوریدگی کی ترجمان بن گئیں۔

سب شور مچا رہے تھے۔

"یہ فاؤل ہے۔ جب نکاح ہو رہا ہے تو پھر انگوٹھی کیوں؟ یہ منگنی ونگنی تو موصوف کی نظر میں اہمیت ہی نہیں رکھتی۔" غالب نے چچی کے ہاتھ سے انگوٹھی جھپٹ لی۔

"تمہیں کیا ہے؟ میرے بھائی کی مرضی ہے جس طرح بھی اسے اپنے نام کریں۔" نیلی بھائی کی مدد کے لیے میدان میں کودی اور غالب کے ہاتھ پر جھپٹی مگر اس نے سرعت سے انگوٹھی تیمور کی طرف اچھال دی جس نے بروقت کیچ کر لی۔

"توبہ کیسے شریر لڑکے ہیں یہ۔" تائی اماں بھی محظوظ ہو رہی تھیں۔

ادھر شاہ دل وہ کانپتا ہاتھ تھامے منتظر تھا کہ کب انگوٹھی اس کی طرف واپس آتی ہے۔

"دے دو اب۔ اب خوامخواہ میں اسے موقع مل رہا ہے ہاتھ پکڑے رکھنے کا۔" سدرہ بھابی نے ہنس کر چوٹ کی تو اس نے یکدم خفیف سا ہو کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ کھلکھلاہٹوں میں اضافہ ہو گیا۔

"لاؤ بھئی اب۔ اتنا بھی تنگ مت کرو۔ میرے بچے کی پہلی خوشی ہے سارے ارمان نکالیں گے۔"

بڑی مشکل سے لڑکوں نے انگوٹھی منجھلی چچی کو تھمائی جسے انہوں نے جھٹ سے بیٹے کے ہاتھ میں دے دی مبادا پھر کوئی جھپٹ نہ پڑے۔ سب بے اختیار ہنس پڑے۔

رسم نکاح کے بعد زنیرہ کو اندر لڑکیاں لے گئیں۔

بیڈ پر بیٹھتے ہی اسے جیسے گہرے سکون اور آرام کا احساس ہوا۔ بیٹھے بیٹھے کمر میں درد اور سر جھکانے سے گردن الگ اینٹھ سی گئی تھی۔

اس نے دوپٹہ چہرے سے ہٹا کر اطمینان بھرا سانس کھینچا۔

"تھک گئی ہو نا؟" سائرہ نے اس کا دوپٹہ سر سے اتار کر کندھے پر ڈال دیا۔ "اب اطمینان سے بیٹھو۔"

"یہ ساری رسمیں لڑکیوں کے لیے مصیبت سے کم نہیں ہوتیں۔" نیلی آئینے میں اپنا جائزہ لے کر اس کے پاس آبیٹھی۔

"ماشااللہ بہت پیاری لگ رہی ہو زینی۔ دل چاہتا ہے' دل چاہتا ہے کہ....." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر معنی خیزی سے ہنس پڑی۔

"پتا ہے کیا دل چاہتا ہے۔" اس نے شرارت سے اس کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا تو زنیرہ نے پلکیں جھکالیں۔ اس کے لبوں پر شرمیلا سا تبسم بکھر گیا۔

"بھوک تو خوب زور سے لگ رہی ہو گی' ہے نا؟" دروازہ کھول کر سدرہ بھابی نے اندر جھانکا۔ "یا خوشی سے مرگئی ہے۔ ویسے میری تو دوچند ہو گئی تھی۔"

"ثاقب بھائی کی بھوک مرگئی تھی دکھ سے۔" نیلی نے یہ کہہ کر قہقہہ لگایا۔ سدرہ بھابی نے اسے دھپ رسید کی۔

"پٹر پٹر بہت بولنے لگی ہے ابھی عمیر کو بھیجتی ہوں۔ تیری زبان کو وہی لگام دے سکتا ہے۔" عمیر کے ذکر پر نیلی جھینپ کر رہ گئی۔ نیلی کی شکل دیکھ کر سائرہ اور زنیرہ اپنی ہنسی نہ روک سکیں۔

"میں عمیر و میر سے نہیں ڈرتی' یونہی آپ تو ہیں'" وہ کھسیا کر کمرے سے نکل گئی۔

پھر سدرہ بھابی اور سائرہ اس کے لیے کھانا لینے چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد سدرہ بھابی تنہا لوازمات سے بھری ٹرے لیے اندر داخل ہوئیں۔ وہ قدرے پرسکون اور طمانیت سے بیڈ کی پشت پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر گہرا اطمینان تھا' آنکھوں میں خوشی کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ اسے یہ سب خواب سا لگ رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو تک رہی تھی جن میں شاہ دل کے نام کی مہندی لگی تھی۔

"لیجیے دلہن صاحبہ نوش فرمائیے۔ یہ سارا کچھ شاہ دل نے اپنے ہاتھوں سے سجا کر بھیجا ہے' کہہ رہا تھا نکاح کا کھانا زیادہ کھانا' بڑا نیک شگون ہے۔ جتنا میں نے کھایا ہے اتنا ہی زنیرہ بھی کھائے۔ راز کی بات ہے۔ اس نے تو بہت زیادہ کھایا ہے۔" سدرہ بھابی کی شرارت پر وہ شرما گئی۔

"اچھا سنو۔" وہ اس کی پلیٹ میں فرائیڈ چکن ڈالتے ہوئے اس کی طرف جھکیں پھر رک کر دروازے کی طرف دیکھا اور مطمئن ہو کر بولیں۔

"کھانا کھا کر کپڑے ہرگز نہ بدلنا۔ شاہ دل سے میں نے وعدہ کرلیا ہے ایک مختصر سی ملاقات کا۔ بقول اس کے ملاقات بہتر طور پر ہوئی تو نیگ بھی اچھا ملے گا ورنہ..... سچ زینی آج تم اتنی پیاری' اتنی سندر لگ رہی ہو کہ شاہ ہے تو کیا خود میرا دل چاہتا ہے رخصتی کرالوں۔ سچی اس کا تو

ن بنتا ہے تمہارا یہ روپ دیکھنے کا۔"

شرما کر اس نے پلکوں کے ہمراہ سر بھی جھکالیا۔ اس کے رخساروں کا سارا خون ہی جیسے امڈ یا۔ مارے شرم اور خوف سے اس کا دل دھڑدھڑ کرنے لگا۔

"مگر بھابی۔ مم.... میں ان کا سامنا کیسے کروں گی؟" اس نے پلیٹ واپس ٹیبل پر رکھ دی۔ ارے ہی مساموں سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

"کیا مطلب' کیسے کروں گی؟" بھابی نے اسے دیکھا۔

"مجھے شرم آرہی ہے بھابی۔"

"تمہارا یہ شرمایا شرمایا روپ ہی تو دیکھنا چاہتا ہے وہ۔ بھئی اب تو وہ چاہے تو تمہیں ہاتھ پکڑ ر اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے۔"

"ہائے اللہ۔" اس کا چہرہ خوف سے بھر گیا۔

"بالکل پاگل ہو۔ اتنا نائس بندہ ہے وہ تو۔ تم بالکل مت گھبراؤ۔ قطعی کوئی چھچھورپن نہیں گا۔ تم تو اس کی عادت سے واقف ہو۔ اسے تمہاری شرم وحیا کا لحاظ ہے وہ خود بھی شرم وحیا کو د کرتا ہے۔ صرف سلام پیش کرنا ہوگا اور کیا۔" بھابی یہ کہہ کر ہنس پڑیں اور تسلی دینے لگیں' ر اس کی گھبراہٹ کسی طور پر کم نہ ہو رہی تھی۔

"کم آن زینی' میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے جانو۔ وہ پہلے ہی مجھ سے خفا ہے اس طرح ید خفگی دور ہو جائے۔ اچھا سنو بالفرض دروازے پر کسی ظالم سماج کے آجانے کا خطرہ ہو گا تو ڑکی سے گزارا ہو جائے گا۔ ویسے ایسا ہو گا نہیں ابھی تو سب کھانے پینے میں الجھے ہوئے ہیں۔ سائرہ کو پہرے پر بٹھادوں گی۔ سن رہی ہو ناں۔"

"جج.... جی۔" اس نے سر ہلادیا۔

"اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔" وہ اسے تھپک کر چلی گئیں۔ اس کے سے تو اب ایک نوالہ بھی نہیں اتر رہا تھا۔

وہ سوچنے لگی کہ اس کا سامنا کس طرح کرپائے گی۔

اس روپ میں۔

اتنے خوبصورت مضبوط بندھن کے بعد۔

کچھ دیر بعد دروازے پر کھٹر پٹر ہوئی تو اس کا دل وحشت سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ گھبرا بیڈ سے کھڑی ہوئی تو شرارے کا کنارہ ٹیبل کی نوک میں پھنس گیا۔ جھک کر اسے نکالنے لگی تو ی بھرکم دوپٹہ شانوں سے پھسل گیا۔

بھاری بھرکم کپڑوں اور جیولری کے بوجھ کے ہمراہ اب شرم کا بوجھ بھی لد گیا تھا۔ اس نے

خفت سے دوپٹہ کھینچ کر سر پر ڈالا اور بہ مشکل پلکیں اوپر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

دو گہری نظروں سے تصادم ہوا۔

بلیک ڈنر سوٹ میں، پروقار دلکش سراپا۔

بس ایک لمحہ جیسے کائنات کا رقص تھم گیا۔

اپنی ذات سے دستبردار ہونے کے بعد زنیرہ علی اس کی ذات کا حصہ بن چلی تھیں۔

اس کے حواس بھی یوں گم ہو گئے جیسے وہ واقعی فاتح بن کر آیا ہو اور وہ ہاری ہوئی شکست، کھائی ہوئی سپاہی ہو اپنا تمام تن من دھن اس فاتح لیڈر کے قدموں میں رکھ چکی ہو۔

اس کا سر جھک گیا اور دل سینے کی دیواروں سے کسی دیوانے کی طرح ٹکرانے لگا۔

شاہ دل سینے پر بازو لپیٹے یوں گم صم کھڑا تھا جیسے اپنے یک دم خالی ہو جانے کا احساس ہوا ہو۔

پہلو سے کوئی چیز نکلتی مچلتی محسوس ہوئی۔

وہ ایک بالکل نئے انوکھے دل آویز روپ میں اس کے سامنے تھی۔

اس کی اپنی متاع حیات، بالکل جائز ملکیت۔

مگر یہ محشر خیال۔

یہ قیامت صرف لمحہ بھر تھی۔

ڈسٹر بینس ایک پل کی تھی۔ دوسرے پل دل کے کونے سے وہی رد کیے جانے کی تلملاہٹیں، وہی ملال آگیں لمحوں کا تصور اور تذلیل کا احساس روح پر ابھرنے لگا اور جیسے جسم کے ہر ہر عضو میں چٹکیاں بھرنے لگا۔ فتح کا احساس چنگاریوں کی صورت میں رگ رگ سے پھوٹنے لگا۔ لمحے بھر کی بشری کمزوری کو اس نے فوراً سے پیشتر قابو پالیا۔

سرکش۔

منہ زور۔

فطری جذبوں کی لگامیں کھینچنا کوئی آسان تو نہ تھا مگر شاہ دل جیسا مضبوط شخص ہی تھا جو اس دشوار گزار لمحوں میں ثابت قدم رہا پھر بے حد اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے پیچھے دروازہ اچھی طرح بند کر کے اس کی جانب بڑھا۔

وہ پہلی نظر کے تصادم کے بعد اس قدر گھبرائی تھی کہ ترچھی کھڑی ہو کر اس کے طرف سے رخ موڑ لیا تھا۔

"نکاح کی مبارک باد دوں یا اس شکست کی جو تم نے بے حد خوشی اور رضامندی سے کھائی ہے۔" وہ اس کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا اور بڑی تلخ قسم کی چبھتی ہوئی بہت سرد نظر اس پر ڈالی۔

اس نے پلکیں ذرا سی اوپر اٹھائیں۔

بڑا بے اعتماد کر دینے والا، دھڑکا دینے والا لہجہ تھا اس کا۔

"وہ شکست، وہ ہار جسے تم آج تک جھٹلاتی آئی تھیں پوچھ سکتا ہوں یکایک تسلیم کر لینے کا خیال کیسے آ گیا؟"

وہ اپنی جگہ ششدر رہ گئی۔

یہ وقت، یہ حالات، یہ لمحات ان باتوں کے لیے نہ تھے۔

وہ کیسی باتیں اور کس لہجے میں کر رہا تھا۔

تلخی۔

سرد مہری۔

طنزیہ اور تمسخرانہ مسکراہٹ جو کسی تلوار کی تیز دھاری کی مانند اسے کاٹتی ہوئی اندر تک اتر جاتی تھی۔

اس کا دل عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوا۔ اس نے پلکیں اوپر اٹھائیں، وہاں نہ شوق کی لپک تھی نہ دلچسپی کی رمق۔ ایک گہرا سکون تھا اور اس سکون میں فتح کا نشہ تھا مگر اس کے لیے تمسخر تھا، طنز تھا۔

"اسے میں عورت ذات کا ڈرامہ کہوں، منافقت کہوں یا کوئی اور انداز اپنے وجود کا احساس دلا کر پیچھے ہٹ جانا پھر مرد کے التفات پر غصہ ہونا۔ نفرت کا کھلا اظہار کرنا۔ اس کے جذبوں کو محض دل لگی کہنا۔ اسے ہر ہر طرح سے ذلیل کرنے کے بعد۔"

"شاہ..... دل..... آ..... آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" وہ تحیر آمیز بے یقینی اور خوف کے ملے جلے احساسات کے ہمراہ اس کی بات کے درمیان بول اٹھی۔ وہ اس کے مہکتے سراپے پر ایک نگاہ ڈال کر ہونٹ بھینچ گیا۔

"سوری زنیرہ علی، میں جو باتیں تم سے کرنے آیا ہوں تم یقیناً اس کے لیے تیار نہ ہو گی۔ تمہارے لیے سب غیر متوقع ہو گا۔ تمہارے خیال میں، میں دل فرشِ راہ کیے تمہارے سامنے آؤں گا۔ بہت بہت بار آیا تمام تر جذبوں کی صداقتوں کے ہمراہ مگر سوائے ٹھکرائے جانے کا احساس اور رد کیے جانے کی آگ کے تمہاری طرف سے کچھ نہیں ملا تھا مگر آج میں اپنے پورے استحقاق کے ساتھ آیا ہوں مگر اس حق کو ذرا اور طرح استعمال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ک..... کیا..... کیا مطلب؟" وہ جیسے بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی تحیر تھا۔ مگر اب اس میں نامانوس سے خواب کپکپانے لگا تھا۔

شاہ دل کے چہرے پر نرمی بالکل نہیں تھی بلکہ ایک آگ بھڑکتی دکھائی دے رہی تھی۔

"کچھ باتیں یاد دلانی تھیں تمہیں۔" وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آیا۔

اور اس کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ کا وزن ڈال دیا تو وہ کسی سوکھے پتے کی طرح کانپ کر رہ گئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خود میں سمٹ جاتی مگر سرد چہرے کے تاثرات اس کے اندر شرم کے بجائے خوف کو ابھار رہے تھے اور وہ اسے ایک وحشت میں دھکیل رہا تھا۔

"یاد کرو جب تم نے مجھے ایک گرا ہوا پست انسان کہا تھا' یاد کرو جب تم نے میرے منہ پر نفرت سے بھرا تھپڑ مارا تھا جو آج تک میری روح پر تپ رہا ہے۔ تم بھول سکتی ہو مگر میں نہیں بھول سکتا وہ ساری ذلت۔ تم نے ہر ہر لمحے میرے سچے جذبوں کی تذلیل کی' انہیں ہرٹ کیا۔ مرد کو چیلنج نہیں کرتے زنیرہ علی۔ اگر اس کی مردانگی عود کر آتی ہے' اس کی انا جاگ اٹھتی ہے تو بہت تباہیاں آتی ہیں۔ وہ اپنے نفع نقصان سے بھی بے پروا ہو جاتا ہے۔"

"شا... ہ... دل... آپ... آپ..." اس کا سرد سرد لہجہ اس کے لہو کو منجمد کر گیا۔ وہ وحشت زدہ اس کی گرفت سے نکلی۔ مارے صدمے کے وہ رو دینے کو تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے سامنے شاہ دل کھڑا ہے جسے اس نے ابھی کچھ دیر قبل پوری رضامندی' پوری محبت اور خوشی سے اپنایا تھا۔

جسے پانا اس کا خواب تھا جو حقیقت بن کر اس کی روح کو معطر کر گیا تھا۔

مگر یہ کیا تھا۔

خواب میں بھی ایسی خوفناک تعبیر کا تو اس نے نہیں سوچا تھا وہ اب بھی بے یقینی سی تھی کہ شاید وہ اسے تنگ کر رہا ہے مگر اس کے چہرے پر تنا پتھریلا پن اس کی خوش فہمی کی چادر کو تار تار کر رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا تم سے میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔ وہ سارے اب بے باق ہوں گے۔ کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ مت دینا۔ تمہیں پانا میرے لیے کوئی مسرور کن احساس نہیں ہے۔ تم تو بہت آسان شے تھیں۔ دراصل تمہیں پانا میری فتح کی تکمیل تھی اور میں نے کبھی ہار نہیں مانی۔ کبھی شکست تسلیم نہیں کی۔ تمہیں اپنے نام کر کے ایک حق تو حاصل کر لیا ہے۔"

"پلیز... پلیز شاہ دل' چپ ہو جائیے' چپ ہو جائیے۔" وہ یکدم کرب سے چلائی۔ اس کے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔ انکشاف کے بگولوں نے اسے ادھ موا کر دیا۔

"خدا کے لیے چپ ہو جائیں کچھ تو بھرم رہنے دیں مجھے اپنے فیصلے پر کچھ تو فخر کرنے کے لیے رہنے دیں۔" وہ کرب کی اتھاہ میں ڈوبتے اور ابھرتے ہوئے انتہائی شکستگی' دل آزردگی اور ماتم کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ ہنس پڑا۔

روح تک کو گھائل کر دینے والی ہنسی تھی۔

"ابھی تو ابتدا ہے اور ابھی سے حوصلہ ہار گئیں' ابھی تو میں نے تمہیں چھوا بھی نہیں ہے۔ تمہارے اس خوب صورت سراپے کی تذلیل بھی نہیں کی ہے جس پر تمہیں فخر تھا' آج میرے سامنے میرے لیے سجا ہوا ہے۔ چاہوں تو اس فخر کا تنکا تنکا بکھیر سکتا ہوں۔ پارسائی کی دھجیاں بکھیر سکتا ہوں۔" وہ اس کے دائیں جانب بڑھا تو زنیرہ کو اپنی روح میں سناٹا اترتا محسوس ہوا۔ اس ناگہانی آفت نے اسے حواس باختہ کر دیا۔

"نن... نہیں... شاہ دل خدا کے لیے آپ ایسا نہیں کریں گے۔" اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔ آنکھوں میں وحشت جھلک آئی۔

"ہا... تمہیں پارسائی پر بہت ناز تھا' جسے نفرت کے قابل سمجھتی تھی اس کو اختیار سونپ دیا۔"

وہ دیوار سے لگی پھٹی پھٹی نظروں سے اسے اپنی طرف آتا دیکھتی رہی اور جیسے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامی وہ چیخ پڑی۔

"خدا کے لیے شاہ دل' مجھے مت چھونا' ورنہ ورنہ۔"

"ورنہ...؟" اس نے تیوری چڑھا کر اس پر نظر ڈالی۔ "چھونے کا یہ حق تم اپنی رضامندی سے مجھے دے چکی ہو۔"

"شٹ یور ماؤتھ' بند کریں یہ بکواس۔" وہ دکھ اور صدمہ سے چلائی۔ "آپ اس قدر گر سکتے ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" اس کی آواز بھرا گئی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک اٹھی۔

دوپٹہ شانوں سے پھسل کر زمین پر لہرا رہا تھا۔ ٹیکا پیشانی پر آئی لٹوں میں الجھ گیا تھا۔

"تم کیا میں خود ہی تمہیں چھونا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔" اس نے غصے سے اسے زور سے دیوار پر دھکیل دیا۔

"یاد رکھنا زنیرہ علی مرد محبت میں جتنا جنونی ہوتا ہے نفرت بھی اسی قدر جنون سے کر سکتا ہے۔" اس نے ٹھوڑی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں اپنی [illegible] تپتی سلگتی آنکھیں گاڑ دیں۔

"میری محبت کو نفرت کا' ضد کا روپ تم نے ہی دیا ہے۔" سچے جذبے بار بار روندے جائیں تو پھر ان سے نفرت کی بھاپ اٹھنے لگتی ہے۔"

اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

"آپ میرے جذبوں کو' میری رضامندی کو اور محبت کو اس رنگ میں لیں گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' کوئی بھی شریف عورت پکے پھل کی طرح مرد کے ہاتھ نہیں آ جاتی' اپنی وے' یوں

ہے تو یوں ہی سہی' میری شکست پر یا اپنی فتح پر جس طرح چاہیں جشن منالیں۔" وہ بکھرے اور ٹوٹے لہجے میں بولی اور بیڈ کے کنارے یوں بیٹھ گئی جیسے پیروں میں جان نہ رہی ہو۔

وہ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

وہ ایک دم اجڑی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے بھری بہار میں ہی درخت پر خزاں آگئی ہو۔

جیسے ہنستے ہوئے رنگوں پر کوئی ملول اداس کردینے والی سیاہ رنگ کا برش پھیردے۔

"اچھا ہوا آپ نے منافقت کا کھیل ختم کردیا اور اپنا اصلی روپ دکھادیا۔ میری تمام تر خوش فہمیوں کو نچوڑ دیا۔ کم از کم اب جی بھر کر اپنے انتخاب پر پچھتا تو سکوں گی۔ آس و امید کا دامن چھوٹ جائے تو انسان ایک دن بہل جاتا ہے' ڈولتی ناؤ سے اچھا ہے ڈوب ہی جانا۔ بار بار ڈوبنے اور ابھرنے کی اذیت سے نجات مل جاتی ہے۔"

وہ افسردگی سے بول رہی تھی اور بے آواز بہتے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے پونچھتے ہوئے اس پر ایک نگاہ ڈالی۔

"چلے جائیں آپ یہاں سے پلیز نکل جائیں یہاں سے' کم از کم جی بھر کر رونے تو دیجئے۔ فخر اور ارمان کے ٹوٹنے پر واویلا تو کرنے دیجئے۔" وہ دوپٹہ کا گولہ سا بنا کر اس پر منہ رکھ کر سسک پڑی۔

اسے لگ رہا تھا شاہ دل نے اسے خوشنما خوابوں کی اس بستی سے نکال کر حقیقت کے سخت کھردرے کانٹوں بھرے جنگل میں لا کر پٹخ دیا ہے۔ تنہا عمر بھر بھٹکنے کے لیے۔

وہ بھی سرخ چہرہ لیے اندرونی خلفشار دبائے کچھ دیر کھڑا اسے بکھرتے دیکھتا رہا۔ پھر جھٹکے سے پلٹ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا تھا
ذکر ہو نہ اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

اس کا دل چاہا وہ چیخ چیخ کر روئے' اتنا روئے کہ دل بھر جائے۔ سانسیں تھم جائیں اور وہ اس سلگتی دنیا سے دور نکل جائے۔

اس نے بھیگی نظروں سے بند دروازے کو دیکھا جہاں سے وہ ظالم' ستم گر گیا تھا۔ اس کی خوشیوں کو تہس نہس کرکے۔

اس کے دل کی دنیا میں آگ لگا کر۔

وہ لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی۔ خود کو سنبھالے رکھنے کا عمل بکھر بکھر گیا تھا۔

ایک کرب انگیز' اہانت آمیز انکشاف نے اس کی ساری خوشیوں کو یوں نوچ لیا تھا جیسے

کاس بیل' ہرے بھرے درخت کا پتا پتا چوس لیتی ہے۔

اسے اپنا یہ روپ اب ایک مذاق سے زیادہ نہیں لگ رہا تھا۔ کاش' کاش...... شاہ دل تم آج چپ رہ جاتے میرے سامنے ہی نہ آتے' بھرم تو رہ جاتا۔

انہی خوش فہمیوں کے چراغ کو تھامے میں کچھ دن اور ہنستے مسکراتے گزار لیتی۔

تمہیں چاہنے کا اتنا عبرت ناک انجام ہوگا' اس قدر پچھتاوے میری جھولی میں آگریں گے۔

اس نے اٹھ کر دروازہ بند کردیا۔ ساری کھڑکیاں بند کرکے اس کے دبیز پردے کھینچ لیے۔

سر سے زرتار دوپٹا کھینچ کر فرش پر پھینکا اور اوندھے منہ بستر پر گر کر رکا ہوا دریا بہا بیٹھی۔

○☆○

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا کو دیکھتے ہیں

اس نے سگریٹ کیس سے آخری سگریٹ اٹھا کر لبوں سے لگائی اور اسے لائٹر کا شعلہ دکھایا۔

ننھا سا بے ضرر شعلہ نیم تاریکی میں چمکنے لگا۔ وہ ہاتھ کا تکیہ بنائے اس پر سر ٹکائے جوتوں سمیت بیڈ پر دراز تھا۔

شاہ پیلس میں سناٹا بکھرا ہوا تھا۔ سب تھکن سے بے حال ہو کر گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

بس شاہ دل کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

نیند ہی کیا اس کا خیال تھا کہ اس کی زندگی سے سکون بھی دبے پاؤں نکل گیا ہے۔

عجیب موڑ پر ٹھہرا ہے قافلہ دل کا
سکون ڈھونڈنے نکلے تھے وحشتیں بھی گئیں

وہ راکھ جھاڑتا ہوا بیڈ سے کھڑا ہو گیا پھر چلتا ہوا کھڑکی کھول کر باہر اندھیرے کو گھورنے لگا۔

کیا اس نے جو انتہائی سفاکانہ وار کیا تھا زنیرہ پر وہ درست تھا یا غلط؟

اسے ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا یا نہیں' کیا وہ اس کی نفرت تھی اس لڑکی سے یا محض وہ غصہ جو اس کے اندر اس کی انا نے اس کی مردانگی نے جگا دیا تھا۔

یا

پالینے کا وقتی نشہ اور تفاخر نے اسے یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کردیا تھا۔

بہرکیف وہ ایسا سب کچھ کرکے مسرور ہرگز نہیں تھا۔ اسے لگ رہا تھا اس کے اندر کوئی چیز اس کا دل مسوس رہی ہے۔ اس کی روح میں چٹکیاں بھر رہی ہے۔ زنیرہ کا سجا سنورا حسن اس کے

چشم تصور میں اب تک سمایا ہوا تھا۔ پھر اس حسن کو آنسوؤں میں بھیگتا بھی دیکھا تھا۔

وہ سارے لمحات اس کے ذہن کی سطح پر لہروں کی طرح ابھر ابھر کر بکھر رہے تھے اور اس کے دل کو ایک اضطراب میں دھکیل رہے تھے۔

اگر وہ یہی چاہتا تھا تو پھر ایسا کر کے مطمئن اور خوش کیوں نہیں تھا۔

اسے تو بہت گہری بہت پر سکون نیند آنی چاہیے تھی کہ اس نے اپنی اہانت کا بدلہ سود کے ساتھ لے لیا تھا۔

مگر ایسا نہیں تھا۔

اس کی آنکھوں کی سطح پر چبھتی ریت بکھری پڑی تھی اس کے دل کے اندر ویرانی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ نہ سکون تھا، وحشت، بس بے نام سی خامشی۔ بے نام سناٹا جیسے اعصاب منجمد ہو گئے ہوں۔ ساری سوچیں ختم ہو گئی ہوں۔ دل! جذبوں سے تمام تر احساسات سے خالی اور بے نور ہو چکا ہو اور وہ بھاگتی دوڑتی زندگی کا بے کار، بے حس عضو ہو کر رہ گیا ہے۔

”وائے آئی ایم سیڈ؟“ اس کے لبوں پر بے مقصد مسکراہٹ بکھر کر ٹوٹ گئی۔ جھک کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی۔ اچانک اسے کمرے میں حبس کا احساس ہوا۔ اس نے لائٹ جلائی تو سارا کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے دھند میں لپٹا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑا خالی خالی نظروں سے اس دھند کو دیکھتا رہا۔

ایسی ہی دھند اس کے اندر بھی آہستہ آہستہ قدم جما رہی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی پھر پنکھا کھول دیا اور اپنا سلیپنگ سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں چلا گیا۔

کبھی یوں ہوتا ہے بلکہ عموماً ہوتا ہے کہ جذبات کا طوفان تھمتا ہے۔ غصے اور تلملاہٹوں کی روانی میں سستی آتی ہے تو سوچنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور یہیں سے نفع و نقصان، سود و زیاں کا احساس بھی اجاگر ہونے لگتا ہے، کیا کھویا اور کیا پایا کی فکر اپنی گرفت میں لینے لگتی ہے۔

اگر جذبات اور غصے کے اس طوفان میں کھویا ہی کھویا ہو تو...... ایسی ہی بے سکونی ایسی ہی آزردگی روح پر غالب آجاتی ہے جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا ہے مگر اس کی گرفت سے نکل بھی نہیں پاتے۔ ایسی ہی بدمزا اذیت آمیز کیفیت میں گرفتار تھا شاہ دل بھی۔ اپنے وسیع و عریض بیڈ پر لیٹے اور باوجود کوشش کے بھی نیند آنکھوں سے یوں دور تھی جیسے صحرا سے پانی۔

بیچ سمندر میں کھڑے ہو کر ساحل کی تمنا کیا کرتے
کہ تجھ کو ٹھکرا کر دوبارہ تیرے ملنے کی دعا کیا کرتے
ہم نے چارہا رکھا تھا اپنی انا کا خول اپنے اردگرد
تجھ سے دست بردار نہ ہوتے تو اور کیا کرتے

اس نے ساری بتیاں گل کر دی تھیں اور بیڈ پر دراز آنکھیں موندیں اور ان سوچوں سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کرنے لگا جو اس کے لیے کسی اذیت سے کم نہیں تھیں۔

جو اذیت وہ زنیرہ کو اپنی دانست میں دے کر آیا تھا اب اس سے کہیں زیادہ اذیت ناکی میں خود گرفتار تھا۔

○☆○

غالب کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑے اس نے ڈریسنگ کے آئینے میں اپنی ٹائی کو گرہ لگاتے ہوئے سجی سنوری سائرہ کو سارہ آپی کے ہمراہ اندر آتے دیکھا تھا۔

”یہ تم عورتوں کو منت منت پر پارلر جانے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے۔ اس مہنگائی کے دور میں بے چارہ شوہر غریب تو مارا جائے۔“ اس نے پلٹ کر پر شوق نگاہوں سے اس کا خیرہ کن حسن دیکھا۔ دل بڑے خوبصورت انداز میں دھڑکا۔ میرون کلر کے لہنگے سوٹ میں وہ دلہن کا روپ دھارے ابھی ابھی پارلر سے لوٹی تھی۔ وہ تو وہیں لونگ روم میں ہی بیٹھنا چاہتی تھی مگر سارہ آپی زبردستی اسے اس کے بیڈ روم میں لے آئی تھیں۔ اسے غالب کے وارفتانہ جذبوں کا اندازہ تھا اور اوپر سے شوخی۔

”شوہر غریب کی جیب ہلکی نہیں ہوئی خاطر جمع رکھو۔“ سارہ آپی نے گویا اسے اطمینان دلایا۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

”آپ تو آپی شرمندہ کر کے رکھ دیتی ہیں بندے کو۔ میری جیب نہ سہی میری اماں کی تو ہلکی ہوتی ہے۔ ایک گھنٹے کی واہ واہ کے لیے پورے پانچ ہزار کا بیڑہ غرق کیا گیا ہے۔ سوچیں ذرا پانچ ہزار میں کتنے لوگ پورا مہینہ چلاتے ہیں، پانچ دس بچوں کے ساتھ۔“ اس نے دکھ رویا۔ اس کا انداز شرارت آمیز تھا۔

”تمہیں زیادہ لوگوں کا دکھ رونے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر۔ دس بچوں کے ساتھ تمہیں کم از کم پانچ ہزار میں گھر نہیں چلانا پڑے گا۔ تم اس مہنگائی کے دور میں دو بچے ہی رکھنا تاکہ سائرہ کے پارلر کا خرچہ نکلتا رہے۔“ سارہ آپی کے آخری جملوں پر غالب محظوظ ہو کر ہنس پڑا جبکہ سائرہ شرم سے کٹ گئی۔ غالب کی معنی خیز اور وارفتانہ نگاہیں اس کے سراپے پر الجھی ہوئی تھیں۔

”دیکھو مانا کہ تم آج وی آئی پی ہو مگر ذرا تیاری جھٹ پٹ نمٹانا اور سائرہ تم اطمینان سے بیٹھو، میں فارحہ وغیرہ کو بھیجتی ہوں۔“ سارہ آپی جلدی میں تھیں باہر نکل گئیں۔ غالب نے آگے بڑھ کر بڑے اطمینان سے دروازہ بند کیا اور مکمل استحقاق بھری نظروں سے سائرہ شاہ کا مہکتا دمکتا سراپا دیکھنے لگا۔ وہ اس کی نظروں کی تپش سے بالکل اس طرح خود میں سمٹ کر رخ موڑ بیٹھی جیسے پہلے دن کی دلہن ہو۔

آج ان دونوں کا ولیمہ تھا۔ وہ تائی ماں کے بے حد اصرار پر پارلر سے تیار ہوئی تھی۔ اسے بے حد شرم آرہی تھی۔

سامنے آیا ہے تو میرے رگ و پے میں اتر
میں تو آئینہ نہیں جو صرف حیران کرے

وہ اس کی جانب بڑھا۔

"باہر تو واہ واہ ہو گئی ہی مگر پہلے اس سے تو داد وصول کر لو جس کے لیے یہ روپ سجایا ہے۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے نازک کندھوں پر رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

آگے لٹکتی لمبی سی چوٹی میں موتیے کی لڑیاں مہک رہی تھیں۔ غالب نے ہاتھ بڑھا کر سونگھنا چاہا تو اس نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

"کیا کر رہے ہیں؟ یہ روپ آپ کے لیے ہرگز نہیں سجایا۔"

غالب نے اسے گھور کر دیکھا تو اس کے سرخ گلاب جیسے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تو ٹھیک ہے پھر تعریف بھی لوگ ہی کریں گے۔" غالب پیچھے ہٹ گیا۔ پھر نہایت متاسفانہ نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"کتنی بری بات ہے وائف اینڈ لائف کہ میری چیز ہی کی لوگ تعریف کریں۔"

"مسٹر آپ بھول رہے ہیں، میں "چیز" نہیں ہوں۔"

"آ..... ہا..... تم کیا ہو کوئی میرے دل سے پوچھے۔" اس نے ایک مخمور قسم کی لمبی آہ کھینچی پھر ڈریسنگ سے پرفیوم اٹھا کر اس کی پھوار سائرہ پر اڑائی تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"تم خوشبو ہو، چاندنی ہو، صبا ہو موج خرام ہو کیا کیا ہو میرے دل میں جھانکو تمہیں خبر ہوگی کہ....."

"کہ میں صرف عورت ہوں۔" وہ زور سے ہنس پڑی اور اس کے ہاتھ سے پرفیوم لے لیا۔

اسے اس مصنوعی خوشبو سے سخت الرجک تھی۔ وہ جتنا دور بھاگتی تھی غالب اتنا ہی اسے خوشبو میں نہلا دیتا تھا۔

"کتنی پاگل ہو خوشبو سے بھاگتی ہو۔ ارے ڈیئر خوشبو تو محبت کا سب سے خوبصورت اظہار ہے اور تم کسی اور طریقے سے تو اظہار کرنے نہیں دیتیں۔" وہ منہ بنا کر رہ گیا۔

○☆○

"زنیرہ کو فون تو کر دوں کہ ہم اسے لینے آرہے ہیں۔" بھابی طوبیٰ کو اٹھائے بولتی ہوئی لونگ روم میں داخل ہوئیں اسی دم شاہ دل اپنی رسٹ واچ کو سیٹ کرتا ہوا داخل ہوا تھا۔ اس نام پر اس کے دل کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔ یہ چند دن جس عذاب میں گزرے تھے یہ اس کا دل

ہی جانتا تھا پھر وہی موضوع گفتگو تھی بلکہ ہر لمحہ اور ہر جگہ اس کا تذکرہ تھا۔

وہ کہاں کہاں اور کب تک بچ سکتا تھا۔

صوفے پر بیٹھ کر چپل بیزاری سے پیروں میں ڈالنے لگا۔

منجھلی چچی خود زنیرہ کو فون کرنے لگیں۔ دوسری طرف فرزانہ آپی نے فون ریسیور کیا اور یہ اداس، پریشان کر دینے والی خبر سنائی کہ زنیرہ کو بہت تیز بخار ہے وہ آج غالب بھائی کے ولیمہ میں شرکت نہیں کر سکے گی۔

"بات کراؤ زنیرہ سے۔ یہ بیٹھے بٹھائے اسے بخار کیسے آگیا۔ خدا خیر کرے۔" چچی کی آواز خاصی اونچی تھی۔ لونگ روم میں موجود سب ہی اس طرف متوجہ ہو گئے اور اس کی تو ساری توجہ ہی اب اس نام پر سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے پشاوری چپل کو اٹھاتے ہوئے ٹھٹک گیا۔

"سوری آنٹی، اسے تو میں نے زبردستی سلیپنگ پلز کھلا کر سلا دیا ہے۔ ابھی گھنٹہ بھر ہی ہوا ہے اسے نیند آئے۔ اگر آپ کہیں تو میں جگانے کی کوشش......" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"نہیں نہیں رہنے دو، تم نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔ ڈاکٹر وغیرہ کو دکھایا، اچھا ایسا ہے کہ میں خود ہی آرہی ہوں۔"

"آنٹی آپ بلاوجہ زحمت نہ کریں۔ ویسے بھی وہ سوئی ہوئی ہے پھر ابھی فنکشن اٹینڈ کرنا ہے آپ کو۔ صبح آجایئے گا۔ رات بھر تو وہ سوتی رہے گی، صبح آکر اس کے کان ضرور کھینچیے گا کہ وہ اتنی بے پروا کیوں ہوتی جا رہی ہیں۔" فرزانہ آپی کی بات میں وزن تھا اس وقت ان کا جانا بے سود ہی تھا۔ اسے نیند سے جگایا نہیں جا سکتا تھا اور پھر خود فرزانہ اور وہ سب غالب کے ولیمہ میں شرکت کے لیے آرہے تھے ناحق وہ بھی ان کے آنے سے لیٹ ہو جاتے۔

"ٹھیک ہے یوں ہی سہی۔ میں صبح آؤں گی۔" انہوں نے خیر خیریت کے بعد فون رکھ دیا۔ ان کے چہرے پر تشویش تھی۔

"پتا نہیں بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا بچی کو، مجھے تو لگتا ہے نظر لگ گئی ہے۔ ماشاء اللہ نکاح والے روز کیسی پری جیسی لگ رہی تھی، نظر نہ ٹھہرتی تھی اور تصویریں بھی پیاری آئی ہیں خدا میری بچی کو صحت دے، ہزار اچھی بری نظریں ہوتی ہیں جانے کس کی نظر میں آگئی میری بچی۔" وہ فون سدرہ بھابی کو پکڑا کر پریشان پریشان سی کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے پیچھے سدرہ بھابی بھی لپکیں۔

"لگتا ہے خوشی کا بخار سر چڑھ کر بول رہا ہے۔" تیمور نے چچی کے جانے کے بعد شرارت آمیز نظر شاہ دل پر ڈالی۔

"بقول چچی کے تو نظر کا بخار ہے جبکہ میرے خیال میں عشق کا بخار ہونا چاہیے' کیا خیال ہے شاہ' تمہارا اس بخار کے بارے میں؟" عمیر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ لڑکوں کے ہاتھ میں تو گویا موضوع آ گیا تھا تبصرہ کرنے کے لیے۔ فارحہ اور نیلی نے ان سب پر ایک چلچلاتی نظر ڈالی اور دھم دھم کرتی لونگ روم سے نکل گئیں۔ ان کے خیال میں یہ موضوع مذاق کا ہرگز نہیں تھا۔

"ہو سکتا ہے غم کا بخار ہو۔" غالب نے نیا نقطہ نکالا۔

"ایں..... غم کا... کون سا غم... کہاں کا غم؟" تیمور نے ابرو چڑھائے۔

"بھئی رخصتی نہ ہونے کا غم۔" اس کی بات پر قہقہہ پڑا۔

"یہ غم تو تمہیں ہی لاحق ہو سکتا ہے اور بھی غم ہیں دنیا میں محبت کے سوا۔"

"اوں ہوں تمہیں یوں کہنا چاہیے کہ۔" "اور بھی بخار ہیں دنیا میں غم کے بخار کے سوا۔" عمیر تیمور کی تصحیح کرتا ہوا بولا۔

"آپ کا کیا خیال ہے ڈاکٹر صاحب ان "بخاروں" کے بارے میں۔" کب سے خاموش بیٹھے عادل سے عمیر نے پوچھا۔ یوں جیسے وہ سنجیدگی سے اس اہم بیماری پر ڈسکس کرنا چاہتا ہو۔

"یہ اتنے بہت سے بخار جو تم لوگوں نے گنوائے ہیں ان کا میڈیکس سے کوئی تعلق نہیں' یہ سارے بخارات "عاشقوں" کے ایجاد کیے ہوئے ہیں۔"

"ایجاد نہیں دریافت' بیماریاں دریافت ہوتی ہیں ڈاکٹر عادل صاحب۔" غالب نے فوراً سے پیشتر اُسے ٹوکا۔

"غلط سلط انگریزی تو گوارہ ہے مگر اردو گرامر کی غلطیاں برداشت نہیں ہیں۔ ایجاد اور دریافت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تم میں اور مجھ میں۔"

"میرے خیال میں تم لوگ انتہائی فضول بحث میں الجھے ہوئے ہو۔" شاہ دل اکتا کر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ "لاؤ چابی دو۔" اس نے تیمور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"اتنے بے زار کیوں ہو رہے ہو یار' اب جان کر تو اس نے بخار نہیں چڑھا لیا' بقول شاعر۔

ہے دید کا شوق تو آنکھوں کو بند کر
کہ ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

کمرے میں وہ سب اونچے قہقہوں کے ساتھ ہنس پڑے۔ شاہ دل اس بدتمیزی کے مظاہرے پر جزبز ہو کر رہ گیا۔ اس نے تیمور کے ہاتھ سے اپنی کار کی چابی جھپٹنے کے انداز میں لے لی۔

سنا تھا کہ آئیں گے وہ انجمن میں
سنا تھا ان سے ملاقات ہو گی

بقیہ تان تیمور نے لگائی۔ وہ سنی ان سنی کرتا سرعت سے کمرے سے نکل گیا۔ دور تک ان ریوں کے قہقہوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

○☆○

غالب اور سائرہ کے ولیمہ میں زنیرہ کی کمی سب کو ہی محسوس ہوئی۔ اس کے نہ آنے کا سوس تو تھا ہی مگر اس کی بیماری کا سن کر سب کو تشویش ہو گئی تھی۔ خاص کر منجھلی چچی کو۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ رات ہی وہ اسے ایک نظر دیکھ آئیں۔ سب ان کے بے تابیوں پر ہنسے بھی ھے۔

"بیٹے سے زیادہ اماں کو فکر ہے یہ ساس بہو کی مثالی محبت ہو گی لگتا ہے۔"

سب کی ہنسی چھیڑ کو وہ برا مانے بغیر کان سے اڑاتی رہیں۔

دوسرے دن صبح ہی وہ زنیرہ کو دیکھنے مچل اٹھیں۔ عادل سے کہا تو اس نے شاہ دل کی طرف ثارہ کر دیا۔

"انہیں لے جائیے سر کے بل جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔" اس نے شاہ دل کی طرف اشارہ یا۔ ناشتے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔

"سوری' مجھے پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔" اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈال کر چچی کی اٹھنے والی گاہ کے جواب میں معذرت کر لی اور کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ سدرہ بھابی نے چونک کر اس کی کل دیکھی تھی مگر وہ رکا نہیں اور پردہ اٹھا کر ڈائننگ ہال سے نکل گیا۔

وہ پلٹ کر اب دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا جو زخم دے کر آیا تھا۔

زنیرہ کے ہاں جانے کے لیے لڑکیوں نے ضد کی تو تائی ماں نے ڈانٹ پلائی۔

"کوئی خوشی کا موقع ہے کہ پورا جلوس پہنچ جائے گا۔"

وہ سب منہ بسور کر رہ گئیں۔ صرف سدرہ بھابی اور نیلی کو اجازت ملی تھی۔

زنیرہ کے یہاں آئیں تو وہ صحن میں بیٹھی دھوپ سینک رہی تھی۔ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی۔ یاہ بالوں کا بھیگا جال کرسی کی پشت پر پھیلا ہوا تھا۔

وہ سب اسے دیکھ کر دھک سے رہ گئیں۔ صرف پندرہ دنوں میں اس قدر بدل کر رہ گئی تھی۔ یاہ بالوں کے ہالے میں اس کا چہرہ بالکل سفید دکھائی دے رہا تھا جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ یاہ گہری آنکھوں کے گرد سرخ دائرے پڑے ہوئے تھے۔ وہ بے حد مضمحل اور اداس دکھائی ے رہی تھی۔ ان سب کو دیکھ کر زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور خود کو فریش ظاہر کرنے ے لیے بھرپور انداز میں کھلکھلا کر ان کا استقبال کیا۔

"یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے؟" چچی اسے خود سے لپٹا کر اس کا چہرہ پڑھنے لگیں۔

"ابھی وہ پھول سا چاند سا چہرہ میری نگاہوں میں تھا دو ہفتوں میں کمہلا کر رہ گئی ہو۔"

"کچھ نہیں ہوا آنٹی' بس ذرا سا بخار ہی تو آیا تھا۔ آپ ناحق پریشان ہو رہی ہیں میں نے فرزانہ کو منع بھی کیا تھا کہ آپ لوگوں کو خبر نہ دیں۔"

"شکر ہے فرزانہ تمہاری جتنی احمق نہیں ہے۔" سدرہ بھابی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہمیں اطلاع نہ کرتیں تو کیا' ہمیں خبر نہ ہوتی' کون سا دوسرے ملک رہتے ہیں آنا جانا تو رہتا ہے چلو اندر چلو۔"

وہ سب اندر آ گئیں۔

"سچ سچ بتاؤ۔ یہ یکایک بیمار کیسے پڑ گئیں؟" نیلی شرارت سے پوچھنے لگی۔

"یہ بیماریاں تو عام ہیں' کون بیمار نہیں پڑتا۔"

"میں نے تو سنا ہے' پڑئیے بیمار اگر ہو کوئی تیمار دار' کم از کم تیمار دار کو ہی اطلاع کر دیتیں۔ دیکھتیں کیسے سر کے بل آتے۔ ارے شاہ بھائی کی بات کر رہی ہوں۔" نیلی اس کی کھلی کھلی سمندر صفت آنکھوں میں جھانک کر ہنس پڑی۔ اس نے یک دم پلکوں کی جھالریں گرا لیں۔

بھابی اس کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھیں۔ وہ صرف بیمار ہی نہیں اداس اور اجاڑ بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

چچی جان' ان سب کو بتانے لگیں۔

"کئی دنوں سے اسے بخار رہتا تھا اس پاگل نے ہمیں بتایا ہی نہیں اس دن فرزانہ اس کے کمرے میں گئی تو وہ بے ہوش پڑی تھی اور سر تو آگ جیسا ہو رہا تھا۔ ہاتھ نہیں لگ سکتا تھا ایسا تندور ہو رہا تھا۔"

زنیرہ چپکے سے وہاں سے اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ اسے خبر تھی چچی اس کی ساری بے پروائیاں کھول کر بتائیں گی اور زہرہ چچی اس کے کان کھینچیں گی۔

کچھ دیر گزری تھی کہ سدرہ بھابی کچن میں چلی آئیں۔

"یہ تم اپنی ذات میں اتنی بے پروا کیوں ہوتی جا رہی ہو۔ نکاح' منگنی کے بعد تو لڑکیاں اپنا خیال رکھتی ہیں بلکہ موٹی تازی ہو جاتی ہیں۔"

"بھابی تو منگنی کے بعد پوری ایٹم بم ہو گئی تھیں۔" نیلی بھی اندر چلی آئی۔ "کیوں بھابی ہم نے تو منگنی کے ایک ماہ بعد ہی آپ کو نہیں پہچانا تھا۔"

"کوئی نہیں' ہاں اپنے بارے میں کہہ سکتی ہو' جب سے منگنی ہوئی ہے چربی چڑھتی جا رہی

ہے۔" بھابی نے ایک ہاتھ اسے جمایا' زنیرہ ہنس پڑی۔

"میں بہت سنجیدہ ہوں زینی۔" بھابی پھر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "یہ ایک ہفتے کے بخار نے تمہیں اتنا گھلا ڈالا ہے۔ میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔"

"میں تو کہتی ہوں بھابی اسے اب ہمہ وقت ایک خیال رکھنے والے کی ضرورت ہے۔ کیوں نا اسے ہمیشہ کے لیے شاہ بھائی کے سپرد کر دیں۔ وہی خیال رکھیں گے اور زبردست رکھیں گے۔"

"ہوں' خیال تو اچھا ہے۔" سدرہ بھابی قہقہہ مار کر ہنس پڑیں۔ اس نے کافی بنانے کے بہانے رخ موڑ کر اپنے دل پر لگنے والے دھچکے کے احساسات چھپا لیے۔

اس کے دل پر کرب ناک دھند چھا گئی۔ رگ رگ دکھ سے کٹنے لگی۔ کیسے بتاتی ان لوگوں کو کہ اسی خیال رکھنے والے اس کے بھائی کے ہاتھوں ہی تو یہ دکھ ملا ہے کہ روز جیتی ہوں اور مرتی ہوں۔ میری زندگی میں اسی نے تو آگ بھر دی ہے۔ میرے اندر سے جینے کی امنگ چھین لی ہے۔ نہ زندہ ہوں نہ مردہ۔ نہ رو سکتی ہوں نہ ہنس سکتی ہوں۔ ایسے جہنم میں دھکیل دیا ہے۔

نیلی اس کا موضوع چھیڑے بیٹھی تھی اس کی کنپٹیوں میں جلن ہونے لگی۔ اس کا دل چاہا تھا وہ نیلی کے منہ پر ہاتھ رکھ دے۔ اسے اپنے بھائی کے قصیدے گانے سے روک دے مگر چاہتے ہوئے بھی ایسا نہ کر سکی۔

وہ اپنے اندر کی آگ کو اس کی نفرت کو اندر ہی دبائے رکھنے پر مجبور تھی۔

"سنو اب فٹافٹ صحت یاب ہو جاؤ' غالب کا ولیمہ تو اٹینڈ نہ کر سکی اب ان دونوں کو سی آف کرنے جانا ہوگا۔ وہ دونوں تمہیں بخشیں گے نہیں ورنہ جب تم ہنی مون پر جاؤ گی تو وہ بھی ہرگز سی آف کرنے نہیں آئیں گے۔" جاتے وقت نیلی سختی سے تاکید کرنے لگی۔

وہ انکار نہ کر سکی۔ اب یہاں صرف دوستوں والا معاملہ نہیں رہا تھا۔ رشتے ناتوں کے تقاضے بھی تھے محبتوں کا بار تھا۔

وہ محض ایک شخص کی نفرت' بے اعتنائی پر اتنی محبتوں سے دامن خالی نہیں کر سکتی تھی۔

ولیمے کے چوتھے روز ہی غالب اور سائرہ ہنی مون پر یورپ جا رہے تھے پہلے ان کا ارادہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں جانے کا تھا پھر وہاں سے یورپ کے ممالک جانے کا۔

وہ وعدے کے مطابق جانے پر تیار ہو گئی اسے نیلی اور عادل لینے آئے تھے۔

ائیرپورٹ پر رات کو بھی دن کا سماں دکھائی دے رہا تھا۔ زندگی ہنستی مسکراتی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔

یہ تو بس اس کا دل اداس تھا ورنہ دنیا کا کاروبار تو رواں دواں تھا۔

وہ اہتمام سے تیار ہوئی تھی تاہم سادگی کا خیال رکھا تھا۔ اسے جس رشتے سے اور احترام سے لایا گیا تھا اس کے تقاضے کے مطابق اس نے اہتمام کر ڈالا تھا۔

انہوں نے اس کا شرمیلا وجود اپنے بازو کے ایک گھیرے میں سمیٹ لیا۔ اسی دم دوسری گاڑیاں بھی آکر رکنے لگیں۔

ایک گاڑی بالکل قریب آئی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ سے شاہ دل اپنے بھرپور سراپے کے ہمراہ نیچے اترا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ایک پل وہ ٹھٹک گیا۔ جبکہ اس نے انتہائی اذیت آمیز احساس کے ساتھ آنکھیں میچی تھیں۔

پھر وہی ستم گر سامنے تھا۔

✪✫✪

وہ ایک دم اس کے سامنے آجانے پر رخ موڑنا چاہتی تھی مگر ساریہ آپی کا بازو اس کی کمر کے گرد حمائل تھا۔

وہ اندر ہی اندر اذیت کے احساس سے دوچار ہونے لگی۔

وہ ٹینشن کا شکار ہونے لگی۔

جبکہ وہاں بھرپور شدتوں کے ساتھ جائزہ لیتی دو بھوری آنکھیں ازحد مطمئن اور پرسکون دکھائی دے رہی تھیں۔

لڑکیاں بھی مختلف گاڑیوں سے اترنے لگیں۔

ساریہ آپی اسے اپنے ساتھ ہی گھسیٹتی آگے بڑھی تھیں۔

"اتنی دیر لگادی تم لوگوں نے۔ ہم کب سے انتظار کر رہے تھے۔ میں تو سمجھی غالب نے ہنی مون کا پروگرام کینسل کر دیا ہے کیا؟"

"آپ تو یہی چاہ رہی تھیں۔" غالب اسی طرف چلا آیا۔ وہ بغیر برا مانے ہنسنے لگیں۔

"مجھے علم ہوتا آپ بہت دیر سے پہنچ چکی ہیں تو ہم خصوصی طیارہ لے کر پہنچ جاتے۔" شاہ دل نے جھک کر گاڑی کو لاک لگایا اور اچٹتی نظریں زنیرہ پر ڈالیں۔

وہ ساریہ آپی کے گھیرے سے نکل کر اب کچھ دور کھڑی تھی۔

"میرے لیے تو خیر کیا طیارہ لے کر پہنچتے ہاں زنیرہ کا نام لو۔ صرف اسی کی خاطر یہ تیزی دکھا سکتے تھے تم۔"

"چلیں، اب آپ ہی اپنے آپ کو غیر اہم سمجھتی ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ شانے اچکا کر

ذرا سا مسکرا دیا۔

اس کا یہ ہشاش بشاش رویہ دور کھڑی زنیرہ کے دل میں آری سی چلا رہا تھا۔

اس کی اذیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس کا سکون غارت کر کے وہ کس قدر پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

وہ پندرہ دنوں سے بخار میں پھنکتی رہی۔ ادھر آنچ تک نہ آئی تھی۔

وہ کانٹوں کے بستر پر کروٹیں لیتی رہی ادھر پھولوں کی طرح مہکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا دل دھڑ دھڑ جلنے لگا۔

وہ سب مگن تھے مگر اس کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ سارا وقت دو بھوری آنکھوں کے حصار میں اس کے پرسکون رویوں کی قید میں رہی اور ایسے میں سوائے اپنا ہی دل جلانے کے وہ کچھ نہ کر سکی۔

غالب اور سائرہ کو سی آف کرنے کے بعد سب گاڑیوں میں آکر بیٹھنے لگے۔

نیلی نے اسے شاہ دل کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھادیا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اسے چلانے والا شاہ دل ہوگا۔ جب وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھا تو اس کا دماغ گویا چکرا کر رہ گیا۔

اس کا ہاتھ تیزی سے دروازے کے ہینڈل کی جانب بڑھا کہ گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ پیچھے بیٹھے وہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

وہ سخت سبکی محسوس کرنے لگی۔ اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔

"سوری زینی!" نیلی کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہنسی۔

"سوری زنیرہ کیا کریں۔ اس لڑکے نے مجھے ساتھ لے جانے کی یہی شرط رکھی تھی کہ زنیرہ کو بھی اس کی گاڑی میں بیٹھانا ہوگا ساریہ آپی بولیں تو شاہ دل نے مرر سیٹ کرتے ہوئے انہیں مرر میں ہی گھور کر دیکھا۔

"کیوں جھوٹ بول رہی ہیں آپی۔ ابھی میں آپ لوگوں کو اتنا غیر اہم نہیں سمجھتا۔"

"ابھی، یعنی آئندہ سمجھو گے؟"

ان کی بات پر وہ زیر لب مسکرا دیا۔

"یہ تو آئندہ پر منحصر ہے۔ ہاں یہ بتائیے کہ آپ کو آپ کے دولت کدے پر ڈراپ کروں یا شاہ پیلس آرہی ہیں؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا اور زنیرہ سے یوں لاتعلق دکھائی دینے لگا جیسے اس کے وجود کا احساس ہی نہ ہوا ہو۔

"نہ بھئی، سیدھے سیدھے مجھے میرے اپنے میاں کے گھر ڈراپ کرو۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ صبح بچوں کو اسکول بھی بھیجنا ہوتا ہے ذرا جو بے پروائی ہوگئی ادھر ان کی چھٹی اور میاں

صاحب کے بھی عیش۔ بالکل بچوں کی طرح آفس کی چھٹی مار لیتے ہیں۔" ان کی بات پر اس نے گاڑی موڑلی۔

ان کی بات پر شاہ دل قہقہے کے ساتھ ہنس پڑا۔ ہلکی ہلکی باتوں سے راستہ کٹنے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے
وہ بت ہے یا خدا دیکھا نہ جائے

اس کے لبوں کی تراش میں بے ساختہ مسکراہٹیں چمکی تھیں۔ یہ کارنامہ خالص نیلی کا تھا۔ اس نے کیسٹ سیٹ کر کے رکھی تھی۔

یہ کن نظروں سے تو نے آج دیکھا
کہ تیرا دیکھنا دیکھا نہ جائے
یہ محرومی نہیں پاس وفا ہے
کوئی تیرے سوا دیکھا نہ جائے

وہ پہلے ہی اس کی اتنی قربت اور ان کی دانستہ شرارت پر اپ سیٹ تھی اب اس غزل نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ وہ بالکل دروازے سے چپک بیٹھی تھی۔ جس قدر ممکن تھا اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ بڑھائے رکھنا چاہتی تھی۔ (پتا نہیں یہ شخص اس کا امتحان لے کر اتنا لطف اندوز کیوں ہوتا تھا)

وہ سب شور مچا کر آئس کریم پارلر پر زبردستی شاہ دل سے گاڑی رکوا رہی تھیں۔

"ابھی تو آپ سے لمبی ٹریٹ لینی ہے۔ شاہ بھائی' نکاح ہوا ہے پکا پکا نکاح۔" نیلی جوش میں بولی۔

"یہ پکا پکا نکاح کیا ہوتا ہے؟" سارہ آپی ہنسیں۔

"زنیرہ سے پوچھ لیجیے۔" وہ بولی تو گاڑی میں کھلکھلاہٹیں بکھر گئیں وہ اندر ہی اندر ادھڑ کر رہ گئی۔ سارے جسم میں شرارے لپکتے محسوس ہوئے۔

وہ سب گاڑیوں سے اتر گئیں مگر وہ دونوں ہاتھ یونہی گود میں رکھے بیٹھی رہی۔ اس کا خیال تھا' وہ بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر جائے گا مگر وہ ہنوز اپنی سیٹ پر جما رہا۔ وہ سب پارلر کے احاطے کے لان میں سجی کرسیوں پر اطمینان سے بیٹھ چکی تھیں۔ وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ سب محض ان دونوں کو تنہائی کا موقع دینا چاہتی تھیں اور جب اس کی سمجھ میں آیا تو اس کے اندر سے غصے کا ابال اٹھا۔ اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا کہ شاہ دل نے اس کے سیٹ پر

رکھے ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا گویا شرارہ سا لپک گیا تھا۔

اس کی نازک انگلیوں پر انگارے ہی دہک اٹھے۔

اس نے چہرہ موڑ کر طیش کے عالم میں دیکھا۔ وہ بھرپور استحقاق کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کوئی سہانے جذبے رہے ہوتے۔ خوش فہمیوں کو اس شخص نے اس بری طرح نہ روندا ہوتا' کونپل جذبوں کی اس نے اتنی بے دردی سے توہین نہ کی ہوتی تو.... اس کی یہ قربت' یہ استحقاق بھری نگاہیں اس کے اندر ہلچل مچا دیتیں' اس کے جذبوں کے سمندر میں طوفان لے آتیں' وہ پگھل جاتی۔

مگر... اس طرح کی خوش فہمیوں سے وہ نکل آئی تھی۔

اس نے کچھ سختی اور قدرے تیزی سے اس کی گرفت سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں اس بے تکلفی کی آپ کو اجازت نہیں دے سکتی۔" بظاہر آرام سے بولی مگر لہجے میں چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔

"اجازت نامہ تو مجھے مل چکا ہے۔" نہایت اطمینان سے ان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب سے نوازا۔ "اور رہی اجازت لینے کی بات تو میں بار بار اجازت لینے کا عادی نہیں ہوں۔"

اطمینان بھرا یہ جواب زنیرہ کو بری طرح سلگا کر رکھ گیا۔ اس نے کھولتی نظروں سے اس کی شکل دیکھی۔

"جسے آپ اجازت نامہ کہتے ہیں وہ محض کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جس کے بل بوتے پر آپ میری ذات' میرے وجود پر اپنا تسلط نہیں جما سکتے۔ میں کوئی بے جان کھلونا نہیں ہوں کہ آپ کا جب دل چاہے مجھ سے کھیل لیجیے' جب دل چاہے اپنی مردانگی' اپنی انانیت کی تسکین کر بیٹھیے' سوری مسٹر! میری نظر میں اس کاغذ کے ٹکڑے کی اہمیت اتنی ہی ہے کہ آج آپ کی گاڑی میں بیٹھی ہوں بلکہ بٹھادی گئی ہوں' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

اس نے کب کا دبالاوا آخر کار نکال ہی دیا مگر وہاں تو اتھاہ سکون تھا۔ لبوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھیں جیسے وہ اسے سلگا کر لطف اٹھا رہا تھا۔ اسے اس کی مسکراہٹ تمسخرانہ محسوس ہوئی۔

"اس کاغذ کے ٹکڑے کی اہمیت نہیں ہوتی زنیرہ۔ اصل اہمیت تمہاری زبان سے ادا ہونے والے اقرار کی ہے۔ اس رضامندی کی ہے جو بغیر جبر و استبداد کے دی گئی ہے۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں؟" اس نے سگریٹ کا سارا دھواں اس کے چہرے کی جانب پھینک دیا۔ اس نے تیزی سے

ہاتھ اٹھا کر دھوئیں کو جھٹکا اور کھولتی نظریں اس پر ڈالیں۔

"بس یہیں مجھ سے غلطی سرزد ہوگئی۔" دکھ' خجالت اور بے بسی نے اسے جیسے اندر باہر سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اوپر سے اس شخص کا یہ جرات آمیز رویہ' یہ وارفتگی' والہانہ اور شوخ نگاہیں۔ وہ بری طرح ہرٹ ہو رہی تھی۔

"میں ابھی اتنی کمزور نہیں ہوں شاہ دل کہ آپ کو اپنی اس غلطی سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے دوں گی۔ ہرگز نہیں ایک حماقت ہو چکی' ایک دھوکا کھا چکی ہوں' آپ کی اصلیت جان چکی ہوں' اب دوسرا فریب کھانے سے پہلے مرجانا پسند کروں گی' اپنی زندگی کو آپ کے ہاتھوں کھیل تماشا نہیں بننے دوں گی۔ ایک اقرار نامے پر آپ کوئی استحقاق نہیں جما سکتے مجھ پر۔"

اس کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

جبکہ وہ اپنے مطمئن اعصاب سے اس کے اعصاب کو منتشر کر رہا تھا۔ اس اطمینان سے اس نے سگریٹ ایش بکس میں ڈال دی اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ گھبرا کر دروازے سے بالکل چپک گئی۔

"خبردار! مجھے ہاتھ مت لگائیے گا ورنہ۔۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑا اور اس کے چہرے پر جھولتی معطر لٹ کو اپنی انگلی میں لپیٹ کو گہری نظریں اس کے چہرے پر ڈالیں۔ تپا تپا یہ ہوش ربا حسن قیامت خیز ہی تو تھا۔

"اگر میں ایسا کچھ کروں تو' تم کیا کرلوگی؟ یا کیا کر سکتی ہو؟ یو آر مائی وائف۔ میں تم پر پورا حق رکھتا ہوں بالکل جائز ملکیت ہو میری۔" اس نے اس کی لٹ کو ذرا سا کھینچا۔

یکلخت اس کی پسلیوں میں دبا دل وحشت ہوگیا۔ اس کے تیور اسے خوف کی دلدلی زمین میں دبانے لگے۔

"تمہاری یہ آنکھیں۔"

"شٹ اپ!" وہ چلائی اور اس کے ہاتھوں کو جھٹکا دیا "آپ اس قدر گر سکتے ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" اس کی آواز آنسوؤں کی یورش سے بھاری ہوگئی۔ اس نے اس کی گرفت سے اپنی لٹ چھڑانے کی کوشش کی تو اس نے بے حد سختی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

اپنی تکمیل کر رہا ہوں
ورنہ تجھ سے مجھ کو پیار نہیں

اس کی دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ' دھیما بھاری لہجہ اس کے دل میں تیر سا گھونپ گیا۔ وہ اسے پسپائی میں دھکیل کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے اندر آگ لگا کر دور کھڑا تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ گویا رو دینے کو تھی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں' آپ نے نکاح کا یہ ڈراما محض اسی لیے رچایا ہے کہ آپ کی اصلیت ظاہر ہونے پر بھی میں کچھ نہ کرسکوں۔ محض منگنی ہوتی تو میں انگوٹھی آپ کے منہ پر دے مارتی مگر آپ نے بہت مضبوط پلان بنایا ہے کہ میں آپ کے تمام مظالم کو نکاح کی سخت زنجیر میں جکڑی برداشت کرتی رہوں۔ چھوڑیئے مجھے۔" وہ تلملا کر اس کی گرفت سے خود کو چھڑانے لگی "میں آپ کا مشق ستم نہیں بن سکتی۔ آئی ہیٹ یو شاہ دل۔ آئی ہیٹ یو۔" اس نے پوری طاقت اور مزاحمت کرکے اسے دھکا دیا اور سرعت سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

اس کے اندر دھڑ دھڑ آگ جل رہی تھی۔ وہاں وہ سب لان کے ٹھنڈے تاریک ماحول میں آئس کریم کھاتے ہوئے گپیں لڑا رہی تھیں۔ جیسے ان دونوں کی موجودگی سے قطعی بے نیاز ہوں۔

وہ ان کا ڈراما سمجھ چکی تھی۔ چپ چاپ ایک کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کا دل چاہا نیلی کا منہ طمانچوں سے سرخ کردے۔ اس شخص نے اس کی بے بسی' بے اختیاری کا خوب تماشا دیکھ کر اپنی انا کی تسکین چاہی اور اسے تماشا بنانے میں نیلی کا ہاتھ بھی تھا۔

"ارے زینی' تم لوگوں نے آئس کریم کھائی یا نہیں سوری یار! دراصل تمہیں بلانے۔۔"

"شٹ اپ" وہ جیسے کرب سے چلائی پھر بے اختیار ہی دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو پڑی۔ وہ تینوں ہکا بکا رہ گئیں۔ ساریہ آپی نے بے اختیار گھبرا کر رخ موڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ شاہ دل اطمینان سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا زینی! شاہے بھائی نے کچھ کہہ دیا ہے؟" نیلی اس کے یوں اچانک رونے پر حواس باختہ ہوگئی۔

"پلیز زنیرہ! کچھ بتاؤ۔" وہ اس کی طرف جھکیں تب وہ چہرہ اٹھا کر اسے کھوجتی کھولتی نظروں سے اسے دیکھ کر کرسی دھکیل کر کھڑی ہوگئی۔

"پلیز۔ مجھے گھر جانا ہے۔"

نیلی نے کچھ کہنا چاہا کہ ساریہ آپی نے آنکھوں کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تنبیہہ کی اور پیچھے کرسی دھکیل کر کھڑی ہوگئیں۔

زنیرہ کا دل تو چاہ رہا تھا اس کے پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر چلی جائے یہاں سے۔ اس شخص کی گاڑی میں اب بیٹھنا تو کیا اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی مگر حالات کی مجبوری پر یہ زہر پینے پر مجبور تھی۔ واپسی کا راستہ بے حد خاموشی سے کٹا تھا۔

رات کو اپنی خواب گاہ میں آتے ہوئے شاہ دل سوچ رہا تھا۔

اس نے نادانستہ اسے پھر ہرٹ کردیا تھا۔

بے اعتباری کے شعلوں کو اور ہوا دے دی تھی۔
عجیب سی آزردگی' اسے اپنے شکنجے میں لے کر جھنجوڑنے لگی۔
وہ جوتوں سمیت ہی بیڈ پر دراز ہو گیا۔

○☆○

کوئی چھاؤں ہو
جسے چھاؤں کہنے میں
دوپہر کا گمان نہ ہو' کوئی شام ہو
جسے شام کہنے میں شب کا کوئی نشان نہ ہو
کوئی وصل ہو
جسے وصل کہنے میں' ہجرت کا دھواں نہ ہو
کوئی لفظ ہو جسے لکھنے پڑھنے کی چاہ میں

کبھی ایک لمحہ گراں نہ ہو
یہ کہاں ہوا ہے کہ ہم تمہیں کبھی اپنے دل سے پکارنے کی سعی کریں
وہیں آرزو بے اماں نہ ہو' وہیں موسم غم جاں نہ ہو۔

اسے آج اپنا وجود اندر سے بالکل خالی خالی اور ویران لگ رہا تھا۔ سب کچھ ایک بے درد ظالم شخص پر لٹا دینے اور اپنے تہی داماں ہو جانے کا احساس دلا رہا تھا۔

چند خوشگوار لمحوں کی کتنی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی اور جانے کب تک وہ ان شعلوں پر چلتی رہے گی۔ جو انگارے اس شخص نے برسائے تھے اس سے اس کی روح ابھی تک سلگ رہی تھی۔ ہر ملاقات پر یہ شخص ان شعلوں میں گویا تیل ہی چھڑک جاتا تھا۔

وہ اتنے دنوں بعد اپنی ماں کی تصویر پر چہرہ ٹکائے روئی تھی اور شدت سے روتی رہی۔

جیسے اب شاہ دل کو اب کبھی نہ دیکھ سکے گی۔

اس سے ملن کا وہ خوش کن احساس تو ان شعلوں کی نذر ہو گیا تھا۔

بچا ہی کیا تھا اس کے پاس۔

اسے اپنا بنا کر وہ اسے اندر باہر سے خالی ہی تو کر گیا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا' وہ اب عمر بھر کوئی خوشی نہ دیکھ پائے گی۔

سوچ سوچ کر اس کے اعصاب دکھنے لگے تھے۔ کاش' کاش' شاہ دل! میں تمہاری چاہ ہی نہ کرتی۔

تمہارے فریب کے اس جال میں نہ آتی۔
اپنے جذبوں کی لو کو بجھا دیا ہوتا۔
تم نے میرا سارا اعتبار' سارا اعتماد بکھیر کر رکھ دیا ہے جسے میں قطرہ قطرہ جوڑتی آئی تھی۔
تمہیں چاہنے کی' تمہیں پانے کی اس غلطی کا خمیازہ مجھے تاعمر بھگتنا پڑے گا۔

"زنیرہ' میری جان!" فرزانہ آپی کے ہاتھ کا مہربان لمس اپنے شانوں پر محسوس کر کے وہ چند ثانئے میز پر جھکے سر کے ساتھ یونہی بیٹھی رہ گئی۔

"گویا میرا شک غلط نہیں تھا کہ تم یونہی بیمار نہیں ہوئی تھیں۔ کوئی بوجھ ہے ضرور تمہارے اندر۔ آج یقین آ گیا۔ بھلا اپنی چاہت' اپنی خواہش کو پانے کے بعد بھی کوئی اتنا اداس ہوتا ہے' یوں تڑپ کر رونا آتا ہے؟"

اس کے آنسو پلکوں پر ستاروں کی طرح اٹکے ہوئے تھے۔ سر اٹھایا تو یہ جھلملاتے ستارے رخساروں پر پھسل آئے۔

"میری جان' کیا دکھ ہے تمہیں؟ کس آگ میں جل رہی ہو؟ تم تنہا تنہا!"

"آ... پی!" اس نے رخ موڑ کر کچھ کہنا چاہا مگر آواز آنسوؤں کی یورش سے بھرا گئی۔ انہوں نے اس کا سر اپنے وجود سے لگایا تو بے اختیار ہو کر رو پڑی۔

"کس کی نظر لگ گئی تمہاری ہنسی کو زنیرہ!" اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ پونچھتے ہوئے وہ پر تشویش لہجے میں پوچھنے لگیں۔

(آہ' کیا بتاتی کہ وہ جسے خوشی کی تتلی سمجھ کر پکڑ بیٹھی تھی' وہ تو دہکتا ہوا انگارہ تھا جو اس کی زندگی کو بھسم کر گیا ہے۔)

"بس آج ایسے ہی امی یاد آ گئی تھیں' دل بھر آیا۔" کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھال چکی تھیں۔

فرزانہ آپی اس کا چہرہ تکنے لگیں۔

"نہیں بتانا چاہتیں تو میں مجبور نہیں کروں گی۔ یہ تو اعتبار' اعتماد کرنے کی بات ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے تو نہ سہی۔" وہ ذرا سا ہنسیں تو وہ خجل ہو کر رہ گئی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں آپی' ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ اٹھ کر ان کا کندھا تھام کر یقین دلانے والے انداز میں بولی "میں نے کبھی آپ سے کچھ چھپایا ہے' اپنے سارے دکھ سکھ آپ سے شیئر نہیں کروں گی تو کس سے کروں گی۔" اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

پتا نہیں فرزانہ مطمئن ہوئیں یا نہیں۔ اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے تھپکنے لگیں۔

"چلو یونہی سہی! اچھا میں ایک اہم بات بتانے آئی تھی تمہیں۔ تمہاری ساس یعنی شاہ دل کی والدہ محترمہ کا فون تھا ابھی کچھ دیر قبل۔ وہ شادی کی تاریخ رکھنا چاہ رہی ہیں۔ کہہ رہی تھیں

کہ اب بہو کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں نے کہا آنٹی صاف کہئے کہ میرا بیٹا میری بہو کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اپنا کندھا کیوں دے رہی ہیں بیٹے کو بندوق چلانے کے لیے۔" وہ یہ کہہ کر اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگیں اور چونکے بغیر نہ رہ سکیں۔

اس کے چہرے پر ایک کرب رقم ہو چکا تھا۔ لبوں کا کونا دانتوں میں دبائے جانے کون سے احساسات کے بہاؤ کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس ضبط کی کوشش میں چہرے پر سرخی اترتی جا رہی تھی۔

"اتنی جلدی۔ نہیں آپی! میں ابھی سوچ بھی نہیں سکتی اس گھر کو چھوڑنے کا۔" وہ رخ موڑ کر تپتے دل کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"ارے، اب تمہارا یہ تو عارضی ٹھکانا ہے کزن! اصل گھر تو وہی ہے جہاں ساجن وہی آنگن۔ خیر یوں بھی ایک دو مہینے تو لگ ہی جائیں گے تیاریوں میں۔ فکر مت کرو، ہم تمہیں ایک ہفتے کے اندر نہیں دھکا دیں گے۔"

"آپی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ وہ یہاں آنے کی زحمت نہ کریں۔ میں ابھی رخصتی کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔" وہ جھٹکے سے پلٹی۔ لہجے کو مضبوط بنانے کی ساری کوششیں صرف کر ڈالیں۔

فرزانہ آپی ہکا بکا رہ گئیں۔

"ابھی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ابھی سے مطلب۔ کبھی نہیں بھی ہو سکتا ہے۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے جانے لگی۔ اسے اب کھڑا رہنا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ بھاگ کر کسی کونے میں پناہ لینا چاہتی تھی جہاں اپنے دل کو سنبھال سکے مگر فرزانہ آپی نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی اسے پکڑ کر کھینچ لیا۔

"ہوش میں تو ہو تم، پاگل ہو گئی ہو کیا؟"

"ہاں ہاں، بالکل ہوش و حواس میں ہوں اور پاگل ہونا ہی تو نہیں چاہتی۔" وہ ان کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چلائی مگر انہوں نے اسے زور سے کرسی پر پٹخ دیا۔

"شاہ دل سے کوئی جھگڑا ہو گیا ہے تمہارا کیا؟"

وہ سر جھکا کر ہونٹ کاٹتی رہی۔

"زنیرہ! حماقتیں مت کرو۔ صاف صاف بتاؤ۔ یہ کوئی کھیل نہیں ہے بچوں کا۔ بلا جواز رخصتی ٹل نہیں سکتی اور اس طرح زبردستی رخصتی کروا کے ہم تمہیں دکھ دینا نہیں چاہتے۔ بے وقوف، جو دکھ ہے اسے بتاؤ۔ تنہائیوں تڑپتی رہتی ہو مر جاؤ گی اس طرح تو۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر پیار سے سہلانے لگیں۔

وہ مزید ضبط نہ کر سکی۔ اسے کسی ہمدرد، غمگسار کی شدید طلب ہو رہی تھی جو اس کے سلگتے ...پر تسلیوں کے پھاہے رکھے۔ وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر روتے ہوئے انہیں سب کچھ ...نے لگی۔ کچھ بھی نہ چھپایا۔

فرزانہ کے لیے یہ سب کسی شاک سے کم نہیں تھا وہ بھونچکا رہ گئیں۔

"اتنا بڑا غدر مچ گیا، اتنی قیامتیں تم تنہا اس نازک دل پر سہہ گئیں، ارے بے وقوف! مجھے ...تیں تو۔" وہ سر پیٹنے لگیں۔

"آپ! آپ کسی کو کچھ مت کہئے گا۔ کسی طرح آنٹی کو یہاں آنے سے روک دیجئے، ورنہ ...نہ میں پاگل ہو جاؤں گی، میرے اعصاب چٹخ جائیں گے" اس نے گھٹنوں میں سر دے دیا۔

رات چچی اسے شاہ دل کی والدہ کی آمد کا مژدہ سنا رہی تھیں اور فون پر ہونے والی گفتگو بھی۔

کھانے کی میز سے برتن اٹھاتیں فرزانہ آپی نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ بول اٹھی۔

"چچی جان! میں ابھی آپ کو، اس گھر کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ مجھے کچھ وقت تو آپ کی ...ہتوں کی چھاؤں میں رہنے دیجئے۔"

"بیٹا! ہم تم سے یہ چھاؤں چھین تو نہیں رہے بلکہ دوسرا سائبان دے رہے ہیں۔" چچا شفقت ...ے بولے۔

"وہی تمہارا اصل گھر ہے، تم کیوں فکر کرتی ہو؟ وہ تو ہم سے بھی اچھے لوگ ہیں، محبت کرنے ...لے۔"

"آپ کچھ بھی کہئے، میں ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔ پلیز چچی جان! آپ ان لوگوں کو ...ع کر دیں۔ کر دیں گی نا منع؟"

وہ چچی کا ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگی۔ چچی حیران پریشان رہ گئیں پھر اسے سینے سے بھینچ لیا۔

فرزانہ کا دل رنج اور غم سے شق ہونے لگا۔

کہاں وہ نکاح سے ایک دن پہلے اس خوبصورت رشتے، اس حسین بندھن کا سوچ سوچ کر ...سرور رہتی تھی، اب کہاں۔ دکھ کے ایسے گھنگھور بادل اچانک آجائیں گے۔ وہ سوچ بھی نہیں ...تی تھی۔

سوچا تو کبھی یہ بھی نہیں تھا کہ اتنا میچورڈ، اتنا سلجھا ہوا اور شائستہ نظر آنے والا شاہ دل اس ...ر سفاک اور ظالم بھی ہو سکتا ہے۔

وہ بڑے دکھی انداز میں کمرے سے نکل گئی۔

بھلا یہ بھی کوئی حل تھا۔

فرار.... مگر کب تک؟ یہ دو گھڑی کا فرار تو کوئی مسئلے کا حل نہیں تھا، اس کے دکھوں کا مداوا

نہیں تھا۔ سال دو سال آخر وہ لوگ بھی کب تک انتظار کرتے اور وہ کب تک ٹالتی رہتیں۔

آج نہیں تو کل یہ بات کھلے گی ہی تو پھر اس کا حل کیوں نا ابھی سوچ لیا جائے۔

وہ بے وقوف لڑکی۔ چند دنوں میں اس قدر مرجھا گئی ہے۔ بھلا اس طرح کیسے زندہ رہ پائے گی۔ ہے نا ناسمجھ، کم عقل مگر وہ تو اس جیسی نادان نہیں تھیں۔

انہوں نے اپنی طرف سے اس مسئلے کو حل کرنے کا سوچ لیا۔

○☆○

بنی تیرے ابا کی اونچی حویلی
بنو میں ڈھونڈتا چلا آیا
بنو میں ڈھونڈتا چلا آیا

منجھلی چچی خوب تیار ہو کر تائی اماں کے ہمراہ تاریخ لینے زنیرہ کے گھر جا رہی تھیں۔ تیمور اور عادل ان کے اس جوش و خروش اور خوشی کو دیکھ کر مسلسل انہیں چھیڑ رہے تھے۔ ان کی شوخی اور شرارت کا اصل مرکز یوں تو شاہ دل تھا جو لونگ روم میں بظاہر صوفے پر بیٹھا ٹیبل آگے کیے اس پر فائلیں پھیلائے خود کو مصروف ظاہر کر رہا تھا مگر حقیقتاً میں اس کا دھیان بار بار فائل کی لکیروں سے نکل کر ان دونوں کی آواز پر جا رہا تھا۔ کبھی چچی اور تائی ماں کی طرف۔

بنی تیرے ابا کی ٹوٹی حویلی
بنو میں اینٹیں چنتا آیا

عادل اس کی ٹیبل پر آ کر ڈھک ڈھک بجانے لگا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر بال پین ایک سرا دانتوں میں دبا کر گھورنے لگا۔

”میں سن رہا ہوں، فاصلے سے بھی۔ ناحق تم نے یہاں تک آنے کی زحمت کی ہے۔“

”اچھا، مگر آپ بن ایسے رہے تھے میں سمجھا ان تمام تیاریوں سے بے خبر ہیں پھر کب جا رہے ہیں 'اینٹیں چننے۔ میرا مطلب ہے حویلی ڈھونڈنے؟“ اس نے شرارت سے اسے دیکھا وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

”ڈھونڈ تو چکا ہوں۔ یہ کہو اب کمند لگانے کب جا رہا ہوں؟“ اس کا لہجہ شگفتہ تھا۔

”اوئے ہوئے۔“ تیمور نے بڑے بے ساختہ انداز میں سیٹی بجائی ”کمند“ کیا کہنے۔ سوچ لیجیے دو چار ہاتھ لب بام پر بھی کمند ٹوٹ سکتی ہے؟“

”آئے ہائے۔ خدا نہ کرے، ایسی بدفالی تو منہ سے مت نکالو۔“ چھوٹی چچی قریبی صوفے پر ہی بیٹھی تھیں۔ تڑپ کر رہ گئیں۔

”شکل اچھی نہ ہو تو بندے کو بات اچھی کرنی چاہیے جیلس کہیں کے۔“ نیلی نے اسے

کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

”شکل میری بہت اچھی ہے اسی لیے بات کبھی کبھی بات بری کر لیتا ہوں۔“ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا اور مسکرا کر اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر چائے پینے لگا۔

”کس اندھے نے خبر پھیلائی ہے؟“ نیلی ہنسی۔

”اس اندھے کو عمیر کہتے ہیں جو بدقسمتی سے ایک عقل کی اندھی کا منگیتر ہوتا ہے۔“

کمرے میں قہقہے گونج اٹھے۔ سب سے بڑا قہقہہ عمیر کا ہی تھا۔ نیلی تو بے چاری بری طرح جھینپ کر رہ گئی۔ اتنے بہت سوں میں چپل اٹھا کر اس بدتمیز تیمور پر اچھال بھی نہ سکی۔ بس کڑکتی نظریں ڈال کر رہ گئی۔ منجھلی چچی اور تائی کے جانے کے بعد سب کو ہی شدت سے ان کی واپسی کا انتظار تھا۔ خاص کر لڑکیوں میں خاصی بے قراری پائی جاتی تھی۔

اور ایسا ہی کچھ کٹھن انتظار شاہ دل بھی اوپر ٹیرس میں بیٹھا کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا مگر دل کی دھڑکنیں ہر آہٹ پر چونک اٹھتی تھیں۔

اس کے بغیر آج بہت جی اداس ہے
جالب چلو کہیں سے اسے ڈھونڈ لائیں ہم

پتا نہیں کیوں وہ یکایک بالکل اسکول بوائے کی طرح جذباتی اور بے تاب ہو رہا تھا۔

ڈھلتی شام ان کی واپسی ہوئی تو ان کے پژمردہ مرجھائے ہوئے چہرے دیکھ کر سب چونک پڑے۔

”ابھی وہ لوگ رخصتی نہیں کرنا چاہتے۔ زنیرہ ہی راضی نہیں ہے۔“ چچی نے بتایا۔

اس دھماکے کا اثر شاہ دل کے دل پر جو ہوا، ایسا شاید کسی کے دل پر نہ ہوا تھا۔

”بے وقوف لڑکی! خوفزدہ ہے“ کہہ رہی تھی ابھی چچی کو، اس گھر کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ چلو، ہم کوئی زبردستی کر نہیں سکتے۔ وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائے، ہم چند مہینے اور انتظار کر لیتے ہیں۔“ چچی کمرے سے چل دیں۔

وہ بڑی خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

سب کی آوازیں گڈمڈ ہونے لگیں۔ ہر کوئی تبصرہ کر رہا تھا۔ لڑکیاں مایوس سی ہو گئیں۔

وہ کمرے میں آ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ زنیرہ کا یہ گریز، یہ بہانہ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

اس نے سوچا اسے کم از کم زنیرہ کے اس انکار پر تعجب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا تھا، ردعمل کے طور پر وہ ایسا ہی کر سکتی تھی۔

اس نے کیسی واشگاف لفظوں میں جتا دیا کہ اسے بتا دیا تھا وہ محض اسے پا کر اپنی تکمیل چاہتا

تھا۔ تاکہ اپنی فتح پر ناز کرسکے۔ ہاں درحقیقت اس نے اس زعم سے اسے جیتا تھا مگر وہ اس زعم، اس فتح کا جشن نہیں منا رہا تھا۔ غرور اور تکبر کے بجائے وہ اب پژمردہ اور مضمحل اور مضطرب تھا۔

سوزش درد دل کسے معلوم
کون جانے کسی کے عشق کا راز

○☆○

اس نے کچن کی کھڑکی سے گیٹ سے اندر داخل ہوتی سدرہ بھابی کو دیکھا، جنہیں فرزانہ آپی ہاتھ پکڑ کر اندر لے جارہی تھیں۔ وہ کھڑکی کی جالی سے لگی گہرے اضمحلال کے ساتھ کھڑی رہ گئی۔ اسے صبح سے ہی شک ہوگیا تھا کہ فرزانہ آپی نے سدرہ بھابی کو فون کیا تھا اور اب شام وہ دوڑی چلی آئی تھیں۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی پیالی سنک پر پٹخ دی۔ ایک ہلکا سا چھناکا ہوا اور پیالی کے کانچ کئی ٹکڑوں میں بکھر گئے بالکل اس کے دل کی طرح۔ بس لہو نہ چھلکا تھا۔

وہ وہیں فرش پر گھٹنوں میں سر دیے کر بیٹھ گئی۔ تو فرزانہ آپی نے اس کی شکست کی تشہیر کردی۔ وہ شکست جس کے آنسو وہ چھپاتی پھر رہی تھی، وہ اس شخص کو بتا دینا چاہتی تھی کہ وہ اتنی کمزور نہیں ہے اگر وہ اس کے اجڑنے، تڑپنے کا تماشا دیکھنا چاہتا تھا تو اس کی خواہش کو وہ کبھی پورا نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

"یہ کیا کردیا آپی آپ نے؟ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ جانے اب کون کون میری بے بسی کا تماشا، میری شکست کا یہ کھیل دیکھے گا۔"

وہ گہرے ملال کے ساتھ کچن سے باہر آئی اور فرزانہ آپی کے کمرے کا رخ کیا۔ دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا مگر وہ اندر سے بند تھا۔

وہ چپ چاپ ڈھیلے قدموں سے چال چلتی چچی جان کے کمرے میں آگئی۔ کمرا پورا خالی تھا۔ وہ احمر کے ہمراہ ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔

وہ اس اضمحلال کے ساتھ بیڈ پر چت لیٹ کر چھت کو گھورنے لگی۔

صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا تھا
ذکر ہو نہ اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

آنکھوں میں ریت سی چبھتی محسوس ہونے لگی پھر وہی درد اندر محشر برپا کرنے لگا۔ نہ اس ستمگر کو بھلانا آسان تھا، نہ اب اپنی انا کو توڑنے کا یارا تھا مگر آخر کب تک وہ درمیانی راستے میں لٹکتی رہے گی۔

رخصتی سے انکار نے یقیناً سدرہ بھابی کو چونکایا ہوگا اور فرزانہ آپی نے آج اصل جواز بتادیا ہوگا انہیں۔

اس کا ذہن پھر بھٹک کر سدرہ بھابی اور فرزانہ آپی کی طرف ہوگیا۔ آہ، وہ کس کھو میں چلی جائے، کہاں منہ چھپائے؟

اس کا دل شدت سے تمنا کرنے لگا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو جائے۔

درد کی لہر جانے کتنی دیر اس کے دل کو کاٹتی رہی۔ اچانک دروازہ کھلا، سدرہ بھابی کا پریشان چہرہ دکھائی دیا جس میں دکھ، ملال کے کئی رنگ تھے۔

وہ ان کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے بھی یونہی چپ چاپ پڑی رہی۔ دروازہ ہلکی آہٹ سے بند ہوا تھا۔

"سمجھ نہیں آرہا کہ تمہیں احمق کہوں یا اس شخص کو۔ کہاں سے آئے اتنے فاصلے، یہ تم دونوں کے درمیان؟" وہ گہرے تاسف اور ملال کی سی کیفیت میں اس کے قریب چلی آئیں۔

"فاصلے سمٹے ہی کب تھے۔" وہ درد کی سی کیفیت میں سامنے دیوار کو گھورتے ہوئے بولی۔ ایک کرب آمیز ہنسی اس کے لبوں کی تراش میں بکھر گئی تھی۔

سدرہ بھابی نے اسے الجھی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہاں، میں ہی پاگل تھی جو آرزوؤں کے ایوان سجاتی رہی، دل کا سودا کر بیٹھی اس شخص کے ہاتھوں جو محبت سے زیادہ انا کو اہمیت دیتا ہے جو اپنی انا کے تخت سے اترنے کو تیار نہیں ہے، جو اپنی مردانگی پر حرف آنے پر قیامت لاسکتا ہے اور لے آیا ہے۔" وہ اٹھ کر پیر لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آواز رندھ گئی۔ کچھ دیر دل کی بکھرتی حالت کو سنبھالنے لگی پھر اٹھ کر جانے لگی مگر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں نے شاہ دل کو سمجھنے میں غلطی کی ہے یا تم دونوں ہی ایک دوسرے کو ابھی نہیں سمجھ پارہے ہو۔"

زنیرہ نے ایک دل گرفتگی کے احساس سے پلکیں اٹھا کر ان کے متفکر چہرے پر نظر ڈالی۔

"آپ نے سمجھنے میں غلطی کی ہے یا نہیں بہرحال... میں نے اسے سمجھنے میں بہت بڑا دھوکا کھایا ہے۔"

بھابی وہ سر پکڑ کر سخت بے بسی سے اسے دیکھنے لگیں "مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ شاہ دل۔"

"پلیز بھابی۔ میں اس چیپٹر کو ہمیشہ کے لیے بند کردینا چاہتی ہوں۔ آپی نے آپ کو جو کچھ بتایا

پلیز، فار گاڈ سیک! ان باتوں کو اس حقیقت کو یہیں اسی گھر میں دفن کر کے جائیے گا۔"

"دفن کر دوں مگر زنیرہ! یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے' کیا عمر بھر کا روگ لگا کر بیٹھی رہو گی تم؟ کیا سمجھ کر اس لڑکے نے تمہاری توہین کی ہے' کیا حق پہنچتا تھا اسے اس گھٹیا ڈراما رچانے کا۔ وہ قابلِ معافی نہیں ہے زنیرہ۔ اسے اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے' ضرور ملنی چاہیے۔" سدرہ بھابی کے لہجے میں پھنکار سی اتر آئی تھی مگر وہ رکی نہیں اور کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں جا کر اندر سے لاک لگا دیا پھر لاکھ سدرہ بھابی اور فرزانہ آپی نے کھٹ کھٹایا اس نے نہ کھولا۔

☆☆☆

انا کی جنگ میں ہم جیت تو گئے لیکن
پھر اس کے بعد بہت دیر تک نڈھال رہے

وہ آفس کی ریوالونگ چیئر پر بڑی کسلمندی سے بیٹھا ہوا تھا۔ اسی دم دروازہ کھلا اور غالب اور سدرہ بھابی اندر داخل ہوئے۔ ان دونوں کی آمد اس کے لیے قطعی حیران کن اور غیر متوقع ثابت ہوئی تھی۔ چیئر پر گھومتا ہوا وہ وہیں ٹھہر گیا اور قدرے حیرت سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

سدرہ بھابی کا یوں آفس چلے آنا ہی صرف حیرت کا باعث نہیں تھا' غالب کی ہنی مون سے واپسی سے وہ قطعی بے خبر تھا۔

"ارے' تم کب آئے؟" اس نے لمحہ بھر کی حیرانگیوں پر قابو پا کر غالب کو ویلکم کرنے والے انداز میں مسکرا کر دیکھا۔

"صبح آیا ہوں۔"

"مجھے فون کر دیتے' کس نے ریسیو کیا ہے تمہیں؟"

"بہت ہیں تمہارے علاوہ میرے ہمدرد رفیق۔"

وہ ہنس پڑا۔

"وہ تو خیر ہیں' مجھے بھی خبر ہے۔ میرا مطلب تھا' یہاں تک آنے کی زحمت کی۔ میں ابھی گھر کے لیے نکل ہی رہا تھا۔" اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ گولڈن سوئیاں پانچ بجا رہی تھیں۔

"اتفاق سے آج لنچ پر بھی نہ آسکا۔ خیریت تو ہے' آپ دونوں گئے تھے... میرا مطلب ہے کہیں جا رہے ہیں یا کہیں سے آرہے ہیں؟" اس نے سدرہ بھابی کو نظر بھر کر دیکھا۔ (کچھ انداز بدلا بدلا سا محسوس ہوا تھا' وہ غیر محسوس طور پر چونک سا گیا)

"سیدھے یہیں آئے ہیں اور گھر سے آئے ہیں۔" جواب سدرہ بھابی نے اسے پھنکار کے دیا کہ وہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔ دونوں کے چہروں پر ہی اسے کچھ غیر معمولی پن دکھائی دے رہا تھا اور پھر غالب نے جس انداز میں کرسی گھسیٹی تھی اور اس پر بیٹھا تھا' اس کے اندر خطرے کا الارم بج گیا تھا۔

"خیریت تو ہے؟" اس نے ترچھی نظر بھابی پر ڈالی پھر غالب کو دیکھنے لگا۔

"خیریت... آپ کس قسم کی خیریت کے متمنی ہیں آپ؟ جو قیامت برپا کر آئے ہیں اس کے بعد کسی خیریت کی توقع کیسے رکھ سکتے ہیں۔ اگر رکھی ہے تو بڑے شرم کا مقام ہے۔ شرم مگر تم کو نہیں آتی۔" غالب گویا غبارے کی طرح بھرا پڑا تھا' پھٹ پڑا۔ وہ اس حملے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا۔ لائٹر کے شعلے سے نگاہ ہٹا کر غالب کے لال چہرے کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

"اف' کیا بے خبری ہے۔ اتنے انجان پن سے تو مت دیکھو۔"

"میں سمجھا نہیں۔" اس نے بڑے ٹھہرے انداز میں کہتے ہوئے نگاہیں چرا لیں۔

"میرا دل چاہتا ہے آگے بڑھ کر تمہارا گلا دبا دوں۔ تم سے اتنی سفاکی' اتنی جاہلیت کی امید نہیں تھی۔ اگر یہ بھونڈا مذاق رچایا ہوا ہے تم نے تو گاڈ سیک! اسے بند کرو اور اگر یہ انتقامی کارروائی کی گئی ہے تو ہم سب زنیرہ بھابی کے ساتھ ہیں۔ تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔"

اس نے بے حد تحمل کے ساتھ غالب کی طرف سے برستے تیروں کا مقابلہ کیا۔

غالب جس غصے میں دکھائی دے رہا تھا' اسے لگ رہا تھا کہیں پیپرویٹ اٹھا کر اس کے سر پر مار ہی نہ دے۔ بھابی الگ اسے اشتعال انگیز نظروں سے چھید رہی تھیں۔

"تو آخر کار... اس نے اپنی شکست کے آنسو آپ لوگوں کے سامنے بہا ہی ڈالے... ہا... وہ تو میرے اندازے سے زیادہ بزدل نکلی۔"

"شاہ دل!" سدرہ بھابی نے اسے سخت بے چارگی آمیز کرب سے دیکھا۔ "تمہیں ہم اتنا ظالم' اتنا سفاک تو نہیں سمجھتے تھے۔ تمہاری شائستگی' تمہاری شرافت کے چرچے تھے۔ یہ پولائٹ نیس تو نہیں ہے۔" وہ گویا رو دینے کو تھیں۔

حقیقت تھی جب سے وہ زنیرہ سے مل کر آئی تھیں۔ فرزانہ نے انہیں اس حقیقت سے آگاہ کیا تھا' ان کا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ خود کو مجرم سمجھنے لگی تھیں۔ انہیں ایک پل قرار نہیں تھا۔ نہ کسی کو بتا سکتی تھیں' نہ خاموش رہ زنیرہ کی زندگی کے اجڑنے کا تماشا دیکھ سکتی تھیں۔

انہوں نے کئی بار سوچا' وہ ثاقب بھائی کو بتا دیں پھر اچانک غالب کی آمد نے انہیں خوش کر دیا۔ وہ صبح آرہا تھا۔ لنچ تک وہ خود کو سنبھالے رہیں پھر موقع پاتے ہی اسے رازداں بنا لیا۔ ان کے خیال میں شاہ دل کو اس کے جرم کی سزا ملنی چاہیے۔ اسے یوں کھلا آزاد نہیں چھوڑ دینا چاہیے' بازپرس ضروری تھی۔

"تم ایسا قدم اٹھاؤ گے' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" وہ اسے گھائل نظروں سے دیکھنے لگیں۔

شاہ دل کے چہرے پر یک بیک بے چارگی آمیز کرب بکھر گیا۔ اس نے ہونٹوں سے سارا تلخ

دھواں نکال کر آنکھوں کے آگے پھیلا لیا پھر اسی مرغولوں پر نگاہیں جمادیں۔ اسے اپنے دل سے ایسا ہی دھواں اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

”میں خود بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ میں ایسا قدم اٹھاؤں گا۔“ اس نے غالب کی طرف دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچی۔

میری انا پر لگنے والی وہ ضرب بہت شدید تھی غالب! اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میرے اندر ایک آگ بھڑکا دی اور میں انا اور جذبات کے منفی پہلو میں بہہ گیا۔ میرے اندر کا انا پرست‘ کمزور نفس مرد جاگ اٹھا۔ میں وہی روایتی سا منتقم مزاج مرد بن گیا‘ جس کے پیش نظر فقط انانیت کی تسکین ہوتی ہے اور میں اپنے اندر بھڑکنے والی آگ کو اس انتقامی کارروائی کی پھوار سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگا بس۔“

”تو ٹھنڈک ملی؟“ غالب بڑے استہزائیہ آمیز انداز میں ہنسا۔

اس نے سخت قسم کی دل گرفتگی محسوس کی۔

”نہیں بلکہ اس انتقامی آگ نے تو وہ بھی جلا کر بھسم کر دیا جو بچا ہوا تھا۔“ اس نے طویل قسم کی اعصاب شکن سانس خارج کرتے ہوئے گویا اعتراف شکست کر ڈالا۔

✪✫✪

وہ تھک چکا تھا اسے کسی ساتھی رفیق کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جسے وہ اپنی دلی‘ ذہنی تھکن اور کوفت کا احوال سنا سکے۔ اپنا تمام تر بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال کر کچھ پرسکون ہو سکے۔

”غالب میں نے جو کچھ پایا وہ بھی کھو دیا اور جو بچا ہے وہ بھی کھو رہا ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بالکل تہی داماں‘ تہی دست اور محروم ہو کر رہ گیا ہوں۔ اب تو شاید ہی سکون میرا مقدر بنے۔“

اس کا اعترافِ جرم‘ یہ دل گرفتگی‘ بکھراؤ اور شکستگی غالب اور سدرہ بھابی دونوں کے لیے کسی حیرت اور شاک سے کم نہیں تھا۔

وہ کتنے لمحے تو کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہے۔ وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا سخت مضمحل‘ اداس اور ملول دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی خوب صورت بھوری آنکھوں کی چمک ماند تھی‘ چہرے پر کئی دن کی بڑھی ہوئی شیو تھی۔ انا کی جنگ میں تو وہ دونوں ہی مات کھائے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

نقش بن کر جو تیرے دل پر سجا ہے ناصر
یہ کوئی حرف غلط ہے کہ مٹایا جائے

غالب نے گہرا طویل سانس لیا۔ اس کے لیے یہ سوچ تسلی کا باعث تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت بہرحال نہیں کرتے بس انا کے تخت سے نیچے اترنے کو تیار نہیں تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی اور زنیرہ کا تو حق بنتا تھا یہ شخص اس کی جانب بڑھے وہ نیچے اترتی تو نسوانیت کی ہی توہین نہ ہوتی اس کی حق تلفی بھی ہوتی۔ جو زخم دے وہی مسیحائی کرے تو داغ بھی نہیں رہتا‘ زخم پھول بن جاتے ہیں۔

”میں رات بھر سو نہیں سکی ہوں۔“ سدرہ بھابی۔

”ارے۔ ارے۔“ غالب بے اختیارانہ قہقہہ نہ روک سکا۔

”آپ سو نہیں سکی ہیں اس شخص کی طرف دیکھیے جو کتنی راتوں کا جاگا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔“

”اسی نے تو سب کی نیندیں حرام کی ہیں۔“ وہ بھبک کر بولیں تو شاہ دل مسکرا دیا۔

کئی دنوں بعد پہلی ہلکی پھلکی خوشگوار مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی تھی۔

”میں اپنے تمام جرموں کا اعتراف تو کر رہا ہوں اور اب کیا کروں کچھ اس کی بھی تقصیر پر نظر ڈالیں‘ سارے قصور میرے ہی کھاتے میں ڈالے جا رہی ہیں۔“

”کیا کہنے۔ یہ اعترافِ جرم آپ کے جرموں کی سزا تو نہیں ہو سکتی اور اپنے جرم کے ساتھ اس بیچاری کو بھی لپیٹ رہے ہو۔ یعنی اب بھی اس معصوم کے کھاتے میں سارا بار ڈال کر بری ہونا چاہتے ہو۔“

”اپنے جرم کی سزا تو سہہ رہا ہوں۔“

”سزا تو اب وہ تجویز کرے گی تمہارے لیے بچو۔ جس کے جذبوں کے قاتل ہو۔“

”تم نے اس سے براہِ راست بات کی ہے؟“ وہ کچھ لمحے توقف کے بعد میز کی چکنی سطح پر ہاتھ پھیرتا ہوا غالب سے پوچھنے لگا۔ تو غالب نے پیپرویٹ کو گردش دیتے ہوئے اسے یوں گھورا جیسے بھی سالم نگل جائے گا۔

”تم نے اس قابل چھوڑا ہے۔ ارے وہ تو اب شاہ پیلس والوں کا منہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گی۔ تم براہِ راست بات چیت کرنے کا پوچھ رہے ہو۔ بھائی میرے‘ میرے پاس ایک ہی سر ہے۔“

اس کے انداز میں بلا کی شگفتگی تھی۔ شاہ دل برملا قہقہہ نہ روک سکا۔

”کتنے برے لگ رہے ہو یوں قہقہے لگاتے ہوئے۔ اس کا خیال نہیں جو رو رو کر آدھی رہ گئی ہے۔“ سدرہ بھابی کو ان کا بے موقع ہنسنا سخت کھلا‘ خاص کر شاہ دل کا۔ (یہ کوئی تک تھی ذرہ بھر ل نہیں تھا)

"ہم نے رو رو کر مٹکے بھر دیے
وہ آئے اور نہا کر چل دیے"

"تم چپ کرو غالب۔ ہم مذاق کرنے نہیں آئے یہاں پر۔" وہ سخت بلبلا گئیں۔

"بجا فرمایا۔ تو کون کافر مذاق کر رہا ہے۔ جب اس بندے نے اعتراف گناہ کر ڈالا' سزا کے لیے تیار ہے تو۔ اب کیا اسے الٹا لٹکا دوں۔ یہ اپنے کیے پر پہلے پشیمان ہے اب کتنا شرمندہ کروں۔"

وہ کرسی دھکیل کر اسی جھنجلاہٹ سے کھڑی ہو گئیں' شاہ دل نے ان کی طرف دیکھا۔

"میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں بھابی مگر شاید وہی مفاہمت کا تصور بھی ذہن میں لانے کو تیار نہیں ہے۔" اس نے بڑے تحمل کے ساتھ کہا۔ اس کی فطری سنجیدگی در آئی۔ وہ وقتی خوشگواری پھر اسی مضمحل سوچ اور دکھ تلے دب گئی۔

"تم نے جو سکون اس کی زندگی میں گھولا ہے اس کے بعد اس سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہو۔ وہ مفاہمت کو بھی دھوکا خیال کر رہی ہے کاش شاہ تم نے ایسا قدم اٹھانے سے پہلے سوچ تو لیا ہوتا۔ اس کے دل پر کیا گزری ہے تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ وہ اب تمہاری باتوں پر کیسے یقین کرے گی۔ اسے بھی دھوکا ہی خیال کرے گی۔"

بھابی بڑے نڈھال سے انداز میں دوبارہ کرسی پر گر گئیں۔ لمحہ بھر کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ ایک پرملال سی فضا قائم ہو گئی۔

شاہ دل پھر اسی گہری خلش اسی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہو گیا۔ ایک گہرا اضمحلال اس کے اندر ہلکورے لینے لگا۔

"خیر اب ایسی سخت دل بھی نہیں ہے زنیرہ۔ اور جذبے صادق اور سچے ہوں تو اپنا آپ منوا لیتے ہیں۔" غالب نے تلخ فضا سے اپنے آپ کو نکال کر ماحول میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش کی۔

ہرگز قدم نہ روک کہ یہ دور کی منزل
نکلے گی کسی روز اسی گرد سفر سے

"تو پیارے شاہ دل۔ بس تم قدم بڑھاتے جاؤ اس کی طرف۔ کب تک پیچھے ہٹے گی۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ بھائی میرے مردوں والی صفت پیدا کرو پھر دیکھو وہ اتنی سی نازک ڈال جیسی لڑکی کیسے قابو آتی ہے۔"

"جی ہاں جیسے آپ نے اپنی باری پر کیا تھا۔ منہ لپیٹ کر سو گئے تھے۔ سائرہ کی خرم میاں سے شادی کا سن کر۔" اس نے طنز سے کہا تو غالب سر کھجا کر ہنس پڑا۔

"اب یہ حماقتیں تم تو نہ کرو بھائی۔ یاد ہے اس وقت تم نے مجھے بزدل مرد کہا تھا۔ بلکہ مرد ماننے سے منکر ہو گئے تھے۔" غالب نے بھی جتایا۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"یہ لو۔ ملاؤ اس کا نمبر اور بات کرو۔" غالب نے فون سیٹ ہاتھ بڑھا کر اس کی طرف کھسکا دیا۔ شاہ دل نے فون کے بجائے غالب کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ بہترین طریقہ ہے صاف لفظوں میں اسے بتا دو کہ میں نے جو کچھ کیا اس پر نادم اور سخت پشیمان ہوں اور اب اپنا دل' جان' جگر' پھیپھڑے سب کچھ تمہارے قدموں میں رکھنے کو تیار ہوں۔ بے شک چاہو تو اس پر پانچ انچ کی ہیل پہن کر چل پڑنا مگر۔۔" اس کی چلتی زبان کو بریک لگ گیا۔ شاہ دل نے اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر کریڈل پر پٹخ دیا۔

"یہ کوشش میں کر چکا ہوں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"وہاٹ؟" غالب نے اسے دلچسپی سے دیکھا "پھر کیا رزلٹ نکلا؟"

"وہ بات سننے تک کی روادار نہیں ہے۔ میری آواز سن کر فون رکھ دیتی ہے۔"

"ماشاءاللہ سے آپ کی آواز ہی اتنی دلکش ہے' دل سنبھال نہیں پاتی ہوں گی۔"

"کیا بدتمیزی ہے غالب۔ بی سیریس۔" سدرہ بھابی کو اس کا بے وقت کا مذاق سخت کھلا۔ اس انکشاف نے انہیں ایک بار پھر سخت قسم کے ٹینشن میں مبتلا کر دیا۔

"سنجیدگی سے کچھ کرو غالب۔ مجھے تو خوف آنے لگا ہے اگر اس نے ضد پکڑ لی تو بہت برا ہو گا۔ ادھر چچی جان الگ پریشان ہیں۔ انہیں شک سا ہو چلا ہے کہ زنیرہ کا رخصتی ٹالنے میں کوئی اسرار ہے۔ جانتے ہو' وہ تمہاری طرف سے مشکوک ہیں۔ تم نے نکاح سے پہلے جو اتنا طوفان کھڑا کیا تھا ان کا ذہن اب یہ سوچ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے اسی غصے میں تم نے زنیرہ کو کوئی سخت بات کہہ دی ہو۔" بھابی نے آخر کار منجھلی چچی کے خدشات کا اظہار کر ہی دیا جو انہوں نے رات ہی ان سے کیا تھا۔

شاہ دل کے لیے یہ صورت حال سخت پریشان کن تھی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ ان کے اور زنیرہ کے مابین پھیلی رنجش شاہ پیلس والوں کی نظر میں آ جائے۔ خاص کر منجھلی چچی' جس کو وہ پہلے ہی ہرٹ کر چکا تھا۔

"یار اس آگ کو تو بجھاؤ۔ کیا اندر کی آگ کافی نہیں ہے جو اوپر سے مزید خاکستر ہو رہے ہو۔" غالب نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر ایش ٹرے میں مسل دی جو اس نے سخت ٹینشن میں ہو کر سلگائی تھی۔

اسے اب شاہ دل سے سخت قسم کی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

"تم نے غالباً لنچ بھی نہیں کیا ہو گا۔"

وہ چپ رہا۔
"ناشتا بھی کہاں کیا تھا آج۔" بھابی بڑی آہستگی سے بولیں۔
"تو چلو پھر اٹھو یہاں سے پہلے لنچ کرتے ہیں اس برے رفیق یعنی پیٹ میں کچھ جائے گا تو عقل کے دریچے خود بخود کھلیں گے اور کوئی سبیل نظر آئے گی۔" غالب کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا
"اٹھو یار۔" اس نے زبردستی اسے کھڑا کیا "کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے ہیں اور وہیں بیٹھ کر اس گتھی کو سلجھاتے ہیں۔"
وہ چپ چاپ چابی اٹھا کر ان کے ساتھ چل پڑا۔
یہ اس کے پیارے عزیز اس کو قلبی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ تھے وہ جس ذہنی آزار سے گزرتا آیا تھا اور گزر رہا تھا اس کو بہ خوبی محسوس کر رہے تھے۔
یہ حقیقی رشتے اس لمحے شاہ دل کو بہت بڑا سہارا محسوس ہو رہے تھے۔

○☆○

"وہ جو ایک خواب سی
رات تھی
میرے بخت میں
یونہی ایک پل میں گزر گئی
وہ گزر گئی تو پتا چلا
وہی ایک کام کی چیز تھی
میری زندگانی کے رخت میں"

اس کی بھاری گمبھیر آواز اس کے اندر باہر حشر برپا کر گئی تھی۔ وہ کتنے لمحے ریسیور کان سے لگائے کھڑی رہ گئی۔ اپنے اندر باہر اسی طوفان پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی تھی جو اس آواز نے اٹھایا تھا۔ ایک بار تو اس نے اس کی آواز سن کر ریسیور جھٹکے سے رکھ دیا تھا مگر دوسری بار اسے یہ فعل انجام دینے میں تاخیر ہو گئی تھی یا پھر جانے کس جذبے نے ایسا نہیں کرنے دیا تھا۔
"زنیرہ۔" وہاں تو گویا تمام تر بے تابیوں کے ساتھ پکارا جا رہا تھا۔
اسے لگا کسی نے اسے یخ بستہ پانی میں دھکیل دیا ہو۔ دھڑکنیں رکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔
"زنیرہ پلیز دیکھو فون مت رکھنا۔ میری بات سنو۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔ اس نے بھیگتے ہاتھ سے پھسلتے ریسیور کو مضبوطی سے پکڑا۔
"کیا چاہتے ہیں اب آپ؟" اس کا لہجہ چٹختا ہوا' سخت بے اعتباری لیے ہوئے تھا۔

"تمہارا ساتھ چاہتا ہوں بس۔" اس کی برجستہ گوئی پردہ کھول کر رہ گئی۔
"زنیرہ یقین کرو۔ میں اپنے اس فعل پر سخت پشیمان اور نادم ہوں۔ پتا نہیں اس وقت میں اتنا جذباتی کیوں ہو گیا تھا۔ بیلوی زینی۔ اس دن کے بعد سے مجھے ایک پل قرار نہیں ہے۔"
"میں کیسے یقین کرلوں کہ آپ جیسے انا پرست' مردانگی کے زعم میں مبتلا مرد بھی نادم ہوتے ہیں۔ یہ بھی کوئی فریب ہے آپ کا۔"
"یہ فریب نہیں ہے میرے دل کی آواز ہے زنیرہ۔"
"بند کریں یہ کھیل پلیز اسٹاپ اٹ! آپ کیا سمجھتے ہیں یہ بی ہیور اپنا کر ایک بار پھر دھوکا دے دیں گے' اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میری زندگی اتنی ارزاں نہیں ہے کہ اسے میں آپ کے ہاتھوں کھلونا بننے دوں۔ آئندہ آپ فون کرنے کی' مجھ سے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی کوشش مت کیجیے گا۔"
"زنیرہ! لسن ٹومی۔ پلیز زینی۔" وہ بے قراری سے چلایا مگر اس نے ریسیور پٹخ دیا تھا۔ لائن میں سوائے ٹوں ٹوں کے کوئی آواز نہ تھی وہ سخت دل برداشتہ ہوا تھا۔
اس کے اندر کی تپش اور بڑھ گئی۔
اس معاف کرنے کا تصور بھی شاید وہ اپنے ذہن و دل سے نکال چکی تھی مگر وہ اس سے کیسے دستبردار ہو جاتا۔ وہ جو اس کی روح کا حصہ بن چکی تھی۔ اس کی رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی اس سے بچھڑنے کا تصور بھی وہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی محبت' چاہت کی جڑیں تو اس کی رگ رگ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کی بے رخی نے اس کے جذبوں کے طوفان میں اور تندی مچادی تھی۔
وہ اپنے بیڈ روم سے نکل کر ملحقہ اسٹڈی روم میں چلا آیا۔ ایزل پر آج بھی زنیرہ کی خوب صورت پورٹریٹ سجی ہوئی تھی۔ ہاں وہ کوئی بے جان تصویر تو نہ تھی کہ وہ اٹھا کر بیڈ روم میں سجا لیتا یا جہاں چاہتا سجا لیتا۔
اس نے تب سدرہ بھابی اور غالب سے جھوٹ بول دیا تھا کہ وہ زنیرہ سے فون پر بات کرنے کی کوشش کر چکا ہے اور وہ اس سے بات نہیں کرتی اور آج یہی ہوا تھا اس کا جھوٹ آج حقیقت بن گیا تھا۔ وہ اس سے ملاقات کرنے کو تو کیا اب تو اس کی آواز سننے تک کی روادار نہیں تھی۔ جبکہ اس کا خیال تھا وہ اب زنیرہ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اس کی کمزوری بن چکی تھی۔ وہ ہر طریقے سے اس کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ جو زخم لگائے تھے ان پر مرہم رکھنا چاہتا تھا مگر وہ اسے موقع نہیں دے رہی تھی۔ اس کے جذبوں کو رعایت دینے کو تیار نہیں تھی۔
وہ اسے کیسے بتاتا کہ یہ فاصلے قرب کے شعلوں کو ہوا دے رہے تھے۔
وہ سخت پژمردہ دل ہو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا ہر شے تہس نہس کر ڈالے۔

○☆○

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

فرزانہ آپی نے دونوں بازو اس کی کمر کے گرد ڈال دیے۔ وہ کھڑکی کھولے صحن میں پھیلی دھوپ کو ڈھلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"بڑے دنوں سے تم نے گنگنانا بھی چھوڑ دیا ہے
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے"

انہوں نے مسکرا کر اسے اپنی طرف گھما ڈالا۔ اس نے بڑی گھائل نظریں ان پر ڈالیں۔ گویا کہہ رہی ہو۔ (آپ تو میرے ایک ایک اداس لمحوں کی ساتھی ہیں پھر بھی دل جلا رہی ہیں)

"جانم! اس طرح پڑے پڑے اور سوچتے سوچتے تم مرجاؤ گی۔ کوئی فیصلہ خود کرتی ہو نہ ہمیں کرنے دیتی ہو۔ یہ جینا ہے یا مرنا۔" فرزانہ نے اس کا زرد چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا "اس سے ایک بار تو بات کرلو۔ فون پر ہی سن لو وہ کیا کہتا ہے۔"

"آپی۔ میں اس موضوع کو اب ہمیشہ کے لیے بند کردینا چاہتی ہوں آپ کیوں اُدھیڑتی ہیں میرے زخموں کو۔ وہ شخص فراڈی ہے اور کوئی نیا کھیل کھیلنا چاہتا ہے اپنی محبت کے جال میں گرفتار کرکے۔ انا پر پڑی ضربوں کا اور انتقام لینا چاہتا ہے۔" وہ چٹختے ہوئے کانچ کی طرح زخمی ہو رہی تھی۔

"چلو چھوڑو۔ اس گھٹن زدہ کمرے سے تو باہر نکل سکتی ہو نا اور میرے ساتھ ذرا مارکیٹ تک آسکتی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ تھپک کر بولیں۔

"یار بہت لمبی لسٹ ہوگئی ہے۔" ان کے لہجے میں محبت بھرا اصرار تھا۔

وہ مسکرا دی۔

"یہ لسٹ گھریلو قسم کی چیزوں کی تو نہیں ہے؟"

"ارے ارے بالکل نہیں۔ یہ ہیڈک احمر اور ابو کے کھاتے میں ڈال دیا ہے میں نے۔ بس میری تو ذرا ذاتی قسم کی چیزیں ہیں۔ میرا خیال ہے تمہیں تو اپنا حلیہ درست کرنا پڑے گا۔ میں تو بالکل ریڈی ہوں۔ چلو فٹافٹ تم اپنی ڈریسنگ پیننگ کرکے باہر آجاؤ۔ میں امی کو بتادوں۔" وہ اس کی رضامندی جان کر باہر نکل گئیں۔

"موسم بھی زبردست ہے شاپنگ میں مزہ آئے گا۔" دوبارہ کمرے میں آئیں تو وہ چادر اوڑھ رہی تھی۔

"اور اگر بارش ہوگئی تو سارا مزہ نکل جائے گا۔" وہ اپنا شولڈر بیگ اٹھاتے ہوئے بولی تو وہ

ہنس پڑیں۔

"اللہ مالک ہے ویسے پھوار تک تو موسم شاپنگ کے لیے آئیڈیل ہے اس سے آگے.... نہ بھئی کہاں بھاگتے پھریں گے۔ رکشے والے بھی ایسے موقعوں پر غائب ہوجاتے ہیں اور جو اکا دکا نظر آجائیں قسمت سے تو سارے دن کی کمائی ہم ہی سے لیں گے۔" فرزانہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ وہ محظوظ ہو کر ہنس پڑی۔

"شکر کہ تمہارے چہرے پر ہنسی کی کرن تو نظر آئی۔" فرزانہ آپی نے طمانیت بھرا سانس کھینچا اور پھر اسے ساتھ لیے چلنے لگیں۔

لابی سے گزرتے ہوئے تیز بجتی فون کی گھنٹی نے دونوں کے قدم روک لیے۔ گھنٹی جس تیزی سے بجی تھی اس سے زیادہ زنیرہ کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ اسے تو اب فون سے بھی خوف آنے لگا تھا وہ اس آواز سے بھی یونہی بھاگتی تھی۔ جس طرح آج کل شاہ دل کے خیال سے۔

فرزانہ کی بے ساختہ نظریں زنیرہ کے چہرے کی طرف اٹھی تھیں جو لمحوں میں کئی رنگ بدل گیا تھا۔

"اگر شاہ دل بھائی کا ہوا تو دیکھو بات ضرور کرلینا۔" فون اسٹینڈ کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے انہوں نے اسے تاکید کی اور زنیرہ کا دل کسی اتھاہ میں ڈوبا تھا۔ وہ دم سادھے کھڑی رہ گئی تھی۔

فرزانہ نے فون ریسیو کیا پھر چہرہ موڑ کر اس پر نگاہ ڈالی اور آہستگی سے ریسیور ہولڈ رکھ کر اس کی طرف آئیں۔

"آپی۔ پلیز۔ میں..." وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی اور یوں ہاتھ آگے کردیا کہ فرزانہ ہنس دیں۔

"بے وقوف لڑکی۔ صرف سن لو وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ کون سا وہ فون سے نکل کر تمہیں ہڑپ کر جائے گا۔" انہوں نے بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور زبردستی ریسیور ہاتھ میں تھما دیا۔

"دیکھو۔ رکھ مت دینا۔ بس چپ چاپ کان لگائے کھڑی رہو۔ تمہارا کیا جاتا ہے۔"

وہ سخت کبیدہ نظروں سے فرزانہ آپی کو دیکھنے لگی جو اس سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑی ہوگئی تھیں۔

کتنا آسان تھا صرف کہہ دینا۔

وہ جس اضطراب سے گزر رہی تھی، جس عذاب کو سہہ رہی تھی وہ فرزانہ آپی نہیں جان سکتی تھیں۔

"تم ہی نہ سن سکے اگر قصہ غم سنے گا کون
کس کی زبان کھلے گی پھر، ہم نہ اگر سنا سکے"

دوسری طرف سے وہی بے تابیاں مچل رہی تھیں پھر وہی آزمائش کی گھڑی سامنے آکھڑی ہوئی۔

"خدا کے لیے رحم کیجئے شاہ دل۔ میرے ناکردہ گناہوں کی اتنی سنگین سزا مت دیجئے۔ جو داغ آپ نے لگائے ہیں وہ کبھی نہیں دھل سکیں گے اور زبردستی کا سودا میں نہیں کرسکتی۔ میں آپ پر مسلط ہونا نہیں چاہتی اور نہ آپ کو خود پر کرنا چاہتی ہوں۔" وہ جیسے اس کی آواز پر چیخ ہی تو گئی۔

"سزا ہی تو ختم کرنا چاہتا ہوں اپنی بھی اور تمہاری بھی۔" دوسری طرف سے سکون بھرا جواب آیا۔ وہ گویا جلتے کوئلوں پر جا بیٹھی۔

"بولنے کا فن آپ کو خوب آتا ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں اور اسی فن نے شاید مجھے آپ کے سامنے بے بس کیا ہے۔

"چلو کسی ایک خوبی کا تو اعتراف کیا۔" وہ ہنس پڑا۔

"واہ جناب ابھی تو میری اور بھی بہت سی خوبیاں تم پر آشکار ہوں گی۔ تم موقع تو دو۔ تم نے میری ضد، میری انا دیکھ لیں۔ میری محبتیں نہیں دیکھیں، ان کی شدتیں نہیں دیکھیں۔ تمہیں ہراتے ہراتے میں خود کتنی بڑی شکست سے دوچار ہوچکا ہوں جانتی ہو۔ تم میری پہلی اور آخری شکست ہو زنیرہ اور مجھے اپنی اس شکست کا اعتراف ہے۔ اعتراف بھی تو بہادر لوگ کرتے ہیں نا۔" وہ ہنس پڑا۔

اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔ رگ رگ میں لہو جمتا ہوا مگر دوسرے پل وہی بے اعتباری کا شدید دورہ اٹھا۔ دل پھیلا سکڑا اور خون تیزی سے رگوں میں بھاگتا طوفان اٹھانے لگا۔

"مجھے آپ کی فتح یا شکست سے اب کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔ ذہنی اور دلی طور سے میں آپ سے ہر ناتا توڑ چکی ہوں۔" وہ اپنی تمام بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھال کر سخت لہجہ بناتے ہوئے بولی۔

"ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں"

وہ بڑے بے ساختہ برجستہ انداز میں ہنسا تھا وہ جھلس کر رہ گئی۔ اس شعر کے متن نے اسے اندر باہر سے بھٹی کی طرح سلگا کر رکھ دیا تھا۔

"زنیرہ علی۔ اتنی جلدی دلی تعلق ٹوٹ سکتے تو دنیا میں نہ پشیمانیاں جنم لیتیں نہ کوئی دل دکھے ہوئے ہوتے، نا محرومیوں اور شکستوں کا رونا رویا جاتا۔ یہ تعلق ہی تو توڑنا آسان نہیں ہوتا۔ ہاں اگر تمہارے دل میں شروع ہی سے کوئی کھوٹ ہوگی تو توڑنا آسان رہا ہوگا۔" اس نے اسی

ٹھہرے انداز میں اسے بے بس کرکے رکھ دیا وہ اس الزام پر تڑپ ہی تو گئی۔

"میرے جذبوں میں کبھی کھوٹ نہیں تھا۔ میں نے تمام تر شدتوں سے آپ سے محبت کی تھی۔" مگر دوسرے پل یوں چپ ہوئی گویا ساکت کردی گئی ہو۔ اس کی مدھم، ہنسی نے اسے احساس دلایا کہ وہ حماقت کا ثبوت دے چکی ہے۔

"آپ حد سے زیادہ خودغرض انسان ہیں مگر غور سے سن لیجئے میں آپ کی ان چالبازیوں میں اب ہرگز نہیں آؤں گی آپ کتنے بھی جتن کرلیں۔ میں مفاہمت کو تیار ہوں نا اب کوئی سمجھوتا کرنے کو۔" اس نے غصے میں کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا اور اسی عالم میں پلٹی مگر فرزانہ آپی کمرے میں موجود نہیں تھیں۔ وہ صحن میں اس کا انتظار کررہی تھیں۔ وہ باہر آگئی۔ فرزانہ نے اسے دیکھ کر اپنے لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ کا گلا جلدی سے گھونٹا تھا۔ اس کا تپا تپا چہرہ انہیں سنجیدہ کرگیا۔

"آپی! آئندہ اگر آپ نے مجھے اس شخص سے بات کرنے کو مجبور کیا تو میں آپ سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہوجاؤں گی۔" اس کا انداز جارحانہ تھا۔

"او۔ کے۔ ٹیک اٹ ایزی۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تھپکنے لگیں "اب ہرگز تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ اب ٹھیک ہے۔"

وہ دانتوں سے ہونٹ کاٹتی سخت آزردہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تمام تر دل شکستگی کے باوجود ان راستے پر آنے کو تیار نظر نہیں آرہی تھی۔

یہ خیال، یہ احساس فرزانہ کو اندر ہی سے اندر کاٹنے لگا مگر وہ اب اس موضوع پر بات چیت کرکے اس کا دل مزید خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ بلکہ اس کی آزردگی افسردگی کو کم کرنے کے لیے زبردستی اپنے ساتھ باہر لے گئیں۔

○☆○

شاہ دل ریسیور پکڑے یونہی بیٹھا رہ گیا تھا۔ دل سخت قسم کی خلش اور اضطرابی کیفیت سے دوچار ہو رہا تھا۔

"تم اتنی پتھر دل لڑکی تو کبھی نہیں تھیں زنیرہ۔ تمہارے اندر اتنی خود سری، اتنی انا تو کبھی نہیں تھی۔ پلیز زنی۔ مجھے اب بیچ منجدھار سے نکال ڈالو تمہارا یہ رویہ، یہ رویہ مجھے نہ مرنے دیتا ہے نہ جینے۔ میری پشیمانیاں بڑھتی جارہی ہیں۔"

غالب نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھا تو اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ غالب سے نظریں ملیں تو خفیف سا ہوگیا۔

"اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔" غالب مسکرایا۔

"غالب! وہ اتنی سخت دل اور ضدی لڑکی تو نہیں تھی۔" اس کے لہجے میں سخت قسم کی بے بسی اور بے چارگی چیخ رہی تھی۔

"وہ مجھ سے تمام تر دلی تعلقات توڑنے کا دعویٰ کر رہی ہے کیا یہ ممکن ہو گا؟"

"دعوے تو تم نے بھی کیے تھے انتقام لینے کے' اس سے کھل کر نفرت کرنے کے' کیا ممکن ہو سکا؟" غالب نے الٹا سوال داغ دیا۔

"کیوں سنے عرض مضطرب مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

ارے یار میں تو کہتا ہوں۔ سیدھے سیدھے جاؤ اس کے گھر اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بلکہ فلمی ولن کی طرح کندھے پر ڈالو اور لے آؤ۔ اب اسی طرح رخصتی ہو سکتی ہے تمہاری۔ اس رکھ رکھاؤ میں تو وقت ہی ضائع ہو رہا ہے۔" وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا "کیا خیال ہے؟"

"کبھی کبھی اندر سے ایسا ہی کچھ کر جھکنے کا ابال اٹھتا ہے مگر...." اس نے گہری سانس کھینچی اور اعصاب ڈھیلے چھوڑ کر کرسی کی پشت پر سر ٹکا دیا "مگر کسی کو جبراً حاصل کر لینے کا نام محبت نہیں ہے اس کے دل میں جگہ بنا لینے کا نام محبت ہے۔"

"مگر وہ جگہ بنانے کا موقع تو دے۔ تمہاری کوئی بات سننے کو وہ تیار نہیں ہے' اس کے گھر پر دھما کا ڈالنے کو تم تیار نہیں ہو' رخصت ہونے پر وہ تیار نہیں ہے' دباؤ ڈال کر رخصتی کرانا تم نہیں چاہتے۔ تو بھائی میرے کب تک تم دونوں الگ الگ ٹریک پر اس طرح پریشان حال چلتے رہو گے۔"

"جب تک کوئی ٹریک وہ ملا نہیں دیتی۔" وہ بے ساختہ بولا۔ غالب نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ٹریک تو نہیں ملائے گی البتہ ٹرک ضرور ملائے گی۔ یعنی ترکیب۔ اور میں جو ترکیب بتا رہا ہوں اس پر تم عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔"

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور میز سے اپنی کار کی چابی اٹھائی۔

"بات تو سنو بھاگ کہاں رہے ہو؟" غالب اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر پیچھے لپکا "کیا میری ترکیب پر عمل کرنے جا رہے ہو۔" وہ کمرے سے باہر تک آیا۔

"تمہاری اس فضول بکواس سے بور ہو کر جا رہا ہوں سڑکوں کی خاک چھاننے۔"

"تم بس خاک ہی چھانتے رہنا۔ ویسے خاک چھاننا دلکش مشغلہ ہو گا اگر زنیرہ بھی ساتھ ہو۔ سنو۔ ایسا کرو اسے گھر سے پکڑ کر لے جاؤ مل کر چھان آنا خاک۔" غالب کی بکواس جاری تھی وہ سنی ان سنی کرتا پورچ کی طرف نکل بھاگا۔

○☆○

اک ہم سفر کو کھو کے یہ حالت ہوئی عدم
جنگل میں جس طرح کوئی بے آس رہ گیا

وہ سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ آج زنیرہ سے بات کر کے سخت قسم کے ٹینشن میں ا ہو گیا تھا۔ بظاہر اس نے اس کی بات کو ہنسی میں اڑایا تھا مگر اب رہ رہ کر سینے کی تہوں میں ۔ لپٹتا جا رہا تھا۔

کہیں عمر بھر کی ریاضت بیکار ہی نہ جائے۔ یہ اس کا جذباتی اقدام اور انا اس کا گھر' اس کے ابوں کے گھروندوں کو منہدم کر کے دم نہ لے۔

"آپ تو مرد ہیں اونہہ۔ جب دل چاہے رد کر دیں جب دل چاہا دل لگی کر لی۔ با اختیار جو ہے مگر عورت کے پاس بھی دل ہے اسے بظاہر اختیار نہیں دیا گیا مگر دل پر تو اس کا اختیار چلتا ہے۔ اپنے جذبوں پر' اپنے احساسات پر تو وہ جبراً کسی کو مسلط نہیں ہونے دے سکتی۔" اس کے لوں کی بازگشت' اس کے لہجے کی سختی' اس کے ذہن کی سطح پر کوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

یسے دھند میں لپٹے راستے تھے کہ کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ اسے بس ایک موقع ے۔ اسے اپنے جذبوں پر' اپنی محبت پر اتنا بھرپور یقین تھا کہ وہ اسے ضرور منا لے گا۔ اس کے ام دکھوں کی تلافی کر دے گا۔

مگر۔

وہ موقع دیتی تب نا۔ وہ تو اس کے سائے سے بھی بھاگتی پھر رہی تھی۔

وہ الجھے ذہن سے گاڑی مختلف سڑکوں پر بھگاتا پھر رہا تھا یہ ایک مصروف شاہراہ تھی۔ یک م اس نے بریک پر پاؤں رکھ دیے۔ وہ بری طرح چونکا تھا۔ ذہن میں جیسے بجلی کا سا جھماکا ہوا تھا۔ وہ اس کے تصور سے نکل کر پیچھے سڑک پر دکھائی دی تھی۔ گاڑی اتنی زور سے اچھل کر رکی تھی اس نے کہ اطراف میں گزرتی گاڑیوں میں بیٹھے لوگ اسے فہمائشی انداز میں گھورتے ہوئے گزر گئے مگر اسے آس پاس کا دھیان ہی کب تھا۔ پہلے خیال یہی آیا کہ واہمہ ہی نہ ہو مگر وچا وہم ہی سہی تسلی کر لینے میں کیا حرج ہے۔ یوں بھی آج کل وہ اس کے حواسوں پر یوں چھائی ئی تھی کہ ہر صورت میں ہی اس کی صورت دکھائی دیتی تھی۔

وہ گاڑی پیچھے لے آیا۔ بریک بالکل اس کے نزدیک چرچرائے تھے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ لی سرمئی چادر میں وہ اس کا تصور نہیں بلکہ زندہ موجود تھی اور اسے دیکھ کر متحیر اور قدرے کھلاہٹ کا شکار ہو گئی تھی۔

پھر جیسے ہی اسے گاڑی سے اترتے دیکھا۔ اس کے وجود کے اندر گویا طوفان برپا ہو گیا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی' یہاں وہاں فرزانہ کو تلاش کرنے لگی جو رکشا ڈھونڈ رہی تھی۔ زنیرہ نے اس جگہ

سے بھاگنے کی کوشش کی اور اس کی یہ حرکت شاہ دل کو گویا تپا کر رکھ گئی۔ وہ کوئی غنڈا یا بدمعاش تو نہیں تھا۔ اسے اپنی سخت ہتک کا احساس ہوا اس کے اندر سے غصے کا ابال اٹھا اور سچ مچ ہی کوئی انتہائی قدم اٹھا لینے کو دل چاہا۔

"زنیرہ۔" اس نے اس کے بھاگتے قدم روکنے چاہے مگر وہ فرار کے لیے پر تول رہی تھی۔ ہجوم نہ ہوتا تو شاید سرپٹ دوڑ پڑتی اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ یوں راہ چلتے اسے دیکھ لے گا۔ وہ بے ترتیب خوف سے دھڑکتے دل کو سنبھالتی ہجوم میں جگہ بناتی آگے بڑھی کہ اس نے' لوگوں کی پروا کیے بنا یکدم اس کی کلائی پکڑلی۔

وہ رخ موڑ کر سخت خفا سی ناراض نظروں سے اس کی اس حرکت پر' اس جرات پر اسے دیکھنے لگی مگر وہ بڑے سکون سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ۔" اس کا لہجہ دبا دبا احتجاج لیے ہوئے تھا۔ سیاہ خوب صورت آنکھوں میں وحشت سمٹنے لگی۔

"وہ فرزانہ آپی اس طرف ہیں۔" وہ کلائی چھڑانے کی جدوجہد کرتے ہوئے بولی۔

"تم چلو گاڑی میں۔" وہ بڑے ٹھہرے ٹھہرے مگر تحکم آمیز لہجے میں بولا اور اسے تقریباً کھینچتا ہوا گاڑی تک لے آیا۔

"میں ہرگز نہیں بیٹھوں گی اس گاڑی میں' چھوڑیں میرا ہاتھ کوئی تعلق نہیں ہے میرا آپ سے۔" اس کا دل چاہا پوری طاقت سے اس کے نرم رخسار پر اپنا مردانہ ہاتھ جڑ دے۔

"چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ مت بناؤ تماشا نہ اپنا' نہ میرا۔" اس کا لہجہ قدرے سخت تھا۔ وہ ایک پل سہم کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر سخت قسم کی برہمی جھلک رہی تھی جو احساس دلا رہی تھی کہ اگر اس نے مزید مزاحمت کی تو وہ اسے زبردستی گاڑی میں دھکیل دے گا۔

اس نے مدد طلب نظروں سے سامنے دیکھا جہاں فرزانہ کی موجودگی کا امکان تھا اور گویا اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ فرزانہ رکشے میں بیٹھی اس تک آتی نظر آئیں مگر اسی اثنا میں اس نے اسے سختی سے پکڑ کر فرنٹ سیٹ پر پٹخ دیا تھا۔

"سوری سسٹر! یہ میری منکوحہ ہے اس پر میں پورا اختیار رکھتا ہوں۔ اس لیے اسے لے کر جا رہا ہوں۔" اس نے اپنی طرف کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے رکشا کے اندر بیٹھی فرزانہ کے پریشان حال چہرے پر نگاہ ڈال کر کہا اور اسے یونہی ہکا بکا چھوڑ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"آپ اس طرح کی یہ بدتمیزی نہیں کرسکتے۔ دیکھیں میں کہہ رہی ہوں گاڑی روک دیں ورنہ میں چھلانگ لگا دوں گی۔" وہ وحشت زدہ سی ہو کر چلائی۔

"یہ شوق بھی پورا کر ہی ڈالو۔" وہ بڑے مسرور انداز میں ہنسا۔ اس لمحے اسے اپنی گاڑی پر بے حد پیار آگیا۔ جس کے تمام سسٹم آٹومیٹک تھے۔ وہ بے بسی سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رنے لگی۔

"اس طرح کی حرکتیں کرکے آپ اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے۔" وہ پلکوں کے پار امڈتی آنسوؤں کی روانی کو بامشکل روک پا رہی تھی۔ غصے و بے بسی پر دل کٹا جا رہا تھا۔

"اس طرح کی حرکت کرنا میری سخت قسم کی مجبوری بن گئی ہے۔ بلکہ میں تو اس حسین اتفاق اور اپنے اس اقدام پر شدید ترین خوشی محسوس کررہا ہوں۔ اب تم میری تمام وضاحتیں سننے پر ور ہو۔ کیا خیال ہے کان تو بند نہیں کرسکو گی۔ فون کی طرح۔۔۔" وہ بڑا ہی سرشار دکھائی دے رہا ۔ ذرا بھی تو اپنے اس فعل پر اور اس کی جھنجلاہٹ پر خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔

"محبت۔۔۔ بڑا پاور فل جذبہ ہے اور یہ جذبہ صادق ہو تو بڑے بڑے پہاڑ ڈھائے جاسکتے ہیں۔ ۔ آپ کا دل پگھلانا کون سا مشکل ہوگا۔ یوں بھی تمہارے دل میں وہ محبت تو یقیناً اب بھی ۔ ہاں اس پر دھند آگئی ہے اور یہی دبیز دھند میں صاف کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دل میں جھانکو نا اندھیرا ہے' کتنی اداسی ہے' میں اس میں تمہارے وجود سے' تمہاری چاہت سے اجالا کرنا تا ہوں۔" وہ اس کی جانب قدرے جھکا اور انہی جذبوں سے پر آنکھیں اس کے چہرے پر تے ہوئے اسے بھرپور استحقاق بھری نظروں سے دیکھا۔ اس نے جلدی سے اپنی پلکیں جھکا اور رخ موڑ لیا۔ پلکوں کے بھیگے گوشے اور آنکھوں میں تیر جانے والی شرم کی سرخی بڑا ہی نظارہ پیش کررہی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ ان بھیگتے کناروں کو اپنی انگلی کی پور سے چھوئے مگر قسم کی جذباتی حرکت سے مزید خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہے نگاہ میں میری آج تک وہ نگاہ کوئی جھکی ہوئی
وہ جو دھیان تھا کسی دھیان میں وہیں آج بھی ہے لگا ہوا"

اس نے بڑے جذب اور مدھم انداز میں کہتے ہوئے سیدھا ہو کر گاڑی کا موڑ کاٹا۔

"کہاں لے کر جا رہے ہیں آپ مجھے۔ شش۔۔۔ شاہ پیلس تو نہیں لے جا رہے؟" وہ سامنے کو گھورتے ہوئے خوف سے ڈوبی آواز میں بولی "پلیز۔ آپ یہ سب کچھ اچھا نہیں ہے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"شاہ پیلس سے خوف زدہ کیوں ہو' وہی تو تمہارا اصل گھر ہے۔" اس نے اسے بڑی دلچسپی یکھا اور گویا وہ خوف سے زرد پڑ گئی۔ سخت قسم کی فہمائشی نظروں سے اس کی شکل دیکھی۔ وہ تا ہوا اسے سخت زہر لگا۔

"آپ نہ صرف انا پرست اور خود غرض انسان ہیں بلکہ ایک ظالم اور سخت بے حس' سنگ

دل انسان ہیں۔ آپ کو ذرہ بھر کسی کی پروا نہیں ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بلک اٹھی۔

اس نے گاڑی ایک پارک کے پاس روک دی۔ ہلکی ہلکی پھوار آسمان سے برستی پورے ونڈ اسکرین کو بھگو رہی تھی مگر یہاں اندر تو پوری برسات کا سماں تھا۔

"سوری زینی۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا قطعی نہیں تھا۔" وہ تاسف کی زد میں آگیا "میر تمہیں، جیتنا اور پانا چاہتا ہوں۔ چھیننا یا توڑنا نہیں یوں بھی محبت کسی کو پالینے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے دل میں جگہ بنانے کا نام ہے۔ میں تمہیں اپنی مردانگی کے زور پر نہیں محبت کی طاقت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں، تمہیں تمہاری رضا سے مانگنا چاہتا ہوں مگر میں کیا کروں۔ بسا اوقات میر دل، میرے جذبات، میرا غصہ میرے اپنے ہی قابو سے باہر ہو جاتے ہیں میرے اندر کی وحشتیں ندامتیں مجھے بے اختیار جذباتی کر دیتی ہیں۔ اسی جذباتیت نے تمہیں مجھ سے دور کر دیا ہے۔" اسٹیئرنگ پر بڑے مضطرب انداز میں انگلیاں پھیرتا کہہ رہا تھا۔ اس کی خوب صورت آنکھوا سے بھل بھل بہتے آنسو پلکوں سے الجھ الجھ کر ٹوٹتے بکھرتے ٹھہر سے گئے۔ اس نے سر اٹھایا۔ اب اپنے سنورے خوب صورت بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا اسے سخت نادم اور ملول سا دکھا دے رہا تھا۔

اعتبار کر لینے کو دل چاہا مگر پھر بے اعتباری کی راکھ اندر سے اڑنے لگی۔

"میں اپنا مسئلہ خود آپ ہوں یکدم میرا غصہ، میرا جذباتی پن، میرے اندر کی وحشتیں، مہ محبتوں کی شدتیں یہی میرا مسئلہ ہیں مگر یاد رکھو زنیرہ۔ میرا مقصد کہیں بھی کسی بھی لمحے تمہاری تمہاری نسوانیت کو مجروح کرنا نہیں تھا، تمہیں جھکانا نہیں چاہتا تھا نہ تمہاری کسی قسم کی تو مقصود تھی۔ یوں ہے زنیرہ کہ مجھ سے اڑیل، احمق اور جذباتی شخص کو محبت کرنا ہی نہیں آتی۔ محبت بھرے لمحات تھے انہیں میں نے ضائع کر دیا۔" اس نے ایک گہری سانس سینے کی تہ کھینچی اور بدھر بدھر برستی بوندوں کو تکنے لگا۔ جو ونڈ اسکرین پر موتیوں کا جال سا بنا رہی تھی۔

اسے یک دم ہی آج تہی داماں ہونے کا احساس ہونے لگا۔ دل گرفتگی کا جال جکڑنے لگا۔

وہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ وہ اس کے تاثرات جانچنے سے قاصر رہا پھر آہستگی سے طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ سڑک کے اس طرف گہرا خاموش پارک تھا جہاں اکا دکا اس بھیگے موسم کا لطف لینے آئے تھے۔

اسے اس موسم میں کوئی تازگی، کوئی نغمگی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بقول غالب کے "چھاننا بھی دلچسپ مشغلہ ہوگا۔ بشرطیکہ زنیرہ علی ساتھ ہو۔" مگر وہ نہیں تو برسات کا رومانی بھی اسے خاک سے بدتر لگ رہا تھا۔

زنیرہ نے سر اٹھا کر اسے دور ہوتے ہوئے دیکھا وہ ایک بڑے درخت کے تنے کے پاس جا کھڑا ہوا تھا، اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ اندر بہت سے اٹکے آنسو رخساروں پر لڑھک آئے۔ اب سارا کچھ کھو دینے کی طاقت تو وہ بھی نہیں رکھتی تھی۔

قدم قدم پر اس شخص نے اپنی بھرپور محبت کا احساس بھی دلایا تھا۔ وہ کیوں اسے فراموش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کا لہجہ، اس کے باطن، کی فروزاں چمک سے لبریز تھا اور سچ تو یہ تھا کہ اس کی عقل کے دریچے کھلنے لگے۔ اچانک ہی تازہ جھونکوں جیسی خوشگوار معطر سوچ لہرانے لگی۔

اس کے سارے ستم، اس کے ساتھ اس کی محبت کی ساری بے تابیاں، جنوں خیزیاں یاد آنے لگیں۔ روشنی کی ایک باریک لکیر بھی گہرے دبیز اندھیرے کا سینہ چیرنے کی صلاحیت رکھتی ہے پھر وہ تو سحر بن کر اندھیری زندگی میں طلوع ہونا چاہ رہا تھا اور وہ اتنی ناقدری بھی نہ تھی۔

اس کی مدھم مدھم آواز برسنے لگی۔

اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتری اور آہستہ قدموں سے اس کی جانب بڑھنے لگی۔ اس شخص نے بے ارادہ یا جذبات میں آ کر یہ قدم تو اٹھالیا تھا مگر ایک بھی غیر اخلاقی اور غیر سماجی رویہ اختیار کرنے کی بجائے اپنی شکست کا اعتراف کر کے اسے معتبر کر گیا تھا۔

یہی تو نازک مقام لوگوں کی پہچان ہوتے ہیں، ایسی ہی تو صورت حال انسان کا وقار بڑھاتی اور گھٹاتی ہے وہ اس کی عزت کا لٹیرا نہیں محافظ ہے یہی آج اس نے ثابت کر دیا۔

زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے
تو بڑی دیر سے ملا ہے مجھے
ہم سفر چاہیے ہجوم نہیں
اک مسافر ہی قافلہ ہے مجھے

اس کی شرم میں ڈوبی موجودگی اس کی سماعتوں پر پھوار کی مانند گری۔ اس نے جھٹکے سے رخ موڑا۔ وہ دامن کشاں کیے چہرے پر محبت بھرا تبسم افروز کیے اس کی راہ کے سارے کانٹے چننے کو تیار کھڑی تھی۔

اجالا ہی اجالا بن کر، بہار ہی بہار بن کر۔

وہ تحیر آمیز بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ خاموشی کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے یہ سمجھ ہی آج آیا۔ اس کی خوش نما آنکھیں لفظ و معنی کے سارے در کھول رہی تھیں۔ وہ جو کہہ نہیں پا رہی تھی وہ آنکھیں، وہ ہونٹ کہہ رہے تھے وہ شگفتہ تر چہرہ کہہ رہا تھا، یقین دلا رہا تھا۔

"زنیرہ! کیا میرے جذبوں کو تمہارے دل کی عدالت نے معتبر قرار دے دیا ہے، مجھے وہ یقین

دے دیا ہے۔ جس کا میں متمنی تھا؟" اس نے جذبات کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"کیا میں آنکھیں بند کر کے یقین کرلوں یہ ہاتھ میں نے مکمل تمہاری رضا سے تھاما ہے' یہ مسکراہٹ جو تمہارے لب لعلیں پر پھوٹی ہے میری محبت کا اعجاز ہے' میرے تمام بے نشان راستوں کو منزل مل گئی ہے۔" وہ بڑے جذب سے بول رہا تھا۔
زنیرہ اس کی اتنی بے تابیوں' شدتوں سے نہال ہو گئی۔
"ہم نے اس سفر میں بہت کچھ کھویا ہے شاہ دل مگر اب میں کچھ نہیں کھونا چاہتی۔ میں لمحے لمحے سے اپنے حصے کی خوشیاں کشید کرنا چاہتی ہوں۔ میرے حوصلے ٹوٹ چکے ہیں' میں بکھر گئی ہوں اب آپ سمیٹ لیجئے۔"
وہ برستی رم جھم برسات میں بھیگتی جا رہی تھی اور شاہ دل نے اپنی دعاؤں اور جذبوں کی قبولیت پر سرشار ہوا جا رہا تھا۔
یکدم اسے گہرا ملال ہونے لگا۔ کتنی خوب صورت شام اس نے جذباتیت کی نذر کر دی تھی۔
"مجھے واقعی محبت کرنا نہیں آتی زنیرہ۔" اس نے اس کا کھلا کھلا شرمایا ہوا چہرہ دیکھا۔ محبت کا ایک سمندر گویا ان دو جھلملاتی آنکھوں میں پھیلا ہوا تھا۔ جن میں ڈوب کر ابھرنے کی خواہش نہیں رہتی اور زنیرہ علی کو بھی اس سنہرے سمندر میں ڈوب کر ابھرنے کی تمنا نہ رہی تھی۔ اس کی محبت حوض کا ٹھہرا ہوا پانی نہ تھی۔ بلکہ رواں سمندر تھی۔ جس کے بہاؤ میں اس کی ناؤ نہیں ٹھہر سکتی تھی۔
"خامیاں تو ہر بشر میں ہوتی ہیں نازنین۔ مجھے فرشتگی کا دعویٰ نہیں ہے تم مجھے میری تمام تر خامیوں سمیت قبول کرو گی نا۔" اس نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنس دی۔
"آپ تو اپنی خوبیوں کے بڑے زعم میں مبتلا تھے کہ آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں جو مجھ پر آشکارہ ہو جائیں گی۔" وہ شرارت سے چھیڑنے لگی۔
"تم نے یار ساری ہوا ہی نکال دی۔" اس کا جواب اور قہقہہ برجستہ تھا۔
بادل زور سے گرجے تھے' آسمان پر کالی بدلی نے اپنی چادر ڈال دی اور ٹھنڈی پھوار برستی دھاروں میں بدل گئی۔
زنیرہ کو لگا اس کی دل کی پیاسی' سوکھی زمین بھی جل تھل ہو گئی ہو۔
روح پر ٹپکتے وہ سارے عذاب جو لگتا تھا ایک دن ڈس لیں گے اس برستی بارش میں دھل گئے اور روح و دل قوس و قزح کی طرح ہو گئے جس میں تابندیاں جھلملانے لگتی ہیں۔

(ختم شد)